الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آیات اللہ الکاملہ

اردو ترجمہ

کتاب حجۃ اللہ البالغہ

مصنفہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مرحوم ومغفور

مترجمہ

مولینا مولوی خلیل احمد صاحب بن مولوی سراج احمد صاحب اسرائیلی

حسب فرمائش

کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور

در مطبع اسلامی باہتمام کارپردازان مطبع طبع گردید

بار دوم ... (۲۰۰۰) ... قیمت

دیباچہ

سُبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ + قال اللہ عزوجل قل ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاء والذین لا یؤمنون فی اٰذانھم وقر وھو علیھم عمی اولٰئک ینادون من مکان بعید۔ اے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کہدے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کے لئے تو یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے اُنکے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ انکے حق میں نابینائی ہے یہ لوگ بڑی دُور سے پکارے جاتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ اس آیت شریفہ میں قرآن مجید کو ایمان والوں کے واسطے ہدایت اور شفا فرماتے ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں کے واسطے اس کو بوجھ اور انکی آنکھوں کے واسطے اسکو نابینائی قرار دیا ہے۔

یہ ایک نہایت واضح بات ہے کہ ہر ایک انسان کی مدت زندگی ایک ایسے سفر کی مدت ہے جس کی حد آخری موت اور پہلی منزل قبر ہے اور اس سفر کے اختیار کرنیوالوں کے واسطے راستے میں طرح طرح کا سامان کھانے۔ پینے۔ پہننے۔ پھرنے۔ سونے۔ بیٹھنے کے واسطے مہیا کیا گیا ہے اس مہیا شدہ سامان میں سے صرف اسقدر حصہ جو ہر ایک مسافر کو اپنی ذات میں دیا گیا ہے اور سورج۔ چاند۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ زمین اور انکی تاثیرات اور تغیرات و تبدلات کو تدبر اور تفکر والی نظر کے سوا ایک معمولی نظر کا آدمی بھی کسی قدر غور کے ساتھ دیکھیگا تو اس کو قبول کرنا پڑیگا کہ ان چیزوں کا مہیا کرنیوالا کوئی بڑا ہی علم والا قدرت والا وسیع علم والا اور غیر محدود قدرت والا ہے اُسکے ساتھ مدبر اور حکیم بھی بڑا اور غالب اور زبردست بھی بڑا ہے اور یہ بھی اس کو ضرور ماننا پڑیگا کہ ایسا عظیم الشان سامان بیکار اور بے فائدہ نہیں بلکہ یہ انتظام کسی شے کے واسطے کیا گیا ہے اور وہ شے بڑی ہی عظمت والی ہے اور نیز اس شے کے جس کے واسطے اتنا کچھ کیا گیا ہے اتنا کچھ کرنے والے نے کوئی کام اور خدمت بھی بڑی بھاری لینی ہے +

اس سفر میں پڑنیوالے مسافروں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جسکی نظر کی نہایت اُسکا اپنا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ ہے اور اس مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر وہ اس تمام عظیم الشان سامان کے وجود کا موجد بھی سامان ہی کو سمجھتے ہیں اور کسی کو اس کا مستقل متصرف اور حاکم نہیں مانتے اسی وجہ سے اس کی اشیاء کے جو خواص اور انکی پیدائش کے جو طریق انکو مشاہدہ میں آئے ہیں۔ انہیں سے کسی قسم کے تغیر و تبدل یا خلاف کو تسلیم نہیں کرتے بعض ایسے ہیں جو اسقدر تو مانتے ہیں کہ اس سامان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے لیکن پیدا کرنیکے بعد اب کسی قسم کے تغیر و تبدل کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ موجودہ مشاہد اشیاء کو جو خواص اور طبیعتیں اُسنے عطا کر دی ہیں انکو وہ نہیں بدلتا اور ساتھ ہی سکو علی کل شیء قدیر بھی مانتے ہیں اور نیز انکو نزدیک انکی اور اس سامان کی پیدائش کی غرض اور غایت یہیں تک ہے۔ کہ سفر کا سارا وقت اور ساری قوتیں اسی مال کو حاصل کرنے اور عیش و عشرت کرنیکے واسطے کیونکہ سفر ختم ہونیکے بعد پھر کچھ بھی نہیں۔ آیت مندرجہ عنوان میں خداوند انہی دو فریقوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس سفر میں پڑکر اللہ جل جلالہ کی ہستی کا اسکی تمام صفتوں کیساتھ یقین اور اقرار کرنے میں وہ یعنے قرآن انکے واسطے ہدایت یعنی ایک نہایت ہمدرد اور شفیق رہبر ہے جو انکی اس تدبیر اور فکر کے نتیجے کی تصدیق اور آگے بڑھنے کیواسطے دستگیری کرتا ہے اور دوران سفر میں تقاضائے بشری کی غفلتوں اور نسیانوں کو باعث جو کبھی کبھی مختلف بہت چھوٹے بڑے اوہام باطلہ خیالات فاسدہ کے امراض عارض ہوتے رہتے ہیں انکو واسطے شفا ہے ایسے خوش اقبال مسافروں کی مثال اس حکیم حاذق کی سی ہے جو بدنی امراض اور انکو زائل کرنیوالی ادویات اور مفرحات قلب مقویات دماغ اور اعصاب و دیگر اعضائے جسم سے بخوبی واقف ہو یا اس باخبر اور تجربہ کار سپاہی کی سی جو اپنے دشمنوں کی مکاریوں سے بخوبی واقف اور انکو دفعیہ کا کافی سامان موجود

رکھتا ہو قرآن مجید ان مبارک مسافروں کو ایک ایسے بے نظیر سامان کے ذخیرہ کا مالک و وارث بناتا ہے جو مدت سفر کے اندر بیماری کی حالت میں عاجل الشفا دوا مصیبت
کے وقت میں زبردست حامی تنہائی کی وحشت میں شفیق مونس غرض ہر ایک پیش آنیوالی حالت کے واسطے نکمی صاحب تدبیر بتانے والا اور اطمینان دینے والا ہے
یہ عاشق صفت معشوق اپنے طالبوں کی دلربائی اور دلبری کیواسطے اپنے اندر ایسی ایسی ادائیں - ایسی ایسی رعنائیاں اور ایسی ایسی دلفریب زینتیں اور زیبائشیں
رکھتا ہے کہ دنیا کے دوسرے معشوقوں میں انکا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا جن لوگوں پر اسکے دیدار حقیقی کا پرتو ایک دفعہ بھی پڑ جاتا ہے اس کیواسطے
وہ کچھ ایسے دلچسپی کے سامان تیار کرتا ہے جن سے دوسری دلچسپیوں کا خیال انکے دلوں سے معدوم ہوجاتا ہے اور دلوں میں عجیب قسم کی ایک
کیفیت پیدا ہوتی ہے جرات اور قوت ایسی کہ نہ خونخوار درندوں سے خوف ہوتا ہے نہ سفاک جلادوں سے استغنا اور بے پروائی ایسی
کہ ڈھیروں سونا چاندی اگر سامنے لایا جائے تو اسکی طرف نظر بھی نہیں جاتی - راہ سفر میں جسقدر زینت اور آرائش کے سامان ہیں وہ انکو نفس
اور کدر کر دیوے انکی آنکھیں اور انکے دماغ اس ہمیشہ بہار والے باغ کے قسم قسم کی نظر فریب اور خوشبودار پھولوں کی رنگ آمیزی اور خوشبو سے معطر انکے
کان اس محبوب کی لطف اور شفقت آمیز آوازوں کے ایسے لذت ہیں کہ دوسرے کسی آواز کے سننے کی انکو حاجت اور خواہش ہی نہیں +

دوسرا گروہ جس کے ادراک اور فہم کا منبع حس کا مشاہدہ ہے اور اسی واسطے وہ اس عزیز اور قدیر احکم الحاکمین کی ہستی کو بالکل یا اسکے
صفات کاملہ کو ساتھ نہیں مانتا - خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسکے واسطے وہ یعنی قرآن مجید اس کے کانوں کا بوجھ اور اس کی آنکھوں کیواسطے
نابینائی ہے یعنی جب اس کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھی جائیں تو جیسے کسی دلکش آواز یا خوشخبری کی بات کا اثر کانوں کے رستے دل
تک پہنچتا ہے اور دل اس سے متاثر ہوتا ہے اسی طرح ان آیات کی دلفریبیاں اور دل ربائیاں ان کے دلوں تک نہیں پہنچتیں بلکہ
ان آیات کے پڑھنے کی آواز ان کے کانوں کے واسطے ایک بوجھ ہوجاتی ہے جو دوسری آوازوں کی طرح جہاں اسے پہونچنا چاہیے نہیں
پہنچتی - اسی طرح جب قرآن شریف اپنے دلوں کو مسخر اور پابند کرنے والی دواؤں کو ظاہر کرتا ہے - تو وہ ان کو نہیں دکھائی دیتیں یعنی
ان کی نظروں میں اس سفری سامان کا حسن اور خوبی اس طرح تک جاتی ہے کہ قرآن شریف کی خوبیاں اس کی بانکیں ادائیں اور دلک
دل پر قابض ہوجانے والی سج دھج ان کو نظر نہیں آتی ان کی مثال قرآن کی خوبیوں کو دیکھنے کی نسبت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو کوئی
دور سے بلاتا ہو - اور وہ یا تو اس تک آواز ہی نہیں پہنچی یا آواز تو پہنچتی ہے لیکن آواز دینے والا جو کچھ اسکو کہنا چاہتا ہے اسکو بالکل
نہیں سنتا اسی واسطے ایسے مسافر قرآن شریف کی بڑی بڑی اور خاص خاص خوبیوں کے دیکھنے اور سننے سے جو اس کے سوا موجودات اور مشاہد اشیاء
میں سے کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں محروم رہتے ہیں - اور وہ اثر جو ان خوبیوں کے ساتھ لازم اور وابستہ ہے اس سے انکے دل متاثر
نہیں ہوتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس عزیز قدیر عظیم الشان عالیجاہ شہنشاہ کی اس قدر عظمت عزت ہیبت اور جلال کا حقیقی جلوہ اور
مکمل پرتو ان کے دلوں پر نہیں پڑتا - اور جب دل اس عجیب قسم کی راحت اور ٹھنڈک والی روشنی سے بے نصیب ہوئے تو زبان ہاتھ اور دیگر
اعضاء پر جو دل کے ہر وقت کمر بستہ ملازم ہیں کیا اثر کی امید ہوسکتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان کو ان کی زندگی میں ایسا موقعہ کبھی نہیں
ملتا کہ قرآن کی ان خاص خوبیوں کو معرض نطق میں لائے اور نہ ہی اس قلم کو جو انکے بے نصیب ہاتھوں میں ہے کبھی خیال گذرا ہے کہ
ایک آدھ [illegible] کتاب یا کتاب کا ایک آدھ صفحہ یا صفحے کی ایک آدھ سطر یا سطر میں ایک آدھ لفظ اس بارے میں لکھدے بلکہ برخلاف اسکے
تو ہلاکت میں پڑنے والے ہاتھوں کا توڑ دینے لائق قلم اور کاٹی جانے والی زبان بجائے اس کے کہ ان سے ایسے دل کے علم
اور فہم کا منشور سرزد ہو قرآن شریف کی ان خاص خوبیوں کے مٹانے پر مستعد رہتی ہے اور مٹانے کے سامان بعینہ اس باطل خیال والے

شخص جیسے جو آفتاب کی روشنی اپنے مُنہ کی پھونکوں سے زائل کرنے کا ارادہ اور کوشش کرے یہ سب سے زیادہ اپنی ذات کے لئے بخیل اپنی ہی نامرادی پر بس نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دوسرے مسافر بھی اس روشنی سے ان کی طرح بے نصیب اور محروم رہیں اور سفر کے اختتام پر انہی کے ہم بستر اور ہم خانہ ہوں اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا نَعُوْذُبِکَ مِنْ تَقَیُّضِ الشَّیْطَانِ وَنَعُوْذُبِکَ بِئْسَ الْقَرِیْنِ۔ اس اپنی ذات پر ظلم کرنے والی جماعت کے مقابل وہ دوسرے کریم النفس اپنے اور اپنے ہی نوع کی دلی خیر خواہ اور شفقت اور رحمت مجسم جماعت ہے کہ جب سے اس نے اس آب حیات اور آب زلال کا ذائقہ اٹھایا ہے۔ اسی وقت سے اپنی ہر ایک طاقت کے ذریعہ اس کوشش میں سرگرم ہے اپنے دوسرے ہمسفروں کو بھی اس کی چاشنی چکھائے ان کے مبارک اور کریم ہاتھوں کے مبارک قلموں نے اس دلارام کی خاص اور علم خوبیوں کا لکھنا اور اُن کی متبرک زبانوں نے انہی کا وظیفہ ہردم جاری رکھنا اپنے اس سفر کا ہی مقصود سمجھ رکھا ہے ان کی سب سے عزیز خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس محبوب کی وہ خاص خوبیاں لوگوں کے دلوں میں بٹھائیں کہ وہ اس سے بلکہ ایسے بڑے سامان اور اپنے اس سفر کے دستور العمل اور اس کی غایت سے بخوبی واقف ہو جائیں ایسے مسافروں کا وجود نہ صرف ان کے ہمعصر بلکہ ان کے بعد آنے والے مسافروں کی جماعت کے واسطے بھی خداوند تعالےٰ کی خاص رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے اس متبرک جماعت میں سے ایک بزرگ مخدومنا مکرمنا حضرت **شاہ ولی اللہ** صاحب مرحوم ہیں جنکو ان کے طریق کی ہمعصر اور بعد میں آنیوالے مسافروں کی جماعت نے حکیم اُمت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ہزاروں جانوں سے بھی بڑھ کر عزیز خطاب دیا اور اس خطاب کی وجہ انسان کی روحانی بیماریوں اور ان کے مناسب علاج کی مکمل تشریحات کا تیار کرنا ہے۔ آپ کا سفر کا زمانہ اس محبوب کی خوبیوں کے لکھنے اور بیان کرنے میں ختم ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کی منجملہ بہت سی تصنیفات کے ایک کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے جس میں اس ہدایت اور شفا یعنی قرآن مجید کے احکام کے اسرار اور مصالح کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب آپ نے عربی میں لکھی ہے اور عربی زبان کے جاننے والے خصوصاً اس زمانے میں بہت ہی کم لوگ رہ گئے ہیں لیکن زمانے کی استدلال پسند ہونے کی وجہ سے ایسی کتاب کی اشاعت نہایت ضروریات سے تھی اس واسطے میں نے اس کا اردو ترجمہ کرا کر محنت اور کوشش سے توکلاً علی اللہ چھاپ دیا ہے اور اس چشمۂ حیات کو جو بہت سے لوگوں کی نظروں سے حجاب میں تھا عام کر دیا ہے ایسے صاحبوں سے جن کو مذہب اسلام کے ساتھ دلچسپی ہے قوی اُمید ہے کہ وہ اس کتاب کے فائدے سے محروم نہیں رہینگے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وعلیہ التوکل والتکلان ھو المولی والنصیر نعم المولی ونعم النصیر +

خاکسار

کرم بخش

مالک اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

مختصر حالاتِ مصنفِ کتاب علیہ الرحمۃ

نام و نسب و ولادت - ان کا نام ولی اللہ اور ان کے والد کا شیخ ابو الفیض عبد الرحیم تھا۔ جو دہلی کے مشاہیر مشائخ سے گذرے ہیں ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی سے جا ملتا ہے اور ماں کی طرف سے امام موسیٰ کاظم رضا سے اس صورت میں شاہ ولی اللہ صاحب عربی نسل اور خاندان فاروقی کے ایک معزز رکن ہیں۔

یہ معلوم نہیں کہ ان کے آباؤ اجداد کس زمانہ میں عربستان سے نکل کر پہلے ملک عجم اور پھر دہلی میں وارد ہوئے مگر ان کی چھبیسویں پشت میں ایک شخص کا نام ہمایوں ہے جس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ عرصہ دراز سے عربستان چھوڑ چکے تھے سلسلہ نسب اس طرح پر ہے۔ ولی اللہ بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین الشہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قوازن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدھ بن عبد الملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین المفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابو الفتح ملک بن عمر الحاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب

ان کی ولادت شوال کی چوتھی تاریخ یوم چہارشنبہ ۱۱۱۴ ہجری ایک ہزار چودہ سو ہجری کو دہلی میں ہوئی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مرحوم کی بشارت سے جو ان کے والد کو خواب میں ہوئی تھی ان کا نام قطب الدین رکھا گیا مگر عجب اتفاق ہے کہ اس نام کو شہرت نہیں ہوئی عام و خاص کی زبان پر شاہ ولی اللہ مشہور ہو گیا۔

تحصیل علم اور سلسلہ تدریس - ان کی عمر ابھی پانچ برس کی تھی کہ والد بزرگوار نے بسم اللہ شروع کرا دی۔ ساتویں سال قرآن مجید ختم ہوا اور پھر کتب فارسی پڑھانے کے بعد عربی پر متوجہ کیا چنانچہ دسویں سال شرح ملا تک پہنچ گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں استعداد ترقی کی کہ پندرھویں سال تفسیر بیضاوی کا درس ان کو ملنے لگا غرض فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ معانی بیان۔ اصول۔ عقائد۔ تصوف۔ منطق۔ کلام۔ فلسفہ کی درسی کتابیں اور طب۔ ہیئت۔ حساب کے چند مختصر رسالے اپنے والد سے بخوبی پڑھے۔ اور سترھویں سال اُن کے انتقال کے بعد کتب منقول اور معقول کے پڑھانے میں مصروف ہوئے اور بارہ برس تک اس کام کو بخوبی سرانجام کیا۔ ان کے تحصیل علوم کی سند اپنے والد کے ذریعہ امام مسلم ہروی کے طریق پر محقق دوانی تک پہنچتی ہے کتب حدیث کو اُنہوں نے دو مرتبہ پڑھا پہلے مرتبہ ہندوستان میں مولانا محمد افضل معروف بحاجی سیالکوٹی سے اور پھر ۱۱۴۳ ہجری میں مدینہ شریف پہنچ کر ابو طاہر مدنی سے جو اپنے وقت کا بڑا مشہور محدث تھا تجدید اجازت کی۔ اللہ تعالیٰ نے طبع سلیم اور ذہن رسا اس درجہ کا عطا کیا تھا کہ ابو طاہر ان پر فخر کیا کرتے اور کہتے کہ ولی اللہ لفظ کی سند مجھ سے لیتا ہے اور میں معنی کی سند اس سے حاصل کرتا ہوں۔ ایک برس سے کچھ زائد عرصہ حرمین میں رہ کر اور حج کعبۃ اللہ سے مشرف ہو کر شروع ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان کو واپس ہوئے اور چودھویں رجب کو بخیر و عافیت وطن مالوف میں پہنچے۔

بیعت - شیخ عبد الرحیم صاحب ان کے والد بزرگوار جیسے علوم ظاہری سے باخبر تھے ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے علوم باطنی کا شرف ان کو عطا کر رکھا تھا شاہ ولی اللہ کی عمر جب ۱۴ برس کو پہنچ گئی اور علوم دینیہ سے بخوبی واقف ہو گئے تو والد نے پندرھویں سال انکو یہ شرف عطا کرنا چاہا چنانچہ اسی وقت انہوں نے والد سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ خصوصاً نقشبندیہ میں اپنا بیش قیمت وقت صرف کرنا شروع کیا والد کے پاس انفاس اور اپنے تقویٰ و طہارت کے باعث کمال میں استعداد ترقی کی کہ ان کی زندگی میں دو تین برس کے اندر عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کر لئے اور والد نے سترھویں سال

بیعت و ارشاد کی اجازت انکو دیدی پھر ۱۱۴۳ ہجری میں جب حجاز کو گئے اور ایک سال تک حرمین شریفین کی مجاورت اور ابوطاہر مدنی کی روایت حدیث سے مشرف ہوئے تو ان کے خرقہ سے جو تمام فرقہائے صوفیہ کا حاوی تھا آرائش حاصل کی ۔

قرآن اور حدیث کی اشاعت

ہندوستان میں اس وقت تک فقہ تصوف اور معقولات کا بہت رواج تھا اور قرآن و حدیث کا چرچا کم۔ گیارھویں ہی ہجری میں صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک ایسے بزرگ گذرے تھے جنہوں نے حدیث کی اشاعت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ کی اور ان کی کتابیں بھی ایسی مقبول ہوئیں کہ اب تک نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں مگر ان کے بعد اس سلسلہ میں کچھ ترقی نہ ہوئی عام و خاص پیر پرستی اور مادہ تقلید میں مقید اور صدہا قسم کے توہمات میں گرفتار تھے کہ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے شرک و بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ترویج کے واسطے شاہ ولی اللہ کو آمادہ کیا انہوں نے قرآن اور حدیث کی اشاعت میں خوب کوشش کی قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا اب تک تفاسیر پر منحصر تھا اور علماء اس کو اپنا حصہ سمجھ بیٹھے تھے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور لفظوں کی رعایت سے ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں کو کلام الٰہی کا سمجھنا آسان ہو گیا باوجودیکہ اس ترجمہ کی عمر ڈیڑھ سو برس سے زائد ہو گئی تھی اور اشاعت علوم و فنون خصوصاً ترجمہ کا دریا ترقی کی لہریں مار رہا ہے مگر اس ترجمہ پر کبھی کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہوئی یہ ترجمہ قرآن مجید کے بین السطور میں تحریر ہو کر مرات و کرات ہندوستان کے متعدد مطابع میں چھپ چکا ہے اور اس کمال سے لکھا گیا کہ وہ حال تک مقبول خلائق ہے علوم خمسہ قرآنیہ تاویل مقطعات اور رموز قصص انبیاء میں فوز الکبیر شرح غرائب فتح الخبیر اور تاویل الاحادیث ایسے عمدہ اور مختصر رسالے لکھے کہ بڑی بڑی تفاسیر کے مطالعہ کی شائقین کو مستغنی کر دیا مسائل فقہیہ مذاہب اربعہ یعنی حنفی شافعی مالکی حنبلی کی تحقیقات مذاہب صحابہ و تابعین اور اقوال جماعت فقہاء محدثین سے کر کے فقہ حدیث کی بنیاد از سرنو قائم کی اور اسرار حدیث و مصالح احکام کو ایسی عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا کہ ان سے پیشتر کے مصنف کو یہ بات کمتر حاصل ہوئی ہے۔ کتاب حجۃ اللہ البالغہ انکے اس کمال پر شاہد بین ہے رسالۃ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اور عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں اس امر کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی موجودگی میں اقوال فقہاء متقدمین اور اسناد مقلدین کی کیا وقعت ہو سکتی ہے اسیطرح عقائد تصوف اور سلوک میں محققانہ تقریریں کی ہیں اور خیالات عالیہ کو طلباء کی سہولت اور مسائل کی تبیین میں عبارات مختصرہ اور اشارات لطیفہ کو ذریعہ اسطرح ادا کیا ہے کہ انکے زمانہ میں دوسرے مصنف کو کم میسر ہوا۔ ان بے نظیر تصنیفات کے باعث نواب صدیق حسن خانصاحب نے لکھا ہے "اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی میبود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ میشود" ہندوستان میں شرک بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ترویج میں ان کے پوتے مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ اس تعریف کے مستحق ہیں لیکن جن لوگوں نے دونوں بزرگوں کی تصانیف کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے تمام اصول اپنے دادا کی تحریرات سے ماخوذ ہیں فرق صرف اس قدر کہ وہ اپنے زمانہ کو مناسب حال نرم گفتاری سے کام لیتے تھے اور یہ مثل شیر برہنہ کے میدان میں نکلکر اپنی چمک دکھاتے تھے ۔

حجۃ اللہ البالغہ ہزاری یہ کتاب تو فقہ حدیث پر مشتمل ہے کہ اس میں فقہ حدیث اخلاق تصوف اور فلسفہ پانچوں مضمون کا مذاق پایا جاتا ہے پہلا باکمال جس نے اسرار علوم دین کے بیان کرنے میں اپنے جوہر قابلیت دکھائے اور مضامین خمسہ کو بنایا وہ امام غزالی ہیں اور احیاء العلوم ان کی عظیم الشان یادگار جو سات سو برس سے لوگوں کے افتخار کا باعث رہی ہے۔ دوسرا بزرگوار جس نے مدت دراز کے بعد اپنے زمانہ

کے مناسب حال اس فن کی تہذیب کی وہ شاہ ولی اللہ ہیں اور حجۃ اللہ البالغہ ان کی بےنظیر کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے جس سے فقیہہ مسئلہ فقہی کا اور محدث مطابقت حدیث کو اور فلسفی اس کی دلیل اور برہان کو نکالتا ہے اور اس خوض اور غور میں سایت کے ساتھ اخلاق اور تصوف کا ذائقہ بھی اسکو حاصل ہوتا رہتا ہے یہ کتاب اگرچہ احیاء العلوم کے مقابلہ میں مختصر ہے مگر تنقید احادیث میں اس سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ نواب صدیق حسن خانصاحب نے اسکی نسبت اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے"۔ ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما شرح احادیث بسیار دراں کردہ و علم اسرار آں بیان نمودہ۔ تا آنکہ در فن خود غیر مسبوق الیہ واقع شدہ و مثل آں دریں دوازدہ صد سال ہجرت ہیچ یکے از علماء عرب و عجم تصنیفے موجود نیامدہ و منجملہ تصانیف مؤلفش مرضی بودہ است و فی الواقع بیش ازاں است کہ وصفش تواں نوشت"۔

تفصیل تصانیف

شاہ ولی اللہ صاحب نے اکثر فنوں میں کتابیں تصنیف کی ہیں جو سب کی سب مفید اور منفعت بخش ہیں اور بعض ان میں سے عدیم النظیر غیر مسبوق ہیں کتب مشہورہ کی تصنیف قسم وار ہے۔

(۱) **متعلق قرآن مجید**۔ فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن۔ فوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ فتح الخبیر تفسیر الماثور۔ تاویل الاحادیث۔

(۲) **متعلق حدیث**۔ مصفی شرح (فارسی) موطا۔ مسوی شرح (عربی) موطا۔

(۳) **متعلق فقہ الحدیث**۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید۔

(۴) **متعلق خلافت صحابہ**۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین۔

(۵) **متعلق تصوف و سلوک**۔ فیوض الحرمین۔ انسان العین۔ قول الجمیل۔ ہمعات۔ الطاف القدس۔ لمحات۔ سطعات۔ انفاس العارفین۔ خیر کثیر۔ شفاء القلوب۔ بدور البازغہ۔ زہراوین۔ رسائل تفہیمات۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ در الثمین۔

(۶) **متفرقات**۔ عقیدۃ الحسنہ۔ المقدمۃ السنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ۔ سرور المحزون۔ رسالہ دانشمندی۔ ارشاد الی مہمات الاسناد۔ المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ۔ ازالۃ الخفاء کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کو حدیث تفسیر اور تاریخ پر کسقدر عبور اور استخراج مسائل میں کتنا تبحر تھا۔ یہ کتاب بلحاظ جامعیت الٰہیات کے عجیب و غریب ہے اور مصفی میں حدیث کی تحقیقات اس عمدگی سے کی ہیں کہ درجہ اجتہاد اس پر نمایاں ہوتا ہے۔

وفات و اولاد۔ شاہ ولی اللہ صاحب سنہ ۱۱۷۶ ہجری میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس کی پہنچ چکی تھی۔ ان کی قبر پرانی دہلی میں شاہجہان آباد کی جانب جنوب ہے تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے ؎ او بود امام اعظم دین۔ ان کے بعد ان کے چار بیٹے مشہور گذرے ہیں۔ شاہ عبد العزیز۔ شاہ عبد القادر۔ شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبد الغنی۔ یہ چاروں بزرگوار اپنے زمانہ میں علم و عمل و فہم و قوت تقریر و فصاحت تحریر و تقوی و دیانت و امانت و مراتب ولایت میں فرید دہر اور وحید عصر تھے ان میں شاہ عبد العزیز بالخصوص زیادہ نامور مانے گئے ہیں ہندوستان میں اس وقت جس قدر محدث ہیں ان سب کا سلسلہ روایت حدیث شاہ عبد العزیز کے ذریعہ شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔

تشریح الاصطلاحات

ناظرین باتمکین کو واضح ہو کہ جب پہلی بار یہ کتاب چھپی اور میں نے اُس کا مطالعہ کیا تو بعض اصطلاحات علمی ایسی پائیں کہ جن کو سوائے خاص کے عام سمجھنے سے قاصر ہیں میں نے اپنے نسخہ پر جا بجا اُنکی مختصر سی تشریح کر دی میرے دوست مکرم مولوی کرم بخش صاحب جنہوں نے میری لئے سے اس کتاب کو ترجمہ کرایا تھا اس تشریح کو بہت پسند کیا اور طبع ثانی کے وقت مجھ سے اُسکے داخل کتاب کرنیکی اجازت چاہی میں نے فائدہ خاص و عام کیلئے خوشی سے اجازت دیدی التماس ہے کہ جو صاحب اسکو پڑھ کر فائدہ اٹھائیں وہ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ کیونکہ امیدوار بود آدمی بخیر کساں

احمد بابا مخدومی - ۱۳ - اپریل ۱۹۰۹ء

(۱) **ملازم**۔ اگر ایک امر دوسرے امر سے ایسے طور پر تعلق رکھتا ہو کہ پہلے کے وجود پر دوسرے کا وجود ضرور مترتب ہو۔ یا یوں کہو کہ دوسرا پہلے سے غیر منفک ہو تو دوسرے کا ملزوم کہا کرتے ہیں ملزوم اپنے لازم کے لئے علت ہوتا ہے اور لازم معلول +

(۲) **ملکات نفسانی**۔ نفس انسانی پر جو کیفیات وارد ہوتی ہیں وہ دو قسم کی ہیں اول وہ جن کا اثر فوری ہوتا ہے یعنی جو سریع الزوال ہوتی ہیں ایسی کیفیات کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں اور جو کیفیات پائدار ہو کر نفس انسانی میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ ملکہ کہلاتی ہیں اسلئے ملکات نفسانی سے وہ کیفیات مراد ہیں جو نفس انسانی میں ہمیشہ کیلئے ثابت اور مستقل ہو جاتی ہیں اسکو کبھی یوں بھی بیان کر دیا کرتے ہیں کہ ملکہ نفس انسانی کی اس حالت کلیہ کا نام ہے جو کسی فعل کو بلا تکلف سرزد ہونے کا باعث ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی بڑا سخی ہو تو اسکی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ اسکو ملکہ سخاوت حاصل ہے علی ہذا اور تمام کیفیات نفسانیہ کی نسبت بھی ایسا ہی خیال کر سکتے ہیں +

(۳) **عدم مطلق**۔ یہ میٹا فزکس یعنی علم مابعد الطبعیات کی اصطلاح ہے۔ پہلے وجود کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے عدم کی حقیقت سمجھنا کچھ مشکل نہیں وحدت وجود والوں کے ہاں تو عدم کسی حقیقت کا نام ہی نہیں بلکہ اُنکے ہاں حقیقت اصلیہ صرف وجود ہی ہے اب عدم مطلق کو یوں سمجھنا چاہئے کہ جب کسی شے کی تمام جہات وجودیہ منفی ہوں تو وہ معدوم مطلق ہے لیکن اس پر بھی اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے کیونکہ لفظ شے کے مفہوم میں ہی اسکا وجود ضمناً تسلیم کیا جاتا ہے

(۴) **مجہول مطلق** ایسے امر کو بولتے ہیں جسکی نسبت ہمیں تمام ممکنہ جہات سے علم حاصل نہ ہو یعنی اس کی ذات یا وصف یا کسی اور جہت سے جو کسی چیز کے علم کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اس کا علم نہ ہو یا یوں کہو کہ جس کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں مثلاً کوئی خاص گاؤں جو ملک چین میں ہو اور جسکو میں اب سے پہلے نہیں جانتا اسکے جاننے کے وقت وہ میرے لئے مجہول مطلق ہے پھر جب اس کو جانونگا تو پہلے اسکی حقیقت وجود کا مجھے علم حاصل ہوگا۔ پھر اسکے دوسرے متعلقہ امور کا اب جس جس امر کے لحاظ سے مجھے اس کا علم حاصل ہوگا اس امر کے لحاظ سے وہ گاؤں میرے لئے امر معلوم کی حیثیت حاصل کریگا لیکن کوئی چیز معلوم مطلق نہیں ہو سکتی کیونکہ اشیاء اور حقائق کے تمام لوازم و خصائص پر ہم حاوی نہیں ہو سکتے۔ پس جب تک کوئی چیز ذات۔ وجود وصف وغیرہ تمام اعتبارات کے رو سے میرے علم سے خارج ہے تو وہ مجہول مطلق ہے پس جب جس جہت سے مجھے اس کا علم حاصل ہوگا تب اسی جہت سے وہ میرے ذہن میں معلومیت کا درجہ حاصل کریگی +

(۵) **امر بسیط**۔ عربی فلسفے والے بسیط کے چار معنی لیا کرتے ہیں اس جگہ امر بسیط کے معنی لکھے جاتے ہیں بسیط اصطلاح میں ایسے امر کو بولتے ہیں جو اجزا نہ رکھتا ہو اور اس لیئے وہ قابل تقسیم بھی نہ ہو +

بسیط خارجی اور بسیط ذہنی علیحدہ علیحدہ دو امر ہیں۔ مادی کائنات صرف عناصر اربع بخیال اہل یونان بسائط کہلاتے ہیں اور بسیط ذہنی ایسی کیفیات نفسانیہ سے مراد ہے جنکی تقسیم کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا مثلاً زید قائم بخیال مرکب ہے لیکن صرف زید۔ یا صرف قائم

یعنی ہیولیٰ اور صورت دونوں کے باہمی ربط دینے کے خیال بسیط ہیں +
کبھی کبھی بسیط کو مادی چیز کے متضاد معنوں میں لیا کرتے ہیں مثلاً روح۔ خدا بسیط ہیں کیونکہ ظلمت مادہ سے پاک ہیں +
بسیط کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ چیز تعریف منطقی قبول نہیں کرتی یعنی جس طرح ہم انسان کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ حیوان ناطق کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ انسان ایک مفہوم مرکب کا نام ہے کیونکہ اسکے دو جزو ہیں حیوان اور ناطق مگر فرض کرو کہ ایسی چیز بھی ہے جس کی ہم منطقی تعریف (یعنی جنس و فصل جو ذاتیات ہوتے ہیں) تجویز نہیں کر سکتے۔ تو وہ بسیط ہے مثلاً خدا یا بعض کے نزدیک حقیقت وجود یا نقطہ وحدت وغیرہ ایسے مفہوم ہیں جو ناقابل تعریف ہیں +

(۶) **مفہوم نظری**۔ ہمارا علم دو قسم پر منقسم ہے بدیہی اور نظری اگر ہمیں کسی چیز کا علم حاصل کرنے میں قوت فکریہ کو عمل میں لانا نہ پڑے اور منطقی طور پر ترتیب مقدمات سے نتیجہ نکالنا نہ پڑے بلکہ دفعۃً نفس انسانی اسکو اخذ کرلے تو ایسا علم علم بدیہی کہلاتا ہے مثلاً علم اس امر کا کہ آگ جلایا کرتی ہیں یا ایک اور دو تین ہیں یا دو متضاد جمع نہیں ہو سکتے +
بعض کا خیال ہے کہ کوئی چیز دنیا میں بدیہی نہیں اور بعض لکھتے ہیں کہ کوئی چیز نظری نہیں لیکن حق یہ ہے کہ کسی چیز کا بدیہی یا نظری ہونا امر اضافی ہے ممکن ہے کہ جو امر میری نسبت بدیہی ہو وہ کسی دوسرے کیلئے نظری ہو۔ اور نیز بالعکس پس نظری وہ چیز ہوگی۔ جس کا علم بغیر عمل فکر کے ہم حاصل کرتے ہیں مفہوم کسی ذہنی صورت کا نام ہے +

(۷) اسمائے **توفیقی**۔ خدا کے ان ناموں سے مراد ہے۔ جو قرآن میں مذکور نہیں ہوئے مثلاً ستار۔ غفار۔ سمیع۔ بصیر۔ رحمٰن رحیم وغیرہ اسماء آئے ہیں اس لئے ان کا استعمال و اطلاق ہمارے لئے کوئی محذور شرعی عاید نہیں کرتا بعض ایسے اسماء ہیں۔ جو قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئے مثلاً مرید۔ گو ارادَ۔ یرید (اس نے ارادہ کیا۔ وہ ارادہ کرتا ہے) کے الفاظ آئے ہیں مگر بصیغہ اسم فاعل وارد نہیں ہوا۔ تو یہ نام توفیقی ہے۔ علماء کو ایسے ناموں کے اطلاق اور استعمال میں باہم اختلاف ہے یعنی آیا ایسے ناموں کا اطلاق ذات باری کے لئے جائز ہے یا ناجائز + توقیف کا لفظ وقف سے مشتق ہے گویا ایسے اسماء کا اطلاق شارع علیہ السلام سے مروی ہونے پر موقوف کہا جاتا ہے +

(۸) **استحالہ**۔ اس کے لغوی معنے ہیں پھر جانا۔ پلٹ جانا علم طبیعیات کی اصطلاح میں کون و فساد سے مراد لی جاتی ہے یعنی ایک عنصر کا پہلی صورت چھوڑ کر دوسری صورت میں آنا۔ جیسے پانی کا بخار کی صورت میں تبدیل ہونا یا بالعکس +

(۹) **صورت نوعیہ** اس اصطلاح سے مراد ایسا جوہر ہے کہ جب وہ جسم کو لاحق ہوتا ہے تو اس کو دوسرے انواع سے ممتاز کر دیتا ہے مثلاً انسان کی صورت نوعیہ سے وہ جوہر مراد ہے جو دیگر اقسام اجسام سے اسکو تمیز دیتا ہے حکماء اسی جوہر کو مبدء آثار و افعال مختلفہ قرار دیتے ہیں یعنی کسی جسم کی صورت نوعیہ علت ہے۔ اس چیز کے خاص مختلف آثار و افعال کی گویا صورت نوعیہ اجسام کو اسی طرح علیحدہ علیحدہ کرتی ہے جسطرح فصل جنس سے ملکر ایک نوع علیحدہ قائم کرتی ہے۔ حیوان سے اگر ناطق ملادیں۔ تو انسان بنجائیگا اگر ناہق یا صاہل ملادیں تو حمار یا فرس + اسی طرح خارجی طور پر مادہ کو جو بجائے جنس کے ہے جب صورت نوعیہ لاحق ہوتی ہے تو کسی جسم کا مادہ دیگر اجسام کے مادہ سے بالکل متمیز ہو جاتا ہے جیسا کہ انسان کی صورت نوعیہ انسان کو دیگر حیوانات کی صورت سے تمیز دیتی ہے

(۱۰) **صورت ترکیبی**۔ جب مختلف اجزاء ملکر ایک خاص ہیئت مرکب پیدا کرتے ہیں تو وہ صورت ترکیبی کہلاتی ہے مثلاً کسی میز کی لکڑی کے علیحدہ علیحدہ جزا جب بحالت انفصال پڑے ہوتے ہیں تو میز کی صورت ترکیبی سے جو بصورت ترکیب اجزاء مترتب ہوگی ہم بالکل بےخبر ہوتے ہیں اگر ان کو ملا دیا جاوے تو انکی ترکیب سے میز کی جو صورت یا ہیئت پیدا ہوگی وہ اس میز کی صورت ترکیبی کہلائیگی +

اللہ کے واسطے تمام خوبیاں ہیں جس نے تمام لوگوں کو مذہب اسلام اور اسلام کی ہدایت پر پیدا کیا۔ اور ان کی پیدائش ان خالص کشادہ اور نفیس روشن مذہب پر کی ہے اور جب لوگوں پر جہالت چھاگئی اور نہایت پست درجہ کے نشیب میں اس نے ان کو گرا دیا اور بدبختی نے ان کو گھیر لیا تو خدا نے ان پر رحم کیا اور ان کے حال پر مہربانی کی کہ انبیاء کو ان کی طرف مبعوث کیا تاکہ ان کے ذریعے سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور تنگی سے کشادہ میدان کی طرف باہر نکال لاوے۔ اور خدا نے اپنی خوشنودی کو ان کی فرمانبرداری پر موقوف کیا۔ اس بزرگی اور مرتبہ کا کیا ٹھکانا ہے۔ بعد انبیاء کے ان کی پیروی کرنے والوں میں سے خدا نے جن کو چاہا۔ اس کی توفیق دی کہ انبیاء کے علموں کو کوشش سے حاصل کریں۔ اور ان کی شریعتوں کے اسرار معلوم کریں اس لئے وہ انعام خداوندی سے اسرار انبیاء کے جامع اور ان کے انوار تو متعدد سے کامیاب ہو گئے۔ ایسے لوگوں میں خدا نے ایک ایک کو ہزار ہزار عابدوں پر فضیلت دی ہے اور عالم ملکوت میں انکا نام عظام بڑے مرتبہ والے رکھا گیا ہے انکی ایسی حالت ہے کہ تمام مخلوق الٰہی حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی ان کے لئے دعا کرتی ہیں۔ بار خدایا تو ان پر اور ان کے وارثوں پر جب تک آسمان اور زمین قائم ہے رحمت نازل کرتا رہ۔ اور ان کو سلامت رکھ۔ اور ان سب میں سے سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو جن کو کشادہ اور روشن نشانیوں سے مدد دی گئی ہے افضل ترین رحمت اور بزرگترین تحفہ اور پسندیدہ ترین قبولیت کے ساتھ خاص کر اور آپ کی اولاد و اصحاب پر اپنے خوشنودی کا مینہ برسا اور ان کو عمدہ جزا عطا کر ✦

اس کے بعد بندہ خدائے کریم کی رحمت کا محتاج احمد مشہور ولی اللہ ابن عبدالرحیم (عاملہما اللہ تعالیٰ بفضلہ العظیم وجعل آلمادہم المقیم) کہتا ہے کہ تمام یقینی علوم سے زیادہ عمدہ اور بمنزلہ بیخ کے اور مذہبی فنون کی بنیاد علم حدیث ہے جس میں ان اقوال و افعال اور بیانات کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہیں۔ اسلئے وہ اقوال وغیرہ تاریکی میں چراغ اور ہدایت

کے نشانات ور گویا چودھویں رات کے تاب ناک چاند ہیں جس نے اُن کی پیروی کی اور اُن کو محفوظ کر لیا وہ راہ راست پر ہے اُس کو بڑے درجہ کی خوبی عطا کی گئی ہے اور جس نے اُن کو نہیں مانا وہ راہ راست سے بہک گیا اور پستی میں گرا اور اپنے لئے بجز نقصان کے اور کچھ زیادہ نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (رذایل سے) منع کیا اور (خوبیوں کا) حکم دیا ہے (درکات سے) ڈرایا ہے اور (درجات کی) بشارت دی ہے (بات بات کی) مثلیں بیان کی ہیں اور لوگوں کو نصیحتیں کی ہیں۔ وہ نصیحتیں شمار میں قرآن کے برابر ہیں بلکہ زیادہ ۔

علم حدیث کے مختلف طبقے ہیں اسلئے باہم اہل حدیث کے درجے مختلف ہیں اور اس علم میں بعض حصے بمنزلہ پوست کے ہیں جنکے اندر مغز بھرا ہوا ہے اور بعض بمنزلہ سیپیوں کے ہیں جنکے اندر موتی ہیں ۔

اور اکثر ابواب کے متعلق علمائے رحمہم اللہ کی ایسی تصانیف ہیں کہ جن سے وحشی مضامین کا شکار کیا جاتا ہے اور سخت سے سخت مطالب بھی انکے ذریعہ سے رام ہو سکتے ہیں اور فنون حدیث میں سے سب سے زیادہ ظاہری وہ فن ہے جس سے احادیث کی صحت، ضعف، شہرت اور غرابت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ محدثین میں سے نقادان فن اور علمائے متقدمین سے حفاظ حدیث نے اس فن کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ اسکے بعد اس فن کا درجہ ہے کہ جس میں غریب احادیث کے معانی اور مشکل احادیث کا پورا انضباط ہو۔ اس کا اہتمام فنون ادبیہ کے اماموں اور علمائے عربیہ کے پختہ مغز لوگوں نے کیا ہے۔ پھر اس فن کا درجہ ہے کہ جس میں احادیث کے شرعی معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ اور فرعی احکام اُن سے نکالے جاتے ہیں اور احکام منصوص کی عبارت یا اشارہ اور رمز پر اور احکام کا قیاس کیا جاتا ہے۔ منسوخ و محکم احکام سمجھے جاویں۔ اور ضعیف اور قوی کا علم حاصل کیا جاوے۔ عام علماء کے نزدیک یہی فن بمنزلہ مغز اور موتی کے ہے۔ فقہا محققین نے اس فن کی طرف نہایت توجہ کی ہے ۔

لیکن میری دانست میں تمام علوم حدیث میں سے زیادہ دقیق فن جسکی جڑ نہایت عمیق ہے اور اُس کا منار نہایت بلند ہے اور میری نظر میں جو تمام علوم شرعیہ سے زیادہ بلند مرتبہ اور عالی قدر ہے وہ اسرار دین کا علم ہے جس میں تمام احکام دین کی حکمت اور علم اور ایک ایک عمل کے راز اور نکات بیان کئے ہیں۔ باللہ وہ تمام علموں میں سے سب سے زیادہ اسکا مستحق ہے کہ جس سے بن پڑے اپنے نفیس وقتوں کو اس میں صرف کیا کرے۔ اور مفروضہ طاعتوں کے بعد معاد کے لئے اُس کو ذخیرہ کرے اس لئے کہ شریعت کے احکام میں اسی کے ذریعہ سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور اس فن کے عالم کو خبار شریعت سے وہی تعلق ہوا کرتا ہے جو عروض کے عالم کو اشعار کے دیوانوں سے اور منطق کو حکما کے دلایل سے اور نحوی کو فصحاء عرب کے کلام سے ۔ اور اصول فقہ کے عالم کو فقہا کی تفریعوں سے ہوتا ہے ۔ اسی علم کے ذریعہ سے ایسی حیرانی سے حفاظت رہتی ہے جو کسی شخص کو رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنے میں پیش آتی ہے (کہ خشک و تر میں وہ امتیاز نہیں کر سکتا) یا پانی کی رو میں غوطہ لگانے والے کو درپیش ہو (اس سے اس میں رہتا ہے کہ اُس اونٹنی کی طرح پاؤں مارے جس کو اپنے سامنے کی کوئی چیز نظر نہ آتی ہو۔ یا کسی نابینا اونٹنی پر سوار ہو ۔

ایسے شخص کی حالت اُس آدمی کی سی نہیں ہو سکتی جس نے کسی طبیب کو کھانے کے لئے سیب بتاتے ہوئے سنا ہو اور مشکل ہونے کی وجہ سے اندرائن (حنظل) کا اس پر قیاس کر لیا ہو ۔

اس علم کی وجہ سے آدمی اپنے پروردگار کی جانب سے ایک صاف دلیل پر اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے۔ کہ جس کو کوئی معتبر آدمی نے یہ بتادیا ہو کہ زہر مار ڈالا کرتا ہے اور اُسنے اُس کے فرمانے کی تصدیق کی ہو اور پھر قراین سے معلوم کیا ہو۔ کہ واقعی زہر کی حرارت اور خشکی پرلے درجہ کی ہوتی ہے اور یہ دونوں کیفیتیں انسانی مزاج کے بالکل مخالف ہیں۔ تو جس بات پر اس نے پہلے یقین کر لیا تھا۔ اب اس پر ایک درجہ یقین کا اور زیادہ ہوگیا +

اگرچہ احادیثِ نبوی نے اسرارِ دین کے اصول و فروع کو ثابت کر دیا ہے۔ اور آثارِ صحابہ و تابعین نے اسکی اجمال و تفصیل کو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ اور اُن مصلحتوں کے دریافت کرنے میں جو شریعت کے ہر ہر باب میں ملحوظ رکھی گئی ہیں مجتہدین کا غورِ نظر بھی انتہا کو پہونچگیا ہے اور اُن کی پیروی کرنے والوں نے بھی بڑے بڑے نکتے ظاہر کئے ہیں۔ اور اُن کے گروہوں میں دقیق نظر علما نے بڑے عمدہ مضامین پیدا کئے ہیں +

اس لئے یہ علم اس حالت سے نکل گیا ہے کہ جس میں کلام اجماعِ اُمت کے خلاف سمجھا جاوے یا کسی حیرت یا ابہام میں پڑنے کا باعث ہو لیکن تاہم ایسے لوگ کم گذرے ہیں کہ جنھوں نے اس میں کوئی تصنیف کی ہو۔ اس کی بنیادوں کے استحکام میں غور کیا ہو اور اُسکے اصول و فروع کو مرتب کیا ہو یا کوئی چیز سیری کے قابل بلکہ اس قدر ہی کہ خواہش کی تسلی و دفع کر سکے بیان کی ہو + اس فن کے راز اُسی شخص پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جس کو تمام علومِ شریعت میں پورا کمال ہو اور تمام فنونِ دین میں یگانہ ہو اس علم کا چشمہ اُسی شخص کے لئے صاف ہوتا ہے جس کا دل خدا نے علم لدنی سے کھول دیا ہو اور اسرار الہی سے لبریز کر دیا ہو اور اُسکے ساتھ ہی نہایت روشن ضمیر بھی ہو اور اُسکی طبیعت میں استقلال بھی ہو۔ اور تحریر و تقریر میں فرزانہ ہو ہر بات کی تصویر کھینچنے اور اس کو خوشنما پیرایہ میں ظاہر کرنے میں فوقیت رکھتا ہو۔ اس سے خوب واقف ہو کہ اصول کو کیسے باہم ملاتے ہیں اور فروع کو اُن پر کس طرح قائم کرتے ہیں اور یہ جانتا ہو کہ قاعدوں سے پہلے کیسے تمہید لایا کرتے ہیں اور قاعدوں کے لئے عقلی اور نقلی دلائل کیسے بیان کرتے ہیں +

خدا کا مجھ پر یہ بڑا انعام ہے کہ اسرارِ دین کے علم سے اُس نے مجھے بہرہ مند کیا اور ایک حصہ اس علم کا بھی عطا کیا۔ اس پر میں کچھ ناز نہیں کرتا ہوں بلکہ اپنے قصور کا معترف ہوں اور اپنے نفس کے تزکیہ کا کچھ دعویٰ نہیں کرتا وہ بُرائی کا ہمیشہ حکم کرتا رہتا ہے +

ایک روز میں بعد عصر کے متوجہ الی اللہ بیٹھا ہوا تھا دفعۃً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح نے ظہور فرمایا اور اُس نے مجھ کو اوپر کی جانب سے ایسا ڈھانپ لیا کہ گویا کسی نے مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دیا ہو۔ اس حالت میں مجھ پر القا کیا گیا کہ یہی امر دینی کے بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اُس وقت میں نے اپنے سینہ میں ایک نور پایا جسمیں وقتاً فوقتاً ہمیشہ افزائش ہوتی رہی۔ پھر چند روز کے بعد الہام ہوا کہ اس صاف اور روشن امر کے لئے میرا آمادہ ہونا تقدیرِ الہی میں قرار پا چکا ہے۔ اور مجھ کو یہی معلوم ہوا کہ اپنے پروردگار کے انوار سے تمام زمین منور ہوگئی۔ غروب کے وقت روشنی نے اپنا عکس زمین پر ڈالا ہے اور شریعتِ مصطفوی اس زمانہ میں بدیں وجہ کہ دلائل کے وسیع و کامل لباس میں ظہور فرما ہونے کو ہے ۔ با نور ہوگئی۔ اور اس کے بعد جب ایک زمانہ میں مکہ معظمہ میں وارد تھا۔ وہیں میں نے جناب امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا کہ

ان دونوں نے مجھ کو ایک قلم عطا فرما کر کہا کہ یہ قلم ہمارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ور میں اکثر اس فکر میں رہتا
[illegible] کوئی کتاب ایسی مدون کروں جو مبتدی کے لئے آسانی کا باعث اور منتہی کے لئے قابل تذکرہ ہو اور شہری اور بدوی
سب اس سے فیض حاصل کرسکیں اور مجلسوں میں اس کے تذکرے ہوں +

[illegible] مجھ کو [illegible] یہ بات وجہ مانع ہوتی تھی کہ میں اپنے قریب کسی ایسے انصاف پسند محقق عالم کو نہیں پاتا تھا
کہ جس سے مشورت [illegible] اس کی طرف رجوع کیا کرتا ونیز علوم نقلی میں جو کہ برگزیدہ معدودوں میں مدون ہوتے ہیں میری دستگاہ
کافی نہ تھی اور اس نے [illegible] بند کر دیا تھا کہ میں نے ایسا زمانہ پایا کہ جس میں جہالت و تعصب۔ خواہشوں
کی پیروی [illegible] اپنی رایوں پر ناز کرنا شائع تھا۔ اور معاصر ہونا باہمی نفرت کی جڑ ہوا کرتا ہے۔ اور جو تصنیف کیا کرتا
ہے ملامت کا ہدف [illegible] اسی کشمکش و پیچ میں تھا کبھی ایک قدم آگے بڑھتا تھا اور پھر پیچھے ہٹ جاتا تھا
اور [illegible] نہ پہنچ سکتا تھا +

[illegible] بزرگ بھائی اور میرے دوست مولانا محمد عاشق (خدا اُن کو حوادث سے محفوظ رکھے) نے
اس علم کے مرتبہ و فضیلت کو خوب طرح سمجھا اُن کو الہام ہوا کہ جب تک اس علم کے دقائق اور پر از نکتوں کی کافی تلاش
نہ کی جائے [illegible] پر سعادت حاصل نہ ہوگی۔ انہوں نے خوب طرح اندازہ کر لیا تھا کہ جب تک شکوک اور شبہات
کی تکالیف نہ برداشت کی جاوینگی اور اختلاف اور مخالفتوں کی سختی نہ جھیلی جاوے گی اس علم تک پہونچنا آسان
نہیں ہے [illegible] پر وہی شخص [illegible] رکھتا ہے جو سب سے پہلے اس دروازہ کو کھولے اور اس کے پکارنے کی
[illegible] موجود ہیں [illegible] کے لئے وہ تمام ملکوں اور شہر شہر پھرے اور جس شخص کو عمدہ اور نیک پایا اس سے تفتیش
کیا [illegible] کامل کی جستجو کی لیکن کسی کو نہ پایا کہ کوئی کار آمد بات کہتا یا کوئی روشن بیان ظاہر کرتا وہ یہ دیکھ کر
[illegible] پکڑ لیا جتنی میں معذوری ظاہر کرتا تھا وہ مجھ کو یہ حدیث یاد دلاتے تھے
کہ جو [illegible] اس کے منہ میں آگ کی لگام اس کے دہن میں چڑھائی جاوے گی۔ یہاں تک
کہ [illegible] تنگ ہو گئے اور پھر کوئی عذر نہ چل سکا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ
یہ ایک [illegible] اور پچھلے امر کی ایک صورت ہے۔ تقدیر الٰہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا ہے۔ [illegible] ہمت
[illegible] لہٰذا میں نے خدا کی طرف متوجہ ہو کر استخارہ کیا اور ہمہ تن مشغول ہو کر اس امر میں اسکی
[illegible] قوت سے بالکل جدا ہو گیا اور ایسا مجبور ہو گیا کہ جیسے بے اختیاری حرکتوں میں غسال کے ہاتھ میں
مُردہ ہوتا ہے تب میں نے اُن کی درخواست کو شروع کیا اور نہایت عاجزانہ طور پر خدا سے دعا کی کہ تمام لہو و لعب کی باتوں
سے میرا دل پھیرے [illegible] ہر چیز کی حقیقت مجھ کو بتا دے اور جو وسوسہ میرے دل میں فکر پیدا کرے اس سے
[illegible] معاون [illegible] دل کو توانا اور زبان کو گویا کر دے۔ اور جس بحث میں میں داخل ہوں [illegible] لغزشوں
سے [illegible] راست بیانی کی توفیق دے۔ میں نے اُن کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ بیان کے
[illegible] ایک [illegible] خاموش آدمی ہوں اور گھوڑدوڑ کے گھوڑوں میں کج لنگڑا ہوں میرا سرمایہ بالکل ناقص

سے اوراق کی تلاش میں۔ مجھ سے غور کیا جاتا ہے اسلئے کہ میں ایک ایسے امر میں مصروف ہے کہ جس پر زیادتی ممکن نہیں اور نہ میں منقولات کے حفظ کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کرتا ہوں کہ ہر آنے اور جانے والے کے سامنے اس کا بیان کرتا رہوں۔ میں اپنی جان سے صرف تنہا اپنی ہی گرہ بند کرنے والا ہوں اپنے رتبہ کا پابند اور اپنے بخت کا تمیز ہوں اور اپنے تو خیال بندی کا معترف ہوں اور اپنے ہی تقصیر کو غنیمت سمجھنے والا ہوں۔ جو اس کو پسند کرنے سو اسی پر بس کرے چاہئے وہ بس کرے نہیں تو وہ مختار ہے جو چاہئے سو کرے۔ اور چونکہ اسکے نام حجۃ اللہ البالغہ ہے نام تنبیہ شرائع اور حقیقت اعمال کے راز اور احکام منزل من اللہ کے اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ کتاب کتاب بھی انہیں کی ایک بالیدہ شاخ ہے اور اسی کے کنارہ سے چودھویں رات کے چاند نکلے ہیں۔ اسلئے اس کا نام حجۃ اللہ البالغہ رکھا گیا حسبی اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم +

مقدمہ

بعض لوگ خیال کیا کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی اور اعمال و ان کی جزا میں جو منجانب اللہ مقرر ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اور احکام شریعت سے تکلیف کرنا بعینہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی آقا اپنے ملازم کی فرمانبرداری کی آزمائش کرنے کو کوئی پتھر کے اٹھانے یا کسی درخت کے چھونے کا حکم دے جس میں بجز آزمائش کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ پس اگر ملازم اطاعت کرے جزا پاوے اور سرکشی کرے تو سزا دی جاوے +

یہ گمان بالکل فاسد ہے۔ حدیث اور ان زمانوں کے اجماع جنکی خوبی و برکت پر خود شارع نے شہادت دی ہے اس خیال کی تکذیب کرتے ہیں۔ جو شخص اس مذہب کو نہ سمجھ سکے اسکی واقفیت اس سوزن کی نمی سے کیا زیادہ ہو سکتی ہے جسکو دریا میں غوطہ دیا ہو۔ اعمال کا اثر نیتوں پر اور ان نفسانی حالتوں پر موقوف ہے جن سے اعمال سرزد ہوتے ہیں جیسا رسول خدا نے فرمایا۔ انما الاعمال بالنیات۔ اعمال کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔ خدا سے نہیں نزدیک کرتے ہیں۔ قربانیوں کے گوشت و نہ خون لیکن تمہاری پرہیزگاری اس سے نزدیک کردیتی ہے۔ اور نماز خدا کی یاد اور اسکے حضور میں عاجزی کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "اقم الصلوٰۃ لذکری" میری یاد کرنے کو نماز پڑھ اور نماز سے یہ بھی مقصود ہے کہ اسکی طفیل سے آخرت میں دیدار خدا نصیب ہو جاوے +

فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے "سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لا تضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وصلوٰۃ قبل غروبھا فافعلوا" بیشک تم اپنے پروردگار کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا اس چاند کو دیکھتے ہو اسکے دیدار میں کچھ شک و شبہ تم کو نہ ہوگا۔ پس اگر تم سے اس کا اہتمام ہو سکے کہ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے کوئی چیز تم کو نماز سے باز نہ رکھے تو ایسا ہی کرو +

اور زکوٰۃ کا حکم شریعت میں اسلئے دیا گیا ہے کہ اس سے بخل کی کمینہ عادت جاتی رہے اور حاجتمندوں کی کاربرآری ہوتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے "ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھو

خیراً لہم بل ہو شر لہم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ" وہ لوگ جو اُن نعمتوں میں بخل کرتے ہیں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دی ہیں یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ یہ اُن کے حق میں اچھا ہے بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز یہ چیزیں جس کا انہوں نے بخل کیا اُن کے گلے کا طوق ہونگی۔ اور جیسا کہ فرمایا رسولِ خدا نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے "فاخبرہم ان اللہ تعالیٰ فرض علیہم صدقۃ توخذ من اغنیاء ہم فترد علی فقراء ہم" آنحضرت نے ان کو بتایا کہ خدا نے اُن لوگوں پر صدقہ دینا فرض کیا ہے مالداروں سے لیا جاوے اور غریبوں کو دیا جاوے +

اور **روزہ** نفس کے مطیع کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے "لعلکم تتقون" اسلئے کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "فان الصوم لہ وجاء" کہ روزہ نفس کی خواہش کو روک دیتا ہے +

اور **حج** اسلئے مشروع ہوا ہے کہ اس سے کہ خدا کی نشانیوں کی عظمت ظاہر کی جائے خدا تعالیٰ فرماتا ہے "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ الایۃ" بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے اور فرمایا "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" صفا اور مروہ خدا کے نشانوں سے ہیں +

اور **قصاص** کشت و خون کو بند رکھنے کے لئے قرار دیا گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے "ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب" اے عقلمندو تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے +

حدود اور **کفارے** اسلئے قرار دئے گئے ہیں کہ گناہوں پر زجر و توبیخ ہوتی ہے "کقولہ لیذوق وبال امرہ" تاکہ اپنے کئے کا مزہ چکھے +

جہاد میں مصلحت ہے کہ خدا کا کلمہ بلند ہو اور فتنہ و فساد کا استیصال ہو جاوے فرمایا اللہ تعالیٰ نے "وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ" اور کافروں سے لڑتے رہو تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو اور خدا کے ہی کا مذہب ہو جاوے +

اور باہمی **معاملات** اور **نکاح** کے اصولوں میں یہ خوبی ہے کہ لوگوں میں باہم عدل و انصاف قائم رہے۔ علاوہ ازیں اور امور بھی ہیں جن کی تشریح احادیث سے ہوتی ہے اور ہر زمانہ کے بعض بعض علماء بھی انکو بیان کرتے رہے ہیں۔ جو شخص ان امور سے ناواقف ہو اسکو بجائے اسکے کہ اپنے قول کو شمار میں لاوے یہ بہتر ہے کہ اپنے حال زار پر افسوس کرے۔ پھر آنحضرت نے بعض بعض موقعوں پر اوقات معین کرنے کے اسرار بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ظہر کی چار رکعت کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کوئی نیک عمل میرا بھی آسمان کی طرف بلند ہو۔ روزہ عاشورہ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ یہ روزہ اس لئے شروع ہوا تھا۔ کہ موسیٰ نے فرعون کے ہاتھ سے اُسی دن نجات پائی تھی اور ہمارے واسطے اس لئے کہ موسیٰ کے طریقے کی پیروی ہو شروع ہوا ہے۔ اسکے علاوہ بھی اور بعض بعض احکام کے اسرار بیان کئے ہیں +

جاگنے والے کے لئے فرمایا کہ چونکہ اسکو خبر نہیں رہتی کہ کہاں اس کا ہاتھ جا پڑا ہو اور ناک صاف کرنے کے لئے فرمایا کہ شیطان اس کی ناک کے نتھنے پر سوتا ہے اور خواب کی نسبت فرمایا کہ سونے سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ رمی جمار کے لئے فرمایا کہ یہ خدا کی یاد رکھنے کو ہے۔ اور فرمایا کہ اندر آنے کے لئے اجازت لینا اسلئے ہے کہ کہیں نظر نہ پڑ جائے

بلی کی نسبت ارشاد ہوا کہ وہ تمہارے مکانوں میں اکثر پھرتی پھراتی رہتی ہے اسلئے اسمیں کچھ نجاست نہیں ہے اور بارہا
فرمایا کہ یہ کام کسی خرابی دور کرنے کے لئے ہے۔ شیر خوارگی کے زمانہ میں عورتوں سے اختلاط کرنے کے متعلق فرمایا کہ اس سے
بچے کو ضرر پہونچتا ہے۔ بعض امور کے متعلق فرمایا کہ اس سے کافروں کے فعل کی مخالفت مقصود ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ آفتاب
جب کہ شیطان کے دو نو سینگوں کے بیچ میں سے طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ کہیں تحریف سے روکنا
مصلحت قرار دیا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھتا تھا کہا کہ اگلے لوگ ایسے ہی
ایسے کاموں سے ہلاک ہو گئے ہیں آنحضرت نے فرمایا کہ اے عمر تیری رائے درست ہے۔ اور کبھی کسی حرج کی وجہ سے بھی
بعض مسائل مشروع ہوتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا "اولکلکم ثوبان" کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو ہی کپڑے ہوا کرتے
ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا "علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم" خدا جانتا تھا کہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کیا
کرتے ہو اسلئے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہارا قصور معاف کر دیا۔ بعض موقعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رغبت اور
خوف دلانے کے اسرار بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض مشتبہ موقعوں پر صحابہ نے آپ سے رجوع کیا ہے۔ اور ان کے تردد رفع
کرنیکو اس امر کے متعلق اپنی اصلی بات بتادی ہے چنانچہ فرمایا کہ مکان پر یا بازار میں نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب ۲۵ درجہ زیادہ
ہے اسلئے کہ جب کوئی گھر سے وضو کرتا ہے اور خوبی سے اسکے آداب بجا لاتا ہے اور پھر مسجد میں داخل ہوتا ہے۔ تو اسکے دل
میں صرف نماز ہی کا خیال ہوا کرتا ہے اور فرمایا کہ تمہاری شرمگاہوں میں بھی ایک طرح کا ثواب ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا
ہمیں سے جب کوئی اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرتا ہے اسمیں بھی ثواب پاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے
کہ اگر وہ حرام میں اس کو بیجا استعمال کرتا تو اس پر بار گناہ ہوتا یا نہیں۔ ایسا ہی جب اس نے حلال میں استعمال کیا
اس کو ثواب ملیگا ۔

اور فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم تلوار سے لڑیں وہ دونوں دوزخی ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ قاتل تو خیر مقتول کیوں دوزخی
ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مقتول بھی تو اپنے مقابل کے قتل کا از بس خواہاں تھا۔ اسکے علاوہ اور بے شمار موقع ہیں۔ حضرت
عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل مسنون ہونیکی وجہ بیان کی۔ حضرت زید بن ثابت نے درختوں کے پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع
فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب بیان کیا۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ نے اس کی وجہ بیان کی کہ بیت اللہ کے چار رکنوں میں صرف
دو ہی کو بوسہ کیوں دیا جاتا ہے ۔

ان کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد ائمہ مجتہدین ہمیشہ مصلحتوں کو احکام کے علل بیان کرتے رہے۔ مصلحتوں کی غرض
بخوبی سمجھتے رہے منصوص احکام کے ایسے ایسے مناسب اسباب بیان کرتے رہے جن کو کسی منفعت کے حاصل ہونے
یا کسی مضرت کے دفع کرنے سے کچھ نہ کچھ تعلق تھا ان کی کتابوں اور مذاہب میں یہ سب امور بتفصیل مذکور ہیں۔ ان طبقوں کے
بعد امام غزالی اور علامہ خطابی اور امام عز الدین ابن عبد السلام وغیرہ شکر اللہ مساعیہم نے لطیف لطیف نکتوں اور عمدہ ترین
تحقیقات کو ظاہر کر دیا ۔

اب جیسے کہ مذہب اسلام نے اس مصلحت اندیشی کو ضروری قرار دیا ہے اور اس پر گویا اجماع ہو گیا ہے ایسے ہی یہ بھی

ضرور ہے کہ اِن مصلحتوں سے قطع نظر کرکے خود کسی چیز کا واجب کسی چیز کا حرام قرار دینا ہے فرمانبردار کے ثواب پانے اور نافرمانی
کرنے والے کے عذاب کا موجب ہے اور محض بے اصل ہے جو خیال کیا جاتا ہے کہ اعمال کا حسن و قبح یعنی کام کرنے سے ان کا نتیجہ
ثواب یا عذاب ہونا محض عقلی ہے۔ شریعت اپنی جانب سے نہ کسی چیز کو واجب کرتی ہے نہ حرام۔ اُس کا کام یہ ہے کہ اعمال کی
خاصیتوں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے جیسے کہ کوئی طبیب دواؤں کی تاثیریں بیماریوں کے اقسام بیان کر دیتا ہے۔ یہ گمان فاسد
ہے حدیث علانیہ طور پر اس کی تردید کرتی ہے ✦

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آنحضرت تو رمضان میں تراویح کی نسبت فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ فرض نہ ہو جاویں
اور فرمایا وہ بڑا گنہگار وہ مسلمان ہے جو ایسی ایسی چیزیں دریافت کرے جو ابھی تک حرام نہ تھیں لیکن اُسکے سوال کرنے ہی سے
حرام کردی گئیں۔ اسکے علاوہ اور کئی حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔ بھلا اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو اُس مقیم کو جو سختی سے بسر
کرتا ہے روزہ کا افطار کرنا درست ہوا کرتا جیسا کہ مسافر کو سختی کی وجہ سے افطار درست ہے۔ وہی تنگی و سختی جس پر رخصتوں
کا مدار ہے یہاں بھی مُقیم کی حالت میں موجود ہے اور ایسا ہی خوشحال مسافر کو افطار کرنا درست نہ ہوتا۔ تمام حدود شرعی
کا یہی حال ہے ✦

ایسے ہی حدیث نے یہی لازم کردیا ہے کہ جب کوئی حکم شرعی بروایت صحیح ثابت ہو جاوے تو اُس کی تعمیل کو مصلحت
کے معلوم ہونے پر موقوف نہ رکھے۔ اکثر عقلیں عموماً مصلحتوں کو اپنے طور پر معلوم نہیں کر سکتی ہیں۔ اور نیز ہم کو اپنی عقلوں پر
اتنا اعتماد نہیں ہے جتنا کہ آنحضرت پر ہے اسی لئے اُن لوگوں پر اس علم کا اظہار نہیں کیا گیا جو اُسکے اہل نہیں تھے۔ اس علم کے
بھی وہ شرائط ہیں جو کتاب الٰہی کی تفسیر کے ہیں بغیر سند حدیث کے محض اپنی رائے سے اُس میں غوض کرنا حرام ہے ✦

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ احکام شرعی کے مقرر کرنے کی کیا مثال ہے۔ یہ ہے کہ کسی آقا کے غلام بیمار ہوں اور یہ آقا
اُن کی دوا پلانے کو ایک خاص آدمی متعین کردے۔ اس صورت میں اگر یہ غلام علاج کرانے میں اُس طبیب کی فرمانبرداری
کرینگے تو گویا اپنے آقا کی فرمانبرداری کرینگے اُنکا آقا خوش ہوگا اور بھلائی سے اُن کے ساتھ پیش آویگا۔ اور اُن کو بھی
بیماری سے نجات ملجاویگی۔ اور اگر اُنھوں نے اس طبیب کا کہنا نہ مانا تو گویا اپنے آقا ہی سے سرتابی کی۔ اُس کے
غصہ میں مبتلا ہوئے اور نہایت سخت سزا اُنکو ملی اور مرض نے اُنکا کام تمام کر دیا۔ اسی طرف آنحضرت نے اُس حدیث
میں جو فرشتوں کی طرف سے روایت کی ہے اشارہ فرمایا کہ اس کا حال ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص نے ایک گھر تعمیر کرکے
اُس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیجدیا کہ لوگوں کو بلا لاوے۔ اب جس نے بلانے والے کی بات مان لی۔
اُس نے گھر میں داخل ہو کر کھانا کھا لیا اور جس نے اُس کے کہنے کی پروا نہ کی وہ نہ گھر میں داخل ہوا۔ نہ اُس نے کھانا کھایا
اور اور جگہ ارشاد فرمایا ہے اور اُن احکام کا حال جن کے ساتھ خدا نے مجھکو بھیجا ہے ایسا ہے جیسا کہ کسی آدمی نے کسی قوم کے
پاس جاکر کہا کہ لوگو میں نے اپنی آنکھ سے لشکر دیکھا ہے تم کو بر ملا آگاہ کرتا ہوں۔ کہ اپنے بچنے کی فکر کرو۔ اپنے آپ کو بچاؤ
جنھوں نے اُس کا کہنا مان لیا اور شروع رات سے سفر کا سامان کر کے چلدیئے وہ محفوظ رہے اور جس فریق نے
اُس کو سچا نہ جانا وہ اپنی جگہ ٹھیرا رہا یہاں تک کہ صبح کے وقت [illegible] اور بیخ و بُن سے برباد کر دیا اور

آنحضرت نے اپنے پروردگار لطیف سے فرمایا کہ وہ تمہارے اعمال ہیں جو تم پر پڑتے ہیں ؛

ہماری اس تقریر سے کہ حالت احکام کی ایسی بین ہے یعنی اعمال کو اور چیزوں کے وجوب و حرمت مقرر کرنے کو دونوں ثواب اور عذاب کے مستحق ہونے میں دخل ہے۔ اِن مختلف دلیلوں میں بھی اتفاق ہو گیا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ ان کے اعمال پر عذاب دیا جاویگا یا نہیں ؛

اور بعض لوگ یہ تو کسی قدر جانتے ہیں کہ احکام کے لئے مصلحتیں علت ہیں اور عمل پر جزا ان نفسانی حالتوں کی ہی وجہ سے مرتب ہوتی ہے جو بعض نفس کو دیجاتا ہے یا پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بدن میں ایک بوٹی ہے اسکی درستی سے سارا بدن درست رہتا ہے اور اسکے بگڑنے سے سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ سنو۔ وہ دل ہے لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس فن کا مدون کرنا اسکے اصول و فروع کا مرتب کرنا عقلاً تو اسواسطے منع ہے کہ اس کے مسایل نہایت مشکل ہیں اور شرعاً اسلئے نامکن ہے کہ سلف نے اسکو جمع نہیں کیا حالانکہ ان کا زمانہ آنحضرت سے قریب تھا اور انکے علوم بہت وسیع تھے تو گویا اسکے ترک پر سب کا اتفاق سا ہو گیا ہے۔ یا یوں کہہ اٹھتے ہیں کہ اس علم کے مرتب کرنے میں کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہے کیونکہ شریعت پر عمل کرنا کچھ احکام کی مصلحتوں سے واقف ہونے پر موقوف نہیں یہ سب گمان فاسد ہیں اسلئے اس قول کے کہ اسکے مسایل مشکل ہیں اگر یہ معنی ہیں کہ اس صورت میں اس علم کا جمع کرنا بالکل ہی نامکن ہے تو مسایل کے مشکل ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی۔ دیکھو توحید و صفات کے مسایل کیسے کیسے مشکل ہیں ان کا پورا دریافت کرنا کیسا دشوار ہے تاہم خدا جسکے لئے چاہتا ہے انکو آسان کر دیتا ہے ہر ایک علم کا یہی حال ہے بظاہر نظر میں معلوم ہوا کرتا ہے کہ اسمیں بحث کرنا دشوار ہوگا اور اسکا پورا پورا دریافت کرنا تقریباً نامکن ہوگا لیکن جب اسکے متعلقات میں کوشش کی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اسکے مقدمات اور مبادی سمجھے جاتے ہیں تو اس میں قدرت بڑھتی جاتی ہے اور اسکی بنیادیں مستحکم ہوتی جاتی ہیں اور اسکی فروعات اور متعلقات کا نکالنا آسان ہوتا جاتا ہے ؛

اور اگر یہ معنی ہیں کہ اس میں کسی قدر دشواری ہے اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن دشواری ہی سے تو بعض علموں کی فضیلت بعض پر ظاہر ہوا کرتی ہے جب تک کہ مشقتیں اور شدائد نہ جھیلے جاویں تمنائیں پوری نہیں ہوتیں علوم میں ملکات تبھی حاصل ہوتے ہیں کہ عقلی تکالیف برداشت کیجاویں اور مراتب کے سمجھنے میں نہایت خوض اور غور کیا جاوے ؛

اور یہ کہنا کہ سلف نے اسکو مدون نہیں کیا ہے ہم کو سلف کے مدون کرنے کی کیا پروا ہے جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے اصول کو قایم کر دیا ہے اور اسکے فروع کو مرتب فرما دیا ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت زیدؓ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ جیسے فقہاء صحابہ نے اس میں گفتگوئیں کی ہیں اور اسکی وجوہ کو روشن بیانی سے ظاہر کر دیا ہے اور انکے بعد علمائے دین اور پیروان طریقہ یقین ان ضروری امور کو جنکو خدا تعالے نے ان کے دلوں میں ذخیرہ کیا تھا ظاہر کرتے رہے ہیں۔ جب انکو کسی ایسے شخص سے مناظرہ کی ضرورت آپڑتی تھی جو شک اور شبہ سے فتنہ پردازی کرنا چاہتا تھا تو وہ مستعدانہ بحث کی شمشیر کو میان سے نکال لیتے تھے اپنے ارادوں کو مصمم کرکے جرات و دلیری سے باطل کے لشکر کو ہزیمت دیتے تھے ؛

میں نے خوب سمجھ لیا کہ ایک ایسی کتاب کا مدون کرنا جس میں اس فن کے اصول وقواعد کا ایک معقول حصہ ہو نہایت کارآمد اور پرمنفعت ہوگا۔

متقدمین کو اس فن کی اسلئے ضرورت نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے انکے عقیدے بالکل صاف تھے آپ کے زمانہ سے وہ قریب تھے۔ باہمی اختلافات کم تھے انکے دل مطمئن تھے۔ ان موشگافیوں کی انکو کچھ ضرورت نہ تھی جو آنحضرت سے شدت سے بچتے تھے منقول کو معقول سے مطابق کرنے کا انکو کچھ خیال نہ تھا ثقات سے ہر قسم کے مسئلوں کا دریافت کر لینا ممکن تھا۔

علی ہذا القیاس اسی وجہ سے کہ ان کا زمانہ قرن اول کے متصل تھا رجال حدیث انکے پیش نظر تھے اپنے کانوں سے راویوں کا کلام سنتے تھے ہر ایک بات کا معتبر ثقات سے دریافت کر سکتے تھے۔ اختلافات مذہبی باہمی کم تھے فنون حدیث کی کچھ ضرورت انکو نہ تھی غریب حدیثوں کی شرح اسماء رجال کے تحقیقات انکی عدالت کے درجے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی ایسے ہی مشکل احادیث کی تفسیر حدیث کے اصول مختلف حدیثوں کا بیان احادیث میں سے ضعیف کو صحیح سے تمیز دینا موضوع کو معتبر سے جدا کرنا یہ سب غیر ضروری تھا۔

فنون مذکورہ میں سے ہر فن کی تدوین انکے اصول وفروع کی ترتیب مدت دراز کے بعد ہوئی جب اسکی ضرورت کا وقت آیا پھر ایک زمانہ کے بعد فقہا میں اس بنا پر اختلاف ہوا کہ احکام کی کیا کیا علتیں ہیں اور ان علتوں کے متعلق ایسی بحثیں چھڑیں کہ ان سے وہ مصلحتیں کیسی حاصل ہو سکتی ہیں جو شرع میں معتبر ہیں بکثرت مذہبی مسایل میں اکثر اپنی رائے کو دخل دیا جانے لگا اور اعتقادی اور عملی مسئلوں میں شکوک اور شبہات پیدا ہونے لگے اور ایسا وقت آپہونچا کہ نقلی نصوص پر عقلی دلایل کا قائم کرنا اور منقول کو معقول سے مطابق کرنا دین کی کامل مدد کا باعث ہوا اور مسلمانوں کی پراگندگی دور کرنے میں ایسی ایسی کوششوں سے عمدہ آثار ثابت ہوئے۔ یہ عبادت سب عبادتوں سے افضل اور تمام بندگیوں کی اصل اصول قرار پاگئے۔

یہ کہنا کہ اس فن یعنی اسرار دین کی تدوین بے فائدہ ہے بالکل بے اصل ہے بلکہ اسمیں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ اولاً اسکے ذریعہ سے آنحضرت کے معجزات میں سے ایک بہت بڑے معجزہ کا اظہار ہوتا ہے۔ آنحضرت نے لوگوں کے سامنے قرآن عظیم کو پیش کیا جسنے تمام بلغاء زمانہ کو تھکا مارا کسی ایک سے بھی بن نہ پڑا کہ ویسی ایک سورہ بنا سکتا۔ لیکن جب زمانہ قرن اول کا گزر گیا اور اس کی معجز نما وجہیں لوگوں پر مخفی ہوگئیں تو علماء امت نے اپنی ہمت سے ان وجوہ کو خوب ظاہر کر دیا تاکہ جو لوگ انکے ہم رتبہ نہ ہوں وہ قرآن کے اعجاز کو بخوبی سمجھ سکیں۔ ایسے ہی خدا کی جانب سے آپ نے ایسی شریعت کو عام نظروں کے سامنے پیش کیا جو تمام شرایع سے زیادہ مکمل ہے اسمیں ایسی ایسی مصلحتیں ملحوظ ہیں جن کا اندازہ طاقت بشری نہیں کر سکتی آپ کے زمانہ کے لوگوں نے احکام الٰہیہ کی عظمت کو خوب معلوم کر لیا تھا اپنی زبانوں سے انہوں نے اسکا اظہار کیا ہے اور اپنے خطبوں اور تقریروں میں اسکو صاف صاف بیان کیا ہے لیکن انکا زمانہ گذر جانے کے بعد یہ ضرورت پیش آئی کہ امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو اس قسم کے اعجاز کی وجہوں کو لوگوں پر ظاہر کر دے ان اسباب

اُن شبہ کروں سے جن سے عیاں ہوجاوے کہ شریعت محمدیہ تمام شرائع سے زیادہ کامل ہے۔ آنحضرت جیسے شخص سے اس پایہ کی چیز کا ظاہر ہونا ایک پرعظمت معجزہ ہے۔ ثانیاً۔ ایمان لانے کے بعد اس علم سے دلی اطمینان زیادہ بڑھ جاتا ہے جیسے کہ آنحضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہوجاوے۔

ثالثاً۔ جب دلائل باہم ایک دوسرے کے موید ہوتے ہیں اور کوئی شے جب مختلف طریقوں سے ثابت کیجاتی ہے تو اس سے سینہ میں ایک قسم کی راحت پیدا ہوکر اضطراب دور ہوجاتا ہے۔

رابعاً۔ خالصاً خدا کی عبادت کرنے والا جب خدا کی عبادت میں کوشش کرتا ہے اور اس پر وہ عبادتوں کے مشروع ہونے کی وجہ سے واقف ہوتا ہے اور عبادت کے اسرار اور رموز کی دل سے محافظت کرتا ہے تو تھوڑی عبادت بھی اسکو بہت نفع دیتی ہے اور وہ اندھا دھند کسی کام کو نہیں کرتا اسلئے امام غزالی نے سلوک کی کتابوں میں عبادت کے اسرار جابجا بیان کئے ہیں۔

خامساً۔ فقہا نے اکثر فقہ کے فروعی مسئلوں میں اسی بنا پر کہ احکام کی علتیں کونسی مناسب اور کون سی نامناسب ہیں بڑا اختلاف کیا ہے اور پورے تحقیق بدون اس کے کہ مصلحتوں کے متعلق ایک مستقل گفتگو کی جاوے ناتمام رہتی ہے۔

سادساً۔ بدعتی لوگ اکثر اس قسم کے شبہے اسلامی مسئلوں میں ظاہر کیا کرتے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہیں اور جو چیز عقل کے خلاف ہو اسکو رد کردینا چاہئے یا کسی تاویل سے درست کردینا چاہئے۔ چنانچہ وہ عذاب قبر میں کہا کرتے ہیں کہ یہ کیفیتیں بداہتہ اور عقل کے بالکل خلاف ہیں ایسے ہی حساب اعمال۔ پلصراط۔ میزان کے متعلق تقریر کرتے ہیں اور انہیں دور از کار تاویلیں گھڑا کرتے ہیں۔ اور فرقہ اسمٰعیلیہ نے یہ کہکر بڑا فتنہ برپا کیا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ رمضان کے پہلے دن کا روزہ تو واجب ہو اور شوال کے پہلے دن کا روزہ حرام ہو۔ اور ایسی ہی گفتگوئیں اور بھی ہوتی ہیں ایک فرقہ یہ خیال کرکے کہ رغبت اور خوف دلانے کی چیزیں صرف طبیعتوں کے ابھارنے کے لئے ہیں۔ واقع میں ان کی کوئی پایہ اور اصل نہیں۔ ترغیب اور ترہیب کے مضامین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایسے ایسے مفسدوں کے دفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہر امر کی مصلحتیں بیان کی جاویں اُنکے قاعدے خوب پختہ کئے جاویں۔ یہود۔ نصاریٰ۔ دہریوں کے مقابلہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے اور اس علم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ فقہ میں ایک فرقہ اسکا قائل ہے کہ جو حدیث قیاس کے بالکل مخالف ہو وہ نہیں ماننی چاہئے اس سے اکثر صحیح حدیثوں میں بڑی خرابی پڑگئی مثلاً حدیث مصراۃ و حدیث قلتین۔ اسلئے اہل حدیث کو ضرور ہوا کہ ان کے الزام حجت کے لئے بتاویں کہ یہ سب حدیثیں شرعی مسئلوں کے بالکل موافق ہیں اور علاوہ مذکورہ بالا فائدوں کے اور بے شمار فائدے ہیں اور جب تحریر بیان کا جوش غالب ہوگا اور قاعدوں کی تمہید بیان کرنے میں مجکو نہایت غور کرنا پڑے گا تو بتقاضائے کلام میری قلم سے وہ باتیں نکل جاوینگی کہ مناظر متکلمین سے کم لوگ ان کے قائل ہوئے ہونگے مثلاً اسکا قائل ہونا کہ خدا تعالےٰ نے آخرت کے موقعوں پر شکل وصورت میں تجلی فرمائیگا اور ایک ایسے عالم کو ثابت کرنا جس کی ترکیب عنصری نہیں ہے جس میں اعمال

اور یہ مخفی چیزیں ایسے ایسے قالبوں میں جو صفت میں اُن اعمال وغیرہ کے مناسب ہوتے ہیں مجسم ہو کر ظاہر ہوتی ہیں اور قبل اسکے کہ زمین پر حوادث پیدا ہوں وہ پہلے ہی سے اس بیچگون عالم میں ظاہر ہو جاتی ہیں ۔

اور اس بات کا قایل ہونا کہ اعمال کو نفس کی حالتوں سے ایک خاص تعلق ہے اور دنیا اور آخرت میں جزا پانیکا حقیقۃً وہی باعث ہوتے ہیں اور قضا و قدر کا قایل ہونا جسکا اثر لازمی ہے اور علیٰ ہذا القیاس ۔

اور یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ میں نے ایسے ایسے اقوال پر جرأت نہیں کی ہے کہ آیتوں اور حدیثوں اور صحابہ اور تابعینؓ کے آثار کو انکے موید پایا ہے اہل سنت میں خاص وجہ کے لوگ جو علم لدنی کیوجہ سے سب سے ممتاز ہوئے ہیں ان مسایل کے قایل ہو چکے تھے انہوں نے اپنے اصول ان اقوال کے موافق قایم کیے تھے ۔

اہل سنت حقیقۃً علم کلام کے کسی خاص فرقہ کا نام نہیں ہے بلکہ اہل قبلہ نے ضروریات دین کے ماننے کے بعد جن جن مسئلوں میں اختلاف کیا ہے اور باہمی اختلاف سے انکے جدا فرقے بن گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ قرآن کی آیتوں یا صحیح حدیثوں میں انکا بیان ہوا ہے سلف یعنی صحابہ و تابعین انکو مانتے رہے ایک زمانہ کے بعد جب اپنی رائے کا پسند کرنا ہر صاحب رائے کا شیوہ ہو گیا اور مسلمانوں کے باہم فرقے بننے لگے تو ایسے وقت میں ایک فرقہ نے تو انہیں امور کو اختیار کیا جو صاف صاف قرآن اور حدیث سے ثابت تھے سلف کے عقیدوں پر وہ مضبوطی سے جم گئے اسکی کچھ پروا نہ کی کہ عقلی قاعدوں کے مخالف ہوں یا موافق اگر فن معقول کی کوئی بات بیان بھی کی تو مخالفین کے الزام دینے کو یا دلی اطمینان بڑھانے کو رایوں سے کوئی فایدہ حاصل کرنا انکو مقصود نہیں تھا انکا نام اہل سنت ہے ۔ اور ایک فرقہ نے اپنا شیوہ اختیار کیا کہ جہاں جہاں اپنے زعم میں اسلام کی کوئی بات انہیں عقلی اصول کے خلاف معلوم ہوئی تو کچھ تاویل کر کے ظاہری معنی سے پھیر دیا اور ہر مسئلہ میں علم معقول کے قاعدوں کے موافق کلام کیا ۔ جیسے سوال قبر ۔ وزن اعمال ۔ خدا کا دیدار ۔ اولیا کی کرامتیں ۔ یہ سب امور قرآن و حدیث سے بدلالت ہیں سلف نے ان پر اتفاق کیا ہے لیکن بعض لوگوں کی نظر میں یہاں معقول کا قافیہ تنگ ہے ۔ اسواسطے ایسے ایسے امور کا یا تو وہ صاف صاف انکار کر دیتے ہیں یا پھیر پھار کے معنی کچھ کے کچھ لیا کرتے ہیں اور ایک فریق قایل ہے کہ ہمارا ان امور پر ایمان ہے اگرچہ ان کی اصلی حقیقت ہم کو معلوم نہ ہو اور نہ معقول کی کافی شہادت ہمارے خیال کے موافق نہ ہو ۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہمارا سب امور پر ایمان ہے اور نقلی جانب سے صاف صاف دلایل انکے حقانیت کے ہمارے پاس موجود ہیں اور ہماری رائے میں عقلی شہادتوں سے انکا کافی ثبوت ہوتا ہے ۔

اور امور دینی میں سے ایک حصہ ایسا ہے کہ قرآن میں ان کا ذکر نہیں ہے اور احادیث میں انکی شہرت نہیں ہوئی تھی ۔ نہ صحابہ نے بھی انکے متعلق کچھ بیان نہیں کیا ۔ اسلیئے اس حصہ پر ایک پردہ سا پڑا رہا لیکن آیندہ دور کے علما میں اسکا چرچا ہوا اور وہ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو گئے علما نے اس حصہ کو دو طرح پر خوض کیا یا تو ان مسئلوں کو محض عقلی دلایل سے ثابت کیا جیسا کہ انبیا کا فرشتوں سے افضل ہونا اور حضرت عائشہؓ کی حضرت فاطمہ پر فضیلت یا علما نے ان امور کو جزو دین قرار نہیں دیا بلکہ امور دینی کا سمجھنا ان پر موقوف تھا ۔

چنانچہ امور عامہ کے مسئلے جوہر و عرض کے مباحث اسلئے عالم کا حادث ہونا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ہیولی باطل اور جزء لایتجزی ثابت کر دیا جائے اور یہ امر کہ خدا تعالے نے عالم کو بلا واسطت دوسرے کے پیدا کیا ہے جب ہی پایہ ثبوت کو پہونچ سکتا ہے کہ اس مشہور قول کی تردید ہو جاوے کہ ایک چیز سے ہمیشہ ایک ہی چیز پیدا ہوتی ہے اور جبتک کہ اسباب اور انکے مسببات میں لزوم عقلی باطل نہ ہو جاوے معجزات کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ معاد جسمانی کا مسئلہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ ایک معدوم چیز کا دوبارہ لوٹ آنا ممکن ہو وعلے ہذا القیاس ؛

ان باقی امور کو سمجھنا چاہیے جو بالتفصیل کتابوں میں مندرج ہیں ؛

اور ایک تیسری نحو اختلاف کی یہ ہے کہ ایک اصل امر پر تو اتفاق ہو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہو لیکن اس کی تفصیل اور تفسیر کرنے میں علما نے اختلاف کیا ہو چنانچہ اسپر سب کا اتفاق ہے کہ خدا میں سمع بصر کی دو صفتیں ہیں اب اس میں اختلاف ہے کہ انکے سمیع بصیر ہونے کے کیا معنی ہیں ایک فرقہ قایل ہے کہ ان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ خدا ان چیزوں کو اپنے علم سے جانتا ہے جو سننے یا دیکھنے کے لایق ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ دونوں بالکل علیحدہ صفتیں ہیں ؛

علی ہذا اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خدا تعالے حی ہے علیم ہے ارادہ کرنے والا ہر چیز پر قادر ہے کلام کرتا ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفتوں سے یہی معنی جو ان سے مفہوم ہوتے ہیں مراد نہیں ہیں بلکہ ان صفتوں کے اثر اور کام مراد ہیں اور اسی لحاظ سے صفات مذکورہ در صفت رحمت و غضب - جود میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ احادیث نے انمیں کچھ فرق ثابت کیا ہے ؛

اور بعض قایل ہیں کہ نہیں بلکہ خدا کی ذات واجب ہی میں یہ سب امور موجود اور قدیم ہیں اور علے ہذا سب متفق ہیں کہ خدا میں استوا، وجہ ہونے کی ضحک کی صفت ثابت ہے۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفات سے وہ معنی مراد ہیں جو ان کے مناسب ہوں مثلاً عرش پر ٹھیرنے سے اسپر غالب آنا مراد ہے وجہ سے ذات مراد ہے۔ اور ایک فریق نے ان امور کو بحال خود چھوڑ دیا ہے اور صاف کہدیا کہ ان لفظوں کی مراد کو ہم کچھ نہیں سمجھتے ؛

میری دانست میں اس حصہ کے لحاظ سے جس میں کوئی حکم شرعی صاف اور منصوص نہ ہو باعتبار حق ہونے کے کسی فریق کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں ہے ؛

اسلئے کہ اگر خالص سنیت پر نظر کیجاوے تو اوسکا مقتضا یہی ہے کہ سلف کیطرح سے کسی مذہبی مسئلہ میں چون و چرا نکی جاوے اور جب ایسے ایسے امور میں زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت آپڑے تو ان امور میں انکا پیرو بننا کچھ ضروری نہیں ہے کیا ضروری ہے کہ جو کچھ انھوں نے قرآن و حدیث سے مستنبط کیا ہو وہ سراسر راست ہو اور اسی کا اتباع لازم ہو یا اپنی دانست میں انھوں نے کسی بات کو کسی امر پر موقوف خیال کیا ہو تو کیا ضرور ہے کہ وہ توقف تسلیم کرنے کے قابل ہی ہو - یا جس امر کو انھوں نے قابل رد خیال کیا ہو وہ حقیقت میں رد کے قابل ہی ہو کیا ضرور ہے کہ انھوں نے ایک امر دشوار سمجھکر غوض نہ کیا ہو تو وہ حقیقت میں ایسا ہی دشوار ہو کچھ انکے بیان اور تفسیر کو اس کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے

راویوں کی تفاسیر سے ثقاہت کے لحاظ سے گر مرتبہ ہوں اور اسلئے گرتی ہونے کا درجہ پہلے حصہ پر ہے تو دوسرے
درجہ پر ہو گئے کہ وہ بہت سے مسائل میں جابجا علمائے سنت نے باہم اختلاف کیا ہے اشاعرہ اور ماتریدیہ و دیکھو
تو ان کے علاوہ ہر زمانہ کے حاذق علما بھی ان دقایق کے اظہار میں توقف نہیں کرتے جو حدیث کے مخالف نہوں ان کی کچھ پرواہ
نہیں کرتے کہ تفاسیر میں سے وہی مرکتایں ہو سے پائیں جہاں میں ان کی ذرا اور مذہب مختلف پاتا ہوں تو میں ایک
طرف اختیار کرتا ہوں کسی دوسری طرف نہیں مڑتا معتدل حالت پسند کرکے خشکی سے اور یہ تعزیات کرتا ہوں ؛

یہ معلوم رکھنا چاہئے کہ ہر فن کا ایک خاصہ ہوا کرتا ہے اور ہر مقام کا مقتضا جدا ہوتا ہے جسکو حدیث کی غرابت سے
بحث ہے اسکو حدیث کی صحت او ضعف سے کچھ غرض رکھنا نہ چاہئے ایسے ہی حافظ حدیث کو فقہی فروعات میں کلام کرنا
اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر ترجیح دینا زیبا نہیں ہوتا ایسے ہی ان مذکورہ بالا مباحث میں پڑنا اس شخص کا منصب نہیں
جو اسرار دین کے مباحث میں مشغول ہے اسکی نہایت ہمت و مطمح نظر صرف اس راز کا ظاہر کرنا ہے جس کا آنحضرت
نے اپنے کلام میں قصد فرمایا ہے خواہ وہ حکم قایم رہا ہو خواہ منسوخ ہو گیا ہو یا اسکی معارض کوئی دوسری دلیل آگئی ہو اور
اس معارضہ نے تحقیقی نظر میں اس حکم کو مرجوح کر دیا ہو ہاں یہ امر بدیہی ہے کہ ہر فن کے خوض کرنے والے کو وہی بات
اختیار کرنی چاہئے جو اس فن کے لحاظ سے زیادہ اچھی اور موزون ہو۔ حدیثیں شہروں میں مدون ہو کر اقوال فقہا سے
مؤید ہونے کے بعد اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ پیروی کے قابل کون کون سی ہیں اور حدیثوں سے ممیز ہوگئی ہیں
جن میں یہ اوصاف نہیں ہیں اور ایسے ہی وہ حدیثیں جو کثرت اور قوت روایت کی وجہ سے ادنے درجہ کی
حدیثوں سے خاص قرار پاچکی ہیں تاہم اگر اسی قسم کا کوئی امر تجاوز کر ہو تو کیا مضایقہ ہے مسایل اجتہادیہ میں بحث
کرنا اس کی طرف میلان کرنا جو حق سے قریب ہو اہل علم سے کوئی نئی بات نہیں ہے اور ایسے کی کسر شان میں
کوئی طعن باعث نہیں ہے ؛

اور میں لوگوں میں ایسی گفتگو سے بالکل بری ہوں جو کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کے مخالف ہو یا اجماع
امت کے خلاف ہو جس کی خوبی اور بہتری پر شہادت ہو چکی ہے یا کسی ایسے مسئلے کے خلاف ہو جس کو جمہور
مجتہدین نے اختیار کیا ہو یا مسلمانوں کی جماعت کثیرہ نے اس کو مقبول کر لیا ہو اگر مجھ سے کہیں اس قسم کی کوئی
بات سرزد ہوئی ہو تو اس کو بالکل خطا سمجھنا چاہئے جو شخص مجھ کو خواب غفلت سے بیدار کرے خدا کی اس پر
رحمت ہو ہم کو ایسے لوگوں کی ہر بات سے اتفاق کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ جو متقدمین کے کلام سے مسئلے
مستنبط کرتے رہتے ہیں و جھگڑے اور مناظرے کرنا انکا منصب ہوتا ہے ہم بھی آدمی ہیں وہ بھی آدمی تھے
کبھی وہ کامیاب ہوتے ہیں کبھی ہم ؛

میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے ہیں پہلے حصہ میں وہ کلی قاعدے ہیں جن پر شرایع کی مصلحتوں اور
[illegible] اس قسم کے اکثر مسئلے ایسے ہیں جو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد کے موجودہ مذہبوں میں مسلم
[illegible] مذہب [illegible] کے متعلق کچھ [illegible] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

تنبیہا کا ذکر فرمایا ہے جیسے کہ فروعی باتوں کے بتانے کے وقت ان اصول کو بتا دیا [illegible]
ہوتی ہیں اس طرح پر کہ فروع کو اصول کی طرف پھیر دینے پر وہ قادر ہو گئے وہ پہلے ہی ان کے [illegible]
وقت اسمٰعیل کے پیرو عرب اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں میں بٹ جانے تھے مشتاق ہو گئے تھے [illegible]
اگر تمام شریعت کو تفصیلاً دیکھا جاوے تو ان کی انتہا دو تین مدرس پر ہوتی ہے [illegible]
سیاست مذہبی کے مباحث لیکن نیکی و گناہ کی پوری حقیقت [illegible]
اعمال پر کافی بحث نہ کی جاوے نفع اٹھانے کے وسائل کا پورا بیان نہ ہو نوع انسانی کے کمالات اور سعادت کے
[illegible] بیان کئے جاویں لیکن یہ مباحث بھی اور وہ مسئلوں پر بھی [illegible]
میں ان کی کچھ حقیقت یہاں نہیں بیان کی گئی۔ عام شہرت کی وجہ سے ان کی یہاں تصدیق کر لینی [illegible]
لیا ہے کہ ان کی تعلیم دینے والے کے ساتھ حسن عقیدت تھی اور ان دلائل پر اعتماد لیا گیا ہے جو ان امور کے ثبات
کے لئے ایک دوسرے بلند مرتبہ علم میں لائے جاویں۔ اور نفس کے مباحث چونکہ عام فرقوں کی کتابوں میں ثابت ہو چکے
ہیں جیسے نفس کی حقیقت اس کی بقاء اور بدنی مفارقت کے بعد آرام و رنج پانے کے متعلق زیادہ گفتگو نہیں کی
البتہ ایسے بعض بعض مسائل کا ذکر ان موقعوں پر کر دیا ہے کہ کتابیں ان کے بیان میں خاموش تھیں۔ یہیں یہیں
ترتیب و تفریع کر دی گئی ہے جس کو خدا کی توفیق سے میں نے ایجاد کیا ہے مسلم مسائل میں سے صرف وہی بیان
کی گئی ہیں کہ دلائل میں سے کوئی ان کے درپے نہ ہوا تھا نقلی دلائل بیان کرنے کا بھی میں نے کچھ اہتمام نہیں کیا
اس لئے ہیں اس حصے میں صرف وہی مسائل بیان کرونگا جن کی بغیر درایت کے یہاں صرف تصدیق کر لینی
چاہئے۔ اس کے بعد دنیا اور آخرت میں اعمال کے جزا پانے پر بحث کی جاویگی پھر [illegible] کے وہ وہ مسائل بیان کئے
جاویں گے جو عام لوگوں میں پیدائشی اور فطری ہیں اور اپنی اپنی رائے کے موافق عرب اور عجم میں کوئی ان کو فرو گذاشت
نہیں کرتا۔ اس کے بعد انسان کی نوعی سعادت اور بدبختی کا بیان ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ آخرت میں ان دونوں کے
نتائج کیونکر ظہور پذیر ہوں گے۔ پھر نیکی اور گناہ کے وہ اصول ذکر کئے جاویں گے جن پر تمام اہل مذاہب کا نسلاً بعد نسل اتفاق
ہوتا رہا ہے۔ پھر اس کا بیان ہے کہ جب کسی قوم پر مذہبی حکمرانی کی جاتی ہے تو حدود اور شریع کا تقرر کیونکر ہوتا ہے۔
پھر اس کا تذکرہ ہے کہ کلام نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے احکام شرعی کیونکر مستنبط کئے جاتے ہیں دوسرے حصہ میں ان
اسرار کی تفصیل ہے جو ابواب ذیل سے علاقہ رکھتے ہیں (۱) ابواب ایمان (۲) ابواب طہارت (۳) ابواب نماز
(۴) ابواب زکوٰۃ (۵) ابواب روزہ (۶) ابواب حج (۷) ابواب احسان (۸) ابواب معاملات (۹) ابواب تدبیر
منزل (۱۰) ابواب سیاست مدن (۱۱) ابواب معیشت (۱۲) چند ابواب مختلف۔ یہ مقصد شروع کرنے کا وقت
آپہنچا الحمد للہ اولاً و آخراً۔

قسم اول ان قواعد کلیہ کے بیان میں جن سے وہ شرعی مصلحتیں نکلتی ہیں جن کا شریعت کے احکام میں لحاظ کیا گیا ہے۔ اسمیں سات مباحث متعدد بابوں میں ہیں ۔

مبحث اول

تکلیف اور جزا و سزا دینے کے بیان میں

باب ۱

خدا کی صفت ابداع۔ خلق۔ تدبیر کے بیان میں

ابداع

جاننا چاہیئے کہ پیدا وار عالم کے لحاظ سے خدا کی بہ ترتیب تین صفتیں ہیں اول ابداع۔ ابداع کہتے ہیں عدم محض سے کسی چیز کو پیدا کرنا اس طرح بغیر کسی مادہ کے کوئی چیز پردہ عدم سے وجود میں آتی ہے۔ رسول اللہ صلعم سے اس امر کے آغاز سے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا کہ پہلے صرف خدا ہی تھا اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی ۔

خلق

دوسری صفت خلق کی ہے خلق کہتے ہیں کسی مادہ سے کسی چیز کو پیدا کرنا جیسے کہ خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور جن کو خالص بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا عقل اور نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے عالم کی نوعیں اور جنسیں مختلف مختلف پیدا کی ہیں اور ہر ایک نوع اور جنس کی خاصیتیں جدا جدا کر دی ہیں مثلاً نوع انسان کی خاصیت بولنا۔ جلد کا کھلا ہوا ہونا۔ قد کا سیدھا ہونا گفتگو کا سمجھ لینا ہے گھوڑے کی نوع کی خاصیت ہے ہنہنانا۔ اسکی جلد کا بالوں سے ڈھکا ہوا ہونا قد کا کج ہونا گفتگو کا نہ سمجھنا زہر کی خاصیت ہے زہر کھانے والے آدمی کو ہلاک کرنا۔ سونٹھ کی خاصیت گرم خشک ہے کافور کی خاصیت سرد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام معدنی۔ نباتی حیوانی نوعوں کی یہی کیفیت ہے خدا تعالےٰ کی عادت جاری ہے کہ جو خاصیت جس چیز میں پیدا کر دی ہے وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی ۔

ان خاصیتوں کے درجوں میں جو خاصیتیں کہ خاص افراد کی ہیں وہ سب سے خاص ہیں خاصیتوں میں جو کسی قدر عموم اور احتمال تعدد انکی وجہ سے معین ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی نوعوں کے درجہ میں جو خاصیتیں ہوتی ہیں انسے جنس کی خاصیتوں میں ایک خصوص پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ خاصیتیں ترتیب وار بعض عام بعض خاص مثلاً جسم۔ نامی۔ حیوان۔ انسان خاص شخص میں باہم مخلوط معلوم ہوتی ہیں لیکن عقل انکا فرق معلوم کر کے ہر ایک خاصیت کو اسکی ہی طرف منسوب کر دیتی ہے جسکی وہ خاصیت ہے آنحضرت صلعم نے اکثر چیزوں کے خواص بیان فرمائے ہیں اور انکے اثروں کو ان چیزوں کیطرف منسوب کیا ہے ۔

فرمایا کہ تلبینہ ایک قسم کا حریرہ ہوتا ہے جو آٹے کا بنایا جاتا ہے کبھی کبھی اسمیں شہد بھی ڈالتے ہیں دودھ کے رنگ ہوتا ہے مریض کے شکم کو آرام دیتا ہے کلونجی کو فرمایا کہ وہ موت کے سوا ہر مرض کے لیے شفا ہے ۔

اونٹنی کے پیشاب اور دودھ کی نسبت فرمایا کہ وہ انکو آرام دیتا ہے جنکو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو اور انکے معدہ میں غذا رکتی ہو۔ شبرم کو فرمایا کہ وہ گرمی پیدا کرتا ہے ۔

تدبیر

تیسری صفت خدا تعالےٰ کی عالم مولید کی تدبیر کرنا ہے۔ اس تدبیر کا حال یہ ہے کہ تمام مولید میں جو چیزیں حادث ہوتی ہیں وہ سب ایک ایسے انتظام کے موافق ہوں جو اوسکے علم و حکمت میں پسندیدہ ہے جس سے وہ مصلحت حاصل ہو جو فیض الٰہی کا مقتضا ہے۔ جیسے کہ ابر سے مینہ نازل کرتا ہے اس سے لوگوں اور حیوانات کے لیے زمین میں سے ہر قسم کے درخت بوٹیاں پیدا کرتا ہے تاکہ مدت معلوم تک انکی زندگی کا باعث ہوں۔ اور جیسے حضرت ابراہیمؑ آگ میں پھینکے گئے تو خدا نے انکے زندہ رکھنے کے لیے آگ کو خنک اور باعث سلامتی کر دیا۔ اور حضرت ایوبؑ کے بدن میں بیماری کا مادہ پیدا ہو گیا تھا خدا تعالےٰ نے ایک ایسا چشمہ پیدا کر دیا جس سے انکی بیماری کو آرام ہو گیا۔ اور خدا تعالےٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی وہ تمام عرب و عجم سے ناخوش ہوا اسلیے آنحضرت صلعم کو وحی بھیجی کہ انکو ڈراویں اور جہاد کریں تاکہ جسکو چاہے تاریکیوں سے نور کی طرف نکالے۔

اسکی تفصیل یہ ہے کہ جو قوتیں مولید میں خدا تعالےٰ نے پیدا کی ہیں اور انسے کبھی جدا نہیں ہوتیں وہ جب آپس میں ایک دوسرے سے مزاحمت کرتی ہیں تو حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ انسے مختلف اثر پیدا ہو جاویں بعض جوہر ہوں بعض عرض اور جو عرض ہوں وہ افعال ہوں یا ارادے ذی عقل سے ہوں یا غیر ذی عقل سے۔

اب ان امور میں اس لحاظ سے تو کوئی شر نہیں ہے کہ جو انکے سبب کا تقاضا تھا وہ صادر نہ ہو یا وہ چیز صادر ہوئی جو انکے مقتضائے سبب کے خلاف تھی اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود کو انکے سبب کے لحاظ سے دیکھیں کہ جو اوسکے پیدا ہونے کا باعث ہوتا ہے اسمیں خوبی ہوا کرتی ہے جیسے کہ کاٹنے کی صفت کو اس لحاظ سے دیکھیں کہ لوہے کا جوہر اسکا باعث ہے گرچہ وہ اس لحاظ سے بُرا ہے کہ اس سے بنیاد انسانی فوت ہو جاتی ہے ان آثار میں شر کی بات یہی ہے کہ انسے ایک ایسی چیز پیدا ہوتی ہے کہ انکے علاوہ ایک دوسرے میں مصلحت زیادہ ہے۔ اثروں کے اعتبار سے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے جسکے عمدہ اثر ہوں جب اس قسم کے شر کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں تو خدا تعالےٰ کی رحمت عام کا جو اپنے بندوں پر ہے اور انکی قدرت شامل اور محیط علم کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ ان قوتوں میں اور قوت والی چیزوں میں مختلف طور پر تصرف کرے قبض سے یا بسط سے۔ احالہ اور الہام سے تاکہ انسے امر مطلوب حاصل ہو جاوے قبض کی مثال یہ ہے کہ دجال مسلمان بندہ کے قتل کا دوسری مرتبہ ارادہ کریگا لیکن باوجودیکہ قتل کے اسباب درست ہونگے اسکے اوزار مہیا ہونگے لیکن خدا اسکو قدرت نہ دیگا۔

بسط کی مثال یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ نے زمین کو رگڑا اور خدا تعالےٰ نے انکے لیے چشمہ کو جاری کر دیا حالانکہ عادۃً ایسا نہیں ہوا کرتا کہ پاؤں رگڑنے سے پانی پھوٹ جایا کرے۔

خدا اپنے بعض مجاہدین کو جہاد میں ایسی طاقت عطا کرتا ہے کہ عقلاً اس قسم کے بدنوں سے بلکہ اسکے دو چند سہ چند سے بھی اس قسم کی طاقت خیال میں نہیں آسکتی اور احالہ جیسے حضرت ابراہیمؑ کی آگ کو پاکیزہ ہوا کر دیا۔

اور الہام کی صورت یہ ہے جیسے کشتی کو پھاڑ دینا اور دیوار کو درست کر دینا اور غلام کو قتل کرنا تابوت اور شہر یعقوب کا نازل کرنا۔ اور الہام کبھی تو اسی شخص کو ہوتا ہے جسکے لیے اسکی ضرورت ہو اور کبھی اسی کی وجہ سے دوسرے کو بھی

ہو جاتا ہے۔ قرآن عظیم نے تدبیر کے انواع کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

باب ۲

عالم مثال کے ذکر میں

جاننا چاہیے کہ اکثر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا عالم موجود ہے جسکی ترکیب عناصر سے نہیں ہے جس میں ہر ایک معنوی چیز کی مناسب صفت اور حالت میں وہ چیزیں جو معنوی ہیں صورت پکڑتی ہیں اور قبل اسکے کہ چیزیں زمین پر ظاہر ہوں پہلے اس عالم میں موجود ہو جاتی ہیں اور موجود ہونے کے بعد ہو بہو انہیں معانی کے اندازہ کی ہوتی ہیں اور اکثر ایسی چیزیں جنکا عام نظر میں کسی قسم کا جسم نہیں ہوا کرتا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ میں منتقل ہوتی ہیں نازل ہوتی ہیں لیکن عام لوگوں کو نظر نہیں آتیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا نے جب رحم کو پیدا کیا اور وہ درست ہو گیا تو خدا نے فرمایا کہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع تعلق سے تیری پناہ میں آوے اور فرمایا کہ سورہ بقر اور آل عمران قیامت کے روز دو ابر کی صورت میں یا صف بستہ پرندوں کی جماعتوں میں آوینگی اور اپنے پڑھنے والوں کے لیے حجت کرینگی اور آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام اعمال حاضر ہونگے پس نماز حاضر ہوگی پھر صدقہ پھر اسکے بعد روزہ الحدیث۔ اور فرمایا کہ بھلا کام اور برا کام دو مخلوق ہو کر قیامت کے روز لوگوں کے سامنے کھڑے کیے جاوینگے بھلی تو نیک لوگوں کو مژدہ دیگی اور برائی کہیگی ہٹو ہٹو لیکن وہ اس کو چمٹتی ہی جاوینگے اور فرمایا کہ خدا قیامت کے روز دنوں کو انکی اپنی صورت میں پیدا کریگا جمعہ کی صورت شگفتہ تاب ناک ہوگی اور فرمایا کہ دنیا قیامت کے روز ایک بڑھیا کی صورت میں ظاہر کیجاویگی جسکے بال کھڑے ہونگے اسکی آنکھیں نیلگون ہونگی منہ اسکا پھیلا ہوا ہوگا اور فرمایا کہ کیا تم وہ چیزیں دیکھتے ہو جنکو میں دیکھتا ہوں میں تمہارے مکانوں کے پشتوں پر فتنوں کی بوچھاڑ دیکھتا ہوں۔ شب معراج کی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ مجکو چار نہریں نظر آئیں دو اندر کی جانب کو دو ظاہر۔ میں نے کہا اے جبریل یہ دو کیا ہیں جبریل نے کہا دو اندر کی تو جنت میں ہیں اور یہ دونوں ظاہر نیل اور فرات ہیں۔

نماز کسوف کی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جنت و دوزخ نے میرے سامنے صورت پکڑی دوسری نقل میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ میں جنت و دوزخ کی صورت میں نے دیکھی اور اسی میں ہے کہ آپ نے جنت کا خوشہ توڑنے کو ہاتھ پھیلایا اور دوزخ کی آگ سے آپ پیچھے کو ہٹے اور اسکی گرمی سے پھونک دی اور دوزخ میں آپ نے حاجیوں کے مال چرانے والے کو دیکھا اور دوزخ میں آپ نے اس عورت کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئی اور آپ نے جنت میں ایک عورت زانیہ کو دیکھا جس نے کتے کو پانی پلایا تھا۔

یہ امر تو معلوم ہے کہ جنت و دوزخ کا بدن جو عام خیال میں ہے اتنی مسافت قلیل میں نہیں ہو سکتا ہے اور آپ نے فرمایا کہ جنت ناگواریوں سے بھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشوں سے۔ پھر حضرت جبریل کو حکم فرمایا کہ جنت و دوزخ کا معاینہ کریں اور

فرمایا کہ بلا نازل ہوتی ہے تو دعا اسکو دفع کرتی ہے، اور فرمایا کہ خدا نے عقل کو پیدا کر کے فرمایا کہ سامنے ہو وہ سامنے ہوئی اور فرمایا کہ پیٹھ پھیر اُسنے پیٹھ پھیر لی اور فرمایا کہ پروردگار عالم کیطرف سے یہ دو کتابیں ہیں الحدیث اور فرمایا کہ موت ایک مینڈھے کی صورت میں لائی جاویگی اور جنت و دوزخ کے مابین اسکو ذبح کر دینگے ۔

خدا تعالے نے فرماتا ہے کہ ہم نے اسکے پاس اپنی روح کو بھیجا اور وہ مریم کے سامنے ایک درست آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریل آنحضرت کے سامنے ظاہر ہوا کرتے تھے آپ انکو دیکھتے اور انسے گفتگو کرتے لیکن اور لوگ کہ وہ نظر نہیں آتے تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قبر ستر در ستر گز پھیلتی یا سمٹ جاتی ہے کہ قبر والے کی پسلیاں ایک ہو جاتی ہیں اور فرشتے قبر والیکے پاس آکر اس سے سوال کرتے ہیں اور قبر والے کے اعمال اسکے سامنے صورت پکڑ کر آتے ہیں اور قریب المرگ کے پاس فرشتے آتے ہیں اور انکے ہاتھوں پر حریر یا روئی کا کپڑا ہوتا ہے اور فرشتے قبر والے کو ہتوڑے سے مارتے ہیں اور وہ ایسا چیختا ہے کہ اسکو وہ چیزیں سنتی ہیں جو مشرق و مغرب کے بیچ میں ہیں، اور آنحضرت نے فرمایا کہ خدا کافر کی قبر میں تنین کے قسم کے سانپ مقرر کرتا ہے وہ انکو قیامت کے قایم ہونے تک نوچتے ہیں کاٹتے ہیں اور فرمایا کہ جب مردہ قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسکے سامنے آفتاب ڈوبتی حالت میں ہوتا ہے وہ بیٹھکر اپنی آنکھیں ملتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھکو چھوڑ دو کہ میں نماز پڑھوں اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرفات میں کھڑے ہونے والے کے سامنے خدا تعالے مختلف صورتوں میں تجلی فرماتا ہے، اور یہ کہ آنحضرت صلعم خدا کے حضور میں جاتے تھے اور خدا تعالے اپنی کرسی پر ہوتا تھا اور یہ کہ خدا تعالے آدمی سے دو بدو کلام کرتا ہے اور اسکے علاوہ اور بے شمار مثالیں ہیں جو لوگ اس قسم کی حدیثوں میں غور کرتے ہیں انکی تین حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ہوا کرتی ہے، وہ ان حدیثوں کے ظاہری معنی کا اقرار کرتے ہیں تو لامحالہ وہ ایک ایسے عالم کے ثابت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جسکا ہم نے ذکر کیا اور اسی کو محدثین کا قاعدہ مقتضی ہے سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسپر تنبیہ کی ہے میں بھی اسی کا قایل ہوں اور یہی میرا مذہب ہے ۔

(۲) یا اسکے قایل ہوتے ہیں کہ اگرچہ حس سے خارج میں یہ واقعات موجود نہیں لیکن دیکھنے والے کی نظر کے سامنے وہ متمثل ہوتے ہیں اسی قسم کی تقریر حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے خدا تعالے کے اس قول میں کی ہے کہ جب خدا تعالے نے ایک ظاہر دھواں ظاہر کرتا ہے ۔

کہ انکے زمانہ میں قحط پڑا تھا جب ان میں سے کوئی شخص آسمان کیطرف نظر اٹھاتا تھا تو اسکو گرسنگی کیوجہ سے دھوئیں کی صورت معلوم ہوتی تھی، اور امام ابن الماجشون سے نقل کیا جاتا ہے کہ قیامت میں خدا کے منتقل ہونے یا دیکھنے کے متعلق جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں انکے یہ معنی ہیں کہ خدا اپنی مخلوق کی بینائیوں کو بالکل بدل دیگا تب وہ خدا کو تجلے کرتے ہوئے دیکھینگے اور خدا ان سے گفتگو کریگا لیکن حقیقۃً خدا کی عظمت میں کوئی تغیر نہ آئیگا۔ نہ وہ منتقل ہوگا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

(۳) یا وہ کہینگے کہ ان اقوال سے کچھ اور معنی مراد ہیں انکے سمجھنے کے لئے یہ امور مثال کے طور پر لائے گئے ہیں لیکن جو شخص ان حدیثوں کی نسبت تیسرے ہی معنی اختیار کرتا ہے وہ میرے نزدیک اہل حق میں سے نہیں ہے امام غزالی رح

نے عذاب قبر میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی اخبار کے ظاہری معنی درست ہیں اور انمیں مخفی رمزیں ہیں لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک وہ کھلی ہوئی باتیں ہیں جب تک انکی حقیقتیں پوری منکشف نہ ہوجاویں انکے ظاہری معنی سے انکار کرنا مناسب نہیں ہے ادنے درجہ کا ایمان یہ ہے کہ انکو مانے اور یقین کرے ۔

اگر کوئی شک کرے کہ ہم مدت تک کافر کو قبر میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں اور اسکا خیال رکھتے ہیں لیکن ایسے ایسے امور میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھتے پس جو امر مشاہدہ کے خلاف ہو اسپر کیسے یقین کیا جاوے ۔ اسلئے جاننا چاہئے کہ ایسے امور کی تصدیق کرنیکی تین حالتیں ہیں، ایک حالت تو یہ ہے اور یہی ظاہر و درست اور زیادہ محفوظ ہے کہ یہ سب امور موجود ہیں مردہ کو وہ کاٹتے ہیں لیکن تمکو اسلئے نظر نہیں آتے کہ تیری آنکھ ان ملکوتی امور کے مطالعہ کے قابل نہیں ہے جو امور کہ عالم آخرت کے متعلق ہیں وہ سب عالم ملکوت سے ہیں کیا تو صحابہ کرام کے حالات کو نہیں دیکھتا انکو حضرت جبرئیل کے آنیکا کیسا یقین تھا اور انہوں نے کبھی انکو آنکھ سے نہیں دیکھا حالانکہ انکا یقین تھا کہ آنحضرت انکو دیکھتے ہیں ۔ اگر تیرا اسپر ایمان نہیں ہے تو پہلے فرشتوں اور وحی پر ایمان لانے کو درست کرنا تجھکو بہت ضرور ہے اور اگر تجھکو اس کا یقین ہے اور تجویز کرسکتا ہے کہ آنحضرت ان چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جنکو کہ امت نہ دیکھ سکے تو مردہ کی حالت میں اسکو کیوں تجویز نہیں کرتا اور جیسے کہ فرشتہ کو آدمیوں اور حیوانات سے کچھ مشابہت نہیں ہے ایسے ہی سانپ اور بچھو بھی جو کہ قبر میں کاٹتے ہیں ہمارے دنیا کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں بلکہ انکی اور ہی جنس ہے اور ایک دوسری قسم کی حس کرنیوالی قوت سے وہ معلوم ہوتے ہیں ۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ تم سونیوالے کی حالت خیال کرلی جاوے وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اسکو سانپ کاٹ رہے ہیں وہ اس سے تکلیف اٹھا رہا ہے حتی کہ تم کبھی کبھی دیکھو گے کہ وہ چلا اٹھتا ہے اسکی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اپنی جگہ سے کبھی اچھل پڑتا ہے ان سب امور کو وہ اپنے دل سے معلوم کرتا ہے وہ اس سے بیدار آدمی کیطرح اذیت اٹھاتا ہے وہ آنکھ سے ان امور کو دیکھتا ہوتا ہے اور تم اسکو ظاہر میں بالکل چپ چاپ پاتے ہو اسکے آس پاس نہ سانپ ہوتے ہیں نہ بچھو حالانکہ اسکے حق میں بچھو موجود ہوتے ہیں اور اسکو تکلیف ہوا کرتی ہے لیکن تمہارے میں موجود نہیں ہوتے جب کاٹنے کا اثر تکلیف ہے تو برابر ہے کہ سانپ خیالی ہو یا نظر کے سامنے ۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ خود سانپ تکلیف نہیں دیتا ہے بلکہ اسکی زہر کی تکلیف سے تمہاری یہ حالت ہوجاتی ہے اور خود زہر بھی کوئی تکلیف کی چیز نہیں ہے بلکہ تم کو اس اثر کیوجہ سے تکلیف ہوتی ہے جو زہر سے تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو اگر بغیر زہر کے بھی ایسا ہی اثر پیدا ہوجاوے تو یقیناً اسکی تکلیف بہت زیادہ ہوگی اور اس کا اندازہ صرف اسی طرح ہوسکیگا کہ اسکو ایسے سبب کیطرف منسوب کریں جس سے عادۃً ایسے اثر پیدا ہوتے ہیں ۔

مثلاً اگر کسی شخص میں بغیر مباشرت صورۃ جماع کے جماع کی لذت پیدا ہوجاوے تو اسکو اسی طرح بتا سکیں گے کہ اس لذت کو مباشرت کیطرف منسوب کریں تاکہ اس نسبت کرنے سے تعریف یا نسبت ہوجاوے اور سبب کا ثمرہ بدون اسکے کہ صورت سبب کی موجود ہو حاصل ہوجاوے اور کوئی سبب ہو وہ خود مطلوب نہیں ہوا کرتا بلکہ ثمرہ کیوجہ سے مطلوب ہوا کرتا ہے یہ تمام مہلک صفتیں موت کے وقت نفس میں ایذا رساں اور تکلیف دہ ہوجایا کرتی ہیں اور انکی

تکالیف سانپوں کے کاٹنے کی سی تکلیف ہوتی ہیں حالانکہ سانپ حقیقۃً نہیں ہوا کرتے ۔

باب ۳

ملاء اعلیٰ کے ذکر میں

فرمایا خدا تعالیٰ نے کہ عرش اور اُن چیزوں کو جو اُسکے آس پاس ہیں اٹھانے ہوئے ہیں خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اُسپر یقین رکھتے ہیں مسلمانوں کے لئے مغفرت چاہتے ہیں کہ اے پروردگار تیری رحمت تیرا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے پس اُن لوگوں کی مغفرت کر جنہوں نے گناہ ہونے توبہ کی اور تیری پیروی کی اور دوزخ کے عذاب سے انکو نجات دے اور اے پروردگار انکو اور انکے باپ دادوں بیویوں اولاد میں سے انکو جو نیک ہوں جنتوں میں داخل کر جسکا تو نے انسے وعدہ کیا ہے بیشک تو غالب حکمت والا ہے اور انکو برائیوں سے محفوظ رکھ اس روز جسکو تو نے برائیوں سے محفوظ رکھا بیشک اسپر تو نے بڑا رحم کیا اور یہ بڑی کامیابی ہے ۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ آسمان پر کسی حکم کو پورا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے خدا کے قول کی فرمانبرداری کے سبب سے اپنے پر ہلاتے ہیں اور خدا کا قول ایسا ہوتا ہے جیسے کہ چکنے پتھر پر صفوان (یعنی ایسی آواز جسکا بجنا کانوں کو محسوس ہوتا ہے اور اسکو قرار نہیں ہوتا یہانتک کہ بعد کو وہ سمجھ میں آجاتی ہے) جب انکے دلوں پر سے خوف دور ہو جاتا ہے تو باہم وہ کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ جواب دیتے ہیں حق بات کہی ہے وہ بڑا اور برتر ہے ۔

اور ایک روایت میں ہے جب کسی حکم کو پورا کرتا ہے تو حاملین عرش فرشتے تسبیح کرتے ہیں انکے بعد جو فرشتے آسمان پر انکے قریب ہیں خدا کی تسبیح کرتے ہیں شدہ شدہ وہ تسبیح کی خبر ان فرشتوں تک پہونچتی ہے جو دوسرے آسمان پر ہیں اسکے بعد جو فرشتے حاملین عرش کے قریب ہوتے ہیں حاملین سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ اس قول کی انکو خبر دیتے ہیں علیٰ ہذا ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان کے فرشتوں سے پوچھتے جاتے ہیں حتے کہ اس خبر آسمان کے رہنے والونکو خبر پہونچ جاتی ہے ۔

رسول اللہ صلعم فرمایا کہ میں نے شب کو اٹھکر وضو کیا نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر تھی نماز پڑھتے پڑھتے یکایک خواب آگئی جب خواب خوب گراں ہوئی تو میں نے ایک نہایت عمدہ صورت میں اپنے پروردگار کو پایا اُسنے فرمایا اے محمد میں نے کہا لبیک میرے پروردگار فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں ایسے ہی تین بار فرمایا اسکے بعد میں دیکھتا ہوں کہ اُسنے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے بیچ میں رکھا حتے کہ میں نے اسکی انگلیوں کی خنکی کا اثر اپنے دو پستانوں کے بیچ میں پایا اسوقت سب چیزیں مجھ پر ظاہر ہو گئیں اور میں نے اسکا جواب بھی معلوم کر لیا اُسنے فرمایا اے محمد میں نے عرض کیا لبیک میرے پروردگار فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے میں نے عرض کیا کفارات پر فرمایا کفارات کیا ہیں میں نے عرض کیا پیادہ پا نماز کی جماعتوں کے شوق میں چلنا نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھا رہنا ناگوار حالتوں میں وضو کو پورا کرنا پھر فرمایا اور کس چیز میں میں نے عرض کیا درجات میں فرمایا درجات کیا میں نے عرض کیا کھانا کھلانا نرم کلامی

شب کی نماز کو اسوقت میں کہ سب لوگ سو رہے ہوں ادا کرنا۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب خدا اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اسکو دوست رکھ۔ جبرئیل بھی اسکو دوست رکھنے لگتے ہیں اور آسمانپر ندا کرتے ہیں۔ کہ خدا فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو اسلئے آسمان والے سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین پر بھی وہ مقبول ہوجاتا ہے۔ ویسے ہی جب کسی بندہ کو وہ برا جانتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں تو بھی اس سے بغض رکھ حضرت جبرئیل بھی اس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر ندا کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص سے خدا بغض کرتا ہے تم بھی اس سے بغض رکھو سب اس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور زمین پر اس سے بغض پھیلتا ہے۔

اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب تک تم میں سے کوئی اس جگہ رہتا ہے جہاں نماز پڑھی تھی فرشتے تم پر اسوقت تک برابر درود بھیجتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں بار الہا اسپر رحمت کر اسکی مغفرت کر اس کی توبہ قبول کر الم یوذ فیہ الم یحدث فیہ۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کوئی روز ایسا نہیں ہے جس میں بندے صبح کرتے ہیں مگر یہ کہ ہمیشہ دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں انمیں سے ایک یہ کہتا ہے بار خدایا فیاض کو عوض جلد عطا کر اور ممسک آدمی کا اجر کھو دے۔

جاننا چاہیے کہ شرع سے یہ ثابت ہے کہ خدا کے بندوں میں سے بزرگ فرشتے بھی ہیں جو بارگاہ خداوندی میں مقرب ہیں جو شخص اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور اسکو مہذب کر لیتا ہے لوگوں کی اصلاح میں کوشش کرتا رہتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اسکے لئے دعا مانگتے ہیں جسکے اثر سے ان لوگوں پر برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

ایسے ہی جو خدا کی نافرمانی کرکے فساد ڈالنے میں کوشش کرتا رہتا ہے اسپر فرشتے لعنت کرتے ہیں اس لعنت کے اثر سے اس مفسد کے دلمیں ندامت اور افسوس پیدا ہوتا ہے اور اسی لعنت کے اثر سے ملا سافل کے دلوں پر اسکا الہام ہوتا ہے کہ اس بدکار سے تعلق نہ رکھیں اور دنیا میں یا بعد مرنے کے اسکو برائی پہنچائیں اور فرشتوں کے لئے بہت سی خدمتیں مخصوص ہیں انکی یہ بھی خدمت ہے کہ خدا اور بندوں کے بیچمیں ایلچی ہوتے ہیں لوگوں کے دلوں میں نیک الہام ڈالتے رہتے ہیں یعنی کسی نہ کسی وجہ سے نیک خطرات لوگوں کے دلوں میں انکے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جسطرح خدا کو منظور ہوتا ہے اور جہاں منظور ہوتا ہے خدا انکو جمع کرتا ہے اس اعتبار سے انکو رفیق اعلےٰ اور مجلس اعلےٰ اور ملا اعلیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور آدمیوں نے بھی بعض نیک روحیں بہت بزرگ ہیں فرشتوں میں شامل ہوجاتے ہیں اور انہی میں ملجاتی ہیں جیسے کہ خدا تعالےٰ نے فرماتا ہے کہ اے مطمئن روح تو اپنے پروردگار کیطرف خوشی خوشی لوٹ آ اور میرے بندوں میں داخل ہو میری جنت میں آجا۔

سرور کائنات صلعم نے فرمایا ہے کہ میں نے جعفر ابن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ فرشتہ کی صورت میں صد دو پروں کے فرشتوں کیساتھ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اور روحیں ملا اعلیٰ میں احکام الٰہی کا نزول بھی ہوتا ہے اور جس امر کیطرف اس آیت میں اشارہ ہے "انا سمیں سب شئی وہ کام جدا کئے جاتا ہیں [illegible] دیا جاتا ہے۔ اور کسی نہ کسی وجہ سے تمام

شریعت کا تقرر بھی وہیں ہوتا ہے ۔

اور جاننا چاہئے کہ ملاء اعلیٰ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم ایسی ہے کہ خدا نے یہ جانا کہ نیکی کا انتظام و تدبیر موقوف ہے ایسے نورانی اجسام پیدا کئے جو کہ حضرت موسیٰ کی آگ کی مانند ہیں پھر اُن جسموں میں بزرگ روحیں پھونک دیں ایک قسم ایسی ہے کہ کبھی کبھی عناصر سے لطیف بخارات صعود کرتے ہیں اور انسے ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو اسکے قابل ہوتا ہے کہ ان پر ایسے بلند نفوس کا فیضان کیا جاوے جنہیں بھی میل و چرک سے ترک کرنیکا ارادہ ہوتا ہے اور ایک قسم نفوس انسان میں سے ہوتی ہے جنکو ملاء اعلیٰ سے قرب ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ نجات دہ اعمال کو عمل میں لاتے ہیں حتے کہ انہیں ہی شامل ہو جاتے ہیں اپنے بدنوں کی چادریں اتار کر انہیں میں منسلک ہو جاتے ہیں اور انہیں میں سے شمار کئے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہایت خوش و محویت سے وہ اپنے پروردگار کیطرف متوجہ رہتے ہیں کسی چیز کا میلان انکو اس توجہ سے نہیں روک سکتا ہے یہی معنی ہیں اس قول خداوندی کے کہ وہ اپنے پروردگار کی حمد سے خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور خدا پر یقین رکھتے ہیں ۔

انکے دلوں میں اپنے پروردگار کیطرف سے یہ ڈالا جاتا ہے کہ فلاں عمدہ انتظام پسندیدہ ہے اور اسکے مخالف ناپسندیدہ ہے اسکی وجہ سے جو دعا کا ظہور ہوتا ہے اور یہی مراد ہے اس خدا کے قول سے کہ وہ ایمان والوں کیلئے مغفرت کے خواستگار رہتے ہیں ۔ اور ملاء اعلیٰ میں جو نہایت مرتبہ والے ہیں انکے انوار کبھی یکجا جمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے میں اس روح کی صورت میں داخل ہو جاتے جیسا کہ آنحضرت نے ذکر فرمایا ہے کہ انکی منہ اور زبانیں بکثرت ہوتی ہیں اسوقت وہ سب مل کر گویا ایک شے ہو جاتے ہیں اور اسیکا نام حظیرۃ القدس ہے ۔ اور بار ہا حظیرۃ القدس میں اسپر اتفاق کیا جاتا ہے کہ معاش اور معاد کے صدمہ سے لوگوں کو نجات دینے کا کوئی ذریعہ اسطرح قائم کرنا چاہئے کہ مخلوق الٰہی میں اس شخص کو جو اس زمانہ میں نہایت ذکی النفس ہو مضبوط کرنا چاہئے اسکے علم کو لوگوں میں جاری کرنا چاہئے اس اتفاق کا یہ اثر ہوتا ہے کہ منور لوگوں کے دلمیں اسکا الہام کیا جاتا ہے کہ اس شخص کے اتباع پر کمربستہ ہوں اور ایسے گروہ بنیں جو لوگوں کی رہبری اور نفع رسانی کے لئے باہر نکلیں ۔

اسی اتفاق کے اثر سے ایسے ایسے علوم لوگوں کے دلوں میں منتقش ہوتے ہیں جنمیں اقوام کی درستی اور سراسر انکی ہدایت ہوتی ہے ۔ یہ الہام کبھی بذریعہ وحی ہوتا ہے کبھی خواب میں کبھی ہاتف غیب کے ذریعہ سے انکی ذکی النفس کے سامنے وہ حظیرۃ القدس والے فرشتے کبھی کبھی سامنے ظاہر ہو کر گفتگو بھی کرتے ہیں یہ اتفاق اس شخص کے احباب کی امداد کا باعث ہوتا ہے ۔ ہر ایک ناکامی سے انکو قریب کر دیتا ہے اور خدا کے راستہ سے روکنے والوں پر لعنت ہوتی ہے ۔ ہر قسم کے رنج و تکلیف میں وہ گرفتار کئے جاتے ہیں یہی نبوت کے لئے اصل الاصول ہے ۔

جب ایسی طرح پر انکا اتفاق ہوتا ہے تو تائید روح القدس اسکو کہتے ہیں تائید ایسی ایسی برکتوں کا ثمرہ ہوتی ہے کہ علاوہ ایسی برکتیں ظہور میں نہیں آتیں اسیکا نام معجزات ہے ۔ اور ان ملاء اعلیٰ سے کم درجہ کے نفوس اور بھی ہوتے ہیں جنکے فیضان سے لطیف بخارات میں ایک ایسا معتدل مزاج پیدا ہو جاتا ہے کہ جو سعادت میں ملاء اعلیٰ تک نہیں پہونچتا مگر انہیں سے اتنی کمالیت ہوتی ہے کہ وہ فراغ کی حالت میں اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اوپر سے انپر کیا مترشح

ہوتا ہے جب ہی کہ قابل کی استعداد اور فاعل کی تاثیر کے اندازہ کے موافق کوئی بوچھار روح پر پڑتی ہے وہ ان فوقانی امور کی طرف ایسی ہی آمادگی ظاہر کرتے ہیں جیسے کہ پرند و چارپائے طبعی اسباب کی تحریک سے آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اس حالت میں اپنے تمام نفسانی امور سے علیحدہ اور فوقانی الہام میں ثابت اور قائم رہتے ہیں لوگوں اور بہائم کے دلوں پر انکا اثر ہوتا ہے انکے ارادے اور نفسانی باتیں انہیں امور کیطرف پھر جاتے ہیں جو مقصود کے مناسب ہوں بعض بعض اشیا میں انکا یہ اثر ہوتا ہے کہ انکی طبعی حرکات کو چند در چند کر دیتے ہیں یا انمیں تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں جیسے کہ کوئی پتھر لڑھکا یا باوے تو اسوقت اس پر فرشتہ اپنا اثر ڈالتا ہے اور زمین پر مافوق العادۃ وہ گرتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صیاد نہر میں دام پھینکتا ہے اور فرشتہ انکی توجہ میں ایک مچھلی کے دلمیں الہام کرتی ہیں کہ دیا کے اندر گھس جا اور دوسرے سے بھاگ جا تاکہ ایک کو رسی کپڑ لینے ایک کو رسی چھوڑ دینے کا مچھلی کچھ نہیں جانتی کہ میں یہ کیا کرتی ہوں بلکہ صرف الہام کی تابع رہتی ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو فریق لڑتے ہوتے ہیں اسوقت فرشتے آکر ایک فریق کے دلمیں تقویت حسب مقتضائے خیالات سے شجاعت کی خوبی پیدا کر دیتے ہیں بعد کے ذریعہ کا الہام کرتے ہیں تیر اندازی وغیرہ میں انکی مدد کرتے ہیں اور مخالفین میں ان امور کے تدارک کو پسندیدہ بنا دیتے ہیں یہ تدبیر اسلئے ہوتی ہے کہ جس امر کا ہونا مقدر ہے وہ ٹھیک ہو جائے ۔

کبھی انکے دل پر اسکا ترشح ہوتا ہے کہ کسی نفس کو آرام پہنچایا جاوے کسیکو تکلیف دیجاوے اسمیں وہ نہایت سرگرمی کرتے ہیں اور ہر ایک طریقہ سے اسکو پورا کرتے ہیں اور ان ملاء اعلیٰ کے مقابلہ میں اور قسم کے وجود ہیں جنمیں ہلکا پن بے چینی ہوتی ہے ایسی نظریں انسے سرزد ہوتی ہیں جو نیکی کے بالکل خلاف ہوتی ہیں وہ مدیک بخارات کے سڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں شیاطین ہیں جنکی کوششیں ہمیشہ فرشتوں کی کوششوں کے خلاف ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم ۔

باب ۴

خدا کے اُس طریقہ کے بیان میں جس کا اس قول آلٰہی میں بیان ہوا ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا خدا کے طریقہ میں تو کوئی تبدیلی نہ پاوے گا۔

جاننا چاہئے کہ خدا تعالےٰ کے بعض افعال جن قوتوں کے ہونے پر کسی نہ کسی طریقہ سے مرتب ہوتے ہیں جو کہ اس عالم میں ودیعت رکھی گئی ہیں نقل و عقل دونوں نے اسکی شہادت ملتی ہے ۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ نے آدم کو مشت خاک سے جسکو تمام زمین سے لیا تھا پیدا کیا۔ اسلئے آدمی بھی اندازہ زمین کی وجہ سے کہ بعض سرخ رنگ بعض سپید رنگ بعض سیاہ رنگ اور ان رنگوں کے درمیان اور بعض نرم طبع بعض سخت دل بعض ناپاک سیرت بعض پاکیزہ نفس پیدا ہوتے ہیں ۔

اور حضرت عبداللہ بن سلام نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ بچہ کو باپ یا ماں سے مشابہ ہونیکا کیا سبب ہے آپنے فرمایا کہ مرد کا پانی جب عورت کے پانی سے پہلے سبقت کرتا ہے تو وہ مرد کے مشابہ ہوجاتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کا پانی

سے پہلے پہنچ جاتا ہے وہ صورت کے مشابہ ہو جاتا ہے ۔

میں یکو نہیں دیکھتا کہ ہمیں شبہ کرے کہ مر جانے کو تلوار مارنے یا زہر کھا لینے کیطرف منسوب کیا کرتے ہیں ورحم سے بچہ کی پیدایش منی گرنے کے بعد ہوا کرتی ہے دانوں اور درختوں کی پیدایش تخم ریزی درخت لگانے کے زمانے کے بعد ہوا کرتی ہے ۔

اسی استطاعت اور قدرت کیوجہ سے آدمی مکلف بنایا گیا ہے امور کیا گیا ہے اور بدیوں سے بچایا گیا ہے اپنے اعمال پر جزا و سزا دیا جاتا ہے ۔

یہ قوتیں جنپر خدا کے افعال جاری ہوتے ہیں مختلف قسم کی ہیں بعض انمیں سے عناصر کی خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں اور بعض انہیں سے وہ احکام ہیں جنکو خدا تعالے نے ہر ایک صورۃ نوعیہ کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے بعض انہیں سے عالم مثال اور اس وجود کے حالات ہیں جنکا تقرر زمین میں آنے سے پہلے ہو چکتا ہے اور بعض انہیں سے ملاء اعلی کی ارادتیں یا بددعائیں ہیں جنکو وہ ان لوگوں کے لئے نہایت کوشش و اہتمام سے مانگتے ہیں جنہوں نے اپنے نفس کو مہذب بنایا ہے اور اپنی قوتوں کی اصلاح میں بڑی کوشش کی ہے اور انکے مخالفین پر ہوا کرتی ہیں ۔

اور نیز وہ احکام شریعت میں جو لوگوں پر مقرر کئے گئی ہیں بعض امور واجب کئے گئے ہیں اور بعض حرام یہ احکام بھی بجا لانے والے کے لئے موجب ثواب ہیں اور نافرمانی کرنے والے کیلئے باعث عذاب اور انہیں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ خدا تعالے کسی شے کو مقرر کرتا ہے تو عادت الہی کے موافق یہ شے دوسری چیز کو لازم ہوا کرتی ہے تاکہ اس شے کا اثر اس دوسری شے تک پہنچتا ہے اسلئے کہ اس انتظام لزوم کا درہم برہم کرنا پسندیدہ نہیں ہے ۔

اسکی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جب خدا کسی بندہ کے لئے کسی جگہ مرنا مقدر کرتا ہے تو وہاں پہونچنے کی اسکے لئے کوئی نہ کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے یہ سب امور ایسے ہیں کہ اخبار سے معلوم ہوئے ہیں یا عقل کی ضرورت نے انکو ضروری قرار دیا ہے ۔

اور جاننا چاہئے کہ جب ایسے اسباب مختلف طور پر جمع ہوں جنپر کہ عادۃ حکم الہی مرتب ہوا کرتا ہے اور ان اسباب کے آثار باہم مانع ہوں تو اسوقت مقتضائے حکمت یہ ہے کہ ایسے امر کا لحاظ کریں جو غرض سے زیادہ مناسب ہو اسیکا نام اس قول رسالت میں میزان رکھا گیا ہے کہ خدا کے ہاتھ میں میزان ہے وہ کبھی اس کا پلہ اٹھا دیتا ہے کبھی جھکا دیتا ہے اور خدا کے قول میں شان کے لفظ سے بھی مراد ہے کہ خدا ہر روز ایک خاص شان میں ہوتا ہے اور ترجیح کے وجوہ مختلف ہوتے ہیں کبھی اسباب کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے کہ اسباب جو ہیں سے کونسا سبب زیادہ قوی ہے کبھی ان اثروں کے لحاظ سے ہوتی ہے جو ان اسباب پر مرتب ہوا کرتی ہیں کہ ان سب میں زیادہ نفع کے قابل کون ہے اور کبھی باب تدبیر پر باب خلق کے مقدم ہونے سے ہوتی ہے اور ایسے ہی ایسے وجوہ اور ہوا کرتے ہیں ۔

بہرحال اگرچہ ہمارا علم یہ معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم سب اسباب کو احاطہ کر سکیں اور جب اسباب میں تعارض ہو تو یہ معلوم کر سکیں کہ ان میں سے زیادہ قابل استحقاق کونسا ہے لیکن تاہم یہ ہم کو اجمالاً معلوم ہو سکتا ہے کہ جو

چیز موجود ہوتی ہے وہ موجود ہونے ہی کے لائق ہوتی ہے جو شخص ہمارے مذکورہ بالا تقریر کو تحمل سے سمجھ لیگا۔ وہ اکثر مشکلات کے الجھن سے نکل جائیگا۔

باقی رہیں وہ تاثیریں جو ستاروں کی قسموں سے متعلق ہیں انہیں سے بعض تو ضروری ہیں جیسے گرمی و سردی کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا دن کا گھٹنا بڑھنا آفتاب کی حرکتوں کے اختلاف سے اور جیسے چاند کی حالتوں کی تبدیلی سے دریا میں جذر و مد کا ہونا۔

حدیث میں وارد ہے کہ جب بلند ہوگا ستارہ تو آفات برپا ہوجاویں گی یعنی بلحاظ عادت کے لیکن فقیری تو نگری خشک سالی سرسبزی اور تمام انسانی حادثوں کا ستاروں کی حرکات سے پیدا ہونیکا ثبوت شرع سے کچھ نہیں ہے۔ آنحضرت نے ان امور میں خوض کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور فرمایا کہ جسنے نجوم کا کوئی حصہ سیکھا تو گویا اسنے جادو کا حصہ سیکھا۔ اور اس شخص کے قول سے کہ ہم پر فلاں ستارہ سے بارش ہوئی آپ نے بہت ناخوش ہوکر فرمایا ہے میں کہتا ہوں کہ شریعت نے اسکی تصریح کی ہے کہ خدا نے ایسی تاثیریں خاصیتیں پیدا نہیں کی ہیں جنسے اس عالم میں ہوا وغیرہ کے ذریعہ سے جو انکو گھیرے ہوئے ہے حوادث پیدا ہوں۔

تم کو خوب معلوم ہے کہ آنحضرت نے کہانت سے منع فرمایا ہے جسمیں جنوں کی جانب سے خبر دیجاتی ہے اور فرمایا ہے کہ جو کاہن کے پاس جاکر اسکو سچا جانے اس سے میں بیزار ہوں آپ سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو خبر دی کہ فرشتے جو ہوا میں اترکر ان امور کا ذکر کرتے ہیں جنکا آسمان پر فیصلہ ہوچکتا ہے تو شیاطین انمیں سے کچھ دزدی کر لیتے ہیں۔ اور کاہنوں کو بتادیتے ہیں وہ ان میں اور سو جھوٹی باتیں ملادیا کرتے ہیں۔

خدا فرماتا ہے کہ ان کافروں کی طرح سے مت ہو جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جب وہ سفر کرتے ہیں اور لڑتے ہوتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو کاہے کو مرتے یا قتل کئے جاتے۔

اور آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا عمل کسی کو جنت میں داخل نہ کریگا اور آپ نے فرمایا کہ تو رفیق ہے اور خدا طبیب ہے بہرحال منع فرمانا بہت سی مصلحتوں پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۵
روح کی حقیقت کے بیان میں

خدا تعالے فرماتا ہے۔ ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

ترجمہ۔ تجھ سے روح کا حال پوچھتے ہیں (یہودی) تو کہہ روح میرے پروردگار کے عالم امر کی چیز ہے اور تم کو صرف تھوڑا علم دیا گیا ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی روایت سے اعمش نے وما اوتوا من العلم الا قلیلا پڑھا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں سے خطاب ہے جنہوں نے روح کا حال دریافت کیا تھا۔ اس آیت میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ امت مرحومہ میں سے روح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے

اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ شرع نے جس چیز کا کوئی علم بیان نہ کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہو سکے بلکہ شرع میں اکثر وجوہ سے سکوت
کیا جاتا ہے کہ اشکال کی وجہ سے عام لوگ اسکے بتانے کے قابل نہیں ہوا کرتے اگرچہ بعض بعض اسکو سمجھ سکتے ہیں ۔
جاننا چاہیئے کہ روح کے متعلق اولاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب حیوان
میں روح ڈالدی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لیجاتی ہے تو وہ مرجایا کرتا ہے ۔

اسکے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے حس
کرنے کی حرکت کرنے کی اس میں وہ سب قوتیں رہتی ہیں جو تدابیر غذا کے متعلق ہیں طب کے احکام کو اس
بھاپ سے بڑا تعلق ہے ۔

تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بھاپ کے رقیق ہونے کا اور غلیظ ہونے کا صاف اور مکدر ہونے کا بدنی قوتوں
اور ان افعال پر جو ان قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں بڑا اثر پڑتا ہے اگر اس عضو پر یا اس بھاپ کے پیدا ہونے پر جسکو عضو سے
تعلق ہے کوئی آفت پہنچتی ہے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے اسکے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہیں اس بھاپ کی موجودگی
سے زندگی باقی رہتی ہے اور اسکے تحلیل ہو جانے سے موت ہو جاتی ہے ۔

بادی النظر میں روح اسی کا نام ہے لیکن غور رس نظر میں یہ روح کا ادنیٰ طبقہ ہے بلکہ اسکی ایسی مثال ہے جیسی
گلاب میں پانی اور کوئلہ میں آگ ۔

پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح روح حقیقی کا مرکب ہے اور روح حقیقی کے بدن سے
متعلق ہونے کا مادہ ہے اسلئے کہ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے بڈھا ہو جاتا ہے اور اسکے بدنی اخلاط میں تبدیلی
ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے کسی حالت میں
وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے پھر وہ بڑا ہو جاتا ہے کبھی اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے کبھی گورا ہوتا ہے کبھی وہ جاہل ہوتا ہے
پھر عالم ہو جاتا ہے اور انکے علاوہ اسکے اکثر اوصاف میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اسکے وجود میں کوئی تغیر نہیں
ہوتا وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا ۔

اور اگر ان اوصاف کے تبدل اور عدم تبدل میں مناقشہ کیا جاوے تو ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے
ہیں تو اسوقت میں بھی لڑکا وہی رہیگا جو کہ پہلے تھا یا ہم یہیں کے کہ ہم ان اوصاف کو اپنی حال پر باقی رہنے کا یقین
نہیں کرتے اور لڑکے کا بعینہ باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں اسلئے لڑکے کی ذات ان اوصاف کے خلاف ہے ۔

اب ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جسکی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہی لڑکا باقی رہا یہ روح بخاری نہیں ہو سکتی اور نہ بدن اور
وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جو کہ اسکے مشخص ہونیکی باعث ہیں اور اوزظاہر نظر میں دیکھی جاتی ہیں بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز
ہے وہ ایک نورانی نقطہ ہے ان تمام متغیرات سے جنمیں سے بعضی جوہر ہیں بعض عرض اسکا ڈھنگ نرالا ہے
وہ بچہ ہونے کی حالت میں بھی ویسی ہے جیسی بڑے ہونے کی حالت میں جبکہ وہ سیہ رنگی کی حالت میں ہے ایسے
ہی سپیدی کی حالت میں ہے۔ ایسے ہی وہ تمام اضداد کی حالت میں یکساں ہے اسکو ابتداءً روح ہوائی سے تعلق

ہے یہ تمہارا بدن ہے اسلئے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالم قدس کا ایک روزن ہے جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہوجاتی ہے تو اس روح سماوی کا اسپر نزول ہوتا ہے ۔

جن امور میں کہ تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے ہے جیسے کہ دھوپ کپڑے کو سپید کر دیتی ہے اور دھوبی کو سیاہ اور ہم کو وجدان صحیح سے معلوم ہوگیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونے کا نام ہے جسوقت کہ بدن میں روح ہوائی پیدا کرنے کی قوت نہیں رہتی۔ روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں ہے جب ضعف اور مرض سے روح ہوائی تحلیل ہوجاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضا ہے کہ روح ہوائی کا منشاء باقی رہ جائے کہ روح الٰہی کا اُس سے تعلق رہ سکے جیسا کہ تم شیشہ سے ہوا کو چوس لیتے ہو تو حتی الامکان اُس میں تخلخل پیدا ہو جاتا ہے پھر تم اسکے بعد ہوا کو نکال نہیں سکتے یہانتک کہ اخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے یہ صرف اس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی جمعیت اور سرشت میں رکھا ہے ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا ۔

مرنے کے بعد روح ہوائی کو از سر نو زندگی ہوتی ہے اور روح الٰہی کے فیضان سے اُن امور میں جو حس مشترک کے ذریعہ سے اسمیں باقی رہ گئے تھے ایک طاقت جدید پیدا ہوتی ہے اور عالم مثال یعنی اُس قوت کے ذریعہ سے جو کہ مجرد و محسوس کے بیچ میں ہے اور افلاک میں پھیلی ہوئی ہے کی امداد سے وہ روح ہوائی ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اسطرح پر عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہو جاتے ہیں پھر جب صوروں میں روح ڈالی جاویگی۔ ویسا ہی فیضان پھر ہوگا جیسے کہ ابتداء عالم میں ہوا تھا اور روحیں بدنوں میں ڈالی گئیں تھیں اور عالم موالید کی بنیاد قائم کیگئی تھی تو اسوقت روح الٰہی کے فیضان سے روح ایک جسمانی لباس یا ایسا لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہوگا پھر پہن لیگی اور جو کچھ صادق و مصدوق علیہ افضل الصلوات و ایمن التحیات نے خبریں بیان کیں ہیں سب کا حصول ہوگا اور چونکہ روح ہوائی ایک متوسط شے روح الٰہی اور بدن آدمی کے بیچ میں ہے اسواسطے ضرور ہے کہ اسکا رخ اس طرف بھی ہو اور اسطرف بھی اور جو اسکا رخ عالم قدس کی جانب مائل ہے اُس کا نام ملکی حالت ہے اور جو زمین کی جانب ہے اسکا نام بہیمیت ہے مناسب ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق انہیں مقدمات پر اکتفا کیا جاوے تاکہ اس علم میں اسکی تسلیم کے بعد تفریعات کی جائیں اور اس علم سے ایک زیادہ بلند مرتبہ علم میں اسکے چہرہ سے پردہ اٹھایا جاوے واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۶

سر التکلیف

خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنات

وکان اللہ غفوراً رحیماً۔ ترجمہ ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا انھوں نے اسکی برداشت کرنے سے
انکار کیا اور اس سے خوف زدہ ہوگئے اور آدمی نے اس امانت کو برداشت کرلیا بیشک آدمی بڑا ظالم اور نادان ہے تاکہ
خدا منافقوں اور منافق عورتوں کو اور مشرکوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مسلمانوں اور مسلمان عورتوں پر توبہ قبول کرے
خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

غزالی اور بیضاوی نے تنبیہ کی ہے کہ امانت سے مراد مکلف ہونیکی ذمہ داری ہے جس سے کہ اطاعت اور نافرمانی کے کام
سے ثواب یا عذاب کا مستحق ہوسکے اور آسمانوں اور زمین پر اسکے پیش کرنیکے معنے ہیں کہ انکی استعداد پر نظر کیا گیا کہ اسکا بوجھ
کرنے یا نہ کرنے کا مادہ انمیں ہے یا نہیں ہے اور انکے انکار کرنے سے یہ غرض ہے کہ انکی طبیعت میں اس کام کی لیاقت
اور استعداد نہ تھی۔ اور یہ جو فرمایا کہ آدمی نے اس امانت کو برداشت کرلیا اس سے یہ مراد ہے کہ اسمیں ان امور کی انجام کی
ذاتی صلاحیت تھی۔ میں کہتا ہوں اس معنی کے لحاظ سے انہ کان ظلوماً جہولاً گویا حکم سابق کی علت ہے اسلئے کہ ظالم اسکو کہتے
ہیں کہ جس میں انصاف و عدل کرنیکی قابلیت ہو لیکن پھر بھی انصاف نہ کرے اور جہول اسکو کہتے ہیں کہ باوجود قابلیت کے
ناواقف ہو اور علاوہ اسکے بعض چیزیں عالم اور عادل ہیں ظلم اور جہل کا ان تک گذر نہیں ہے جیسے کہ فرشتے اور بعض
چیزیں ایسی ہیں کہ نہ وہ عالم اور عادل ہیں اور نہ انمیں علم اور عدل کا مادہ ہے جیسے چوپائے۔
مکلف ہونیکے قابل وہی چیز ہوسکتی ہے جسکا کمال بالقوۃ ہو نہ بالفعل۔

اور اسی سبب میں لام بمعنی عاقبت ہے یعنی اسی امانت کے متحمل ہونیکا انجام عذاب کیا اور ایسا ہوتا ہے حقیقت الامر
کا پورا انکشاف فرشتوں کی حالت اور انکے تجرد کے خیال کرنیسے ہوتا ہے انکی حالت میں نہ وہ کیفیت مزاحمت کرتی ہے جو قوۃ
بہیمیہ کی تفریط سے پیدا ہوتی ہے جیسے گرسنگی پیاس خوف رنج اور نہ وہ جو اس قوت کے افراط سے پیدا ہوتی ہے۔
جیسے مجامعت کی حرص غصہ تکبر نہ انکو غذیہ تنقیہ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے ہمیشہ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ عالم
بالا سے انپر کیا وارد ہوتا ہے جب ہی کہ انپر عالم بالا سے کوئی حکم مترشح ہوتا ہے خواہ وہ کسی انتظام مطلوب کا قایم کرنا ہو یا کسی چیز
سے خوشنودی یا کسی سے ناگواری تو انکے قوا اس سے لبریز ہوجاتے ہیں ہمہ تن وہ اسکی اطاعت کرتے ہیں جو اسکا مقتضا ہوتا ہے
اسکے لئے وہ آمادہ ہوجاتے ہیں وہ ان امور کے اہتمام میں اپنے نفسانی ارادوں سے بیخود ہوتے ہیں اور عالم بالا کی مراد پر ثابت رہتے ہیں۔
اسکے بعد بہایم کی حالت کو خیال کرو کہ وہ رذیل شہوتوں سے ملوث رہتے ہیں اپنی طبعی خواہشوں پر شیفتہ ہوتے ہیں انہیں
میں محو رہتے ہیں جب انمیں کوئی امنگ ہوگی وہ ایسی ہی کوئی بہیمی امنگ ہوگی جس کا مآل کوئی بدنی نفع ہوگا یا طبیعت کے
موافق کسی چیز کا دفع کرنا۔

ان دونوں کے بعد معلوم کرنا چاہئے کہ خداتعالے نے اپنی روشن حکمت کی وجہ سے آدمی میں دو قوتیں عطا کی ہیں
ایک ملکی روح طبعی پر جو تمام بدن میں منتشر ہے جب روح انسانی کا فیضان ہوتا ہے تو یہ قوت پیدا ہوتی ہے روح طبعی اس
فیضان کو قبول کرکے مغلوب ہوجاتی ہے۔ دوسری قوت بہیمی ہے جو کہ نفس حیوانی میں پیدا ہوتی ہے جو تمام حیوانوں میں
یکساں پائی جاتی ہے۔

جو قوتیں کہ روح حیوانی میں تمام ہیں وہ سب اس میں منقش ہوتی ہیں روح طبعی خود مستقل طاقت رکھتی ہے اور روح انسانی انکے احکام کو قبول کر لیتی ہے ۔

لیکن یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ان دونوں قوتوں میں باہم مزاحمت ہے اور ہر ایک کی کشش مختلف ہے ملکی طاقت بلندی کیطرف کشش کرتی ہے اور بہیمی پستی کی جانب جب بہیمی مغلوب ہوتا ہے اور اسکی اثر پژمردہ ہو جاتے ہیں تو ملکی کے جذبات مخفی ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی اسکے خلاف میں ہوتا ہے اور پروردگار جلشانہ کو انتظام عالم کے ساتھ توجہ خاص ہے ہر چیز کی استعداد ذاتی اور کسبی جس قسم کی درخواست کرتی ہے ویسا ہی فائدہ کریم افاضہ فرماتا ہے جب کوئی بہیمی جذبات کو کسب کرتا ہے تو ویسی ہی امداد پہنچتی ہے اور جو امور کہ مناسب ہوتے ہیں وہی اسکے لئے آسان ہو جاتے ہیں اور اگر ملکی جذبات کو کسب کرتا ہے تب بھی اسی قسم کی امداد اسکو پہنچتی ہے اور اسی کے موافق امور اسکے لئے آسان ہو جاتے ہیں جیسے خدا تعالے فرماتا ہے فاما من اعطے واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری جو کوئی کچھ دیگا اور پرہیزگار بنیگا اور نیکی کی تصدیق کریگا تو ہم سہولت کو اسکے لئے آسان کر دینگے اور جو کوئی بخیلی کریگا اور بے پرواہ ہو جاویگا اور نیکی کی تکذیب کریگا ہم دشواری کو اسکے لئے آسان کر دینگے ۔

اور فرمایا کلا نمد ہؤلاء وہؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا اور سب کو ہم مدد دیتے ہیں اور تیرے رب کی بخشش روکی نہیں گئی ہے ہر ایک قوت کو اسکے بعد بد تکلیف اور لذت سے لذت اپنی مناسب کیفیت کو ادراک کرتا ہے اور تکلیف اپنی ضد کے نا موافق خبیث کا ادراک کرتا ہے آدمی کی حالت اس شخص کی حالت سے عجیب مشابہت ہے جسنے کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو وہ اسوقت میں آگ کی سوزش کا کچھ اثر اپنے اندر نہیں پاتا ہے یہانتک کہ جب مخدر کا اثر کم ہو جاتا ہے اور مقتضائے طبیعت کیطرف وہ رجوع کرتا ہے تب کس شدت کی تکلیف اسے معلوم ہوتی ہے یا اسکو خلاب کی حالت کے مشابہ سمجھنا چاہئے اطبا نے بیان کیا ہے کہ خلاب میں تین قوتیں ہیں (۱) قوۃ زمینی جو رگڑنے یا لیپ کرنے سے ظاہر ہوتی ہے (۲) مائی قوت جو کہ نچوڑنے یا پینے کے وقت ظاہر ہوتی ہے (۳) ہوائی قوت جو کہ سونگھنے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے ۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آدمی کو مکلف کرنا اسکی نوع کا مقتضا ہے یقینا آدمی اپنی زبان استعداد سے اپنے پروردگار سے خواستگار رہتا ہے کہ ان امور کو جو کہ حکمت کے مناسب ہوں اسپر واجب کر دے اور اسپر اسکو ثابت قدم رکھے اور جن امور میں ہلاکت ہو انکو اسپر حرام کر دے اور اسپر انکے ارتکاب سے دار و گیر کرے واللہ اعلم ۔

باب

تکلیف کا تقدیر سے نکلنا

جاننا چاہئے کہ خدا تعالے کی اپنی مخلوق میں ایسی نشانیاں ہیں کہ انمیں غور کرنیوالا یہ معلوم کر سکتا ہے کہ خدا نے جو اپنے بندوں کو شریعتوں کا مکلف کیا ہے تو اسکی خدا کے پاس زبردست دلیل ہے ختنوں اور انکے تیوں اور شگونوں اور

پھلوں کی شکلیں نہیں نظر آتی ہیں یا جنکو معلوم ہوتی ہیں دیکھے نہ نہیں غور کرو کہ خدا نے ہر ایک قسم کے لیے پتے ایک خاص شکل کے اور شگوفے خاص رنگ کے اور خاص خاص مزہ کے پھل پیدا کرنے میں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے قسم کا ایک فرق رکھا ہے یہ سب امور صورت نوعیہ کے تابع ہوا کرتے ہیں اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جیسا صورت نوعیہ کا ظہور ہوتا ہے ویسا ہی انکا ظہور ہوتا ہے ۔

خدا تعالے کا یہ فرمان کہ یہ مادہ خرما کا ہونا چاہئے اس تفصیلی فرمان کے ساتھ لپٹا ہوا ہے کہ اس کا پتہ ایسا ہو اور اسکا شگوفہ ایسا ہو ۔

اور ہر ایک قسم کی خاصیتوں میں سے بعض تو ظاہر ہوتی ہیں ہر ایک عقلمند اسکو سمجھ سکتا ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جنکو وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو زیرک اور فطین ہو ۔

جیسے کہ یاقوت کی تاثیر ہے کہ وہ یاقوت رکھنے والے کے دل میں ایک فرحت اور شجاعت کا پیدا کرتا ہے ۔

اور نیز بعض خاصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی قسم کے ہر فرد میں ہوتی ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ استعداد مادہ کے موافق صرف بعض فردوں میں پائی جاتی ہیں اور اسی قسم کے دوسرے افراد میں نہیں ہوتیں مثلاً ہلیلہ کہ جو شخص اسکو اپنے ہاتھ میں تھامے ہے اسکے لیے دست آور ہے ۔

اب تم کو یہ کہنے کا موقع نہیں ہے کہ خدا کا عمل اس صفت کا کیوں ہوتا ہے اسلیے کہ یہ امور حسی ہیں اور حسی امور کے ثابت ہونے کے لیے دلیل کی حاجت نہیں ہوا کرتی ۔

اسکے بعد حیوانات کے ہر ایک قسم کو دیکھو ہر ایک کی شکل و صورت جدا ہے جیسے کہ تم درختوں کی صورتیں جدا جدا پاتے ہو اور حیوانات میں ان اختلافات کیساتھ مختلف طرح کی حرکتیں اور ذوقی الہامات و طبعی تدبیریں بھی ہیں جنکی وجہ سے ہر ایک قسم دوسرے سے بالکل ممتاز ہے مثلاً چوپائے گھاس کو چرتے ہیں جگالی کرتے ہیں اور گھوڑے گدھے خچر گھاس تو چرتے ہیں مگر جگالی نہیں کرتے اور درندے گوشت خور ہیں پرندے ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں اور حیوانات میں ہر قسم کی آواز جدا جدا ہے ہر ایک کیلئے مجامعت کا طریقہ علیحدہ ہے اپنے بچوں کے پالنے کا طریقہ جو ایک کا ہے وہ دوسرے کا نہیں ہے جسکا بیان طول طویل ہے ۔

ہر ایک قسم کیلیے اسی قسم کا الہام کیا گیا ہے جو اسکی طبیعت اور مزاج کے مناسب تھا اور جیسے اس نوع کی عملی اور ذہنی حکمتیں تھی اور یہ الہامات سب کے سب انکے پروردگار کیطرف سے انکی صورت نوعیہ کے روزن سے مترشح ہوتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ شگوفوں کے خطوط اور پھلوں کے مزے جو صورت نوعیہ کے رشتہ سے متعلق ہوتے ہیں ۔

اور نوعی احکام بعض ہر ہر فرد بشر میں موجود ہوتے ہیں اور بعض مادہ کی قابلیت اور اسباب کے اتفاق سے صرف بعض افراد ہی میں ہوتے ہیں اگرچہ اصلی استعداد سب میں ہوا کرتی ہے مثلاً شہد کی مکھیوں میں یعسوب اور جیسے طوطا کہ تعلیم در مشاقی کے بعد لوگوں کی آوازوں کو بخوبی نقل کر لیتا ہے ۔

ان امور کے بعد انسان کی نوع میں غور کرو جو امور کہ درختوں میں پاؤگے انسان میں بھی پاؤگے اور انکے علاوہ حیوانی

اقسام ہیں جو دو صاف میں وہ بھی تین ہیں شدّ حاجت خواہ زہ ذکار رفضلات کا دفع کرنا آنا پیدا کرش میں دو دو پستان
ست چوسنا اور انکے علاوہ اور بہت سی ایسی نعمتیں بھی ہیں جنکی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے مثلاً گفتگو کرنا
دوسرے کی گفتگو سمجھنا بدیہی مقدمات کی ترتیب سے نتائج پر پہنچنا۔ فرصت سے کتب علوم کو پیدا کرنا ان امور کا اہتمام
کرنا جنکو وہ ذریعہ اپنی حس اور وجہ سے نہیں معلوم کرتا ہے لیکن بنظر عقل انکو پسندیدہ سمجھتا ہے جیسے نفس کو مہذب کرنا اور اپنے بول
کو اچھے نظم کرنا اور یہ امور چونکہ اسکی نوع و پیدائش میں ہیں اسلئے سب ذہن میں کہ پہاڑوں کی بلندیونکے باشندے بھی
ان میں مشترک ہیں اسکا راز وہی ہے جو اسکی صورت نوعیہ کا مقتضے ہے اور یہ راز بھی ہے کہ مزاج انسانی کا مقتضا یہی
ہے کہ اسکی عقل دل پر غالب ہو اور دل نفس پر غالب ہو۔

اسکے بعد خدا تعالیٰ کی اس تدبیر اور تربیت اور رحمت کو دیکھنا چاہئے کہ جسکی علامات ہر ایک قسم میں رکھی گئی ہے نباتات
جنمیں حس و حرکت کی قوت نہ تھی اسلئے انکے لئے رگوں کو پیدا کیا وہ اس مادہ کو چوستی رہتی ہیں جو پانی اور ہوا اور لطیف اجزاے
ارضی سے جمع ہوتا ہے اور جمع کر کے اسکو تمام شاخوں میں ایک مناسب تقسیم سے پھیلاتی ہیں جس کا فیضان صورت نوعیہ کیجانب
سے ہوتا ہے اور حیوان میں حس ہوتی ہے اپنے قصد سے وہ چلتا پھرتا ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے انکے اندر ایسی رگیں زمین
سے مادہ کے چوسنے والی پیدا نہیں کی ہیں بلکہ انکو الہام کیا کہ اپنے مواقع سے غذاؤں کو گھاس پانی کو تلاش کرتے
اور جتنی نعمتیں انکو مطلوب تھیں ان سب کا انکو الہام کیا۔

اور جو قسمیں زمین سے پیدا نہیں ہوتیں خدا تعالیٰ نے انکے لئے خاص تدابیر رکھی ہیں کہ جنمیں تناسل کی قوتیں
جمع کی ہیں اور انکے اندر ایک خاص رطوبت پیدا کی ہے کہ جو بچہ کی تربیت میں خرچ کیجاتی ہے وہ منافس دودھ بنجاتی
ہے اور بچہ کو الہام کیا کہ وہ پستان چوس کر دودھ کو نکالے اور مرغی میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے جس سے انڈے
پیدا ہوتے ہیں اور جب مدت ویشت کے نکلنے کی ہو اس میں خشکی پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا پیٹ خالی ہوجاتا ہے جس سے
اسمیں ایک قسم کی دیوانگی سی پیدا ہوتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی نوع سے میل جول ترک کردیتی ہے اور
اسی چیز کی حفاظت کرنے کو خود بخود پسند کرتی ہے کہ اس سے اپنے شکم کو دبائے رکھے۔ اور کبوتروں کی طبیعت میں
انسے پیدا کیا ہے کہ نر اور مادہ باہم مانوس رہیں اور مادہ کے شکم کو دل ہی خالی کیا تاکہ انڈوں کی حفاظت بخوبی اس سے
ہوسکے پھر جس وقت رطوبت اسلئے پیدا کی کہ وہ بذریعہ اسکے بار آنکے اور انکی طبیعت میں بچہ پر شفقت اور رحم کرنے
کا دودھ پیدا کیا۔ اسلئے اس رطوبت نر و مادہ میں مہربانی کے جوش سے بچہ کی حلق تک پہنچنے کا ذریعہ کیا اور اس ذریعہ سے
وہ دانہ پانی بچہ کو پہنچاتے ہیں اور باہم ماں باپ کے سبب سے نر بھی مادہ کی تقلید کرتا ہے اور بچہ کا مرطوب مزاج پیدا کیا اس رطوبت
سے انکے پر نکلتے ہیں جنسے وہ اڑنے لگتا ہے۔

اور انسان میں چونکہ حس کرنے اور حرکت کرنیکی قوت پیدا کی ہے اور پیدائشی الہامات کا انکو قابل بنایا ہے اور
بالتدریج ہمیں علوم کا ادراک کیا ہے اسکو عقل عطا کی ہے اور اختیاری علوم کے پیدا کرنیکی قابلیت دی ہے اسلئے اس کو
کھیتی کرنے درخت لگانے تجارت کرنے اور دیگر معاملات کا الہام کیا ہے۔

ان میں سے بعض لوگوں کو پیدایشی سرور بنایا ہے اور بعض کی طبیعت میں یا اتفاقی اسباب سے غلامی کی صفات پیدا کی ہے بعض کو نبی سے بادشاہ بنایا ہے بعض کو رعیت بعض میں مادہ حکمت کا رکھا ہے کہ حکمت الہیہ سے متعلق گفتگو کرے بعض کو علوم طبعی میں خوض کرنیکی قوت دی ہے بعض تو علوم ریاضی و حکمت عملی کے مسائل حل کرینگے اور ایسے ہی بعض کو غبی پیدا کیا ہے کہ وہ بغیر تقلید دوسرے کے علوم بالا کو نہیں سمجھ سکتا ہے اور ایسے تم کوئی گروہ مثلاً بادیہ نشینوں اور شہریوں کے دیکھو گے کہ اکثر یہ امور وارد ہوتے رہتے ہیں ۔

جاننا چاہیے کہ انسان کا حال حیوانات کا سا نہیں ہے بلکہ انسان کا ادراک حیوانات کے ادراک سے نہایت گرانمایہ ہے منجملہ انکے علوم کے جسپر کہ بجز ان لوگوں کے جنکا مادہ شرع کے احکام کو قبول نہیں کرتا سب کا اتفاق ہے اپنے پیدا کرنے والے اور تربیت کرنیوالے کو تلاش کرنا اور مدبر عالم کو ثابت کرنا ہے جسنے انکو پیدا کیا ہے انکو رزق دیتا ہے ۔ اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی ہمت اور علم کے موافق گریہ و زاری کرتا ہے جیسے وہ اور انکے ابنائے جنس زبان حال سے انکے حضور میں خشوع و خضوع کرتے ہیں اور اس قول خداوندی کے یہی معنی ہیں کہ الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا کے لئے وہ چیزیں جو آسمان میں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے ہیں اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہوا ۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ درخت کی شاخوں پتوں شگوفوں کا ہر ہر جز نفس نباتیہ کے سامنے جو درخت کی مدبر ہے ہمیشہ اور ہر آن ہاتھ پھیلائے ہوئے عاجزانہ درخواست کرتا رہتا ہے اگر انکے ہر ایک جسم میں عقل ہوتی تو وہ نفس نباتی کا منتظر رہا کرتے اور اگر انکو فہم ہوتا تو یہی درخواست حالی انکے علم و ارادہ میں بھی منقش ہوجاتی ۔

اور انسان کی خاصیتوں میں سے یہی ہے کہ نوع انسان میں بعض ایسے لوگ بھی ہوں جنکو علوم عقلی کے چشمہ کی طرف خاص توجہ ہو وہ وحی کے ذریعہ سے یا فراست یا خواب کے ذریعہ ان علوم کو حاصل کریں اور باقی لوگ جو اس پایہ کے نہوں اس شخص کی رہنمائی اور برکت کے ارشاد کرنے کے تابع کریں اور انکے اوامر و نواہی کی سپردی کریں اور افراد انسانی میں کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا کہ جسکو بذریعہ خواب کے جسکو وہ دیکھتا ہے اور اپنی رائے سے یا کسی بات کے سننے سے یا بصیرت کی فطانت سے کچھ نہ کچھ غیب کی طرف توجہ نہ ہو لیکن سب لوگ یکساں نہیں ہوتے ہیں بلکہ بعض نہیں کامل ہوتے ہیں اور بعض ناقص اور ناقص کو کامل کی حاجت ہوا کرتی ہے اسکی صفات کا اندازہ وہ بہیمیہ کی صفات سے بالکل جدا ہوتا ہے جسمیں خرق و پاکیزگی انصاف سماحت کی اوصاف ہوتے ہیں عالم جبروت و ملکوت کی روشنیاں اس سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں اسکی دعا قبول ہوتی ہے تمام کرامات حالات اور مقامات کا اس سے ظہور ہوتا ہے ۔

اگرچہ وہ امور جنکی وجہ سے آدمیکو حیوانات سے امتیاز حاصل ہوتا ہے بکثرت ہیں لیکن انکا مدار دو خصلتوں پر ہے ۔

(۱) قوت عقلی کا بڑھنا اسکے دو شعبے ہیں ایک وہ شعبہ ہے کہ جسمیں انتظام بشر کے متعلق مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں انکے دقائق مستنبط کئے جاتے ہیں اور ایک شعبہ میں علوم غیبی کے حاصل کرنیکی استعداد ہوتی ہے جسکا فیضان وہبی طریقے سے ہوتا ہے

(۲) قوت عقلی کی فوقیت ہے۔ اسکے بھی دو شعبے ہیں۔ اول یہ کہ اعمال کو اپنے قصد اور اختیار سے کرنا۔ حیوانات کی افعال
اختیاری ہوا کرتے ہیں لیکن افعال کی اصل جستجو نہیں ترجیح نہیں ہوا کرتے ان فعل کی ترجیح انکے نفوس میں نہیں ہوتے
انکو لگا تصرف ان قوتوں سے ہوتا ہے جو ودیعت ہوئی ہیں تاہم ان میں اس بناء سے وہ بآسانی اپنے اپنے کام کرتے ہیں۔ انسان جو
خوض کرتا ہے تو جہد ترجیح کے۔ وہ افعال نوعا وہ ہو جاتے ہیں نیت کی روسے جدا ہو نفس میں چھپی جاتی ہیں اسلئے انکے نفس میں
ایک نورانیت کی ترقی ہو جاتی ہے۔ اور افعال پر موانند کرنیکے لیے ہوشیار کا قول شرط ہے۔ وہ اسی طرح پر ہے کہ انکو قصد کرے
جیسیکہ مریض مضرت اور تریاق سے نفع ہونیکے لئے طبیب کا قول اسی طرح شرط ہے کہ ان دونو کو آدمی اپنے حلق سے
فرو کرے اور شکم میں داخل کرے ۔

اور ہمارے اس قول کی کہ نفس انسانی میں اعمال کی ترجیح ہو جاتی ہے یہ دلیل ہے کہ تمام دنیوں کی جو تیں
ریاضتوں اور عبادتوں کی تحقیق ہیں اپنے بدن سے انھوں نے انکے نور معلوم کرلئے ہیں اور گناہوں اور منہیات سو
سب احتراز کرتے ہیں اور اپنے وجدان سے انکی سنگدلی انھوں نے معلوم کرلی ہے ۔

اور ایک درجہ ایسا ہے جسمیں بلند بلند حالات اور مقامات پیش آتے ہیں جیسے محبت الٰہی خدا پر توکل وغیرہ اور
اس قسم کے اوصاف حیوانات میں بالکل مفقود ہیں ۔

اور جاننا چاہیے کہ نوع انسانی میں جس کی اعتدال جسکو صورت نوعیہ عطا کرتی ہے بغیر چند علوم کے کامل نہیں
ہوسکتا جسکو کہ زکی الناس ہی معلوم کرتا ہے اور اور لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں ۔

اور بغیر شریعت کے جسمیں علوم الٰہی اور شغت کی تدابیر شامل ہوں اور وہ قواعد جنمیں افعال اختیاری کی بحث اور پانچ
قسموں واجب۔ مستحب۔ مباح۔ مکروہ۔ حرام کی تقسیم اور تفصیل ہو اور وہ مقامات جنمیں مرتبہ احسان کے درجات بیان کیے جائیں
اسلئے حکمت و رحمت الٰہی میں ضروری ہوا کہ اپنے غیب مقدس میں قوت عقلی کے رزق کو مہیا کرے اور سب سے ازکی الناس
کو اس عالم قدس سے علوم اخذ کرنیکے لیے خالص اور مجرد کردے۔ جیسے کہ تم شہد کے چھتے میں یعسوب کو دیکھتے ہو کہ وہ
تمام مکھیوں کی بذات خود تدبیر کرتا ہے۔ اگر اسطرح پر علوم کو حاصل کرنا بواسطہ یا بلا واسطہ نہ ہوتا تو جو کمال نوع انسانی کے لئے قرار دیا
گیا ہے وہ ہرگز مکمل نہ ہوتا کوئی شخص جب حیوانات میں سے کسی نوع کو دیکھتا ہے کہ بغیر گھاس کے انکی زندگی بسر نہیں ہوتی
تو سمجھ جاتا ہے کہ خدا تعالے نے انکے لئے چراگاہیں تیار کر دی ہونگی جسمیں بکثرت گھاس ہوگی ایسے ہی خدا کی صنعت
میں غور کرنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ نوع انسان کے درجے میں ایسے علوم بھی ہیں جنسے عقل انسانی اپنے نقصان و خلل کو دور
کرسکتی ہے اور اس سے عقل کا کمال نہایت کو پہنچتا ہے ان علوم میں سے ایک حصہ توحید و صفات کا علم ہے اس علم میں یہ
ضروری ہے کہ اسکی تشریح ایسی صاف صاف ہو کہ بالطبع عقل انسانی اسکو حاصل کر سکے نہیں ایسی دقت سے پُر نہ ہو کہ اسکو شاذ و نادر
ہی کوئی حاصل کرسکے۔ اس علم کی تشریح اس قول میں ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ کہ خدا تعالے نے اپنے لئے وہ صفتیں ثابت
کی ہیں جسکو ہر شخص جانتا ہے یعنی زندہ رہنا سننا۔ دیکھنا۔ قدرت۔ ارادہ۔ کلام۔ نفقہ۔ رحمت۔ مالک ہونا اور اسکے ساتھ ہی
مشابہت کیا کہ اسکا مثل ان صفتوں میں کوئی نہیں ہوسکتا ہے اس کی زندگی ہماری سی زندگی نہیں ہے اسکی بینائی ہماری سی بینائی نہیں

ہے اسکی قدرت کو ہماری قدرت سے کوئی نسبت نہیں اس کا ارادہ ہمارے ارادے سے الگ ہے اسکی کلام کرنے کی شان ہمارے کلام کی سی نہیں ہے وہ بڑا ہے۔

پھر خدا تعالے نے تمثیل ہونیکی تفسیر ایسے امر سے کی جو ہماری عقل میں بالکل مستبعد ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ دینہ کے قطروں کی تعداد کو بیابانوں کی ریگ کی تعداد کو درختوں کے پتوں کی تعداد کو حیوانات کے سانس کی تعداد کو جانتا ہے شب میں چیونٹی کے چلنے کو دیکھتا ہے ان وسوسوں کو سن لیتا ہے جو عقل در دوز دیکانداز کانوں کے نیچے پیدا ہوتے ہیں۔

اور ایک حصہ عبادات کا علم ہے اور انہیں علوم میں سے مناظع کا علم ہے جو انھیں سے مخاصمت کا علم یعنی جب ادنیٰ نفوس میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جنسے حق کی مخالفت ہوتی ہے تو اس وقت انکے دفع کرنیکا کیا طریقہ ہونا چاہیے اور انہیں سے مذکر کی تمثیل اور اسکی مختلف عقوبتوں کو یاد دلاتا ہے اور عالم برزخ اور قیامت کے واقعات کا بیان کرتا ہے اس سے کہ خدا تبارک تعالےٰ نے نوع انسان کی استعداد کو جو تمام انسانوں میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی ہے اور اسکی قوت ملکیہ اور ان تدبیروں اور علوم کو جنسے استعداد اور قابلیت کی موافق اسکی اصلاح ہوتی ہے دیکھا اور سب علوم غیب الغیب میں محدود طور پر محفوظ اور متمثل ہو گئی اسی تمثیل کو اشاعرہ کلام نفسی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ یہ حالت علم ارادہ۔ قدرت سے جدا ہے۔

اور جب تمام وشفوں کی پیدائش کا وقت آیا تو خدا نے معلوم کیا کہ افراد انسانی کی مصلحت جبھی کامل ہوگی کہ بزرگ نفوس پیدا کئے جاویں کہ انسے نوع انسانی کو ایسا ہی تعلق ہو جیسا کہ ہمارے عقلی قوا کو نفوس سے تعلق ہوتا ہے اسوجہ سے افراد انسانی پر اپنے محض عنایت فرمائی اور کلمہ کن سے انکو پیدا کیا انکے دلوں میں ان علوم کا جو غیب الغیب میں محدود اور محفوظ ہو چکے تھے پر تو ڈالا اور وہ علوم روحانی صورتیں انکے لئے متصور ہو گئے انہیں نفوس کی طرف اس قول میں اشارہ ہے الذین یحملون عرش ربک من حولہ۔ جو کہ تیرے رب کا عرش اٹھاتے ہیں اور وہ کہ عرش کے آس پاس ہیں۔

اور جب ایک زمانہ ایسا آیا کہ اسمیں دولتوں اور مذاہب کی تبدیلی مقرر تھی تو اسنے قرار دیا کہ وہ علوم روحانی وجود میں ظاہر ہوں اسلئے اس عہد کی موافق اسکی تشریح اور تفصیل کیگئی اسکی طرف اشارہ ہے خدا تعالےٰ کے قول میں انا انزلنہ فی لیلۃ مبرکۃ انا کنا منذرین فیہا یفرق کل امر حکیم ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے ہم ہی ڈرانے والے تھے اس شب میں سب مضبوط کام جدا جدا کئے جاتے ہیں۔

پھر حکمت الٰہ نے ایک ذکی شخص کے موجود ہونیکا انتظار کیا جو وحی الٰہی کے قابل ہو اسکی بلندی مرتبہ اور برتری شان کا علم دیا گیا یہانتک کہ جب وہ موجود ہو گیا تو اسکو اپنے لئے خاص کر لیا اور اپنے مقصود کے پورا ہونیکا اسکو ذریعہ بنایا اپنی کتاب اسپر نازل کی اور اپنے بندوں پر اسکی اطاعت واجب کر دی یہی خدا نے حضرت موسےٰ سے فرمایا واصطنعتک لنفسی میں نے تجھکو اپنے لئے بنایا۔

پس خدا تعالےٰ نے ان علوم کو غیب الغیب میں جسطرح پر معین فرمایا تو نوع انسانی پر محض اسکی عنایت و کرم تھا نوع مستعد نے بھی تقاضا سے لاراد کو نفوس کے فیضان کی خود درخواست کی تھی اور نوعی حالات نے ہی ان نفوس میں خاص شریعت کی طلب کا اصرار کیا تھا۔

اگر کہا جاوے کہ مسلمانوں پر نماز پڑھنا کہانے وجب ہوا رسول کی اطاعت کس طرح واجب ہوئی زنا اور چوری کہانے سے جو عذر پہلے تو معاف دیا گیا کہ یہ برے وحشی کیا یا کہ جیسے بہائم پر گہاس کہانا واجب کیا گیا گوشت کا کہانا حرام کیا گیا درندوں پر گوشت کی مانند دوری قرار دیا گیا درحکم دیا گیا کہ گہاس نہ کہاویں شہد کی مکہیو نکو حکم دیا گیا کہ یعسوب کا اتباع کریں۔ اتنا فرق ہے کہ حیوانات میں یہ علم جبلی ہیں اور انسان کسب سے غور سے وحی یا تقلید سے انکو حاصل کرتا ہے ۔

باب

تکلیف کا جزا سزا کے لئے باعث ہونا

جاننا چاہئے کہ الناس مجزیون باعمالہم ان خیرا فخیر وان شرا فشر لوگونکو اعمال کی جزا ملیگی اگر اعمال اچھے ہیں انکی جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال بد ہیں تو ویسے ہی انکی جزا بھی بد ہوگی ۔

اس جزا و سزا پانیکی چار صورتیں ہیں (۱) اول یہ صورۃ نوعیہ کا مقتضا ہے جیسے چارپایہ جب گہاس کو چرتا ہے اور درندہ جب گوشت کہاتا رہتا ہے تو ان کا مزاج سلیم رہتا ہے اور جب ہی چارپایہ نے بجائے گہاس کے گوشت کا استعمال کیا اور درندہ بجائے گوشت کے چارہ کا استعمال کرتا ہے تو انکا اصلی مزاج بگڑ جاتا ہے یہی حال آدمی کا بھی ہے کہ جب وہ ایسے اعمال کرتا ہے کہ جنکی روح بارگاہ حق تعالیٰ میں فروتنی اور نیازمندی ہوتی ہے جیسے پاکیزگی فیاضی عدالت ہوتی ہے تب انکا مزاج درست رہتا ہے اور جب ایسے کام کرتا ہے کہ جنکی روح ان امور بالا کے خلاف ہوتی ہے تو انکی ملکی حالت بگڑ جاتی ہے جب وہ بہیمی گرانی سے یکسار ہوتا ہے اسوقت نفرت و رنج کا اثر اپنے اندر ویسے ہی پاتا ہے جیسے کہ ہم جلنے کی تکلیف معلوم کرتے ہیں ۔

(۲) دوسری صورت جزا و سزا کی ملائکہ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے ہمارے اندر دماغی قوتیں ہیں جنکی وجہ سے ہم چنگاری اور برف کا احساس کر لیتے ہیں جبکہ ان پر ہمارا قدم پڑتا ہے ویسے ہی خدا تعالیٰ نے محض لطف و عنایت سے صورۃ انسانی کیلئے جو ملکوت میں موجود ہے فرشتوں کو خادم بنایا ہے اسلئے کہ جیسے بغیر قویٰ کے ہماری درستی نہیں ہو سکتی ویسے ہی انسان کی درستی بغیر فرشتوں کے نہیں ہو سکتی اسکا یہ اثر ہوتا ہے کہ جب آدمی کوئی کام نجات کے قابل کرتا ہے تو فرشتوں سے بہجت اور سرور کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں اور اگر کوئی مہلک کام کرتا ہے تو نفرت اور بغض کی شعاعیں ان سے خارج ہوتی ہیں اور پھر وہی شعاعیں اس شخص کے نفس میں حلول کرتی ہیں بہجت یا نفرت کا مادہ اسمیں پیدا کر دیتی ہیں اور کبھی یہی مادہ بہجت یا نفرت کا بعض فرشتوں یا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے اسوقت الہامی ذریعہ سے اس شخص سے محبت دلکر احسان پہنچاتے ہیں یا اس سے متنفر ہو کر رنج میں ڈالتے ہیں ۔

تمکو ایسے ہی خیال کرنا چاہئے کہ جب کسی کا قدم چنگاری پر پڑتا ہے تو اسکے قویٰ ادراکیہ کو تکلیف سوزش کی جو معلوم ہوتی ہے پھر ان تکلیف کی شعاعیں واپس آ کر اسکو غم آلودہ کر دیتی ہیں اور طبیعت پر موثر ہو کر اسکو گداخت کر دیتی ہیں ان فرشتوں کا ہمارے اندر اثر پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے ادراکات کا بدنوں میں اثر پہنچانا جیسے ہم میں سے کسی شخص کی رنج یا دلت

کا خوف ہوتا ہے تو پسلیاں کانپنے لگتی ہیں رنگ زرد ہو جاتا ہے بدن ضعیف ہو جاتا ہے اکثر اشتہا جاتی رہتی ہے پیشاب بہت ہوتا ہے
اور اگر خوف کی شدت سے پیشاب پاخانہ بھی ہو جاتا ہے یہ سب امور طبیعت پیش آتے ہیں کہ قوائے ادراکیہ جب بیدار کرتی
ہیں بذریعہ وحی کے انکا اثر ان جمعیت کو پہنچایا جاتا ہے ایسے ہی ان فرشتوں کے جو آدمیوں پر متوکل ہیں آدمیوں پر اور نفی فرشتوں پر
جبلی الہامات مترشح ہوتے ہیں بعد دیوں کے افراد ان فرشتوں کے ایسی ہی تابع رہتے ہیں جیسے طبعی قوتیں قوائے ادراکیہ کے تابع
رہتی ہیں اور جیسے کہ وہ شعاعیں عقل کی طرف گرتی ہیں ایسے ہی حظیرۃ القدس کی طرف صعود کرکے ان میں ایک حالت پیدا
کر دیتی ہیں کہ جسکو رحمت و رضا غضب و لعن سے تعبیر کرتے ہیں یہ اثر ایسے ہی منتقل ہوتا ہے کہ جیسے آگ قرب کی وجہ
سے پانی کو گرم کر دیتی ہے اور قیاس کے مقدمات نتیجہ کو مہیا کر دیتے ہیں اور دعا پر قبولیت مرتب ہوتی ہے اسی وجہ سے
عالم جبروت میں ایک نئی حالت پیدا ہوتی رہتی ہے اور کبھی غضب کی حالت ہوتی ہے انکے بعد ہی توبہ کی شان ہو جاتی ہے
اور رحمت کے بعد ناخوشی ظاہر ہو جاتی ہے خدا تعالے فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔

آنحضرت صلعم نے اکثر احادیث میں فرمایا ہے کہ فرشتے آدمیوں کے اعمال کو آسمان پر لیجاتے ہیں اور خدا تعالے ان سے
پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا اور فرمایا کہ دن کے اعمال شب کے اعمال سے پہلے آسمان پر جاتے
ہیں اسمیں آنحضرت نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے کہ فرشتے آدمیوں اور اس نور الٰہی میں جو حظیرۃ القدس میں قائم ہے ایک
طرح پر واسطہ ہیں۔

اور تیسری صورت جزا و سزا کی شریعت کا مقتضا ہوتا ہے جو لوگوں کے لیے مقرر ہو گئی ہے جس وقت ستاروں کی کوئی
تغیر ہوتی ہے تو ایک روحانیت کا حصول ہوتا ہے جسمیں ستاروں کی قوتیں ملی ہوتی ہیں اور فلک کے کسی حصے میں وہ صعود
ہوتی ہے اور اس روحانیت کو جب چاند جو احکام فلکی کو منتقل کرنیوالا ہے زمین کی طرف منتقل کرتا ہے تو اہل زمین کے ارادے
اس روحانیت کے موافق پھر جاتے ہیں ایسے ہی خدا تعالے بھی جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت ہوگا جسکو شرع میں
لیلہ مبارک کہتے ہیں اور جس میں سب چیزوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو عالم ملکوت میں ایک روحانیت کا ظہور ہوتا ہے جسمیں
نوع انسان کے حکامات شامل ہوتے ہیں اور بمقتضائے وقت وہاں سے سب لوگوں میں سے نہایت ذکی شخص پر الہامات برستے
ہیں اور اسی کے واسطے سے لوگوں کے نفوس پر جو ذکاوت میں اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اسی قسم کے علوم کا القا ہوتا
ہے پھر سب لوگوں پر ان الہامات کے تسلیم اور پسندیدگی کا الہام ہوتا ہے انکے معاون کی تائید کیجاتی ہے اور انکے مخالف ذلیل
کیے جاتے ہیں اور نیز عقل کے فرشتوں کو الہام ہوتا ہے کہ انکے فرمانبرداروں پر احسان کریں اور نافرمانی کرنیوالوں کو تکلیف پہنچاویں اور پھر انکا
شیار اعمال حظیرۃ القدس کی جانب صعود کرتا ہے اور وہاں خوشنودی اور ناخوشی اس سے پیدا ہوتی ہے۔

اور چوتھی صورت جزا و سزا کی یہ ہے کہ خدا تعالی نے آنحضرت کی بعثت سے یہ غرض تھی کہ لوگوں کو ظلمات سے نکالے اور نیکی سے
انکو قریب کرے اسواسطے وہ لوگ جو آپ کی اطاعت کو نہیں مانتے اور جب کیا ساتھ وحی کے علوم آپ کو جانتے تھے وہ خاص اور
مقصود ہو گئے وہ آپ کی ہمت اور دعا سے مرجوع ہو گئے خدا کا حکم ہوا کہ آپ کی امداد کیجاوے تاکہ آپ کے مقصد میں
انکا کام پیدا ہو۔

اب جو جزا و سزا کہ مقتضائے صورت نوعیہ اور ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے وہ تو فطرت الٰہی کا اثر ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا اور تو خدا کے طریقہ میں تبدیلی نہ پاویگا۔

اور دین اسی فطرت کا نام ہے جسمیں زمانوں کے بدلنے سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور تمام انبیا کا اسپر اتفاق ہے جیسا کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے فرمایا وان ہذہ امتکم امۃ واحدۃ اور آنحضرت نے ارشاد کیا الانبیاء بنو علات ابوہم واحد وامہاتہم شتی انبیا علاتی بھائی ہیں ان کا باپ ایک ہی اور مائیں مختلف ہیں۔ اور اسپر جو اثر ہمیشہ ہوتا ہے نبی کے بعثت سے پہلے بھی ہوتا ہے اور بعد کو بھی اس میں دونوں برابر ہیں اور جو جزا و سزا بمقتضائے شریعت ہوتی ہے اس میں زمانہ کی تبدیلی سے تبدیلی ہوجایا کرتی ہے اور پیغمبروں کی بعثت اسی لئے ہوا کرتی ہے اور آنحضرت کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رایت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجا النجا فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مہلہم فنجوا وکذبت طائفۃ منہم فاصبحوا مکانہم فصبحہم الجیش فاہلکہم واجتاحہم فذلک مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ ومثل من عصانی وکذب ما جئت بہ من الحق تحقیق میری اور میری رسالت کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کسی قوم کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی آنکھ سے لشکر کو دیکھا ہے اور میں صاف صاف تمکو اس سے ڈراتا ہوں خبردار ہو جاؤ اور اپنے تئیں بچاؤ اس قوم میں سے بعض لوگوں نے اسکا کہا مان لیا اور تڑکے ہی سے وہ سامان سفر کر کے چل دئے اور وہ بچ گئے اور بعض نے اسکے کہنے کو نمانا اور اپنی اپنی جگہ ٹھیرے رہے صبحکو لشکر نے انکو آلیا اور بیخ و بن سے انکا استیصال کر دیا ایسے ہی ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے میری اطاعت کر کے ان احکام کا اتباع کیا جنکو میں لایا ہوں اور ان لوگوں کا جنہوں نے نافرمانی کی ان حق باتوں کی تکذیب کی جن کو میں لایا ہوں۔

اور جزا و سزا کا جو تیسرا طریقہ ہے وہ جب ہی ہوتا ہے کہ انبیا کی بعثت ہو لوگوں کے شبہے دور ہو جائیں اور تبلیغ رسالت ٹھیک ٹھیک ہو جاوے لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہی ہلاک ہو اور جو زندہ بچے وہ بھی دلیل سے ہی زندہ بچے۔

باب ۹

اسکے بیان میں کہ لوگ پیدائش میں مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ انکے اخلاق انکے اعمال انکے کمال کے درجے اور مرتبے مختلف ہوتے ہیں

اسکی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت سے روایت ہے کہ اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ واذا سمعتم برجل تغیر عن خلقہ فلا تصدقوا بہ فانہ یصیر الی ما جبل علیہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اسکا یقین کرلینا اور اگر کسی شخص کو سنو کہ اسکی جبلی عادت بدل گئی ہے تو اسکا یقین نکرنا وہ پھر پیدائشی عادت کیطرف منتقل ہو جاویگا اور آپ نے فرمایا ان بنی آدم

خلقوا علی طبقات شتے فمنہم من یولد مومنا فذکر الحدیث بطولہ کہ مختلف درجوں کے پیدا کئے گئے ہیں بعض مسلمان پیدا
کئے گئے ہیں آخر حدیث تک غصہ اور قرض کے تقاضے میں انکے درجوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا الناس معادن کمعادن الذہب
والفضۃ جیسی سونے چاندی کی کانیں ہیں ایسے ہی آدمیوں کی کانیں ہیں ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل یعمل علی شاکلتہ یعنی اسی طریقے پر ہر شخص عمل کرتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے ۔ اور اگر تو
اسکا معلوم کرنا منظور ہے کہ اس بات میں مجھ پر خدا نے کیا منکشف کیا ہے اور ان احادیث کے معنی مجھکو کیا بتائے ہیں ۔

تو سمجھ کہ ملکی قوت خدا نے لوگوں میں دو طرح پر پیدا کی ہے (۱) اسطرح پر کہ ملاء اعلیٰ کی ذات سے اسکو مناسبت ہوتی ہے
جنکی شان یہ ہے کہ خدا کے اسماء اور صفات کے علوم سے وہ رنگین رہتے ہیں عالم جبروت کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں
محیط طور پر انتظامی امور کو حاصل کرتے رہتے ہیں اور ان امور کو وجود میں لانے کے لئے ہمت کو جمع کرتے ہیں ۔

اور دوسری طرح پر ہوتی ہے کہ اسکو ملاء اسفل کے فرشتوں سے مناسبت ہوتی ہے جنکا یہ کام ہے کہ جس خواہش کا
اوپر کچھ نہ کچھ حال معلوم ہو فوراً اسکے لئے آمادہ ہو گئے نہ اسکا ملاحظہ کیا نہ وہاں ہمت جمع ہوتی ہے نہ انکو اس سے پوری
واقفیت ہوتی ہے وہ دوسرے پالاؤ ہوتے ہیں بہیمی آلودگیوں سے بالکل پاک ۔

اور ایسے ہی قوت بہیمی بھی انمیں دو ہی طرح سے پیدا ہوتی ہے بعض حالتوں میں بہیمیت کے اثر نہایت شدت سے
انمیں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ مست اونٹ جو نہایت قوی ہو پیدائش ہی سے اسکو بہت سی غذا ملی ہو اور مناسب تدبیر
سے اسکی تربیت ہوئی ہو اسلئے بڑا تناور اور مضبوط ہو گیا ہو بلند آواز ہو سخت گیر ہو اسکے تعدد میں کسی قسم کی روک نہ ہو انمیں
بہت ایسے ہو غصہ اور کینہ انمیں بشدت شہوانی قوت زیادہ ہو ہر بات میں دوسرے پر غلبہ چاہتا ہو تو اور دل ہو ۔

اور بعض میں بہیمیت کے اثر نہایت ضعیف ہوتے ہیں جیسا کہ کوئی حیوان خصی ناقص الخلقت جسکا نشو و نما خشک سالی
میں ہوا نامناسب تدبیر سے اسکی تربیت ہوا اسکا جسم کمزور حقیر ہو اور رنگ زرم ہو بزدل کم ہمت ہو دوسروں کے مقابلے
میں غلبہ اور تحمندی کی اسکو پرواہ نہ ہو ۔ اور ان دونوں قوتوں کی ایک خاص جبلی حالت ہے جو کہ انمیں سے ایک خاص قوت
کو ٹھہرا دیتی ہے اور اسکے بعد کسبی اور اختیاری امور سے اسکو قوت اور مدد پہنچتی رہتی ہے ۔

اور جب یہ دونوں قوتیں کسی میں جمع ہوتی ہیں تو انکے جمع ہونیکے بھی درجے ہیں کبھی تو باہمی مزاحمت کے بعد ان دونوں
کا اجتماع ہو جاتا ہے اسطرح پر کہ ہر ایک قوۃ اپنی اپنی خواہشوں کی طلب میں سرگرم ہوتی ہے اپنی اپنی انتہائی اغراض میں کامیاب
ہونیکی منتظر رہتی ہے اپنی اپنی ذاتی مسلک اور طریقوں کے حاصل کرنیکا قصد کرتے رہتے ہیں اسلئے انمیں باہم جذب و کشش رہا
کرتی ہے جسکا غلبہ ہوا تو دوسری میں پژمردگی آگئی و علیٰ ہذا ۔

اور کبھی باہم دونوں میں مصالحت ہو جاتی ہے اسطرح ملکی قوۃ اپنے خالص احکام کی طالب نہیں ہوتی بلکہ ان احکام پر
بس کرتی ہے جو کہ قریب قریب ہیں جیسے دانائی نفس کی فیاضی طبیعت کی پارسائی ۔ بلکہ نفع ذاتی یا عام منفعت کو
پسند کرتا ہو ۔ وہ خواہشوں پر اکتفا نہ کرتا بلکہ آئندہ نتیجہ کا انتظار کرتا اپنے تعلق کی تمام چیزوں میں صفائی اور ستھرے پن کو خوب سمجھنا
اور ایسے ہی قوۃ بہیمی بھی اپنی خالص خواہشوں کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ جو امور ایک رائے کلی سے باطل اور رد نہیں ہوسکتے

اور اس سے زیادہ مخالف نہیں ہوتے انکو پہنا دیتے ہیں ۔ دونو قوتوں میں باہم میل جول ہو کر ایک ایسا مزاج حاصل ہوجاتا ہے جسمیں باہمی مخالفت سے اثر نہیں ہوتے ۔

ملکیت اور بہیمیت اور انکے باہمی میل کے دو دو کنارے ہیں اور ایک درجہ توسط کا ہے اور کچھ کناروں کے قریب ہیں اور بعض توسط کے قریب ہیں سو یہ سب نہایت درجے نہیں ہوتے ہیں لیکن اصلی اقسام جنکے احکام جدا جدا ہیں اور انکے تمونہ کے معلوم ہونے سے باقی اقسام کا حال بھی معلوم ہوجاتا ہے تو وہ یہ ہیں سو طرح کہ جب ان دونو قوتوں میں باہمی کشش و میل ہوجاتا ہے تو کئی چار صورتیں ہوتی ہیں (۱) ملکیہ بلند و قوی بہیمیہ کیساتھ قوی یا ضعیف ہے یا ضعیف اور اسکے ساتھ ملکیت قوی یا ضعیف ۔

اور ایسے ہی چار قسمیں اس صورت میں ہیں کہ ان دونو قوتوں میں باہمی میل و مصالحت ہوجائے ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے جسمیں تبدیلی نہیں ہوتی جس بندے کو اللہ نے احکام معلوم کرنیکی توفیق دی ہے اسکو اشارہ پہنچانے سے راہ مل جاتا ہے ۔

باب ۱۰

ان ارادوں کے اسباب میں جو کاموں کے باعث ہوتے ہیں

معلوم کرو کہ آدمی جن ارادوں کو اپنے دل میں پاتا ہے اور انہیں ارادوں کے موافق اسکو کام کرنے کی آمادگی ہوتی ہے ۔ ضرورت ہے کہ ان ارادوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہونگے خدا کا طریقہ جیسا کہ اور ناپیدا شدہ اشیا میں ہے ویسا ہی یہاں بھی ہوگا غور اور تجربہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منجملہ ان اسباب کے سب سے بڑا سبب آدمی کی ذاتی پیدایش ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے (کل مولود یولد علی الفطرۃ الاسلام)

منجملہ اسباب ان کے آدمی کا پیدائشی مزاج ہے جو خورد و نوش وغیرہ کی محیط تدابیر سے متغیر رہتا ہے ۔ مثلاً گرسنہ کھانے کو طلب کرتا ہے اور تشنہ پانی کو اور خواہش نفسانی والا عورتوں کی جانب مائل ہوتا ہے اکثر لوگ مقوی باہ غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں تو انکو عورتوں کیطرف میلان ہوجاتا ہے انکے دلوں میں ایسے ہی ایسے خیالات اور وسوسے گذرتے ہیں جن کو اور توں سے تعلق ہوتا ہے ایسی حالت میں اکثر کاموں کا جوش لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوجاتا ہے ۔ اکثر لوگ سخت غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں انسے وہ سنگدل ہوجاتے ہیں قتل کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں ۔ ایسے ایسے موقعوں پر غصہ ظاہر کرتے ہیں جہاں اوروں کو غصہ نہیں آتا اور جب یہی لوگ روزہ نماز سے ریاضت نفس کرتے ہیں یا بڑے بوڑھے ہوجاتے ہیں یا کوئی سخت بیماری انکو لاحق ہوتی ہے تو اکثر پہلی حالتیں بدلجاتی ہیں دل نرم ہوجاتے ہیں نفوس پاکیزہ ہوجاتے ہیں اسلئے تم بوڑھوں اور جوانوں کی حالت میں بڑا فرق دیکھتے ہو ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں بوڑھے آدمی کو بوسہ کی اجازت دی ہے اور جوان کو اسکی اجازت نہیں دی ۔

اور منجملہ انہیں اسباب میں سے عادات اور مالوف چیزیں ہیں اسلئے کہ جس شخص کو جب کسی چیز سے تعلق ہوجاتا ہے اسی کی مناسب صورتیں اور شکلیں اسکے دل میں جم جاتی ہیں تو اکثر خواہشوں اور ارادوں کی جانب اس کا میلان ہوجاتا ہے ۔

اور انہیں اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نفس ناطقہ قوت بہیمیہ کی قید سے آزاد ہوتا ہے اور عالم بالا سے جیسا کہ اسکے لئے آسان ہو وہ ایک نورانی ہیئتہ کو اخذ کر لیتا ہے کبھی یہ ہیئتہ انس و طمانیت کی قسم سے ہوتی ہے اور کبھی اس سے کسی کام کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔

اور انہیں اسباب میں سے ہے کہ بعض ردی نفوس شیاطین سے متاثر ہو جاتے ہیں انکا بعض اثر ان نفوس پر چڑھ جاتا ہے اور اکثر ان سے برے کام ایسی حالت اور ہیئتہ سے ہوتے ہیں۔

معلوم کرو کہ خوابوں کا حال بھی ارادوں ہی کا سا ہوتا ہے مگر یہ فرق ہے کہ تجلیہ نفس کیفیات میں اسکی صورتیں نفس کے سامنے متمثل ہوا کرتی ہیں۔

محمد ابن سیرین نے فرمایا ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) نفس کی بات (۲) شیاطین کا ڈرانا (۳) خدا کی جانب سے مژدہ۔ واللہ اعلم۔

باب ۱۱

اعمال کی نفس کیساتھ چسپیدگی اور اعمال کی یادداشت نفس میں

حق تعالیٰ فرماتا ہے وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا اقرأ کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا۔

ہر شخص کے عمل کو ہم نے اسکی گردن میں چپکا دیا ہے قیامت کے روز ہم اسکے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب پیش کرینگے جس سے وہ دیکھیگا اور کہینگے اپنی کتاب کو پڑھ آج تیرا نفس ہی تیرا حساب کرنے کو کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار تبارک و تعالیٰ کی نقل سے فرمایا ہے کہ بیشک یہ تمہارے اعمال ہیں کہ جنکو میں تمہارے لئے شمار کرتا ہوں ان اعمال کو تمہارے لئے پورا کرتا ہوں جو شخص بھلائی پاوے وہ خدا کا شکر کرے اور جو شخص کچھ اور پاوے وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔

(۲) آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اسکو سچ کر دیتی ہے یا اسکی تکذیب کر دیتی ہے۔

معلوم کرو کہ آدمی جن اعمال کا اہتمام سے قصد کرتا ہے اور جو اخلاق کہ اسمیں جمے ہوئے ہیں وہ سب نفس ناطقہ کی جڑ سے نکلتے ہیں پھر اسی کیطرف رجوع کرتے ہیں اور نفس کے دامن کو چمٹ کر اسکو گھیر لیتے ہیں۔

نفس سے نکلنے کی یہ وجہ ہے کہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قوۃ ملکی اور بہیمی اور ان دونوں کی جمع ہونیکی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے اور مزاج طبعی کا مناسب ہونا اور فرشتوں اور شیاطین سے الہام ہونا اور ایسے اور اسباب کا غلبہ بھی اندر سے ہوتا ہے جو پیدایش انسانی کا عطیہ ہوتا ہے اور پیدایش سے اس کو مناسبت ہوتی ہے۔ اسیواسطے ان سب کا اصل نفس ہے بواسطہ یا بلا واسطہ۔

دیکھو جس شخص کی پیدایش ایک خاص مزاج پر ہوتی ہے پہچاننے والا اس مزاج سے معلوم کر لیتا ہے کہ وہ بھی ایک مدت پر جوان ہو کر دنیا کے لوگوں کی سی عادات اختیار کریگا۔ انہیں کے ہمجنس ہوگا اور انہیں کے رسم و رواج کا شوقین ہوگا۔

ایسے ہی جیسے معلوم کر لیتا ہے کہ کوئی بنگلہ [illegible] ہوا ہے اور کوئی نادان [illegible] تو تو انا و تیز ہوگا یا ناتوان اور [illegible] ہوگا۔

اور انعقادی کا نفس کے [illegible] ہونا اس طرح ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو بار بار کرتا ہے اور اسکو کثرت سے کرتا ہے تو اسکا عادی ہو جاتا ہے پھر وہ آسانی سے اسکو کر لیتا ہے اور کچھ غور و فکر یا ارادہ کی محنت بر داشت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اسلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ نفس اس کام سے متاثر ہوتا ہے اسکا رنگ قبول کر لیتا ہے اور ان [illegible] اعمال میں [illegible] عمل کو اس تاثیر میں دخل ہوتا ہے اگرچہ یہ تاثیر باریک اور مخفی ہو [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں بیان فرمایا ہے کہ چٹائی کیطرح مرتبہ بمرتبہ فتنے دلوں پر [illegible] ہوتے ہیں [illegible] وقت میں جو دل ان میں [illegible] ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اور جو دل انکے بیزار ہوتا ہے اس میں ایک سفید نقطہ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ فتنے دو دلوں پر منتقل ہوتے ہیں ایک [illegible] صاف پتھر کیطرح ہو جاتا ہے جبتک کہ آسمان اور زمین ہیں کوئی فتنہ اس دل کو ضرر نہیں دیتا اور دوسرا دل سیاہ ہو جاتا ہے غبار آلودہ جیسے کج کوزہ نہ کسی نیک کام کو پہچانتا ہے نہ برے کام کو دل سے برا [illegible] اس خواہش کو پہچانتا ہے جو اس میں پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اعمال کا نفس کے دامن کو پکڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ نفس اول مرتبہ میں ان نیکیوں یا بدیوں میں پیدا کیا جاتا ہے اور ان سب رنگوں سے خالی ہوتا ہے جو پیچھے پیدا ہوتے ہیں اسکے بعد وہ زیادہ ہمیشہ وہ قوت سے فعلیت کی طرف خارج ہوتا رہتا ہے اور جو حالت بعد کو حاصل ہوتی ہے وہ پہلی حالت کیلئے مثل [illegible] ہوتی ہے اور ان سب حالات کا ایک مرتبہ [illegible] ہو جاتا ہے پچھلی کو پہلی پر تقدم نہیں ہوتا اور نفس ناطقہ کی حقیقت میں وہ سب حالتیں مجموعی طور پر جمع ہوتی ہیں اور نفس میں ہر ایک حالت کا حکم موجود رہتا ہے اگرچہ نفس ہی اسکی مشغولی کی وجہ سے [illegible] تفصیلی وجود مخفی ہو جائے [illegible] وہ شے ہی فنا ہو جائے جس میں وہ قوت موجود تھی جس سے اعمال کی [illegible] ہوتی تھی جیسے بوڑھا [illegible] تو وہ حالتیں بیشک مفقود ہو جاتی ہیں یا آسمانی جانب سے کوئی نتیجہ ہجوم کرے جوان حالتوں کے [illegible] ہو بالکل [illegible] جیسے [illegible] بعض [illegible] حالتیں بھی نفس میں بری حالتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الحسنات یذھبن السیات (نیکیاں بیشک برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) اور فرمایا لئن اشرکت لیحبطن عملک (بیشک اگر تو نے شرک کیا تو تیرے کام نابود ہو جاویں گے)۔

اور نفس کا اعمال کو یاد رکھنا اسکے رازوں میں سے اپنے ذوق ہی کی طرح پر پایا ہے کہ عالم مثال میں ہر ایک آدمی کیلئے نظام فوقانی کے بخشش و عطا سے ایک خاص صورت ظاہر ہوتی ہے میثاق کے تعریف میں جسکا ظہور ہوا اور [illegible] کا شبہ تھا۔
جب یہ شخص موجود ہوتا ہے تو وہی صورت اسپر منطبق ہو جاتی ہے اور اسکے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔
یہ شخص جب کوئی کام کرتا ہے تو بے اختیار ایک قدرتی شباہت اس صورت کو اس عمل سے ہوتی ہے اس وجہ سے عالم معاد میں ظاہر ہوتا ہے کہ نفس کے اعمال آسمانی جانب سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ علاوہ اسکے پڑھنے کے معنی ہیں اور دینی یہ بھی اکثر ظاہر ہوتا ہے کہ اعمال نفسانی اعضا کو چمٹے ہوئے ہیں ہاتھ پاؤں گویا موسکے ہوئے ہیں۔
اور یہ امر بھی ہے کہ وہ ایک عمل کی صورت سے اس عمل کے [illegible] ہوتا ہے جو دنیا اور آخرت میں مقرر ہے

اور فرشتے بھی اس عمل کی صورت ظاہر ہونے میں توقف کرتے ہیں جب تک حق تعالیٰ فرشتے [illegible] عمل کو [illegible] کہ وہ
[illegible] سے [illegible] کی ابتدا آفرینش پر [illegible] جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے وہ سب ایک مخلوق [illegible] میں تحریر کیا
گیا ہے کبھی اس کو لوح سے تعبیر کرتے ہیں کبھی کتاب سے اور کبھی [illegible] سے جیسا کہ قرآن میں انکے نام آئے ہیں سب جو کچھ اس میں
ہونیکا ہے وہ ہو چکا ہے [illegible] وہ اس میں نوشتہ و منقوش ہے لیکن انکے نقوش اس آنکھ سے نظر نہیں آتے ۔

[illegible] گمان نہ کرنا [illegible] ہے اور وہ کتاب کاغذ یا پتے کی قسم سے ہے بلکہ قدر تو ضرور سمجھنا چاہئے
کہ خدا کی لوح مخلوق کی لوح کے مشابہ نہیں ہے اور خدا کی کتاب مخلوق کی کتاب کے مشابہ نہیں ہے۔ خدا کی ذات اور صفات
بھی تو مخلوق کی ذات و صفات سے مشابہت نہیں رکھتی ۔

اگر تم اسکی کوئی مثال چاہتے ہو جس سے یہ خوب سمجھ میں آجائے تو معلوم کرو کہ لوح محفوظ میں ہر کا لکھا ایسا ہے جیسا کہ
حافظ قرآن [illegible] دماغ [illegible] قرآن کے حروف اور کلمات منقش ہوتے ہیں وہ انکے دل و دماغ میں سب ایسے مندرج
ہوتے ہیں [illegible] وقت انکو دیکھتا ہے اور اگر انکے دماغ کی [illegible] ہوسکے تو اس میں خود کا ایک حرف بھی اسکے دماغ
میں [illegible] سب [illegible] مقدرات [illegible] لوح میں منقش ہوتے ہیں [illegible] اور بعض اکثر
[illegible] رہتا ہے اس سے انکے عمل کے نفس میں جمنے اور
[illegible] ہو جاتی ہے واللہ اعلم ۔

باب ۱۲
اعمال کا ملکات نفسانی سے تعلق

معلوم کرو کہ اعمال کے ذریعہ سے نفسانی ملکات کا ظہور [illegible] ہے [illegible] کے [illegible] ہیں
[illegible] اعمال انکے ساتھ متحد ہو کرتے ہیں یعنی تدریجی سبب کی وجہ سے [illegible] صورت نوعیہ عطا کرتی ہے عام لوگوں کا
[illegible] ان ملکات کو اعمال سے تعبیر کیا کرتے ہیں اسلئے ہے کہ خواہش اور ارادہ سے جب کسی کام کی آمادگی پیدا
ہوتی ہے [illegible] رہتے ہیں [illegible] اور فرحت ہوتی ہے [illegible] ہونا تو ہمیں
تقاضا اور [illegible] پیدا ہوتی ہے اور جب وہ عمل [illegible] ہو جاتا ہے تو اس عمل کا چشمہ قوت ملکی یا بہیمی ہو اور مستقل اور
استقبال کی صورت ہو جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نفس آرزو اور خواہش کرتا رہتا ہے اور
شرمگاہ اسکی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے تم کسی خلق کو دیکھو گے کہ جسکے لئے [illegible] اعمال اور صورتیں [illegible] کر
جسے اس خلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے [illegible] سے اس خلق کو تعبیر کرتے ہیں [illegible] اعمال کی صورت [illegible] خلق کا
انتہا ہوتا ہے اگر کوئی شخص کسی کی شجاعت کا بیان کرے اور اس سے [illegible] شجاعت کو دریافت کریں تو [illegible] تحت
[illegible] کو ہی بیان کریگا اور اگر سخاوت بیان کریگا تو ان درہموں اور دینار [illegible] کی کیفیت بیان کریگا جسکو وہ
[illegible] خرچ کرتا ہے اگر کوئی شخص ارادہ کرے کہ شجاعت اور سخاوت کی صورتیں اسکے سامنے پیش ہوں تو ان مثال

کبھی تو قبل ہی اسکو حاجت پڑیگی ہاں اگر اسنے خدا کی خدمت و حسب خدا نے لوگوں کی [illegible] بارگاہ [illegible]
اور بیگانگی [illegible] کی تعلق موجود نہ ہوا وہ چاہے کہ اس تعلق کا سبب پیدا ہو جائے تو [illegible] ہی سے اس خلق کے
موقعوں کا متلاشی ہو اور ان اعمال کی محنت برداشت کرے جنکا اس خلق سے تعلق ہو [illegible] کے تو [illegible]
ہو گئے وقت [illegible] رکھے ۔

اسکے بعد یہ ہے کہ اعمال شنیعہ اور [illegible] کرتے ہیں جنکے سے ذات [illegible] ہوتے ہیں [illegible] نفرت
جلتے ہیں اور [illegible] وہ [illegible] خیال میں [illegible] ہیں [illegible] رکھے رہتے [illegible] پیدا ہو کر ہی جاتے ۔

اعمال اور ملکات اعمال کے [illegible] بعض نفوس [illegible] ان میں نسبت
اعمال کے ملکات پیدا ہو کر انکے ساتھ متمثل رہتے ہیں [illegible] ہوتے ہیں نہیں [illegible]
اعمال کی صورتیں بھی انکے پیش نظر رہتے ہیں [illegible] ان ملکات کے [illegible] پیدا ہو جاتی ہیں اسلئے وہ
اعمال [illegible] مخالفت کرتے ہیں [illegible] محافظت خلاق [illegible] نسبت کم ہوتی ہے یہ مخالفت اسی درجہ ہوتی ہے
جیسکہ [illegible] مقصود معانی کا متمثل ہوا مثلاً مضمون اور [illegible] کا ۔

بعض نفوس ضعیف ہوا کرتے ہیں چونکہ نفسانی ملکات انمیں مستحکم طور پر نہیں ہوتے اسلئے وہ اعمال کو بھی پیدا نہیں
کرسکتے ہیں [illegible] اعمال [illegible] متصل بطور ملکات کی صورتیں [illegible] ہوتی ہیں اسلئے وہ اعمال [illegible] ملکات [illegible] رہتے
بنتے ہیں [illegible] تمام کے [illegible] اکثر ہوا کرتے ہیں اور انہیں کو تعین و قوت کی [illegible] ہوتی ہے [illegible]
[illegible] سے اعمال کا نہایت تمام کیا ہے ۔

[illegible] اعمال [illegible] ہیں [illegible] میں [illegible] انسانی [illegible] اعمال
[illegible] ہیں [illegible] کی خوبی اور برائی [illegible] طرف متوجہ ہوتی ہے اسلئے [illegible] اعمال کا [illegible]
[illegible] جانب [illegible] انعام قبول کریا کہ اپنے آپ کو انکے قریب کرے [illegible] ہو جانے [illegible] حاصل
کرے اور برے کام کرنیسے انکو مخالف اثر ہوتے ہیں ۔

[illegible] کا [illegible] میں اسطرح پر تفرقہ کی طرح ہوتا ہے

کبھی [illegible] کو اپنے پروردگار [illegible] معلوم ہو جاتا ہے کہ نفسانی نظام جب ہی منتظم ہوگا کہ خاص خاص اعمال [illegible]
کے [illegible] بعض بعض اعمال سے باز رہیں اسلئے وہ اعمال انکے ساتھ متصور ہوتے ہیں اور پھر وہیں سے شریعتوں
میں نازل ہوتا ہے ۔

اور کبھی [illegible] بزرگ نفوس جنہوں نے اعمال کی مشق کی ہوتی ہے اور انکو ہمیشہ استعمال کیا ہے جب
[illegible] متشکل ہوتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی خوبی اور برائی انکی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسی حالت میں وہیں گذر
جاتے ہیں تو اعمال کی صورتیں ملاء اعلیٰ کے سامنے قرار پکڑ جاتی ہیں تو اب اعمال [illegible] کرتے ہیں جیساکہ [illegible]
[illegible] موقعات سلف سے منقول ہوتے چلے آئے ہیں ۔

باب ۱۳

جزا و سزا کے اسباب

معلوم کرو کہ جزا و سزا کے اسباب بہت ہیں لیکن انکا اصل دو قاعدہ کیطرف ہے۔

اول یہ کہ نفس اپنی قوۃ ملکی کی وجہ سے کبھی ملائکہ کے خلق و حسن کا اکتساب کرتا ہے یعنی علوم [illegible] کی کے مناسب و موافق نہیں ہے سبب سے نفس میں ندامت و حسرت و افسوس پیدا ہوتا ہے [illegible] ہے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں تکلیف [illegible] ہوا کرتی ہے اور اکثر نفوس [illegible] مستعد ہوتے ہیں کہ ان [illegible] مخالف ہے [illegible] محبت کا ظہور ہوتا ہے نفس میں [illegible] ہوتی ہے ایسے ہی [illegible] قسم [illegible] ہوتی ہے اسی قاعدہ کیطرف اشارہ اس حدیث کے قول میں ہے [illegible] جو لوگ برے کام کریں [illegible] انکو [illegible] میں [illegible] نہیں [illegible] ہونگے۔

[illegible] میں [illegible] اعمال و اخلاق پسندیدہ [illegible] خوشنودی [illegible] پروردگار [illegible] خواست کرتے ہیں [illegible] اخلاق [illegible] فرشتوں کے [illegible] لوگوں کا احاطہ کر لیتے ہیں [illegible] خوشنودی [illegible] پیش آتی ہیں [illegible] ہوتے ہیں جن میں [illegible] صورتوں میں ظہور ہوتا ہے کبھی [illegible] صورتیں دیکھی سرور و بہجت پیش [illegible] کبھی نفس پر [illegible] اثر [illegible] ہے اور نفس میں [illegible] کیسی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔

بالخصوص حق [illegible] جب سے خداوند [illegible] آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تب ہی سے انکو ہر [illegible] کے ساتھ ایک خاص توجہ دی تو یہ [illegible] بات ہے [illegible] بعض چھوڑتے [illegible] اعمال پر [illegible] لیکن [illegible] چونکہ وقت [illegible] اس کا عنوان قرار دیا ہے واللہ اعلم۔ اور [illegible] قاعدہ کیطرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان پر خدا اور تمام فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہینگے انسے عذاب کم نہ کیا جائیگا اور نہ وہ [illegible] ہونگے۔

اور [illegible] سے بالکل بھی جایا کرتے ہیں [illegible] سے مستعد [illegible] اور اعمال کے [illegible] عجیب عجیب صورتیں پیدا ہوتی ہیں لیکن پہلے قاعدہ سے کو زیادہ قوت ان اعمال و اخلاق میں ہوتی ہے جو [illegible] نفس [illegible] ہیں اور اسوجہ کو وہ نفس زیادہ قبول کرتے ہیں جو [illegible] ذکی [illegible] ہوں [illegible] اعمال و اخلاق [illegible] ہوتی

ومصالح عامہ کے مخالف ہوں اور اس نظام حق کے منافی ہوں جو کہ اس سے لوگوں کے انتظامات درست ہو جائیں اسی سبب کو وہ نفوس قبول کرتے ہیں جو کہ خود کدورت و قبیح ہوتے ہیں ۔

ان اسباب میں سے ہر ایک کے لئے خاص خاص موقع ہوتے ہیں جو کہ جب وارد ہوتے ہیں ایک خاص وقت تک رو کے رہتے ہیں پہلے سبب کو قوت ملکی کا ضعف و قوت بہیمی کا غلبہ جو باعث بہیمیت کے بڑھنے نفس گویا بالکل بہیمی ہو جاتا ہے قوت ملکی کا بالکل غلبہ نہیں ہوتی لیکن جب کبھی پردے نفس سے کشادہ ہوتا ہے مرنے کے بعد اور بہیمیت سے ساکت و ضعیف ہو کر قوت ملکی کی تجلیات ہیں چمکتی ہیں سلوک ... آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور دوسرے سبب کا یہ موقع ہے کہ اس سبب کے ظہور کے خوف سے اسباب متحقق ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب مقدر موت کا وقت آتا ہے تو اس وقت ... کی تیزی سے ہوتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون ۔ ہر قوم کا ایک وقت معین ہے جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کی دیر نہیں ہوتی اور نہ وہ اس سے پہلے آ کر ٹلتے ہیں ۔

دوسرا مبحث زندگی اور بعد موت کے جزا و سزا کی کیفیت میں

باب ۱۴

دنیا میں اعمال کی سزا

خدا تعالیٰ فرماتا ہے وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے عمل کی وجہ سے پہنچتی ہے اور وہ اکثر قصور کو معاف بھی کر دیتا ہے اور فرمایا ولو انہم اقاموا التورٰة والانجیل وما انزل الیہم من ربہم لاکلوا من فوقہم ومن تحت ارجلہم بیشک اگر وہ لوگ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور ان احکام کو جو انکے پروردگار کی جانب سے نازل ہوئے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے ۔ اور خدا تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے حق میں جب انہوں نے قسم توڑنا نہ چاہا تھا جو حکایت ہے معلوم ہے ۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد حق کی تفسیر میں کہ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ جو تمہارے دل میں ہے خواہ تم اسکو ظاہر کرو یا مخفی رکھو خدا اسکا حساب تم سے لیگا اور اس ارشاد میں کہ من یعمل سوءا یجز بہ جو برا کام کریگا اسکی سزا اسکو دیجائیگی فرمایا ہے ۔ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ کے اس عتاب کا بیان ہے جو بندہ پر بخار اور مصیبت کے پہنچنے سے ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ کوئی سامان اپنی قمیص میں رکھتا ہے وہ اسکے کھو جانے سے گھبراتا ہے ایسے حالات کے باعث وہ بندہ گناہوں سے ایسا صاف نکلتا ہے جیسے سونا بھٹی سے سرخ ہو کر ۔

معلوم کرو کہ ملکی حالت بھی بہیمیت میں پوشیدہ ہو کر پھر ظاہر ہو جاتی ہے وہ پہلی بہیمیت سے پورا پورا علیحدہ ہو جاتی ہے ... کبھی حسی موت سے ہوتی ہے جب تو ... کو غذا سے مدد نہیں پہنچتی اسکے مادے تحلیل ہو جاتے ہیں اور انکو ... نہیں پہنچتا ... مرضی حالات گرسنگی سیری غصہ وغیرہ کے ... کوئی ہیجان پیدا نہیں کرتے جو عالم قدس

کا سبب ہو جاتا ہے

اور کبھی خفیہ تدبیر سے یہ صورت پیش آتی ہے کہ تہذیب نفس کی رغبت ذہنی حالت پر غالب کر دیتا ہے اور یہ
وہ ہمیشہ عالم قدس کی طرف رغبت رکھتا ہے اسوجہ سے اسپر ملکی حالت کی تجلیات درخشاں رہتی ہیں ۔

اور یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ ہر چیز کو اپنے مناسب اعمال سے مناسبت ہوا کرتی ہے اور چونکہ مختلف کاموں سے کشیدگی
و ناراضی ہوا کرتی ہے اور ہر ایک رنجیدگی اور لذت کی خاص شکل ہوتی ہے جس سے وہ متشکل ہوا کرتی ہے مثلاً حسد و
رشک و غلطی کی صورت ایسی ہے جیسے کوئی سوزن چبھاتا ہے اور صفراوی حرارت سے ایذا پانے کی صورت جیسے یعنی دیتی ہری
خواب میں آگ و شعلوں کا نظر آنا ہے اور بلغم سے ایذا پانے کی صورت میں سردی کی تکلیف اور خواب میں پانی کا
و برف کا نظر آنا تو جب قوت ملکی ظاہر ہوتی ہے تو بیداری کی حالت میں یا خواب میں جس وقت کہ وہ پاکیزہ اور نورانی چیزیں دیکھا
کرتا ہے ایک اندرونی انبساط پیدا ہوتا ہے اور جب ملکیت کے خلاف اس سے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو ان کیفیات
کی صورت میں جو عقل کے خلاف ہوتی ہیں یا ان واقعات کی صورت میں جن میں اہانت اور تہدید پائی جاتی ہو تو خوشی کی
و بشاشی سے مختلف ہو صورت پذیر ہوتے ہیں ایک گزندہ درندہ کی صورت میں غصہ ظاہر ہوتا ہے اور مار گزندہ کی صورت
میں بخل ظاہر ہوتا ہے یہ دلی جزا و سزا کا کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ اسباب کی صورت میں اسکا ظہور ہوتا ہے جو شخص تمام
اسباب کے اس انتظام کو معلوم کریگا جو اسباب سے پیدا ہوتا ہے وہ خوب سمجھ لیگا کہ خدا کسی گنہگار کو بغیر دنیوی سزا کے
نہیں چھوڑتا لیکن اس انتظام کا لحاظ رکھتا ہے جب بظاہر اسباب آرام و تکلیف کے نہیں ہوتے تو ان اعمال صالحہ اور
اعمال ناجائز ہی کی وجہ سے آرام و رنج پہنچتا ہے اور جب کوئی بندہ نیک ہوتا ہے اور اسباب تکلیف کے مہیا ہوتے ہیں
اور اسکی عملی اصلاح کے وہ منافی نہیں ہوتے تو اسکے نیک اعمال کسی بلا کے دفع ہونے یا بلا کی تخفیف کا باعث ہوا کرتے ہیں
اور کسی فاسق کے لئے جب اسباب آرام کے جمع ہوتے ہیں تو اسکے اس کی نعمت کا ازالہ ہوتا ہے اور اگر اعمال کے
مناسب ہی اسباب جمع ہوتے ہیں تو انمیں صاف صاف زیادتی ہو جایا کرتی ہے ۔

اور اکثر انتظام عالم کے اسباب اعمال کے حکم کی نسبت زیادہ اہم ہوا کرتے ہیں تو اسوقت بظاہر بدکار کو ڈھیل
دے دی جایا کرتی ہے اور نیک بندہ پر تنگی کیجاتی ہے اور اس تنگی سے اسکی قوت بہیمی کے مغلوب کرنے کا کام لیا جاتا
ہے اسلئے یہ مرض بمنزلہ دوا سمجھا جاتا ہے اور وہ اسکو بڑی خوشی سے مان لیتا ہے جیسے کہ کوئی شخص اپنے شوق و رغبت سے تلخ دوا
کو پی لیتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے یہی معنی ہیں۔ مثل المومن کمثل الخامۃ من الزرع تفیئھا الریاح
تصرعها مرۃ وتعدلها اخری حتی یاتیہ اجلہ ومثل المنافق کمثل الارزۃ المجذیۃ التی لا یصیبها شئ حتی یکون انجعافها مرۃ واحدۃ
مومن کا حال نرم و تازہ درخت کا سا ہے اسکو ہوائیں ادھر سے ادھر کو جھکاتی رہتی ہیں کبھی وہ اسکو پٹک دیتی ہیں کبھی اسکو
سیدھا کر دیتی ہیں یہانتک کہ اسکی موت آجاتی ہے اور منافق ایسا ہے جیسے کہ سیدھا مضبوط تنہ اسکو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا
یہانتک کہ ایک ہی بار وہ اوکھڑ کر گر پڑتا ہے ۔

آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ما من مسلم یصیبہ اذی من مرض فما سواہ الا حط اللہ بہ سیئاتہ کما تحط الشجرۃ ورقها یعنی جو مسلمان

ہیں نہیں ہے کہ مرض خوب دوا کی تکلیف کو پہنچے ورنہ ہلاکت ہے جیسے ہیں جیسے وقت کو پہنچ جاتے ہیں وہ گنہگار ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں شیطان کی بندگی کا غلبہ ہوتا ہے وہ ان کے خوب بہائم کے سے نفوس رکھتے ہیں لیکن خاص مدت تک بہت سی چیزوں سے موقوف رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اہلہا بالباساء والضراء لعلہم یضرعون ثم بدلنا مکان السیئۃ الحسنۃ حتی عفوا وقالوا قد مس آباءنا الضراء والسراء فاخذناہم بغتۃ وہم لا یشعرون ولو ان اہل القریٰ آمنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذناہم بما کانوا یکسبون کسی گاؤں میں ہم نے نبی نہیں بھیجا مگر ہم نے خوشی اور نقصان میں کی پکڑ کی کہ وہ عاجز ہو جائیں پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی سے بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادوں کو تکلیف پہنچی تھی تب ہم نے دفعۃً انکو پکڑ لیا بے خبری میں اور اگر گاؤں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو انکے اعمال کی وجہ سے ہم نے انکی پکڑ کی۔

اور حال یہ ہے کہ دنیا میں جزا و سزا کا حال آنا ہے جو ذکر ہے لوگ خوب جان لیں یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ پورے فریق کیساتھ پورا کیا جائیگا اور بقیہ مخفی نہ رہیگا اور ان سب آدمیوں اور جنوں میں تمہارے لئے فارغ ہونگا اسکی طرف اشارہ ہے اور جزا و سزا کا ظہور کسی بندہ کے نفس میں ہوتا ہے مثلاً خوشی یا انبساط اور حاجت اسمیں پیدا ہو جائے یا انقباض اور بیقراری اور کبھی اسکا اثر اسکے بدن میں ہوتا ہے کہ غم اور خوف کے ہجوم سے امراض اس پر طاری ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے جب شرمگاہ ظاہر ہوگئی تھی اور آپ بیہوش ہو گئے تھے وہ جزا اسی قسم کی تھی اور کبھی مال اور اہل و عیال میں اسکا ظہور ہوتا ہے اور اکثر لوگوں یا فرشتوں اور بہائم کو الہام ہوتا ہے کہ فلاں شخص کیساتھ نیکی سے پیش آئیں یا اسکو برائی پہنچائیں اور کبھی وہ شخص الہام اور تعبیرات کی وجہ سے خود بھلائی یا برائی کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

جو شخص مذکورہ بالا تقریر کو خوب سمجھیگا اور ہر ایک چیز کو اپنے اپنے موقعہ پر رکھیگا وہ بہت سی اشکالوں سے آرام میں ہو جائیگا۔ مثلاً ان احادیث کے اختلاف کو سمجھ جائیگا جو بعض حدیثوں میں وارد ہے کہ نیکی سے رزق بڑھتا ہے اور بدکاری رزق کی کمی کا سبب ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکار کو دنیا میں فوراً سزا مل جاتی ہے اور بلا میں گرفتار ہونے والے وہ ہیں جنکو زیادہ قرب اور فضیلت حاصل ہے اور انکے بعد درجہ بدرجہ اور ایسی ہی اور حدیثیں واللہ اعلم۔

باب ۱۵
موت کی حقیقت میں

معلوم کرو کہ ہر ایک صورت معدنی، نباتی اور حیوانی کا ایک خاص مرکب مادی ہے جو وہ صورت کے لئے نہیں ہے اور ہر ایک اپنے کمالات ذاتی میں دوسرے سے ممتاز ہے اگر تفصیل سے اسکا بیان کرنے میں کچھ اشتباہ ہو تو سمجھ لو کہ جب فساد چھوٹے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور کمی بیشی بصورت مختلف … باہمی آمیزش ہوتی ہے تو انسے مرکبات

ثانی (جنہیں دو دو عناصر سے ترکیب ہو) مثلاً بھاپ۔ غبار۔ دھواں۔ نرم مٹی۔ زمین کاشت کی ہوئی لیپ۔ شحالہ وغیرہ
پیدا ہوتے ہیں اور کبھی مرکبات ثلاثی مثلاً خمیر کردہ مٹی۔ پانی کے اوپر کی سبزی اور مرکبات رباعی مذکورہ بالا یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے
ہیں۔

اب ان اشیا میں سے ہر ایک کی خاصیتیں اپنی اپنی جدا جدا ہیں جو صرف انکے اجزا کی خاصیتوں سے بلکہ نئی
ہیں۔ ان خاصیتوں میں اور کوئی چیز اجزا کی خاصیت کے علاوہ نہیں ہوتی۔ ان اشیا کا کائنات الجو نام ہے تو معدنی صورت
معدنی مزاج پر اپنا تسلط کر لیتی ہے اسکو اپنا مرکب بناتی ہے جسمیں اپنے نوعی خواص جدا ہوتے ہیں اور اس مزاج معدنی کی
وہ محافظ رہتی ہے۔ اسکے بعد صورت نباتی محفوظ المزاج جسم کو اپنا مرکب بناتی ہے وہ ایسی طاقت ہوتی ہے کہ عناصر اور
کائنات الجو کو اپنے مزاج کیطرف منتقل کرتی رہتی ہے تاکہ ان اجزا کے لئے جو کمال ممکن اور مترقع ہے اسکو فعلیت میں لادے
پھر صورت حیوانی روح ہوائی کو جسمیں تغذیہ اور تنمیہ کی قوتیں ہوتی ہیں اپنا مرکب بناتی ہے۔ یہ صورت اس روح ہوائی کو
اطراف و جوانب میں حس اور ارادہ کے تصرفات کو نافذ کرتی ہے اپنے مطالب کی انہیں آمادگی ہوتی ہے اور ان چیزوں
سے وہ باز رہتی ہے جو گریز کرنے کے قابل ہیں۔

ان کے بعد صورت انسانی نسمہ کو جسکا بدن میں تصرف ہوتا ہے اپنا مرکب بناتی ہے اور ان اخلاق کو اپنا مقصد
قرار دیتی ہے جو بادگیوں اور نفرتوں کے لئے اصل ہیں وہ ان اخلاق کو مزین کرتی ہے عمدگی سے ان کا انتظام کرتی ہے
اور آسمانی جانب سے جن امور کا اسپر القا ہوتا ہے انکے لئے اخلاق کو جلوہ گاہ بناتی ہے۔

اول نظر میں اگرچہ کسی قدر اشتباہ معلوم ہوتا ہے لیکن غور نظر ان تمام اثروں کو اپنے اپنے چشموں سے ملحق کر دیتا ہے
اور ہر ایک کو اپنے اپنے مرتبے سے جدا کر دیتا ہے اور ہر ایک صورۃ کے لئے ایک مادہ کی ضرورت ہے جسمیں وہ صورت
قائم رہے ہر ایک صورت کا مادہ اسکے مناسب ہوا کرتا ہے۔ صورت کا ایسا حال ہے جیسا کہ موم کے پتلے میں انسان کی
صورت قائم ہوتی ہے بغیر موم کے صورت کا قیام نہیں ہو سکتا وہ شخص حق گو نہیں ہے جو قائل ہے کہ موت کیوقت
نفس ناطقہ مخصوص بہ آدمی مادہ کو کلیۃً ترک کر دیتا ہے۔ البتہ آدمی کے دو مادے ہیں ایک بالذات وہ تو نسمہ ہے اور
دوسرا بالعرض وہ زمینی بدن ہے جب آدمی مرتا ہے تو اس مادہ زمینی کے زوال سے اسکو کوئی مضرت نہیں ہوتی وہ
بدستور اپنے مادہ نسمہ میں حلول کئے ہوئے رہتا ہے وہ پر جودت کاتب کیطرح رہتا ہے کہ جب اسکے دونوں ہاتھ قطع کر دئے
جاویں تب بھی وہ اپنی کتابت میں ماہر رہتا ہے اسمیں کتابت کا ملکہ بجا اما قائم رہتا ہے یا جیسے کوئی چلنے کا شایق ہو اور
اسکے دونوں پاؤں قطع کر دئے جائیں یا سمیع اور بصیر جب وہ گنگ یا نابینا ہو جاوے۔

اور یقین کرو کہ اعمال اور صورتیں بعض تو ایسی ہیں کہ آدمی انکو اپنی قصد اور ارادے سے کرتا ہے اگر اسکو اپنی حال
پر چھوڑ دو تو وہ اسکے کرنے کا قدم کریگا اور انکے مخالف اعمال سے باز رہیگا اور بعض اعمال اور ہیئتیں ایسی ہیں کہ ان
کو آدمی اپنے بھائی بندوں کی خاطر سے یا کسی خارجی عارض گرسنگی اور تشنگی وغیرہ کیوجہ سے کرتا ہے جب وہ عارض دور ہو
جاتا ہے تو اسکی خواہش بھی فرو ہو جاتی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی آدمی کے یا شہر یا اور کسی امر کی کوشش

عاشقانہ ہوا کرتی ہے اور لباس وضع میں اپنی قوم کی موافقت کی اسکو ضرورت ہوا کرتی ہے لیکن جب اسکو اسکے حالپر چھوڑدیں اور وہ اس لباس کو بدل ڈالے تو اسکو کچھ پروا نہیں ہوتی۔ اور بہت سے آدمی خود کسی خاص لباس کو پسند کرتے ہیں جب انکو بحال خود چھوڑدو تو اس لباس کے ترک کرنے کی انکو جرأت نہیں ہوتی۔

اور بعض آدمی ایسے بالطبع ہوتے ہیں وہ اپنی طبیعت میں ایک جامع چیز کو خود تجویز کرلیتے ہیں اور معلومات کو چھوڑکر اسکا دل عادی کو پکڑلیتا ہے وہ فعلوں سے نفرت کرتا ہے اکثر دل جم جاتا ہے اور بعض خواب اور غافل ہوا کرتے ہیں وحدت کو ترک کرکے کثرت کیطرف مائل رہتے ہیں اور ملکات سے انکو بحث نہیں ہوتی صرف کام انکو محفوظ رہتے ہیں اور اعمال کی ارواح سے انکی صورتوں کیطرف توجہ رکھتے ہیں۔

معلوم کرو کہ مرنے کے بعد آدمی کا ایک بدن خراب ہوجاتا ہے اور اسکے نفس ناطقہ کا تعلق نسمہ سے باقی رہتا ہے جو چیزیں اسمیں موجود ہوتی ہیں انہیں کے لئے نفس فارغ ہوجاتا ہے اور جو جو امور انمیں دنیوی زندگی کی وجہ سے بغیر اسکی دلی خواہش کے تھے انکو وہ فنا کردیتا ہے جن امور کو وہ اپنے اصل جوہر میں روک لیتا ہے وہ سب باقی رہتے ہیں اسوقت ملکی حالت کا ظہور ہوتا ہے اور بہیمی قوت مخفی اور کمزور ہوجاتی ہے اور اسکو اسوقت میں آسمانی جانب سے حظیرۃ القدس اور ان امور کا یقین ہوتا ہے کہ جو وہاں اسکے لئے جمع کئے گئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے قوۃ ملکی کی خوشحالی یا بدحالی ہوتی ہے۔

معلوم کرو کہ قوت ملکی جب بہیمیت سے بالکل اسمیں ڈوب جاتی ہے تو کسی قدر اسکی مطیع ہوکر اس کے بعض بعض اثروں سے متاثر ہوجاتی ہے لیکن ملکی حالت کے لئے نہایت مضر یہ ہے کہ نہایت درجہ کے قابل نفرت امور اسمیں جم جائیں اور اسکا سرمایہ نفع میں ہے کہ نہایت درجہ کی مناسب ہیئتیں اسمیں متشکل ہوں۔ نفرت کے قابل امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ اسکو مال اور اہل وعیال سے تعلق زیادہ ہو اسکو یقین ہو کہ ان دونوں امور کے علاوہ کوئی اور مطلوب نہیں ہے۔ نہایت دنی صورتیں اسکے اصل جوہر میں سمائی ہوں اور وہ موضع ہوں جو فیاض طبیعت کے بالکل خلاف ہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نجس صفتوں سے اسکو آلودگی رہتی ہو خدا تعالے کو نہ پہچانکر تکبر کرتا ہو کبھی اسکی حضوری میں نیازمندی سے پیش نہ آتا ہو اور ایسے ایسے امور کا مرتکب ہو جو مرتبہ احسان کے مدمقابل ہیں۔

اور حظیرۃ القدس کی توجہ جو امداد حقیقی اسکے ملکی تعلیم انبیاء کی بعثت کے پسندیدہ انتظام کے قائم کرنے میں ہوا کرتی ہے اسکو برہم کرتا ہو اور اسوجہ سے ملاء اعلی کی جانب سے بغض اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

اور نجات امور میں سے ان اعمال کا کرنا ہے جنمیں طہارت بارگاہ خداوندی میں نیازمندی اور ان اعمال کو کرنا جنسے ملائکہ کی یاد ہوتی ہو اور ایسے قواعد کا حاصل کرنا ہے جس سے زندگی دنیا کا نقش ان دل سے دور ہوجاوے۔ وہ شخص فیاض طبع مدام دل ہو اسکی جانب ملاء اعلی کی رسائی باعث ہو اور انکی توجہات جو پسندیدہ انتظامات کے لئے ہوا کرتی ہیں اسکی طرف مائل رہیں۔ واللہ اعلم۔

باب ۱۶

لوگوں کے حالات کا عالم برزخ میں مختلف ہونا

اس عالم دنیا میں لوگوں کے بیشمار و نہایت طبقے ہیں لیکن ان طبقات میں چار طبقے سر دفتر و اول کے ہیں (۱) قسم ان لوگوں کی ہے جو بالطبع بیدار دل پیدا کئے گئے ہیں اگو صفات ان کی بذاتہا یا اعمال ہی سے نتیجۂ آلام حاصل ہوا کرتا ہے۔ اسی قسم کیطرف اشارہ ہے کہ ان تقول نفس یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ و ان کنت لمن الساخرین (یہ ہے کہ نفس کہیگا۔ ہائے افسوس اسپر جو میں نے خدا کی نسبت کوتاہی کی بیشک میں استہزا کیا کرتا تھا) میں نے اہل اللہ کے ایک گروہ کو دیکھا کہ انکے نفوس ایسے تھے جیسے تھکے ہوئے پانی سے سرسبز شاخیں جنکو ہوائیں جنبشیں دیتی تھیں کیبارگی عین دوپہر کیوقت آفتاب کی روشنی انپر پڑی اور وہ نورانی قصے ہوگئے یہ نور جو ان لوگوں کے اوپر پڑا تھا پسندیدہ اعمال کا تھا یا نور یادداشت یا نور رحمت۔

(۲) ایک قسم انکے حالات کی قریب قریب ہے لیکن انپر طبعی نیند طاری ہوتی ہے ایسے لوگوں کو خواب ہوتا رہتا ہے خواب ہونے کے معنے یہ ہیں کہ وہ علوم جو شہادت میں ہو جس مشترک میں جمع ہیں بیداری کی حالت ان میں استغراق رکھنے کو مانع ہوتی ہے ورنہ انکے خیالی ہونے سے غفلت نہیں ہوتی لیکن سوتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ صورتیں بعینہا وہی چیزیں ہیں جنکی یہ صورتیں ہیں۔

صفراوی مزاج اکثر دیکھتا ہے کہ وہ گرمی کے دن ایک خشک ریگستان میں ہے پاپیادہ چل رہا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ناگہان چاروں جانب سے آگ نے اسکو گھیر لیا ہے وہ بھاگتا ہے لیکن موقع گریز کرنے کا نہیں ملتا اور آگ اسکو پھونک دیتی ہے اسوجہ سے اسکو سخت رنج و تکلیف پہنچتی ہے۔ علیٰ ہذا بلغمی مزاج بھی خواب میں دیکھتا ہے کہ سرد آب رات سے سرد نہر جاری ہے اور نہر ریل پیل رہی ہے موجوں نے اسکی کشتی کو توڑ پھوڑ ڈالا ہے وہ ہرچند بھاگنے کا قصد کرتا ہے لیکن کوئی موقع نہیں ملتا ہے اور وہ دریا میں غرق ہوگیا ہے اس وجہ سے نہایت سخت تکلیف اسکو ہوتی ہے۔

اگر دونوں کی تہ تفتیش کروگے تو کسی کو ایسا نہ پاؤگے جسنے اسکا تجربہ نہ کیا ہو کہ مجتمع حوادث کی صورتیں جو ان کے دیکھنے والے کے نفس کے مناسب ہوں آلام و تکلیف کی ضمن میں نظر آتی ہوں۔ جو خواب میں مبتلا ہوتا ہے اس کی یہ حالت ہوا کرتی ہے لیکن یہ عالم برزخ کی خواب ایسی ہے کہ روز قیامت تک اس سے بیداری نہ ہوگی۔ خواب والا اپنی حالت خواب میں یہ نہیں جانتا کہ یہ چیزیں خارج میں نہیں ہیں اور یہ آلام و تکلیف عالم خارجی میں موجود نہیں ہے گر بیداری نہ ہوتی تو یہ راز خارجی نہ ہونے کا اس کو معلوم نہ ہوتا۔ عالم برزخ کا نام عالم رویا کی نسبت عالم خارجی ہونا زیادہ مناسب ہے۔

قوت سبعی جسکی غالب ہوتی ہے وہ اکثر دیکھا کرتا ہے کہ کوئی درندہ اس کو زخمی کر رہا ہے اور بخیل دیکھتا ہے

کہ جناب نبی ﷺ کو کاٹ رہے ہیں علوم آسمانی کا نزول اکثر ان دو فرشتوں کی صورت میں نظر آتا ہے جو کسی سے دریافت کرتے ہیں من ربک من دینک ماتقول فی ہذا الرجل صلعم تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے نبی صلعم کے متعلق تیرا کیا قول ہے۔

(۳) اس قسم میں لوگوں کی سب جبلی یعنی ذاتی دونوں قوتیں ضعیف ہوتی ہیں انکو زمین کے ملائکہ سے اتصال ہو جاتا ہے اسکے اسباب کبھی پیدائشی طور پر ہوتے ہیں اسطرح پر کہ انکی قوت بہیمیت میں نہیں ڈوبتی انکی اطاعت نہیں کرتی اس کے اثر و سے متاثر نہیں ہوتی۔

اور کبھی اسکے اسباب کسبی ہوتے ہیں یہ لوگ وہی ارادہ سے پاکیزہ دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے نفسوں میں الہامات اور ملکیت کی روشنیوں کی قوت پیدا کر لیتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ مردوں کی صورت پیدا ہوتے ہیں اور انکے مزاج میں زنانہ پن اور عورتوں کی خواہشوں کی جانب میلان ہوتا ہے لیکن بچپن میں انکی زنانہ پن کی خواہشیں مردوں کی خواہشوں سے متمیز نہیں ہوتیں اس زمانے میں بڑا اہتمام کھانے پینے اور لہو و لعب کی رغبت کا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں آدمیوں کی سی روش کا جیسا انکو حکم دیا جاتا ہے وہ پابند رہتے ہیں اور زنانہ وضع و انداز سے منع کرنے سے وہ باز رہتے ہیں لیکن جوان ہوتے ہی اور بے باک طبیعت کی مقتضا کیطرف لوٹتے ہی مستقل طور پر عورتوں کی وضع اختیار کر لیتے ہیں انہیں عادات کے عادی ہو جاتے ہیں انہیں کی رغبت انکے مزاج پر غالب ہو جاتی ہے۔ جو جو عورتوں کے کام ہیں وہی کرتے ہیں انہیں کی سی گفتگو کرتے ہیں۔ ویسا ہی عورتوں کا سا اپنا نام رکھتے ہیں اب وہ مردوں کے رتبے سے بالکل خارج ہو جاتے ہیں ایسے ہی آدمی بھی دنیوی زندگی میں کھانے پینے شہوت وغیرہ مقتضائے ادراک بہیمیت میں مشغول رہتا ہے لیکن ملا سافل کیجانب سے اسکو قرب ہو کر ہے انکی کشش اسمیں قوی ہوتی ہے اسلئے بعد مرنے کے تعلقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اصلی مزاج کی طرف عود کر آتا ہے اور ملائکہ سے اسکو اتصال ہو جاتا ہے اور انہیں میں مندرج ہو جاتا ہے انکا ہی سا الہام اسکو بھی ہونے لگتا ہے اور انہیں کی مساعی میں سرگرم رہتا ہے حدیث میں وارد ہے کہ میں نے جعفر طیار کو فرشتہ کی صورت میں دیکھا وہ دو پروں سے فرشتوں کے ساتھ ساتھ پرواز کرتے تھے۔

اکثر وہ کلمۃ اللہ کے بلند کرنے میں خدا کے گروہ کی امداد میں مصروف رہتے ہیں کبھی انکو آدمیوں کے سلوک کیطرف توجہ ہوتی ہے۔

اکثر انکو بدنی صورت کا نہایت اشتیاق ہوتا ہے۔ پیدائشی اثر سے یہ اشتیاق پیدا ہوتا ہے اس سے عالم مثال میں گنجائش پیدا ہوتی ہے عالم مثال کی طاقت نسمہ سے ملکر ایک نورانی جسم بن جاتا ہے بعض کو کھانے وغیرہ کی رغبت ہوتی ہے تب معمولی اسباب میں مدد دینے سے انکا شوق پورا کر دیا جاتا ہے۔ آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحین بما آتاہم اللہ من فضلہ (ترجمہ) ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس سے وہ رزق پاتے ہیں جو مہربانی خدا نے انپر کی ہے اس سے وہ محظوظ رہتے ہیں۔

ان کے مقابلہ میں ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جنکو شیاطین سے زیادہ قرب ہوتا ہے یہ قرب کبھی پیدائشی طور پر ہوتا ہے

کہ خود نکاح ہی فاسد ہوتا ہے ان کی نظر میں ایسی رسمیں پسندیدہ ہوتی ہیں جو حق کے خلاف رسّت کلی کے نامناسب پسندیدہ اخلاق سے دور کنارہ پر ہوتی ہیں اور کبھی یہ قرب شیطانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان کو پوچ حالتوں اور فاسد خیالات سے تعلق رہا کرتا ہے شیطانی وسوسوں کی وہ بجا آوری کرتے ہیں۔ ایسے لعنت انکو گھیر لیتی ہے مرنے کے بعد وہ شیطین میں مل جاتے ہیں اور ایک تاریک لباس پہن لیتے ہیں بعض بعض خسیس لذت انکے سامنے متصور ہوتی ہیں جن سے وہ کچھ اپنی کاربراری کر لیتے ہیں پہلے گروہ کو ذاتی خوشی سے آرام حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کو تنگی اور غم سے تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ مخنث یہ خوب جانتا ہے کہ زنانہ پن آدمی کے حالات میں نہایت بدترین حالت ہے لیکن مخنث اپنی طبیعت سے اسکو قلع قمع نہیں کر سکتا اس وجہ ان لوگوں کا ہے جنکی بہیمی قوت غالب اور قوی ہوتی ہے اور ملکی طاقت کمزور ہوتی ہے اکثر لوگوں کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے انکے اکثر امور صورت حیوانی کے تابع رہا کرتے ہیں انکی پیدائش میں یہی ہے کہ بدنی تصرفات میں محو ہے موت کے وقت ان لوگوں کے نفوس کلیتہً بدن سے جدا نہیں ہوتے تمام بدن سے نفس کو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن بدن کے خیال اور وہم سے جدائی نہیں ہوتی ان نفوس کو اس امر کا یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ اور بدن بعینہ شے واحد ہیں حتی کہ اگر بدن کو پامال یا قطع کرو تو ان نفوس کو یقین ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی علامت یہ ہے کہ گو وہ تقلید یا علم کی وجہ سے اپنی زبانوں سے قائل نہ ہوں لیکن وہ خاص ذوقی حالت سے اسکے قائل ہوتے ہیں کہ ان کی روحیں اور بدن ایک ہی شے ہیں یا روحیں ایک عارضی شے ہیں جو بدن کو عارضی ہو جاتی ہیں ایسے لوگوں کا جب انتقال ہوتا ہے تو ایک خفیف سی روشنی ان پر چمکتی ہے اور جیسے کہ یہاں ریاضت کرنیوالوں کو ضعیف سا خیال نظر آتا ہے ایسا ہی انکو بھی نظر آتا ہے کبھی خیالی صورتوں میں امور انکو نظر آتے ہیں اور کبھی دوسری خارجی مثالی شکلوں میں۔ انکا متصور ہونا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ریاضت کرنیوالوں کے سامنے۔

اگر کسی شخص نے نیک اعمال کئے تھے تو خوشنما صورت فرشتوں کی صورتوں میں جو ہاتھوں میں حریر لیے ہوتے ہیں ان اعمال کی عمدگی کا علم مندرج ہوتا ہے لطیف لطیف خطابات اور صورتوں میں انکا ظہور ہوتا ہے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس میں سے جنت کی مہک آتی ہے اور اگر بلا کے قابل نفرت اور لعنت اعمال کئے ہوتے ہیں تو وہ اعمال کریہہ فرشتوں کی صورت میں اور سخت سخت گفتگو اور صورتوں میں نمایاں ہوتی ہیں جیسا کہ غصہ کی حالت میں درندوں کی صورت میں اور بزدلی کی حالت میں خرگوش کی صورت میں ظہور ہوتا ہے اور عالم برزخ میں بعض نفوس ملکی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی استعداد باعث ہوتی ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر ظاہر ہو کر آرام یا تکلیف پہنچائیں اس وقت وہ گرفتار حالت ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے معائنہ کرتا ہے گو دنیا کے لوگ ان کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں معلوم کرو کہ عالم قبر ابھی عالم دنیا کے ختم ہونے سے ہوا کرتا ہے ایک پردے کے آڑ میں وہ سب علوم نمایاں ہوتے ہیں اور فرادی فرادی نفوس کے احکام ظاہر ہوتے ہیں عالم حشر میں ایسا نہیں ہوتا وہاں نفوس کے جزئی احکام مفقود ہو جاتے ہیں اور صورت انسان کے احکام نفوس میں باقی رہ جاتی ہیں واللہ اعلم۔

بحث تیسرا تدابیر نافعہ کے بیان میں

باب ۱۸

تدابیر نافعہ کی حصول کی کیفیت میں

معلوم کرو کہ آدمی کھانے، پینے، مجامعت، دھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے سایہ میں، نیز موسم سرما میں گرمی کی تلاش میں اور ان کے علاوہ اور تمام ضرورتوں میں اپنے اور ہم جنسوں کے موافق ہے خدا تعالیٰ کی آدمی کے حال پر بڑی عنایت ہے کہ اس کو طبعی الہامات سے جو مقتضائے صورت نوعی تعلیم دی گئی ہے۔ تو جو جمع کرنے کی قوتیں کیونکر دور ہو سکتی ہیں تمام اس کے ہم جنس افراد اس الہام و تعلیم میں اس کے برابر ہیں مگر کوئی ناقص الخلقت ہی ہو اور اس کا ادا ہی عارضی ہو تو یہ تمام ایسی نہ ہونگے۔ یہ سب ایسی نحو پر پائے جائینگے جیسا خداوند عالم نے شہد کی مکھی کو الہام کیا ہے کہ یوں پھلوں کی رطوبت کو چوسے اس طرح پیدا کر کے پھر بند ہوئے تو مکھیاں ایسی جمع ہوں اس طرح اپنے یعسوب کا اتباع کریں اور شہد کو جمع کریں چڑیا کو الہام ہے کیا کہ اسطرح غلے کی دانوں کو تلاش کرے یوں پانی پر اترے اسطرح آتی ہو شکاری سے گریز کرے پھر جوڑے سے ملکر انڈوں کی پرورش کریں بچوں کو چگادیں ایسے ہی خداوند عالم نے ہر ایک نوع کے لئے ایک شریعت قرار دی ہے جو صورت نوعی کے راہ سے اس نوع کے تمام افراد کے سینوں میں پھونک دی ہے ایسے ہی آدمی کو بھی الہام کیا ہے کہ ان ضرورتوں کے متعلق کیا کیا مفید تدبیر عمل میں آسکتی ہیں لیکن انسانی تدابیر میں جتنے تدابیر کے علاوہ تین امر کا اور اضافہ ہو گیا ہے یہ تینوں امر بھی آدمی کی صورت نوعی کے اقتضا سے ہوتے ہیں جسکو تمام انواع پر فوقیت اور برتری ہے۔

(۱) یہ کہ آدمی کسی رائے کلی اور جامع تحریک سے کسی چیز کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے اور چارپائے طرف طبعی خواہش اور ارادہ سے کسی محسوس یا موہوم غرض کیلئے آمادہ ہو جایا کرتے ہیں مثلاً گرسنگی کی خواہش سے یا تشنگی اور مجامعت کے شوق سے اور آدمی عقلی منفعت کیوجہ سے اکثر آمادہ ہوتا ہے جسمیں کوئی طبعی تحریک نہیں ہوا کرتی وہ بسا اوقات قصد کرتا ہے کہ تمدن کے متعلق کوئی پسندیدہ اور عمدہ انتظام قائم کرے۔ یا اپنے اخلاق کو مکمل کرے اپنے نفس کو مہذب بنائے آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو رہائی دے اپنی وجاہت لوگوں کے دلوں میں راسخ کرے۔

(۲) آدمی اپنی تدابیر میں لطافت اور ظرافت کا اضافہ کرتا ہے چارپائے صرف اتنی ہی تگ و پو پر بس کرتے ہیں جس سے انکی کاربرآری ہو جائے اور آدمی علاوہ کاربرآری کے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ شئے ظاہر النظر میں خوشنما ہو دلی لذائذ و کیفیات اسمیں زیادہ ہوں اسواسطے وہ جمیلہ بیوی لذیذ طعام، فاخرہ لباس، بلند بلند ایوانوں کا طالب رہتا ہے۔

(۳) آدمیوں میں بعض بعض دقیقہ شناس اور خردہ بین ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مفید مفید تدابیر کو خود مستنبط کرتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انکے دلوں میں بھی تقاضا ایسی تدبیر کی نسبت پیدا ہوتا ہے لیکن خود ان میں استنباط کی

قوت نہیں ہوتی ہے جب وہ حکما کی تدبیر کو دیکھتے ہیں یا اُنکی مستنبط باتوں کو سُنتے ہیں تو فوراً دل سے اُنکو قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ اِن امور کو وہ اپنے علم اجمالی کے موافق پاتے ہیں اسلئے خوب استحکام سے اُن کو اختیار کر لیتے ہیں آدمی بھوکا یا تشنہ ہوتا ہے اور کھانے پینے کی کوئی چیز اسکو نہیں ملتی ہے تو نہایت تکلیف کے بعد یہ چیزیں اسکو میسر ہو جاتی ہیں تاہم اُن سے متمتع ہونے کا کوئی طریقہ نہیں سوجھتا اتنے ہی میں اسکو کوئی حکیم ملجاتا ہے جو اسی کی سی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہو اُس نے خود غذائی حاجتوں کو معلوم کر لیا ہو اُسکے لئے تخم ریزی آب رسانی اور کاٹنے کے طریقے استنباط کئے ہوں اُنکے کوٹنے پیسنے ہوا میں اڑانے اور وقت ضرورت تک اُنکی حفاظت کے طریقے نکالے اُنکے گندھوانے کا طریق اُن موقعوں کے لئے ایجاد کیا جو چشموں اور نہروں سے دور تھے بڑی بڑی خمیں مشکیں بڑے بڑے پیالے بنانے اور ان امور سے فوائد حاصل کرنے کی راہیں نکالیں اسکے بعد وہ ناواقف شخص غلہ بغیر اصلاح کے استعمال کرتا تھا اور وہ معدے میں غیر منہضم رہجاتے تھے نا موافق میووں کو کھاتا تھا اور وہ ہضم نہ ہوتے تھے اسلئے اُسکے قصد ارادے میں آتا تھا کہ کوئی چیز اُنکی اصلاح کے لئے ہوتی لیکن اسکو رہنمائی نہ ہوتی تھی اب اسکی ملاقات ایسے حکیم سے ہوجاتی ہو کہ جسنے پخت و پز اور بریاں کرنے کے طریقے ایجاد کئے ہوتے ہیں تو اُس سے ایک دوسرا باب متمتع ہونے کا مفتوح ہو جاتا ہے اسی پر تمام حوائج انسانی کو قیاس کر لو۔

تاریخ دنیا کی آخر میں ایسے ایسے بہت سے مفید امور شہروں میں نئے نئے ایجاد ہوتے رہتے ہیں جنکا پہلے ذکر بھی نہ تھا اب وہ دنوں سے رائج ہو گئے ہیں لوگ ہمیشہ انکو استعمال میں لاتے ہیں حتی کہ ان الہامی علوم کا جن کو کسب سے مدد پہنچتی رہتی ہے ایک مجموعہ مرتب ہوجاتا ہے لوگ پختگی سے ان اصول کے پابند رہتے ہیں انہیں پر انکی زندگی اور موت کا مدار ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ ان ضروری الہامات کا ان تینوں اشیا کے ساتھ تعلق تنفس کا سا حال ہے حرکت نبض کیطرح فی الحقیقت سانس لینا بھی ایک ضروری امر ہے لیکن اپنے اختیار سے سانس کو چھوٹا اور بڑا کر سکتے ہیں اور چونکہ یہ تینوں امر سب لوگوں میں ایک سے نہیں ہوتے اسوجہ سے کہ لوگوں کے مزاج اور عقول میں جن کا مقتضیٰ ہے کہ رائے کلی کی آزادگی ہو الفت پسندی ہو امور نافع کا استنباط ہو اُنکی پیروی کیجائے بڑا اختلاف ہے اور علی ہذا استدلال اور فکر و خوض کرنے میں سب ایک طرح فارغ دل نہیں ہوتے اور ایسے ہی اور اسباب کیوجہ سے تدابیر نافعہ کی دو حدیں قرار پاگئی ہیں۔

(۱) ایسے امور ہیں کہ ادنےٰ درجہ کی جماعتوں میں مثلاً بیابانوں پہاڑی چوٹیوں کے باشندوں عمدہ ولایتوں کے بعید اطراف میں رہنے والوں میں اُنکا وجود ضروری قرار دیا گیا ہے اُن کا تدابیر ارتفاقات نام ہے۔

(۲) وہ تدبیریں ہیں جو ان شہروں معمور قصبوں اور عمدہ ولایتوں میں قرار دیجاتی ہیں جن کا مقتضیٰ ہے کہ کامل الاخلاق لوگوں اور حکماء کی نسلیں پیدا ہوں ان آبادیوں میں جماعتوں کی کثرت ہوتی ہے بکثرت ان کو حاجتیں پیش آتی ہیں بہت سی آزمائشوں اور تجربوں کا موقع ملتا ہے اسلئے بڑے بڑے قوانین وضع کیے جاتے ہیں اور استحکام کے ساتھ اُنپر عملدرآمد ہوتا ہے اس حد کا نہایت ذیشان حصہ شاہانہ طرز کا ہوتا ہے جو پورے

عیش و آرام کے لوگ ہیں مختلف قوموں کے حاکم انکے پاس آمد و رفت رہتی ہے۔ یہ سلاطین عمدہ عمدہ قوموں کو غنڈ کرتے
رہتے ہیں تمام تدبیر منزل ہے اور جب تدبیر منزل پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں تو تدبیر ثالث کی سمت انسے تولید ہوتی ہے
لوگوں میں حالات باہمی کا دور رہتا ہے پھر انہیں معاملات کی وجہ سے بخل سستی انکار طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے
اسلئے اختلافات نزاع فساد کی بنیاد لوگوں میں قائم ہو جاتی ہے اور نیز ایسے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جنپر ردی
نفسانی خواہشیں غالب ہوتی ہیں بعض کی پیدائش میں قتل و غارتگری کی بنیادی صفت ہوتی ہے اور نیز مشترک النفع
تدبیر کا قائم کرنا ایک شخص کا کام بھی نہیں ہوتا انکے حق میں ایسی تدبیر کا قائم کرنا آسان ہوتا ہے اور نہ ویسی ہی سے وہ اس
کو انجام دے سکتے ہیں اسلئے مجبوراً ان کو ایک بادشاہ کے مقرر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو انصاف سے انکی
باہمی خصومتوں کا فیصلہ کرے۔ ملک شورش پسندوں اور رعب قائم رکھے دلیروں سے مقابل ہو کر محصول تحصیل کرے اپنے
اپنے موقعوں پر اسکو صرف کرے اور ایسے ہی یہ تدبیر سوم تدبیر چہارم کے نتیج و باعث ہوتے ہیں اسلئے کہ جب ہر ہر
ملک کا مستقل بادشاہ قرار دیا جاتا ہے اسکو مالگذاری ادا کی جاتی ہے۔ ایسے جیسے لوگ ان سے آملتے ہیں تب انہیں بخل
حرص اور کینہ پیدا ہوتا رہتا ہے اور باہمی فساد بڑھتے بڑھتے جنگ و جدال کی نوبت آتی ہے۔ اسلئے ان میں خلیفہ کے قائم
کرنے ایسے شخص کی اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے جس کا ایسا تسلط و قوت کہ ہے کا سا ہو خلیفہ سے مراد ایک
ایسا شخص ہے جس کو اتنی شوکت اور صولت حاصل ہو کہ دوسرے شخص کا انسے ملک کو دبا لینا ناممکن سا ہو انکی
ملک کا انتزاع جب ہی ہو سکے کہ بکثرت لوگوں کی جماعتیں اتفاق کریں کثرت سے یہ لوگ مال صرف کریں اور اس
امر کا امکان مدتہائے دراز کے بعد ایک دو شخصوں کو ہوا کرتا ہے۔ خلفا کی حالت لوگوں اور عادات ملکی کی وجہ سے مختلف
ہوا کرتی ہے جن لوگوں کی طبیعت نہایت سخت اور تند ہوتی ہے ان کو بہ نسبت اور کمزور لوگوں کے سلاطین اور
خلفا کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اب ہم ان تدابیر ثلاثہ کے اصول اور ان کے ابواب کی فہرستیں مندرج کرتے ہیں
ان کی ایسی پیراستہ جماعتوں کی عقلوں نے جانچ کی ہے جن کے عمدہ اخلاق تھے بلا حجت اور اعلیٰ نے انکو
ایک مسلم طریقہ میں تسلیم کر لیا ہے آئندہ بیانات میں تم کو غور کرنا چاہیے۔

باب ۱۹

تدابیر اولیٰ کے بیان میں

انہیں تدابیر سے ایک لغت ہو جس سے دلی امور بیان کئے جاتے ہیں لغت کی یہ حقیقت ہے کہ جسام
کے افعال و ہیئتوں کو کسی کسی آواز سے کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ آوازیں ان اشیاء سے ملی ہوئی ہوتی ہیں یا سبب غیرہ
کان و دو نہیں ملاقہ ہوتا ہے لغت سے اس آواز کو ہو بہو نقل کر دیا کرتے ہیں پھر معانی کے مقابلے میں مختلف صیغے
بنا بنا کر ان میں تصرفات کیا کرتے ہیں اور جن حروف کا نطق ان کے سامنے اثر رکھتا ہے یا نفس کی جدا جدا ہیئتوں سے
پیدا ہوتے ہیں وہ سب اسی قسم مذکور سے مشابہ کئے جاتے ہیں تکلم انسانی آوازوں کے لئے بھی بنائے

جاتے ہیں اور مشابہت کی وجہ سے یا کسی میل یا کسی علاقہ سے نقل کر لینے کی وجہ سے لغات میں مجازی طور پر وسعت ہو جاتی ہے لغات کے اور اصول بھی ہیں جن کو تم کہیں کہیں ہمارے کلام میں پا سکو گے۔ انہیں تدبیر میں سے زراعت درختوں کا بونا کنوؤں کا کھودنا پکانے اور نا سخورش بنانے کی کیفیت بھی ہے اور انہیں میں سے برتنوں اور مشکوں کا بنانا ہے۔

انہیں میں سے بہایم کا مطیع کرنا انکو اپنے قابو میں رکھنا بھی ہے کہ انکی سواریوں گوشتوں پوستوں بالوں دودھوں بچوں سے امداد لیجائے۔

انہیں میں سے غار اور مکانات وغیرہ ہیں جو گرمی اور سردی سے لوگوں کو محفوظ رکھیں۔

انہیں میں سے بہایم کی پوست درختوں کے پتوں یا اپنے بنائے ہوئے کپڑوں کا لباس ہے جو کہ پردہ کے پردے کے قائم مقام ہے۔

انہیں میں سے اپنی منکوحہ کا معین کرنا ہے کہ کوئی دوسرا اسمیں مزاحمت نہ کر سکے اس سے نفس رذیلی کیجانے اپنی نسل کے ذریعہ سے بڑا ئیجائے اور اپنی خانگی ضرورتوں میں اولاد کی نگرانی اور تربیت میں اس سے مدد لیجائے آدمی کے علاوہ اور حیوانات اپنے جوڑے کو متعین نہیں کر سکتے گو محض اتفاقیہ طور پر پایا جائے کہ وہ دونوں توام ہوں .. بلوغ تک انہیں رفاقت رہی ہو یا اور ایسے ہی اسباب سے۔

اور انہیں تدابیر سے صنعتوں کی رہنمائی ہے جنکے بغیر زراعت کرنا۔ درختوں کا لگانا۔ کنوؤں کا کھودنا بہایم سے کام لینا ممکن نہیں ہے جیسے (دولاب) ڈول۔ ہل۔ رسیاں وغیرہ۔

اور انہیں میں سے باہمی مبادلوں کے بعض بعض امور میں باہمی ہمدردی کی رہنمائی ہے۔

اور انہیں میں سے یہ ہے کہ جس شخص کی رائے درست ہو اور انکے مزاج میں سخت گیری ہو وہ اوروں کو اپنا مسخر بنا کر انپر ریاست کرے اور انکے کسی نہ کسی طرح سے چوتے لیوے۔

اور انہیں سے یہ بھی ہے کہ انمیں مسلم قوانین ہوں جنسے مناقشوں کا فیصلہ ہو سکے اور ان ظالموں کی تعدی روکی جائے اس کی مدافعت کی جائے۔ جو ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کرے۔ ہر قوم میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری ہے وہ لوگوں کی مہتم بالشان امور میں تدابیر کے طریقے وضع کرتے ہیں اور اور لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی ضروری ہیں جو آراستگی پسند ہوں۔ کسی نہ کسی وجہ سے عیش و آرام اور تن آسانی کے خواہاں ہوں جو اپنے اوصاف شجاعت۔ فیاضی۔ خوش بیانی۔ زیرکی وغیرہ پر نازاں ہوں اور ان کی تمنا یہ ہو کہ ہماری شہرت دور دور پہنچ جائے انکا مرتبہ بلند ہو۔ خدا تعالےٰ نے کلام مجید میں چند دفعہ اس کا بڑا احسان کیا ہے کہ ان تدابیر کے الہامی شعبوں کو بخوبی بتا دیا ہے اسکو معلوم تھا کہ عمومًا ہر قسم کے لوگ احکام قرآنی سے مکلف ہو نگے اور اسی قسم کی تدابیر ہیں جو ان سب میں پائی جاتی ہیں واللہ اعلم۔

باب ۲۰

آداب معیشت کے بیان میں

آداب معیشت حکمت کا ایک شعبہ ہے جس میں ان تدابیر کا بیان ہوتا ہے جو ان ضرورتوں کے متعلق ہیں جنکا بیان حاشانی کے موافق پہلے گذر چکا ہے انہیں حسن امر یہ ہے کہ تدبیر اوّل کو ہر باب میں صحیح تجربہ پر پیش کریں - جو جو صورتیں ضرر سے بعید ہیں اور نفعت قریب ہیں وہی اختیار کیجئے ہیں اور ان آداب کا عمدہ اخلاق سے موافق کیا جانے جو کامل المزاج لوگوں کی پیدائش میں ہوا کرتے ہیں جو آداب ان اخلاق کے زیادہ مناسب ہوں وہی اختیار کئے جائیں اور ان کے ماسوا سب ترک کرنے جائیں و نیز ان ادب کا اندازہ حسن معاشرت اور لطف شرارت سے کیا جانے انہیں وہ مقاصد ملحوظ رکھنے چاہئیں جو سب کلی سے پیدا ہوں معاش کے اہم مسائل یہ ہیں۔ کھانے پینے کے آداب چلنے کے نشست برخاست سونے کے سوا لیٹنے قضائے حاجت ہم بستری لباس مکان ستھرائی پاکیزگی آرائش ، بھی گفتگو کے طریقے ، زینت کے وقت دواؤں منتروں کا استعمال حوادث پیش آنے کے وقت پیش بینی - خوشی - ولادۃ - نکاح - عید - مسافر کے آنے وغیرہ کی خوشی کے موقعوں میں اور رنجوں میں فرحت اور سرور کا اظہار مصائب میں رنج و غم کا اظہار - مریضوں کی عیادت - مردوں کو دفن کرنا جو عموماً شہروں کے باشندوں میں صحیح المزاج لوگ شمار کئے جاتے ہیں ان کا اتفاق ہے کہ ایسی چیزیں نہ کھائی جائیں جن میں پلیدی ہو مثلاً جو چیز اپنی موت سے مرگئی ہو یا متعفن ہو اور وہ جانور بھی استعمال نہ کئے جائیں جن کے مزاج میں اعتدال نہ ہو۔ انکے اخلاق منتظم نہوں یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ برتنوں اور دستر خوانوں وغیرہ پر کھانا چاہئے۔ کھانے کے وقت منہ اور ہاتھ پاک کئے جائیں ایسی حالتوں سے احتراز کیا جائے جو حماقت ہوں۔

ایسے امور کی احتیاط چاہئے جیسے اپنے شرکاء کی طبیعتوں میں تکدر پیدا ہو - بدبودار پانی نہ پیا جائے بغیر ہاتھ لگائے صرف منہ سے ایسا پیے جو کسی پر بھی پانی نہ پیا جائے - اور نیز تمام عمدہ طبیعت کے لوگ اپنے بدن اور کپڑے اور مکان کو دو قسم کی پلیدیوں سے پاک صاف رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اول ان چیزوں سے جنہیں گندگی اور بدبو آتی ہو دوسرے ان میل اور چرک سے جو قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے دانتوں کو مسواک سے غبار دور کرتے ہیں بغل اور زیر ناف کے بالوں کو مونڈ ڈالتے ہیں کپڑوں کا میلا ہونا اور مکان پر خس و خاشاک کا ہونا ناپسند کرتے ہیں۔ عموماً سب کا اتفاق ہے کہ سب لوگوں کے سامنے آدمی نہایت پاک صاف نظر آئیں۔ لباس درست ہو۔ سر اور داڑھی کے بال شانہ سے صاف رکھے جائیں۔ کوئی عورت جب کسی شخص کے نکاح میں ہو تو خضاب اور زیور سے آرائش کرتی رہے۔ سب کی نظر میں ننگا رہنا بے شرمی کی بات ہے اور لباس رونق کی چیز ہے دونوں شرمگاہوں کا کھلا رہنا بھی بے شرمی خیال کی جاتی ہے پورا لباس وہی ہے جس سے تمام بدن چھپا رہے اور نیز مناسب ہے کہ شرمگاہ چھپانے کا لباس جدا ہو اور باقی بدن کا لباس جدا ہو اور یہ بھی اتفاقی امر ہے کہ خواب میں دیکھ کر زمانہ کی بات رمل وغیرہ سے آئندہ واقعات

دیکھیے جس شخص کا مزاج معتدل اور ذوق سلیم ہوا کرتا ہے وہ بھی گفتگو میں ضرورۃً ایسے الفاظ کو استعمال کرتا ہے جن میں وحشت نہ ہو زبان پر وہ گراں معلوم نہ ہو ایسی ایسی ترکیب کو اپنی گفتگو میں وہ پسند کرتا ہے جن میں متانت اور نغمہ کی ... یا خوش الحانی اختیار کرتا ہے جسکو لوگ گوش دل سے متوجہ ہو کر سنیں ایسا شخص فصاحت اور خوش بیانی کی میزان ہوا کرتا ہے۔

بہرحال ہر ایک باب میں اجماعی مسائل قرار دئیے گئے ہیں جن کو تمام مشہوروں نے گو وہ ایک دوسرے سے دور دور فاصلہ پر ہوں تسلیم کر لیا ہے۔ اسکے بعد آداب معیشت کے تو مرتب کرنے میں لوگ مختلف ہیں۔ عالم طبیعت کا وقت بھی خوبیوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور شہری تہذیبوں کی خاص صنعتوں کا خاص مذہب ہے۔ وہ ... کا وقت خدمت اور احسان کی رعایت کرتا ہے یہ سب امور مذکورہ بالا تمام فرقوں کی تصانیف میں منقول ہیں مذہبی منہج اور عادات کے اختلاف سے ہر ایک قوم کا لباس اور آداب وغیرہ جدا جدا ہوتے ہیں انہیں سے ان میں باہم امتیاز ہوا کرتا ہے واللہ اعلم۔

باب ۲۱

تدبیر منزل میں

تدبیر منزل حکمت کا وہ حصہ ہے جسمیں اُن روابط اور تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کیجاتی ہے جو تدابیر کے دوسری حد کے موافق ایک مکان کے رہنے والوں میں ہوا کرتے ہیں۔ اس حکمت کے چار حصے ہیں (۱) ازدواج (۲) ولادت (۳) مالک ہونا (۴) باہمی صحبت۔ ان تعلقات کی اصل یہ ہے کہ ہم بستری کی ضرورت نے مرد اور عورت میں ایک تعلق اور ربط کو پیدا کیا پھر بچہ پر شفقت والدین باعث ہوئی کہ دونوں ملکر اسکی پرورش میں ایک دوسرے کی اعانت کریں مرد اور عورت کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں تربیت کی جانب عورت کو نسبت مرد کے زیادہ رغبت ہوا کرتی ہے نیز عورت بہ نسبت مرد کے کم عقل ہوتی ہے محنت کے کاموں سے جان چرانی ہر عورت میں شرم کا مادہ زیادہ ہوتا ہے خانہ نشینی کی جانب زیادہ مائل رہتی ہے ... حقیر کاموں کی کوشش میں زیادہ ہوشیاری اور غور باریکی صرف کیا کرتی ہے بہ نسبت مرد کے اسمیں اطاعت کا مادہ بھی زیادہ ہوتا ہے مرد کی رائے میں سنجیدگی زیادہ ہوتی ہے ننگ و ناموس کے امور کی زیادہ روک تھام کرتا ہے مشقتوں کے داخل ہونے میں بڑا جری اور دلیر ہوتا ہے نخوت تسلط غیرت مناقشہ وغیرہ اوصاف اسمیں پورے ہوتے ہیں اس واسطے عورت کی زندگی بغیر مرد کے نہیں ہوسکتی اور مرد کے لئے عورت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور چونکہ عورتوں کے باب میں مردوں کی مزاحمت کا اندیشہ ہوا کرتا ہے اور عورتوں کے معاملات میں مردوں کو غیرت ہوا کرتی ہے اسواسطے اُن دونوں کی اصلاح جب ہی ہوسکتی ہے کہ سب کے سامنے علی رؤس الاشہاد مرد کی بیوی مرد کے لئے خاص ہو جائے اور چونکہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ مرد کو عورت کی جانب رغبت ہے اور عورت اپنے ولی کی نظر میں معزز ہے۔

اسلئے مہر، منگنی اور ولی کیطرف سے سربراہ کاری ضروری قرار دی گئی۔ اگر محارم میں اولیا کی رغبت تجویز کیجاتی تو
عورت کو اس سے بڑا ضرر پہنچ سکتا تھا ولی عورت کو اس شخص سے روک سکتا تھا جو عورت کی نظر میں مرغوب ہوتا
اور نیز عورت کے لئے کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جس سے وہ حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتی حالانکہ اسکو ان حقوق کی نہایت
ضرورت ہے اور ساکنوں وغیرہ کے باہمی مناقشوں نے رحم کی حالت بھی خراب رہتی اور نیز سلامت مزاج کا یہ بھی مقتضی
ہے کہ آدمی کو اس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ
دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں جو کہ ہم بستری کی ضرورت کے ذکر کرنے میں حیا آیا کرتی ہے اسواسطے
ضروری ہے کہ زوج (عورت کو ان جانب مائل کرنا) کے ضمن میں اس حاجت کا ذکر مخفی رہے جو کہ دونوں کے وجود
سے مقصود ہے اور شہرت دینے اور زوج دینے کو منزلی قرار دینے کے لئے اسکی ضرورت ہے کہ ولیمہ کیا جائے
اور لوگوں کی اس میں دعوت کیجاوے دف بجائی اور خوشی میں اس کا اظہار کیا جاوے اور ماحصل یہ ہے کہ بہت
سی وجوہ ہے جنمیں سے بعض کو میں نے ذکر کیا ہے اور بعض کو لوگوں کے فہم پر اعتماد کرکے حذف کر دیا نکاح کی یہ
حالت کہ اس کے غیر محارم سے نکاح کیا جائے لوگوں کے مجمع میں اس کی تقریب ہو اس سے پہلے مہر اور منگنی ہو کفو کا
بھی لحاظ رکھا جائے اولیا کی سربراہ کاری ہو ولیمہ کیا جاوے لوگوں کا عورتوں پر قابو ہے وہ ان کی معاش کے متکفل
رہیں عورتیں خانگی خدمات میں مصروف رہیں اولاد کی تربیت کرنے میں اطاعت سے رہیں تمام لوگوں کی نظر میں
لازمی طریقہ اور مسلم امر ہو گیا ہے اور امر فطری ہو گیا ہے جس پر لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے عرب عجم میں کوئی اس میں
اختلاف نہیں کرتا اور نیز زن و شوہر میں باہمی اعانت میں کامل سعی کہ دوسرے کی نصرت کو اپنی نصرت اور دوسرے
کے نفع کو اپنا ہی نفع خیال کرے جب ہی ہو سکتی ہے کہ دونوں اپنے ذہن میں عزم مصمم کریں کہ نکاح کی ہی حالت میں
زندگی بسر کرینگے اور جب ان دونوں میں نہ بنے اور ایک دوسرے سے سرکشی کریں تو کوئی ایسا طریقہ بھی ضرور
ہونا چاہیے جس سے ایک دوسرے کے پنجہ سے خلاصی پا سکیں اگرچہ یہ علیحدگی تمام مباح امور میں سے نہایت
ہی درجہ مبغوض ہو اسلئے طلاق میں خاص خاص قیود اور عدت وغیرہ کا لحاظ ضروری قرار دیا گیا اور ایسی ہی خاوند کی
وفات میں اس قسم کے لحاظات معتبر کئے گئے تاکہ دونوں میں نکاح کا ادب اور وقعت باقی رہے اور دوامی حقوق اور
معاہدہ مصاحبت کی کسی قدر وفاداری ہو سکے اور نسبوں میں اشتباہ بھی نہ ہونے پائے اور اولاد کو چونکہ آباء کی ضرورت
ہوتی ہے اور بالطبع آباء کو اپنی اولاد کیطرف کشش ہوا کرتی ہے اسواسطے ضرورت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسے مفید
امور کی مشاقی اور تربیت کریں جو فطرۃً انکے لئے موزون اور مفید ہیں اور ضرور ہوا کہ اولاد پر آباء کو تقدم ہو وہ اسلئے
بزرگ تسلیم کئے گئے ہیں کہ انکی عقول اور تجربے مکمل ہوتے ہیں اور اخلاق تندرستی کا بھی مقتضا یہی ہے کہ احسان کے
متعلق یہ احسان کیا جائے اور اولاد کی تربیت میں وہ ایسے ایسے شدائد جھیلتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں اس
لئے والدین کی خدمتگذاری بھی لازمی طریقہ قرار دیا گیا ہے اور چونکہ لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں اسواسطے
یہ بھی ضرور ہے کہ بعض لوگ بالطبع سرداری کے قابل ہوں جن میں ریاست اور بالطبع بیداری ہو امور معاش میں

وہ مستقل ہوں۔ اُن میں انتظام اور رفاہ عام کا پیدائشی مادہ ہو اور بعض لوگ قدرتی طور پر غلامی کی حالت پر پیدا ہوتے ہیں اُن میں حماقت دوسرے کی تابعداری کا ہی مادہ ہوتا ہے جس طرف اُن کو کھینچو وہ کھنچے چلے جاتے ہیں لیکن ایسے دونوں شخصوں کی معاش بغیر ایک دوسرے کے مکمل نہیں ہو سکتی۔ رنج و آرام میں باہمی ہمدردی، آقا اور مملوک میں جب ہی ممکن ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنے اپنے دلوں میں ٹھان لیں کہ اس تعلق کو ہمیشہ قائم رکھینگے اور نیز بعض اتفاقات ایسے واقع ہوتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو قید کر لیتا ہے یہ حالت اسیری بھی لوگوں میں قابل لحاظ ہے اس سے بھی ایک قسم کا علاقہ مالکیت اور مملوکیت کا باہم مقید اور قید کرنیوالے میں منتظم ہوجایا کرتا ہے اسکے لئے بھی وضع قانون کی ضرورت ہے کہ مالک و مملوک اسکے پابند رہیں اور اسکی فروگذاشت پر قابل تعزیر سمجھے جائیں۔

اور اسیری کے بعد فی الجملہ کوئی طریقہ رہائی کا بھی بالالتزام کرنا ضروری ہے۔ نیز لوگوں کو اکثر مصائب و ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں کبھی مرض لاحق ہوجاتا ہے کبھی پاشکستگی پیش ہوتی ہے کبھی کسی کا حق اُس سے متعلق ہوتا ہے بہرحال ایسی ایسی ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں کہ بغیر اپنے ابنائے جنس کی دستگیری کے اپنی حالت کی اصلاح بدقت ہوتی ہے ایسے ایسے عوارض پیش آنے میں سب لوگوں کی حالت یکساں ہے اسی واسطے ضرورت پڑا کرتی ہے کہ لوگوں میں باہم الفت اور میل ہمیشہ قائم رہے اور لوگوں میں مظلوم کی دادرسی و مصیبت زدہ کی امداد کا طریقہ مسلوک رہے کہ لوگ اسکے متقاضی ہوں اور اسکی فروگذاشت پر تعزیر کی جائے اور ضرورتوں کے دو حصے ہوا کرتے ہیں (۱) وہ حصہ کہ اسکی تکمیل جب ہی ہوتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کے ضرر اور نفع کو اپنا ہی ضرر و نفع سمجھے یہ امر جب ہی پورا ہوسکتا ہے کہ ہر شخص دوسرے کے خلوص و محبت میں پوری طاقت صرف کرے اسلئے نفقہ کا اور وراثت کا التزام ہوا کرتا ہے اسوجہ سے جانبین میں سے ہر شخص کو ایسی ایسی امداد کا التزام کرنا پڑتا ہے کہ نقصان کے عوض میں کسی قدر متمتع ہونے کا بھی موقعہ حاصل ہوسکے اس انداز سے کے قابل رشتہ داروں کی حالت ہوا کرتی ہے ان کی باہمی محبت اور رفاقت قدرتی امر سا ہوتا ہے ضرورتوں کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت بالا سے کسی قدر اُن کا درجہ کم ہوتا ہے اسلئے اہل مصائب کی ہمدردی اور مواساۃ لوگوں میں مسلم قانون بن گیا ہے اور ان سب میں صلہ رحم کا سب سے زیادہ مضبوطی سے اہتمام کیا جاتا ہے اس خانگی تدابیر کے اہم بالشان مسائل یہ ہیں۔

(۱) اُن اسباب کا دریافت کرنا جو تزویج یا ترکیب ازدواج کے باعث ہوتے ہیں۔

(۲) خاوند کے وہ فرائض کہ جن سے معاشرت قائم رہے اور فواحش و ننگ و عار سے اہلیہ کا ناموس محفوظ رہے۔

(۳) اہلیہ کے فرائض پارسائی خاوند کی اطاعت خانہ داری کی مصلحتوں میں پوری طاقت صرف کرنا۔

(۴) جب باہم دونوں میں نفرت ہوجائے تو مصالحت کیسی کروائی جائے۔

(۵) طلاق کا طریقہ۔

(۶) خاوند کی وفات کے بعد ماتمی حالت میں بسر کرنا۔

(۷) اولاد کی تربیت۔

(۸) والدین کی خدمات ۔
(۹) غلاموں کا انتظام اور نیز احسانات ۔
(۱۰) غلاموں کی اپنے آقاؤں کی نسبت شکرگزاری ۔
(۱۱) آزادی کا طریقہ ۔
(۱۲) رشتہ داروں اور ہمسایوں سے صلہ رحم کرنا ۔
(۱۳) شہر کے حاجتمندوں کے ساتھ ہمدردی اور جو مصائب ان پر جاری ہوں ان کی مدافعت کی کوشش ۔
(۱۴) خاندان کے نقیب کا ادب اور عزت ۔
(۱۵) نقیب کا حالات خاندانی پر نظر رکھنا ۔
(۱۶) وارثوں میں ترکہ کی تقسیم ۔
(۱۷) اپنی مذہبی امور کی پابندی، ان لوگوں میں سے کسی جماعت کو نہ پاؤ گے کہ ان ابواب کے اصول پر انکو اعتقاد ہو ان کے مذہب میں اختلاف ہونے کے معنی جدا جدا ہوں لیکن ان امور کے قایم کرنے میں سب کو سعی اور کوشش رہتی ہے واللہ اعلم ۔

باب ۲۲
معاملات کے فن میں

یہ حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں باہمی مبادلوں کا ایک دوسرے کی دستگیری اور پیشوں کا بیان کیا جاتا ہے اسمیں اصلی امر یہ ہے کہ جب ضرورتوں کی کثرت ہوئی اور سب ضرورتوں کا مہیا کرنا مطلوب ہوا اور یہ قصد کیا گیا کہ ایسی شائستگی سے یہ ضرورتیں سب مہیا کی جائیں کہ جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک ہو اور دلوں کو لذت معلوم ہو تو ہر شخص سے اس طرح پر ان کا سرانجام متعذر ہوا اور بعض لوگوں کے پاس غذا حاجت سے زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے پاس پانی نہیں ہوتا اور بعض کے پاس پانی حاجت سے زیادہ ہوتا ہے لیکن غذا کافی نہیں ہوتی تو ان صورتوں میں بجز مبادلہ کے اور کوئی طریقہ ان کے حصول کا نہیں ہوتا اسلئے باہمی مبادلے ضرورتوں کی دقتیں رفع کرنے کے لئے قرار دیئے گئے اور ضرورۃً یہ قرار پایا گیا کہ ہر شخص ایک ایک ضرورت کے سرانجام کی طرف متوجہ ہو اس کو خوب مستحکم کرے اسی کے تمام وسائل کے مہیا کرنے کی کوشش کرے اور اپنی اور ضرورتوں کو مبادلوں کی وجہ سے کسی ذریعہ سے رفع کرے سب لوگوں کی نظر میں یہ ایک مسلم قانون ہو گیا ہے اکثر لوگوں کو کسی خاص چیز کی رغبت ہوتی ہے یا کسی چیز سے بے رغبتی ہوتی ہے لیکن اس حالت میں ایسا کوئی شخص نہیں ملا کرتا جس سے معاملہ کیجیے اور چونکہ پہلے ہی سے ایسے امور کے سرانجام کی ضرورت پڑا کرتی ہے اسلئے سب لوگوں نے قرار دیا کہ معدنی جوہروں کو ان اغراض کے لئے معین کریں یہ جوہر زیادہ دیرپا ہیں اسی سے ان کا ہونا سب کی نظر میں مسلم ہو گیا ہے اور ان معدنی

جوہروں میں سے سونا اور چاندی زیادہ موزون تھے اسلئے کہ ان کا حجم چھوٹا ہوتا ہے اور ان دونوں کے تمام بھی یکساں ہوتے ہیں اور بدن انسانی کے لئے وہ نافع بھی بہت ہیں ان سے زینت بھی ہوتی ہے تو گویا یہ دونوں قدرتی طور پر نقد تھے اور دوسری معمولی چیزیں قرار دینے سے نقد ہو جاتی ہیں

کسب کے اصول میں سے زراعت ہے اور چار پایوں کو چرانا اور بر و بحر کے مباح مالوں معدنیات نباتات حیوانات کا جمع کرنا ہے۔ یا نجاری آہنگری بوریا بافی وغیرہ کی دستکاریاں ہیں جن کے ذریعہ سے قدرتی جوہروں کو اس قابل کر لیتے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے اور ہر طرح میں استعمال کرنے کے لائق ہو جائیں ان کے بعد تجارت پیشہ ہو گیا پھر ملکی مصالح کا سرانجام دینا بھی پیشہ قرار دیا گیا اس کے بعد اور تمام انسانی ضرورتوں کا مہیا کرنا پیشہ ہو گیا لوگ جتنی ترقی کرتے جاتے ہیں اور لذائذ اور عیش و آرام کو جتنا زیادہ بڑھاتے جاتے ہیں اسی قدر مطالب کے اطراف و جوانب و متعلقات روز بروز پھیلتے جاتے ہیں ہر شخص کا کسی خاص پیشے سے تعلق دو وجہوں سے ہوا کرتا ہے۔

(۱) قوتوں کی مناسبت سے مثلاً شجاع و دلیر آدمی فنون جنگ کے مناسب ہوتا ہے اور زیرک قوی الحافظہ حساب کتاب کے لئے اور نہایت توانا باربرداری کے لئے اور مشقت و محنت کے کاموں کے لئے (۲) موجودہ اتفاقات کی وجہ سے مثلاً آہنگر کے بیٹے اور ہمسائے کیلئے آہنگری کا پیشہ جیسا آسان ہو سکتا ہے دوسرے کے لئے نہیں ہو سکتا اور کنارہ دریا کے باشندوں کے لئے مچھلی کا شکار جیسا آسان ہو سکتا ہے دوسرے کے لئے نہیں ہے۔ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مطالب کے عمدہ طریقوں کا اختیار کرنا ان کو دشوار ہوتا ہے اس لئے وہ ایسے پیشے اختیار کر لیا کرتے ہیں جو ملک کے لئے ضرر رسان ہوا کرتے ہیں مثلاً چوری۔ قمار بازی۔ مبادلے کی بھی صورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں کبھی تو شے کا شے سے ہوتا ہے جیسے کہ خرید و فروخت اور کبھی کسی شے کو دیکر اس کے بدلے میں منفعت حاصل کر لیا کرتے ہیں اس کو مزدوری کہتے ہیں اور چونکہ ملک کا انتظام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا ہے کہ لوگوں میں باہم ہمدردی اور الفت پیدا ہو اور الفت کا مقتضا ہوتا ہے کہ ضروری چیزیں بغیر معاوضہ کے فیاضانہ طور پر دی جایا کریں اس لئے ہبہ اور رعایت کی صورتیں پیدا ہوئی ہیں اور ہمدردی کا مقتضا یہ بھی ہے کہ حاجتمندوں اور فقیروں کی کار برآری کی جائے اس لئے صدقہ اور خیرات کا طریقہ مقرر ہوا ہے۔

سلسلۂ اسباب کی وجہ سے سب لوگ یکساں حالت میں نہیں ہوتے بعض احمق ہوتے ہیں اور بعض کارگزار بعض مفلس اور بعض تونگر بعضوں کو دھندے کا موقع ملا کرتا ہے بعضوں کو کچھ کام نہیں ہوتا بعض لوگوں پر ضرورتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور بعض فارغ البال ہوتے ہیں اس لئے ہر ایک کی معاش کا پورا سامان جب ہی ہو سکتا ہے کہ دوسرے کی جانب سے اعانت ہو اور بغیر عقد اور شرائط کے اور بغیر اس کے کہ سب لوگ ایک طریقہ مقرر کریں اعانت ہو نہیں سکتی اسلئے مزارعت مضاربت۔ شرکت وکیل مقرر کرنا قرار دیا گیا ہے ضرورتوں کی وجہ سے قرض لینا پڑتا ہے ودیعت رکھنی ہوتی ہے اور ہمیں تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خیانت۔ انکار سستی کیا کرتے ہیں اسلئے گواہوں۔ تحریر دستاویزات رہن۔ کفالت۔ حوالے کی حاجت ہوا کرتی ہے اور لوگ جتنے خوشحال اور آسودہ ہوتے ہیں اتنے ہی اعانتوں کے

اقسام پھیلتے جاتے ہیں لوگوں میں سے تم کوئی فرقہ ایسا نہ پاؤ گے جو ان معاملات کا برتاؤ نہ کرتے ہوں اور انصاف اور ظلم میں تمیز نہ کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

باب ۲۳

سیاست مدن کے بیان میں

سیاست مدن حکمت کے اس حصہ کا نام ہے جس میں ان تعلقات کے حفظان کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو باہم اہلِ شہر کے مابین ہوا کرتے ہیں۔ شہر سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو قریب قریب آباد ہوں ان میں باہم معاملات ہوتے رہیں اور جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں۔ سیاست مدن میں اصل امر یہ ہے کہ تعلقات کی وجہ سے شہر گویا ایک شخص ہوا کرتا ہے جس کی ترکیب اجزا اور مجموعی حیثیت سے ہوتی ہے ہر مرکب چیز میں ممکن ہے کہ اس کے مادہ یا صورت میں کوئی نقصان اور خرابی پیدا ہو جائے اس کو کوئی مرض ہو جائے یعنی اس میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ نوعی احکام کیلئے کوئی دوسری حالت زیادہ مناسب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مرکب صحت کی حالت میں رہے یعنے وہ اپنی ذاتی رونق اور خوبیوں کی وجہ سے مکمل حالت میں ہو چونکہ شہر میں بڑی بڑی جماعتوں کا مجمع ہوا کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ سب کے سب اس پر متفق الرائے ہو جائیں کہ راہ راست کی حفاظت میں مجموعی کوشش کریں اور بغیر کسی ممتاز منصب اور رتبے کے ایک دوسری کی روک ٹوک بھی نہیں کر سکتا اس سے جنگ و جدل کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے شہر کا پورا انتظام جب ہی ہو سکتا ہے کہ تمام اہلِ حل و عقد ایک شخص کو اپنا آقا قرار دیں وہ پر شوکت ہو اعوان و انصار کی ایک جماعت اسکے ہمراہ ہو۔ جو لوگ نہایت سنگدل تیز مزاج خونریزی اور غصہ میں بیباک ہونگے انکو سیاست کی ضرورت اور زیادہ ہوگی۔ سیاست مدن میں بڑی خرابی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بد ذات لوگوں کی ایک جماعت جن کو قوت اور شوکت حاصل ہو نفسانی خواہشوں اور راہ راست کے ترک کرنے پر متفق ہو جائے ایسا اتفاق کئی طرح پر ہوتا ہے۔

(۱) لوگوں کے مال و متاع کی طمع سے جیسے راہزن لوگ۔

(۲) لوگوں کو غصہ اور کینے کے سبب سے ضرر رسانی۔

(۳) ملک اور حکمرانی کی آرزو جسکی وجہ سے لوگوں کے جمع کرنے اور جنگ قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی خرابی کا باعث ظالم شخص کا کسی کو مار ڈالنا یا زخمی کرنا یا زد و کوب کرنا ہے۔ یا کسی شخص کی اہلیہ میں مزاحمت کرنا اسکی بیٹیوں اور بہنوں کی ناحق طمع کرنا یا کسی کا مال علانیہ غصب کرنا۔ یا چوری سے لے لینا یا کسی شخص کی بے آبروئی کرنا۔ اس کو کسی قابل نفرت قبیح امر سے منسوب کرنا۔ یا سختی سے گفتگو کرنا اور نیز ان کاموں سے بھی خرابی ہوا کرتی ہے جو شہر کے لئے مخفی طور پر مضر ہوتی ہیں۔ جیسے بے خبر زہر خورانی۔ لوگوں کو فساد کرنے کی ترغیب و تعلیم دینی۔ بادشاہ کے مقابلے میں رعیت کو اور آقا کی نسبت غلام کو اور شوہر کے حق میں اہلیہ کو مکر و فریب پر آمادہ کرنا اور نیز تمدن کے خلاف وہ خراب عادات ہیں جن سے اہم کی منفعتیں تلف ہو جاتی ہیں۔ جیسے لواطت نکاح با ہمشیرہ چار پایوں سے مجامعت

کرنا یہ سب امور نکاح سے باز رکھتے ہیں، یا وہ عادات ہیں جو فطرتِ سلیم کے مقتضا کے خلاف ہوتے ہیں جیسے مرد ہو کر زنانہ پن اختیار کرنا اور عورت کو مردانہ روش اختیار کرنی یا اُن عادات سے بڑے بڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی عورت سے کوئی خصوصیت نہ ہو اور چند لوگ اُس سے تعلق پیدا کر لے ایک دوسرے کی مزاحمت اختیار کریں شراب کی کثرت بھی ایسی ہی مذموم عادت ہے اور بعض معاملات ایسے ہوا کرتے ہیں جن سے تمدن کو مضرت پہنچتی ہے جیسے قمار۔ دو نا دو نا سود کھانا، رشوت لینا، پیمانہ اور وزن میں کمی کرنی کسی جنس میں عیب کو مخفی رکھنا، تاجروں نے شہر کے باہر ہی باہر مال خرید لینا غلہ کو بند کر رکھنا، خود خریداری کا قصد نہ ہو اور مال کی تعریف کر کر کے دوسرے کو دھوکہ دینے کو قیمت بڑھا دینا اور ایسے ہی باہمی مقدمات ہیں جن میں ہر ایک شخص شبہ دلیل پیش کرتا ہو اور اُن کا صاف صاف حال معلوم نہ ہوتا ہو۔ اسوجہ سے دلایل قسموں۔ دستاویزات۔ قراین واقعات۔ وغیرہ کی ضرورت پڑا کرتی ہے اور راہ راست پر اُن کو لانا پڑتا ہے۔ ترجیح حق کی وجہ ظاہر کرنی پڑتی ہے فریقین کے مکاید وغیرہ معلوم کئے جاتے ہیں ۔

اور شہریت کے لئے یہ بھی مضر ہے کہ شہر کے رہنے والے بادیہ نشینی اختیار کریں یا کسی دوسرے شہر میں جا بسیں یا سب ایسے مکاسب پر جھک پڑیں جن سے تمدن کو نقصان پہنچے مثلاً زراعت چھوڑ کر سب تجارت پیشہ ہو جائیں یا اکثر لوگ لڑائی کا پیشہ اختیار کریں۔ مناسب یہی ہے کہ زراعت پیشہ لوگ بمنزلہ غذا کے قرار دئے جائیں اور دستکار، تاجر، محافظین ملک بجائے نمک کے سمجھے جائیں جن سے گویا غذا کی اصلاح ہو جاتی ہے مضر درندوں اور موذی پرندوں کا بھی پھیلنا باعث ابتری ہوتا ہے انکے فنا کرنے کی بھی کوشش ہونی چاہئے اور شہر کی پوری حفاظت اُن عمارتوں کے بنانے سے ہوتی ہے جن میں سب کا مشترک نفع ہو مثلاً شہر پناہیں سرائیں قلعجات۔ سرحدیں۔ بازار۔ پلیں وغیرہ اور ایسے ہی کنوؤں کا کھدوانا چشموں کا نکالنا کشتیوں کا دریا کے کنارے پر فراہم کرنا ہے اور نیز سوداگروں کو مانوس و مالوف کر کے اسپر آمادہ کرنا کہ باہر سے اجناس وغیرہ لائیں شہر والوں کو سمجھا دینا کہ مسافروں سے خوش معاملگی کریں۔ اسکی وجہ سے سوداگروں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے زراعت پیشہ لوگوں کو اسپر آمادہ کرنا کہ کوئی زمین کاشت سے چھوٹی نہ رہے۔ دستکاروں پر تاکید کرنا کہ چیزوں کو عمدہ اور خوب مضبوط بنائیں شہر والوں کو فضائل کے تحصیل پر آمادہ رکھنا علم خط حساب تاریخ طب اور پیش بینی کے عمدہ عمدہ طریقوں کی تکمیل کرانا۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ شہر کے تمام حالات کی اطلاع ملتی رہے تا کہ مفسد اور خیر اندیش کا حال معلوم ہو جائے اگر کسی محتاج کا حال معلوم ہو تو اعانت ہو سکے اگر کوئی عمدہ دستکار ہے تو اُس سے مدد لی جائے اور اس زمانے میں شہروں کی ویرانی کے دو بڑے باعث ہیں ۔

(۱) لوگوں پر بیت المال کو تنگ کر دینا۔ غازیوں اور اُن علما کی جن کا بیت المال میں حق ہے اور اُن شعرا زہاد وغیرہ کی جنکے ساتھ سلاطین سلوک ہوا کرتے ہیں یہ عادت ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنا طریق معاش بیت المال کو سمجھ رکھا ہے یہ لوگ کوئی خدمت نہیں کرتے انکا گذارہ بیت المال سے ہوتا ہے ۔

اسلئے یکے بعد دیگرے یہ لوگ بڑھتے جاتے ہیں اور باعث تفرق ہو کر شہر پر یک بار حاوی ہو جاتے ہیں۔
اور وجہ مزارعین اور سوداگروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس بڑھنے اور مقرر کرنا ویرانی کا باعث ہے اس کی وجہ سے
فرمانبردار لوگوں کا استیصال ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ درپے بغاوت ہو جاتے ہیں۔ تمدن کی
اصلاح خفیف لگان سے اور بقدر ضرورت محافظین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے اہل زمانہ کو اس نکتہ سے
واقف رہنا چاہئے واللہ اعلم۔

باب ۲۴

بادشاہوں کی سیرت میں

بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ اُن اخلاق سے موصوف ہو ورنہ وہ شہر پر بار ہو جاویگا۔ اگر اُس میں شجاعت
نہ ہوگی تو وہ اپنے مخالفوں سے پورا مقابلہ نہ کر سکیگا رعیت اس کو ذلت کی آنکھ سے دیکھیگی۔ اگر اسمیں حلم کی صفت
نہ ہوگی تو وہ سطوت سے ان کو برباد کر دیگا۔ اگر علیم نہ ہوگا تو مناسب تدبیر کو مستنبط نہ کر سکیگا بادشاہ کو چاہئے کہ عقلمند بالغ
آزاد مرد ہو ذی عقل ہو۔ بینا شنوا اور گویا ہو لوگ اس کی اور اس کے خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں۔ اس کے
آباؤ اجداد کے عمدہ خصائل کو لوگ دیکھ چکے ہوں اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالح ملکی کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی
نہیں کرتا۔ یہ سب امور عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور تمام فرقوں نے اس پر اتفاق کیا ہے ان کے شہروں میں
کیسا ہی بعد کیوں نہ ہو اور وہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں اسلئے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرر کرنے
سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر امور بالا کے کمل نہیں ہو سکتی۔ اگر بادشاہ ان امور میں فروگذاشت کریگا تو لوگ اسکو خلاف
متصور کرینگے اور اس سے بیزار ہو جائینگے اور اگر خاموش بھی رہینگے تو درپردہ ان کی طبیعتوں میں غصہ بھرا رہیگا۔ اور بادشاہ
کو مناسب ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں میں اپنے اعزاز کو پیدا کرے اور پھر اعزاز باقی رکھنے کا اہتمام کرے مناسب تدبیر
سے ان امور کا تدارک کرتا ہے جو اسکی شان کے منافی ہوں اور اس سے سرزد ہوں۔ جو بادشاہ اپنے جاہ و مرتبے کو قائم
رکھنا چاہے اُس کو چاہئے کہ ان اعلے ترین اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جو اس کے مرتبہ ریاست کے شایان ہوں
مثلاً شجاعت و شوکت سے فیاضی سے زیادتی کرنے کی حالت میں معافی عام منفعت کے اہتمام میں ان ترکیبوں کا خیال رکھے
جن کو کہ صیاد وحشی جانوروں کے صید کرنے میں کیا کرتا ہے صیاد جب نیستان میں جاتا ہے تو آہوؤں کو دیکھکر ان صورتوں کو
سوچتا ہے جو آہوؤں کی طبیعتوں اور عادتوں کے مناسب ہوا کرتے ہیں انہیں صورتوں کے لئے وہ آمادہ ہوتا ہے پھر
دور سے ان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے ان کی آنکھوں اور کانوں کی طرف سے نگاہ کو نیچا کر لیتا ہے آہوؤں کی جانب
سے جب اس کو ذرا سا بھی کھٹکا معلوم ہوتا ہے تو فوراً سم کر ایسا کھڑا ہو جاتا ہے جیسے پتھر ذرا بھی حرکت نہیں ہوتی اور
جب اس کو کسی قدر تسلی ہو جاتی ہے تو نہایت نرمی اور آہستگی سے آگے کو بڑھتا ہے کبھی اس کو نغمہ سے خوش کرتا
ہے کبھی اس کے سامنے اپنا چارہ ڈالتا ہے جس کو وہ بہت پسند کرتا ہے۔ بادشاہ خود بھی بالطبع فیاض ہو فیاضی

ست اس کی غرض لوگوں کا صید کرنا ہو۔ نعمتوں سے منعم کی محبت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ محبت کی زنجیر آہنی زنجیر سے
زیادہ سخت ہوا کرتی ہے ایسے ہی جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش رکھنا چاہتا ہے تو اس کو مناسب ہے
کہ ایسا لباس، گفتگو، ادب اختیار کرے جس کی جانب لوگوں کے دلوں کو کشش ہو اور آہستہ آہستہ ان سے
قریب ہوتا جائے اور اخلاص و محبت کو بغیر اس طرز کے ظاہر کرے کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے وہ
سمجھ جائیں کہ یہ مہربانیاں صرف ان کے شکار کرنے کو ہیں اور خوب ان کی دلنشین کر دے تو اس کا مشن کے
جہاں تک ممکن ہے اور جب تک لوگوں کے دلوں میں اس کی فضیلت اور فوقیت خوب بیٹھ نہ جائے برابر سعی
کوشش میں اس کو رہنا چاہئے یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ ان کے سینوں میں بادشاہی
محبت و تعظیم بھر گئی ہے ان کے اعضا میں نیاز مندی اور فروتنی سرایت کر گئی ہے اب بادشاہ کو ان سب امور
کی نگرانی چاہئے۔ کوئی امر ایسا پیش نہ آئے جس کی وجہ سے ان کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو اگر بالفرض کوئی
کوتاہی پیش بھی آجائے تو فوراً اس کا تدارک کرنے اپنے لطف و احسان کرے اور ظاہر کر دے کہ جو کچھ عمل میں آیا
ہے بمقتضائے حکمت عملی آیا ہے یہ ان کے فائدے کے لئے ہوا ہے نہ مضرت کے لئے اور ان سب امور
کے بعد بادشاہ کو اپنی فرمانبرداری ثابت کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ سرکشوں سے انتقام لے جس شخص کا
حال معلوم ہو کہ اس نے جنگ میں یا خراج وصول کرنے یا کسی اور تدبیر میں کوئی کارنمایاں کیا ہے تو اس پر زیادہ
دادو دہش کرے اس کے مرتبہ کو بلند کرے اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آئے اور جس شخص کی خیانت ثابت
اور افتراق بادشاہ کو معلوم ہو اس کے وظیفہ کو گھٹا دینا چاہئے اس کے مرتبے کو کم کر دینا چاہئے اس سے ترش روئی کرلی
چاہئے اور بادشاہ کو بہ نسبت عام لوگوں کے زیادہ تونگری کی بھی ضرورت ہے اور بادشاہ کو مناسب ہے کہ لوگوں کو زیادہ
تنگ نہ کرے۔ مردہ زمینوں کو زندہ کرنے پر ان کو مجبور نہ کرے اور دور دراز کی حمایت اور حفاظت نہ کرے اور
کسی سے نہایت سخت گیری کرے تو پہلے اہل حل و عقد کو ثابت کر دے کہ یہ اسی کا مستحق ہے مصلحت ملکی اسی
کی مقتضی ہے اور بادشاہ کو چاہئے کہ اس میں نہایت فراست کا مادہ ہو دلوں کے راز سمجھ سکتا ہو جس میں ایسی
صفت ہو کہ اس کے سامنے ایسے ٹھیک ہوں جیسا کسی چیز کو دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے اور بادشاہ کے لئے ضرور
ہے کہ ضروری امر کو کل پر نہ چھوڑے اور اگر رعیت میں سے کسی کو ایسا پائے کہ اس کے دل میں بادشاہ کی جانب
سے عداوت ہو تو جب تک اس کو بر سر نہ کر دے اور اس کی طاقت کو ضعیف نہ کر دے اس کو تسلی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

باب ۲۵

اپنے اعوان و انصار کی سیاست کے بیان میں

جب بادشاہ خود تمدن کی مصلحتوں کا کارپرداز نہیں ہو سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کام کے
واسطے اس کے پاس معاون ہوں۔ معاونین میں یہ شرط ہے کہ ان میں امانت کی صفت ہو اور جو خدمت ان کے

متعلق کیگئی ہے وہ اس کی بجا آوری کریں اور بادشاہ کے ظاہر و باطن میں فرمانبردار و مخلص ہوں جب معاون میں
بدصفت ہو گی وہ معزول کرنے کے لائق ہے اگر بادشاہ اس کے معزول کرنے میں سستی کریگا تو گویا وہ شہر کیساتھ
بدخواہی کریگا اور اپنی حالت کو خراب کریگا اور یہ بھی مناسب ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنا معاون نہ بنائے جن کا معزول
کرنا دشوار ہو یا قرابت وغیرہ کے سبب سے وہ ملکی حقدار سمجھے جاتے ہوں اسلئے کہ ایسے لوگوں کا معزول کرنا بھی نہایت
مشکل ہے اور بادشاہ اپنے مخلصین کی بخوبی تمیز رکھے بعض لوگ تو کسی طمع یا امید کے لئے خلوص ظاہر کیا کرتے
ہیں ایسے لوگوں کو کسی حیلہ اور ذریعے سے اپنی حد پر رکھنا چاہئے اور بعض بے غرضانہ بادشاہ کے مخلص ہو
کرتے ہیں بادشاہ کا نفع انہی کا نفع اور اس کا نقصان ان کا نقصان ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں کی محبت صاف
بے غل و غش ہوتی ہے ہر شخص کی ایک خاص پیدائشی طبیعت اور ایک خاص عادت ہوتی ہے جس کا وہ عادی
ہوا کرتا ہے اور بادشاہ کو یہی مناسب ہے کہ ہر شخص کی حیثیت و عادت سے زیادہ خدمت کی توقع نہ کرے معاونین
کی خدمتیں مختلف ہوا کرتی ہیں انہیں سے ایک حصہ مخالفین کی شر سے ملک کی پاسبانی کرتا ہے ان کی ایسی مثال ہے
جیسے کہ بدن انسانی میں ہاتھ ہتھیاروں کو تھامے ہوئے اور ایک حصہ شہر کی تدابیر کا منتظم رہتا ہے جیسے بدن انسان
میں مدرکہ قوتیں اور ایک حصہ ملکی مشیروں کا ہوتا ہے جیسے آدمی کے لئے عقل اور حواس۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ
روزانہ معاونین کی حالت کو دریافت کرکے تمام واقعات اصلاح و خرابی کو معلوم کرتا رہے اور چونکہ بادشاہ اور تمام کارکن
شہر کی مفید خدمتوں میں مصروف رہتے ہیں اسلئے شہر کو ان کی مصارف کی کفالت کرنی چاہئے اور ضرور ہے کہ وہ
ٹیکس اور خراج جمع کرنے میں ایسا راہ راست اختیار کیا جائے جس میں لوگوں کو ضرر نہ پہنچے اور حوائج کے لئے کافی
ہو جائے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر شخص اور ہر ایک مال سے ٹیکس وصول کیا جائے اور تمام مشرقی و مغربی
قوموں کے سلاطین نے خاص لحاظ کرکے اتفاق کیا ہے کہ مالداروں اور پیشوں سے محصول وصول کیا جائے اور
ان مالوں سے جو ترقی پذیر ہیں جیسے نسل والے چارپائے اور زراعت و تجارت اگر کبھی زیادہ خراج لینے کی ضرورت
ہوتی ہے تو پیشہ وروں سے وصول کیا جاتا ہے اور بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ لشکروں کی سیاست اسطرح کرے
جیسے ایک ماہر شہسوار گھوڑے کی درستی کرتا ہے وہ ہر ایک قسم کی چال پویہ دوڑ قدم سے واقف ہوتا ہے
گھوڑے کے تمام بُرے عادات توسنی وغیرہ کو بخوبی جانتا ہے چابک لگانے ایڑ وغیرہ سے گھوڑے کی بخوبی
تنبیہ کرنے کو سمجھتا ہے اور خوب ان امور کا لحاظ رکھتا ہے جب کوئی ناپسندیدہ حرکت وہ کرتا ہے یا پسندیدہ حرکت
کو ترک کرتا ہے تو اس کو اسطرح تنبیہ کرتا ہے کہ اس کی طبیعت اس کو قبول کرلیتی ہے اور جس سے اس کی
ضد دور ہو جاتی ہے اس تنبیہ میں شہسوار کو یہ لحاظ رہتا ہے کہ اسکی طبیعت پریشان نہ ہو جائے اور جس سبب سے
اس کو مارا ہے اسکو سمجھ سکے اور جس امر کو وہ گھوڑے کے سامنے پیش کرتا ہے اسکی صورت گویا اس کے
سامنے کھڑی کر دیتا ہے اور خوب اسکے دل میں بٹھا دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں سزا کا خوف جما دیتا ہے اور
جب غرض کے موافق اس سے بخوبی کام ہونے لگتے ہیں تو وہ اس کی مشاقی کو جب تک ترک نہیں کرتا جبتک

یہ نہیں دیکھ لیتا کہ اغراض مطلوبہ اس کی صحبت اور معاونت ہوسکتی ہیں اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر روک ٹوک نہ کی جائیگی تو خلاف اغراض کیطرف میلان کریگا ایسے ہی لشکروں کے منتظم پر بھی یہ ضروری ہے کہ مقصود طاقتوں کو خوب پہچان سکے کہ کون کون سے امور کرنے کے قابل ہیں اور کون سے امور انجام کرنے کے لائق اور ان امور سے بھی واقفیت ہو کہ جیسے شادیوں کو منتظم کرتے ہیں اور منتظم کو چاہئے کہ ان امور کو کبھی ترک نہ کرے اور معاونین کی تعداد محدود نہیں ہے شہر کی حقیقی ضرورتیں جس قدر ہوتی ہیں ان ہی کے موافق معاونین کی تعداد ہوا کرتی ہے کبھی اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک کام کے لئے دو معاون ضروری ہوتے ہیں اور کبھی دو خدمتوں کے لئے ایک ہی معاون کافی ہوتا ہے لیکن اصلی معاون پانچ قسم کے ہوتے ہیں اول قاضی قاضی میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں کہ وہ مرد بالغ اور عاقل ہو پوری طرح اپنی خدمت کو انجام دے سکے معاملات کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو ان کے دل سے خوب واقف ہو کہ اثنائے خصومت میں مدعی مدعا علیہ کیا کرتے ہیں اس میں صفت سختی و حلم کی ہو اور دونوں پر خوب غور کرے اور دوسرا امیر لشکر امیر لشکر کو چاہئے کہ سامان جنگ اور دلیری اور شجاعت پیشہ لوگوں میں باہم الفت قائم رکھے اور خوب جانتا ہو کہ ہر شخص کہاں تک نفع پہنچ سکتا ہے لشکروں کی ترتیب جاسوسوں کے مقرر کرنے کی کیفیت اسکو خوب معلوم ہو اور مخالفین کی فیدوں سے بخوبی آگاہ ہو۔ اور تیسرا منتظم شہر منتظم شہر کا تجربہ کار ہونا چاہیے جو شہر کی درستی اور خرابی کے طریقوں سے خوب واقف ہو آئین سختی کے ساتھ حلم بھی ہو اور ایسے خاندان کا ہو جو ناپسندیدہ امر کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں اور منتظم شہر کو یہ بھی مناسب ہے کہ ہر قوم کے لئے انہی میں سے ایک نقیب مقرر کرے جو اس قوم کے حالات سے پورا واقف ہو اس نقیب کے ذریعہ سے اس قوم کے تمام حالات منتظم رہ سکتے ہیں اور اس قوم کی حالت کی دار و گیر اس نقیب کے ذریعہ سے کی جاسکتی ہے اور چوتھا عامل۔ عامل کو چاہئے کہ مالوں پر محصول لینے کی کیفیت سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ مستحق لوگوں پر اس آمدنی کو کیسی تقسیم کرسکتے ہیں اور پانچواں وکیل۔ جو بادشاہ کے تمام ان امور کا متکفل ہو جو اس کے معاش کے متعلق ہیں اسلئے کہ بادشاہ اشغال ملکی کیوجہ سے اپنی اصلاح معاش کیطرف توجہ نہیں کرسکتے۔

باب ۳۶
منافع چہارم کے بیان میں

حکمت کا وہ حصہ ہے جسمیں شہروں کے حکام اور بادشاہوں کی حکمرانی کا بیان کیا جاتا ہے اور ان تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو مختلف اقالیم کے باشندوں کے باہمی ہوا کرتے ہیں۔ جب ہر ایک بادشاہ اپنے اپنے شہر پر بالاستقلال حکومت کرتا ہے ہر ایک کو مالی حصہ ملتا ہے دلیر صفت لوگوں کی جماعتیں اس سے آملتی ہیں تو مزاجوں کے اختلاف اور استعدادوں کی یکسان حالت نہ ہونے سے ان میں جور و تعدی کا مادہ آجاتا ہے اور رہنمائی کے راستے کو ترک کرکے ایک دوسرے کے شہر چھین لینے کی سعی کرتے ہیں جزئی خیالات

جس کے باعث ہوتے ہیں مثلاً کسی کو مال خوش ہوتی سے کسی کو اشتی کے یا صرف رشک و حسد کے سبب سے
اُن میں باہمی رنجشیں پیدا ہو کر نوبت جنگ و جدال کی آ جاتی ہے جب بادشاہوں میں یہ خرخشے پڑتے رہتے
ہیں اس لئے ان امور کی اصلاح کے لئے خلیفہ کی ضرورت پڑتی ہے خلیفہ سے ایسا شخص مراد ہے جس کے قبضہ میں اتنی لشکر
اور سامان ہوں کہ دوسرے شخص کا اس سے ملک لینا بہت ہی ناممکن ہو ایسے شخص سے ملک کو لینا جب ہی
ممکن ہوتا ہے کہ نہایت درجہ کوشش و محنت کی جائے بہت سی جماعتیں متفق ہوں بکثرت مال صرف کیا جائے
ایسا اہتمام لوگوں سے نہیں بن پڑتا عادۃً ایسا ہونا ناممکن ہے جب خلیفہ قرار پا جاتا ہے وہ ملک میں اپنی عمدہ
سیرت کا وہ عملدرآمد کرتا ہے اور تمام زبردست لوگ و شاہ اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں تو خدا کی نعمت کامل ہو جاتی
ہے شہروں اور لوگوں میں خاموشی پیدا ہو جاتی ہے ان خرابیوں کے دور کرنے کے لئے جو لوگوں کو درندہ طبیعت لوگوں سے
پہنچتے ہیں کہ ان کے اموال کو وہ تاخت و تاراج کرتے ہیں ان کی اولادوں کو اسیر کر لیتے ہیں ان کے ننگ و ناموس
کی پردہ دری کرتے ہیں خلیفہ کو جنگ کرنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے اسی ضرورت کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے
نبی سے کہا تھا ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ رحمت سے لئے ایک بادشاہ بھیجو تاکہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں اور ابتداءً
جب نفسانی خواہشوں یا درندوں کی سیرت پیدا کر لینے سے لوگوں کی حالت خراب ہو جاتی ہے اور وہ ملک میں
خرابیاں پیدا کرتے ہیں تو بواسطہ انبیاء کے ذریعہ سے خدا سبحانہ الہام فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا رعب و داب اٹھا
دیا جائے اور ان میں جو بالکل قابل اصلاح نہ ہوں وہ قتل کر دیا جائے اس قسم کے لوگ نوع انسانی میں ایسے ہوتے ہیں
جیسے کوئی عضو گل گیا ہو بیماری سے ماؤف ہو جائے ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع
اگر خدا لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو گرجے اور عبادت خانے منہدم کر دیئے جاتے اسی
ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسی لئے خدا نے فرمایا ہے وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ ان سے جنگ
کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو اور خلیفہ بغیر مالی طاقت اور لوگوں کی زبردست جماعتوں کے بادشاہوں سے مقابلہ
کرکے ان کے رعب و داب کو اٹھا نہیں سکتا ہے اور ان امور کے لئے ضرور ہے کہ خلیفہ ان اسباب سے واقف ہو
جو جنگ و صلح کے مقتضی ہوا کرتے ہیں خراج اور جزیہ لگانے کے طریقوں کو جانتا ہو اس کو یہ بھی تامل کرنا چاہئے
کہ مقابلے سے کیا مقصود ہے کسی ظلم کا دفع کرنا ہے یا ناپاک درندوں کی سی طبائع کا تباہ کرنا جن کی اصلاح سے بالکل
مایوسی ہو یا ان لوگوں کے رعب و داب کو گھٹانا جو ناپاکی میں پہلو کی نسبت کم درجے کی ہیں یا کسی قوم مفسد ملک کی
قوت کو اس طرح توڑنا کہ ان کے مدبر سردار قتل کر دیئے جائیں یا ان کے مالوں اور اراضی کی ضبطی کی جائے یا رعیت
کا رخ ان سے پھیر دیا جائے خلیفہ کو زیبا نہیں ہے کہ کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے اس سے زیادہ سخت
و مشکل امر میں پھنس جائے مثلاً ایک غوغہ کے لئے اپنے رفقا کی ایک عمدہ جماعت کو فنا کر دے خلیفے کا فرض ہے
کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیر سکے ہر ایک کی نفع رسانی کا اندازہ رکھے اور ہر شخص کی جو حالت ہے اس سے
زیادہ کسی پر اعتماد نہ کرے اور رؤسا اور بہ نشین لوگوں کی بلندی رتبہ کا خیال رکھے اور ترغیب اور تخویف سے انکو

لڑائی پر آمادہ کرتا رہے اور ابتدائی حالت میں اس کا اہتمام رکھے کہ تحت بادشاہ ہونگی جماعت متفرق رہے ان کو غلبہ نہ
ہونے پائے تاکہ وہ مخالف رہیں حتیٰ کہ وہ سب کے سب حضوری میں دست بستہ رہیں اور اپنے لئے کچھ منصوبہ نہ
کرسکیں جب ایسا بنانے میں اسپر کامیابی ہوجائے تب لڑائی سے پہلے اپنے گماشتے خوب ان کا اندازہ کرے اگر اب
بھی ان کو اندیشہ ہو کہ فساد سے باز نہ آئینگے تو گراں گراں خراج انپر لگا دیا جائے سخت برتاؤ سے ان کو زیر بار کرتا رہے
ان کے قلعوں کو مسمار کردے ان کو ایسا عاجز کردے کہ پھر ان سے ایسی حرکت نہ ہوسکے اور چونکہ خلیفہ ایک ایسے
برج کا محافظ ہوتا ہے جو نہایت مخالف خلقوں سے حاصل ہوا کرتا ہے اسلئے بہت ضرور ہے کہ وہ خود بیدار طبع ہو
اور ہر طرف جاسوسوں کو بھیجتا رہے اور ہمیشہ فراست اور دوربینی سے کام لیتا رہے جہاں کہیں دیکھے کسی شاہ کی
ایک جماعت نے اتفاق کرلیا ہے تو فوراً ایک دوسری جماعت کو متعین کرے کہ ان سے مل سکیں اور اگر کسی
شخص کو دیکھے کہ خلافت کا خواہاں ہے تو اس کی جڑ اور اس کی شوکت اور عافیت کے زائل کرنے میں تامل نہ کرے
اور سب لوگوں کے لئے یہ طریقہ قرار دے کہ سب اسکے حکم کو قبول کریں اور اسکے اخلاص پر متفق رہیں یہ صرف زبانی
ہی قبول نہ ہو بلکہ قبول کی ظاہری علامت ایسی ہو جس سے [illegible] مثلاً اسکے لئے متفق ہو کر دعا
مانگتے رہیں بڑے بڑے مجمعوں میں اس کی قوت شان کا اظہار ہو اور جس لباس اور ہیئت کا خلیفہ حکم دے
اس کو دل سے اختیار کریں جیسے فی زماننا خلیفہ کا شرفیوں پر نام کندہ ہوتا ہے واللہ اعلم۔

باب ۲۷

اس بیان میں کہ حصول منافع پر سب لوگوں کا اتفاق ہے

اقالیم معمورہ کے شہروں میں سے کسی شہر کی معتدل المزاج عمدہ اخلاق قوموں سے کوئی قوم حضرت آدم
علیہ السلام کے عہد سے لیکر روز قیامت تک ان تدابیر منافع سے خالی نہیں رہی اور نہ رہ سکتی ہے ہر زمانے میں بہ
بدرجہ ان تدابیر کے اصول سب کے نزدیک مسلم رہتے آئے ہیں جو شخص ان تدبیر کی مخالفت کرتا ہے لوگ
اس سے نہایت بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وہ نہایت مشہور ہوگئی ہیں اسلئے بدیہی امور کے برابر سمجھی
جاتی ہیں ان تدبیر کی صورتوں اور فروعات کے اختلاف سے بیان بالا کی تکذیب نہیں ہوتی اسلئے کہ سب
کا اتفاق ہے کہ مردوں کی عفونت دور کیجائے اور ان کی برائی ظاہر نہ ہو لیکن اس کی صورت میں لوگ
مختلف ہیں بعض زمین میں دفن کرنا پسند کرتے ہیں بعض آگ میں جلانے کو اچھا خیال کرتے ہیں سب اس پر
متفق ہیں کہ نکاح کی شہرت دیجائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہوجائے لیکن اس کے لئے
مختلف صورتیں قرار دی گئی ہیں بعض نے گواہوں اور ایجاب وقبول اور ولیمہ کو بہتر سمجھا ہے اور بعض نے
دف اور رنگ و راگ اور لباس فاخرہ کو جو کہ صرف بڑی بڑی دعوتوں میں ہی پہنا جاتا ہے سب اس پر متفق
کہ زانیوں اور چوروں پر زجر اور توبیخ کی جائے بعض نے سنگساری اور ہاتھ کا قطع کرنا پسند کیا ہے بعض نے

تکلیف دہ زدوکوب یا سخت قید یا سخت سزائیں جرمانوں کی سزا ختیار کی ہے ورنہ دو قسم کے گروہوں کے ان اصولوں کے مخالف ہونے سے ہمارے قول کی تردید نہیں ہوتی۔

(۱) احمق لوگوں کی مخالفت جن کی حالت چارپایوں سے ملتی جلتی ہے عام لوگ یقیناً جانتے ہیں کہ ان کے مزاج ناقص اور ان کی عقلیں بیہودہ ہوتی ہیں اور ان لوگوں کی بلاہت اس ہی سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان تدابیر نافع کے پابند نہیں ہوا کرتے۔

(۲) فاسق و فاجر اگر ان کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہو جائیگا کہ تدابیر نافع کے معتقد ہیں لیکن ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کرتی ہیں۔ وہ خود خوب سمجھتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں اور جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصے سے کانپنے لگیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے جو پہنچتا ہے اور ایسے ایسے اثروں اور امور کا ہونا انتظام مدن کے لئے مضر ہے لیکن خواہش انکو اندھا کر دیتی ہے چوری اور غصب کا بھی یہی حال ہے خیال نہ کرنا چاہئے کہ لوگوں نے باوجود ان تدابیر پر اتفاق کر لیا ہے در سب کی تدابیر کا یکساں ہونا محض اتفاقی امر ہے جیسے کہ تمام اہل مشرق اور مغرب ایک ہی غذا اختیار کریں یہ خیال محض دھوکہ ہے یہ نہیں ہے بلکہ سلیم فطرت فیصلہ کرتی ہے کہ سب لوگوں کا ان امور پر اتفاق کرنا حالانکہ ان کے مزاج مختلف ان کے شہر دور دراز انکے مذہب جدا جدا ہیں صرف قدرتی مناسبت سے ہے جو نوعی صورت سے پیدا ہوتی ہے تمام آدمیوں نے کثیر الوقوع ضرورتوں کی وجہ سے ان کو اختیار کیا ہے اور تحت نوعی اس کی باعث ہوئی ہے جو لوگوں کے مزاجوں میں پڑی ہوئی ہے اگر کوئی شخص بیابان میں پیدا ہو جو طرف آبادیوں سے دور ہو اور کسی سے وہ مراسم نہ رکھے تو ضرور ہے کہ اسکو کھانے پینے کی خواہش نفسانی کی حاجتیں عارض ہونگی اور عورت کی رغبت بالطبع اس میں پیدا ہوگی اور جب مرد و عورت کا مزاج صحیح ہوگا تو ان سے اولاد بھی پیدا ہوگی اور خاندان کی بنا پڑنے لگیگی اور پھر باہم معاملات ہونے لگینگے اور تدابیر اور نے منتظمانہ صورت میں ظاہر ہونے لگیگی اور جب انکی اور بھی کثرت ہوگی تو ضرور ہے کہ کامل اخلاق لوگ بھی ان میں ہونے لگیں گے اور ایسے واقعات پیش آنے لگینگے جن سے تمام تدابیر متحقق ہوتی جائینگی۔ واللہ اعلم۔

باب ۲۸

ان رسموں کے بیان میں جو لوگوں میں مشتہر ہوتی ہیں

معلوم کرنا چاہیئے کہ رسمیں تدابیر کے لئے ایسی ہیں جیسے بدن انسان کے لئے دل مذاہب نے ان کا بالذات اور سب سے پہلے قصد کیا ہے اور شرائع الٰہیہ میں انہیں کے مباحث در اشارات ہوا کرتے ہیں رسموں کے پیدا ہونے کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً حکما کا ان کو تشخیص کرنا ان دونوں خدا کا الہام جن کو انوار ملکی سے

خدا نے مؤید کیا ہے رسموں کے مختلف اسباب ہوتے ہیں جن کے سبب سے وہ لوگوں میں پھیلتی ہیں کبھی کسی بڑے
بادشاہ کا طریقہ ہوتا ہے جس کے سب لوگ متبع ہوتے ہیں اور کبھی وہ ان امور کی تفصیل اور تشریح ہوتی ہیں جنکو لوگ
اپنے دلوں میں موجود پاتے ہیں اور اپنی دلی شہادت سے اُن کو قبول کر لیتے ہیں اور کبھی رسم کے چھوڑنے سے انکو
غیبی سزا ملنے کا تجربہ ہوتا ہے اسلئے وہ نہایت اہتمام سے اختیار کرتے ہیں یا اُن کے ترک کرنے سے کوئی
فساد پیدا ہوتا ہے یا بہت عقلمندوں کے قائم کرنے سے وہ پیدا ہوتی ہیں ایسے لوگ ان رسموں کے ترک کرنے پر
ملامت کیا کرتے ہیں اہل بصیرت کو طریقوں کے زندہ کرنے یا انکو مردہ کرنے سے اکثر شہروں میں نشایہ بالا کی تصدیق
کرنے کی توفیق اکثر حاصل ہو جایا کرتی ہے۔

اور مستعمل طریقے اپنے اصلی حالت میں درست ہوتے ہیں اسلئے کہ اُن سے عمدہ تدابیر کی حفاظت ہوتی ہے
اور اُن کے ذریعے سے افراد انسانی کو کمال نظری یا عملی حاصل ہوتا ہے اور اُن کے نہ ہونے سے اکثر لوگ بہایم
طبع ہو جاتے ہیں اکثر آدمی نکاح و معاملات عقود و طریقے کے موافق کرتے ہیں اور جب ان سے اسکا سبب پوچھا
جاوے کہ ان قیدوں میں وہ کیوں پھنسے ہوئے ہیں تو وہ یہ جواب دینگے کہ ہم لوگوں کی موافقت سے ایسا کرتے
ہیں ان کی نہایت کوشش کا نتیجہ ان امور کی پابندی کے متعلق ایک علم اجمالی ہوتا ہے کہ جس کو صاف طور پر اُن کی
زبان بیان نہیں کر سکتی تو پھر کیا احتمال ہے کہ ان امور کی تدبیر کی وہ تمہید بیان کر سکیں ایسے لوگ اگر ان طریقوں
کی ضروری پابندی نہ کریں تو تقریباً وہ بہایم صفت ہو جاوینگے لیکن ان رسموں میں کبھی کبھی باطل چیزیں بھی شامل ہو جاتی
ہیں اور لوگوں کو اُن کے عمدہ ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے اسطرح پر کہ ایسے خاندان کو کبھی ریاست حاصل ہو جاتی ہے
اور جن پر بُری رائیں غالب ہوں تو وہ کلی مصلحتوں کا خیال نہ کریں جیسے رہزنی اور غصب وغیرہ درندوں کے سے
کام کرنے لگیں یا نفسانی خواہشوں کے موافق کام کریں جیسے لواطت اور مردوں کا زنانہ پن یا پر فخر پیشے اختیار کریں
یا سود خواری کریں یا عورتوں پیمانہ میں کمی کریں یا لباس اور ولیموں میں ایسے عادات اختیار کریں جن میں فضول اور اسراف
ہو اور ان اشیاء کے موجود و مہیا کرنے میں بڑے اہتمام کی ضرورت پڑے یا تفریح کے لئے اپنے شوق بڑھائیں جنکے
سبب سے امور معاش و معاد معطل ہو جائیں جیسے مزامیر شطرنج شکار کبوتر بازی وغیرہ یا مسافروں پر پُر مشقت محصول
مقرر کریں اور رعیت سے ایسے خراج وصول کریں جس سے وہ تباہ ہو جائے یا باہم حرص و بغض زیادہ کرلیں انکو
یہ عمدہ معلوم ہوتا ہو کہ لوگوں سے ایسا برتاؤ کریں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ اور لوگ ان سے ایسا معاملہ کریں
ایسے لوگوں کے مرتبے اور شوکت کی وجہ سے کوئی شخص اُن پر حرف گیری نہ کر سکتا ہو ان کے بعد اُسی خاندان کے
فاسق اور فاجر لوگ ایسے اعمال کی پیروی کریں ان اعمال میں مدد دیں اُن کے پھیلانے میں خوب کوشش
کریں یا ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جن کی طبیعتوں میں نہ اعمال صالحہ کا قوی میلان ہو نہ اعمال فاسدہ کا یکسر نہ رہا ہی
کی حالت دیکھ کر اُن میں بھی اُن ہی امور کی عادت پیدا ہو جائے یا عمدہ راستے ہی اُن کو بآسانی نہ مل سکیں۔
اسواسطے وہ ایسے امور کو اختیار کرلیں ایسے خاندانوں کی اخیر حالت میں بھی ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جن کی

فطرتیں درست ہوتی ہیں وہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور غصے کی حالت میں خاموش رہتے ہیں ایسی خاموشی کبھی بمو جملہ ایسے مستحکم ہوتے رہتے ہیں ایسی حالت میں کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے و جلدی کرنے میں باطل چیزوں کے نابود کرنے میں پوری کوشش کریں اگر حق کی تائید کے لئے نزاعوں اور لڑائیوں کی نوبت بھی آتی ہے لیکن یہ نزاعیں تمام نیک کاموں میں سے افضل ہوا کرتی ہیں اور جب رہنمائی کے طریقے خوب مستحکم ہو جاتے ہیں اور ہر زمانے میں لوگ ان کو تسلیم کرتے ہیں تو حق پر ان کی موت زندگی ہوتی ہے اور دل اور خیالات ان طریقوں سے مملو ہوتے ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ طریقے اصل تدبیروں کے لئے لازم ہیں ایسی حالت میں ان کی نافرمانی ایسے ہی لوگ کرتے ہیں جن کی طبیعتوں میں بہت ہی بے باکی ہوتی ہے اور وہ انگیک حرکات ہوتے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشیں اکثر غالب ہوتی ہیں وہ ہوا پرستی ان کی عادت ہو جاتی ہے وہ ایسی نافرمانیاں تو کرتے ہیں لیکن یہ خوب جانتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں مصلحت کلی ہیں اور ان میں ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے اور جب وہ کام ہے باکانہ طور پر کرتے ہیں تو ان کی نفسانی حرص کی کیفیت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اور ان کے ذہن میں رخنہ پڑ جاتا ہے اور جب خوب صاف صاف یہ باتیں دل میں قرار پا جاتی ہیں تو ملا اعلےٰ کی دعائیں اور ان کی نیاز مندیں اس طریقے کے موافقین کیلئے پابند ہوتی ہیں اور ان کے مخالفوں پر ان کی بددعا ہوتی ہے اور حظیرۃ القدس میں موافق کے لئے خوشنودی اور مخالف کے لئے ناخوشی ظاہر ہوتی ہے جب ان طریقوں کی یہ حالت ہوتی ہے تو وہ اس فطرت سے شمار کئے جاتے ہیں جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

چوتھا مبحث سعادت کے بیان میں

باب ۲۹

سعادت کی حقیقت کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیئے کہ انسانی کمالات مختلف ہیں بعض با قتضائے صورۃ نوعی ہوتے ہیں اور بعض نوعی نہیں اور وہ بھی جنس قریب یا بعید کے اقتضاء سے ہوتے ہیں لیکن سعادت کا وہ حصہ جن کے مفقود ہونے سے انسان کو نفرت ہوتی ہے اور درست عقل کے لوگ اس کا نہایت اہتمام اور قصد کرتے ہیں وہ پہلا حصہ نوعی کمالات کا ہے اس لئے کہ علاوہ حریف کے قابل کبھی ایسی صفات ہوتی ہیں کہ معدنی اجسام بھی اس میں شریک ہیں مثلاً درازی قد اور بزرگی تو اگر سعادت اسی کو قرار دیں تو پہاڑوں میں سعادت کی صفت پوری پوری ہونی چاہیئے اور بعض صفات ایسے ہیں کہ وہ نباتات میں بھی ہوتے جیسے مناسب نشو و نما یا ان تروتازہ صورتیں اگر اس کو سعادت کہینگے تو پھولوں میں کامل سعادت ہوگی اور بعض صفات ایسی ہیں جن میں حیوانات شریک ہیں جیسے زور آوری بلند آوازی جنسی کی طاقت زیادہ کھانا پینا غضب اور کینہ کا زیادہ ہونا اگر اسی کا نام سعادت ہو تو گدھے میں سعادت زیادہ ہونی چاہیئے اور بعض صفات ایسے ہیں کہ صرف انسان ہی کا وہ حصہ ہے جیسے تہذیب اخلاق عمدہ تدابیر اعلےٰ قسم کی تحقیق بلندی

بتر ہودی الرائے میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہی امور کا نام سعادت ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انسانی طبیعتوں میں کامل العقل
و درست رائے لوگ انہیں اوصاف کو حاصل کیا کرتے ہیں اور انکے علاوہ اور اوصاف کو گویا وہ قابل تعریف ہی
نہیں جانتے لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں ہوئی اسلئے کہ تمام افراد حیوانی میں ان اوصاف کی اصل موجود ہے مثلاً
شجاعت کی بنیاد ہے غصہ انتقام لینا شدائد میں ثابت قدمی مہلکات کی طرف اقدام اور یہ سب امور زورمند بہائم میں موجود
ہیں لیکن ان کا شجاعت جب ہی نام رکھا جاتا ہے کہ نفس ناطقہ کے فیضان سے ان میں تہذیب آتی ہے اور
مصلحت کلیہ کی اطاعت سے ان کا صدور ہوتا ہے عقلی خواہش ان کو پیدا کرتی ہے اور ایسے ہی اور صفتوں کی اصل
بھی حیوانات میں موجود ہے چڑیا اپنے آشیانے کو بناتی ہے بلکہ اکثر صنعتیں ایسی ہیں کہ حیوانات بالطبع انکو بناتے ہیں
اور انسان بتکلیف بھی ویسی نہیں بنا سکتا تو اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امور بھی اصلی سعادت نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو
بالعرض سعادت کہہ سکتے ہیں اور سعادت یہی ہے کہ بہیمی حالت نفس ناطقہ کے تابع ہو خواہش عقل کے تابع ہو خواہش
پر عقل کی حکومت ہو باقی سب خصوصیات لغو ہیں معلوم کرو کہ حقیقی سعادت سے جن امور کو تعلق ہے وہ دو قسم کے
ہیں ایک قسم ایسی ہے جس میں پیدائشی طور پر نفس ناطقہ کا فیضان امور معاش میں ہوتا ہے لیکن اس قسم کی غرض مطلوب
کا پوری طرح پر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے اس قسم کے بہترین افعال کے لئے جزئی فکروں میں اکثر خوض کرنا پڑتا ہے
اور ایسی حالت کمال مطلوب کے خلاف ناقص شخص کی ہوا کرتی ہے جیسے کہ کوئی شخص غصہ اور شیخی کے جوش دلانے
سے شجاعت حاصل کرنا چاہے یا عرب کے اشعار اور خطبوں کی واقفیت سے فصیح بننا چاہے اسلئے کہ خلاقی امور کا ظہور
اپنے ہم جنسوں کی مزاحمتوں سے ہوتا ہے اور ضرورتوں کے پیش آنے سے منافع حاصل ہوا کرتے ہیں اور آلات
سے صنعتوں کی تکمیل ہوا کرتی ہے اور یہ سب امور دنیوی زندگی کے ختم ہو جانے سے نیست و نابود ہو جایا کرتے ہیں اگر وہ
ناقص اسی حالت میں مر جائیگا اور اس کو ان امور سے کچھ بیزاری بھی ہوگی تب تو وہ صرف اصلی کمال سے ہی محروم
رہیگا اور اگر ان تعلقات کی صورتیں نفس کو لپٹی ہونگی تو نفع سے زیادہ اس کو مضرت ہوگی۔

اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی بہیمیت ملکیت کے تابع ہو کر بہیمیت ملکیت کے اشارہ سے سب امور کی
بجا آوری کرے اور اسی کے رنگ سے رنگین ہو جائے اور قوت ملکی ایسی ہو کہ بہیمیت کے ادنےٰ اثر کو قبول نہ
کرے کہ اس کے کمینہ نقوش اس میں نہ جم سکیں جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے
کہ ملکی طاقت اپنی ذاتی خواہشوں کو بہیمیت کے سامنے پیش کرکے اس سے مطالبہ کرتی رہے اور بہیمیت اس کی
اطاعت کرے کسی قسم کی بغاوت اس کی جانب سے نہ ہو اس کی تعمیل سے باز نہ رہے اور ایسے ہی ملکی طاقت اپنی
خواہشوں کا بہیمیت سے تقاضا کرتی رہے حتی کہ وہ اس کی عادی ہو کر مشاق ہو جائے پس ملکی خواہشیں جو
ملکیت کے لئے ذاتی ہونگی اور بہیمیت کو مجبوری ان کی تعمیل کرنی ہوگی وہ سب اس قسم کی ہونگی کہ ان میں ملکیت کو
خوشی اور کشایش ہوگی اور بہیمیت کی تنگ دلی اس سے عالم ملکوت کے ساتھ مشابہت [illegible]
کی کیفیت نظر آنے لگتی ہے [illegible]

اور اسی قسم میں سے ہے کہ قوت بہیمی کی خواہشیں اور اس کے لذائذ اور وہ امور جن کا جوش بہیمیت میں زیادہ شوق ہوا کرتا ہے ترک کر دیجائیں اس حصے کا نام عبادات اور ریاضات ہے یہ اُن مقصود اخلاق کے حاصل کرنے کے لئے دم بدم موجود نہیں ہوتے اس لئے اس مقام کی تحقیق کا انجام یہ ہوا کہ بغیر عبادات کے اصلی اور حقیقی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی اسی لئے صورت نوعیہ کے روشندان سے مصلحت کلی افراد انسانی کو ندا کرتی ہے اور نہایت تاکیدی حکم کرتی ہے کہ بقدر ضرورت اُن صفات کی اصلاح کیجائے جو ان کے لئے کمال ثانی ہیں اور غایت جہت اور نہایت توجہ سے تہذیب نفس حاصل کیجائے اور نفس ایسی ایسی ہیئتوں سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے جن کی وجہ سے وہ ملاء اعلےٰ کے ہمرنگ ہو جاوے اسمیں ایسی استعداد پیدا ہو جاوے کہ عالم جبروت و ملکوت کے اثر اس میں پیدا ہو سکیں قوت بہیمی اُسکے زیر فرمان رہے اور وہ ملکی احکام کا مظہر بنجائے افراد انسانی میں جب نوعی تندرستی ہوتی ہے اور ان کا مادہ احکام نوع کے پوری طرح ظاہر ہونے کے قابل ہوتا ہے تو اُن میں اس سعادت کے حاصل کرنے کا شوق ہمیشہ رہتا ہے اور اس سعادت کیطرف ان کی کشش ایسی ہوتی ہے جیسے لوہے کی مقناطیس کی طرف یہ ایک جبلی فطری امر ہے جو خدا نے لوگوں کی طبیعت میں پیدا کیا ہے اور اسی واسطے لوگوں میں سے معتدل المزاج کوئی فرد ایسا نہیں ہوا جس میں ایسا عظیم الشان حصہ موجود نہ ہو جو اُس کو اس خلق کمال کے حاصل کرنے کا اہتمام نہ ہو اور اُس کو اعلےٰ ترین سعادت تسلیم نہ کرتا ہو سلاطین اور حکما اور اُن سے پست درجہ کی لوگ جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو اُن مقاصد پر کامیابی ہوئی ہے جن کا درجہ دنیوی سعادت سے برتر ہے یہ لوگ فرشتوں میں مل گئے ہیں اُن ہی کی جماعت میں منسلک ہو گئے ہیں حتے کہ یہ سب لوگ ان سے برکت لیتے ہیں اور اُن کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیتے ہیں پس تمام عرب اور عجم کا اس پر متفق ہونا حالانکہ ان کے عادات اور مذاہب مختلف ہوتے ہیں اور اُنکے وطن دور دراز ہوتے ہیں اور بوحدت نوعی سب کا ایک ہی حالت کا مقر ہونا پیدایشی و فطری مناسبت کے سبب سے ہے یہ اتفاق کچھ بعید نہیں ہے اسلئے کہ معلوم ہو چکا ہے کہ قوت ملکی اصل فطرت انسانی میں موجود ہے اور سب لوگوں میں افضل اور اعلےٰ درجے کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں واللہ اعلم

باب ۳

اس بیان میں کہ لوگ اس سعادت انسانی کے حاصل کرنے میں مختلف ہوا کرتے ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ جیسے لوگ شجاعت اور تمام اخلاقی اوصاف میں مختلف ہوا کرتے ہیں یعنے ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن میں شجاعت کا وصف موجود نہیں ہوتا اور کسی ایسی مخالف حالت کی وجہ سے جو ان کی نفس طبیعت میں ہوتی ہے شجاعت کے حاصل ہونے کی امید ہی نہیں ہوتی جیسے کہ مخنث اور نہایت کمزور اور بعض لوگوں میں بالفعل شجاعت نہیں ہوتی لیکن شجاعت کے مناسب افعال اور اقوال اور مناسب ہیئتوں کی مشاقی کے بعد

ان کے شجاع ہونے کی امید ہو سکتی ہے جب شجاع لوگوں سے وہ ان اقوال اور افعال کو حاصل کرتے ہیں اور پیشوایان
شجاعت کے تذکرے اور واقعات کو یاد کرتے ہیں تو سختیوں میں ثابت قدمی ہلاکی کے موقعوں پر ان سے اقدام
ہونے لگتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اصل خلق ان کی طبیعت میں پیدائشی ہوتا ہے ہمیشہ وہ اسکی لاف زنی
کرتے ہیں اگر اس خلق سے ان کی طبیعت روکی جائے تو ان کو بہت تنگدلی ہوتی ہے اور ناگواری سے وہ خاموش رہ
سکتے ہیں اور اگر ان کی پیدائشی حالت کے مناسب کوئی حکم دیا جائے تو ان کی ایسی حالت ہوجاتی ہے جیسے گندھک
شعلۂ آتشین کے قریب پہنچتے ہی فوراً مشتعل ہوجاوے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نہایت کامل طور پر کسی
خلق کی پیدائش ہوتی ہے وہ اس کے مناسب اُس ہی کی خواہشوں کی طرف عجلت کرتے ہیں اگر ان کو بزدلی کیطرف
بزور بلائیں تو وہ بالطبع اس کو قبول نہیں کرتے بغیر کسی رسم و رواج اور بغیر کسی دوسرے کی خواہش کے ان کو اس خلق کے
کاموں اور ہیئتوں کا کرنا آسان ہوتا ہے ایسا آدمی اس خلق کا امام ہوا کرتا ہے اس کو کسی اور امام کی حاجت نہیں ہوا
کرتی ہے اور جو لوگ اس خلق میں اس سے کم درجے کے ہوتے ہیں ان میں ضرور ہوتا ہے کہ اس کے طریقے کو صدق دلی
سے اختیار کریں اور اس کی حالتوں اور واقعات کو اہتمام سے یاد کرتے رہیں تاکہ ان کو وہ اخلاقی کمال حاصل ہو سکے
جس کی توقع ہو سکتی ہے ایسے ہی لوگ اس خلقی حالت پر مختلف ہوتے ہیں جس پر ان کی سعادت کا مدار ہے بعض میں
وہ حالت ایسی مفقود ہوتی ہے جس کی درستی کی امید ہو ہی نہیں سکتی جس کو حضرت خضرؑ نے مار ڈالا تھا وہ بالطبع کافر
تھا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بعض لوگوں میں اصلاح کی امید ہوتی ہے لیکن جب سخت
سخت ریاضتیں کریں اور اعمال پر مداومت کریں نفس ان اعمال سے متاثر ہوتا رہے اس کے لئے انبیا کی جوش
دہندہ دعوت اور ان کے منقول شدہ طریقوں کی ضرورت ہوتی ہے اس قسم کے لوگ اکثر ہوا کرتے ہیں بعثت انبیا
کے لئے بالذات یہی لوگ مقصود ہوا کرتے ہیں اور بعض لوگوں میں اجمالی طور پر خلق کی حالت موجود ہوتی ہے اس سے
اس خلق کے اثر ظاہر ہوا کرتے ہیں لیکن وہ تفصیلی امور میں اور اس خلق کے مناسب اکثر ہیئتوں کے درست کرنے
میں امام کے محتاج ہوتے ہیں یکاد زیتہا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار (قریب ہے کہ اس کا روغن روشن ہو وے اگرچہ اس کو
آگ بھی نہ لگے) میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے ان لوگوں کو سابق کہتے ہیں اور لوگوں میں ایک طبقہ انبیا کا ہے
وہ اس خلق کے کمالات کو مرتبہ فعلیت میں لا سکتے ہیں اس کی مناسب ہیئتوں کو اختیار کرتے ہیں اس خلق کے حصہ
میں جو کمی ہو اس کے حاصل کرنے کی اور جو موجود ہو اس کے باقی رکھنے کی کیفیت کو اختیار کرتے ہیں بغیر کسی رہبر
اور امام اور کسی کی دعوت کے وہ ناقص کو پورا کرتے ہیں وہ مقتضائے فطرت جیسا جیسا عمل کرتے رہتے ہیں تو
ان کے اس عمدرآمد سے ایسے قانون منتظم طور پر مرتب ہو جاتے ہیں جو لوگوں میں یادگار رہتے ہیں ان کو لوگ
اپنا دستور العمل کر لیتے ہیں جب آہنگری اور زرگری وغیرہ عام لوگوں کو بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتی ہے کہ
وہ اپنے بزرگوں کے منقول شدہ طریقوں کا استعمال کریں تو ان اعلیٰ مقاصد کی نسبت تم کیا خیال کرتے ہو جن
کی رہنمائی صرف انہیں لوگوں کو ہوتی ہے جن کو خدا نے توفیق دی ہے اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا

کے اور اُن کے طریقوں کی پیروی کے لئے اُن کے حالات و اختیار کی طرف متوجہ ہونے کی کیسی شدید ضرورت
ہے واللہ اعلم ۔

باب ۳۱
سعادت کے حاصل کرنے کی کیفیت لوگوں میں مختلف ہوتی ہے

معلوم کرو کہ یہ سعادت دو طرح پر حاصل ہوتی ہے ایک طریقہ ایسا ہے کہ گویا اس میں بہیمی طبیعت سے بالکل
علیحدگی اور آزادگی کرنی پڑتی ہے ایسے حیلے اور ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جس سے بہیمی حکومت میں خاموشی پیدا ہو جاتی
ہے اُن کا جوش بجھ جاتا ہے اُن کے علوم اور حالات بالکل پژمردہ ہو جاتے ہیں اور عالم جبروت کی طرف جو تمام جہتوں
سے علیحدہ ہے اس کی کامل توجہ ہو جائے نفس اُن علوم کو قبول کرنے لگے جو مکان اور زمانے سے بالکل علیحدہ اور
جدا ہیں اور ان لذتوں کی خواہش اس میں پیدا ہو جائے جو اوصاف ذاتوں سے بالکل علیحدہ ہیں جیسے کہ لوگوں سے ملنا
جلنا ترک کر دیا جائے اُن کی مرغوبات سے بے رغبتی ہو اُن کے خوف کرنے کی چیزوں سے بے خوفی ہو تمام
لوگوں سے ایک دور کنارے پر علیحدگی ہو علمائے اشراقیین کا یہی مدعا ہوتا ہے اور صوفیہ کرام میں سے مجذوبوں
کی بھی یہی حالت ہوتی ہے ان میں سے بعض لوگ انتہائے غایت تک پہنچ بھی جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ بہت
کم ہوا کرتے ہیں اور باقی لوگ اس غایت کے اشتیاق ہی میں رہتے ہیں اُس کے منتظر ہوتے ہیں کہ اس میں
بہیمیت کی اصلاح ہو جایا کرتی ہے اس کی بدی دور کر دی جاتی ہے لیکن اس کی اصل حالت باقی رہتی ہے یہ اس طرح پر
ہوتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ نفس ناطقہ کے افعال اور ہیئتیں اور اذکار وغیرہ کی قوت بہیمی ایسی ہی نقل کرتی
ہے جیسے گونگا آدمی لوگوں کے اقوال کی اپنے اشاروں سے نقل کرتا ہے اور کوئی مصور نفسانی حالات خوف اور
شرمندگی وغیرہ کی ایسی ہی صورتوں سے نقل کرتا ہے جو اُن حالات کے ساتھ ساتھ نظر آیا کرتی ہیں اور جس
عورت کا بچہ مر جاتا ہے وہ اس کا غم ایسے کلموں اور دردمندی سے ظاہر کرتی ہے کہ اس کو جو سنتا ہے اس پر غم
طاری ہو جاتا ہے اور غم کی صورت اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور چونکہ تدبیر الٰہی کا مقتضا یہ ہے کہ پہلا بہت
قریب اور سہل حالت اختیار کرنی چاہئے اور رفتہ رفتہ جو اس کے قریب ہو اور ان امور کی درستی ہو جائے جو تمام
افراد انسان کے لئے موزون ہو سکیں نہ صرف چند صورتوں کے لئے دارین کی مصلحتیں قائم کی جائیں ۔ اُن
دونوں میں سے کسی انتظام کی برہمی نہ ہو سکی اسلئے لطف و رحمت الٰہی کا مقتضا ہے کہ اس دوسرے طریقے کے
قائم کرنے اور اسکی طرف دعوت اور آمادہ کرنے کے لئے پیغمبروں کو مبعوث کیا وہ پہلے طریقے کی طرف بھی
رہنمائی کرتے ہیں بلکہ صرف ضروری اشارات و ضمنی اظہارات سے ۔ واللہ الحجۃ البالغہ

اسکی تفصیل یہ ہے کہ پہلے حالات انہیں لوگوں سے پیش آتے ہیں جن میں لاہوتی کشش زیادہ ہو
اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اُن حالتوں کے لئے بہت سخت ریاضتوں کی ضرورت اور حد درجہ کی حفاظت کی

ضرورت ہوا کرتی ہے اُن کے انجام دینے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے ان حالتوں کے رہبر اور امام وہی لوگ
ہوتے ہیں جنہوں نے امور معاش کو بالکل ترک کر دیا ہو دنیا میں دعوت دین کا اُن کو منصب حاصل نہیں ہے
اور نیز اس حصہ کی تکمیل بغیر اس کے نہیں ہوتی کہ دوسرے حصے کا معقول مجموعہ بھی پیش نظر رکھا جائے ورنہ اس
حصے سے ایک نہ ایک سعادت سے حرمان ہوگا یا دنیوی تدابیر کی صلاح نہ ہوگی یا آخرت کے لئے نفس کی اصلاح
نہ ہوگی۔ اگر سب لوگ اسی حصہ کو اختیار کر لیں تو دنیا ویران ہو جائیگی اور اگر لوگوں کو ان احکام کی تکلیف دیجائے
تو گویا تکلیف بالمحال ہوگی اسلئے کہ تدابیر نافعہ ایک فطری شے ہو گئے ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں اور
دوسرے طریقے کے رہنما اور امام متقین اور مصلحین ہوتے ہیں دین اور دنیا کی ریاست ان کو حاصل ہوتی ہے
اُن کے دعوت دینی کو لوگ قبول کرتے ہیں اُن کے طریقے کا اتباع کیا جاتا ہے سابقین اور اصحاب یمین کے کمالات
اسی تعلیم میں منحصر ہوتے ہیں اور اس قسم کے لوگ بھی کثرت سے موجود ہوا کرتے ہیں ذکی اور غبی اور مشغول اور
بے کار بغیر حرج کے ان امور کو عمل میں لا سکتے ہیں اور نفس کی درستی اس کی کجی رفع کرنے کے لئے ان تکالیف
سے بچنے کے لئے جن کا معاد میں اندیشہ ہے اسی قدر بندہ کے لئے کافی بھی ہے اس لئے کہ ہر نفس کے لئے
کچھ اعمال مقرر ہیں جن کے ہونے سے اس کو آخرت میں آرام ملتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اسکو تکلیف
ہوتی ہے اور مجرد حالت میں جب عالم قبر اور حشر پیش آئیگا تو ان کے احکام اسطرح ظاہر ہونگے جن کا علم اسکو جبلی طور پر
نہ ہوگا اگرچہ وہ ایک زمانہ کے بعد ہونگے **شعر**

ستبدی لک الایام ما کنت جاهلاً　　ویاتیک بالاخبار من لم تزود

عنقریب زمانہ وہ حالات ظاہر کردیگا جن کی تجھکو خبر بھی نہ تھی اور تیرے پاس خبروں کو وہ شخص لائیگا جن کے لئے تو نے
توشہ تیار نہ کیا تھا یعنے وہ قاصد جس کو تو نے قاصدی کے لئے روانہ نہ کیا تھا۔ اور حاصل یہ ہے کہ خیر و سعادت کے
لئے تمام طریقوں کو پوری طرح پر احاطہ کرنا قریب محال کے ہے اور جہل بسیط اس سے مضر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۳۲

اُن اُصول و قواعد کے بیان میں جو دوسرے طریقہ کے لئے مدار اور مرجع ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ دوسرے طریقے کے موافق سعادت کا حاصل کرنا بہت سی صورتوں سے ہوتا ہے لیکن
خدا نے اپنے فضل سے مجھکو سمجھایا ہے کہ اُن کی انتہا چار خصلتوں پر ہوتی ہے کہ جب نفس ناطقہ کا قوت بہیمی پر تسلط
ہوتا ہے اور نفس ناطقہ اس کو اپنی مناسب حالتوں پر مجبور کرتا ہے تو اس میں یہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں انسان
کے تمام حالات میں سے اُن اوصاف کو ملاء اعلیٰ سے زیادہ ہمرنگی ہے انہیں اوصاف کی وجہ سے انسان اس
برترین جماعت سے ملحق ہو جاتا ہے اور انہیں میں منسلک ہو جاتا ہے خدا نے مجھکو سمجھایا ہے کہ نبی کی بعثت

انہیں اوصاف کے لئے ہوئی ہے انہیں پر وہ لوگوں کو مستعد کرتے ہیں تمام شرعی امور انہیں کے تفصیل ہیں سب
کی انتہا انہیں کی طرف ہوتی ہے ان میں سے ایک وصف طہارت اور پاکیزہ زندگی کا ہے اسکی حقیقت یہ
ہے کہ جب آدمی کی فطرت سلیم ہوتی ہے اس کا مزاج صحیح ہوتا ہے اس کا دل تمام علمی مشاغل سے جو تدبیر کے
مانع ہوتے ہیں خالی ہوتا ہے وہ ایسی حالت میں جب اس کو پلید چیزوں سے آلودگی ہو جاتی ہے اور اس کو بول و براز
کی مثلاً ضرورت ہوتی ہے اور ان سے فراغ نہیں ہوتا یا وہ مجامعت اور اس کی دواعی سے قریب ہی فارغ ہوتا
ہے تو اس کا دل ایک انقباض کی حالت میں ہوتا ہے اس پر تنگی اور غم طاری ہوتا ہے اور اپنے آپ کو
وہ نہایت گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا ہے اور غسل کرتا ہے
اور اچھے کپڑے پہنکر خوشبو لگاتا ہے تب اس کا انقباض دور ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے بہجت و خوشی معلوم
ہوتی ہے یہ لوگوں کی نمایش کے لئے یا ان کی رسموں کی پابندی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ صرف نفس ناطقہ کے اثر
سے ہوتا ہے پہلی حالت کو حدث کہتے ہیں دوسری کو طہارت ۔ اور جو لوگ ذکی ہیں اور الہام نوعی میں ان سے
سلامتی ظاہر ہوتی ہے اور ان کا مادہ صورت نوعیہ کے احکام کو قادرانہ طور پر عمل میں لاسکتا ہے ان کی نظر میں ہر
ایک حالت دوسرے سے بخوبی تمیز ہوتی ہے وہ ایک کو بالطبع پسند کرتے ہیں اور دوسرے سے ناخوش ہوتے
ہیں ۔ غبی لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ جب کسی قدر قوت بہیمی ان کی کم ہو جاتی ہے اور پاکیزگی اور علیحدگی کا اثر ان پر
پڑتا ہے اور ان دونوں کیفیتوں کے پہچاننے کی کسی قدر ان کو فرصت مل جاتی ہے تو وہ بھی ان دونوں کو پہچان
سکتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تمیز کر لیتے ہیں ۔ اور سب روحانی صورتوں میں سے ملاء اعلیٰ کی حالت سے
مشابہت اس طہارت اور پاکیزگی کی صفت کو ہے ان کو بھی تمام بہیمی آلودگیوں سے علیحدگی رہتی ہے اور
ہمیشہ اپنی نورانی کیفیت سے ان میں بہجت رہتی ہے اسی طہارت کے سبب سے نفس میں قوت علمی کے
کمالات کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور جب حدث کی کیفیت انسان میں جم جاتی ہے اور چاروں طرف سے احاطہ
کر لیتی ہے تو آدمی میں شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے کا مادہ حاصل ہو جاتا ہے وہ شیاطین کو حس مشترک کے
سامنے دیکھتا ہے اس کو پریشان خوابیں نظر آتی ہیں اور نفس ناطقہ کے قرب میں تاریکی سے ظاہر ہوتی اور ملعون اور
پلید حیوانات کی صورتیں نظر پڑتی ہیں اور جب آدمی کو پاکیزگی کی پوری قدرت ہوتی ہے اور یہ کیفیت اس کو احاطہ
کر لیتی ہے اس کے لئے وہ متنبہ رہتا ہے اور اسی ہی کا میلان طبیعت میں ہوتا ہے تو اس میں فرشتوں کے
الہامات قبول کرنے کی اور ان کے دیکھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے وہ عمدہ عمدہ خوابیں دیکھتا ہے انوار
اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور نہایت پاکیزہ اور پر برکت اور بزرگ چیزیں اس کو نظر آتی ہیں ۔ اور دوسری
صفت خدا کے حضور میں اپنی عاجزی اور نیاز ظاہر کرنا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو اپنی سلامتی اور فراغ
حال کے زمانے میں جب خدا تعالے کی نشانیں اور صفتیں یاد دلائی جاویں اور وہ خوب طرح سے ان میں غور
کرے تو نفس ناطقہ کو بیداری حاصل ہوتی ہے اور تمام حواس دہن ان کے سامنے عاجزی کو ظاہر کرتے ہیں

اور وہ حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور عالم قدس کی جانب اپنا میلان پاتا ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ جیسے بادشاہوں
کے مقابلے میں اپنی عاجزی دیکھ کر اور ان کا استقلال بخشش اور منع کرنے میں معلوم کر کے رعیت کی حالت ہوتی ہے۔ یہ
حالت بھی تمام روحانی حالتوں کی نسبت ملاء اعلیٰ سے نزدیک تر اور زیادہ مشابہ ہے وہ بھی اپنے خالق کی طرف متوجہ رہتے
ہیں اور اس کی جلال در تقدس میں سراپا حیرت اور مستغرق ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہ حالت نفس کو آمادہ کرتی ہے کہ
اس کے کمالات علمی ظاہر ہوں یعنے ذہن میں خدا کی معرفت منقش ہو جاوے اور خاص طرح سے اس بارگاہ کے ساتھ
اس کا اتصال ہو جاوے اگرچہ عبادت سے اس اتصال کا پورا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور تیسری صفت سماحت ہے اور
اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس اس درجہ کو پہنچ جاوے کہ قوت بہیمی کی خواہشوں کی اطاعت نہ کرے اس کے نقش اس
میں نہ جم سکیں اور اس قوت کا چرک اس سے نہ مل سکے۔ یہ کیفیت جب پیدا ہوتی ہے کہ جب نفس امور معاش میں مصروف
ہوتا ہے عورتوں کی اس میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور لذات کا عادی ہوتا ہے یا کسی غذا کا اس کو شوق ہوتا ہے تو ان
خواہشوں کے حاصل کرنے میں اتنی کوشش کرتا ہے کہ اپنی حاجت کو پورا کرے اور ایسے ہی جب وہ غصہ ہوتا ہے
یا کسی چیز کی حرص کرتا ہے تو وہ اس کیفیت میں کسی قدر مستغرق ہو جاتا ہے دوسری چیز کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا
پھر یہ حالت دور ہو جانے کے بعد اگر اس میں سماحت کی قوت ہوتی ہے تو وہ ان کیفیتوں سے ایسا نکل جاتا ہے کہ
گویا اس میں کبھی تھیں ہی نہیں اور اگر اس میں قوت سماحت کی نہیں ہوتی تو وہ کیفیتیں اس میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور
جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں ایسے ہی وہ کیفیتیں بھی اس میں جم جاتی ہیں اور وہ کشادہ دل اور
صاحب سماحت جب اپنے بدن سے جدا ہوتا ہے اور تمام ایک اور قسم تعلقات سے اس کو سبکدوشی ہوتی ہے
اور اپنی موجودہ حالت کی طرف رجوع کرتا ہے تو کوئی چیز ملکی قوت کی مخالف جو کہ دنیا میں تھیں نہیں پاتا اسی واسطے
اس کو ایک حالت انس و اطمینان کے حاصل ہو جاتی ہے اور نہایت فراخ عیش ہوتا ہے۔ اور حریص طمع شخص
میں ان تعلقات کے نقوش ایسے ہی جمے رہتے ہیں اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی کا کوئی نفیس اور عمدہ مال چوری
ہو جاوے اگر وہ شخص سخی ہوتا ہے تو اس کو کچھ اس چوری کی پرواہ نہیں ہوتی اور اگر وہ تنگدل ہوتا ہے تو دیوانہ سا ہو جاتا
ہے اور اس مال کی صورت اس کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ اور سماحت اور حرص کی ان چیزوں کے لحاظ سے کہ
جن میں وہ ہوا کرتی ہیں بہت سے لقب ہیں اگر وہ مال میں ہوں تو سخاوت اور حرص ان کا نام ہے اور اگر شرمگاہ
اور شکم کی خواہشوں میں ہوں تو پارسائی اور شرہ اس کا نام ہے اور اگر آرام کے اور مشقتوں کے دور رہنے میں ہوں تو
اس کو صبر اور بیقراری کہتے ہیں اور جو گناہوں اور ممنوعات شرعی میں ہوں تو ان کا نام تقوی اور بدکاری ہے جب
انسان میں سماحت کی صفت جم جاتی ہے تو نفس تمام دنیوی خواہشوں سے خالی ہو جاتا ہے اور بلند ترین اور مجردات
کی لذتوں کے لئے مستعد ہوتا ہے اور سماحت ایسی صفت ہے جو انسان کو ایسی باتوں سے روکتی ہے کہ کمال مطلوب
علمی اور عملی کے خلاف کوئی چیز اس میں جم سکے۔ اور چوتھی صفت عدالت ہے عدالت اس نفسانی ملکہ کا نام ہے جس کی
وجہ سے نفس سے ایسے اعمال کئے جاتے ہیں جن سے ملکی اور قومی انتظامات بآسانی منتظم اور قیام پذیر ہوتے ہیں اور

نفس اس قسم کے افعال پر گویا مجبور ہوجاتا ہے اس کا رازیہ ہے کہ ملائکہ اور نفوس مجردہ میں وہ مقاصد منقش ہو کرتے ہیں
جن کو اس نظام کی مصلحت کے متعلق آفرینش عالم میں خدا رہنما کرتا ہے اس نظام کے مناسب تدابیر کی طرف ان کی
مرضیات کا میلان رہتا ہے روح مجرد کے لئے یہ طبعی امر ہے جب نفوس اپنے بدنوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اور انہیں
عدالت کی صفت ہوتی ہے تو ان کو نہایت فرحت اور بہجت حاصل ہوتی ہے اور موقع ملتا ہے کہ اس لذت سے
مسرور ہوں جو تمام دنی لذتوں سے جدا ہوتی ہے اور اگر بدنوں سے مفارقت کرنے کے بعد نفوس میں یہ صفت
عدالت نہیں ہوا کرتی تو ان کا حال نہایت تنگ ہوتا ہے وہ متوحش اور ملول ہوتے ہیں جب خداوند تعالیٰ پیغمبر
بھیجتا ہے تاکہ دین قائم کرے اور تاریکیوں میں سے لوگوں کو نورانیت کی طرف نکال لائے اور تمام لوگ متصف
بعدالت ہوجائیں تو ایسے وقت میں جو شخص اس نور کے پھیلانے میں کوشش کرتا ہے لوگوں میں اس کی تعلیم
کرتا ہے وہ قابل رحمت ہوجاتا ہے اور جو اس کے رد کرنے میں اس کے معدوم کرنے میں کوشش کرتا ہے
وہ قابل لعنت و سنگساری ہوتا ہے جب عدالت کی صفت آدمی میں خوب جم جاتی ہے تو اس میں اور حاملین عرش
اور مقربان بارگاہ فرشتوں میں شرکت ہوجاتی ہے جو جود الٰہی اور برکات نازل ہونے کے ذریعہ میں اور اس میں اور
ان ملائکہ میں فیضان کا دروازہ مفتوح ہوجاتا ہے ان کے اثر اس پر نازل ہوتے ہیں ان کے الہامات سے وہ مستفیض
ہوتا ہے اور انہیں الہامات کے موافق اس کو آمادگی ہوتی ہے اگر ان چاروں اوصاف اور فضائل کی تو حقیقت
معلوم کریگا اور اس کیفیت کو سمجھ لیگا جس سے کمالات علمی اور عملی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اوصاف کیونکر آدمی کو فرشتوں
میں منسلک کر دیتے ہیں اور یہ بھی بخوبی سمجھ لیگا کہ ان اوصاف سے ہر زمانے میں نوامیس الٰہی کا کیونکر استخراج ہوتا ہے
تو اسوقت تجھکو نفع عظیم حاصل ہوگا دین کا تو راز دان ہوجائیگا ان لوگوں سے تیرا شمار ہوگا جن کی بہتری خدا کو منظور
ہوتی ہے۔ ان اوصاف کے مجموعہ سے جو حالت مرکب ہوتی ہے اس کو فطرت کہتے ہیں اور فطرت کے بہت
سے اسباب انہیں اوصاف سے حاصل ہوتے ہیں بعض علمی ہیں اور بعض عملی اور بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں
کہ انسان کو تقاضۂ فطری سے روکتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ فطرت کے حجابات کو زائل کر دیتے ہیں ہمارا قصد
ہے کہ ان تمام امور پر لوگوں کو متنبہ کریں اسلئے آئندہ بیانات پر کان لگا کر بتوفیق الٰہی غور کرو واللہ اعلم۔

باب ۳۳

ان چاروں اوصاف کے حاصل ہونے کے طریقے میں اور اس بیان میں کہ ناقص اوصاف کی تکمیل اور فوت شدہ کی واپسی کیسی ہو سکتی ہے

۱۔ ان اوصاف کے حاصل ہونے کی دو تدبیریں ہیں (۱) تدابیر علمی (۲) عملی تدبیر علمی کی اس واسطے
ضرورت ہے کہ طبیعت عملی قوتوں کے تابع اور مطیع ہوا کرتی ہے نفس میں جب حیا یا خوف کی کیفیت گذرتی ہے
تو خواہش نفسانی اور مجامعت کی رغبت جاتی رہتی ہے ایسے ہی جب نفس میں وہ تمام علمی امور معلوم ہوں جو فطرت

کے مناسب ہیں تب عظمت نفس میں راسخ ہوجائیگی اس نے اعتقاد کرنا چاہئے کہ ہمارا ایک پروردگار تمام بشری لوثوں
سے منزہ اور پاک ہے۔ زمین اور آسمان میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں ہے۔ اگر تین شخص مل کر کسی امر
میں سرگوشی کریں تو وہ خداوند عالم انہیں چوتھا ہوتا ہے اور اگر پانچ مل کر کریں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے
اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اُس کے حکم کا کوئی شخص لوٹ پھیر کرنے والا نہیں ہے۔ ہر چیز کو اپنے انعام سے موجود
کرنے والا اور اُن کو جسمانی اور نفسانی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ اعمال کی وہ جزا دیتا ہے اگر اچھے ہوں اور سزا دیتا
ہے اگر وہ بُرے ہوں ایسا ہی خدا کا ارشاد ہے کہ میرے بندے نے گناہ کر کے یقین کیا کہ میرا ایک پروردگار ہے
جو گناہوں کی مغفرت کرتا ہے اور اُس پر مواخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندے کی مغفرت کی اور ماحصل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ
کا نہایت مضبوط اور کامل اعتقاد کرنا چاہئے جس سے کمال خوف اور نہایت اس کی تعظیم نفس میں راسخ ہوجائے
اور بقدر پرِ پشہ کے بھی دوسرے کی عاجزی اور خوف کی گنجائش نہ رہے اور خوب اعتقاد کرے کہ انسان کا اصلی کمال یہ
ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر اُس کی عبادت کرے اور آدمی کی سب سے عمدہ حالت یہ ہے کہ فرشتوں
کے مشابہ ہوجائے اور اُن کی حالت سے اُس کو قرب ہو یہی امور ہیں جن سے قرب ربانی حاصل ہوتا ہے خدا نے
ان ہی امور کو لوگوں سے پسند کیا ہے یہ خدا کا بندہ برحق ہے اُس کے لئے اُس کو وقت مقرر کرنا ضرور ہے اور
ماحصل یہ ہے کہ انسان کو خوب یقینی طور پر جس میں خلاف و نقیض کا احتمال نہ ہو جاننا چاہئے کہ انسانی سعادت ان
ہی امور کے حاصل کرنے میں ہے اور اُن کے ترک کرنے میں اُس کی بدبختی اور شقاوت ہے اور ضرور ہے
کہ طاقت بھی سے کے متنبہ کرنے کو ایک تازیانہ ہو جو اُس کو بالکل برہم کر دے۔ انبیا کے طریقے اس علمی اور اعتقادی
حالت کے پختہ کرنے کے لئے مختلف رہے ہیں سب سے عمدہ وہ طریقہ ہے جس کو خداوند کریم نے حضرت
ابراہیم پر نازل کیا کہ خدا کی روشن نشانیوں کی یاد آوری ہو اُس کی برتر صفات اور تمام آفاقی اور نفسانی نعمتوں کو یاد
رکھیں تاکہ بخوبی یہ امر محقق ہوجائے کہ خدا کی شان ایسی لائق ہے کہ تمام لذائذ کو اُس کے لئے صرف کر دیں اُسکے
ذکر کو تمام ماسوائے لئی پر مقدم رکھیں نہایت درجہ کی اُس سے محبت رکھیں اور انتہائی کوشش سے اُسکی
عبادت میں مصروف ہوں۔ اُن امور کے ساتھ حضرت موسےٰ کی تعلیمات میں خدا تعالےٰ نے تذکیر بایام اللہ
کی مطالب کا اضافہ کر دیا۔ یعنی اُن جزاؤں اور سزاؤں کو بیان کرنا جو خدا تعالےٰ نے اپنے فرمان پذیر اور نافرمان
بندوں کو دی ہیں اُس نے اپنی نعمتوں اور تکالیف کو کس طرح اول بدل رکھا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں گناہ کا
خوف اور خدا کی اطاعت کی کامل رغبت ذہن نشین ہوجائے اور اُن علوم بالا کے ساتھ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں حوادث قبر اور مابعد قبر کے خوف اور بشارت کا اضافہ کر دیا اُن کے ذریعہ سے نیکی
اور گناہ کے خواص بیان فرما دئے گئے۔ ان امور کا صرف معلوم کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اُن کے تکرار
کا دور رہنا چاہئے ہمیشہ اُن کو ملاحظہ رکھنا چاہئے حتے کہ علمی حالتیں اُن کے اثروں سے لبریز ہوجائیں اور تمام
متضاد اثروں کی بجاآوری کریں۔ یہ تینوں علوم اور علم احکام جن میں واجب حرام وغیرہ کی تفصیل ہوتی ہے

اور کنایہ کی مناسبت کا علم۔ یہ پانچوں علوم قرآن عظیم کے علوم میں سے چیدہ اور عمدہ ہیں۔

اور دوسری مد یہ سعادت انسانی کی تکمیل کے لئے عمل ہے اسلئے ایسی ہیئتیں اور افعال اور امور اختیار کرنے چاہئیں جن کی وجہ سے نفس میں مطلوب عادات و اوصاف کی یاد پیدا ہو نفس کو وہ تنبیہ کرتے رہیں اس کو ہوش دلا کر انہیں اوصاف کی آمادگی پیدا کرتے رہیں ان اعمال میں اور ان اوصاف میں یا تو مادہ کے طور پر تلازم ہوتا ہے یا مناسبت فطری کیوجہ سے ان اوصاف کے ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے دیکھو جب کوئی شخص اپنے آپ کو غصہ پر آمادہ کرتا ہے اور اپنے سامنے اس کی صورت پیش کرتا ہے تو اس شخص کی دشنام دہی کا خیال کرتا ہے جس پر غصہ کرنا منظور ہوتا ہے اور دشنام سے جو شرم و عار پیدا ہوتی ہے اس کو سوچتا ہے ایسے ہی کوئی رونے والی عورت جب اظہار غم اور بے قراری کرنی چاہے تو مردے کی خوبیوں کو بھی یاد کرلی جاتی ہے جو شخص ہمبستری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی دواعی کو خیال میں لاتا ہے ایسے ہی اس بات کی نظیریں بکثرت ہیں جو شخص اس میں زیادہ بسط و تقریر کرے تو اس کو تمام متعلقات کلام کا ذکر کرنا آسان ہے ان اوصاف مذکورہ میں ہر ایک وصف کے اسباب مقرر ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اوصاف حاصل کئے جاسکتے ہیں ان امور کی بخوبی معرفت کے لئے ان لوگوں کے ذوق پر اعتماد کیا جاسکتا ہے جن کے ذوق سلیم ہیں مثلاً حدث کے اسباب یہ ہیں دل میں بہیمی خواہشوں کا مملو ہونا عورتوں سے نفسانی رغبت کو پورا کرنا حقائق امور کی مخالفت دل میں پوشیدہ ہونا ملاء اعلےٰ کی لعنت کا دل کو گھیر لینا بول و براز کی ضرورت کا پیش آنا نیز بول و براز اور ریح سے ابھی فارغ ہونا یہ تینوں حدث کے قبیلے ہیں ایسے ہی بدن پر میل و چرک کا ہونا گندہ دہنی میں آب منی کا جمع ہونا زیر ناف یا بغل میں بالوں کا بڑھ جانا ناپاکیوں سے کپڑے یا بدن کا آلودہ ہونا حواس میں ایسی صورتوں کا مملو ہونا جن سے بہیمی حالتیں پیش نظر رہیں مثلاً عورات شرمگاہ کو دیکھنا حیوانوں کی جفتی اور مجامعت کو زیادہ غور سے دیکھتے رہنا فرشتوں اور نیک لوگوں کی شان میں طعن و تشنیع لوگوں کے ایذا دینے میں کوشش کرنا اور پاکیزگی کے اسباب یہ ہیں کہ یہ تمام خبیث اسباب دور کردئے جائیں ان کے مخالف اسباب حاصل کئے جائیں ان عادات کا برتاؤ کرنا جن کا بکمال پاکیزہ ہونا قرار پاچکا ہے جیسے غسل وضو عمدہ لباس کا پہننا خوشبو لگانا یہ امور نفس کو طہارت کے لئے تنبیہ کرتے ہیں۔ اور خاکساری اور نیازمندی کے اسباب میں سے یہ ہے کہ تعظیمی حالتوں میں سے اعلےٰ قسم کی حالتوں کا اختیار کرنا سرنگوں ہوکر کھڑے رہنا سجدہ کرنا ایسے لفظوں کو ادا کرنا جن سے مناجات اپنی ذلت اپنی حاجت کا خدا کے حضور میں اظہار ہو ان امور سے نفس کو عاجزی اور فروتنی کی کمال تنبیہ ہوتی ہے اور سماحت کے اسباب سخاوت داد و دہش ظالم کے قصور معاف کرنا ناگوار حالتوں میں صبر اختیار کرنا ہے اور عدالت کے اسباب میں تفصیل طور پر تمام رہنمائی کے طریقوں کی محافظت ہے۔

باب ۳۴

حجابات کی تفصیل میں جو فطری امور کے ظاہر ہونے سے مانع ہوا کرتے ہیں

معلوم کرو کہ بڑے بڑے حجاب مانع فطرت تین ہیں (۱) طبیعت کا حجاب (۲) رسم کا حجاب (۳) نافہمی کا حجاب۔
اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی میں کھانے پینے نکاح کی خواہشیں پیدا کی گئی ہیں اس کا دل طبعی حالات کے نیچے سواری
ہے کبھی وہ غمگین ہوتا ہے کبھی خوش ہوتا ہے کبھی غصہ کرتا ہے اور خوف کرتا ہے وعلیٰ ہذا ان حالتوں میں وہ مصروف
رہتا ہے ہر حالت کے طاری ہونے سے پہلے نفس اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس کے مناسب
امور کے لئے قوتیں مطیع ہوتی ہیں اسطرح پر نفس اس میں مستغرق رہ کر اس کے علاوہ اور اہتماموں سے اسکو غفلت
رہتی ہے ہر حالت کے بعد اس کی کیفیت اور رنگ باقی رہتی جاتی ہے شب و روز گذرتے جاتے ہیں اور وہ
شخص اسی محویت میں رہتا ہے اس کو اور کمالات کے حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اور بعض لوگوں کے
قدم اس گلاٹبے میں ایسے پھنس جاتے ہیں کہ تمام عمر ان کو رستگاری نہیں ہوتی اور اکثر لوگوں پر طبیعت کے احکام
ایسے غالب آجاتے ہیں کہ وہ تمام رسمی اور عقلی امور کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اور ملامت کا بھی ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا
اس حجاب کو حجاب نفس کہتے ہیں لیکن بعض لوگوں کی عقل کامل ہوتی ہے ان میں بیداری کا کافی مادہ ہوتا ہے
وہ اپنے اوقات میں فرصت اور موقع تلاش کرتے ہیں اور طبعی حالات میں خاموشی پیدا کرسکتے ہیں ان کے نفس
میں ان حالات کے علاوہ بھی اور امور کی گنجائش ہوتی ہے اور طبعی مناسبات کے علاوہ اور علوم کے فیضان کی
بھی وہ قابل ہوتے ہیں ان میں قوت علمی اور عملی کے لحاظ سے کمال نوعی کی طرف بھی گرویدگی ہوتی ہے جب وہ اپنی
چشم بصیرت کو کھولتے ہیں تو خود اپنی قوم کی تدبیر لباس اور فخریہ باتوں کا مطالعہ کرتے ہیں فصاحت مختلف صناع
کی خوبیاں ان میں دیکھتے ہیں ان کے دل پر ان امور کا بڑا اثر پڑتا ہے اور بہ عزم کامل ارادی ہمت سے وہ انکی
طرف رخ پھیرتے ہیں اس کا نام حجاب رسم ہے اور اس کا نام دنیا ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ان ہی
امور میں محو اور مستغرق ہو جاتے ہیں یہانتک کہ موت ان کو آلیتی ہے اور ان فضائل اور خوبیوں کا کمال چونکہ بدن کی بقا اور
ثبات پر موقوف ہوتا ہے اس نے مرنے کے بعد وہ سب کے سب زائل اور مفقود ہو جاتے ہیں نفس اب بالکل فضائل
سے عاری ہو جاتا ہے کوئی خوبی اس میں نہیں رہتی اس کا حال باغ والے کا سا ہوتا ہے جس کو آندھی نے ایسا ویران
کردیا ہو جیسے گرد کو تیز ہوا اندھیلے دن میں اڑا لے جاتی ہے اور اگر اس شخص میں ہوشیاری اور بیداری کی چالاکی بھی
ہے تو وہ کسی دلیل یقینی یا خطابی یا شریعت کی پیروی سے یقین کرتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے تمام بندوبست اسباب
ان کے تمام ساز و سامان کا مدبر تمام نعمتوں کی بخشش کرنے والا اس کے بعد اس کے دل میں خدا کی جانب میلان
اور محبت پیدا ہوتی ہے اس کے قرب کا وہ خواستگار ہوتا ہے اپنی حاجتوں کا اس سے طالب ہوتا ہے اسکو قبلۂ مقاصد
سمجھتا ہے بعض ان میں سے ٹھیک راستے پر ہوتے ہیں اور بعض کو خطا ہو جاتی ہے خطا کے دو بڑے سبب ہیں۔

(۱) یہ کہ خالق میں مخلوق کے اوصاف کا اعتقاد کرے یا مخلوق میں صفات واجبی کو ثابت کرنے لگے پہلی حالت کا نام تشبیہ ہے اسکا منشا ہوتا ہے غائب کی حالت کو کسی حاضر پر قیاس کر لینا اور دوسری خدا کی شان میں شرک کرنا ہے جب کوئی شخص مخلوقین میں خلاف عادت اثروں کو دیکھتا ہے تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ ان کا تعلق انہیں کی ذات سے ہے یہ ان کے امور ذاتی ہیں تم تمام افراد انسانی کا تجسس کرو جیسے حالات بتلائے گئے ہیں سب میں بتفاوت پاؤ گے ہر ایک انسان کے لیے وہ کسی طرح میں ہو ضرور ایسے اوقات ہوا کرتے ہیں جن میں وہ تھوڑے بہت طبعی حجاب میں محو رہتا ہے اگرچہ وہ رسم کی عملی طور پر پابندی بھی کرتا ہو اور ایسے اوقات بھی ہوتے ہیں کہ وہ ان میں رسم کے پردے میں مستغرق رہتا ہے اور اہتمام کرتا ہے کہ عقلائے قوم کی گفتگو لباس اخلاق معاشرت میں مشابہت کرے۔

باب ۳۵

ان طریقوں کے بیان میں جن سے یہ حجاب دور ہو سکتے ہیں

حجاب طبع دور کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) اس حجاب کے دور کرنے کا اس پر عمل کریں اس کو رغبت دلائیں اس میں آمادگی پیدا کی جائے کہ طبعی امور کو دفع کرے (۲) ان امور پر زد و کوب کریں اور برضا یا بکراہ اس پر مواخذہ کیا جائے پہلا طریقہ ریاضتوں سے حاصل ہوتا ہے جن سے بہیمی قوت کمزور ہو جاتی ہے، روزہ رکھا جائے بیداری اختیار کی جائے بعض لوگ ریاضتوں کو انتہا پر پہنچاتے ہیں کہ ان سے قدرتی امور کی تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً آلات تناسل کو قطع کر دیتے ہیں اور بعض عضو مثلاً دست و پا کو خشک کر دیتے ہیں ایسے لوگ جاہل ہوتے ہیں توسط کی حالت بہت عمدہ ہوا کرتی ہے۔ روزہ اور بیداری بھی ایک قسم کا علاج ہے اس کو بھی بقدر ضرورت کرنا چاہیے۔

اور دوسرے طریقے کے لئے اس شخص کو ملامت کرنا چاہیے جس نے طبیعت کا اتباع کر کے صحیح راستہ کو ترک کر دیا ہو اس کو وہ طریقہ بتانا چاہیے جس کی وجہ سے وہ غلبہ طبیعت کے پنجہ سے چھوٹ سکے۔ لیکن لوگوں کو نہایت تنگ نہ کرنا چاہیے اور سب حالتوں میں صرف زبانی تکرار پر بھی اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ بعض صورتوں میں سخت بدنی یا مالی سزا بھی دینی چاہیے اور جن زیادتیوں میں کہ تعدی ضرر ہوتا ہے مثلاً زنا یا قتل ایسے سزا دینا اور بھی زیادہ مناسب ہے اور حجاب رسم سے بچنے کے دو طریقے ہیں اولاً ہر تدبیر نافع کے ساتھ ذکر الٰہی کو مقرون کرنا چاہیے ان لفظوں کو محفوظ رکھنا چاہیے جو ذکر الٰہی کے لئے قرار دیے گئے ہیں ان کی محافظت نہایت اہتمام اور تاکید سے کرنی چاہیے جو جاہ و منزلت کے لئے مرغوب ہوں ان دونوں تدبیروں سے رسمی کدورتیں دفع ہو جاتی ہیں، عبادت الٰہی سے ان کو تائید ہوتی ہے اور حقانی امور کی طرف ان کا رخ ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے دو بیوں سے پیدا ہوتی ہے چونکہ پروردگار تمام بشری صفتوں سے بالکل منزہ ہے محسوسات اور مرئیات میں سے نہیں

کوئی اثر اور نشان نہیں ہے۔ اس واسطے بخوبی معرفت الٰہی اور شناخت خداوندی لوگوں کو نہیں ہو سکتی۔ اس کی تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کو خدا کی حقیقت اس عنوان سے سمجھانی چاہیے جو ان کے ذہن میں آ سکے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی شے ہو خواہ موجود یا معدوم انسان اس کو دو طرح پر معلوم کیا کرتا ہے۔ یا اس کی صورت کو اپنے سامنے پیش کرتا ہے یا کسی نہ کسی مشابہت اور قیاس سے اس کو جان لیتا ہے جیسے کہ عدم مطلق[1] اور مجہول مطلق[2] کو یہی اس طرح سمجھتا ہے کہ پہلے وجود کے معنے جانتا ہے خیال کرتا ہے کہ عدم وجود سے موصوف نہیں ہو کرتا اور اوا جہل سے صیغہ مشتق مفعول کے معنے سمجھتا ہے پھر مطلق کا مفہوم کرتا ہے پھر ان امور کو باہم ایک دوسرے سے ملا کر ایسی صورت ترکیبی درست کر لیتا ہے جس سے امر بسیط[3] کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا خیال میں لانا مقصود ہوا کرتا ہے اور وہ نفا بیچ میں ہوا کرتی ہے نہ ذہن میں ایسی ہے جب کسی مفہوم نظری[4] کا معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے ایک ایسے معنے کو سوچتا ہے جس کے جنس ہونے کا خیال ہو سکتا ہے اور پھر ایسی مفہوم کو سوچتا ہے جس کو فصل خیال کرتا ہے ان دونوں کو ملا کر ان سے صورت ترکیبی پیدا کر لیتا ہے جس سے وہ چیز معلوم ہو جاتی ہے جس کا تصور کرنا مقصود ہے اس طرح پر لوگوں کو بتانا چاہیے کہ خدا موجود ہے زندہ ہے لیکن اس کا وجود اور زندہ ہونا ہمارا سا وجود اور ہمارا سا زندہ ہونا نہیں ہے بہر حال خدا کی ذات میں ایسی صفتوں کا لحاظ کرنا چاہیے جو موجود اور محسوس اشیا میں باعث خوبی اور تعریف سمجھی جاتی ہیں تین مفہوموں کا لحاظ رکھنا چاہیے جو ہماری نظر میں ہیں بعض چیزیں ہم ایسی دیکھتے ہیں کہ ان میں صفات مدح موجود ہیں اور ان میں ان صفات کے آثار بھی پیدا ہوتے ہیں اور بعض چیزوں میں نہ وہ صفات ہیں اور نہ ان کی شان سے ہیں کہ ان میں صفات پیدا ہوں اور بعض چیزوں میں صفات موجود تو نہیں ہیں لیکن وہ قابل صفات ہیں مثلاً زندہ اور مردہ اور جماد۔ تو اس قسم کی صفات خدا کو ثابت کرنا چاہئیں اثروں کے لحاظ سے پھر تشبیہ کا تدارک یوں کر دیا جائے کہ خدا میں اور ان میں کوئی مشابہت نہیں ہے دوسری وجہ نافہمی اور سوء معرفت کی یہ ہے کہ نہایت مزین اور حسین صورتیں پیش نظر ہوتی ہیں نہایت خوش مزہ لذیذ چیزیں سامنے ہوتی ہیں یہ حسی صورتیں علم اور خیال میں بھری رہتی ہیں اس لئے خدا کی جانب خاص توجہ نہیں ہوتی اس کی تدبیر یہ ہے کہ ریاضتیں کی جائیں ایسے اعمال کی پابندی کرنی چاہیے جن سے آدمی میں تجلیات عالیہ کی استعداد پیدا ہو جائے اگرچہ اس کا ظہور عالم معاد میں ہی ہو۔ خلوتیں اور اعتکاف اختیار کرنا چاہیے۔ بقدر امکان ان شغلوں کو دور کرنا چاہیے جیسے کہ آنحضرت صلعم نے پردہ نگارین کو پارہ کر دیا تھا اور ریشمی کپڑے کو دور کر دیا تھا جس میں بیل بوٹے تھے۔

---

۱ عدم مطلق ایک شے کا محض نابود ہونا ۲ ایسی چیز جس کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں ۳ وہ شے جو جز [illegible] واحد [illegible] تقسیم نہیں ہو سکتی ہو
۵ ایسی بات جس کو انسان بغیر فکر کرنے اور سوچنے کے نہیں سمجھ سکے۔ (دیکھو صفحہ [illegible])

مبحث پانچواں نیکی اور گناہ کی حقیقت میں

مقدمہ

نیکی و گناہ کی حقیقت میں

پہلے ہم جزا اور سزا کے دلائل بیان کر چکے ہیں اس کے بعد فطری تدابیر نافع کا بیان کیا گیا کہ وہ لوگوں میں ہمیشہ بلا زوال تمام ترقی میں بہر سعادت اور اس کے حاصل کرنے کے طریقے بیان کئے گئے اب ہم نیکی و گناہ کی تحقیق میں مشغول ہوتے ہیں، نیکی وہ عمل ہے جس کو آدمی اللہ کی اطاعت سے یا الہام الٰہی کے قبول کرنے میں ہمہ تن متوجہ ہو جانے سے یا اس دنیا میں فانی ہو جانے سے کرتا ہے یا ایسا عمل ہو جس کی جزا دنیا یا آخرت میں ملے یا ایسا عمل ہو جس سے تدابیر نافع کی اصلاح ہو جاوے جن پر نظام انسانی کی بنا ہے یا ایسا عمل ہو جس سے فرمان پذیری کا اظہار ہو اور حجابات دور کرنے کا ذریعہ ہو اور گناہ وہ عمل ہے جو شیطانی تحریک اور اطاعت سے کیا جاوے یا جس کی سزا دنیا یا آخرت میں حاصل ہو یا اس سے تدابیر نافعہ میں خرابی اور ابتری پیدا ہو یا تمرد ہو اور حجابات فطرت اس سے مستحکم ہو جائیں جیسے کہ نافع تدابیر کو کامل لوگوں نے مستنبط کیا ہے اور تمام لوگوں نے ذوق شہادت سے ان کی پیروی کی ہے اور تمام روئے زمین کے رہنے والوں نے ان پر اتفاق کر لیا ہے ایسے ہی نیکی کے یہی طریقے ہیں جن کا الہام ان کے دلوں پر ہوا ہے جو ملکی روشنی سے مؤید کئے گئے ہیں ان پر حالت فطری غالب ہوتی ہے یہ الہامات ایسے ہی ہیں جیسے شہد کی مکھی کو ان امور کا الہام ہوتا ہے جو اصلاح کے لئے مفید ہیں اسی واسطے ان لوگوں نے ایسے الہامی امور اختیار کرکے اور لوگوں کو ان کی رہنمائی کی اور ان کی جمعیتوں میں تازگی پیدا کی لوگوں نے ان کی پیروی کی اور تمام مذاہب کے لوگوں نے ان پر اتفاق کیا حالانکہ ان کے دلوں میں بعد تھا ان کے مذہب مختلف تھے یہ اتفاق مناسب فطری اور نوعی اقتضا سے ہوا ہے اور جب ان امور کے اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں تو ان طریقوں کی صورتوں میں اختلاف کچھ مضر نہیں ہے اور نہ کچھ اس سے مضرت ہوتی ہے کہ لوگوں کا ناقص طبقہ اس کی تکمیل سے باز رہے صاحب بصیرت اگر ان لوگوں کی حالت پر غور کریں گے تو ان کو کبھی شک نہ ہوگا کہ خود ان کا مادہ ہی احکام صورت نوعیہ کی بجا آوری سے عاصی ہوا کرتا ہے وہ لوگوں میں ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے انسانی بدن میں عضو زائد جس کا علیحدہ ہو جانا اس کے ہونے سے زیادہ زیبا ہوتا ہے ان سنن اور قوانین الٰہیہ کے شائع ہونے کے بڑے بڑے اسباب اور سخت تدابیر ہوتے ہیں ان کو وہ لوگ مستحکم کرتے ہیں جو بوحی الٰہی مؤید ہوتے ہیں صلوات اللہ علیہم انھوں نے لوگوں کی گردنوں پر اپنا نہایت بڑا احسان ثابت کیا ہے ہمارا قصد ہے کہ ان طریقوں کے اصول پر تنبیہ کریں جن پر عمدہ اقالیم کے باشندوں اور بڑی بڑی جماعتوں نے اتفاق کیا ہے ان جماعتوں میں سے ہر ایک حصہ کا ہے الملیین اور سلاطین اور روشن رائے حکمائے عرب اور عجم یہود و مجوس و ہنود کا شامل ہے ہم یہی بیان

کرینگے کیونکہ بہیمی طاقت جب ملکی قوت کے مطیع ہوجاتی ہے تو یہ اصول کیونکر اس سے پیدا ہوتے ہیں اور ہم چند فوائد ذکر
کرینگے جن کا ہم کو چند مرتبہ ذاتی تجربہ ہوا ہے اور عقل سلیم نے بھی ان کا فیصلہ کیا ہے واللہ اعلم ۔

باب ۳۷
توحید کے بیان میں

نیکی اور اقسام نیکی میں اصل الاصول اور نہایت عمدہ قسم توحید ہے پروردگار عالم کے حضور میں نیاز و انکسار
کا حاصل ہونا اسی کی توحید پر منحصر ہے اور یہ نیازی سعادت جاذب اخلاق میں ایک بڑی چیز ہے یہ تدبیر علمی کی
بنیاد ہے جو ان دونوں تدابیر مذکورہ میں زیادہ مفید ہے اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی جانب کامل توجہ ہوتی ہے
نہایت مقدس طریقے سے نفس میں غیب کے اتصال کی اسی کی وجہ سے استعداد حاصل ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے اور اس کو تمام اقسام نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہے اگر وہ درست ہے
تو سب نیکیاں درست ہیں اگر وہ فاسد ہے تو سب نیکیاں فاسد ہیں اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مرے
اور خدا کے ساتھ کسی کو کسی امر میں شریک نہ کرتا ہو وہ بے شک جنت میں داخل ہوگا یا فرمایا ہے کہ اس پر دوزخ کی
آگ حرام یا وہ جنت سے نہ روکا جائیگا اور ایسے ہی ایسی عبارتیں وارد ہوئی ہیں اور خدا کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کے برابر اس کی خطائیں ہوں لیکن کسی امر میں خدا کا
شریک کسی کو نہ کرتا ہو تو میں ویسی ہی اسکی مغفرت کرونگا ۔

معلوم کرنا چاہئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں (۱) صرف خدا تعالے میں صفت وجوب وجود کی ثابت کرنا
کوئی دوسری چیز اس کے واجب نہ ہو (۲) صرف اسی کی ذات کو عرش و کرسی آسمان و زمین اور تمام جوہروں کا خالق
جاننا کتب الٰہیہ نے ان دونوں مرتبوں سے کچھ بحث نہیں کی ہے مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ نے بھی اس
توحید کی مخالفت نہیں کی قرآن عظیم میں صاف مذکور ہے کہ یہ دونوں مقدمات ان سب کو مسلم تھے (۳) تیسرے
آسمان و زمین اور تمام ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں مدبر صرف ذات خداوند کو سمجھنا (۴) بجز خدا کے
کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے ان دونوں قسموں میں قدرتی تعلق و ربط ہے اس لئے ایک دوسرے کو
لازم ہے اور انہیں میں فرقوں نے اختلاف بھی کیا ہے مخالفین میں تین فرقے بڑے ہیں (۱) نجومی ان کا مذہب
کہ ستارے پرستش کے مستحق ہیں ان کی پرستش سے دنیاوی منفعت حاصل ہوتی ہے اپنی حاجتوں کو ان کے
سامنے پیش کرنا چاہیے وہ قائل ہیں کہ ہم کو خوب ثابت ہوگیا ہے کہ روزانہ حوادث میں ستاروں کا بڑا اثر ہے ان کو
آدمی کی خوش نصیبی اور بدبختی تندرستی اور مرض میں بڑا دخل ہے ستاروں کے نفوس مجردہ اور علائق میں وہی انکو
ان حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں وہ اپنے پوجاریوں سے بے خبر نہیں ہیں اس لئے نجومیوں نے ستاروں کے نام پر
مورتیں بنالی ہیں انہیں کو وہ پوجتے ہیں (۲) اور مشرکوں کا وہ فرقہ مسلمانوں کے ساتھ اس امر میں توافق ہے کہ

بڑے بڑے امور کی تدبیر تو قطعی طور پر کرنے کا منصب تو خدا ہی کو ہے اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا ہے لیکن وہ
باقی امور میں مسلمانوں کے موافق نہیں ہیں ان کا مذہب ہے کہ پہلے صلحا نے جو خدا کی خوب عبادت کی ہے اس
سے وہ بارگاہ الٰہی میں مقرب ہو گئے ہیں خدا نے الوہیت کا مرتبہ ان کو عطا کر دیا ہے اس واسطے وہ بہ نسبت اور
مخلوقات کے پرستش کے مستحق ہو گئے ہیں جیسے کہ کوئی شخص کسی شہنشاہ کی نہایت خدمت کرتا ہے تب شہنشاہ
اس کو کلی خلعت عطا کر کے کسی شہر کی حکومت اور انتظام اس کے متعلق کر دیتا ہے اس لئے وہ مستحق ہو جاتا ہے کہ اس
شہر کے لوگ اس کی خدمت اور طاعت کریں۔ مشرکین کا قول ہے کہ بغیر اس کی پرستش شامل کئے عبادت
مقبول نہیں۔ وہی بلکہ خدا کا رتبہ نہایت بلند ہے اس کی عبادت سے تقرب بھی حاصل نہیں ہوتا البتہ ان لوگوں
کی پرستش ضرور ہے تاکہ یہ تقرب الٰہی کے لئے ذریعہ بن جائیں۔ مشرکین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ سنتے ہیں دیکھتے
ہیں اپنے پجاریوں کی شفاعت کرتے ہیں ان کے امور کا سر و سامان کرتے ہیں ان کے معاون رہتے ہیں اسی
لئے مشرکین نے ان کے نام کے پتھر تراش لئے ہیں جب وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان پتھروں کو اپنی
توجہ کا قبلہ کرتے ہیں۔ ان مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے انہوں نے ان پتھروں میں اور ان لوگوں میں جن کے
لئے یہ پتھر تراش کئے گئے کوئی فرق نہیں کیا اور خود انہیں پتھروں کو اصلی معبود قرار دے لیا اسی وجہ سے خدا تعالٰی نے
نے مشرکین کے رد میں تنبیہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف اسی کا خاصہ ہے اور کبھی بیان فرمایا کہ یہ
محض جمادات ہیں الہم ارجل یمشون بہا ام لہم اید یبطشون بہا ام لہم اعین یبصرون بہا ام لہم آذان یسمعون بہا کیا ان کے
پاؤں ہیں جن سے یہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں
یا کان ہیں جن سے یہ سن سکیں۔ اور فرقہ نصاریٰ کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ کو خداوند سے نہایت قرب ہے
اور تمام مخلوقات سے ان کا رتبہ زیادہ ہے اسلئے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان کو بندہ کہیں یہ ان کی شان میں
سوء ادبی ہے اور اس قرب کا لحاظ ترک کر دینا ہے جو ان کو خدا سے حاصل ہے اسلئے بعض عبارت میں خصوصیت
کے اظہار کے لئے ان کا نام ابن اللہ رکھتے ہیں چونکہ باپ بیٹے پر مہربانی کرتا ہے اپنی نظر کے سامنے اس کی تربیت
کیا کرتا ہے اس کا درجہ غلام سے زیادہ ہوا کرتا ہے اسواسطے یہی نام مناسب ہے۔ اور بعض نصاریٰ نے
حضرت عیسیٰ کا نام خدا ہی رکھ دیا ہے اس خیال سے کہ خدا نے ان میں حلول کیا ہے اسی لئے ان سے ایسے
ایسے آثار صادر ہوئے کہ آدمیوں سے وہ صادر نہیں ہوا کرتے مردوں کو انہوں نے زندہ کیا پرندوں کو پیدا کیا
اسلئے حضرت کا نام یعنی کلام الٰہی ہے اور ان کی عبادت بالکل خدا کی عبادت ہے اور نصاریٰ جب بعد کو پیدا
ہوئے تو اس نام رکھنے کی وجہ انہوں نے کچھ نہ سمجھا اور وہ بیٹے کے لفظ سے حقیقی ہی معنے کے بیٹے سمجھے یا
باپ ان کو مسیح اور بود واجب خیال کیا اسواسطے خدا تعالٰی نے کبھی ان کے اقوال کو اسطرح رد کیا کہ خدا کے پاس
بیوی نہیں اور کبھی اسطرح تردید فرمائی کہ بدیع السموات والارض انی یکون لہ ولد اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ خدا
آسمانوں اور زمین کا از سر نو پیدا کرنے والا ہے اس کی شان ہے کہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے

تو کہدیتا ہے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے ان تینوں فرقوں کے بڑے بڑے چوٹے ہوتے ہیں ان میں بکثرت خرافات
اور بیہودہ پن بھرا ہوا ہے مسلمانوں پر وہ مخفی نہیں ہیں قرآن عظیم نے ان دونوں مرتبوں کو خوب بیان کیا ہے اور ان کے
شبہات کا بالاستیعاب رد کیا ہے۔

باب ۳۸
حقیقت شرک کے بیان میں

معلوم کرنا چاہئے کہ عبادت کے معنے ہیں نہایت درجہ کی عاجزی جب کسی سے ایسے نہایت درجہ کی
ذلت اور عاجزی ظاہر ہوگی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا صورت مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا یا کا سجدہ کرنا یا قصد
اور نیت سے ہوتی ہے مثلاً سجدہ سے بندوں کی اپنے مولے کے لئے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی یا باپ
کے لئے یا شاگردوں کی استاد کے لئے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے اور جب ثابت ہو چکا
ہے کہ سجدہ سے فرشتوں نے حضرت آدمؑ کی اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کی تعظیم کی
تھی حالانکہ سجدہ سے زیادہ اور کوئی تعظیم نہیں ہے تو ضرور ہوا کہ نیت سے ہی فرق کیا جائے لیکن ابھی تک پوری
تنقیح نہیں ہوئی اس لئے کہ ہمارے لفظ کے کئی معنے مستعمل ہوتے ہیں اور یہاں اس سے مراد معبود کی ذات ہے
تو وہ گویا عبادت کی تعریف میں ماخوذ ہے پس اس کے متعلق یوں تنقیح کی جائیگی کہ ذلت و خواری کا تقاضا
ذلیل میں ناتوانی اور ضعف کا لحاظ کرنا اور دوسری میں قوت اور غلبہ کا خیال کرنا ذلیل کی حالت میں ذلت اور پستی اور
دوسری میں شرف اور رفعت کو ملحوظ رکھنا اور آدمی جب عقل الصحیح ہو جائے تو اسکو معلوم ہوگا کہ وہ قوت شرف
مسخر کرنے وغیرہ امور کے لئے دو قسم پر اندازہ کرتا ہے ایک اپنی ذات کے لئے اور اس کے لئے جو فوقی امور میں اس
سے ملتا جلتا ہو اور ایک اور ذات کے لئے جو حدوث و امکان کے داغ سے بالکل پاک ہے دوسرے ان لوگوں
کے لئے جن میں ایسی پاکیزہ ترین ذات کی بعض خصوصیتیں منتقل ہوئی ہیں مثلاً وہ امور غیبیہ کے معلوم کرنے کے لئے
دو درجے قرار دیتا ہے ایک وہ درجہ جو غور و فکر یا مقدمات کے ترتیب دینے یا بقوت حدس یا خواب یا ان چیزوں سے
الہام کو اخذ کرنا جن کے مخالف اپنے آپ کو بالکلیہ نہیں پاتا ہے دوسرے ذاتی علم جو علم کی ذات کا مقتضا ہو اور جس
سے وہ اس کو حاصل نہ کرے اور تحصیل کی محنت کا بار برداشت کرے ایسے ہی تاثیر تدبیر تسخیر کے لئے دو درجے مانتا
ہو دو درجے سمجھتا ہے ایک تو اعضا اور قوا کا استعمال کرنا مزاجی کیفیات حرارت برودت وغیرہ سے مدد لینا یا
ادا امور جن کی استعداد قریب یا بعید اس میں موجود ہے دوسری تاثیر کا درجہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اجزا کی کیفیت
جمانے و بغیر کسی امر کے استعمال کے کسی شے کو پیدا کر دینا جس کو خدا فرماتا ہے انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون
جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہدیتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے اور ایسے ہی وہ عزت کو شرف کے دو درجے
قرار دیتا ہے ایک ایسی عظمت جیسے کہ بادشاہ کی رعیت کے متعلق ہوتی ہے جس کی انتہا مردہ دینی کی کثرت

انعامات و داد و دہش کا زیادہ ہونا ہے یا جیسے کسی نبی کے تو یا ادب استاد کی عظمت دوسرے ضعیف التقوی اور شاگرد کے دل میں ہوتی ہے اور دوسرا درجہ عظمت کا وہ ہے کہ وہ صرف اُس میں ہو جس کی رفعت و شان نہایت اعلیٰ و برتر ہو اس راز کو مستعدی سے تلاش کرنا چاہیئے تاکہ تجکو یقین ہو جائے کہ جو شخص اس کا معترف ہے کہ یہ تمام امکانی سلسلہ ذات واجبی پر ختم ہو جاتا ہے دوسرے کی پھر کچھ حاجت نہیں رہتی اس کو ان صفات کامل میں کے دو درجہ قرار دینے پڑینگے ایک وہ درجہ ذات خداوندی کے لائق ہو دوسرا دوسرے جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہے۔

اور چونکہ الفاظ جو دونوں میں استعمال کئے جاتے ہیں باہم معنے کے لحاظ سے بہت قریب قریب ہوا کرتے ہیں اس لئے لوگ شریعت الٰہیہ کے مخصوص معنے کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں بعض آدمیوں یا فرشتوں وغیرہ کے ایسے ایسے فعال آدمی کو معلوم ہوتے ہیں جن کا صادر ہونا ان کی نباتات جنس سے مستبعد ہوا کرتا ہے اسلئے ان کی نظر میں حالت مشتبہ ہو جایا کرتی ہے اور ان کے لئے وہ قدسی مرتبہ اور الٰہی تاثیر ثابت کرتا ہے لوگ درجہ الٰہ کی شناخت میں برابر نہیں ہوتے بعض لوگ ان نوادر کی قوتوں کا احاطہ کر لیا کرتے ہیں جن کے اہتمام مولید بر غالب اور محیط ہوتے ہیں لیکن یہ شخص ان طاقتوں کو اپنی طاقت جیسے سمجھتے ہیں اور بعضوں کو ایسے احاطہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی مگر انسان کو بقدر تکلیف دی گئی ہے جتنی اس سے ممکن ہے اس حکایت کے یہی معنے ہیں جس کو کہ ابو صدیقہ آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ خدا نے اس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجکو جلا دینا اور میرے خاکستر کو ہوا میں اڑا دینا اس کو خوف تھا کہ مبادا خدا مجکو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پائے اس شخص کو یقین تھا کہ خدا میں کامل درجے کی قدرت ہے لیکن اس کو قدرت ان ہی چیزوں میں ہے جو کہ ممکن ہیں ممتنع چیزوں پر اس کو قدرت نہیں ہے وہ جانتا تھا کہ اس خاکستر کا جمع کرنا ممکن ہے جو پراگندہ ہو کر اس کا نصف حصہ خشکی میں ہو اور نصف دریا میں اس سے خدا کی ذات میں نقص پیدا نہیں ہوا جتنا اس کا علم تھا اتنا ہی وہ ماخوذ ہو گا لیکن کافروں میں اس کا شمار نہ ہو گا تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شرک کرنا جن سے خلاف عادت امور مانند مکاشفہ و قبولیت دعا کی ظاہر ہوتی رہتے ہیں لوگوں میں مروج ہو گیا ہے اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہے اس کو فرض ہے کہ لوگوں کو شرک کی حقیقت خوب سمجھا دیوے اور دونوں درجوں کی حقیقت ممیز کر کے مقدس درجہ کو صرف واجب تعالیٰ ہی میں مانے اگرچہ دونو درجوں کے الفاظ قریب المعنے ہوں جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب سے فرمایا کہ تو صرف رفیق ہے اور طبیب حقیقت میں خدا ہی ہے اور جیسے کہ آپ نے فرمایا کہ سردار صرف خدا ہی ہے ان حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنے لئے ہیں اس کے بعد جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حواری اور صحابہ اور ان کے حامیین دین کا زمانہ ختم ہو گیا اس کے بعد ایسے ناشدنے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ سے یہ بات بنائی جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت کو

خدا نے تمام شریعتوں میں بندگانِ خاص کے لئے ثابت کیا ہے لیکن لوگ اس کے بجائے معنے مراد نہیں لیتے اور
ایسے ہی خلافِ عادت اور مکاشفات سے وہ لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ علمِ الٰہی اور غلبۂ الٰہی کی حالت اس شخص میں
منتقل ہوتی ہے جو ایسے ایسے کام کرتا ہے حالانکہ یہ امور ناشی ہیں یا روحانی طاقتوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں
ایک خاص وجہ سے تدبیرِ الٰہی کے نازل ہونے کی استعداد آجاتی ہے ان امور کو ایجادِ الٰہی در ان امور سے
کوئی لگاؤ نہیں ہوتا جو واجب تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں
بعضے خدا کی بزرگی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور صرف شرکا ہی کی عبادت کرتے ہیں اپنی حاجتوں کو انہیں سے
مانگتے ہیں خدا کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے گو یقینی دلیل سے یقین کرتے ہیں کہ سلسلہ جو خدا پر ہی ختم ہوتا ہے
و بعض لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ سردار اور مدبر تو خدا ہی ہے لیکن وہ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی و محبوبیت
کا خلعت پہنا دیتا ہے و بعض خاص کاموں کا ان کو اختیار دیتا ہے اور ان کی سفارش کو قبول کرتا ہے جیسے کوئی
شہنشاہ کسی حصۂ ملک پر کسی بادشاہ کو بھیجتا ہے اور وہ بجز بڑے بڑے کاموں کے اس ملک کی پوری تدبیر اس کے
سپرد کر دیتا ہے اس وجہ سے ایسے شخص کے حق میں بات لوگوں نے بندگانِ خدا گفتہ کی جرأت نہیں ہوا کرتی ہیں
[illegible] ابن اللہ و محبوب اللہ کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا بندہ
کہتے ہیں [illegible] اور صحابہ و تابعین کو یہ عمل [illegible] اور ہمارے زمانہ اسلام
میں بھی بعض ایسے ہی منافق موجود ہیں اور چونکہ شریعت کی بنا اس پر ہوتی ہے کہ شرک کی جگہوں کا سدِ باب ہو اس کے
واسطے اس لئے وہ صورتیں جن میں شرک کا گمان تھا کفر شمار کئے گئے جیسے بتوں کا سجدہ اور ان کے لئے
قربانی کرنا ان کے نام پر حلف کرنا اور ایسی ہی اور صورتیں اول اول مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی
ایک قوم پیش کی گئی جو ایک چھوٹی سی زمین کے لئے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی قوم در ہاتھ پاؤں ہوتی تھی
تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے اور جیسی خفی اور ظاہری کاری نے بت پرستوں کو
گھیر لیا ہے ویسے ہی ان شمس پرستوں کو بھی گھیر لیا ہے میں نے کہا کہ ان لوگوں نے تو کسی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہے لیکن ذات
کے درجہ کو عزت کے درجہ تک نہیں لایا ہے سو اسلئے میں ان لوگوں میں شرک کی تاریکی نہیں پاتا مجھ سے کہا گیا کہ
تجھے اصلی راز کی رہبری ہو گئی ہے اسی روز سے میرا دل علمِ توحید سے لبریز ہو گیا اور مجھ کو بصیرت حاصل ہو
گئی اور توحید و شرک اور ان چیزوں کی حقیقت جن کو شرع نے توحید و شرک کا موقع قرار دیا ہے بخوبی مجھ کو معلوم ہو گئی
ہے اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا واللہ اعلم۔

باب ۳۹
شرک کے اقسام میں

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑے بزرگ شخص کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر اس سے

صادر ہوتے ہیں وہ اسی لئے صادر ہوتے ہیں کہ اس میں ایسی کمالی صفت حاصل ہو گئی ہے جو اس کے ابنائے
جنس میں معمولی طور پر نہیں ہوتی بلکہ صرف خدا تعالے ہی میں پائی جا سکتی ہے۔ دوسرے کسی شخص میں اسکا
جب ہی امکان ہے کہ خدا تعالے نے الوہیت کا خلعت اس کو پہنا دیا ہے۔ اس کو خدا اپنی ذات میں فانی کر دیا
ہی ہو وغیرہ کوئی اور ہو جس کا مشرکین اعتقاد کیا کرتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین تلبیہ (لبیک کہنا)
اس طرح پر کیا کرتے تھے لاشریک لک الا شریکا ہو لک تملکہ وما ملک۔ ہم حاضر ہیں ہم حضور میں ہیں تیرا کوئی شریک
نہیں ہے اں دو شریک جس کا تو مالک ہے اور جس کی تمام ملکیت کا تو مالک ہے) اسی لئے اس شخص معبود کی
نسبت کمال ذلت اور عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس سے ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ کوئی بندہ اپنے
خدا کے ساتھ شرک کے قصد سے کیا کرتا ہے اور اس قسم کے معاملات کی مختلف صورتیں اور قالب ہوا کرتے ہیں
شریعت کو صرف انہیں صورتوں سے بحث ہوتی ہے جن کو لوگ عمل میں لاتے ہیں اور ان امور میں شرک
کا احتمال ہوتا ہے اور عادت وہ شرک کو لازم ہو گئی ہیں ایسے ہی شرع کی عادت اور روش یہ ہے کہ بجائے
مصالح اور مفاسد کے ان کے اسباب وعلل کو قرار دیتی ہے ہم ان امور پر متنبہ کرتے ہیں جن کو شریعت محمدیہ نے
(علے صاحبہا الصلوات والتسلیمات) شرک کے موافق قرار دے کر ان امور کو منع کیا ہے ان میں سے یہ ہے کہ مشرکین بتوں
اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اسی لئے یہ حدیث ہے کہ منع فرمایا خدا تعالے فرماتا ہے لا تسجدوا للشمس ولا للقمر
واسجدوا للہ الذی خلقہن (آفتاب اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ ان کے خالق کو سجدہ کرو) اور سجدہ کرنے میں شرک کرنے
کو ضرور لازم ہے کہ تدبیر میں بھی شرک ہو گا اس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور ویسا نہیں ہے جیسے متکلمین کا
گمان ہے کہ توحید عبادت احکام الٰہیہ میں سے ایک حکم ہے اور یہ حکم مذہبوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے
اس کے لئے دلیل یقینی کی ضرورت نہیں ہے یہ قول درست نہیں اگر یہی ہوتا تو خدا مشرکین کو الزام کیوں دیتا کہ وہ
پیدا کرنے اور تدبیر کرنے میں یگانہ ہے خدا فرماتا ہے قل الحمد للہ وسلم علی عبادہ الذین اصطفی ءاللہ خیر (کہہ الحمد للہ
اور مقبول لوگوں پر سلام ہے کیا خدا بہتر ہے) (تیرا پانچ تیوں تک) یہی حق ہے کہ مشرکین مقر تھے کہ بڑے
بڑے امور کی تدبیر اور خلق خدا ہی کی صفت ہے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ عبادت ان دونوں صفتوں کو لازم ہے
توحید کے معنے میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں اسی واسطے خدا تعالے نے ان کو الزام دیا رہید الحجۃ البالغۃ
اور انہیں امور شرکیہ میں سے یہ تھا کہ مشرکین اپنے اغراض کے لئے غیر خدا سے امداد طلب کیا کرتے تھے بیماری کی شفا
اور فقیروں کی تونگری کو ان سے طلب کرتے تھے ان کے لئے نذریں مانتے تھے ان نذروں سے ان کو حل
مطالب کی امید ہوا کرتی تھی تبرکاً ان کے نام جپا کرتے تھے اسی واسطے خدا تعالے نے لوگوں پر واجب کیا کہ
نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے یاوری کے خواہاں ہیں)
پڑھا کریں اور خدا نے فرمایا فلا تدعوا مع اللہ احدا (خدا کے ساتھ دوسرے کو مت پکارا کرو) اور دعا کے معنے عبادت
کے نہیں ہیں جیسے بعض مفسرین کا قول ہے بلکہ اس سے ... جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے

بلیا فلاں فلاں نیک شخص یا قدم مدد گار ہے (خدا ہی سے مدد طلب کرو تاکہ وہ حاجت پوری ہو جائے جس میں تم مدد کے خواہاں ہو)
نہیں اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ مشرکین بعض شخص کا ایسے ہی کا نام عبد اللات یا عبد العزیٰ رکھتے تھے نہایت سخت وعید کے
تشدد سے ان اپنے افعال سے روکے گئے پہلے ہم اس کا بیان کر چکے ہیں اور منجملہ امور شرکیہ میں سے
یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے علماء اور زاہدوں کو بجز خدا کے اپنا حاکم اور پروردگار بنا رکھا تھا اُن کا اعتقاد تھا کہ
جس چیز کو یہ لوگ حلال کر دیتے ہیں وہ حلال ہو جاتی ہے نفس الامر میں اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہوتا اور
جس چیز کو وہ حرام کر دیتے ہیں وہ واقع میں مواخذہ کے قابل ہوا کرتی ہے اور جب آیہ اتخذوا احبارہم
ورہبانہم ارباباً من دون اللہ (کافروں نے علماء اور زاہدوں کو دوسرا خدا بنا رکھا ہے) نازل ہوئی تو عدی
بن حاتم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنے دریافت کیے آپ نے فرمایا کہ جن چیزوں
کو وہ حلال کر دیا کرتے تھے ان کو لوگ حلال سمجھنے لگتے تھے اور جن چیزوں کو حرام بتاتے تھے ان کو لوگ
حرام ہی سمجھتے تھے اس کا یہ راز ہے کہ تحلیل اور تحریم کا موجود کرنا ملکوت میں جاری ہوا کرتا ہے کہ فلاں شے
مواخذہ کے قابل ہے اور فلاں قابل مواخذہ نہیں ہے اس طرح پر موجود کرنا مواخذہ اور ترک مواخذہ کا سبب
ہوتا ہے اور یہ بجز خدا کے کسی دوسرے کی صفت نہیں ہو سکتی تحلیل اور تحریم کی نسبت آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف اس واسطے کیا کرتے ہیں کہ آپ کا فرمانا قطعی قرینہ ہوتا ہے کہ یہ خدا ہی نے حرام یا حلال
کیا ہے امت محمدیہ کے مجتہدین کی طرف اس واسطے نسبت کرتے ہیں کہ انہوں نے نص شارع سے
اس کو نقل کر دیا ہے یا شارع کے کلام سے اس کو مستنبط کیا ہے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ جب خدا تعالیٰ کسی پیغمبر
کو مبعوث کرتا ہے اور اس کی رسالت معجزات سے ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی زبان سے بعض امور کا
حلال و حرام ہونا معلوم ہو جاتا ہے تاہم بعض لوگوں کو اس خیال سے کہ اُن کے مذہب میں کوئی چیز حرام تھی
اس کے کرنے میں کشیدگی سی رہا کرتی ہے یہ توقف دو طرح پر ہوتا ہے اگر اس کو اس شریعت کے ثبوت
ہی میں کلام ہے تب تو وہ کافر ہے اور اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلی تحریم منسوخیت کے قابل ہی نہیں تھی خدا
نے اپنے بندے کو الوہیت کا خلعت پہنا دیا تھا وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھا کسی امر سے اس کا منع کرنا
یا کسی امر کو اس کا مکروہ خیال کرنا مالی یا جانی نقصان کا باعث ہے ایسا شخص مشرک ہے وہ گویا خدا کے
لیے غصہ اور ناخوشی تحلیل اور تحریم الٰہی کا ثابت کرتا ہے اور بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر صحابہ کے نام بدل دیے تھے جن کا نام عبد العزیٰ اور عبد الشمس تھا اُن کا نام عبد اللہ
اور عبد الرحمن وغیرہ رکھ دیا تھا یہ سب مذکورہ بالا امور شرک کے قالب تھے اس واسطے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
ان سب سے لوگوں کو روک دیا۔

باب ۴۰

خدا تعالیٰ کے صفات پر ایمان لانے کے بیان میں

نیکی کی تمام قسموں میں سب سے زیادہ عظیم قسم خدا تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا ان کے ساتھ خدا
کے متصف ہونے کا اعتقاد کرنا ہے اس کی وجہ سے بندے اور خدا تعالیٰ کی ذات میں تعلق کا دروازہ مفتوح ہو جاتا
ہے اور خدا تعالیٰ کی بزرگی و کبریائی کے منکشف ہونے کا ذریعہ حل آتا ہے معلوم کرنا چاہئے کہ خدا کا مرتبہ اس
سے بلند ہے کہ کسی عقلی یا حسی چیز پر اس کو قیاس کر سکیں یا اس میں صفات ایسے حلول کریں جیسے اپنے
اپنے محل میں عوارض حلول کرتے ہیں یا عام عقلیں ان کا اندازہ کر سکیں یا معمولی لفظ ان کو ادا کر سکیں لیکن لوگوں کو
ان صفات کی پہچان نہایت ضروری ہے تاکہ حتی الامکان وہ اپنے کمال کو پورا کر سکیں اس لئے ضرور ہے کہ صفات کا
جب استعمال کیا جائے تو ان سے نتیجے اور غائتیں مد نظر لی جائیں نہ ان کی ابتدائی حالتیں مثلاً رحمت کے معنے سے
نعمتوں کے ذریعہ سے نفع پہنچانا مراد ہو نہ دل کا میلان اور نرمی اور نیز معنی صفات کے بیان کرنے کے لئے
استعارے لئے جائیں جن سے خدا کا کمال اور تعالیٰ معلوم ہو جیسے بادشاہ کا شہر پر قبضہ ہوتا ہے اس لئے
کہ تمام موجودات خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اس غرض کے لئے کوئی اور عبارت زیادہ خوش ادا نہیں ہے
اور تشبیہات کا اس طرح استعمال ہو کہ ان کے اصلی معنے مراد نہ ہوں بلکہ ایسے معنے مقصود ہوں جو عرفاً اصلی معنے کے
مناسب ہوں مثلاً اللہ کی کشایش سے جود و فیاضی مراد ہو اور تشبیہ کے بیان میں یہ لحاظ رہے کہ مخاطبین کو کہیں توہم حلول
کا خدا کی ذات میں ہونے کا شبہ معلوم ہو جس میں مخاطبین کی حالت مختلف ہو جاتی ہے اس لئے یوں کہنا چاہئے
کہ خدا سنتا ہے دیکھتا ہے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ چکھتا ہے چھوتا ہے جب چند معانی کا سبب ایک ہی اثر ہو تو ان
کی بعض معانی کو ایک ہی نام سے تعبیر کریں جیسے کہیں رزق یا ستودہ ان اوصاف کی خدا سے نفی کی جائے
جو اس کی شان کے شایان نہ ہوں خصوصاً وہ اوصاف جن کو کافر بیان کیا کرتے ہیں مثلاً خدا کے کوئی فرزند نہیں
اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے تمام آسمانی مذاہب نے اتفاق کیا ہے کہ خدا کی صفات اس طرح بیان کی جائیں ان
عبارتوں کا استعمال ہو بہو رہے اور استعمال سے زیادہ ان کی بحث و تفتیش نہ کی جائے جن زمانوں کی خوبی اور
بہتری کی شہادت دی گئی ہے وہ اسی حالت پر گذر گئے لیکن ان کے بعد مسلمانوں کے ایک فرقے نے
ان مباحث و تحقیق معانی میں زیادہ خوض کیا لیکن اس کے متعلق نہ کوئی نص تھی نہ دلیل قطعی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مخلوق میں غور کرو اور خالق میں مت غور کرو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے آیت وان الی ربک المنتہیٰ میں فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور کرنا بجا نہیں ہے اور صفات چونکہ
مخلوق اور ناپیدا نہیں ہیں تو ان میں غور کرنے کے معنے یہی ہیں کہ خدا میں حقیقتیں کیونکر حاصل ہو گئیں تو
گویا ان میں غور کرنا خالق ہی میں غور کرنا ہو گیا ترمذی نے حدیث ید اللہ ملأی (خدا کا ہاتھ بھرا ہوا ہے) کے متعلق

بیان کیا ہے کہ محدثین نے اس حدیث کی نسبت بیان کیا ہے کہ جس طرح یہ حدیث وارد ہے ویسے ہی ہم اس پر
ایمان لاتے ہیں نہ اس کی ہم کچھ تفسیر کرتے ہیں نہ اس میں کسی اور امر کا خیال کرتے ہیں اکثر ائمہ کا قول یہی ہے ان
میں حضرت سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابن عیینہ اور عبد اللہ بن مبارک بھی ہیں یہ سب کہتے ہیں کہ یہ امور روایت
سے ثابت ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا کیونکر ہے اور دوسرے موقع پر ترمذی ہی نے کہا ہے
کہ ان صفات کو جیسا کا تیسا رکھنا تشبیہ نہیں ہے تشبیہ جب ہی کہا جائے کہ خدا کی صفت شنوائی اور بینائی ایسی ہو
جیسی ہماری شنوائی اور بینائی حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے صحیح طریقہ
سے کوئی ایسا امر منقول نہیں ہے کہ جس سے اس کی صاف توضیح ہو سکے کہ متشابہات میں تاویل کرنا ضروری ہے
یا تاویل بیان کرنا بالکل منع ہے یہ امر محال ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کی تبلیغ کا حکم دے جو خدا کی جانب سے لوگوں پر
نازل ہوئیں اور الیوم اکملت لکم دینکم بھی ان پر نازل ہوا پھر بھی متشابہات کا کچھ ذکر نہ کیا جائے اور اس کی کچھ تمیز نہ ہو کہ
خدا کی جانب کسی امر کو منسوب کر سکتے ہیں اور کس کو منسوب نہیں کر سکتے حالانکہ آنحضرت ہمیشہ لوگوں کو آمادہ کیا کرتے
تھے کہ احادیث کو نقل کرتے رہیں اور فرماتے رہے کہ حاضر شخص غائب کو سب حالات کی خبر دے دے حتیٰ کہ لوگوں
نے آپ کے اقوال و افعال اور حالات کو اور ان امور کو جو آپ کے سامنے پیش آئے بخوبی نقل کر دیا پس معلوم ہوا کہ سب
سلف لوگوں کا اتفاق رہا کہ جو خدا کی ان متشابہات سے مراد ہے اسی پر ایمان رکھنا چاہئے مخلوقات کے مشابہات
سے خدا تعالیٰ نے اس طرح تنزیہ ذکر کر دی ہے کہ لیس کمثلہ شیء، اس کی مثل کوئی نہیں ہے، جس شخص نے
ان کے بعد اس قول کی مخالفت کی تو گویا اسلامی طریقے کے مخالف کی انتہے میں کہتا ہوں کہ شنوائی، بینائی، قدرت
ضحک، کلام، استواء میں کوئی فرق نہیں اہل زبان کی نظر میں ان تمام اوصاف سے وہی معنی مفہوم ہوتے ہیں جو خدا
کی بارگاہ قدس کے لائق نہیں ہیں ضحک میں اگر کوئی استحالہ ہے تو یہی ہے کہ اس کے لئے منہ چاہئے ایسے
ہی صفت کلام کا حال ہے اور گرفت و نزول میں بھی یہی استحالہ ہے کہ بغیر ہاتھ پیروں کے نہیں ہو سکتے ایسے ہی یہ
شنوائی اور بینائی کی صفت بھی گوش اور آنکھ کی خواہاں ہے واللہ اعلم، ان غوض کرنے والوں نے اہل حدیث پر بڑی
زبان درازی کی ہے اور ان کا نام مجسمہ اور مشبہ رکھا ہے، کہتے ہیں کہ یہ لوگ (تجسیم) کو چھپاتے تھے مجھکو خوب صاف
ظاہر ہو گیا ہے کہ ان کی زبان درازی محض بے معنی ہے اپنے قول میں انہوں نے اور روایۃً خطا کی ہے اور درایت
کی نسبت ان کا طعن بیجا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ متشابہات میں دو مقام ہیں (۱) یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو صفات
کس طرح ثابت ہوئے ہیں آیا یہ صفات ذات خداوندی پر زائد ہیں یا اس کی عین ذات ہیں اور شنوائی بینائی اور
کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے، بادی الرائے میں جو ان الفاظ سے معنے سمجھے جاتے ہیں وہ خدا کی شان کے مناسب
نہیں ہیں اس مرتبہ کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا ہے بلکہ اس میں بحث و گفتگو کرنے
سے اپنی امت کو روک دیا ہے اس لئے کسی کی تاب نہیں ہے کہ جس چیز کو آپ نے منع فرما دیا ہے اسکا اقدام
کرے اور دوسرا مقام یہ ہے کہ ایسی صفات کون سی ہیں جن کو ہم شرع کی اجازت سے خدا کے لئے ثابت کر سکیں

اور ایسی کون سی ہیں جن کا اطلاق خدا کے لئے درست نہیں ہے اس کے متعلق حق یہ ہے کہ خدا کی صفات اور
اسما توقیفی ہیں یعنی اگرچہ ہم کو وہ قواعد معلوم ہیں جن کو شرع نے صفات الٰہی کے بیان کرنے کے لئے معیار قرار دیا ہے
جس کو ہم کتاب کے شروع میں تحریر کر چکے ہیں لیکن اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر صفات میں خوض کرنے کی انکو
اجازت دے دی جاوے تو وہ خود بھی گمراہ ہو جائیں اوروں کو بھی گمراہ کر دیں۔ اور بہت سی صفات بھی ایسی ہیں کہ
ان کے ساتھ خدا تعالے کو موصوف کرنا اصل میں جائز ہے لیکن کفار کے بعض فرقوں نے ان کا بے جا استعمال
کیا ہے یہ استعمال ان میں شائع تھا اس لئے دین فساد کے دور کرنے کو شرع نے ان صفات کے استعمال سے
منع کر دیا ہے۔ اور بعض صفات ایسے ہیں کہ اگر ان کو ظاہری معنے میں استعمال کریں تو خلاف مقصود کا وہم ہوا کرتا ہے
اس واسطے ان صفات کے استعمال سے بھی احتراز چاہئے اسی حکمت سے شرع نے اوصاف کو توقیفی قرار دیا ہے
اور اپنی رائے سے ان میں خوض کرنے کو ناجائز ٹھیرایا ہے اور حاصل یہ ہے کہ شمک فرحت بشاشی کا استعمال کرنا
خدا کی شان میں جائز ہے اور ڈر یا خوف وغیرہ کا استعمال درست نہیں ہے اگرچہ ان دونوں قسموں کا ماخذ قریب
قریب ہے اور یہ مسئلہ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کر دی عقل اور نقل سے موید ہے اس کے آس پاس باطل کو گذر
نہیں ہے لوگوں کے اقوال اور مذہب کے باطل کرنے کا یہ موقع بھی نہیں ہے بلکہ اور موقع میں ان کا ابطال
کیا جاتا ہے اور ہم ان الفاظ متشابہ کی تفسیر اور دوسرے معنے سے بھی کر سکتے ہیں جو بہ نسبت ان علما کے معنے کے
زیادہ قریب الفہم اور مناسب ہوں جو معنے انہوں نے ذکر کئے ہیں وہ بھی تک بالکل متعین نہیں ہوئے ہیں دلیل
عقلی ان پر ہم کو مجبور نہیں کرتی اور دوسرے معنے کے لحاظ سے کچھ ان کو ترجیح اور فضیلت بھی نہیں ہے تو ان میں
یہ حکم کیا جاتا ہے کہ یہی اقوال مراد الٰہی کے موافق ہیں تو ان کے اعتقاد پر اجماع اور اتفاق ہو گیا ہے یہ بات بھی بہت
دور ہے اسلئے ہم کہتے ہیں مثلاً تمہارے سامنے تین قسم کی چیزیں ہیں زندہ۔ جماد۔ مردہ اور زندہ چونکہ دانا مخلوق
میں موثر ہوتا ہے اس واسطے زندہ کی حالت کو حضور خداوندی سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے اس لئے ضرور ہے کہ ہم
خدا کا نام حی رکھیں اور ہمارے حق میں علم اشیا کی ظاہر اور منکشف ہونے کا نام ہے اور خدا پر بھی تمام اشیا
منکشف ہیں پہلے وہ سب اس کی ذات میں مندرج تھیں اس کے بعد ان کا وجود تفصیلی ہوا اس لئے ضرور ہے کہ ہم
اس کو علیم کہہ سکتے ہیں اور بینائی اور شنوائی سے نظر آنے والی اور سنی گئی چیزوں کا پورا انکشاف ہوا کرتا ہے اور خدا
کو یہ انکشاف نہایت کامل درجہ کا ہے اسلئے ہم اس کو سمیع اور علیم ضرور کہینگے اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص
نے یہ ارادہ کیا تو اس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ کسی کام کے کرنے یا ترک کرنے کی خواہش اس میں ہوئی اور جب
کسی کام کی شرائط منظور ہو جاتی ہے یا عالم میں کوئی استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو خدا تعالے بھی اکثر کاموں کو فعلیت
میں لاتا ہے جو چیزیں پہلے ضرور تھیں شرط اور استعداد ان کو ظہور میں کر دیا کرتی ہے اور بہت دور کے
معنوں میں خدا کے علم سے بکثرت اجتماع ہو جاتا ہے حالانکہ پہلے سے وہ اتفاق نہیں ہوا کرتا اس وجہ سے خدا کو
مرید کہا جاتا ہے اور نیز جب ارادۂ الٰہی جو خدا کی ذاتی صفت ہے اور خواہش اس کے معنے بیان کئے گئے ہیں

ایک مرتبہ تمام عالم سے وہ متعلق ہوچکا اور بعد کو وقتاً فوقتاً نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اسلئے یہی مناسب ہے
کہ ایسی ہر چیز کیطرف اسکو منسوب کرکے کہیں کہ خدا نے ایسا ارادہ کیا اور ویسا ارادہ کیا۔

اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو قدرت ہے تو اسکے یہی معنے ہوا کرتے ہیں کہ وہ کوئی کام کرسکتا ہے
اور کوئی خارجی سبب اس کو نہیں روک سکتا۔ اور دو متعدد چیزوں میں سے گو تو دونوں ایک ہی کو اختیار کرنے
تو اس سے نفی قدرت نہیں ہوسکتی اور خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ محض اپنی عنایت اور خواہش ذاتی سے
بعض افعال کو پسند کرتا ہے اور ان افعال کے مخالف امروں کو ترک کردیتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام قادر ہے
اور جب کلام کیا فلاں نے فلاں سے کہا جاتا ہے تو اسکے یہی معنے ہوا کرتے ہیں کہ اسنے اپنے مقصود معانی کو ان لفظوں سے
ادا کردیا جن سے وہ معانی معلوم ہوتے تھے اور خدا بھی اکثر اپنے بندے کو علمی فیض پہنچایا کرتا ہے اور ان کے
ساتھ ہی الفاظ کا بھی افاضہ کرتا ہے جن کی صورت اس بندے کے خیال میں منعقد ہوجاتی ہے وہی الفاظ ان معنے
پر دلالت کیا کرتے ہیں جسکی وجہ سے تعلیم خوب صاف اور صریح ہوتی ہے اسوجہ سے خدا کو متکلم کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے
فرمایا ہے وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من وراء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علی حکیم (آدمی کا مرتبہ
نہیں ہے کہ خدا اس سے ہم کلام ہو مگر وحی سے یا پردے کی آڑ میں وہ کلام کرتا ہے یا کسی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے
وہ خدا کی اجازت سے جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے بیشک خدا بڑا اور حکمت والا ہے وحی نام ہے دل میں کسی چیز کا
خواب کے ذریعے سے ڈال دینا یا جب غیب کی طرف توجہ ہو تو بدیہی طور پر علم پیدا کردینا اور پردے کی آڑ
کے معنے یہ ہیں کہ ایک منظم گفتگو کو سنادے سامع کسی گفتگو کرنے والے کو نہ دیکھتا ہو لیکن واقع میں اسکی آواز
سن رہا ہو یا خدا کبھی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے اور وہ اس کے سامنے صورت مکرر ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پیغمبر عالم غیب
کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے تمام حواس مغلوب ہوتے ہیں کہ دفعتہ وہ گھنٹے کی سی جھنکار کو سنتا ہے جیسے
سرخ اور سیاہ رنگوں کے دیکھنے سے غشی سی طاری ہوجایا کرتی ہے چونکہ خطیرۃ القدس میں یہ مطلوب ہے
کہ لوگوں میں نظام قائم کیا جائے اگر ان کے طبائع اس نظام کے موافق ہوتی ہیں تو وہ ملاء اعلیٰ میں شامل ہوکر
نیکیوں سے نورانی ہوجاتے ہیں ان کو نفسانی بشاشت حاصل ہوتی ہے فرشتوں اور لوگوں پر الہام ہوتا ہے
کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور اگر ان کی طبائع اس نظام کے مخالف ہوتی ہیں تو ملاء اعلیٰ سے انکی علیحدگی
ہوجاتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی بیزاری سے ان پر مصیبت ہوتی ہے اور جیسا پہلے ذکر ہوا ہے ان کو تکلیف و عذاب
ہوتا ہے اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ خدا خوشنود ہے شکر کی جزا دیتا ہے یا خدا ناخوش ہوا اس کی لعنت ہوئی یا اور
اسی لئے ہوتے ہیں کہ بمقتضائے مصلحت عالم کے احکام جاری رہیں اور منجملہ نظام عالم کے اس امر کا پیدا کرنا بھی ہے
جسکے لئے دعا مانگی گئی ہو اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے دعا قبول کرلی اور ہمارے استعمال میں رویت کے
معنے یہ ہیں کہ نظر آنے والی چیز پوری طرح پر ظاہر ہوجائے اور لوگوں کو جب اخروی وعدے حاصل ہونگے تو انکو
تجلی حاصل ہوگی جس کا قیام عالم مثال کے وسط میں ہے تمام لوگ اسوقت خدا کو برائے العین دیکھینگے سواسطے

ضرور ہے کہ کیا چاہئے انکم سترونہ کما ترون القمر لیلۃ البدر (بیشک تم خدا کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا کہ شب بدر میں ماہ کو دیکھتے ہیں) واللہ اعلم۔

باب ۴۱

قدر پر ایمان لاتے ہیں

قضا و قدر پر ایمان لانا بڑے اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے اسی سے آدمی کو وہ یکسان تدبیر نظر آسکتی ہے جو تمام عالم کو سمیٹے ہوئے ہے جس شخص کو اس تدبیر کا ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہو گا وہ ان چیزوں پر نظر رکھیگا جو خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں دنیا اور مافیہا ان کا عکس اُسے معلوم ہو گا لوگوں کے اختیارات کو قضائے الٰہی کے مقابلے میں ایسا سمجھے گا جیسے آئینہ میں صورت کا عکس ہوتا ہے اس سے اس شخص میں تدبیر کا نہ کا انکشاف ہو گا اگرچہ کامل انکشاف عالم معاد ہی میں ہو گا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نیکی کے تمام قسموں میں اس کا بلند رتبہ ہونا بتایا ہے کہ جس شخص کا قدر کی نیکی اور برائی پر ایمان نہ ہو تو میں اس سے جدا ہوں اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ کسی بندہ کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ قدر کی نیکی اور برائی پر ایمان نہ رکھے اور خوب یقین کرے کہ جو کوئی عمل درست ہو گیا اسمیں خطا کا دخل نہ تھا اور جو اس سے خطا کی اسمیں درستی کا احتمال نہ تھا۔

معلوم کرنا چاہئے کہ خدا کا علم ازلی اور ذاتی تمام اُن چیزوں کو محیط ہے جو موجود ہو چکیں یا آئندہ موجود ہونگیں یہ محال ہے کہ خدا کے علم سے کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اس کے علم میں نہ تھی اگر ایسا ہو تو وہ علم نہ ہو گا بلکہ جہل ہو گا یہ مسئلہ تو شمول علم کا ہے قدر کا مسئلہ یہ نہیں ہے اس مد میں کسی اسلامی فرقہ نے مخالفت نہیں کی ہے جس قدر کا حال مشہور حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اور سلف صالح کا وہی عقیدہ رہا اور محققین ہی کو اس کے سمجھنے کی توفیق ہوئی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تکلیف کو دور کرتی ہے اور جب یہ حالت ہے تو عمل کرنے کے کیا معنے ہیں وہ قدر وہی ہے جو قبل موجود ہونے کے حادث اشیا کے وجود کو ضروری قرار دیتی ہے اس کے لازم کرنے سے وہ شے موجود ہوتی ہے نہ گریز کرنا اس کو دفع کر سکتا ہے نہ کوئی اور ذریعہ مفید ہے اس قدر کے واقع ہونے کے پانچ مرتبے اور درجے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ازل میں قرار دیا کہ عالم کو ایک عمدہ صورت میں پیدا کرے حتی الامکان اس میں سب خوبیاں ہوں تمام مصلحتوں کا لحاظ ہو اس کے موجود ہونے کے وقت تمام اضافی خوبیوں کے آثار ہوں خدا کے علم کی نہایت اُس پر ہوئی کہ ان کی تمام صورتوں میں سے خاص خاص صورتیں متعین کر دیگئیں اس طرح پر تمام حوادث اشیا کا ایک مرتب سلسلہ قائم ہو گیا جن سے سبب کے وجود یکجا ہو گئے ان کے مصداق میں کثرت تھی خداوند عالم کا جس پر کوئی امر پوشیدہ نہیں ہو سکتا یہ ارادہ کرنا کہ عالم کو موجود کرے یہی معنی رکھتا ہے کہ اس نے وجود عالم کی صورت کو نہایت الامر خاص کر دیا دوسرا مرتبہ یہ کہ اس نے ہر چیز کے مقدار اور اندازہ کو مقدر کیا روایت کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام

مخلوقات کے مقداروں کو پچاس ہزار برس پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے لکھ دیا تھا یہ اس طرح ہوا کہ عرش کے وجود میں خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر ایک کی صورت مقرر کر دی شریعت میں اس مرتبہ کو ذکر سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً اس نے وہاں محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت موجود کی اور مقرر کر دیا کہ وہ فلاں وقت میں لوگوں کی طرف مبعوث ہونگے لوگوں کو احکام الٰہیہ پر مطلع کرینگے ابولہب ان کا انکار کریگا دنیا میں خطا اور گناہ اسکے دل کو احاطہ کریگا اور آخرت میں آتش دوزخ سے اس پر عذاب ہوگا اسی صورت کی وجہ سے تمام حادث چیزوں کا ظہور اسی روش و طریقے سے ہوتا ہے کہ جیسے وہاں انکا اندازہ ہو چکا تھا ۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ خدا نے جب آدم علیہ السلام کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ تمام آدمیوں کے باپ ہر نوع انسانی کے پیدا ہوں تب اس نے ان کی اولاد کی صورتیں عالم مثال میں پیدا کردیں اور نور و تاریکی سے ان کی سعادت اور شقاوت کی صورت مقرر کر دی ان کی ایسی حالت بنا دی کہ احکام الٰہیہ سے مکلف ہونے کے قابل ہوں ان میں اپنی شناخت اور نیازمندی کا مادہ پیدا کیا عہدِ قدیم کی جو لوگوں کی فطرت میں مخفی رکھا گیا ہے یہی اصل ہے اسی کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا ہے اگرچہ وہ واقعہ انکو یاد نہ رہا ہو جو لوگ زمین پر پیدا کئے گئے ہیں اور نہیں صورتوں کا عکس ہیں جو وہاں موجود ہو چکے ہیں ان میں وہی امور ظاہر ہیں جو وہاں پیدا ہو چکے تھے ۔

چوتھا درجہ اسوقت تقدیر اور اندازہ کا ہوتا ہے کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے جب تخم خرما خاص وقت میں کسی زمین میں بویا جاتا ہے اور سب اس کی خاص خاص تدبیریں تربیت کے متعلق عمل میں آتی ہیں تو جس شخص کو اس درخت اور زمین و ہوا کی خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں وہ جان جاتا ہے کہ یہ درخت اچھی طرح اُگے گا اس کی شان دیکھکر بعض بعض امور کا پتہ لگا لیتا ہے ایسے ہی اس زمانے میں مدبر فرشتوں کو اس کی عمر اور رزق کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص ان لوگوں کے سے عمل کریگا جن کی ملکی قوت بہیمی پر غالب ہوتی ہے یا ان لوگوں کے سے جن کی ملکی قوت بہیمی سے مغلوب ہوتی ہے اس کی سعادت اور شقاوت کے سے ڈھنگ ان کو معلوم ہو جاتے ہیں کسی واقعہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہر چیز کا اندازہ کیا جاتا ہے خطیرۃ القدس سے زمین پر ہر ایک کا نزول ہوتا ہے ایک صورت پہلے مثالی زمین کیطرف منتقل ہوتی ہے پھر اس کے احکام یہاں پھیل جاتے ہیں اس کو میں نے اکثر مرتبہ مشاہدہ کیا ہے ایک بار لوگ باہم مناقشہ کر رہے تھے ان کا رنج بڑھتا جاتا تھا میں نے خدا سے التجا کی کہ یہ مناقشہ ان میں سے دور ہو جاوے اسی وقت ایک مثالی نورانی نقطہ خطیرۃ القدس سے زمین پر نازل ہوا وہ آہستہ آہستہ پھیلتا گیا جتنا وہ پھیلتا تھا وتناہی رنج ان کے دلوں سے دور ہوتا جاتا تھا ابھی ہم اپنے مجلس سے علٰحدہ نہ ہوئے تھے کہ ان سب میں باہم ایسے ہی میل و محبت پیدا ہو گئے جیسے پہلے تھے یہ بے نزدیک خدا تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی ایسے ہی میرا ایک لڑکا بیمار پڑا تھا میرا دل اس طرف لگا ہوا تھا اتنے میں نماز ظہر پڑھ رہا تھا کہ اس کی موت کو میں نے نازل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کا اسی روز میں انتقال ہو گیا حدیث میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ زمین پر پیدا ہونے سے پہلے سب حوادث پیدا ہو جاتے ہیں اسکے بعد اس علم

میں اسی طرح پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں کہ جیسے پہلے مرتبہ پیدا ہو چکے تھے یہ خدا کا قانون اور طریقہ ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ جو چیزیں وہاں موجود ہو چکی تھیں وہ محو ہو جاتی ہیں خدا تعالے فرماتا ہے یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب
اللہ جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے) مثلاً
کبھی کسی بلائی کچھ نہ کچھ پیدائش ہو جایا کرتی ہے وہ مصیبت زدہ پر نازل ہونے کو ہوتی ہے کہ دعا اس کو روک لیتی ہے
اور کبھی موت کی پیدائش ہونے کو ہوتی ہے کہ کوئی نیکی اس کو روک لیتی ہے اس کا راز یہ ہے کہ یہ نازل ہونے والی
شے بھی معمولی اسباب میں سے ایک ایسا ہی سبب ہے جیسے بقا سے زندگی کے لئے کھانا اور پینا اور موت
کے لئے زہر کھا لینا یا تلوار مارنا۔ اکثر احادیث سے معلوم ہو گیا ہے کہ ایک عالم ایسا ہے جس میں تمام تمام بالخیر چیزیں
مجسم ہوتی اور معانی اس میں منتقل ہوتے ہیں قبل اس کے کہ کوئی شے زمین میں پیدا ہو جایا کرتی ہے جیسے رحم کا عرش میں
معلق ہونا اور فتنے ایسے نازل ہوتے ہیں جیسے قطروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور نیل و فرات پہلی سدرۃ المنتہٰی کی جڑ میں
پیدا کئے گئے تھے پھر زمین پر ان کو اتار دیا ہے ایسے ہی سورہ حدید اور انعام کا نازل کرنا مجموعہ قرآن کا دور سے آسمان
پر اتارنا۔ اور آنحضرت اور دیوار مسجد کے بیچ میں جنت اور دوزخ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح ہو جانا
کہ خوشہ انگور کو توڑ سکیں اور دوزخ کی حرارت کو محسوس کر سکیں۔ اور دعا اور بلا کے باہم کشتی۔ ذریت آدم کو پیدا کرنا
عقل کا پیدا کرنا۔ وہ سامنے ہونے اور اس سے پیٹھ پھیر لی۔ سورہ بقر آل عمران کا پرندوں کی دو صفوں کی صورت
میں ظاہر ہونا اعمال کا وزن جنت کا ناگوار چیزوں سے اور دوزخ کا خواہشوں سے بھرا ہونا۔ ایسے ہی اور امور بھی میں
جس کو حدیث کا ادنےٰ علم بھی ہوگا وہ ان امور کو خوب سمجھ سکتا ہے اور اپنے مسببات کے لئے اسباب کے سبب
ہونے کی تقدیر کچھ مزاحم نہیں ہے۔ اس کا تعلق اس سلسلے سے ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی مرتبہ مرتب ہو گیا ہے
جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ منتر اور دوا اور پرہیز تقدیر الٰہی سے بچا سکتے ہیں آپ نے فرمایا
یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سرغ (نام مقام کے قصہ) میں فرمایا گیا یہ امر نہیں ہے کہ اگر
تم اونٹ کو سبزہ زار میں چراتے تو تقدیر سے ہی چراتے۔ بندوں کو اپنے افعال کا اختیار ہے لیکن اس اختیار میں
ان کا کچھ اختیار نہیں ہے اس لئے کہ اس اختیار کے لئے ضرور ہے کہ مقصود کی صورت مع نفع اور خواہش اور عزم
پیدا ہو جائے اور ان سب امور کا علم بھی نہیں ہوا کرتا پھر نہیں خود مختاری کیسی۔ آنحضرت فرماتے ہیں ان القلوب بین
اصبعین من اصابع اللہ یقلبہا کیف یشاء (دل خدا کی دو انگشتوں میں ہیں جس طرح چاہتا ہے انکو پھیر دیتا ہے) واللہ اعلم۔

باب ۴۲

اس پر ایمان لانا چاہئے کہ عبادت کرنا بندوں پر خدا تعالے کا حق ہے خدا بندوں پر انعام کرنیوالا ہے اور بالقصد انکو جزا دینیوالا ہے

معلوم کرو کہ نیکیوں کے تمام اقسام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی خالص دل سے اسطرح یقینی اعتقاد

کرے کہ دوسرے کسی خلاف اعتقاد کا اس میں احتمال بھی نہ ہو۔ عبادت کرنا بندوں پر خدا تعالے کا حق ہے کہ خدا
کی جانب سے عبادت کا بندوں سے ایسا ہی مطالبہ کیا جاتا ہے جیسے کہ اور حقدار اپنے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے
ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا ہے کہ اے معاذ تم جانتے ہو کہ خدا کا بندوں پر
اور بندوں کا خدا پر کیا حق ہے حضرت معاذ نے عرض کیا خدا اور اس کے رسول ہی کو یہ خوب معلوم ہے آپ نے
فرمایا خدا کا بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی خالص عبادت کریں کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں۔ اور بندوں کا حق خدا
پر یہ ہے کہ جو بندہ مشرک نہ ہو خدا اس کو عذاب نہ دے۔ اس لئے کہ جس شخص کا اس امر پر کہ عبادت خدا کا حق
ہے یقینی اعتقاد نہ ہوگا اور اس کی نظر میں یہ احتمال ہوگا کہ آدمی بالکل مہمل اور بے مہار ہے اس سے عبادت کا
مطالبہ نہیں ہے اور پروردگار مرید و مختار کی طرف سے عبادت کا کچھ مواخذہ نہ ہوگا تو ایسا شخص دہریہ ہوگا
اگر اعضاء ظاہری سے اس نے عبادت کی بھی لیکن دلی حالت پر وہ کچھ موثر نہ ہوگی خدا کے اور اس کے درمیان
کوئی دروازہ مفتوح نہ ہوگا۔ جیسے عادۃً وہ اور کام کرتا ہے ایسے ہی وہ عبادت بھی کریگا۔ اصل امر یہ ہے کہ عالم جبروت کے
حوض میں ایک ایسا موقع ہے جہاں قصد و ارادہ قرار پاتا ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے وہ اس موقع کے لحاظ سے اس کام کو کرنا یا اسکو
ترک کر دینا دونوں درست ہوا کرتے ہیں اگرچہ مصلحت فوقانی کے لحاظ سے کوئی امر متردد یا مشکوک نہیں رہا کرتا وہاں کوئی حالت منتظرہ نہیں ہوا
کرتی یا کسی امر کا ہونا خود ہی قرار پایا جاتا ہے یا اس کا نہ ہونا۔ ان لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے جو اپنا نام حکما کہتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ ارادہ میں کسی شے کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں نے بعض چیزیں
محفوظ رکھیں اور بہت سی چیزیں ان کی نظر سے غائب رہیں۔ وہ جبروت کے اس موقع کے مشاہدہ کرنے
سے محجوب ہیں۔ اور آفاقی و انفسی دلائل ان پر قائم ہو سکتی ہیں۔ ان کے محجوب ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ ان کو
اس مقام کی رہبری نہیں ہوئی جو تجلی اعظم اور ملاء اعلے کے بین بین ہے جیسے شعاع کے جوہر میں تمام ہوتی ہے
ایسے ہی اس مقام کی حالت ہے وبقدر المثل الاعلے اس مقام میں کسی امر کے ہونے کی صورت قرار پا جایا کرتی ہے
ملاء اعلے کے علوم اور ان کے حالات اس تقرر کے باعث ہوا کرتے ہیں لیکن اس شے کا کرنا نہ کرنا بھی ایک
امر اختیاری ہوا کرتا ہے۔ ان حکما کے مقابلے میں دلیل اس طرح پر قائم ہو سکتی ہے کہ ہر شخص اس کو بداہتہً جانتا ہے
کہ [illegible] علم لے لیا جایا کرتا ہے لیکن بھی یہ شخص محض ایک شے کا قصد کرنیوالا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس قصد کے
اعتبار سے اس شے کا کرنا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے اس قوت کے لحاظ سے جو اس شخص کے نفس میں ہے فعل
یا ترک فعل میں کوئی ترجیح نہیں ہوا کرتی اگرچہ فوقانی مصلحت نے اس امر کا واجب الفعل یا واجب الترک ہونا طے
کر دیا ہو یہی حالت ان سب امور کی سمجھ لینی چاہئے کہ خاص خاص استعدادیں ان کے باعث ہوا کرتی ہیں اور
مادے جیسی جیسی صورتوں کے لئے قابل اور مستعد ہوا کرتے ہیں ویسے ہی صورتیں خالق صور کی جانب
سے ان پر نازل ہو جایا کرتی ہیں جیسے دعا کی جاتی ہے تو اسکے بعد قبولیت مرتب ہوتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک
جدید شے کے پیدا ہونے میں دعا کو ایک قسم کا دخل ہے۔

اور اس تقریر میں اگر یہ شبہ ہو کہ اس حالت میں مصلحت فوقانی سے ناواقفیت معلوم ہوتی ہے کہ اس مصلحت نے
کس چیز کو واجب کیا ہے تو یہ مقام حقائق اور نفس الامری کیونکر ہوا ۔ میں کہتا ہوں کہ حاشا للہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ
علم ہے اور اس مقام کا حق پورا کرتا ہے۔ جہل جب ہوتا کہ یوں کہا جاتا کہ یہ شے واجب نہیں ہے تمام شرائع الٰہیہ
نے اس جہل ہی کی نفی کی ہے اس لئے کہ انھوں نے ایمان بالقدر کو ثابت کیا ہے۔ ما اصابک لم یکن لیخطئک وما اخطأک
لم یکن لیصیبک (جو چیز تم کو پہنچی ہے اس میں چوک ہونے والی نہ تھی اور جس چیز میں چوک ہوگئی وہ تجکو پہنچنے والی نہ
تھی) جب یہ کہا جائیگا کہ اس موقع کے لحاظ سے اس شے کا کرنا یا نہ کرنا درست ہوتا ہے تو یہی علم حق ہے یقیناً جب
تم شتر زکو نہ کام کرتے ہوئے اور اونٹنی کو مادینہ کام کرتے ہوئے دیکھو گے تو اس وقت اگر یہ حکم کروگے کہ یہ کام
مجبوری سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پتھر دوسرے کے لڑکانے سے لڑکتا ہے تو تم خلاف واقعہ حکم کروگے
اور اگر یہ کہوگے کہ بلا سبب یہ کام صادر ہوتے ہیں نہ اونٹ کا مزاج ان کا باعث ہے نہ اونٹنی کا تب بھی تمہارا حکم خلاف واقعہ
ہوگا اور اگر یہ کہوگے کہ ان کا ارادہ جو ان کی ذات اور طبیعت میں منقش ہے صرف فوقانی ضرورت کا ناقل ہے اسی پر اس کا
سہارا ہے خود ان میں کوئی ذاتی اور مستقل جوش اور ہیجان کسی امر کا نہیں ہوا کرتا اس فوقانی حالت کے علاوہ کوئی
اور آماجگاہ نہیں ہے تب بھی یہ حکم خلاف واقعہ ہوگا بلکہ امر حق اور یقینی بین بین حالت ہے یعنی اختیار ایک معلول
ہے جو اس کی علل و اسباب ہیں ان سے اس کو تخلف نہیں ہوا کرتا جو کام مقصود ہوا کرتا ہے اسی کے اسباب
اسی کے باعث ہوا کرتے ہیں ان کے لحاظ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کام نہ ہو لیکن اس اختیار کی شان اور
اس کی اپنی حالت کیوجہ سے اس میں سببیت اور سرور حاصل ہوا کرتا ہے کسی فوقانی امر کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا
اب اگر تو اس مقام کا حق ادا کرے کہیگا کہ میں اپنی ذات میں معلوم کرتا ہوں کہ کسی امر کا کرنا نہ کرنا میرے نزدیک برابر
تھا اور میں نے اس کا کرنا اختیار کرلیا ہے اور یہ میرا اختیار ہی اس کام کی علت اور سبب ہے تو البتہ تو اپنے
قول میں سچا ہوسکے گا شرائع الٰہیہ نے اسی ارادے کی خبر دی ہے جو اس مقام میں منقش ہوا کرتا ہے بہرحال ثابت
ہوگیا کہ ایک ایسے ارادے کا ثبوت ہے جو وقتاً فوقتاً متعلق ہوتا رہتا ہے اور اس کے لحاظ سے دنیا اور آخرت
میں جزا ثابت اور مرتب ہوتی رہتی ہے ۔ اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ مدبر عالم نے احکام شریعت کے واجب
کرنے سے عالم میں تدابیر کو قائم کیا ہے کہ لوگ اس شریعت پر عمل کریں اور اس سے منفعت حاصل کریں تو
گویا شریعت سے لوگوں کو مامور کرنا ایسا ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے وہ
اپنے ان غلاموں سے خوش ہوتا ہے جو اس کی خدمت کریں اور ان سے وہ ناخوش ہوتا ہے جو خدمت کرنے
سے انکار کریں ۔ اسی طرز و انداز پر شریعتوں کا نزول ہوا ہے ۔ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ صفات الٰہیہ وغیرہ کا بیان
شریعتوں میں ایسے طرز و عنوان سے ہوا کرتا ہے کہ ان کے بیان کے لئے کوئی اور عبارت زیادہ خوش ادا
اور حق کو زیادہ واضح طور پر بیان نہیں کرسکتی ۔ شریعت کی تعبیر کبھی حقیقۃً لغوی کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی
استعارت مجازی کی صورت میں ۔ شریعت نے اس امر کے دریافت کرنے پر کہ اطاعت خداوند عالم کا حق ہے لیکن کو

اِن مقدمات کی وجہ سے قدرت دی ہے یہ تینوں اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں اور بعض امور مشہور اور بدیہی کے ان کی نظر میں ہو گئے ہیں ۔

(۱) خداوند عالم منعم ہے اور منعم کا شکریہ واجب ہوا کرتا ہے اور عبادت کرنا اُسی انعامات کا شکریہ ہے ۔

(۲) خداوند تعالےٰ بارگاہ احدیت سے اعراض کرنیوالوں اور دنیا میں عبادت کے ترک کرنیوالوں کو سخت سزا دیتا ہے ۔

(۳) خدا تعالےٰ آخرت میں اطاعت اور نافرمانی کی جزا دیگا ان مقدمات سے تین قسم کے اور علوم کا اضافہ ہوتا ہے ۔

(۱) انعامات الٰہی کا یاد دلانا ۔

(۲) انتقامات خداوندی کا یاد دلانا ۔

(۳) معاد کے حالات کا یاد دلانا ۔ قرآن بزرگ میں انہیں علوم کی تشریح ہے ۔ ان علوم کی تشریح کی جانب زیادہ توجہ اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ انسان کی اصل فطرت میں خدا جل مجدہ کی جانب ذاتی میلان پیدا کیا گیا ہے یہ میلان ایک امر دقیق ہے اس کی صورت آدمی کی خلقت میں ہی منقش ہے ۔ انسانی خلقت میں یہ مندرج ہے کہ خدا تمام ہوتوں کا منعم ہے ان کے اعمال کی جزا دیتا ہے اس واسطے اس پر ایمان ہونا چاہئے کہ عبادت اُسی کا حق ہے ۔ وجدان صحیح سے یہ امر ثابت ہے پس جو شخص اس رائے کا انکار کرے یا اُس کو اس میں کلام ہو کہ بندہ پر خدا کا کوئی حق نہیں ہے یا جزا سزا پر اس کو یقین نہ ہو وہ شخص دہریہ ہے اس کی فطرت سلیم نہیں اس نے میلان کو کھو دیا جو فطرۃً اسکی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا تھا ایسا شخص دہریہ کا نائب اور خلیفہ اور اسکے قائم مقام مانا جاتا ہے ۔

اور اگر اس میلان کی حقیقت معلوم کرنی چاہتے ہو تو سمجھو کہ روح انسانی میں ایک لطیفہ نورانی ہے جس کو بالطبع خدوند عالم کی جانب ایسی ہی کشش ہے جیسے لوہے کو مقناطیس کیطرف ہوتی ہے ۔ وجدان سے یہ امر معلوم ہے ۔ جو شخص اپنے لطائف نفسانی کے آثار معلوم کرنے کا نہایت خوض سے متلاشی ہوگا اور ہر لطیفہ کی کیفیت کو وہ معلوم کریگا تب وہ اس لطیفہ نورانی کی کیفیت بھی معلوم کرسکیگا اور یقینا معلوم کریگا اس کو خداوند تعالےٰ کی جانب بالطبع میلان اور کشش ہے اہل وجدان کے نزدیک اس میلان کا نام محبت ذاتی ہے جبکہ اور وجدانی امور کے لئے دلائل کی حاجت نہیں ہے ایسے ہی اس کے لئے بھی نہیں ہے وہ ایسا ہے جیسے گرسنہ کی بھوک اور تشنہ کی تشنگی جب آدمی مخالف عقل کے احکام کی وجہ سے پردہ اور تاریکی کی حالت میں ہوتا ہے تو اسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے اُس نے اُنھوں میں کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو اور اسکی بالکل حس جاتی رہی ہو ۔ اس پر گرمی اور سردی کا کچھ اثر نہیں ہوتا جب اس کے لطائف عقلی میں مزاحمت سے خاموشی اور سکون پیدا ہوتا ہے یہ خواہ اضطراری موت سے ہو جس سے نسمہ کے بہت سے اجزا منتشر ہو جاتے ہیں اور نسمہ کی اکثر ماہیتیں گھٹ جایا کرتی ہیں ۔ یا اختیاری موت سے ہو کہ نفسانی اور بدنی ریاضتوں کے ذرائع عجیب عجیب اس نے استعمال کئے ہوں تب وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوتا ہے کہ مخدر چیز کا اثر جس میں سے دور ہو گیا ہو اس وقت میں وہ اپنی ذاتی اثروں کو معلوم کرسکتا ہے جن کی پہلے اس کو خبر بھی نہ تھی پس جب آدمی کی وفات ہوتی ہے اور بارگاہ ازلی کی طرف اس کو توجہ نہیں ہوا کرتی اس حالت میں

اگر اُس کا اعراض محض جبلی بسیط اور سادہ لاعلمی سے ہوا کرتا ہے تو ایسا شخص کمال نوعی کے خلاف شقی ہوا کرتا ہے بعد مرنے کے اُسکو برزخ کے بعض حالات کا انکشاف تو ہوگا لیکن ذاتی استعداد کے نہ ہونے سے کامل انکشاف نہ ہوگا اِس لئے وہ حیران بیکار و بیکار رہ جائیگا اور اگر اِس اعراض کے ساتھ اُس کی علمی اور عملی قوتوں میں کوئی مخالف صورت توجہ الی اللہ کے قایم تھی تو وہاں باہم کشمکش ہوگی اور اُس کا نفس ناطقہ جبروت کی طرف اور نسمہ مخالف صورت حاصل کرنے کی وجہ سے عالم سفل کی طرف منجذب ہو جائیگا اُس میں وحشت اور سرگردانی ہوگی جو نفس ناطقہ کے جوہر سے صعود کریگی اور اُس نسمہ کے جوہر پر پھیل جائیگی اکثر توحش کے ہمرنگ اُسکو واقعات بھی پیش آئینگے جیسے صفراوی مزاج والے کو خواب میں آگ کے شعلے نظر آیا کرتے ہیں یہ کلیہ معرفت کی حکمت سے پیدا اور معلوم ہوتا ہے اور نیز ملاء اعلیٰ کی جانب سے ایسے شخص پر غضب ناک تند نظری بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ وغیرہ ذوی اقتدار نفوس کے دلوں پر الہامات ہوتے رہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ایذا اور تکلیف پہنچائیں یہ قاعدہ ان ارادوں اور خواہشوں کے اسباب معلوم کرنے سے دریافت ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ۔

بہرحال جبروت کی طرف میلان اور عمل کو واجب قرار دینا جس سے اُس قید سے رہا ہو سکے جو لطائف سفلی کی مزاحمت سے پیدا ہوتی ہے اور اُس واجب کردہ عمل کے ترک سے مواخذہ کرنا یہ صورت نوعیہ کے احکام اور اُسکی قوتوں اور اثروں میں سے ہے جس کا خالق صور اور وجود کا فیضان عطا کرنے والے کی جانب سے افراد نوعی کے ہر فرد پر مصلحت کل کا لحاظ کرکے فیضان کیا گیا ہے ۔ لوگوں کے ذاتی التزام یا رسم و رواج کی پابندی سے نہیں ہے اور یہ تمام اعمال حقیقتہً اس لطیفہ نورانی کا ہی فرض اور حق ہے جس کو خدا کی جانب ذاتی کشش ہے ان اعمال سے اُسی لطیفہ کی خواہش کا پورا کرنا اور اُسکی ہی کجی کا درست کرنا ہے اور چونکہ یہ مضمون نہایت دقیق تھا اُسکو بخوبی سمجھنے والے لوگ شاذ و نادر ہی ہوا کرتے ہیں اسواسطے اس حق کی نسبت اس لطیفے کی جانب نہیں کی جاتی ہے بلکہ اُس کو ذات خداوندی کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی طرف اُس کا میلان اور وہی اُسکا قبلہ مقصود ہے اور اُس میں نفسانی قوتوں میں سے خاص ایک قوت کو معین کر لیتا ہے جسکی وجہ سے میلان ہوا کرتا ہے تو گویا وہ مضمون ہمارے اس قول کا مختار ہے کہ عبادت لطیفہ کا حق ہے اسوجہ سے کہ اُسکو خدا کی جانب میلان ہوا کرتا ہے شارع علیہ السلام نے اس راز کو نہایت صاف عبارت سے ظاہر کر دیا ہے جس کو لوگ اپنی ذاتی اور فطری علوم سے سمجھ سکیں ۔ خدا کا یہی طریقہ کہ وہ دقیق معانی کو اُن مثالی صورتوں کے لباس میں نازل کیا کرتا ہے جو وجود مثالی کے مناسب ہوا کرتی ہیں جیسے کہ ہم کو خواب کے ضمن میں مجرد معانی کسی شے کی ایسی صورت میں نظر آیا کرتے ہیں جو اُن معانی کو عادۃً لازم یا اُس کے ہمرنگ اور مشابہ ہوا کرتی ہے اسیواسطے کہا جاتا ہے کہ عبادت بندوں پر خدا تعالیٰ کا حق ہے اس طرح پر قرآن مجید کا حق اور پیغمبر کا ۔ آقا کا ۔ والدین کا ۔ رشتہ داروں کا حق قیاس کر لینا چاہئے حقیقت میں یہ سب نفس کے حقوق خود اپنے ہی ذمہ پر ہیں جنہیں سے نفس کو اپنے کمال کی تکمیل ہوا کرتی ہے ۔ اُن کی وجہ سے وہ جور و تعدی سے آزاد ہو جاتا ہے لیکن اِن حقوق کی نسبت نفس کی طرف نہیں کیا کرتے بلکہ اُن اشیا کی طرف کیا کرتے ہیں کہ جن سے حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے

دران سے ہی معاملہ پڑتا ہے۔ اس لئے تم کو ظاہری امور پر نہیں چلنا چاہئے بلکہ واقعی امور کا تحقیق سے سراغ لگانا چاہئے۔

باب ۴۳

خدا کے نشانات اور شعائر کی تعظیم کے بیان میں

خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب (دلی تقوی میں سے خدا کے نشانات کی تعظیم بھی ہے) معلوم کرو کہ شریعتوں کی بنا شعائر الٰہی کی تعظیم اور انکے ذریعہ سے خدا کی حضور میں تقرب حاصل کرنے پر ہے اس کی وجہ وہ ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جس طریقے کو خدا نے مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ جو امور نفس تجرد میں ہیں ان کی نقل اس طرح کی جائے کہ قوت بہیمی انسانی سے ان کا استعمال کر سکے اور شعائر سے وہ ظاہری اور محسوس امور مراد ہیں جو اس لئے قرار دئے ہیں کہ عبادت الٰہی کا وہ ذریعہ ہوں۔ خدا کے ساتھ اُن کو خصوصیت ہو لوگوں کے ذہن میں ان کی تعظیم گویا خدا کی تعظیم سمجھی جاتی ہو۔ اور ان میں کوتاہی بارگاہ خداوندی میں کوتاہی ہو یہ تعظیم لوگوں کے دلوں میں ایسی راسخ ہو گئی ہو۔ کہ اگر ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں تب بھی تعظیم ان کے دلوں سے نہ نکل سکے۔ اور شعائر کا وجود قدرتی طور پر ہو جایا کرتا ہے جب اطمینان دلی سے وہ کوئی عبادت اختیار کرتے ہیں اور وہ عبادت ان میں مشہور۔ اور شائع ہو کر بمنزلہ بدیہی امور کے ہو جاتی ہے کوئی شک و شبہ اُس میں باقی نہیں رہتا۔ تو انہیں امور کے ذریعہ سے جن کو اُن کی طبیعتیں اور مشہور علوم ضروری قرار دیتے ہیں رحمت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ سب اُس رحمت کو قبول کرتے ہیں اور ان کی حقیقت پر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ برابر قریب و بعید اُسکی طرف بلائے جاتے ہیں۔ اسوقت میں اُن امور کی تعظیم لوگوں پر واجب قرار دیجاتی ہے اور ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسے خدا کے نام کی قسم کھانیوالا اپنی قسم توڑنے سے خدا کے حق میں گویا کمی اور کوتاہی دل میں رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اسی ماندولی کی پر اُن سے مواخذہ کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں بہت سے ایسے امور کی شہرت ہوتی ہے لوگوں کے خیالات اور علوم میں ان کی عظمت ہوتی ہے اُنکے خیالات کا قطع ہونا اس کا باعث ہوتا ہے خدا کی رحمت کا ظہور نہیں امور میں ہوتا ہے جن کو وہ تسلیم کرتے ہیں تدبیر کی بنا اس پر ہے کہ پہلے سب سے زیادہ آسان امر کیا جائے اُس کے بعد اس سے آسان۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ جو ان کی نظر میں نہایت درجہ تعظیم کی چیز ہے۔ اسی سے لوگوں کی دارو گیر ہو لوگوں کا یہی کمال ہے کہ اہتمام سے ان امور کی تعظیم کریں سستی اور اہمال اس میں نہ کریں خدا تعالےٰ نے بندوں کے لئے کوئی ایسی چیز قرار نہیں دی ہے جس کا فائدہ خدا کو ملتا ہے۔ خدا کی شان اُس سے برتر ہے۔ بلکہ جو کیا ہے نہیں کے بندوں کے لئے کیا ہے اور چونکہ ان کا ذاتی کمال یہ تھا کہ نہایت درجہ تعظیم ہو۔ اس واسطے جو امور ان کے نزدیک تعظیمی ہوں۔ انہیں کا مواخذہ کیا جائے اور ان کو حکم دیا جائے کہ خدا کی شان میں کوتاہی نہ کریں اور شریعت کے امور میں زیادہ لحاظ تمام لوگوں کی

جماعت کا ہوا کرتا ہے نہ ایک دو شخصوں کا (حجۃ اللہ البالغہ)۔

خدا کے بڑے شعائر چار ہیں (۱) قرآن (۲) کعبہ (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) نماز۔ قرآن کا نشان الٰہی ہونا اس طرح پر ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج تھا۔ سلاطین کی تعظیم کے تابع فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور انبیاء کے صحیفے اور اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہوگئی تھیں لوگوں کا اُنکے مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کا تعظیم کرنا۔ ان کا پڑھنا پڑھانا بھی تھا۔ ان کے علوم کو ہمیشہ کے لئے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں محال بھی تھا جس کو وہ پڑھیں اس کی روایت کریں اسواسطے لوگوں کا منشا ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہو وے اور اس کی تعظیم واجب ہو تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب وہ کتاب پڑھی جاوے تو سب لوگ خاموش ہو کر اسکو غور سے سنیں۔ اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں سجدۂ تلاوت کریں جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کریں۔ بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ نہ لگائیں اور کعبہ کا شعائر میں سے ہونا اس نے قرار پایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کنیسے بنائے تھے۔ ان کی نظر میں کسی ذات مجرد غیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا بغیر اس کے محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے۔ اس میں جانا اور رہنا باعث تقرب کا ہو۔ بادی الرائے میں ان کی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی اس واسطے اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے ضرور ہوا کہ خدا کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعہ سے ہو۔ لوگ اس کا طواف کریں اُسکے ذریعہ سے خدا سے تقرب حاصل کریں۔ اس لئے خدا نے ان کو خانہ کعبہ کیطرف بلایا۔ اس کی تعظیم کا حکم دیا۔ اس کے بعد ایک زمانہ بعد زمانہ کے آتا رہا ہر زمانہ میں یہ علم پیدا ہوتا رہا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے۔ اس میں کمی خدا کی شان میں کمی ہے اس لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہوگیا اور اس کی تعظیم کا اس طرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اُسکا طواف نہ کیا جائے۔ نماز میں اُس کے سامنے کھڑے ہوں ضرورت بشری کے وقت اس کے سامنے نہ ہو۔ نہ اس کی طرف پشت کریں اور پیغمبر صاحب کا شعائر الٰہیہ میں سے ہونا اس واسطے ہے کہ ان کا نام مرسل اسی واسطے رکھا گیا ہے کہ ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت دیگئی ہے جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ سلاطین کے احکام کی ان کو اطلاع کرتے ہیں۔ ایلچیوں کی تعظیم اسواسطے قرار دیگئی ہے کہ اس سے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہو۔ پیغمبر کی تعظیم یہ ہے کہ اُنکے احکام کی بجا آوری کی جاوے۔ اس پر درود بھیجا جاوے۔ گفتگو کرتے وقت آواز بلند نہ کیجاوے اور نماز کا شعائر میں سے ہونا اسواسطے ہے کہ اس سے مقصود بندگان شاہی سے مشابہت کا اظہار ہے۔ جب وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور عاجزانہ درخواست وہاں کیجاتی ہے اس لئے دعا کرنے سے پہلے تعریف کیجاتی ہے اور آدمی کو ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کیوقت سلاطین کے سامنے اختیار کیجاتی ہیں۔ تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے جاتے ہیں کسی قسم کی بے توجہی نہیں کیجاتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خداوند کریم اُسکے مُنہ کے سامنے ہوتا ہے۔ (ایضاً)

باب ۴۴

وضو اور غسل کے اسرار میں

کبھی کبھی آدمی طبعی تاریکیوں سے جدا ہو کر حظیرۃ القدس کی روشنیوں کو اخذ کر لیتا ہے یہ انوار اس پر غالب ہو جاتے ہیں وہ تھوڑے عرصہ کیلئے طبیعت کی حالت سے نکل جاتا ہے۔ وہ ان روشنیوں میں منسلک ہو جایا کرتا ہے اور تجرد نفس کی طرف متوجہ ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں میں سے ہے اسکے بعد پھر اسکی وہی اصلی حالت ہو جاتی ہے اسوقت یہ اسی پہلی حالت کے مناسب امور کا وہ مشتاق ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ حالت نہیں ہوتی لیکن وہ انہیں امور کو غنیمت جانتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اس فوت شدہ حالت کو ان امور سے اپنے دام میں لے آئے اس معرفت کی وجہ سے وہ اسی حالت کا سا لطف اور سرور و انبساط پاتا ہے۔ کیفیت اسکی بیہودگی کے ترک کرنے اور پاکیزگیوں اور ستھرائیوں کے استعمال سے حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ ان امور کی پابندی سے پابند ہوتا ہے اور اس کے بعد اس شخص کا مرتبہ ہے کہ اس نے مخبر صادق کو تعلیم دیتے ہوئے سنا کہ یہ حالت آدمی کیلئے موجب کمال ہے پروردگار اسی حالت کو آدمی سے پسند کرتا ہے۔ اور اس میں بے نہایت فائدے ہیں یہ سنکر اس نے دلی شہادت سے اسکو سچا جانا اور جیسا اسکو حکم دیا تھا ویسے ہی اسنے تعمیل کی جتنا وہ اس پر کاربند ہوتا گیا اتنا ہی اسکی تمام خبروں کو حق پاتا گیا اور اس پر رحمت کے دروازے کھلتے گئے۔ اور فرشتوں کی سی حالت اس کی ہو گئی۔ اس کے بعد اس شخص کا مرتبہ ہے جو کہ خود اس حالت کو کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن انبیا نے اسکو ایسی تدبیروں سے اسطرف زبردستی کھینچا اور مجبور کیا جو سعادت میں آدمی کو فرشتوں کیساتھ ملحق کر دیتی ہیں یہی لوگ وہ ہیں جو جنت کیطرف زنجیروں کے ذریعہ سے کھینچے جاتے ہیں۔ وہ ناپاک امور جن کا اثر ظاہر النفس پر ہوا کرتا ہے پلیدی کا خیال ان میں زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور انہیں کا وقوع بھی زیادہ ہوتا ہے اگر وہ نہ بتائے جائیں تو لوگوں کو ضرر پہنچ سکتا ہے تلاش سے دو قسموں میں منحصر ہیں (۱) فضول شکم میں طبیعت کا مصروف رہنا۔ فضول معدی تین چیزیں ہیں (۱) ریاح (۲) بول (۳) براز۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنی اس نفسانی کیفیت کو نہ جانتا ہو۔ کہ جب شکم ریح سے پر ہوتا ہے۔ اور اسکو بول و براز کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا دل کیسا گرفتہ اور محبوس سا ہوتا ہے وہ متحیر اور منقبض سا ہو جاتا ہے اور اسکے اور بشاشی کے بیچ میں پردہ سا حائل معلوم ہوتا ہے جب ریاح خارج ہو جاتے ہیں بول و براز سے فارغ ہونے کے بعد طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور غسل و وضو وغیرہ کا استعمال کرتا ہے جس سے نفس کی پاکیزگی پر تنبیہ ہوتی ہے تو اسوقت وہ اپنے دل میں ایک شگفتگی اور مسرت پاتا ہے ایسا خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی گم شدہ شئے ملگئی (۲) نفس کا خواہش مجامعت میں مشغول اور فریفتہ ہونا اس کی وجہ سے نفس کا رخ ہمہ تن بہیمی طبیعت کی جانب پھر جاتا ہے جب بہائم سے مقصود آداب کی مشق بڑھائی جاتی ہے یا شکاری جانور بھوک اور جاگنے کے لئے مطیع کئے جاتے ہیں ان کو بتایا جاتا ہے کہ اپنے مالک کے پاس شکار پکڑ لائیں اور پرندوں کو آدمیوں کی بولیاں سکھائی جاتی ہیں بہرحال کوئی جانور ہو جب اس کی مقتضائے خواہش اور طبیعت کے کھونے کی بخوبی کوشش کی جاتی ہے پھر یہ جانور ان چیزوں کو سیکھ لیتا ہے اگر اپنی خواہش کو پوری کرتا ہے چند روز انہیں انکی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو سب کچھ سیکھا ہوا بھول جاتا ہے اور کی دگرگون حالت نہیں پیدا ہو جاتی ہے ◆

ان امور میں غور کرنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نفس کی دو حالتیں ہیں جو اثر سے خواہش کے پورا کرنے سے ہوتا ہے
کثرت کھانے وغیرہ اور ان تمام امور سے نہیں ہوتا جن سے نفس کو بہیمیت کی جانب کشش ہوتی ہے آدمی کو اسکا تجربہ
ہی انسانی حالت سے جی کر لینا چاہئے اور ان تدبیر کو یاد کرنا چاہئے جن کا ذکر اطبائے تارک دنیا راہبوں کی جماعت اور نفس بہیمی
کی طرف کی طبیعتوں کو پھیلنے کیلئے کی ہیں اور طہارتیں ہیں جن کا اثر صریح محسوس ہوتا ہے عام لوگوں کو وہ سمجھائی جا سکتی ہیں اور
بادشاہوں میں ان طہارتوں کا ذریعہ پانی وغیرہ بکثرت موجود ہے لوگوں کے دلوں میں سب طہارتوں سے زیادہ انکا وقع
ہوتا ہے اور علاوہ قدرتی حقائق کے تمام لوگوں میں وہ مسلم اور مشہور بھی ہوگئی ہیں تلاش سے ان کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں
(۱) طہارت صغریٰ (۲) طہارت کبریٰ۔

طہارت کبریٰ سے یہ مراد ہے کہ تمام بدن دھویا جائے اس لئے کہ پانی خود ایک پاک چیز ہے سب نجاستوں کو دور کر دیتا ہے
تمام طبیعتوں نے اسکے اثر کو تسلیم کر لیا ہے نہایت عمدہ ذریعہ ہے کہ جس کی وجہ سے صفت طہارت پر نفس متنبہ ہو جائے اکثر لوگ شراب کا
استعمال کرتے ہیں نشہ میں چور ہو جاتے ہیں اسی مدہوشی میں ناحق خون کرتے ہیں یا نہایت نفیس مال کو ضائع کر دیتے ہیں اسکے
بعد دفعۃً وہ متنبہ ہو جاتے ہیں اپنی ہوش میں آ کر نشہ کا اثر ان سے دور ہو جایا کرتا ہے اور اکثر اوقات ان لوگوں کو نشست برخاست
کی طاقت نہیں ہوتی کوئی کام نہیں کر سکتے دفعۃً کوئی کام پیش آتا ہے اور ان کی طبیعت میں کوئی بڑی تنبیہ پیدا ہوتی ہے جس
سے غلبہ یا حمیت یا دوسرے سے بڑھ جانے کا جوش پیدا ہوتا ہے اسوقت بڑے کاموں سے بڑا کام وہ کر سکتے ہیں یا کوئی بڑی
خونریزی کر بیٹھتے ہیں بہرحال نفس کی حالت بعض صورت دفعۃً بدل جایا کرتی ہے اور ایک عادت سے دوسری عادت کے لئے
بیداری اس میں پیدا ہوا کرتی ہے نفسانی طاہروں کیلئے اس قسم کی تبدیلیاں مفید اور عمدہ ہیں اس قسم کی بیداری اس چیز سے پیدا ہوتی ہے
جس کا کامل طہارت ہونا طبیعتوں اور دلوں میں راسخ ہو گیا ہے اور ایسی چیز صرف پانی ہی ہے۔ و طہارت صغریٰ صرف
ہاتھ پاؤں منہ کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے تمام آبادیوں میں یہ معمول جاری ہے کہ یہ اعضا قدرتی طور پر کھلے
ہوئے رہتے ہیں لباس بدنی سے وہ چھپائے نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پر بدن پر کپڑا پہننے سے کہ کوئی عضو
بھی کھلا ہوا نہ ہو منع فرما کر اسکی طرف اشارہ کیا ہے تو ان اعضاء کے کھلے رہنے سے ان کے دھونے میں کوئی دقت
نہیں ہو سکتی۔ اور اختصار میں البتہ حرج ہو سکتا ہے تمام شہر والوں کا معمول ہے کہ روزانہ اپنے ان اعضا کو دھوتے رہتے ہیں
جب سلاطین و امراء کی حضور میں جائیں یا عمدہ اور پاکیزہ کام کرنے کا قصد کرینگے تو ان اعضا کو ضرور دھوئینگے۔ اسکی وجہ ظاہر
ہے کہ ان اعضا پر اکثر گرد و غبار چرک وغیرہ کا اثر جلد ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضا نظر پڑتے ہیں۔ اور
تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے خواب یا
غایت بیہوشی اس سے دور ہو جاتی ہے اس تجربہ اور علم کی تصدیق اطبا کی تجویز سے بھی ہوتی ہے وہ اس شخص کے لئے
جس کو غشی ہو یا اس کو زیادہ پسینہ آتے ہوں یا کسی کی فصد زیادہ ہو گئی ہو یہی پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ تدابیر ثانیہ کے
ابواب سے جن پر انسانی کمال کا مدار ہے اور لوگوں کے لئے وہ بمنزلہ فطرت کے ہو گئے ہیں طہارت بھی ایک باب ہے
اس کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ قرب و اتصال ہو جاتا ہے شیاطین سے بعد ہوتا ہے اور عذاب قبر بھی اس سے

دور ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پیشاب سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھو عام عذاب قبر اس
سے ہوتا ہے۔ اور طہارت کو اس میں بڑا دخل ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفس احسان کا درجہ حاصل کرسکتا ہے خدا فرماتا ہے
واللہ یحب المتطہرین پاکیزہ رہنے والوں کو خدا دوست رکھتا ہے جب طہارت کی کیفیت نفس میں خوب راسخ ہوجاتی ہے۔ تو
ہمیشہ کے لئے نور ملکی کا ایک شعبہ اس میں خمیر ہوجاتا ہے۔ اور بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہوجاتا ہے نیکیوں کے لکھے جانے اور
اور خطاؤں کے دور ہونے کے یہی معنی ہیں۔ اور اگر رسمی طور پر بھی وہ عمل میں لائی جاتے تو بھی باتوں میں مفید ثابت ہوتی ہے
اور جب کوئی منزہ اور پاک آدمی ان رسموں کی پابندی کرتا ہے جن کا لوگ سلاطین کی حضور میں لحاظ رکھا کرتے ہیں۔ اُن کے ساتھ
ساتھ کچھ اذکار روحانی بھی ہوں۔ تو سو معرفت میں وہ مفید ہوا کرتے ہیں جب آدمی خوب سمجھ جاتا ہے کہ طہارت اس کا کمال ہے
تو وہ بغیر کسی خواہش جسمی کے وہ عقلی طور پر داب طہارت سے نفس کو مودب کرتا ہے تو اس سے مشاق ہوتی ہے کہ طبیعت میں عقل
کے اتباع کا مادہ برقرار رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۴۵
نماز کے اسرار میں

معلوم رہنا چاہئے کہ کبھی آدمی خطیرۃ القدس کی سی حالت کو اخذ کرلیتا ہے۔ بارگاہ خداوندی سے اس کو کمال اتصال و قرب
ہوجاتا ہے۔ وہاں سے اس پر مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ وہاں وہ ایسی حالت کو مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان نہیں
بیان کرسکتی ہے پھر جہاں تھا وہاں کا وہیں آجاتا ہے۔ اس وقت میں وہ بے قرار ہوکر کوشش کرتا ہے کہ عقلی حالتوں
میں سے جو حالت اس سے قریب ہے اپنے اندر پیدا کرے۔ اس لئے اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہوجاتا ہے اور یہ
جانتا ہے کہ جو حالت فوت ہوئی ہے وہ پھر واپس آجائے۔ یہ حالت خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے ان افعال
اور اقوال کے ذریعہ سے خدا کی حضور میں مناجات کرنے سے جو مناجات کرنے کے لئے مقرر ہیں ہوا کرتی ہے۔ اس کے
بعد اس شخص کا درجہ ہوتا ہے جس نے کسی احکام کے سچے حالات بیان کرنے والے کو سنا کہ وہ ایسی حالت کی طرف لوگوں
کو بلاتا اور رغبت دلی دلاتا ہے پھر دلی شہادت سے اس ہلع نے اس کی تصدیق کی اس کے احکام کی تعمیل کی۔ اور
اس کے تمام وعدوں کو اس نے سچا پایا۔ اور اپنی آرزوں میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا رتبہ ہے کہ انبیا نے نماز پڑھنے پر
اس کو مجبور کیا۔ لیکن اسکو کوئی ذاتی علم ان کی خوبیوں کا نہ تھا اس کی مجبوری ایسی ہی تھی جیسے باپ اپنے بیٹے کو مفید صنعتوں کی
تعلیم دے اور وہ اسکو پسند نہ کرے ہو کبھی آدمی اپنے پروردگار سے مصیبت کے دفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست
کرتا ہے۔ اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہوجائے کہ اسکی ہمت کا جو درخواست
کی طرح ہے کچھ اثر پڑے نماز استسقا اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے۔ نماز میں اصلی امور تین ہیں (۱) خدا تعالیٰ کی بزرگی
اور جلال دیکھکر دلی عاجزی (۲) خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا (۳) اس خاکساری کی حالت
کے موافق اعضا میں آداب کا استعمال۔ فاضل بیان کرتا ہے۔ شعر

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ — یدی ولسانی والضمیر المحجبا

تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو۔

افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کی حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے۔ اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سرنگوں ہو جائے۔ تمام لوگوں اور بہائم میں یہ فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے۔ اور سرنگوں ہونا نیازمندی اور فروتنی کی علامت ہے۔ خدا تعالے فرماتا ہے فظلت اعناقہم لہا خاضعین ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں۔ اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اسکی حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے۔ جو تمام اعضا میں سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امراء کی حضوری میں انہیں کو استعمال کرتے ہیں۔ اور سب صورتوں میں نماز کی وہ صورت عمدہ ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی ادنے تعظیمی حالت سے اعلے کیطرف ترقی ہو تا کہ دم بدم نیازمندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے وہ تنہا اعلے درجہ کی تعظیم میں یا اعلی حالت سے ادنی کیطرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا اور نماز میں یہ تقرب کے اعمال اصلی قرار دئے گئے ہیں عظمت الہی میں صرف غور کر لینا یا ہمیشہ خدا کا ذکر کرنا اسمیں اصلی نہیں قرار دیا گیا اس لئے کہ خدا کی عظمت کا صحیح خیال صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی طبیعتیں اعلی درجہ کی ہوں اور ایسے لوگوں کے وجود کم ہوا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے علاوہ اگر اور عام لوگ خدا کی عظمت میں خوض کریں تو انکا غور کام نہیں دیتا اور فائدہ کے تو کیا معنی وہ تو اپنے ان اعمال کو بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ اور محض ذکر ہی ذکر جس کی تشریح اور مدد کسی دوسری عملی تعظیم سے جو اعضا کی ذریعہ سے ہر ایک عضو کے آداب کا لحاظ رکھ کے کیجاتی ہے نہ ہو تو وہ اکثر لوگوں کے حق میں بالکل بے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ البتہ نماز ایک مرکب معجون ہے جسمیں ذکر و غور ہے اسکے ذریعہ سے خدا کی جانب توجہ ہوتی ہے ہر شخص کو اسکا موقع ملسکتا ہے اور جسکو گرد و پیش شہود میں خوض کرنیکی استعداد حاصل ہو اسکو بھی کوئی بات مانع نہیں ہے وہ بخوبی اس میں خوض کر سکتا ہے بلکہ نماز کی وجہ سے نفس کو اس قسم کی کامل توجہ کا بخوبی موقع مل سکتا ہے اور نیز نماز میں مختلف دعائیں بھی شامل ہوا کرتی ہیں جن میں صاف صاف اظہار کیا جاتا ہے کہ سائل خالص خدا ہی کیطرف ہے اسکا رخ اسی کی جانب ہے ہر قسم کی اعانت کی خواستگاری صرف اسی سے کرتی ہے۔ اور ان کے علاوہ نماز میں بہت سے تعظیمی افعال بھی ہیں۔ سجدہ و رکوع ہر ایک دوسرے کا معاون اور مکمل اور اس پر متنبہ کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے نماز کی منفعت عام اور خاص سب لوگوں کیلئے یکساں ہے ہر ایک شخص اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اس سے نفع اٹھا سکتا ہے نماز ایمان والے کیلئے معراج ہے وہ اس کو اخروی تجلیات کیلئے تیار کرتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم اپنے رب کو بیشک دیکھو گے۔ اگر تم کو مشاغل نہ روک سکیں تو طلوع و غروب آفتاب سے پہلے وقتوں کی نماز کا اہتمام رکھو۔ اور خدا کی محبت اور رحمت کا نماز بڑا سبب ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سجدوں کی کثرت سے اپنے نفس کو مدد کرو۔ خدا تعالے نے دوزخیوں کے اقوال میں نقل کیا ہے ولم نک من المصلین ہم نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ اور جب نماز کا شوق دل میں جم جاتا ہے تو نور الہی میں نماز گزار محو ہو جاتا ہے اور اس کی غلطیاں دور ہو جاتی ہیں۔ ان الحسنات یذہبن السیئات

اور نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ معرفت الٰہی کے لئے کوئی چیز زیادہ مفید نماز سے نہیں ہے خاص کر جب نماز کے تمام افعال و اقوال حضور دل اور پاک نیت سے عمل میں لائے جائیں اور جب نماز کے طور پر بھی ادا کی جاتی ہے۔ تو بھی اکثر رسمی برائیوں میں اس کا یقینی نفع ہے وہ مسلمانوں کا شعار ہو گیا ہے۔ نماز سے ہی مسلمان اور کافر میں فرق کیا جا سکتا ہے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافروں کے اور ہمارے درمیان نماز کا فرق ہے جو نماز کو ترک کر دیگا وہ کافر ہے اور نماز سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس سے طبیعت کو عقلی تدابیر کے تبع رہنے کی مشق کرائی جائے۔ واللہ اعلم۔

باب ۷۶

زکوٰۃ کے اسرار کے بیان میں

معلوم کرو کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبان قول یا حال سے اس کے لئے خدا کی حضور میں گریہ وزاری کرتا ہے۔ تو اسکا یہ عاجزی کرنا خدا کی بخشش کے دروازہ کو کھول دیتا ہے اور رحمت مقتضا سے سعادت اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی نیک شخص کو الہام ہوتا ہے کہ اسکی حاجت رفع ہو جائے۔ تب الہام اس پر چھا جاتا ہے اس کے واسطے خدا کی خوشنودی پیدا ہوتی ہے اور اوپر سے نیچے سے دائیں بائیں سے برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور وہ قابل رحمت ہو جاتا ہے۔ ایک روز مجھ سے ایک مسکین نے اپنی حاجت ظاہر کی۔ وہ اس کی وجہ سے مضطر ہو رہا تھا تب میں نے اپنے دل میں الہام کی آہٹ پائی گویا وہ مجھکو حکم دیتا ہے کہ میں اس کو کچھ دوں۔ وہ الہام مجھ کو بشارت دیتا تھا کہ دنیا و آخرت میں اس کا بہتر اجر ملیگا۔ میں نے اس مسکین کی حاجت براری کرائی اور میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچا دیکھ لیا۔ اس غریب کا جود الٰہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانا اور الہام کا پیدا ہونا میرے دل کا اس کو قبول و اختیار کر لینا اور اس کے بعد اجر کا ظاہر ہونا یہ سب اور آنکھ کے سامنے محسوس ہوئے۔ اکثر کسی موقع پر خرچ کرنا رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا باعث ہوا کرتا ہے جب ملاء اعلیٰ کی خواہش کسی مذہب کے مشہور اور معزز کرنے کے لیے ہو جاتی ہے تو جو شخص اس کے کام چلانے کے درپے ہوتا ہے اس پر رحمت ہوتی ہے۔ یا اس طرح پر ہوتا ہے کہ تنگ حالی میں لڑائی کی ضرورت پڑے یا قحط سالی کا زمانہ ہو اور کسی نہایت مفلس گروہ کا خدا کو زندہ رکھنا مقصود ہو تب بھی خبر دینے والا پیغمبر ان موقعوں سے ایک قاعدہ کلیہ اخذ کر کے کہتا ہے کہ جو شخص ایسے ایسے تنگ حال پر یا فلاں فلاں حالت میں خیرات کریگا۔ تو اس کا عمل مقبول ہو جائیگا۔ اور ان امور کو کوئی شخص سنتا ہے اور اپنی ایمانی شہادت سے اس کے علم کو مان لیتا ہے اور ان سب وعدوں کو سچا پاتا ہے۔ اور اکثر بعض لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ مال کی محبت بخیلی کرنے سے انکے حق میں مضر ہوگی اس کو وہ مقصود راستے سے باز رکھیگی اس لئے اس کو اس خیال سے نہایت تکلیف ہوتی ہے پس تکلیف کو وہ اس طرح رفع کرتا ہے کہ اپنی کسی نہایت محبوب چیزوں کے صرف کرنے کی مشق کرتا ہے اس وقت میں خرچ کرنا ہی اس کے حق میں بہت مفید ہوتا ہے اگر وہ صرف نہ کرتا تو محبت اور بخیلی ویسی کی ویسی ہی اس میں باقی

ہوجاتی اور عالم معاد میں وہ محبت گنجے سانپ کی صورت میں ہوتی یا وہ موال بصورت توں میں اسکے سامنے متشکل ہوتے حدیث میں ہے

بعض اہل اتباع قرآن اور خدا تعالےٰ نے فرماتا ہے والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیہا فی نار جہنم فتکوی بہا جباہہم وجنوبہم الخ جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور نہیں خرچ کرتے اُسے راہ خدا میں انکو عذاب سخت کی خبر دیجئے۔ قیامت کے روز انکی پیشانیاں اور پہلو اسی سونے اور چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کر داغ دیئے جائینگے اور اکثر کسی شخص کے مرجانے کا حکم عالم مثال میں قرار پاجاتا ہے اتنے میں وہ بہت سا مال صرف کرتا ہے۔ یا وہ شخص اور قابل رحمت لوگ خدا کی حضور میں گریہ وزاری کرتے ہیں تو مال کے صرف سے اس کی خودی کی موجاتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر قضاء کو دعا ہی ہٹا دیتی ہے اور نیکی سے عمر بڑھتی ہے۔ اور آدمی اکثر طبیعت کے غلبہ سے کوئی بُرا کام کرلیتا ہے۔ پھر اسکی برائی معلوم کرکے نہیت شرمندہ ہوتا ہے لیکن طبیعت پھر غالب آجاتی ہے اور اسی کام کو پھر کرتا ہے ایسے نفس کا علاج یہی ہے کہ اپنے فعل کے تدارک کے لئے بہت سا مال صرف کرے تاکہ یہ نقصان اس کے پیش نظر رہے اور پھر آئندہ ایسے قصد سے اسکو باز رکھے اور نیز اکثر خوش خلقی اور انتظام خانہ داری کا تحفظ اسی طرح سے ہوتا ہے کہ خوب کھانا کھلایا جائے۔ سلام میں تقدیم کیجائے۔ اور طرح طرح ہمدردی کیجائے۔ ان امور کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ امور صدقہ کئے جاتے ہیں اس سے برکت زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے اور فیضان رحمت کو حاصل کرکے عذاب آخرت اس سے دور ہوجایا کرتا ہے [illegible] کی دعا اس کی طرف مصروف ہوتی ہے جو زمین میں مصلح اور مدبر ہیں۔

باب ۴۷
روزہ کے اسرار میں

معلوم کرو کہ اکثر آدمی خدا کے الہام سے سمجھتے ہیں کہ طبیعت بہیمی کا جوش نفس کو کمال ذاتی سے باز رکھتا ہے وہی جوش بہیمیت کو ملکی قوت کے تابع ہونے نہیں دیتا۔ اسلئے بہیمی قوت سے اس میں نفرت اور بغض پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ اسکے جوش کو ہار دے کوئی چیز اس کو اس کے تدارک کے لئے بجز اسکے نہیں ملتی کہ گرسنہ و تشنہ رہے مجامعت ترک کردے اپنی زبان دل اور اعضا کو روکے رہے۔ انہیں امور سے وہ اپنی مرض حیوانی کا علاج کرتا ہے۔ اسکے بعد اس شخص کی حالت ہے جس نے سچی خبر دینے والے سے ان تدابیر کو دلی شہادت سے اخذ کیا ہو اس کے بعد اس شخص کا حال ہے کہ شفقت اور مہربانی سے انبیا کیشاں کشاں اس میں یہ حالت پیدا کریں اسکو ان خوبیوں کا ذاتی علم نہ ہو لیکن معاد میں اس کا فائدہ اس کو حاصل ہو جب یہ جوش اس میں دب جائے۔ اکثر آدمی کو یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا یہی کمال ہے کہ طبیعت عقل کے تابع رہے۔ ایسی طبیعت بغاوت کرتی ہے کبھی آزاد رہنے کی کوشش کرتی اور کبھی احکام عقلی کے تابع بھی ہوجاتی ہے۔ اسواسطے اس شخص کو شاقی کے لئے محنت کے کام روزہ جیسے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اپنی طبیعت کو ایسے کاموں پر مجبور کرتا ہے اور طبیعت سے چاہتا ہے کہ اطاعت کے عہد کو پورا کرتی رہے وہ اسطرح انہیں مہر

کے اہتمام میں رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا مقصود اصلی حاصل ہو جاتا ہے کبھی کبھی کسی شخص سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ مدتوں تک روزے رکھے جاتا ہے جن میں کہ نسبت گناہ کے زیادہ محنت اور جبر ہوتا ہے تاکہ دوبارہ ایسا کام اس سے نہ ہو اور نیز کبھی اس میں عورتوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے لیکن اس کو مہر دینے کا مقدور نہیں ہوتا زنا کا خوف ہوتا ہے، اسلئے وہ اپنی رغبت سے روزہ کو مار دیتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ فان الصوم له وجاء، جس شخص کو شادی کرنے کی طاقت نہ ہو تو روزہ اس کے لئے بمنزلہ خصی ہونے کے ہے، روزہ اعلے درجہ کی نیکی ہے اس سے ملکی قوت بڑھتی ہے۔ اور بہیمی طاقت کمزور ہو جاتی ہے روح کے چہرہ روشن کرنے کیلئے کوئی قلعی اس سے زیادہ نہیں ہے اور طبیعت کے مغلوب کرنے کی کوئی دوا اس سے زیادہ مفید نہیں ہے اسی واسطے خدا نے فرمایا ہے الصوم لی وانا اجزی به روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا، روزہ سے قوت بہیمی مضمحل اور کمزور ہوتی ہے دنیٰ ہی خطائیں دور ہوتی ہیں اور فرشتوں کی حالت سے مشابہت بڑھتی جاتی ہے ان کو روزہ دار سے انس و محبت ہو جاتی ہے۔ یہ محبت کا تعلق بہیمیت کے ضعیف ہونے کا اثر ہوتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اگر روزہ رسمی طور پر ہو تاہم رسمی امور کے لحاظ سے مفید ہے جب کوئی امت اس کی پابندی کرتی ہے تو ان کے شیاطین کے پاؤں میں زنجیر پڑ جاتی ہے ان کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

اور جب کوئی آدمی نفس کے مغلوب کرنے کا اہتمام کرتا ہے اس کے رذائل کو دور کرنا چاہتا ہے تو عالم مثال میں اسکے عمل کی ایک مقدس صورت پیدا ہو جاتی ہے اور عارفین باللہ میں ذکی القلب لوگ اس صورت کیطرف متوجہ ہوتے ہیں وہ عالم غیب سے اسکی علمی مدد کرتے ہیں۔ اور تنزیہ و تقدیس کے ذریعہ سے ذات واجبی سے اس شخص کو قرب حاصل ہو جاتا ہے الصوم لی وانا اجزی به کے یہی معنی ہیں۔

کبھی آدمی اس خرابی کو معلوم کرتا ہے جو اسکی طبیعت میں امور معاش کی مصروفیت اور بیرونی اثروں کی خواہش میں بھر جانے سے پیدا ہوتی ہے اس کے لئے تنہا ہو کر کسی مسجد میں عبادت کرنا جو نماز کے لئے بنائی گئی ہو مفید ہوا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لئے تو علیحدگی ممکن نہیں ہوتی الا یدرک کله لا یترک کله وہ شخص اپنے اوقات میں کسی قدر فرصت کو جدا کر کے جتنا میسر ہوتا ہے اعتکاف میں تنہائی سے اوقات بسر کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کی حالت ہے جس نے دلی شہادت سے مخبر صادق کے ذریعہ سے اعتکاف کی خوبی کو قبول کیا ہو۔ پھر اس شخص کی حالت ہے کہ زبردستی اس کو اعتکاف کی تعلیم دی گئی ہو۔ اکثر روزہ میں زبان کو پاک صاف رکھنے کے لئے اعتکاف کی ضرورت پڑا کرتی ہے کبھی لیلۃ القدر کی اور اسمیں فرشتوں کے اتصال کی اس کو خواہش ہوتی ہے یہ بھی بغیر اعتکاف کے میسر نہیں ہو سکتا لیلۃ القدر کے معنی آئندہ آوینگے واللہ اعلم۔

باب ۴۸

حج کے اسرار میں

معلوم کرو کہ حج کی حقیقت یہ ہے کہ صلحا کی ایک جماعت کثیر ایک وقت خاص میں جمع ہوں انبیا اور صدیقین و شہدا اور صالحین کے حالات کو جن پر خدا نے اپنا انعام کیا ہے یاد کریں اور سب ایسے موقع پر جمع ہوں جہاں خدا کی ظاہر نشانیاں موجود ہوں۔ ائمہ دین کی جماعتیں وہاں کا قصد کیا کرتی ہوں وہاں وہ نہایت خاکساری اور رغبت سے خدا کے شعائر کی تعظیم کرتی رہتی ہوں خدا سے نیکی کی امید اور خطاؤں سے معاف ہونے کی دعا میں اور التجا میں کرتی رہتی ہوں جب اس کیفیت سے ہمتیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں تو لازمی طور پر خدا کی رحمت و مغفرت وہاں نازل ہوتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان جیسا کہ عرفہ کے روز نہایت ذلیل و مطرود و حقیر و غصہ ناک نظر آتا ہے ایسا کسی روز نظر نہیں آتا۔ ہر ایک امت میں حج کی اصل موجود ہے۔ ہر ایک کے لئے ایک خاص جگہ برکت لینے کی معین ہے اس میں انہوں نے خدا کی نشانیوں اور اپنے بزرگوں کی عبادت اور آثار کو ظاہر ہوتے دیکھا ہے جس سے مقرب لوگوں اور ان کے حالات کی یاد آتی ہے اسلئے وہ پابندی سے وہاں کا قصد کرتے ہیں۔ لیکن بیت اللہ سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے اس میں بڑی نشانیاں موجود ہیں حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ وسلم نے جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثروں امتوں کی زبان سے ظاہر ہے خدا کے حکم اور وحی سے اس کی بنیاد قائم کی ہے پہلے اسکے زمین سخت چٹیل میدان تھی وہاں تک پہنچنا بھی مشکل تھا اور بیت اللہ کے علاوہ اور مقامات میں، تو کچھ نہ کچھ شرک ہے۔ بے اصل اسکی کثرت کرلیگئی ہے۔ طہارت نفسانی کے عمدہ نمونوں میں سے یہ بھی ہے کہ اسی جگہ رہنا اور ٹھیرنا اختیار کیا جائے جس کے صلحا ہمیشہ تعظیم کرتے رہے ہوں ذکر الٰہی سے اسکو معمور رکھا ہو۔

اس سے ملائکہ سفلی کی توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اور نیک لوگوں کے لئے ملاء اعلے دعا کرتے ہیں ایسی جگہ رہنے سے انہیں کے انوار اثر نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں میں نے بچشم ظاہر اسکو مشاہدہ کیا ہے اور ذکر الٰہی کے متعلق خدا کے نشانات کو ملاحظہ کرکے ان کی تعظیم کرنا بھی داخل ہے جب ان پر نظر پڑتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔ جیسے ملزوم کے دیکھنے سے کوئی لازم چیز یاد آتی ہے خاصکر جب تعظیمی حالتوں و ان حدود کی پابندی کیجائے جن سے نفس کو کامل درجہ تنبیہ حاصل ہوتی ہے اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں تڑپتا ہے۔ اس وقت اسکو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ اپنا شوق پورا کروں تو سوائے حج کے اور کوئی ایسی چیز اسکو نہیں ملتی اور جیسے کہ دولت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک آزمائش اور امتحان کی ضرورت پڑتی ہے جس سے مخلص اور منافق میں تمیز ہو جائے۔ دولت کی شہرت ہو اس کا کلمہ بلند ہو۔ اور سب لوگوں میں باہم جان پہچان ہو جائے ایسے ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے تاکہ منافق کی بخوبی تمیز ہو جائے اور دین الٰہی میں مختلف گروہوں کا داخل ہونا عیاں ہو جائے ایک دوسرے سے ملیں جلیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد کو حاصل کرسکیں جو اس کو حاصل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے کے ملنے ہی سے حاصل ہوا کرتے۔ اور رسمی حج بھی بہت سے رسمی فوائد کو اضافہ کرتا ہے یقیناً ائمہ دین کی حالت یاد کرنے اور ان کے اختیار

رنے کی آمادگی کیلئے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے اور چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے۔ وہ نہایت دشوار عمل ہے بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے اس لئے اس کی تکلیف کا برداشت کرنا خدا کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہوتی ہیں اور پچھلے گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسا کہ ایمان۔

باب ۴۹

نیکی کی اقسام کے اسرار میں

نیکی کی اقسام میں سے ذکر الٰہی ہے ذکر الٰہی اور خدا کے بیچ میں آڑ اور پردہ نہیں ہے سو معرفت کی اصلاح کیلئے کوئی چیز ذکر سے زیادہ مفید نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کیا تم کو سب اعمال میں افضل عمل نہ بتاؤں الا انبئکم بافضل اعمالکم۔ نیز خدا کی حضوری حاصل کرنے اور دل کی قساوت دور کرنے میں ذکر کا بڑا اثر ہوتا ہے خصوصاً اس شخص کے لئے جس کی قوت بہیمی فطری طور پر یا عملاً ضعیف ہوتی ہے۔ اور اس شخص کے لئے بھی جو فطرتاً اپنے خیال میں محسوس چیزوں کے احکام مجرد میں خلط ملط کر دیتا ہے۔ اور انہیں اقسام میں سے دعا بھی ہے۔ اس سے حضوری کا بڑا دروازہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ پروردگار عالم کے حضور میں نہایت درجہ اطاعت اور احتیاج کو وہ پیش نظر کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الدعاء مخ العبادۃ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے وہ مبدا کی جانب نفس کے متوجہ ہونے کی ظاہری صورت ہے اور خوبصورت کی صورت ظاہر ہوتی ہے اسکے حاصل ہونے کی جسکے لئے دعا مانگی گئی ہے رب سے اور نیز بڑی نیکی تلاوت قرآن اور اس کی نصائح کو گوش دل سے سننا ہے جو توجہ سے انکو سنتا ہے اور دل میں وہ جگہ کر لیتی ہیں۔ بیم و امید کی حالتیں خدا کی عظمت میں حیرانی اسکے احسانات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ طبیعت کا جوش بجھانے کیلئے نہایت ہی مفید ہے نفس کو قرآن کی تلاوت اسلئے طیار کرتی ہے کہ آسمانی اثر پیدا ہونے لگیں اور عالم جاودانی میں وہ نہایت نافع ہے فرشتے قرآن سے کیا کر گاڑ دیتا ہے علاتلیت ا توسے ذوق کو جانا قرآن کی تلاوت کی اقرآن سے دل تمام سفلی کیفیتوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے ہر چیز کے لئے ایک خاص صیقل ہوتی ہے اور دل کی صیقل قرآن کا تلاوت کرنا ہے۔ اور نیز نیکیوں میں سے قرابت والوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے ہیں اپنے قرابتیوں اور ہم مذہبوں کیساتھ حسن معاشرت کرنا چاہئے غلاموں کو آزادی دینا چاہئے۔ ان امور سے رحمت اور اطمینان نازل ہوتا ہے تدابیر و مراد و مرحوم کی انتظامات ان سے مکمل ہوتے ہیں۔ ملائکہ کی دعا کے یہ امور باعث ہوتے ہیں۔ نیز نیکیوں میں سے جہاد ہے خدا تعالے جب کسی فاسق پر لعنت کرتا ہے جس سے عام لوگوں کو مضرت پہنچتی ہے اس کا نابود کرنا مصلحت کلی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوا کرتا ہے اسلئے خدا کسی زکی القلب کے دل پر اس کے قتل کرنے کا الہام کرتا ہے کلی مصلحت سے خود بخود بغیر کسی سبب طبعی کے شاداں ہوتا ہے وہ اپنے تمام ذاتی امور سے اس کام کیلئے علیحدہ ہو کر خدا کی مدد سے زندگی حاصل کرکے ہمہ تن متوجہ ہو کر خدا کی رحمت اور نور میں غرق ہوجاتا ہے اس سے تمام آدمیوں اور شہروں کا کام بنجاتا ہے اسی کے قریب یہ حالت بھی ہے کہ خدا ان ملکوں کی دولت اور حکومت کو تباہ کرنے کا حکم دیتا ہے جو خدا کی شان میں کفر کرتے ہیں انکے چال چلن بگڑ جاتے

یہی بس لئے کسی نبی کو جہاد کرنیکا حکم دیا جاتا ہے کسی قوم کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا کیجاتی ہے تاکہ ایسی قوم ہوں جو لوگوں کی
تکمیل کیلئے پیدا کیگئی ہوں۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اسکے کل سے کسی قوم کو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم نے وہ بندہ خست لوگوں کی
تفتیش کو روکنا مقصود ہے۔ تاکہ لوگ ہر قسم کی تعزیرات قائم کرنی چاہئیں۔ اور برائی سے ان کو روکنا چاہئے۔ ان کوششوں سے لوگوں میں
امن و اطمینان پیدا ہوتا ہے اور خدا ان قوموں کے مجاہدوں کو عمدہ جزا دیتا ہے اور کبھی مصائب امراض کے بلا قصد پیش
آجاتے ہیں اور ان میں بھی کسی وجہ سے نیکی کا سامان ہو جاتا ہے کبھی اس طرح پر خدا کی توجہ ہوتی ہے کہ کسی بندہ کے اعمال درست
ہو جائیں اور اسباب عالم کا مقتضا ہوتا ہے کہ اسکی حالت تنگ ہو جائے تو وہی اسباب اسکی تکمیل نفس کی باعث ہو کر اسکے
خطاؤں کو دور کر دیتے ہیں اور اسکے لئے بجائے انکے نیکیاں لکھی جاتی ہیں جیسے کہ جب پانی کا منفذ بند ہو جاتا ہے تو پانی اوپر
اور نیچے سے پھوٹ نکلتا ہے یہ بہاؤ ہمیں تنگی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس سے خیر صافی کی حفاظت رہتی ہے اور
کبھی اس طرح پر ان میں نیکی ہو جاتی ہے کہ مسلمان پر جب مصائب ٹوٹ پڑتے ہیں اور زمین اسپر تنگ ہو جاتی ہے۔ تو اس
وقت میں طبیعت اور رسم کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور سب امور کو ترک کر کے خدا ہی کی طرف وہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور کافر اس
حالت میں اس گم شدہ چیز کی ہی یاد میں رہتا ہے اور اسی زندگی میں ڈوبا رہتا ہے حتی کہ زمانہ مصیبت کا پہلی حالت سے بھی
زیادہ خبیث ہو جاتا ہے اور کبھی وہ سختیاں نیکی کا باعث اسلئے ہوتی ہیں کہ تمام رکنے والی برائیاں غلیظ اور کثیف قوت طبعی
میں جمع ہوا کرتی ہیں۔ تو وہ نفس اور خبیث ہو جانے سے جتنا کہ بدن کو پہنچتا ہے اس سے زیادہ مادہ تحلیل ہو جاتا ہے۔ تو
وہ خود ظلمت بھی جو برائیوں کی حامل تھی تحلیل ہو جاتی ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کی خواہش نفسانی غصہ وغیرہ سب دور
ہو جاتے ہیں۔ اس کے اخلاق بدل جاتے ہیں اور وہ پچھلے امور کو ایسا بھول جاتا ہے کہ گویا اس
میں وہ موجود ہی نہ تھے اور ایک صورت یہ ہے کہ جب مسلمان کی قوت بہیمی اسکی قوت ملکی سے آزاد ہوتی ہے تو دنیا ہی میں
اکثر انکے گناہوں پر مواخذہ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ دنیا کی محنت مسلمان کے لئے عذاب ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۵
گناہوں کے درجوں میں

معلوم کرو جیسا کہ بہت سے عمل اور طریقے ایسے ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قوت بہیمی ملکی کے تابع ہے ایسے
ہی ایسے بھی اعمال ہیں جن سے صاف نافرمانی معلوم ہوا کرتی ہے۔ انسے قوائے بہیمی کی سرکشی پیدا ہوتی ہے انہیں امور کو گناہ
کہتے ہیں اور گناہوں کے مختلف مرتبے ہیں (۱) وہ گناہ ہیں جو انسانی کمال اور ترقی کا راستہ بالکل مسدود کر دیں ایسے بڑے
گناہ دو قسم کے ہیں۔ اول وہ جن کا تعلق مبدا کی ذات سے ہے آدمی کو اپنے پروردگار سے ہی لاعلمی ہو۔ یا اس کا علم وہ
رکھتا ہو لیکن مخلوقین کے اوصاف اس میں ثابت کرتا ہو یا خدا کی صفات مخلوقین میں ثابت کرتا ہو۔ دوسری صورت تشبیہ
کی ہے اور تیسری شرک کی۔ نفس میں کبھی تقدیس نہیں پیدا ہو سکتی جب تک کہ علوی تجرد اور تدبیر عام کا جو تمام عالم کو محیط
ہو رہی ہے بصیرت کی آنکھ سے مطالعہ نہ کرتا ہے جب اس قسم کا نہیں ہوا کرتا تو نفس اپنی ہی حالتیں مشغول ہوا کرتا ہے

کبھی بیگانگی کا پردہ دور نہیں ہوتا، اور بقدر سر سوزن بھی اس میں انکشاف نہیں ہوتا یہ نہایت سخت بلا ہے اور دوسری قسم بڑے گناہ کی اس کا اعتقاد کرنا ہے کہ بجز اس ہی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بدن کے لئے اور کوئی کمال دوسرا نہیں ہے جس کا طلب کرنا اسکو ضروری ہو جب نفس میں یہ خیال جم جاتا ہے تو پھر اسکی نظر کبھی کمال کی طرف نہیں اٹھتی اور جو کہ علاوہ کمال بدن کے دوسرے کمال کا ثبوت عام لوگوں سے جب ہی ممکن ہے کہ موجودہ حالت کی بہ وجوہ مخالف حالت کا وہ تصور کر سکیں اگرچہ دونو کمالات بدلبداہت اس کے خیال میں نہ آئیں تو کمال عقلی اور کمال حسی دونو ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور وہ شخص کمال عقلی کو چھوڑ کر کمال حسی کی طرف مائل ہو جائے۔ اسلئے لقاء الٰہی اور روز آخرت پر ایمان لانا اس کا معیار قرار دیا گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے الذین لا یؤمنون بالآخرۃ قلوبہم منکرۃ وہم مستکبرون (جو لوگ آخرت کا یقین نہیں ان کے دل منکر ہیں۔ اور وہ متکبر ہیں) اصل یہ ہے کہ جب آدمی اس درجہ کے گناہ میں پڑ جاتا ہے اور اس کی قوت بہیمی مضمحل ہو جاتی ہے تو نہایت درجہ کی نفرت آسمانی جانب سے اسکو پہنچتی ہے وہ کبھی اپنے آپ کو اس سے رستگار نہیں کر سکتا۔ اور دوسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ قوت بہیمی کے غرور سے آدمی ان فضائل سے تکبر کرتا ہے جو خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لئے اپنے کمالات تک پہنچنے کے لئے قرار دیئے ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ نہایت اہتمام سے پیغمبروں اور شریعتوں کے ذریعہ سے ان کے شائع کرنے اور ان کی شان بلند کرنے کا قصد کرتے ہیں لیکن ایسا شخص ان امور کا انکار کر کے ان سے عداوت کرتا ہے اور جب یہ مر جاتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی تمام ہمتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور اسکو ایذا پہنچانے کی طرف مائل ہوتی ہیں اور خطا ہر جانب سے ایسا احاطہ کر لیتی ہے کہ پھر اس سے نکلنے کا اسکو موقع نہیں ملتا اور چونکہ وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچا اور اگر پہنچا بھی ہے تو وہ پہنچنا قابل اعتبار و لحاظ نہیں ہوتا اسواسطے یہ حالت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ یہ مرتبہ آدمی کو مذاہب میں اپنے پیغمبر کے طریقہ سے باہر کر دیتا ہے۔ اور تیسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ آدمی نجات دہندہ افعال کو ترک کر دے اور ایسے ایسے کام کرے کہ جنکے کرنے والے پر عالم ذکر یعنی لعنت مقرر ہے یا تو ان کاموں کی وجہ سے زمین میں کسی بڑے فساد کا گمان غالب ہوتا ہے یا اس کی صورت تہذیب نفس کے بالکل خلاف ہوتی ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں یا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل کرے جن سے بجا آوری کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ یا بجا آوری کی کچھ نہ کچھ اس میں آمادگی پیدا ہو جاتی ہے شرائع کی تعمیل نفوس کے مختلف ہونے سے مختلف طرح پر ہوتی ہے۔ جو لوگ بہیمیت میں ڈوبے ہوئے ہوں اور یہ قوت ان میں کمزور ہو ان کو تو احکام شرعیہ کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے اور جن میں یہ قوت شدید اور غلیظ ہوتی ہے۔ ان کو اعمال شاقہ کی کثرت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور انہیں اعمال میں سے بعض اعمال درندوں کے سے ہوتے ہیں جو بڑی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں مثلاً قتل اور بعض اعمال شہوانی ہوا کرتے ہیں بعض پیشے ضرر رساں ہوتے ہیں جیسے قمار۔ ربوا۔ ان تمام مذکورہ امور سے نفس میں بڑا رخنہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ ان امور سے ان امور پر اقدام ہوتا ہے جو نازی طریقوں کے مخالف ہیں اور ان کو ملاء اعلیٰ کی جانب سے لعنت احاطہ کرتی ہے۔ اسلئے ان دونو کے ملنے سے عذاب حاصل ہوتا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ کا مرتبہ سب کبائر سے زیادہ ہے حظیرۃ القدس میں ان امور کا حرام ہونا ایسے گنہگاروں کا ملعون ہونا قرار پا چکا ہے۔ انبیاء ہمیشہ ان امور کو بیان فرماتے رہے ہیں جو وہاں قرار پا چکے ہیں ان میں سے اکثر تمام شرائع میں متفق علیہ ہیں۔ چوتھا مرتبہ ان شرائع اور طریقوں کی نافرمانی کرنی ہے جو کہ ہر ایک امت اور زمانہ کے لحاظ

سے ہوتی رہتی ہیں اس لئے جب خداتعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم کی طرف مبعوث کرتا ہے تاکہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف
لے جائے اور کجی کی اصلاح کرے۔ زندگی سے ان کی سیاست کرے تو اس کے مبعوث ہونے میں یہ بات داخل ہوتی ہے
کہ دین تمام موجودین کے بغیر ان کی موج درسیاست نہیں ہو سکتی وجب تو رہ لیتے ہیں اسلئے ایک مقصد کی کیت معیار دینی
پیداکرنی ضرور ہوتی ہے اس کے بعد سے ان سے مواخذہ و درخطاب کیا جاتا ہے ہر ایک امر کیلئے اوقات معین کرنے کے
لئے ضروری قاعدے ہوا کرتے ہیں اکثر امور سے کوئی فساد یا مصلحت پیدا ہوتی ہے تو جیسے اس امر کی حالت ہوتی ہے ویسا
ہی حکم اس کا مقرر کیا جاتا ہے۔ اس لئے بعض امور تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا امر و نہی ضروری ہوتا ہے اور بعض کا امر اور
نہی ہونا بغیر تمام کے ہوتا ہے ایسے اکثر امور نبی کے اجتہاد سے بھی ثابت ہوا کرتے ہیں پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ شارع نے
اسکی کچھ تصریح نہیں کی نہ اس سلسلہ میں کوئی حکم اسکے متعلق ہونے کا معتقد ہوا لیکن کوئی خدا کا بندہ پوری بحث سے خدا کی طرف
متوجہ ہوا اور اس نے قیاس سے یا تخریج وغیرہ سے ایک شے کا مامور یا ممنوع ہونا معلوم کیا جیسے عام لوگوں کو اپنے ناقص تجربہ
سے یا حکیم حاذق کو علت کے پائے جانے سے کسی دوا کی تاثیر معلوم ہو جاتی ہے عامی کو تاثیر کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور طبیب نے
اس کی کوئی تصریح نہیں کی ہوتی پس ایسا شخص جب تک خود ہی احتیاطاً اس امر میں ذکر کریگا وہ مامور نہیں ہو سکتا ورنہ ان
کے گمان کی وجہ سے ان میں اور خدا میں ایک پردہ سا ہو جائیگا اور وہ اسکی وجہ سے ماخوذ ہوگا اس مرتبہ میں اصل خوشنودی
کے قابل یہ ہے کہ اس مرتبہ کے حالات کو ترک کرکے اس کی طرف توجہ نہ کرے لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس مرتبہ کے
لائق ہیں جیسے وہ قابل ہیں خدا سے جو دن رات اسی کی کثرت کرتا ہے اسی کو خدا فرماتا ہے انا عند ظن عبدی بی (بندہ کا میرے ساتھ
جیسا گمان ہوتا ہے ویسے ہی میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں) اور فرماتا ہے ورہبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ (
رہبانیت جسکو انہوں نے خود ایجاد کر لیا ہے ہم نے ان پر اسکو لکھا نہ واجب کیا تھا خدا کی رضامندی کی تلاش میں رہیں) آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ خدا تم پر سختی کریگا اور فرمایا گناہ وہی ہے جو تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے
یہی حال اس حکم کی نافرمانی کا ہے جو کسی مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہوا ہو اور اسی مجتہد کا جس نے یہ حکم دیا ہے نافرمانی کرنے
والا پیرو اور مقلد ہو واللہ اعلم۔

باب ۵۱

گناہوں کی خرابیوں کے بیان میں

معلوم کرو کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کا اطلاق دو لحاظ سے کیا جاتا ہے (۱) نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے (۲) شریعتوں اور
طریقوں کے لحاظ سے۔ جو ہر ایک زمانہ سے مخصوص ہوتے ہیں نیکی اور گناہ کی حکمت کی نظر سے گناہ کبیرہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ
ایسا گناہ ہے جس کے سبب سے قبر یا قیامت میں عذاب شدید ہو جائے اسکی وجہ سے تدابیر نافع میں کوئی بڑی خرابی
پیدا ہو تمدن کے کاموں سے وہ بالکل علیحدہ ہو اور گناہ صغیرہ وہ ہے جس سے امور بالا میں سے کسی امر کے ہونے کا شبہ
ہو یا کثرت سے اس سے کوئی امر پہلے امور میں سے پیدا ہوتا ہو یا ایک وجہ سے نہیں اس قسم کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہو۔ اور دوسری

وجہ سے وہ خرابی نہ پیدا ہوتی ہو مثلاً کوئی شخص خدا کی راہ میں نہ خرچ کرے اور اُسکے بال بچے فاقہ کے مرتے ہوں تو اُس نے
بخل کی رذیل عادت دفع کی لیکن خانداری کی تدبیر کھو دیا اور خاص شرعیتوں کے خلاف کیا۔ وہ گناہ ہے جس کے
حرام ہونے کی شارع نے تصریح کردی ہو یا اس کے مرتکب کے لئے دوزخی ہونے کی وعید کی گئی ہو یا پیغمبر کوئی حد مقرر کی
یا اُس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے متعلق شدت بیان کرنے کو اُسکے مرتکب کو کافر و دائرہ اسلام سے خارج کیا ہو کبھی بعض امور
نیکی اور گناہ کے لحاظ سے صغیرہ ہوتے ہیں لیکن شریعت کے لحاظ سے وہی کبیرہ قرار پاتے ہیں اُس کی صورت یہ ہے
کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کوئی قبیح کام اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ رسم جو کہ اُن میں پھیل جاتا ہے اُن کے دلوں کو جکڑے ہوئے
کردیں جب بھی وہ اُنکے دل سے نہیں نکلتا ہے۔ اُس کے بعد شریعت اُس سے روکنا چاہتی ہے لیکن وہ لوگ
اُس کام پر اڑے رہتے ہیں اُسکے کرنے پر اصرار کرتے ہیں شرع سے اُنکے اصرار پر تہدید و درشتی ہوتی ہے گویا یہ اس کا کرنا
شریعت کی سخت عداوت سمجھی جاتی ہے ایسی حالت میں اُسکو وہی شخص کرسکتا جو مردود اور سرکش ہو خدا اور رسول سے
اُسکو کسی قسم کی حیا نہ ہو بہرحال ہم ان گناہوں کی تفصیل جو شریعت کے لحاظ سے کبیرہ قرار دیئے گئے ہیں کتاب کی
دوسری قسم میں بیان کرینگے وہیں ان کے بیان کا موقع ہے لیکن ان گناہوں کی برائیاں جو بروئے عادت سے
وارد ہوگئی ہیں ہم یہیں بیان کرتے ہیں۔

نیکی کے انواع میں بھی ہم نے ایسا ہی کیا ہے لوگوں نے اسمیں اختلاف کیا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کبیرہ کی
حالت میں مرجائے اسکو توبہ نصیب نہ ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں کہ خدا اس گناہ کو معاف کردے ہر ایک فرقہ نے قرآن و حدیث
سے اپنے اپنے دلائل بیان کئے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ اختلاف یوں حل کرسکتے ہیں کہ خدا کے افعال دو قسم کے
ہوتے ہیں (۱) وہ افعال جو بعادت استمراری ہوتے رہتے ہیں (۲) جو خلاف عادت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جو مسائل لوگوں کے
سامنے ذکر کئے جاتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) موافق عادت (۲) بلا قید اور دو مسئلوں میں مخالف ہونے کی
شرط یہ ہے کہ ان کی وجہ ایک ہی ہو۔ جیسے منطقیوں نے قضایا سے موجہ (جن میں ثبوت حمل کی کیفیت مذکور ہو) میں ذکر کیا
ہے کبھی جب وجہ کو ذکر نہیں کرتے ہیں تو قرآن سے اس کا پتہ لگانا ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ جو شخص زہر کھائیگا وہ
مرجائیگا اس کے معنی یہی ہیں کہ عادت اور معمول کے موافق زہر کا یہ اثر ضرور ہوگا اور جب کہا جائے کہ یہ امر نہیں ہے کہ زہر
کھا کر مر ہی جایا کریں اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایسا ہو تو خلاف عادت ہوگا۔ اس سے دونوں باتیں درست ہیں ان میں کچھ مخالفت
نہیں ہے اور جیسے خدا تعالے کی دنیا میں بعض افعال خلاف عادت ہوتے ہیں اور بعض معمول کے موافق ایسے ہی آخرت
میں بھی افعال الٰہی دو ہی قسم میں ہیں معمولی یا غیر معمولی تو خدا کی استمراری عادت تو یہ ہے کہ بغیر توبہ کے مرنے کے بعد وہ گنہگار
کو زمانہ دراز تک عذاب دیتا ہے اور کبھی خلاف عادت بھی ایسے کام کیا ہے۔ ایسے ہی حقوق عباد کا بھی حال ہے۔ اور
صاحب کبیرہ کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا صحیح نہیں ہے حکمت الٰہی کا مقتضا یہی ہے کہ جو معاملہ کافر سے کرے ویسا ہی
صاحب کبیرہ سے بھی کرے۔ واللہ اعلم۔

باب ۵۲

اُن گناہوں کے بیان میں جو نفس کی حالت سے متعلق ہیں

معلوم کرو کہ آدمی کی قوت ملکی و بہیمی [illegible] جانب سے قوت بہیمی حاجت کے [illegible] اس کا مثال ایسا ہے جیسے قفس میں کسی پرند کا ہونا ہے اس پرند کی خوش نصیبی اور سعادت [illegible] ہے کہ اس قفس سے نکل کر اپنے اصلی وطن [illegible] میں جا پہنچے وہاں غذائی دانوں اور لذیذ میوہ جات کھائے اور اپنے ہم جنس پرندوں کے ساتھ [illegible] ہشاش بشاش زندگی بسر کرے۔ اسی طرح آدمی کیلئے نہایت درجہ بدنصیبی اور شقاوت [illegible] ہے کہ وہ [illegible] کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ان علوم کے مخالف ہو جو اسکی طبیعت اور فطرت میں خدا نے پیدا کئے ہیں جیسے ہم نے بیان کیا ہے کہ آدمی کی اصل فطرت میں رب اجل جلالہ کی جانب ذاتی میلان ہے اور نہایت درجہ کی تعظیم [illegible] خدا کے قول و اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم و اشہدہم علی انفسہم (اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو گواہ کیا اپنی جانوں پر) اور حق مولود یولد علی الفطرۃ الاسلام (سب کی پیدائش فطرت اسلام پر ہوتی ہے) اسی کی طرف اشارہ ہے اور خداتعالیٰ کی بے انتہا تعظیم دلمیں جب ہی راسخ ہوتی ہے جبکہ خدا کی نسبت اعتقاد کیا جائے کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے ہر قسم کا تصرف کرتا ہے۔ اعمال کی جزا دیتا ہے انکو احکام کا مکلف کرتا ہے جو شخص اس کا منکر ہو کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جیسا کہ دہریوں کا مسلک [illegible] ہوتا ہے یا وہ معتقد ہو کر پروردگار عالم معطل ہے اس عالم میں وہ کوئی تصرف نہیں کرتا، یا تصرف کرتا ہے تو بلاقصد و مجبور ہو کر کرتا ہے یا وہ اپنے بندوں کے اچھے برے اعمال کی جزا نہیں دیتا یا وہ اپنے پروردگار کو اور مخلوق جیسا اعتقاد کرتا ہے [illegible] صفات اور [illegible] میں بھی اعتقاد کرتا ہے یا یہ جانتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کو پیغمبر کے ذریعہ سے احکام شریعت کا پابند نہیں کرتا پس ایسا ہی شخص دہریہ ہے اسکے دل میں پروردگار کی عظمت نہیں جمع ہو سکتی اور حظیرۃ القدس کیطرف اسکے علم کو رسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ بمنزلہ ایک پرندے کے ہے جو اپنے قفس میں بند ہے اس میں سوزن کے برابر بھی کوئی سوراخ نہیں۔ مرنے کے بعد اس پر سب چیزیں ظاہر ہو جائینگی۔ اور کسی قدر قوت ملکی ظاہر ہوگی اور اس کے فطری میلان میں جنبش پیدا ہوگی لیکن پروردگار کے علم اور حظیرۃ القدس کی رسائی سے [illegible] ہونگے اور اس سے اسکے نفس میں نہایت وحشت کا جوش ہوگا اور اس ناپاک حالت پر باری تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ کی نظر پڑیگی تو ناخوشی اور رقت کی نگاہ سے وہ دیکھے جائینگے اور ملائکہ کو اس ناخوشی اور عذاب کا الہام ہوتا ہے اور عالم مثال اور عالم خارجی میں ان پر عذاب کیا جاتا ہے [illegible] آدمی کیلئے نہایت درجہ شقاوت کا باعث ہے ایسے ہی آدمی کے کافر ہونے [illegible] وہ اس شان سے [illegible] جسکا اندازہ خداتعالیٰ نے اسکے نفس کیلئے کیا ہے۔

شان سے مراد یہ ہے کہ حکمت الٰہیہ مقتضائے عالم کے [illegible] طریقے معین ہوتے ہیں جب کوئی دور شریعت ہوتا ہے تو تمام آسمانوں میں [illegible] کی وحی کیجاتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس کی تکمیل کی مناسب تدبیر عمل میں لاتے ہیں اور لوگوں کے لئے اس دور میں شریعت کا ایک [illegible] ہوتا ہے اور ملاء اعلیٰ کو الہام کرتا ہے کہ عالم میں [illegible] دور کے چلانے پر متفق ہوں

ان کے تعلق سے لوگوں کے دلوں پر الہام ہوتا ہے یہ مرتبہ شان کا اسی قدیم مرتبہ کے بعد ہوتا ہے جس میں حدوث کا لگاؤ
نہیں ہوتا۔ اُس پہلے مرتبہ کی طرح اِس مرتبہ میں بھی بعض کمالات واجب تعالیٰ کا اظہار ہوتا ہے جو شخص اس شان کی حالت کے
خلاف ہوتا ہے اُس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی جانب سے نہایت سخت لعنت کا مستحق ہوتا ہے وہ لعنت اسکے نفس کو
محیط ہو کر اعمال پر چھا جاتی ہے اور اسکا دل سخت ہوتا ہے وہ شخص اعمال نیکی وہ حاصل نہیں کر سکتا اسکی طرف خدا کے قول میں
اشارہ ہے ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بیّنٰہ للناس فی الکتٰب اولٰئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللٰعنون (جو
لوگ ہماری کھلی نشانیوں اور ہدایت کو اسکے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں صاف صاف بیان
کر دیا ہے اُن پر خدا اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں) اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم (خدا نے
اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے)۔

یہ شخص اس پرندہ کی مانند ہوتا ہے جو ایسے قفس میں بند ہو جسکی درزیں تنگ ہیں لیکن جس پر کوئی غلاف پڑا ہوا ہو کفر کی
تنگ حالت یہ ہے کہ کسی شخص کو توحید و تعظیم الٰہی کا تو ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہو لیکن وہ ان احکام کی تعمیل نہ کرتا ہو جو بحکمت
مقرر فرما دیئے گئے ہیں۔ وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے شجاعت کی حقیقت و فائدہ معلوم کر لیا لیکن وہ صفت اس میں پیدا
نہیں ہو سکتی اسلئے کہ نفس شجاعت کا حاصل ہونا اور ہے اور صورت شجاعت کا حاصل ہونا اور لیکن اس شخص کی حالت اُس سے
کسی قدر بہتر ہے جو شجاعت کے معنی بھی نہیں سمجھتا۔ وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرندہ اپنے قفس میں سے جس میں سوراخ ہیں وہ
سبزہ زار و میوہ جات کو دیکھتا ہے مدتوں وہاں رہ چکا تھا لیکن اب اُسی کے شوق میں مبتلا ہو کر اپنے پر مارتا ہے
اور اپنی چونچ روزنوں میں ڈالتا ہے لیکن باہر نکلنے کو راستہ اس کو نہیں ملتا حکمت بردوام کے لحاظ سے کبائر یہی ہیں۔ اور اس
شخص سے بھی بہتر وہ اس شخص کا ہے کہ وہ ان تمام احکام کی بجا آوری کرتا ہے لیکن ان شرائط کیساتھ نہیں کرتا جو ان کیلئے
ضروری ہیں وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرندہ کہ ایسے قفس میں بند ہے جو تنگ ہے تا اس سے باہر نکل سکتا ہے لیکن جبتک جلد میں خراش
نہ ہو اور پر نہ جائیں نکلنا وہاں سے متصور نہیں اس کا قفس سے نکلنا ممکن ہے لیکن بہت محنت دیتی ہے۔ چونکہ نکلنے کے
بعد اسکی جلد میں خراش ہوگا اور پر نچے ہوئے ہونگے اسواسطے وہ اپنے ہمجنسوں میں بخوبی محفوظ نہ رہ سکیگا اور جیسا چاہئے
ان باغوں کے میوہ جات سے بھی بہرہ مند نہ ہوگا۔ یہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کیساتھ برے اعمال بھی کئے
ہیں انکے لئے عاق اور بالغ وہ گناہ ہوتے ہیں جو حکمت بردوام کے لحاظ سے صغیرہ گناہ ہیں۔ پلصراط کی حدیث میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض لوگ گر پڑینگے اور بعض کو آتش گر کر نجات ہو جائیگی اور
بعض کو آگ کی لپٹ کے بعد نجات ملجائیگی واللہ اعلم۔

باب ۵۳

اُن گناہوں کا بیان جن کا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے

معلوم کرو کہ حیوانات کی قسمیں مختلف ہیں بعض کی پیدائش ایسی ہوتی ہے جیسے زمین کے کرم مخلوق ہوا ہے کہ

پروردگار صور کی جانب سے یہی الہام اُن پر ہوتا ہے کہ وہ کیسے اپنی غذا حاصل کریں اُن کو مکانات کی تدبیر کا الہام نہیں
ہوتا اور بعض حیوانات ایسے ہیں کہ جنہیں توالد تناسل ہوتا ہے بچوں کی پرورش میں نر و مادہ ملکر باہم ایک دوسرے کے معاون ہوتے
ہیں حکمت الٰہی میں اُن کا یہ حق ہے کہ کانوں کی تدبیر کا انکو الہام ہوتا ہے۔ پرندوں کو غذا حاصل کرنے اور پرواز کا طریقہ الہام
ہوتا ہے اور یہ کہ وہ کیسے جفتی کریں کیسے اپنا آشیانہ بنائیں۔ اپنے بچوں کو کیسے پرورش کریں اور حیوانات میں سے آدمی
مدنی بالطبع ہے اسکے زندہ رہنے کیلئے ضروری ہے کہ اُسکی غذا کی نوع تحقیق کریں وہ کی ہوئی لباس سے خود اپنی غذا طیار نہیں کر
سکتا نامہ یہ بات میں کہا سکتا ہے پس نے اندر ہی نہیں پیدا کرسکتا اس کے متعلق ہم نے پہلے تشریح کی ہے آدمی کا
حق ہے کہ خانہ داری کی تدبیر اور آداب معاشرت کیساتھ سیاست مدن کا بھی اسکو الہام ہوتا ہے۔ انسان اور حیوانات میں فرق یہ ہے
کہ اور حیوانات کو ضرورت کیوقت ہی الہام ہوتا ہے اور انسان پر علوم معیشت کے ایک مختصر حصہ کا الہام ہوتا ہے مثلاً یہ الہام ہوتا
ہے کہ دودھ پینے کیوقت پستان کو کیسے چوستے ہیں تو ان کی ٹانگ کیوقت کیسے کھانستے ہیں۔ دیکھنے کے لئے پلکوں کو کیسے کھولتے ہیں
اشیا ت کے اور بعضوں کے الہام کی ضرورت اسکو اسواسطے نہیں ہے کہ اسکا خیال خود ہر ایک چیز کو بناتا اور اہتمام کرتا ہے وہ تدبیر
منزل اور سیاست مدن کے علوم کو رسم و رواج سے وہاں لوگوں کی پیروی سے حاصل کرتا ہے جن کی عقلی روشنی سے فائدہ
کرتا ہے یہ روشنی ان علوم میں ظاہر ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ سے انکو معلوم ہوتے ہیں نیز تجربہ و استقرا غیبی سے وہ ان علوم کو
حاصل کرتا ہے نیز وہ خود غور کر کے علوم میں مستغرق ہوکر قیاس اور برہان سے انکو معلوم کرتا ہے ان علوم کی مثال جو لوگوں میں عام
اور شائع ہوگئی ہیں حالانکہ استعدادوں کے مختلف ہونے سے انکی حالت مختلف ہوتی ہے۔ ایسی ہی شان ہے جیسے کہ خواب
میں واقعات پیش ہوتے ہیں یہ واقعات اپنی آسمانی تعبیر سے حاصل ہوتے ہیں اور مناسب مناسب صورتوں میں جلوہ گر
ہوتے ہیں انکی صورتیں مفیض کیوجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کیوجہ سے مختلف ہوتی ہیں ان علوم میں سے جو تمام افراد انسانی کو عطا
ہوتے ہیں خواہ وہ عرب ہوں یا عجم، شہری ہوں یا بدوی گو ان کے حاصل ہونے کا طریقہ مختلف ہو چند خصائل کا حرام
ہونا ہے انکی وجہ سے انتظام تمدن میں خرابی اور برہمی ہوتی ہے ایسے خصائل تین قسم کے ہیں (۱) شہوانی اعمال (۲) سبعی اعمال
(۳) وہ اعمال جو بدمعاملگیوں سے پیدا ہوتے ہیں ان کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام لوگ خواہش نفسانی۔ غیرت
حرص کے اوصاف میں مشترک ہیں اور جیسے قوی بہائم کو مادہ کا میلان ہوتا ہے وہ دوسرے کی مداخلت کو اپنے جوڑے
میں گوارا نہیں کرتے ایسی ہی طبیعت قوی لوگوں کی ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ بہائم باہم لڑنے لگتے ہیں جو زیادہ مضبوط ہوتا
ہے وہ کمزور پر غالب ہوجاتا ہے دوسرا اُسکے سامنے سے بھاگ جاتا ہے اور چونکہ جفتی کرتے ہوئے نہیں دیکھتے اسلئے کچھ
مزاحمت کا بھی انکو خیال نہیں ہوتا۔ اور آدمی نہایت زیرک پیدا کیا گیا ہے۔ اٹکل سے چیزوں کو ایسا معلوم کرلیتا ہے کہ گویا
آنکھ سے دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے اور الہام سے اسکو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور میں زیادہ لڑنے جھگڑنے سے شہر ویران
ہوجاتے ہیں شہروں میں بسنا بغیر باہمی ہمدردی کے ممکن نہیں اور یہ بھی اسکو معلوم ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ
[illegible] مردوں کو ہوتا ہے اسواسطے بالہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو
اس میں دوسرا شخص کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے حرمت زنا کی اصل یہی بات ہے اور بیویوں کے خاص کرلینے کی رسمیں اور طریقے

جدا جدا ہیں اور نیز جیسے کہ قوی بہائم کو ہمیشہ مادینوں کی رغبت ہوتی ہے وہ نروں سے کبھی مانوس نہیں ہوتے۔ ایسے ہی آدمیوں کا بھی حال ہے کہ سلامتی فطرۃ کی حالت میں انکو بجز عورتوں کے کبھی مردوں کی جانب التفات نہیں ہوتا۔ البتہ جن لوگوں پر ناپاک خواہش نفسانی غالب ہوتی ہے ان کا مزاج ایسا فاسد ہوجاتا ہے جیسے کسی کو مٹی یا کوئلہ کھانے میں مزہ معلوم ہوتا ہے فطرۃ کی سلامتی ان میں سے بالکل دور ہوجاتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی خواہش نفسانی مردوں سے پوری کر لیا کرتے ہیں یا ان میں علت ابنہ پیدا ہوجاتی ہے جن چیزوں میں سلیم الطبع لوگوں کو لذت حاصل نہیں ہوتی انکو ایسی لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان عادات کی وجہ سے انکا مزاج بدلجاتا ہے۔ انکے دل روگی ہوجاتے ہیں اور نیز ان عادات سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے خدا تعالےٰ نے یہ خواہش اسواسطے پیدا کی تھی کہ اس سے نسل آدمیوں کی آگے کو بڑھتی ہے اور اس نے اس نظام الٰہی کو بگاڑ کر انکے مخالف طریقہ سے نقضائے حاجت کی بیہودہ سے ان افعال کا مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن انکا اقرار نہیں کرتے اگر انکی طرف ایسے فعل کی نسبت کیجئے تو شرم و حیا سے مرجانا گوارا کرتے ہیں۔ ہاں جنح فطری سے جب وہ بالکل جدا ہوگئے ہوں تو ان کو کسی قسم کی حیا باقی نہیں رہتی اور برملا وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو فوراً ان کو عذاب دینا پڑیگا۔ سیدنا حضرت لوط علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی یہی حالت پیدا ہوگئی تھی۔ لواطت حرام ہونے کی یہی دلیل ہے۔ اور چونکہ لوگوں کی معاش خانگی تدابیر اور سیاست مدن بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہوسکتیں اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں خلل پڑجاتا ہے اس سے جنگ جدل اور روزانہ رنجشیں پیدا ہوتی ہیں لیکن طبائع انسانی میں بیہودہ خواہشیں عقلوں کو مغلوب کرلیتی ہیں۔ تو ان میں ایسے ایسے رذائل کا میلان پیدا ہوجاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کردیتی ہیں۔ اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کیجائے تو لوگ ہلاک ہوجائیں یہ شراب خوری کے حرام ہونے کی دلیل ہے اور اس کے کم زیادہ حرام ہونے کو ہم شرائع کی بحث میں بیان کرینگے اور ایسے ہی قوی بہائم میں اس چیز پر غلبہ کرنے کا مادہ ہوتا ہے جو انکو اپنے مقصود سے باز رکھے یا کوئی نقصانی یا بدنی تکلیف ان کو پہنچائے ایسے ہی لوگوں میں بھی اس قسم کی صفت ہوا کرتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ بہائم کو محسوس یا موہوم مقصود کیطرف توجہ ہوتی ہے اور آدمی وہمی اور عقلی مطالب کو طلب کرتا ہے اور بہ نسبت بہائم کے آدمی میں حرص کا مادہ زیادہ ہے اور بہائم باہم لڑتے ہیں جب ان میں سے کوئی بھاگ جاتا ہے تو اس کی طبیعت میں کینہ وغیرہ باقی نہیں رہتا۔ بعض بہائم بھی ایسے ہیں جن میں کینہ کا اثر بعد کو بھی رہتا ہے جیسے اونٹ بیل گھوڑا لیکن آدمی اپنی عداوت کو نہیں بھولتا پھر اگر باہمی لڑائیاں برابر جاری رہیں تو شہر خراب ہوجائیں اور تمام امور معاش مختل ہوجائیں۔ اس واسطے قتل اور زدوکوب کے حرام ہونے کا ان کو الہام ہوا ہے۔ قتل وغیرہ اگر تجویز کیا جائیگا تو کسی بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز کیا جائیگا اور کبھی لوگوں کے دلوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ ہوتا ہے اسواسطے کھانے میں زہر دیدیتے ہیں یا جادو سے قتل کرادیتے ہیں اس کا حال بھی قتل کا سا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے بچنا مشکل اور کبھی تہمت کرکے کسی صاحب حکومت کو قتل کردینے کی غرض سے سخن چینی کی جاتی ہے اور معاش کے مطرلیقے خدا تعالےٰ نے

اپنے بندوں کیلئے یہی قرار دیئے ہیں کہ سطح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں۔ آمیں وحشی چرائیں کھیتی کریں یا زراعت و
تجارت وغیرہ سے معاش پیدا کریں۔ شہر یا مذہب کا انتظام کریں۔ جو پیشے انکے علاوہ ہیں وہ تمدن کی حالت کے مناسب ہیں
لیکن بعض لوگ مضر پیشے اختیار کر لیتے ہیں مثلاً چوری یا غصب ان سے شہر تباہ ہو جاتے ہیں اسواسطے خدا نے لوگوں کو الہام
سے ان سب مضر پیشوں کو حرام ہونا تلقین کیا۔ تب عام لوگوں کا ان کی حرمت پر اتفاق ہو گیا ہے گو سرکش لوگ خفیانی طور سے
ان کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن انصاف پسند سلاطین کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ان کو دور کر دیں بعض یہ سمجھ کر کہ سلاطین
کو ان کے استیصال کا اہتمام ہوتا ہے جھوٹے دعوے جھوٹی قسمیں جھوٹے گواہوں کا پیشہ لیتے ہیں ناپ تول میں کمی
کرتے ہیں قماربازی کرتے ہیں وہ چند در چند سود کھاتے ہیں۔ ان سب امور کا حکم بھی انہیں مضر پیشوں کا سا ہے اور خراج
کی زیادہ ستانی بھی بمنزلہ رہزنی کے ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے بہرحال انہیں اسباب سے لوگوں کے دلوں میں ایسے
امور کی حرمت آگئی ہے۔ جو لوگ زیادہ ہوشمند سلیم الرائے مصالح عامہ کے زیادہ واقف ہوتے ہیں وہ درجہ بدرجہ ہمیشہ لوگوں کو
ان امور سے منع کرتے رہتے ہیں حتی کہ یہ عام رواج ہو کر ایسے امور کی طرف بمنزلہ بدیہیات کے ہو جاتے ہیں۔ اور جب
لوگوں میں الہامی طور پر ان کا میلان ہوتا ہے۔ اسی کا اثر ملائکہ میں ہوتا ہے کہ یہ امور حرام اور نہایت پر مضرت ہیں
اس لئے جو شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے تو انکو سخت اذیت ہوتی ہے۔ جیسے ہمارا پاؤں جب چنگاری پر پڑتا ہے
تو فوراً اسی لحظہ میں قوائے ادراکیہ میں اس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے اور اس اذیت کے خطوط شعاعی اس عاصی کو احاطہ کر
لیتے ہیں اور فرشتوں وغیرہ میں سے اصحاب استعداد کے دلوں میں پڑتا ہے کہ اس شخص کو جیسے ممکن ہو ایذا پہنچائیں
جب وہ شخص مرجاتا ہے اور اس مصلحت میں خاموشی ہوجاتی ہے تو خدا تعالیٰ اس کو پوری طرح پر جزا دیتا ہے خدا تعالیٰ
فرماتا ہے سنفرغ لکم ایہا الثقلان اے انس وجن میں تمہارے لئے قریب فارغ ہونیوالا ہوں۔ واللہ اعلم۔

چھٹا مبحث مذہبی سیاستوں کے بیان میں

باب ۵۴

اسکے بیان میں کہ مذہبی رہنماؤں اور مذہب کے قائم کرنیوالوں کی ضرورت ہے

خدا تعالیٰ فرماتا ہے انما انت منذر ولکل قوم ہاد۔ بیشک تو ڈرانے والا ہے اور ہر ایک قوم کے لئے کوئی
نہ کوئی رہبر ہوا کرتا ہے۔ معلوم کر دو کہ وہ اصول و قوانین جن سے بہیمیت کو قوت ملکی کے تابع بناتے ہیں اور وہ گناہ جو
قوت ملکی کے بالکل مخالف ہیں عقل سلیم سے بھی معلوم ہو سکتے ہیں وہ ان اصول کے فوائد اور ان گناہوں کی مضرتوں کو
معلوم کر سکتے ہیں لیکن لوگ ان سے غفلت میں رہا کرتے ہیں ان کی سمجھ پر چونکہ پردے پڑے ہوئے ہیں اسلئے ان کی
وجدانی قوت صفراوی آدمی کی طرح بگڑ جاتی ہے۔ مقصود حالتیں اور ان کی منفعتیں اور اندیشناک حالتیں اور ان کے
مضر ان کے خیال میں نہیں آتے۔ اسلئے تمام لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جو رہنمائی کے قوانین کو خوب
جانتا ہو لوگوں کا ان قوانین سے انتظام کرے۔ ان لوگوں کو ہدایت کرنے کے آمادہ کرے ان قوانین کی مخالفت سے

رکھے بعض لوگوں کی رائے ایسی فاسد ہوتی ہے۔ انکے مقصود بالذات وہ طریقے ہوتے ہیں جو مطلوب اصول کے خلاف ہوتے
ہیں اسلئے وہ خود بھی گمراہی میں پڑتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں لوگوں کی حالت جب ہی درست ہوتی ہے کہ ایسے
خیالات بالکل نابود کردیئے جائیں۔ اور بعض لوگوں کی رائے میں کسی قدر رہبری ہوتی ہے لیکن ہدایت کے صرف مختصر حصہ کو
وہ معلوم کرسکتے ہیں اسلئے چند امور ان کی یاد میں رہتے ہیں اور بہت سے امور میں ان کی نظر چوکتی ہے ان کا خیال ہوتا ہے
کہ وہ ذی نفس بڑے کامل ہیں انکو کسی تکمیل کی حاجت نہیں ہے اسواسطے ان کی اصلاح کے لئے ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے
جو انکا جہل مرکب دور کرے بہرحال لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جس کو پوری واقفیت ہو لغزشوں سے وہ
بالکل محفوظ ہو۔ اور جب عقل معاش اکثر لوگوں میں موجود ہے۔ تمدن کی اصلاحات اور انتظامات کو مستقل طور پر معلوم کرسکتی ہے
تاہم شہر کو ایسے شخص کی ضرورت رہا کرتی ہے جو بخوبی تمدن کی مصلحتوں سے واقف ہو ان کی سیاست شائستگی سے کرسکے
تو جب ایسا فرقہ ہو جن کی استعدادیں نہایت درجہ مختلف ہوں۔ اور ایسا طریقہ ہو کہ اس کو دلی شہادت ہے وہ ہی لوگ قبول
کرلیں جو نہایت زیرک ہوں انکی فطرت علائق سے صاف ہو کامل تجربہ ان کو حاصل ہو اس طریقہ کی رہبری صرف انہیں کو
ہوسکتی ہے جو نہایت تیز فہم ہیں اسلئے درجہ کے تھوڑے ہیں اور ایسے لوگوں کا وجود شاذ و نادر ہوا کرتا ہے تو ایسی حالت میں کیونکر
اس کی حاجت نہ ہوگی اور جب آہنگری درودگری وغیرہ پیشے عام لوگوں سے بغیر ان اہل کے جو ان کے بزرگوں سے اور
استادوں سے منتقل ہوتے چلے آتے ہیں وہ ان سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتے تو ان عمدہ
شرائع کی رہنمائی جن کے سمجھنے کی خاص لوگوں کو ہی توفیق ہوتی ہے اور خالص طبیعت کے لوگوں ہی کو وہ مرغوب ہوتے
ہیں کیسے ہوسکتی ہے ایسے عالم کو ضرور ہے کہ لوگوں کو برملا علی رؤس الاشہاد ثابت کردے کہ وہ اس طریقہ کا عالم ہے اپنے
اقوال میں خطا اور گمراہی سے مصؤن اور محفوظ ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اصلاح کے ایک حصہ کو اختیار کرے اور دوسرے
ضروری حصہ کو ترک کردے اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں (۱) یہ کہ کسی ایسے پہلے بزرگ کے کلام کو نقل کردے جس پر سلسلہ
کلام ختم ہوتا ہے اور لوگ اسکے کمال اور معصومیت کے بالاتفاق معتقد ہوتے ہیں ان لوگوں میں اسکی روایتیں محفوظ ہوتی
ہیں وہ انہیں کے اعتقادات کے موافق لوگوں سے مواخذہ کرتا ہے اور انہیں کی دلیل پیش کرکے انکو ساکت کردیتا ہے
اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گفتگو کا خاتمہ اس شخص پر ہوتا ہے جس پر سب لوگوں کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ بہرحال لوگوں کو ایسے
شخص کی بڑی ضرورت ہے جو معصوم ہو اور اسکی عصمت پر سب کا اجماع ہو۔ ایسا آدمی خواہ ان میں موجود ہو یا اس کے اقوال
ان کے ذہنوں میں محفوظ ہوں ایسے معصوم کا لوگوں کے مطیع ہونے کی حالت ان قوانین کو جو اس حالت سے پیدا ہوتے
ہیں اس کے منافع کو معلوم کرنا ہوں اور گناہوں کے مضر اثروں پر اطلاع کسی دلیل کے ذریعہ سے یا نقل سے یا ذریعہ حس
کے نہیں ہوسکتی بلکہ ان کا انکشاف صرف وجدان سے ہوا کرتا ہے۔ جیسے گرسنگی اور تشنگی اور دوا کھانا یا دوا کی تاثیر صرف وجدان
سے ہی معلوم ہوتی ہے ایسے ہی روح کے مناسب اور مخالف امور کی شناخت صرف ذوق سلیم سے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ
بدیہی طور پر اس کی ذات میں علم پیدا کرتا ہے کہ وہ خطا سے محفوظ ہے۔ اور تمام وہ چیزیں جن کا اس نے ادراک کیا ہے
بالکل حق اور واقع کے مطابق ہیں جیسے کہ دیکھنے والے کو دیکھتے ہی معلوم ہو جایا کرتا ہے اس کو کچھ احتمال

نہیں ہوتا کہ میری پیشانی میں کچھ فرق ہے یا علامات واقع میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں اور جیسے زبان کے وضع الفاظ
کا علم ہوتا ہے بشرطیکہ عربی ہو ان کو اسمیں شک نہیں ہوتا کہ ماء (پانی) اس عنصر کیلئے وضع ہے۔ اور ارض (زمین) کا لفظ اس
عنصر کیلئے وضع ہے حالانکہ اس علم کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ اس لفظ اور معنی میں کوئی لزوم عقلی ہے تاہم وجدان امور کا یقینی
علم طبیعتوں میں پیدا کرتا ہے۔ اکثر لوگوں کو ان وجدانی علوم کی صداقت اپنے فطری وجدان سے ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ
ٹھیک ٹھیک قوانین کو اپنے علم وجدانی سے معلوم کر لیتے ہیں۔ پیاپے یہ وجدانی علم ان کو حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے وجدان
کی صداقت کا ان کو ہمیشہ تجربہ ہوتا رہتا ہے اور ایسے لوگوں کے علاوہ اوروں کو یقینی یا مشہور دلائل سے خوب ثابت ہو جاتا
ہے کہ یہ شخص جن امور کی بابت حکم کرتا ہے وہ سب حق ہیں۔ اس شخص کے چال چلن ایسے عمدہ ہوتے ہیں کہ کذب کا احتمال
نہیں ہو سکتا۔ اور نیز لوگ اس کی ذات میں تقرب کے آثار دیکھتے ہیں معجزات اس سے صادر ہوتے ہیں اسکی دعائیں
مقبول ہوتی ہیں جس سے کہ یقین ہو جاتا ہے کہ سماوی تدابیر میں اس کا درجہ بلند ہے اس کا نفس مقدس ہے اسکو ملائکہ سے
اتصال ہے ایسا شخص اسی قابل ہے کہ خدا کی طرف جھوٹی بات کو منسوب نہ کرے اور گناہ کو عمل میں نہ لاوے۔ اسکے
بعد اس شخص سے ایسے ایسے امور ظاہر ہوتے رہتے ہیں جن سے لوگوں کے دل میں نہایت ہی الفت پیدا ہوتی ہے
ان کی وجہ سے وہ لوگوں کو مال اور اولاد سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے تشنہ آدمی کو آب زلال کی ایسی رغبت نہیں ہوتی
جیسی لوگوں کو اس سے رغبت ہوتی ہے بغیر ایسے شخص کے کسی فرقہ اور قوم میں حالت مقصودہ کا رنگ نہیں چڑھ سکتا
ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اس قسم کی عبادت میں مصروف رہا کرتے ہیں اور اپنے تمام امور کی ایسے شخص کی طرف نسبت کرتے
ہیں بس ان میں ایسے امور کے ہونے کا اعتقاد ہوا کرتا ہے خواہ وہ اعتقاد ان کے صحیح ہوں یا غلط واللہ اعلم۔

باب ۵۵

حقیقۃ النبوۃ وخواصہا

نبوت کی حقیقت اور اسکے خواص کے بیان میں

معلوم کرو کہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے لوگ مفہمین ہیں یہ لوگ اہل اصطلاح ہوتے ہیں انکی
ملکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے ان لوگوں سے یہ ہو سکتا ہے کہ حقانی خواہش سے کوئی انتظام مقصود قائم کریں۔ ملاء اعلیٰ
کی جانب سے ان پر علوم اور الٰہی حالات وارد ہوتے ہیں مفہمین کی سیرت میں یہ امور داخل ہوتے ہیں۔ ان کے مزاج اور
خلقت اور خلق میں اعتدال اور تناسب ہوتا ہے ان میں جزئی رایوں کی وجہ سے بینائی نہیں ہوتی۔ اور نہ ایسے پرلے درجہ
کی ذکاوت ہوتی ہے کہ کلی سے جزئی کو اور روح سے صورت کو معلوم نہ کر سکیں نہ ایسی عبادت ہوتی ہے کہ جزئی سے
کلی کی طرف اور صورت سے روح کی جانب منتقل نہ ہو سکیں سب لوگوں سے زیادہ وہ جادۂ راست کا پابند ہوتا ہے۔
عبادت میں اس کی نہایت پسندیدہ شان ہوتی ہے لوگوں کے معاملات میں انصاف پسند ہوتا ہے۔ تدابیر کلی کو ہمیشہ
پسند کرتا ہے منفعت عام کا ہمیشہ راغب رہتا ہے کسی کو بلا وجہ ایذا نہیں دیتا ہاں اگر تکلیف اور ایذا پر عام نفع موقوف

ہو یا نفع عام کو ایذا لازم ہو تو البتہ اُس سے ایذا پہنچ سکتی ہے عالم غیب کی جانب ہمیشہ اُسکا میلان رہتا ہے اثر اسکی گفتگو میں اُسکے چہرہ میں اور اُس کی تمام حالتوں میں محسوس ہوتے رہتے ہیں اُس کے ہر ایک پہلو سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم غیب سے اسکو تائید پہنچتی ہے اور ریاضت سے اسکو ایسا قرب اور تسکین حاصل ہوتی ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی مفہمین کی قسمیں اور استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں جسکی اکثر یہ حالت ہو کہ خدا کی جانب سے اُن علوم کو اخذ کرتا ہے جن سے عبادتوں کے ذریعہ سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے اسکو کامل کہتے ہیں اور جو اکثر اخلاق کامل و تدبیر منزل کے علوم کو اخذ کرے اسکو حکیم کہتے ہیں اور اکثر انتظامات کلی کو حاصل کر کے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کرے اور ان سے اوروں کی جور و تعدی کو دفع کرے اُس کا نام خلیفہ ہے اور جس کو ملاء اعلے کی حضوری ہو یہ فرشتے اسکو تعلیم دیں۔ اُس سے خطاب کریں اسکو وہ آنکھوں سے نظر آئیں اور مختلف قسم کی کرامتیں اُس سے ظاہر ہوں اُس کا نام مؤید بروح القدس ہے اور جس کی زبان اور دل پُر نور ہوں لوگوں کو وہ اپنی صحبت اور مواعظ سے نفع پہنچائے اور پھر وہی تجلی اور نور اسکے خاص صحابہ اور حواریین میں منتقل ہو۔ وہ اُس کی برکت سے کمالی درجات تک پہنچ جائیں۔ اُسکو انکی ہدایت اور رہبری کی نہایت ہی حرص ہو اسکو ہادی مزکی کہتے ہیں اور جس کا بڑا حصہ علم مذہب کے قواعد اور مصالح ہوں وہ اسکا زیادہ مشتاق ہو کہ اُن علوم کو قائم کرے جو محو ہو گئے ہیں اس کو امام کہتے ہیں اور جس کے دل میں القا کیا ہو کہ لوگوں کو اُن مصائب اور صدمات کا حال بتا دے جو دنیا میں اُنکے لئے مقدر ہوں یا کسی قوم کے ملعون اور مردود ہونے کو معلوم کر کے انکو اسکی اطلاع دے یا بعض اوقات تجرد نفس کی حالت میں ان واقعات کو اُسنے معلوم کیا جو قبر اور حشر میں لوگوں کو پیش آنے والے ہیں اور یہ اس قسم کے حالات انکو بتائے اسکو منذر کہتے ہیں۔ جب حکمت الٰہی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی مفہم کو لوگوں کی طرف بھیجے تو خدا تعالےٰ اُس شخص کے باعث سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے بندوں پر خدا کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اُسکے آگے سر تسلیم ہوں ملاء اعلے کو اس کی تاکید ہوتی ہے کہ اُسکے فرمان پذیروں سے خوشنود ہو کر انکے شریک رہیں اور مخالفوں سے ناخوش ہو کر ان سے علیحدگی کریں خدا لوگوں کو اسکی اطلاع کرتا ہے۔ اُن پر اُسکی اطاعت واجب کرتا ہے۔ ایسا شخص نبی ہوتا ہے اور تمام انبیاء سے سب سے زیادہ عزو شان والا وہی ہے جس میں ایک اور ہی قسم کی بعثت ہوتی ہے اُسکی نسبت مراد الٰہی یہ ہوتی ہے کہ لوگ زندگی کی تیرگیوں سے نکلکر نورانیت اپنے اندر پیدا کریں اور اسکی قوم عام لوگوں کے لئے رہبر بنے اس طرح پر گویا اُس نبی کی بعثت میں ایک دوسرے قسم کی بعثت ہوا کرتی ہے پہلی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم "خدا ہی نے اُن پڑھوں میں اُن میں سے ایک نبی بھیجا" اور دوسری حالت کیطرف خدا کے قول کنتم خیر امۃ اخرجت للناس میں اشارہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین تم لوگوں میں آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں بڑھانے کو۔ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم میں مفہمین کے تمام کمالات بالاستیعاب جمع تھے اور دونوں نعمتوں میں سے کامل حصہ آپکو حاصل تھا اور جو انبیاء علیہم السلام کہ آپ سے پیشتر گذرے ہیں انکو نبوت میں صرف ایک یا دو فن حاصل تھے اور معلوم کرنا چاہئے کہ حکمت الٰہیہ انبیاء کے بعثت کی [illegible] مقتضی ہوا کرتی ہے

رنگوں کی صفائی اور قابل اعتبار بہتری بد بیر بعثت میں ہی منحصر ہوا کرتی ہے۔ وراس بہتری کی اصلی حقیقت کا علم گو حرف علام الغیوب کو ہی ہوتا ہے لیکن آننا ہم بھی یقیناً جانتے ہیں کہ ضرور انبیاء کے مبعوث کرنے کیلئے ایسے ایسے اسباب ہوا کرتے ہیں۔ جو بعثت سے تخلف نہیں کیا کرتے۔ انبیا کی پیروی لوگوں پر اسی لئے فرض کیجاتی ہے کہ خدا تعالےٰ کو علم ہوتا ہے کہ کسی قوم کی درستی اور خوبی اس ایں ہی ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کریں اور اسکی عبادت کریں لیکن ان لوگوں کی نفوس اس قابل نہیں ہوا کرتے کہ وہ خود رسوم آپ کو خذ کریں۔ ان کے حال کی درستی اس میں ہوتی ہے کہ وہ نبی کا اتباع کریں اس لئے خطیرۃ القدس میں مقدر ہوتا ہے کہ نبی کا اتباع واجب ہے۔ وہاں اس امر کا فیصلہ ہوجاتا ہے اس کے مختلف طریقے ہیں کبھی تو بعثت کا وقت خاص دولت اور قوت کے غلبہ کا اور دیگر طاقتوں کے سرنگون کرنے کا زمانہ ہوتا ہے اس لئے خدا تعالےٰ ایسے شخص کی بعثت کرتا ہے جو اس دولت اور طاقت والوں کے دین کو درست کردے جیسکہ سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت یا خدا تعالےٰ مقدر کرتا ہے کہ کسی قوم کو باقی رکھے اور لوگوں پر اُن کو برگزیدہ کرے اس لئے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو ان کی کجی کو رفع کردے اور اُن کو کتاب الٰہی کی تعلیم دے۔ جیسے سیدنا حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی بعثت یا اُن امور کا انتظام نسق ہوتا ہے جو کسی قوم کیواسطے مقدر ہوتے ہیں کہ اُنکی دولت یا مذہب جسکی کسی مجدد کے ذریعہ سے اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے باقی رکھی جائیں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہم السلام اور دو نبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی ایک جماعت کی یہی حالت تھی خدا تعالےٰ نے ان تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے دشمنوں پر ظفرمندی کو مقدر کیا تھا جیسے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبون (اپنے پیغمبر بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی طے ہوچکا تھا کہ وہ ہمیشہ فتحمند رہینگے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہوکر رہیگا) ان انبیا کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں جو اتمام حجت کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں واللہ اعلم۔ اور جب کوئی نبی مبعوث ہو تو ان لوگوں پر جنکی جانب وہ مبعوث ہوا ہے فرض ہے کہ گو وہ راہ راست پر ہی کیوں نہ ہوں لیکن اُس نبی کا سب اتباع کریں۔ اسلئے کہ ایسے بندے پر شخص سے سرتابی سے ملاء اعلےٰ کی لعنت اور ذلت و رسوائی پیدا ہوا کرتی ہے نبی کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا کی حضور میں تقرب خود حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسی سرکشی کیحالت میں انکی تمام کوششیں رائیگاں ہوجایا کرتی ہیں۔ انکے مرنے کے بعد چاروں طرف سے انکے دلوں کو لعنت گھیر لیتی ہے علےٰ ان ہذا صورۃ مفروضۃ غیر واقعۃ تم کو یہود کیحالت سے عبرت حاصل کرنی چاہئے انہوں نے دین میں کیسی کیسی زیادتیاں اور کتاب الٰہی میں کیسی تحریفیں کی تھی اسلئے سب لوگوں سے زیادہ اُنکے لئے پیغمبر بعثت کی ضرورت تھی اور پیغمبروں کے بھیجنے سے خدا کی حجت لوگوں کے مقابلے اس لئے ثابت ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کی پیدائش اس قابل نہیں ہوا کرتی کہ وہ بلا واسطہ مفید اور مضر امور کو حاصل کرسکیں بلکہ اُن کی استعداد ضعیف ہوتی ہے۔ انبیا کے بتلانے اور خبر دینے سے اسکو قوت پہنچتی ہے۔ اور نیز ایسے ایسے خراب اور فاسد امور جمع ہوجاتے ہیں کہ بغیر حیرا و دلیل کے دفع نہیں ہوسکتے لوگ اس قابل ہوجاتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ان کے اعمال کی باز پرس کیجائے۔ تب بعض اسباب علوی اور سفلی کے جمع ہونے کے بعد لطف خداوندی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی قوم میں سے نہایت نیک شخص پر وحی کرے کہ لوگوں کو حق کیجانب رہنمائی کرے اور

درست کی جانب انکو لائے. اس لئے نبی کا حال رہبری کے بارہ میں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی مالک کے غلام بیمار ہوجائیں اور وہ مالک اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دے کہ انکو دوا پلاؤ خواہ وہ خوشی سے پئیں یا ناگواری اور ناخوشی سے اسوقت میں اگر یہ شخص انکو دوا پینے پر مجبور بھی کریگا تاہم حق پر ہوگا لیکن پوری مہربانی اسکی مقتضی ہے کہ اول ان کو بتادے کہ تم بیمار ہو اور یہ دوا تم کو نفع دیگی. اور انکے سامنے خلاف عادت و معمول ایسے افعال بھی ظاہر کرے جن سے انکے دلوں میں بخوبی بیٹھ جائے کہ وہ اپنے اقوال میں بالکل سچا ہے اور نیز انکو مناسب ہے کہ اس دوا میں کوئی شیریں چیز بھی ملادے. ان امور کے بعد وہ اس کے احکام کی بجا آوری اپنی بصیرت اور رغبت سے کرینگے. اسی وجہ سے معجزات اور مقبولیت دعا وغیرہ اصل نبوت سے بعض خارج اور علیحدہ ہیں ہاں اکثر حالتوں میں لازم ضرور ہوا کرتے ہیں اور بڑے بڑے معجزات کا ظہور اکثر تین اسباب سے ہوا کرتا ہے (۱) کوئی نبی مفہمین کے رتبہ کا ہوتا ہے اسوجہ سے بعض بعض حوادث اسکو ظاہر ہوجایا کرتے ہیں اور یہ ظہور دعاؤں کی قبولیت اور ان امور میں موجب برکات ہوجاتا ہے جس کے لئے برکت کی دعا کی جاتی ہے اور جس کے لئے برکت کی دعا کی جاتی ہے اور برکت کے ہونے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی کسی شے کا نفع زیادہ ہوجاتا ہے مثلاً اعدا کے خیال میں لشکر کی کثرت متمثل ہوتی ہے اسلئے وہ بزدل ہوجاتے ہیں یا طبیعت غذا کو خلط صالح بنادیتی ہے اس سے ایسا اثر ہوتا ہے گویا اس غذا سے دوچند زیادہ تناول کی ہے اور کبھی خود اصل شے ہی بڑھ جاتی ہے اسطرح پر کہ کسی صورت کے مادہ ہوائی میں کوئی قوت مثالی حلول کرتی ہے اور اس کو بدلدیتی ہے ان اسباب کے علاوہ اور بھی اسباب ظہور برکات کے ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا دشوار ہے اور (۲) سبب ظہور معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ ملاء اعلے متفق ہوکر نبی کو احکام جاری کرنا چاہتے ہیں اسوجہ سے الہامات اور انتقالات اور تقریبات پیش آتے ہیں جو پہلی حالت کی نسبت بعض غیر معمولی ہوتے ہیں اس لئے نبی کے اصحاب ظفرمند اور اعدا خوار و خراب ہوتے ہیں و حکم الٰہی کا ظہور ہوتا ہے ولو کرہ المشرکون (۳) تیسرا سبب معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ اسباب خارجی کیوجہ سے بہت سے حوادث نئے نئے پیدا ہوتے ہیں نافرمانوں کو سزا دیجاتی ہے اور عالم وجود میں بڑے بڑے امور کا احداث ہوتا ہے یہی امور کسی نہ کسی وجہ سے معجزات ہوجاتے ہیں. نبی یا پہلے سے ان پر لوگوں کو مطلع کردیتا ہے. یا اس کی نافرمانی پر لوگوں کی سزا مرتب ہوا کرتی ہے یا بطریقہ سزا کہ نبی نے بتادیا تھا وہ حوادث اسی کے موافق ہوتے ہیں. یا ایسے ہی اور امور ہوا کرتے ہیں انبیاء کے معصوم ہونے کے بھی تین اسباب ہوا کرتے ہیں (۱) یہ کہ تمام رذیل خواہشوں اور غصوں سے کسی انسان کی فطرت نہایت خالص اور صاف پیدا کی جاتی ہے خاصتہً ان امور کی نسبت جو حدود شرعی کی حفاظت اور پاسبانی سے متعلق ہوا کرتے ہیں. (۲) یہ کہ اس کو اچھے کام کی خوبی اور برے کام کی برائی اور دونوں کا انجام وحی الٰہی سے معلوم ہوجایا کرتا ہے (۳) یہ کہ اس شخص کے اور ان رذیل خواہشوں کے بین خدا حائل ہوجاتا ہے.

معلوم کرو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ ہوتا ہے کہ خدا کی ذات اور صفات میں غور اور فکر کرنے کا حکم۔ کریں عام لوگ ایسے ایسے موضوں کی طاقت نہیں رکھا کرتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ (خدا کی ذات میں غور مت کرو بلکہ اسکی مخلوق میں غور کرو) اور ان الی ربک المنتھی تیرے رب کیطرف

نہایت ہے ایسی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور کا موقع نہیں ہے۔ انبیا ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ خداتعالےٰ کے انعامات اور اسکی بزرگ قدرت میں لوگ غور کیا کریں نیز انبیا علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ امر ہوتا ہے کہ لوگوں سے ایسی ہی گفتگو کیا کرتے ہیں جو انکے عقلی مذاق کے مناسب اور ان کے علوم کے موافق ہو جو ان کے اندر پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں اس لئے کہ نوع انسانی کا میں وجود ہو۔ اسکو جبلی طور پر ایک خاص ادراک عطا کیا گیا ہے جس کا مرتبہ تمام حیوانی ادراک سے زیادہ ہے ہاں اس کا اصلی مادہ ہے اگر باصحی ہو اور اس قسم کے انسانی ادراک کے قابل نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ انسانی ادراک میں سب افراد نوعی شریک ہوتے ہیں۔ اور اس ادراک کے علاوہ انسان کے لئے اور زائد علوم سے حصہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں معمولی عادت کے خلاف حاصل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ انبیا اور اولیاء کے قدسی نفوس کی حالت ہوا کرتی ہے اور کبھی انسان کو نہایت پر مشقت ریاضتوں کے استعمال سے بعض ایسے علوم حاصل ہوتے ہیں جو اسکو ایسے بلند ادراکات کے لئے طیار کرتے ہیں جن کا اندازہ اس کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا اور کبھی مدت دراز تک علوم حکمیہ کی اور علم کلام اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق اور محنت سے علوم کا اضافہ ہو جایا کرتا ہے لیکن انبیا کی گفتگو صرف اسی سادہ ادراک کے طریقہ کے موافق ہوا کرتی ہے۔ جو بلحاظ اس کی پیدائش کے انکی طبائع میں موجود ہوا کرتا ہے۔ ان علوم کی طرف جن کا وجود شاذ و نادر اسباب سے ہوا کرتا ہے اور بعض اتفاقی ہوتا ہے۔ انکو کچھ التفات نظر نہیں ہوتا اسی واسطے انبیا لوگوں کو اس پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ خدا کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعہ سے یا دلائل اور قیاسات سے معلوم کریں یا وہ خدا کو تمام جہتوں سے منزہ خیال کریں۔ اس لئے کہ اس طرح پر معلوم کرنا ان لوگوں کے لئے گویا محال ہے کہ جن کو ریاضتوں کے اشتغال نصیب نہیں ہوتے۔ انہوں نے مدت دراز تک معقولیوں سے میل جول نہیں رکھا ہے استنباط اور استدلال اور استحسانات کے طریقوں کی جانب اسکو رہبری نہیں کی گئی ہے ان مقدمات کے ذریعے جن کے اخذ پر دقت ہیں باہم مشابہ چیزوں سے ان کو فرق کرنے کی تعلیم نہ دیگئی ہو۔ ان کو وہ علمی دقیقیں نہ آتی ہوں جن کی وجہ سے اصحاب الرائے اہل حدیث پر ناز کیا کرتے ہیں۔ اور نیز انبیاء کی سیرت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ ان امور کیجانب توجہ نہیں کیا کرتے۔ جو تہذیب نفس سیاست امت سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ وہ ان اسباب کو بیان نہیں کرتے جو عالم جو میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً مینہ اور کسوف اور ہالہ کی کیفیت علم نباتات اور حیوان کی عجائبات یا آفتاب و چاند کی رفتار کا اندازہ۔ روزمرہ حوادث کے اسباب۔ انبیاء سلاطین یا شہروں وغیرہ کے حالات اور قصے۔ البتہ کبھی کبھی خدا کے انعامات اور انتقامات بیان کرنے کے لئے چند لفظوں میں امور بالا کا ذکر بھی بطور تبعیت آجایا کرتا ہے۔ وہ بھی محض اجمالی صورت میں کہ جو استعارات اور مجازات کے پردہ میں آجایا کرتا ہے جس سے لوگوں کو الفت ہوتی ہے ان کی عقلیں اس کو قبول کر سکتی ہیں۔ اسی بنا پر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا سبب دریافت کیا تھا تو خداتعالےٰ نے اس سے اعراض فرما کر صرف مہینوں کے فوائد سے بیان کر دیئے۔ اور فرمادیا۔ یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج (تجھ سے لوگ ہلالوں کا حال دریافت کرتے ہیں کہہ دو ان سے لوگوں کا اور حج کا وقت معلوم ہوتا ہے) اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ان فنون ہی کی

غفلت سے یا دروجوہ سے اُن کے ذوق خراب ہو گئے ہوں۔ اس لئے وہ پیغمبر کی کلام کے بے موقعہ معنی لگا لیتے ہیں واللہ اعلم۔

باب ۵۶

اسکے بیان میں کہ مذہب کی اصل ایک ہی ہے اسکے طریقے اور راستے مختلف ہُوا کرتے ہیں

خدا تعالے نے فرمایا ہے شرع لکم من الدین ما وصّے بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم وموسے وعیسے ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (خدا نے دین کا تم کو وہی راستہ بتایا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تجھ پر نازل کی۔ ابراہیم اور موسے اور عیسے کو بھی اسی کی وصیت کی تھی وہ یہی بات تھی کہ دین حق کو ٹھیک رکھیو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیو) مجاہد کا قول ہے کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی اور خدا تعالے نے فرماتا ہے

وان ہذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون فتقطعوا امرہم بینہم زبراً کل حزب بما لدیہم فرحون (تم سب کی امت ایک ہی ہے میں ہی تمہارا رب ہوں مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ کر اپنے کام کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اپنی اپنی باتوں پر ہر ایک فرقہ خوش ہوا کرتا ہے) یعنی تمہارا دین اسلام ہے اسلئے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے الگ رہو۔ اور خدا تعالے فرماتا ہے

لکل جعلنا منکم شرعۃً ومنہاجاً (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک طریق اور راستہ مقرر کر دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسکے معنی یہی کئے ہیں یعنی راستہ اور طریقہ اور نیز خدا تعالی فرماتا ہے لکل امۃ جعلنا منسکاً ہم ناسکوہ یعنی ہر ایک امت کے لئے ایک شریعت بنا دی ہے جسپر اُنکا عمل ہے معلوم کرو کہ دین کی اصل ایک ہی شے ہے تمام انبیاء اسپر متفق ہیں اگر اختلاف ہے تو اسکے طریقوں میں ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ نبیوں کا اسپر اتفاق ہے کہ عبادت اور استعانت صرف خدا تعالی ہی سے ہو اور جو باتیں اسکی بارگاہ قدس کے مناسب نہیں ہیں اس سے خدا کو منزہ سمجھیں اسکے الحاد کو حرام سمجھیں اور بندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ اسکی نہایت درجہ تعظیم کریں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو اپنی ذاتوں اور دلوں کو خدا کے حوالہ کر دیں۔ خدا کے شعائر کے ذریعہ سے قرب خداوندی حاصل کریں اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ حوادث کے پیدا ہونے سے پہلے ہی خدا نے حوادث کو مقدر کر دیا تھا۔ اور فرشتے خدا کے بندے ہیں وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جو انکو حکم ہوتا ہے اسی کی تعمیل کرتے ہیں اور خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل فرماتا ہے اپنی اطاعت کو بندوں پر فرض کر دیتا ہے اور قیامت کا ہونا حق ہے۔ بعد مرنے کے جی اٹھنا حق ہے جنت دوزخ حق ہیں علے ہذا۔ تمام انبیاء نیکی کے تمام اقسام طہارۃ۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ نوافل۔ طاعت۔ دعا۔ ذکر۔ کتاب الٰہی کی تلاوت کے ذریعہ سے خدا کی حضور میں تقرب حاصل کرنے پر سب متفق ہیں نکاح اور زنا کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ سب کے نزدیک لوگوں میں انصاف قائم کرنا چاہیے اور ظلم کی صورتوں کو سب حرام بتاتے ہیں نافرمانوں پر حدود سب مقرر کرتے ہیں۔ دشمنان الٰہی سے جہاد اور احکام الٰہی اور دین خدا کی اشاعت میں نہایت درجہ کوشش کرتے ہیں یہ امور دین کی بیخ و بنیاد ہیں قرآن پاک میں ان امور کے قرار پانے کی وجہ نہیں بیان کی ہے الا ماشاء اللہ اس لئے کہ ان لوگوں کے نزدیک جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے یہ سب مسلم تھے

اختلاف اگر ہے تو ان امور کی صورتوں اور شکلوں میں ہے اسلئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کے وقت
بیت المقدس کی جانب رخ کرنا پڑتا تھا۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں قبلہ رخ کعبہ ہونا چاہیے۔ حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زانی کے لئے رجم یعنی سنگساری سزا تھی اور ہماری شریعت میں محصن رجم ہے۔ اور
دوسرے کے لئے تازیانہ مارنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف قصاص کا ہی حکم تھا اور ہماری شریعت
میں قصاص کیساتھ دیت بھی ہے۔ ایسے ہی عبادتوں کے اوقات اور ان کے آداب اور ارکان میں بھی اختلاف کا
حال سمجھ لو۔ بہرحال نیکی اور بدی یہ انواع کی جو جو خاص خاص صورتیں مقرر کی گئی ہیں ان کا نام شریعت اور منہاج۔ اور یہ بھی معلوم
کرلینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جن عبادتوں کا عام مذہب میں حکم فرمایا ہے وہ نہیں اعمال کا نام ہیں جو نفس کی حالتوں
اور ہیئتوں سے پیدا ہوتے ہیں معاذ میں انہیں اعمال کا نفسوں پر اچھا یا برا اثر پڑتا ہے نہیں اعمال کی وجہ سے نفسوں
میں انشراح پیدا ہوا کرتا ہے یہ اعمال نفسانی حالتوں کی پیکر اور ان کے عکس کی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ یہی نفسانی ہیئتیں
اعمال کے لئے میزان اور بالکل مدار علیہ ہوتی ہیں جو اس امر کو معلوم نہ کریگا اس کو اعمال کے کرنے میں کچھ بصیرت حاصل
نہ ہوگی اور اکثر ان اعمال پر اکتفا کریگا جو محض ناکافی ہونگے بغیر قراءۃ اور دعا کے ہی نماز پڑھ لیا کریگا۔ اس سے نماز کچھ مفید
نہ ہوگی۔ اس لئے دین میں ایک ایسے کامل شناسا کی سیاست کی ضرورت ہے۔ جو مخفی اور مشتبہ امور کو صاف صاف کر کے حدود
اور نشانات سے منضبط کردے انکو بمنزلہ امر محسوس کے قرار دے جسکو تمام ادنےٰ اور اعلیٰ قسم کے لوگ تمیز کر سکیں لوگوں پر
اعمال سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے وہ اس بدیہی اور محسوس امر کا لوگوں سے مطالبہ کرسکیں اور خدا کی دلیل قائم کر کے
اپنی قدرت سے اس کام پر دار وگیر کرسکیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض امور میں گناہ ہوتا ہے لیکن وہ ان چیزوں کے جز لگ
معلوم ہوتے ہیں جن میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے جیسے مشرکین نے کہا تھا انما البیع مثل الربوٰا بیع اور ربٰو یکساں ہیں
ایسا اشتباہ یا علم کی کوتاہی سے ہوتا ہے یا دنیوی غرض سے جو آدمی کی بصیرت کو فاسد کر دیتی ہے اسی لئے ضرورت
پڑتی ہے کہ ایسے نشانات قرار دیئے جائیں جن کی وجہ سے گناہ غیر گناہ سے ممیز ہو سکے۔ اور اگر عبادت کے لئے اوقات
معین نہ کئے جائیں تو بعض لوگ تھوڑے ہی سے نماز روزہ کو زیادہ خیال کریں جو کہ بالکل رائگان اور غیر مفید ہے
اور اگر کوئی شخص ان کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور اسکی ترک کے حیلے کرے تو اسکی گوشمالی ممکن نہ ہو۔ اور اگر لوگوں
کے لئے عبادتوں کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ اور اگر حدود مقرر نہ
ہوں تو سرکش لوگ کسی طرح پر باز نہیں آسکتے بہرحال تمام لوگوں کے حق میں احکام الٰہیہ کی تکمیل جب ہی مکمل ہوتی
ہے کہ ان کے لئے اوقات۔ ارکان۔ شروط۔ سزائیں۔ احکام کلیہ وغیرہ قرار دیئے جائیں۔ اگر تجھ کو منظور ہے کہ شریعت
قرار دینے کی میزان معلوم کرے تو تجھ کو ایک طبیب حاذق کی حالت میں غور کرنا چاہئے جب وہ بیماروں کی درستی
میں نہایت درجہ کوشش کرتا ہے ان کو ایسے امور پر مجبور کرتا ہے جن سے وہ واقف نہیں ہوا کرتے وہ طبیب
ان کو ایسے امور کے کرنے کا ارشاد کرتا ہے جن کی باریکیاں ان کے علم و فہم سے برتر ہوا کرتی ہیں محسوس امور کو مخفی
امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے چہرہ کی سرخی سوزش سے خون بھاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے

مرض کی قوت۔ مریض کی عمر و رشد اور موسم کی حالت میں غور کرتا ہے۔ دوا کی قوت اور علاج کے تمام متعلقات میں غور کرتا ہے
دوا کی مقدار خاص کا اندازہ کرتا ہے اور مریض کی حالت کے مناسب اس کو سمجھ کر مریض کو اس کے استعمال کا حکم دیتا ہے
کبھی علامت بجائے سبب مرض کے قرار دیکر اور دوا کی خاص مقدار کو جس کو اپنی فطانت سے وہ مرض کے ازالہ یا اس مادہ
کی ہیئت فاسدہ کے بدل دینے کے تمام مقام جان کر قواعد کلیہ مرتب کر لیا کرتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ جس شخص کا چہرہ وسیع ہو
اس کے مسوڑوں سے خون نکلتا ہو۔ اس کو طبی احکام کے لحاظ سے نہار منہ شربت عناب یا ماء الاصل پینا چاہئے جو ایسا نہ
کریگا وہ اپنے آپ کو ہلاکی کے قریب کریگا یا وہ کہتا ہے کہ جو شخص فلانی معجون اسقدر تناول کریگا اس سے فلاں مرض زائل ہو
جائیگا۔ یا فلاں مرض سے وہ محفوظ رہیگا۔ اس قسم کے کلیات طب سے اخذ کئے جاتے ہیں ان پر عملدرآمد کیا جاتا ہے اسی طرح
پر خدا تعالےٰ نے بڑے بڑے نفع پیدا کر رکھا ہے یا اسکے سمجھنے کو حکیم بادشاہ کیحالت میں غور کرنا چاہے۔ جو مصالحات ملکی اور
انتظامات لشکر کا نگران رہتا ہے وہ زمینوں کی حالت۔ ان کی سرسبزی۔ کاشتکاروں کی کیفیت۔ ان کی محنت وجانفشانی
کا محافظین اور ان کے کافی ہونے کی حالت کا بخوبی اندازہ کرکے ویک اور لگان مقرر کرتا ہے۔ وہ بدیہی صورتوں
اور قوانین کو جیسے ان اخلاق اور ملکات کے قائم مقام قرار دیتا ہے جن کا ہونا معاونین ملک میں ضروری ہوا کرتا ہے
اسی قانون سے وہ ان سے بازپرس کیا کرتا ہے۔ وہ بادشاہ تمام ملکی ضرورتوں پر نظر ڈالتا ہے جو ملک کے لئے کافی ہو سکیں
حافظین کی تعداد کا لحاظ کرکے اس طرح پر ان کو ملک میں تقسیم کرتا ہے جن سے کاربراری ہوجائے اور لوگوں پر تنگی اور
ادبار کا باعث نہ ہو علیٰ ہذا معلم کو لڑکوں کے علم کی حالت دیکھنی چاہئے وہ لڑکوں کی حالت کا کیسا تعلیمی منتظم ہوتا ہے۔ اور
غلاموں کی نسبت آقا پر نظر کرنی چاہئے۔ استاد کی غرض بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور آقا کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جو اغراض
غلاموں سے متعلق ہیں وہ کس طرح پورے ہو سکتے ہیں۔ بچے اور غلام کچھ نہیں سمجھا کرتے کہ مصلحت کی کیا حقیقت ہے
مصلحت قائم کرنے کی انکو کچھ بھی پروا نہیں ہوا کرتی۔ وہ تو اس سے جان چراتے ہیں۔ غدر اور حیلہ کرتے رہا کرتے ہیں
لیکن معلم اور آقا خوب آگاہ ہوتے ہیں کہ اس امر سے یہ رخنہ پیدا ہوگا۔ رخنہ پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کو یہ معلوم رہتا ہے
وہ پہلے ہی سے خلل کو روکتے ہیں۔ وہ اپنے ماتحتوں سے خطاب اس طرح کرتے ہیں کہ جس کے انسداد میں انقباض اور انقباض کے
انسداد ہوا کرتا ہے کسی حیلہ سے وہ اپنی رستگاری نہیں کر سکتے۔ اس طرح انکو کامیابی ہوتی ہے ماتحتوں کو اسکی واقفیت ہو یا نہ
ہو بہرحال جو شخص ایک بہت بڑے گروہ کی انتظامی حالت کا ذمہ دار ہوا کرتا ہے جنکی استعدادیں بالکل مختلف ہوں اپنے
ذاتی امور میں ان کو بصیرت نہ ہو ان کی تعمیل کی خواہش ان میں نہ ہو تو وہ مجبور ہوا کرتا ہے کہ ہر ایک چیز کا ٹھیک اندازہ کرے
ہر ایک چیز کا وقت معین کرے اس کے طریقوں اور صورتوں کو مقرر کرے لوگوں سے مطالبہ اور مواخذہ کے لئے اسی
میں عمدگی ہوا کرتی ہے۔

معلوم کرنا چاہئے کہ جب خدا تعالےٰ نے ارادہ کیا کہ پیغمبروں کی بعثت سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کیجانب
نکالے تو ان پر وحی بھیجی کہ تم اس کام کے لئے مقرر کئے گئے اپنا نور ان کے دلوں میں ڈالا اور اصلاح عالم کی رغبت
ان میں پیدا کی اس زمانہ میں ان لوگوں کے راہ راست پر آنے کیلئے خاص خاص امور اور مقدمات کی ضرورت تھی۔

اس لئے بحکمت الٰہی ضرور ہوا کہ تمام ان مصالح امور کو انبیاء کے ارادہ بعثت میں شامل کر دے اور گویا انبیاء کی اطاعت کی مفروضیت میں ان عبادات مصالح کی مفروضیت بھی شامل ہو اس لئے کہ عقلاً و عادتاً کسی شے کا حکم بھی اس شے میں ہی داخل ہوا کرتا ہے خدا تعالٰے پر کوئی امر مخفی نہیں ہوتا اور دین الٰہی میں کوئی امر بیہودہ اور گزاف نہیں ہوا کرتا کوئی شے جب قرار دی جاتی ہے تو اُسکے نفاذ کا وہ حکم نہیں ہوا کرتا تو اس کی خاص علتیں اور اسباب ہوا کرتے ہیں راسخین فی العلم ان اسباب کو جانتے ہیں ہمارا قصد ہے کہ ان حکمتوں اور اسباب کے ایک عمدہ مجموعہ پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ واللہ اعلم۔

باب ۵۷

اسکے بیان میں کہ خاص خاص نزول شرائع کے اسباب کیا ہیں ایک شریعت کسی زمانہ میں کچھ نازل ہوتی ہے اور کسی زمانہ میں کچھ نازل ہوتی ہے ایک قوم کی شریعت کچھ ہوتی ہے دوسری کی کچھ ہوتی ہے

اس کی دلیل خدا تعالٰے کا قول ہے کُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (بنی اسرائیل کے لئے سب کھانے حلال تھے البتہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لئے تھے وہ حلال نہ رہے تھے اگر تم سچے ہو تو توریت لا کر پڑھو) اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک بار سخت بیمار ہوئے تب انہوں نے نذر مقرر کی کہ اگر خدا مجھ کو اچھا کر دیگا تو میں اپنے اوپر سب چیزوں سے زیادہ مرغوب کھانے اور پینے کی چیز حرام کر لونگا۔ چنانچہ اچھے ہونے کے بعد اونٹوں۔ اونٹنیوں کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر انہوں نے حرام کر لیا اور انہیں کی پیروی سے ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حرام ہی سمجھا ایک مدت تک ان امور کی حرمت ہی چلی آئی۔ یہانتک کہ ان کی طبیعت میں یہ بات جم گئی کہ اگر کسی نے ان چیزوں کو کھا کر انبیاء کی مخالفت کی۔ تو ان کے ادب اور حق میں کوتاہی کی۔ تب توریت میں ان چیزوں کی حرمت نازل ہوئی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب بیان فرمایا ان کا مذہب ابراہیمی ہے تو یہود کہنے لگے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو اونٹوں کا گوشت کھاتے پیتے ہیں اس واسطے خدا تعالٰے نے ان کے قول کو رد کیا کہ اصل میں سب کھانے حلال تھے۔ اونٹ صرف ایک عارضی وجہ سے جو یہودیوں کو لاحق ہوئی حرام ہو گئے تھے۔ اس وقت میں جب نبوت کا اولاد اسمٰعیل میں ظہور ہوا۔ اور اس عارضی امر سے ان کو کچھ لگاؤ نہ تھا۔ تو اس حرمت کی رعایت کچھ ضروری نہ رہی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کے متعلق فرمایا ہے میں تمہارا یہ فعل (تراویح پڑھنا) ہمیشہ دیکھتا ہوں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ نماز تم پر کہیں مقرر نہ ہو جائے۔ اگر مقرر ہو گئی تم سے نبھ نہ سکیگی۔ اس لئے اے لوگو تم اپنے اپنے مکانوں میں ہی اسکو پڑھتے رہو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس سے۔ وکا کہ میں نماز تراویح ان میں پھیل نہ جائے پھیل جانے سے

یہ خیال تھا کہ لوگ اسکو شعائر دین سے سمجھنے لگتے اور اسکے ترک کرنے کو خدا کی شان میں تقصیر کا اعتقاد کرنے لگتے اور یہی تحریف کا باعث ہو جاتا اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصوروار وہ شخص ہے جس نے کسی امر کو دریافت کیا اور صرف اسکی پوچھ گچھ ہی سے وہ شے حرام ہو گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اس کے لئے انہوں نے دعا کی تھی۔ اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں مدینہ کو بھی حرم قرار دیتا ہوں اور اسکی مد (ایک پیمانہ ہے) اور صاع (پیمانہ) میں برکت کی ایسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے کی تھی اور ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق سوال کیا کہ کیا حج ہر سال ہونا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہدوں تو ہر سال ہی حج کرنا فرض ہو جائے تو تم سے نبھ نہ سکے اور جب نبھ نہ سکے تو تم پر عذاب آجائے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ انبیا کی شریعتوں میں اختلاف اسباب اور مصلحتوں کیوجہ سے ہو گیا ہے۔ اس لئے شعائر خداوندی کا شعائر قرار پانا عادات کیوجہ سے ہے اور احکام کی مقداریں مقرر کرنے میں مکلفین کیحالت اور عادات کا لحاظ کیا گیا ہے چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے مزاج نہایت سخت اور قوی تھے حق تعالے نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے اس لئے وہ اسی قابل تھے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا ان کو حکم دیا جاتا تاکہ انکی قوت بہیمی میں روزہ سے کسی قدر کمزوری اور خاموشی پیدا ہوتی ہے اور اس امت محمدیہ کے مزاج ضعیف تھے اسلئے ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کر دیئے گئے اور ایسے ہی مال غنیمت کو خدا نے اگلے لوگوں کیلئے حلال نہیں کیا تھا لیکن ہمارا ضعف دیکھکر اسکو حلال کر دیا۔ انبیا کا بڑا قصد یہ ہوا کرتا ہے کہ ان تدابیر کی اصلاح ہو جائے جو لوگوں میں دائر و سائر رہا کرتی ہیں لوگوں کے کسی مخالف طبع امر سے کبھی تجاوز نہیں کیا جاتا ہے الا ماشاء اللہ۔ اور مصلحتوں کے موقعی زمانوں اور عادتوں کے مختلف ہونے سے بدلتے رہا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر نسخ کا ہونا صحیح ہے نسخ کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج حالت اعتدال پر محفوظ رہے اسی واسطے شخصوں اور زمانہ کے ہمرنگ نہ ہونے سے اس طبیب کے احکام ایک ڈھنگ کے نہیں ہو سکتے وہ جوان کو ایسی باتیں بتادیگا کہ ان سے بوڑھے کو منع کر دیگا۔ وہ یہ دیکھکر کہ موسم گرما میں احتمال اعتدال باہر ہوا میں ہوتا ہے یہ حکم دیگا کہ اس موسم میں باہر سونا چاہئے اور موسم سرما میں سردی کا لحاظ کرکے یہ بتادیگا کہ اس موسم میں مکان کے اندر سونا چاہئے پس جو شخص حقیقت دین کو معلوم کریگا اور ان اسباب کو سمجھ لیگا جنکی وجہ سے مذہبی طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں تو اسکی نظر میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوگی۔ یہی بنا پر شریعت ہونے کا تعلق ان قوموں سے ہے جن میں وہ شریعت قائم کی گئی اور چونکہ اس قسم کی استعدادی حالت نے اس شریعت کے قابل ان کو بنایا تھا۔ اور انہوں نے بزبان حال نہایت اصرار سے گویا اسکی درخواست کی تھی اس لئے وہ ہی ہدف ملامت ہوا کرتے ہیں خدا فرماتا ہے فتقطعوا امرہم بینہم زبرا۔ اور یہی واسطہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ جمعہ کا روز ان کے حق میں معین کیا گیا اس لئے کہ وہ آگاہ نہ تھے اور تمام علوم کسبی سے علیحدہ تھے اور یہود کے لئے ہفتہ کا دن قرار دیا گیا اس لئے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں تھا کہ ہفتہ ہی کے روز خدا دنیا کے پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا تھا اور اسے عبادت کے لئے یہی دن بہت اچھا ہے حالانکہ سب چیزیں خدا کے حکم اور وحی سے ہوا کرتی ہیں اور شریعتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امر طبعی کی حالت ہوتی ہے

ان امور کا حکم دیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد عذر اور حرج پیش آجایا کرتے ہیں۔ اسلئے ان لوگوں کی ذاتی حالت کے لحاظ سے اباحتیں اور رخصتیں مشروع ہوجایا کرتی ہیں تو اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنی ذاتی حالت کی وجہ سے اس امر کے قابل اپنے آپ کو بنایا تھا۔ وہ بھی لوگ قابل ملامت ہوا کرتے ہیں خدا تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (جب تک لوگ اپنی ذاتی حالت کو نہ بدلیں خدا کسی قوم کو نہیں بدلا کرتا) اور اسی ذاتی اور استعدادی اختلاف کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے عقل و دین میں ناقص رہنے والوں سے ہوشمند آدمی کے لئے زیادہ ہوش ربا تم سے (عورتوں میں) زیادہ نہیں دیکھا اور پھر عورتوں کے نقصان کی وجہ یہ بتائی کہ حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے معلوم کرو کہ ایک صورت خاص میں شریعتوں کے نازل ہونے کے اسباب بکثرت ہیں لیکن اسباب کی انتہا دو قسموں پر ہوتی ہے اول سبب بمنزلہ ایک قدرتی امر کے ہے جسکی وجہ سے لوگوں کو احکام کی تکلیف دیجاتی ہے پس جبکہ تمام افراد انسانی کو لئے ایک خاص طبیعت اور حالات معین ہیں جو نوع ہونے کی وجہ سے وراثۃً سب کو پہنچا کرتے ہیں۔ اور وہی باعث ہوا کرتے ہیں کہ لوگ احکام کے لئے مکلف کئے جائیں اور جیسے مادر زاد کور کے خزانۂ خیال میں رنگتیں اور صورتیں نہیں ہوا کرتیں اسکے خیال میں صرف الفاظ اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جو چھوئی جاسکتی ہیں اور اسی قسم کی اور چیزیں ہوتی ہیں۔ اسلئے جب کبھی عالم غیب سے کوئی علم یا واقعہ اسکو خواب وغیرہ میں حاصل ہوگا تو اس امر کا اسکو علم اسی صورت میں حاصل ہوگا جو اسکے خزانۂ خیال میں موجود ہے بجز اسکے کوئی اور صورت علم حاصل ہونے کی نہ ہوگی۔ اور جیسے کسی عربی شخص کو جو زبان عربی کے سوائے اور زبان کو نہیں جانتا ہے۔ الفاظ کی دنیا میں جب کسی امر کا علم ہوگا تو اس کی صورت صرف عربی ہی پیرایہ میں حاصل ہوگی اور مثلاً جن شہروں میں کہ ہاتھی وغیرہ حیوانات کریہ منظر ہوتے ہیں تو ان شہروں کے باشندوں کی نظر میں جنوں کا سامنے آجانا یا بھوتوں اور شیاطین کا ڈرانا انھیں حیوانات کی صورت میں ہوگا۔ اور شہروں میں یہ صورتیں پیش نہ آئینگی۔ اور جن شہروں میں بعض اشیاء پر عظمت خیال کی جاتی ہیں اور کھانے اور لباس میں جو عمدہ اور پاکیزہ چیزیں وہاں پائی جاتی ہیں تو وہاں کے باشندوں کو نعمت اور خوشی ملائکہ کی صرف اسی قسم کی صورتوں میں نظر آویگی اور شہروں میں یہ امر نہ ہوگا۔
اور جیسے کوئی عربی شخص جب کسی کام کرنے کا قصد کریگا یا کسی سفر کا ارادہ کریگا جب وہ راشد یا نجیح (کامیاب) کے لفظ کو سنیگا تو آئندہ حالت کی عمدگی اور کامیابی کی دلیل اس کو قرار دیگا جو عربی نہیں ہے اس پر ان الفاظ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ حدیث میں بعض اس قسم کے واقعات آئے بھی ہیں۔ تو جیسے کہ امور بالا کے اثر بنا پر تو حالات پڑا کرتے ہیں ایسے ہی شرائع میں ان علوم کا جو کسی قوم میں مخزون اور مجمع ہوتے ہیں اور ان اعتقادات کا جو ان میں مخفی ہوتے ہیں اور ان کی عادات کا جو کلب (کتے کے کاٹنے سے جو دیوانگی سی ہوجاتی ہے) بیماری کی طرح ان میں ساری اور جاری ہوا کرتی ہیں۔ لحاظ و اعتبار ہوا کرتا ہے اسی واسطے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لئے حرام تھا نہ بنی اسمٰعیل کے لئے۔ اور اسی وجہ سے کھانے کی چیزوں کا پاکیزہ اور ناپاک ہونا عرب کی عادات پر مفوض کیا گیا۔ اور ہمشیرہ زادیاں ہمارے لئے حرام کیگئیں یہودیوں میں وہ حرام نہ تھیں اس لئے کہ یہودی ہمشیرہ زادیوں کو ان کے باپ کی قوم سے شمار کیا کرتے تھے۔ ان سے کسی قسم کا میل جول ربط و صحبت نہیں رکھا کرتے تھے۔ ان سے الگ [illegible] بیگانگی کی حالت میں رہا کرتے تھے عرب میں

یہ رسم بھی اور ایسے ہی گوسالہ کو اس کی ماں کے دودھ میں پکانا یہودیوں میں حرام تھا۔ ہمارے یہاں حرام نہیں ہے۔ اسلئے
کہ یہودیوں کو معلوم تھا کہ اس سے خدا کی پیدائش اور تدبیر الٰہی کی مخالفت ہوتی ہے جو چیز خدا تعالےٰ نے گوسالہ کی پیدائش
اور نشو ونما کے لئے پیدا کی ہے۔ اس سے ہی اس صورت میں گویا اس کی بنیاد باطل کرنا اور اس کے جوڑ بندی کی تحلیل
کرنی ہوگی۔ اور عرب کے لوگ اس قسم کے علم وفہم سے نہایت درجہ دور تھے۔ اگر ان کو اس قسم کے راز سمجھائے
جاتے تاہم انکی سمجھ میں نہ آتے وہ اس امر کو کبھی معلوم نہ کرسکتے۔ جو حکم دینے کا مناسب مدار علیہ تھا۔ اور یہ بھی معلوم کرلینا
چاہیئے کہ شرائع کے قرار دینے میں صرف انہیں علوم اور حالات اور ان اعتقادات کا ہی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے جو لوگوں
کے سینہ میں متشکل ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ بڑا لحاظ اور اعتبار ان پیدائشی امور کا ہوا کرتا ہے جن کی طرف ان کی عقلیں منتقل
ہوتی رہتی ہیں۔ خواہ ان امور کا ان کو علم ہو یا نہ ہو تم اس نکتہ کو ان تعلقات میں دیکھ سکوگے کہ جب ایک شے کسی دوسری
شکل اور پیرایہ میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔ دیکھو مونہوں پر مہر لگانے کی صورت میں لوگوں کو سحر سے منع کرنا ظاہر ہوا تھا
اس لئے کہ لوگوں کی نظر میں مہر لگانا ایک شے کے بند کرنے اور روکنے کی صورت ہوا کرتی ہے خواہ یہ امر لوگوں کے
پیش نظر ہو یا نہ ہو اور خدا تعالےٰ کا بندوں پر یہ اصلی حق اور فرض ہے کہ نہایت درجہ اس کی تعظیم کریں کسی طرح اسکے
حکم کی مخالفت پر اقدام نہ کریں اور لوگوں کا باہم یہ فرض ہے کہ ہمدردی اور باہمی الفت کی مصلحت کو ہمیشہ قائم رکھیں
کوئی کسی کا دل آزار نہ ہو ہاں اگر رنج کی وجہ ایذا رسانی کے باعث ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے جو شخص کسی
عورت کو اجنبی خیال کرکے اس سے ہمبستر ہو جائے تو خدا کے اور اسکے درمیان پردہ حائل ہو جائیگا خدا کے مقابلہ میں یہ
کام اس کی دلیری کا خیال کیا جاویگا۔ اگرچہ وہ عورت واقعہ میں اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس شخص نے
خدا کے فرمان کی مخالفت پر اقدام کیا اور جس شخص نے اجنبی عورت سے اپنی بیوی سمجھ کر ہمبستری کرلی تو خدا کے نزدیک
وہ معذور ہی رہیگا اور جو شخص روزہ کی نیت کریگا وہ اپنی نذر کیوجہ سے ماخوذ ہو جاویگا اور جس نے نذر نہ کی ہوگی وہ ماخوذ
نہ ہوگا۔ اور جو شخص دین میں سختی اختیار کریگا وہ قابل تشدد ہوگا۔ اور یتیم کے طمانچہ مارنا تادیبا بہتر ہوگا اور تکلیف دینے کے لئے
قباحت اور برائی ہوگی۔ خطاکار اور بھول چوک سے کام کرنے والا اکثر احکام میں قابل معافی ہوا کرتا ہے یہ کلیہ قاعدہ قومی
علوم اور قوم کی ظاہر اور مخفی عادات میں ہمیشہ پڑا ہوتا ہے اور انکے حق میں اسی قاعدہ کے موافق شریعتوں کی تعیین
ہوا کرتی ہے اور نیز معلوم کرنا چاہیئے کہ اکثر عادات اور مخفی علوم ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر تمام عرب وعجم اور تمام معتدل
اقالیم کے باشندوں اور ایسے لوگوں کا جن کے مزاج عمدہ اور برگزیدہ ترین اخلاق کے قابل ہوا کرتے ہیں۔ اتفاق ہوا کرتا
ہے جیسے اپنے مردہ پر غم کرنا اسکے حق میں نرم دلی کو پسند کرنا حسب ونسب پر ناز کرنا۔ چوتھائی یا تہائی شب گذرنے
پر خواب کرنا۔ صبح تڑکے سے اٹھ بیٹھنا ان کے علاوہ اور اکثر امور ہیں جن کی طرف اشارہ تدابیر کی بحث میں کیا گیا ہے
تو اس قسم کے جتنے عادات اور علوم ہوتے ہیں۔ ان کا سب چیزوں سے زیادہ اندازہ اور لحاظ کیا جایا کرتا ہے۔ انکے
بعد اکثر عادات اور عقائد ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو صرف انہیں لوگوں میں خاص ہوا کرتے ہیں جن میں نبی مبعوث
کیا جاتا ہے اس لئے ان عادات کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے ولقد جعل الله لكل شئ قدرا۔ اور معلوم کرنا چاہیئے

کہ نبوت اکثر ملت اور مذہب کے ماتحت ہوا کرتی ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ملۃ ابیکم ابراہیم۔ اور فرمایا وان من شیعتہ لابراہیم۔ اس کا راز یہ ہے کہ مدت دراز تک لوگ جب کسی دین کے پابند رہا کرتے ہیں اس دین کے شعائر کی عزت و ادب ان میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس مذہب کے احکام نہایت مشہور اور شائع بمنزلہ بدیہیات اولیہ کے ہوا کرتے ہیں کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اسکے بعد یک دوسری نبوت کا زمانہ آتا ہے تاکہ پہلے مذہب کی کجی بالکل دور ہو جائے اسکی بگڑی ہوئی باتیں درست ہو جائیں اس مذہب کے بانی کی منقولہ روایتوں میں چونکہ غلط ملط ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے بہت سی خرابیاں اس مذہب میں ملجایا کرتی ہیں اب یہ دوسری نبوت لوگوں میں مشہور اور صحیح احکام کی تفتیش کرتی ہے جو جو صحیح سیاست مذہبی کے قاعدوں سے متعلق اپنے جاتے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کیجاتی بلکہ اکثر ان پر اور زیادہ تاکید کئے جاتے ہیں اور جو احکام خراب معلوم ہوتے ہیں اور تحریف کا دخل ان میں پایا جاتا ہے ان میں بقدر ضرورت تبدیلی کردیجاتی ہے اور جو قابل اضافہ ہوتے ہیں ان پر اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے اور یہ نبی اخیر ان امور سے جو پہلی شریعت کے باقی رہجاتے ہیں اکثر اپنے مطالب اور دعاوی پر استدلال بھی کیا کرتا ہے اسوجہ سے یوں کہا کرتے ہیں کہ یہ نبی اس فلان نبی کے مذہب میں یا اسکے گروہ میں سے ہے اور ان مذہبوں کے اختلافات جن میں نبوت کا نزول ہوا کرتا ہے۔ اکثر نبوتوں میں اختلاف ہو جایا کرتا ہے اور دوسری قسم خاص پیرایہ میں شریعتوں کے نازل ہونے کی یہ ہے لیکن یہ قسم بمنزلہ ایک امر عارض طاری کے ہے کہ خداوند کارعالم اگرچہ زمانہ سے بلند و برتر ہے لیکن ہنوز کسی وجہ سے زمانہ اور زمانی چیزوں سے ربط و تعلق ہوا کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ہر ایک صدی کے بعد خدا کسی بڑے حادثہ کو پیدا کیا کرتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اور اور انبیاء سے بھی حدیث شفاعت میں اسی باب کے متعلق ارشاد کیا ہے کہ ہر ایک نبی قیامت کے روز کہیگا کہ میرے پروردگار تبارک و تعالےٰ نے ایسا غصہ کیا کہ کبھی پہلے ایسا غصہ کیا تھا اور کبھی اسکے بعد ایسا غصہ کریگا پس جب عالم آمادہ اور طیار ہوتا ہے کہ شریعتوں کا اس پر فیضان کیا جائے امور دینی کے حدود معین کئے جائیں اور خدا تعالےٰ تجلے فرماکر دین کو لوگوں پر نازل کرتا ہے۔ اور اسی کے موافق ملاء اعلیٰ بلند ہمتی سے لبریز ہو جاتے ہیں تو ایسے وقت میں عارضی اسباب میں سے ایک ادنےٰ سبب بھی جو دلی کے دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے کافی ہوا کرتا ہے۔ ومن دق باب الکریم انفتح۔ دیکھو موسم بہار پر نظر ڈالو اسمیں بونے اور تخم ریزی کا ادنےٰ اہتمام بھی ایسا موثر ہو جاتا ہے کہ اور موسم میں اس سے زیادہ کتنا ہی اہتمام کرو کچھ بھی اس کا اثر نہیں ہوا کرتا۔ نبی کی توجہ کسی شئے کے لئے اس کا انتظار کرنا۔ اس شئے کے لئے اس کا دعا کرنا اسکی مشتاقانہ درخواست کرنی احکام کے نازل ہونے کا سبب قوی ہوا کرتی ہے۔ اور جب نبی کی دعا روشن طریقہ کو زندہ کرتی ہے۔ بڑی بڑی جماعتوں پر اس سے غلبہ حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ اس سے قطع نظر کے سامنے کھانے پینے کی زیادتی ہو جایا کرتی ہے تو اسکی وجہ سے کسی حکم کا نازل ہونا کیا بعید ہے۔ اس کی تلطیف سبک ہوتی ہے۔ اور صورت مثالی میں اس کا تعین ہوتا ہے۔ اور اسی بناء پر سمجھ لینا چاہئے کہ جب کوئی جدید بڑا حادثہ پیدا ہوتا ہے اور نبی کی اس کی وجہ سے بیقراری ہوتی ہے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان بندی کا قصہ۔ یا جب کوئی سائل ایک امر دریافت کرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس میں بار بار پوچھ گچھ کرتا ہے جیسے ظہار کا قصہ۔ تو یہ امور نزول احکام کے سبب بنجایا کرتے ہیں۔ اور اصل حال کا اس سے

منکشف ہو جایا کرتا ہے ورنہ لوگوں کا فرمان پذیری میں کاہلی کرنا سرکشی پر جمے رہنا۔ اور ایسے ہی لوگوں کے دل میں کسی شئے
کی رغبت کا ہونا۔ اور نہایت اہتمام اور قصد سے اسکی پابندی کرنا۔ اور اس شئے کے ترک کرنے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ ہم نے
خدا کے حق میں کوتاہی کی ہے نیز احکام کے نازل ہونے کا سبب ہوا کرتا ہے اسی کی وجہ سے نہایت مؤکد طور پر کسی چیز کے
واجب کر دینے سے لوگوں پر سختی کی جایا کرتی ہے یا بہت سختی سے کوئی شئے حرام کر دیجایا کرتی ہے بارانِ جود کی تراوش
پانے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص صالح قوی الہمت روحانیت کے منتشر ہونے اور سعادت کی کمالیت کے وقت
قصد کر کے خدا کی بارگاہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ درخواست کرتا ہے اور ایسے وقت میں درخواست اسکی مقبول ہو جایا
کرتی ہے۔ ان ہی معانی کیطرف خدا کے اس قول میں ارشاد کیا گیا ہے یا ایہا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم
وان تسئلوا عنہا حین ینزل القرآن تبد لکم اے مسلمانوں بہت سی چیزوں کا سوال مت کرو اگر وہ تمہارے لئے کھول دی گئیں تب
تم کو ناگوار معلوم ہونگی۔ قرآن نازل ہوتے وقت جو ان اشیاء کا حال دریافت کیا جاویگا تو سب ظاہر ہو جاینگی خداوند کریم
کی اصل مرضی یہی ہے کہ نزول شرائع کے وقت اس قسم کے سوالات کم ہوا کریں اس سے وہ امور نازل ہو جایا کرتے ہیں۔ جن
میں مصلحت خاص کا حکم اور اثر غالب ہوا کرتا ہے۔ اور اکثر ان میں بندہ مسلموں کے لئے تنگی اور بزدلی پیش آیا کرتی ہے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مسائل دریافت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے کہ مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے کوئی چیز تمہارے لئے
باقی نہیں چھوڑی ہے۔ تم سے اگلے لوگ زیادہ سوالات کرنے اور انبیاء پر اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصور مند وہ شخص ہے کہ صرف اسی کے دریافت کرنے
سے لوگوں پر کوئی چیز حرام ہو جائے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بنی اسرائیل جس گائے کو چاہتے ذبح کر لیتے وہی کافی ہو جاتی
لیکن انہوں نے سختی کی۔ اس لئے ان سے سخت گیری کی گئی واللہ اعلم۔

باب ۵۸

شریعت کے طریقوں پر مواخذہ کرنیکے اسباب میں

ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے جو شرائع اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمائی ہیں ان پر عذاب و ثواب
ایسے ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ نیکی اور گناہ کے اصول پر مرتب ہوا کرتا ہے یا صرف انہیں امور پر مرتب ہوتا ہے جو نیکی اور گناہ کے
مواقع اور قالب قرار دیئے گئے ہیں۔

مثلاً کسی شخص نے ایک وقت کی نماز ترک کر دی لیکن اس کے دل میں خدا کی حضور میں طبیعی طور پر عجز و نیاز
موجود ہے تو نماز ترک کرنے پر اس شخص کو عذاب ہوگا یا نہ ہوگا اور ایک شخص نے نماز تو ادا کی نماز کے تمام ارکان و شرائط
اسی طرح پورے کئے کہ وہ ہی لازمہ ہو گیا لیکن اس میں نیاز مندی کا کچھ اثر نہ تھا۔ اس کے دل میں خشوع خضوع جما ہوا نہ تھا
تو اس نماز پر اس کو ثواب ملیگا یا نہ ملیگا۔ اس میں کلام نہیں ہے کہ شریعت کے طریقوں کی نافرمانی کرنے سے فساد عظیم پیدا
ہوا کرتا ہے۔ اس سے سنت راشدہ میں شک پیدا ہوتی ہے جمعیت کا دروازہ کھلتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں

ہُکدر ہوتا ہے۔ جس سے قوم اور شہر اور ولایت کو ضرر پہنچتا ہے۔ جیسے شہر کی مصلحت کی وجہ سے کسی سیلاب کی وجہ سے
بند باندھ دیا گیا تھا ایک شخص نے نقب دیکر اُس بند کو توڑ دیا۔ وہ شخص خود تو بچ گیا لیکن شہر والوں کو اُس نے ہلاک کر دیا
غرضکہ اس میں جو آدمی کی ذاتی و نفسانی حالت پر اس نافرمانی کا کیا اثر پڑتا ہے وہ گناہ کی تاریکی میں گھر جاتا ہے یا اس
میں نیکی کا مادہ بھی باقی رہتا ہے۔ تمام مذاہب کا یہی مسلک ہے کہ شرائع خود ہی ثواب و عذاب کا باعث ہوا کرتی ہیں لیکن انبیاء سے جو کہ ارباب تحقیق علم میں
راسخ و منفرد علیہم السلام کے صحابہ میں جو یہ بڑی رتبہ کے ہیں وہ شرائع کو ثواب و عذاب کا باعث سمجھتے ہیں اور ان کی اصول و ارواح اور ان کی اعمال کی صورتوں اور
قالبوں میں جو ربط و مناسبت ہے اُسکو بھی خوب جانتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یعنی غیر متعین شرائع میں سے تمام لوگ صرف صورتوں اور قالبوں پر ہی اکتفا کیا کرتے ہیں
اور فلاسفہ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ عذاب و ثواب کا مدار صرف نفسانی صفات اور وہ اخلاق ہیں جو روح کے دامن کو لپٹے
ہوئے ہیں۔ اِن صفات کے قالبوں اور صورتوں کا ذکر شرائع میں محض سمجھانے کیلئے اور دقیق معانی کو لوگوں کے ذہنوں
سے قریب کر دینے کے لئے ہوا کرتا ہے۔ مذاق قوم کے موافق اس تمام کے متعلق یہ تحریر کیا گیا لیکن میں کہتا ہوں کہ مذہبی
محققین کا مذہب حق ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ شرعی امور کے لئے سامان اور اسباب ہوا کرتے ہیں۔ جن
سے بعض شرعی امور کو بعض پر ترجیح ہو جایا کرتی ہے خدا خوب جانتا ہے کہ بغیر ان امور شرعی کے لوگوں سے دین پر عمل نہ
ہو سکیگا اس کو علم ہوتا ہے کہ یہی شرعی طریقے اور دستور لوگوں پر واجب کر دینے کے قابل ہیں۔ یہ امر خدا کی توجہ میں منتج
ہوا کرتا ہے جو ازل سے لوگوں کے حال پر ثابت ہوتی ہے اور جب یہ عالم اس امر کے لئے مستعد اور طیار ہوتا ہے کہ اس پر
شرعی صورتوں کا فیضان کیا جاوے اور انکے پیکر پیدا کئے جائیں تو جان لو کہ اُس وقت خدا نے ان شرعی امور کو پیدا کر کے
اپنا فیضان پورا کیا۔ اور ازل سے اس کا تعین ہو گیا اس لئے یہی امور بمنزلہ اصل کے ہو گئے۔ اس کے بعد جب خدا تعالیٰ
نے ملاء اعلیٰ پر اس علم کو منکشف کیا۔ ان کو الہام سے بتا دیا کہ یہی موقع شرعی اصول کے قائم مقام ہیں اور انہیں کے اصول
کی یہ صورتیں اور مثالیں ہیں۔ بدون ان کے لوگ مکلف نہیں ہو سکتے۔ تب حظیرۃ القدس میں ایک قسم کا اجماع اور
اتفاق ہو گیا کہ یہ صورتیں ایسی ہی ہیں جیسے حقیقت موضوع لہ کے لئے لفظ ہوتے ہیں یا حقیقت خارجی کی نسبت صورت
ذہنی ہوا کرتی ہے۔ جو انکی صورت خارجی منتزع اور حاصل کیجاتی ہے یا تصویر کی صورت اصل شے کے لئے مظہر ہوا
کرتی ہے اور الفاظ موضوعہ کے لئے یہ صورت خطی ہوتی ہے ان سب امور میں دال اور مدلول میں باہم جیسا قوی
تعلق اور ان میں باہمی لزوم اور گرفت ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے موقع پر یہ طے ہو گیا ہے کہ وہ دونو شے واحد ہی ہیں
اس کے بعد تمام بنی آدم عرب اور عجم کے علوم پر اسی علم کا پرتو پڑا۔ اور سب نے اتفاق کر لیا کہ وہ شرائع اور اصول ایک ہی
شے ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہ دیکھو گے جس کے دل میں اس علم کا ایک حصہ نہ ہو اگرچہ ہم نے اس کا نام وجود شبیہی للمدلول
رکھا ہے۔ اکثر اس وجود کے عجیب عجیب اثر ہوا کرتے ہیں تتبع کرنے والے پر وہ مخفی نہیں ہیں شرائع میں اسکے بعض
بعض آثار پر لحاظ کیا گیا ہے اسی وجہ سے صدقہ کو صدقہ دینے والوں کی چرکوں سے ایک چرک قرار دیا ہے اور اسی نے
کسی کام کی برائی مزدوری میں بھی سرایت کر جایا کرتی ہے۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی
روح القدس سے وہ موید کئے گئے۔ تو میں اصلاح کا اُن کے دل میں القا کیا گیا اور شرائع کے نازل ہونے اور صور مثالیہ کے

ظاہر ہونے کے متعلق آپ کی جوہر روح کے سامنے بڑی راہ قوی ہمت کی جانب مفتوح ہو گئی۔ تب آپ نے نہایت درجہ
کی اولوالعزمی سے اس صلاح کا اہتمام فرمایا۔ اُس کے ساتھ موافقت دینے والوں کے لئے نہایت قصد و ہمت سے دعائیں
کیں اور اُس کے مخالفوں پر لعنت کی اور انبیاء کی ہمتیں معمولی نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ وہ ساتوں آسمانوں کے طبقوں کو پھاڑ
کر پار ہو جاتی ہیں۔ وہ مینہ کی درخواست کیا کرتے ہیں آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوا کرتا لیکن فوراً پہاڑوں کی مانند
بادلوں کے دل کے دل جمع ہو جایا کرتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں اور اُن کی دعا سے مُردوں میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے
اس لئے کہ حظیرۃ القدس میں اُنکی وجہ سے خوشی اور ناخوشنودگی سے منعقد ہوا کرتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے اے پروردگار تیرے نبی اور بندہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور مدینہ کے لئے میں دعا کرتا
ہوں اب جس شخص کو معلوم ہوا کہ خدا نے ایسا ایسا حکم کیا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ ملاء اعلےٰ تمام اوامر و نواہی میں نبی
صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید کیا کرتے ہیں اور خوب جانتا ہے کہ مامور بہ کو ترک کرنا اور منہی عنہ کام کا اقدام کرنا خدا کے مقابلہ میں
دلیری اور خدا کی شان میں کوتاہی کا باعث ہے اور پھر جان بوجھکر اور دیکھ بھال کر عمداً وہ کسی کام کو کر بیٹھتا ہے۔ تو اسکی
وجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ حجابات کی گہری تاریکی میں وہ مبتلا ہے ملکی قوت اُس کی ضعیف اور منکسر ہو گئی ہے اسکی
وجہ سے اُس کے دل میں خطاکاری کا اثر چھا گیا ہے اور جب کوئی پُرمشقت کام سرزد ہوتا ہے۔ جس سے اسکی طبیعت مزاحم
ہوتی ہے اس کو وہ کسی کی نمائش کے لئے نہیں کرتا بلکہ صرف تقرب اللہ اور مرضیات خداوندی کی حفاظت اور لحاظ
سے کرتا ہے تو اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرتبہ احسان کی فضیلت میں وہ پہنچا ہوا ہے اُس کی بہیمی طبیعت کمزور
اور مغلوب ہو گئی ہے اس سے نیکی کا مادہ نفس میں جم جاتا ہے۔ اب جو شخص کسی وقت کی نماز ترک کر دیتا ہے تو اُس
میں اس امر کی تفتیش ضروری ہے کہ اُس نے نماز کو کیوں ترک کیا۔ اور اُور کس امر نے اسکو اس پر آمادہ کیا۔ اگر وہ نماز
کو بھول گیا تھا یا سو گیا تھا یا اُس کی فرضیت سے ناواقف تھا یا کسی نہایت ضروری کام نے اُس کو روک لیا تھا تو مذہبی
تصریح اور نقل کا یہ مقتضا ہے کہ ایسا شخص گنہگار نہیں ہے۔ اور اگر جان بوجھکر اور دیکھکر اختیاری حالت میں اُس نے نماز
نہیں پڑھی تو اُس کی یقیناً یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اُس کے مذہب ہی میں رخنہ ہے۔ اور کوئی شیطانی یا نفسانی تاریکی اسکی
بصیرت پر چھا گئی ہے۔ اور اُس کا اثر اُس کے نفس پر بھی پڑتا ہے۔ اور جس شخص نے نماز پڑھلی اور وہ اُس سے فارغ الذمہ
ہو گیا تو اُس میں بھی تفتیش کرنی چاہئے۔ اگر اُس نے نمائش کے لئے یا لوگوں کی تعریف سننے کیلئے یا قومی عادت کی
پابندی کی وجہ سے یا لہو کے طور پر نماز پڑھی ہے تو مذہبی نقل کے لحاظ سے ایسے شخص میں اطاعت کا مادہ نہیں ہے
اور یہ نماز کچھ اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اگر اُس نے تقرب الی اللہ کی وجہ سے اور ایمانی لحاظ خدا تعالےٰ کے وعدوں
کی تصدیق سے نماز پڑھی بحضور نیت اور خدا کے دین میں اخلاص کے سبب سے یہ کام کیا ہے تو خدا اور بندے میں
کسیقدر حجاب اس عمل سے اٹھ ہی جایا کرتا ہے اگرچہ سر سوزن کے برابر ہو اور یہ جو کہا گیا تھا کہ اُس شخص نے زمین میں نقب
لگانے سے شہر کو ہلاک کر دیا اور خود اپنے آپ کو بچا لیا اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اُس نے خود اپنے آپ کو بچا لیا۔ یہ کیسے
ہو سکتا ہے خدا کے ایسے فرشتے مقرر ہیں جن کی کامل ہمت اس طرف متوجہ رہتی ہے۔ کہ جو شخص عالم کی اصلاح میں یا خراب

کرنے میں کوشش کرتے ہیں پر دعا یا بددعا کرتے رہیں ان کی دعا کے ثبوت آتی اور دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرح پر
اس سے جزا نازل ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف خدا تعالیٰ کی بخشیشہ توجہ ہوا کرے باعث ہوا کرتی ہے۔ اس کا سمجھنا چونکہ کسیقدر
اشکال سے خالی نہ تھا۔ اس لئے دشمنوں کی دعا کو ہم نے اسکا عنوان قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم ۔

باب ۵۹
حکمتوں اور علتوں کے اسرار کے بیان میں

معلوم کرو کہ بندوں کے بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جنسے پروردگار عالم لوگوں سے خوش ہوتا ہے اور بعض افعال
کی وجہ سے وہ ان سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جنسے نہ وہ خوش ہوتا ہے نہ ناخوش اسیواسطے حکمت
بالغہ اور رحمت کاملہ الٰہی کا اقتضا ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کرکے لوگوں کو ان کے افعال پر آگاہ کر دیوے جنسے اسکی
رضامندی اور ناراضی کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ اس ذریعہ سے خداوند کریم پسندیدہ امور کا مطالبہ کرے اور امور ناپسند کو منع کردے
اور باقی امور میں ان کو مختار رہنے دے تاکہ جو لوگ ہلاک ہونے والے ہیں وہ دلیل کے بعد ہلاک ہوں۔ اور جو زندگی حاصل کرنے
والے ہیں وہ بھی بعد دلیل ہی کے زندہ ہوں پس کسی فعل سے خدا تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا متعلق ہونا یا دونو حالتوں سے
افعال کا بے تعلق ہونا اسی کا نام حکم ہے یا یوں کہو کہ حکم کسی شے کا ایسی حالت پر ہونا ہے کہ لوگوں سے اس کا مطالبہ کیا جاوے
یا وہ اس سے روکے جائیں یا اس میں مختار چھوڑے جائیں جو چاہو سو کرو۔ اور بعض اشیاء کا مطالبہ تاکیدی ہوا کرتا ہے کہ
انکے کرنے پر رضائے الٰہی و ثواب حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ کرنے پر خدا کی ناخوشی اور عذاب الٰہی ہوا کرتا ہے اور بعض کا
ایسا تاکیدی نہیں ہوا کرتا اس امر مطلوب کے کرنے پر رضا و ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے نہ کرنے پر کچھ ناخوشی اور عذاب
کا استحقاق نہیں ہوتا جیسے کہ مطالبہ کے دو حصے ہیں ایسے ہی نہی کرنے کی بھی دو ہی صورتیں ہیں تاکیدی جس سے رکنے اور
بچنے پر رضا اور ثواب کا استحقاق ہو بشرطیکہ منع کرنے کی وجہ سے باز رہا ہو۔ اور اس فعل کے کرنے سے ناخوشی اور عذاب میں گرفتاری
ہو تم اس کا اندازہ اپنے اور لوگوں کے محاورات کے الفاظ طلب و منع میں کر سکتے ہو۔ کہ جو بات اولاً کہی جایا کرتی ہے۔ اسکے
خلاف میں رضامندی یا ناراضی کے اثر سے ایک قسم کی دو قسمیں ہو جایا کرتی ہیں یہ ایک امر ذوقی ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے
احکام کی پانچ قسمیں ہو گئی ہیں (۱) ایجاب (۲) استحباب (۳) اباحت (۴) کراہیت (۵) تحریم لوگوں کے سامنے افعال مکلفین
میں سے ہر فعل کی علیحدہ علیحدہ حالت پیش نہیں کیجا سکتی ہے یہ افعال علاوہ اس کے احصر میں نہیں آسکتے لوگ پوری
طرح ان کو معلوم بھی نہیں کر سکتے۔ اسواسطے یہ ضروری ہوا کہ لوگوں کو وہ نوع کلی کی صورت میں بتائے جائیں مجموعی صورت
وحدت سے بیان کیجائے اور اکثر اس میں شتی ہوتی ہو۔ اس طرح پر لوگ ان افعال کو معلوم کر سکینگے اور اپنے افعال کی حالت
پہچان سکینگے علوم کلیہ کو بھی خاص خاص امور کے لئے ان میں کیسے قوانین قرار دیئے گئے ہیں نحوی کہتا ہے الفاعل مرفوع
تو سامع اس کلیہ قول محفوظ کرکے قام زید میں زید کا حال اور قعد عمرو میں عمرو کا حال معلوم کر لیتا ہے وعلی ہذا۔ یہی وحدت جس
میں کثرت منسلک ہوا کرتی ہے حکم کی علت اور اسکی مدار علیہ ہوا کرتی ہے۔ اس علت کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جس میں آئی سی

حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جو مکلفین میں موجود ہوا کرتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ صرف مکلفین کی کوئی دائمی و لازمی حالت
کا اعتبار کیا جائے جس کا اثر یہ ہو کہ ان کو ہمیشہ کے لئے کسی حکم کی تکلیف دیجائے۔ یہ امر مکلفین کے قابو سے باہر ہے ایسی
ثابت صرف ایمان میں ہی ہو سکتی ہے اور احکام میں اس وجہ سے ضرورت ہے کہ ایک ایسی حالت کا اعتبار کیا جائے کہ تکلیف
[illegible] شخص کی لازمی صفت بھی اس میں شامل ہو۔ یہی صفت کی وجہ سے وہ شخص قابل خطاب شارع ہو سکے اور اس کے ساتھ
کسی عارضی حالت میں وقت ہوتی ہے کبھی آسانی سے اس کام کا ہو سکنا (استطاعت میسرہ) کبھی حرج کا احتمال یا کبھی کسی شے
کا قصد کرنا۔ و نحو ذلک مثلاً شارع کا قول ہے کہ جس شخص عاقل و بالغ کو نماز کا وقت ملجائے۔ تو اس پر نماز فرض ہو جائیگی اور جو
عقل و بلوغ کی حالت میں ماہ رمضان پالیگا۔ اور اس کو روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہو تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہے جو نصاب کا
مالک ہو و اس پر ایک سال بھی گذر جائے تو ایسے شخص کو زکوۃ دینا واجب ہوگا اور شارع کا ارشاد ہے کہ مسافر کو نماز میں
قصر اور روزہ و افطار کرنا جائز ہے اور بے وضو شخص جب نماز پڑھنے کا قصد کرے تو اس کو پہلے وضو کر لینا ضرور ہے اس
قسم میں اکثر ان صفات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو کثر اوامر میں معتبر ہوا کرتی ہیں بلکہ صرف وہی صفت خاص لیجایا کرتی ہے۔
جس سے ایک حکم کا دوسرے سے امتیاز ہوا کرتا ہے۔ اسلئے سامحۃ اس کو علت کہدیا کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے
کہ نماز کی علت وقت کا ملجانا ہے۔ و روزہ کی علت ماہ رمضان کا آجانا ہے۔ و شارع علیہ السلام نے ان اوصاف
میں سے ایک وصف کا کوئی اثر قرار دیا ہے۔ دوسری وصف کا نہیں قرار دیا مثلاً مالک نصاب کے لئے تجویز کیا
ہے کہ ایک سال یا دو سال پیشتر زکوۃ ادا کردے اور غیر مالک نصاب کے لئے اس کو تجویز نہیں کیا۔ اسی وجہ سے فقیہ
ایک امر کا نیک [illegible] کی صفت کو سبب قرار دیا ہے اور کسی کو شرط اور دوسری قسم علت [illegible] جس میں اس شئے کی حالت معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے کسی امر کا اثر ہوتا ہے
یا امر کا اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ حالت یا اس شئے کی صفت لازمی ہوتی ہے جیسا کہ شارع کا قول ہے کہ شراب پینا حرام ہے اور خنزیر کھانا حرام ہے
اور درندوں اور پرندوں میں سے پنجہ دار جانوروں کا کھانا حرام ہے اور ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہے یا کوئی عارضی صفت
اس شئے کی بجائے ہوتی ہے۔ جیسے خدا کا قول ہے۔ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما چوری کرنے والے اور چوری کرنے
والی کے ہاتھ کاٹو۔ اور جیسے کلام الٰہی الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ زنا کرنے والے اور زنا کرنے والی
کے سو درے لگاؤ۔ کبھی اس شے کی جس پر فعل واقع ہوتا ہے دو یا زیادہ صفتیں بیان کیا کرتے ہیں جیسے شارع کا قول
ہے کہ محصن زانی کو سنگسار کرنا چاہئے اور غیر محصن زانی کے درے لگانے چاہئیں۔ اور کبھی مکلف کی حالت
...... کے ساتھ اس شے کی حالت بھی ملا دیجاتی ہے جس پر فعل واقع ہوا ہے۔ جیسے شارع کا قول ہے کہ اس امت
کے مردوں پر سونا اور ریشم حرام ہے لیکن عورتوں پر حرام نہیں ہے۔ دین الٰہی میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں ہے
ان افعال سے جو رضا یا عدم رضا کا تعلق ہوا کرتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ ان افعال کے متعلق
ایسے امور متعین ہوتے ہیں کہ انہیں وجہ سے حقیقت رضائے الٰہی اور اس کی ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے یہ امور دو
قسم کے ہیں۔ اول نیکی اور گناہ و تدابیر نافعہ اور ان تدابیر کی بربادی اور انہیں کی مثل اور امور۔ دوسرے ایسے امور
ہیں جن کا تعلق احکام شرعی سے ہوتا ہے کہ تکلیف اور روزہ بند کر دیا جائے۔ لوگ مکر [illegible] سے احتراز

رکھیں۔ ان حقیقی امور کے لئے اور مواقع اور لوازم ایسے بھی ہوتے ہیں کہ رضا اور عدم رضا کا بالعرض اُن سے تعلق لیکن اِن کو انہیں لوازم سے مجازاً منسوب کر دیا کرتے ہیں اُس کی ایسی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا کا پینا آرام پانے کی علت ہے اور حقیقت میں اخلاط کا پختہ ہو کر نکل جانا آرام کی علت ہے لیکن مادہ کا پختہ ہونا دوا پینے کے بعد ہی ہوا کرتے ہیں اور بعینہ دونوں ایک شے نہیں ہوتے اور جیسے کہا کرتے ہیں کہ تمازت آفتاب میں بیٹھنا یا محنت کا کام کرنا یا کسی گرم غذا کا کھانا بیماری کی علت ہے اور بیماری کی اصل علت اخلاط کا گرم ہو جانا ہے اور یہ سب امور اخلاط کی گرمی کے ذریعے ہوا کرتے ہیں اور صرف کسی شے کے اصول پر ہی اکتفا کرنا اور ان کے متفرق وسائل اور ذرائع کو ترک کر دینا ان لوگوں کا مذاق ہے جنکی نگاہ علوم نظری میں عمیق ہوا کرتی ہے اور شرع صرف عام لوگوں کی زبان کے موافق نازل ہوتی ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ حکم کی علت ایسی صفت ہونی چاہئے جس کو عام لوگ بھی سمجھ سکیں۔ ان پر اس علت کی حقیقت اور اُس کا ہونا اُس کے نہ ہونے سے مخفی نہ رہے اور ان قاعدوں میں سے کسی نہ کسی قاعدہ سے ملتی جلتی ہو جن سے رضا یا عدم رضا متعلق ہوا کرتی ہے۔ اس قاعدہ پر اس بات کا خاتمہ ہو یا اُس کے قریب قریب ہو علی ہذا مثلاً شراب خواری اس میں بہت سی خرابیاں کا اندیشہ ہے جن سے خداتعالے کی ناخوشی ہوتی ہے۔ شراب کی وجہ سے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہو سکتی تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب برہم ہو جاتے ہیں یہ اکثر شراب خواری کو لازم ہوا کرتے ہیں۔ اسی واسطے شراب کی ہر قسم کو روک دینا پڑا اور جب ایک شے کے چند لوازم اور وسائل ہوں تو ان میں سے خاص وہی امر علت قرار دیا جاوے گا جس کا علت ہونا بہ نسبت اوروں کے زیادہ ظاہر ہوگا یا اسکی حالت زیادہ منضبط ہوگی یا اصل سے اس کو زیادہ تعلق اور لزوم ہوگا وعلے ہذا مثلاً نماز قصر اور افطار روزہ کا مدار سفر اور مرض قرار دیا گیا ہے حالانکہ حرج کے اور بھی احتمالات تھے لیکن ان کو علت قرار نہیں دیا پرمشقت پیشوں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ میں ضروری حرج ہوا کرتا ہے ان سے قصر اور افطار کی اجازت نہیں دیگئی۔ اس لئے کہ پیشہ ور انہیں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں ان کی معاش انہیں پیشوں پر موقوف ہوا کرتی ہے۔ ان سے اگر اجازت دیجاتی تو اطاعت الٰہی کے انتظامات سب بے ترتیب ہو جاتے۔ اور گرمی سردی کا اندازہ ٹھیک نہیں ہو سکتا قرائن اور علامات سے انکی بخوبی تعیین نہیں ہوتی اسلئے وہ احتمالات معتبر کئے جاتے ہیں جو قرن اول میں اکثر اور مشہور تھے اور سفر و مرض کا سمجھنا کسی طرح پر مشتبہ نہیں ہو سکتا اگرچہ اب کسیقدر انمیں اشتباہ اسوجہ سے پیدا ہو گیا کہ عرب اول کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور لوگوں نے احتمالات میں زیادہ چھان بین کر لی شرع کی انکے ذوق سلیم جو خالص عرب کا ہوا کرتا ہے بگڑ گیا واللہ اعلم۔

باب ٦٠

ان مصلحتوں کے بیان میں جن سے فرائض اور ارکان اور آداب وغیرہ معین کئے جایا کرتے ہیں

معلوم کرو کہ جب اُمت کی درستی اور سیاست کیجائے تو ضرور ہے کہ ہر ایک قسم کی طاعت کی دو حدیں مقرر دیجائیں (١) اعلےٰ (٢) ادنےٰ۔ اعلےٰ سے یہ غرض ہے کہ اس سے پوری طرح پر مقصود حاصل ہو جائے۔ اور ادنےٰ

کے یہ معنی ہیں کہ اس سے کسی قدر مقصود کا حصول ہو کہ اس کے بعد کا درجہ لحاظ کے قابل بھی نہ ہو یہ دو قسمیں اسواسطے
قرار پائی ہیں کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے کوئی شے طلب کیجائے۔ اور ان کے لئے اس شے کے اجزاء کی صورت
اس شے مطلوب کی مقدار نہ بیان کی جائے۔ ایسا ابہام تو موضوع شریع کے خلاف ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ
تمام لوگ اس پر مکلف کئے جائیں کہ ہر شے کے آداب اور تمام اشیاء کی وہ تعمیل کریں۔ ان لوگوں کو ایسی تکلیف بمنزلہ
تکلیف بالمحال کے ہے جو کاروبار میں مصروف رہتے ہیں یا تنگ حال رہتے ہیں۔ بخوبی ان کو فراغ خاطر حاصل نہیں۔ کہ
امت کی سیاست اور انتظام کی بنیاد اعتدال پر ہے نہ نہایت درجہ پر ہر شے کی حالت کو پہنچانا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا
کہ اعلیٰ حالت کو چھوڑ کر ادنیٰ حالت پر ہی اکتفا کریں۔ اعلیٰ حالت سابقین امت کا مسلک اور مشرب اور خدا کے مخلصین
بندوں کا مذاق اور حصہ ہے۔ ایسے درجہ کو بالکل ترک کرنا لطف الٰہی کے مناسب نہیں ہے اسلئے یہی ضروری ہوا کہ ادنیٰ
کی حالت کی بخوبی توضیح کر کے اس کے ساتھ لوگ مکلف قرار دیئے جائیں اور اس سے زائد اور اعلیٰ امور کی طرف بھی
لوگ مائل کئے جائیں لیکن ہر شخص پر ان کو ضروری نہیں قرار دینا چاہئے۔ جن امور سے لوگ مکلف کئے جاتے ہیں
ان کے حصے مختلف ہوا کرتے ہیں ایک حصہ تو اس میں کسی طاعت کی مقدار ہوا کرتی ہے۔ مثلاً پنج وقت نماز رمضان
کے روزے اور بعض امور اس طاعت کے اجزا ہوا کرتے ہیں۔ جن کے بغیر وہ طاعت لحاظ و اعتبار کے قابل نہیں ہوا
کرتی مثلاً تکبیر۔ اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا نماز کے لئے۔ ایسے اجزا کا نام ارکان ہے اور بعض امور اس طاعت سے
خارج ہوتے ہیں لیکن بدون ان امور کے طاعت غیر معتبر ہوا کرتی ہے۔ ان امور کا نام شروط ہے جیسے نماز کے لئے
وضو۔ معلوم ہونا چاہئے کہ کبھی تو کوئی شے رکن کسی سبب ذاتی اور امر طبعی کے طور پر قرار دیجاتی ہے۔ اور کبھی کسی امر عارض
کی وجہ سے پہلی صورت میں بغیر اس رکن کے طاعت کا قوام اور قاعدہ کچھ نہیں ہوا کرتا جیسے نماز میں رکوع اور سجدہ۔
اور روزہ میں کھانے پینے اور مجامعت سے باز رہنا یا ایسے رکن کیوجہ سے کوئی امر مخفی اور مبہم جو اہم اور ضروری ہوا
کرتا ہے۔ صاف اور منضبط ہو جایا کرتا ہے جیسے تکبیر سے نیت کا انضباط اور استحضار ہو جایا کرتا ہے اور سورہ فاتحہ سے
دعا کا انضباط ہو جایا کرتا ہے۔ اور سلام کے ذریعہ سے نماز سے باہر آنے کی صورت ایسے عمدہ کلام سے منضبط ہو جایا کرتی
ہے جو وقار اور تعظیمی حالت کے منافی نہیں ہے اور جو امر عارضی کی وجہ سے رکن قرار دیئے جاتے ہیں ان کا وجوب کسی
اور سبب سے ہوا کرتا ہے وہ نماز کے لئے اس لئے رکن قرار دیئے جاتے ہیں کہ ان سے نماز کی تکمیل ہوتی
ہے پوری طرح سے نماز کی غرض ان سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کے تعین میں خوبی و عمدگی ہوا کرتی ہے۔ جیسے کہ
اس شخص کے مسلک کے موافق جو کسی سورۂ قرآنی کے پڑھنے کو رکن قرار دیتے ہیں تو اس کا رکن ہونا اسلئے ہے
کہ قرآن خدا کے شعائر میں سے ہے۔ اس سے بے پروائی نہیں کرنی چاہئے۔ ایسے شخص کے لئے یہ مناسب ہے
کہ اس کی تلاوت کا اس عبادت میں حکم دیا جائے۔ جو سب عبادتوں میں زیادہ ضروری اور موکد اور سب سے زیادہ
اس کے پائے جانے کے موقعہ ہوں زیادہ قسم کے لوگ اس سے مکلف ہوں۔ اور کبھی کوئی شے رکن اس واسطے
قرار دیجاتی ہے کہ اس کی وجہ سے دو مشتبہ چیزوں میں تمیز ہو جائے یا اس سے مستقل شے اور اس کے

مقدمہ میں فرق ظاہر ہو جائے یعنی شے کو بھی رکن کر لیتے ہیں اور ان کی بجا آوری کا حکم دیتے ہیں جیسے رکوع و سجود میں قومہ۔
اسکی وجہ سے سر جھکانے میں جو سجدہ کا مقدمہ ہے اور رکوع میں جو مستقل تعظیم ہے فرق ہو جایا کرتا ہے اور جیسے نکاح میں
ایجاب وقبول کو ... ولی کا موجود ہونا عورت کی رضا بغیر ان امور کے نکاح اور زنا میں فرق ظاہر نہیں ہو سکتا یہی احتمال
ہے کہ تعیین ارکان میں دونوں جہتیں ذاتی و عرضی جمع ہو جائیں ورنہ شرائط کا حال بھی رکن پر قیاس کر لینا چاہئے۔ اگر کوئی شے
کسی وجہ سے واجب ہوا کرتی ہے اس لئے اس کو کسی شعائر دینی کے لئے شرط کر دیا کرتے ہیں اس شرط سے اسکی شان
بڑھ جایا کرتی ہے یہ صورت جب ہی ہوتی ہے کہ اس شرط کے ملانے ہی سے اس عبادت کی کاملیت ہوتی ہو۔ مثلاً
استقبال قبلہ۔ جیسے کہ کعبہ شعائر الٰہی میں سے ہے اس لئے واجب التعظیم ہے اور بڑی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ لوگ اپنی
سب سے زیادہ عمدہ حالت میں اسکی جانب رخ کریں یک خاص سمت یعنی جانب خدا کی بعض نشانیاں اور شعائر ہوں
رخ کرنے سے متصل ہو خدا کی حضوری میں فروتنی و نیاز مندی پیدا ہی ہو کرتی ہے اور اس کو وہ حالت یاد آتی ہے جو
مالکوں کے سامنے غلاموں کے کھڑا رہنے سے ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز میں استقبال قبلہ کو شرط ٹھیرایا ہے۔ بہت
سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر کسی خاص صورت کے ان میں فائدہ نہیں ہوا کرتا ہے اس واسطے اس نیت کو اسکی شرط
کر دیا کرتے ہیں شارع نیت کا اعمال پر اثر جب ہی ہوا کرتا ہے کہ وہ نفسانی حالت کی تصویر ہوں اور نماز نیاز کی تصویر ہوا کرتی
ہے اور بغیر نیت کے نیاز کوئی شے نہیں ہے دیگر ایک دوسری صورت کے لحاظ سے استقبال قبلہ بھی ایسا ہی ہے دل کا
با حضور اور متوجہ ہونا ایک مخفی امر تھا اس لئے بیت اللہ کے سامنے کھڑا ہونا جو کہ خدا کے شعائر میں سے ہے بجائے حضور
دل کے قرار دیا گیا۔ اور شرمگاہ ستر ڈھانکنا بیہودگی کو ترک کرنا اس لئے کہ دلی تعظیم ایک مخفی امر تھا اس کے لئے وہ
حالتیں اس دلی تعظیم کے قائم مقام کی گئیں جن کا سلاطین اور ان کے پایہ کے لوگوں کی حضوری میں لوگ لحاظ کیا کرتے
ہیں۔ اور ان کو آداب تعظیمی سے شمار کرتے ہیں یہ امور ان کے دلنشین ہو گئے ہیں عرب اور عجم کے باشندوں نے ان پر
اتفاق کر لیا ہے:

جب بعض عبادات مثلاً فرائض کے تعیین کی جائیں تو چند اصول پر لحاظ کرنا ضرور ہے۔ اول یہ کہ لوگوں کو صرف آسان امر
کی تکلیف دینی چاہئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت ان کو مسواک
کرنے کا حکم کرتا۔ اس حدیث کی ایک دوسری حدیث سے تفسیر ہوتی ہے۔ آپ نے ارشاد کیا ہے کہ اگر میں اپنی امت
پر گراں نہ سمجھتا تو جیسے میں نے ہر نماز کے وقت وضو کو فرض کیا ہے ایسے ہی مسواک کو فرض کر دیتا اور ایک قاعدہ
یہ ہے کہ جب کسی مقدار کے متعلق لوگوں کا یہ اعتقاد ہو جائے کہ اس کو فروگذاشت کرنا خدا کی شان میں کوتاہی کرنا ہے۔
اور یہ امر ان کے دلوں میں اس لئے خوب جم جائے کہ وہ شے انبیاء علیہم السلام سے منقول ہوتی چلی آتی ہو سلف کا
برابر اس پر اتفاق رہا ہو یا ایسے ہی امور اور بھی ہوں تو ایسی حالت میں مقتضائے حکمت یہی ہے کہ جیسے لوگوں نے
اس کو اپنے ذمہ واجب ٹھیرا لیا ہے۔ ان پر وہ شے واجب ہی کر دیا ہے۔ جیسے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل
پر حرام کر دیا گیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں قیام کی بابت فرمایا کہ مجھ کو اندیشہ ہو گیا کہیں قیام

تم پر فرض نہ کر دیا جائے۔ اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی شے خوب صاف صاف اور ظاہر و منضبط نہ ہو لوگ اس کے ساتھ مواخذہ نہ کئے جائیں یہی وجہ ہے کہ حیا اور تمام اخلاق بالا کو اسلامی شعبے میں اسلام کے ارکان میں نہیں قرار دیئے گئے۔ اور اسی نے طاعت کی حالت آرام اور آسائش اور تنگی کی وجہ سے مختلف ہو جایا کرتی ہے طاقت رکھنے والے کیلئے قیام کو رکن نماز مقرر کیا ہے لیکن ناتوان کے لئے بیٹھنے کو قیام کا جانشین ٹھہرایا ہے۔ اور ایسے ہی طاعت حد اعلیٰ میں کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے زیادتی ہو جایا کرتی ہے بعض نوافل فرائض کے ہم جنس سمجھے جاتے ہیں جیسے سنن آدب و رواتب ہیں (مغرب کی سنتیں، نماز تہجد ہر ماہ میں تین روزے اور تحیۃ تات وغیرہ) اور کیفیت کی زیادتی اس طرح ہوتی ہے کہ خاص خاص ہیآت اور اذکار اور طاعت کے نامناسب امور سے باز رہنا۔ اور تکمیل کے لئے طاعت میں ضروری قرار دیئے جاتے ہیں۔ ان کی بجا آوری سے مکمل صورت میں طاعت ادا کی جاتی ہے جیسے جڑ بند و کا چرب وغیرہ ست پاک صاف رکھنے کا وضو میں حکم دیا جاتا ہے تاکہ نظافت بخوبی حاصل ہو جائے اور دائیں جانب سے ابتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے نفس میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور طاعت کا خیال اس میں پیدا ہوتا ہے نفس جب طاعت کی اس طرح بجا آوری کرتا ہے جیسے عظیم الشان امور کی کرتا ہے اس سے اس کی توجہ پر بڑا اثر پڑتا ہے اور معلوم کرنا چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی خلق کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے وہ قصد کرتا ہے کہ یہ خلق اس کی رگ رگ میں سرایت کر جائے تو اس کے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ اس کے مناسب جو جو افعال اور مناسب امور ہوں ان سب کا انجام کرے اگرچہ وہ عام لوگوں کی نظر میں ادنیٰ اور ناقابل اعتبار ہی کیوں نہ ہوں جس کو شجاعت کی مشق اور ورزش کا اہتمام ہوتا ہے وہ نہ دلدلوں میں چلنے سے جھجکتا ہے نہ آفتاب کی گرمی اور نہ شب تاریک میں چلنے سے باک کرتا ہے ایسے ہی جس کو حضور خداوندی میں عجز و نیاز کی مشق منظور ہوتی ہے وہ تمام تعظیمی حالتوں کی مواظبت کرتا ہے بدفع ضرورت کے وقت نہایت شرمگین اور سرنگوں طور پر بیٹھتا ہے خدا کے ذکر کے وقت اپنے تمام پاؤں کو وہ سمیٹ لیتا ہے۔ اور جس کو اعتدال اور مرتبہ عدالت کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اس کا حق ادا کرتا ہے۔ کھانے اور پاکیزہ چیزوں کیلئے داہنے ہاتھ کو اور نجاست دور کرنے کے لئے بائیں کو خاص کرتا ہے اور یہی انتہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا تھا کہ بڑے کو مسواک دو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں۔ اتنے میں دو شخص آئے ان میں سے ایک بڑا تھا میں نے مسواک چھوٹے کو دیدی اس وقت مجھ سے کہا گیا کبّر کبّر یعنی بڑے کو دو۔ ایسے ہی حویصہ اور محیصہ مسعود کے دو بیٹوں کا نام ہے ان کے قصہ میں آپ نے فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو۔ جنگ خیبر میں جب ابن سہیل قتل ہو گئے اور کوئی ان کا قاتل معلوم نہ ہوا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبدالرحمن مقتول کے بھائی اور مسعود کے دونوں بیٹے آئے عبدالرحمن نے گفتگو شروع کر دی لیکن وہ عمر میں چھوٹے تھے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کبر الکبر (بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو) حدیث میں وارد ہوا ہے ان الشیطان یاکل بشماله (شیطان بائیں ہاتھ سے کھایا کرتا ہے) اور ایسے ہی اور جگہ بھی شیاطین کی طرف بعض افعال کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کے معنی خدا نے مجھ کو یہ سمجھائے ہیں کہ شیاطین کو خدا تعالیٰ نے قدرت دی ہے کہ خواب میں

یا بیداری کی حالت میں لوگوں کی نظر کے سامنے ایسی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں، جو اُن کی مزاجوں کے موافق ہوتی ہیں وہ شکلیں اُن حالات کا بھی مقتضا ہوا کرتی ہیں جو شکل بننے کے وقت شیاطین پر طاری ہوتی ہیں جن لوگوں کا وجدان سلیم ہوتا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شیاطین کی مذہبی حالت کی وجہ سے بدکاریاں اور ایسے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جن میں سِفلی اور تنگدلی پائی جایا کرتی ہے ناپاکیوں سے وہ حالت قریب کر دیتی ہے۔ قوائے انسانی میں اُن کی وجہ سے تنگدلی ہوا کرتی ہے جتنے انفعالات پذیر اور گزیدہ ہیں اُن میں اس حالت کی وجہ سے ابتری ہوا کرتی ہے۔ بدکاریوں سے ہماری مراد ایسے افعال ہیں جن سے لوگوں کے دل نہایت بیزار ہوں۔ اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں وہ زبان سے اُن افعال پر طعن کریں یہ لوگوں کا قدرتی طریقہ ہے جو صورت نوعیہ کے فیضان سے اُن میں پیدا ہوا ہے۔ تمام فرقے اس میں برابر ہیں ایسے آثار کسی قومی رسم و رواج کی پابندی یا کسی خاص مذہبی اثر سے نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً اپنی شرمگاہ کو ہاتھ سے حرکت کرنا۔ کودنا ناچنا۔ اپنی دبر میں انگلی داخل کرنا اپنی ڈاڑھی کو تھوک سے آلودہ کرنا۔ ناک کان کٹا ہونا یا سیاہ رو ہونا۔ لباس کو الٹا پہننا قمیص کا اوپر والا حصہ نیچے کر لینا یا کسی چوپایہ پر سوار ہو کر اُن کی دم کی طرف اپنا منہ کر لینا۔ یا ایک پاؤں میں موزہ پہن کر دوسرا برہنہ چھوڑ دینا ایسے ہی اور افعال ہیں جن کو دیکھتے ہی ہر شخص لعنت و ملامت کرتا ہے۔ بعض واقعات میں میں نے خود شیاطین کو ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان سب کاموں سے میری غرض یہ ہے مثلاً اپنے کپڑے یا لنگر کو بیہودہ طور پر لوٹ پوٹ کرنا۔ بد نما طور پر ہاتھ پاؤں کو ہلانا۔ بہرحال خداوند کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان افعال کو منکشف کیا کہ یہ شیطانی مزاجوں کے میلان اور اقتضا سے ہوا کرتے ہیں جب کسی کو خواب یا بیداری میں شیطان کی صورت نظر آتی ہے تو ایسے حرکات اس میں ہوا کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو شیاطین اور شیطانی حالتوں سے گریز کرنا چاہئے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن افعال اور صورتوں اور اُن کی زشتی کو بیان فرمایا اور اُن سے احتراز کرنے کا حکم دیا اسی بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قضائے حاجت کے موقعوں پر شیاطین آموجود ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان لوگوں کی مقعدوں سے ہنسی کیا کرتا ہے اور جب انسان آہ آہ کرتا ہے تو شیطان خوب ہنستا ہے اور ملائکہ کی حالتوں کی جو رغبت لوگوں کو دلائی گئی ہے۔ اس کو بھی اسی پر قیاس کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسی ملائکہ صفیں باندھتے ہیں ویسی ہی تم کیوں نہیں باندھتے ابواب آداب کے متعلق یہ ایک دوسرا قاعدہ ہے۔ معلوم کرو کہ جب کوئی شے فرض کفایہ قرار دی جاتی ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اگر سب لوگ اس کو متفقانہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش برہم ہو جائے۔ اُن کی تدابیر نافع معطل ہو جائیں۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ ایک کام کے لئے خاص کر دیئے جائیں اور اوروں سے کوئی دوسرا کام لیا جائے مثلاً اگر عام لوگ زراعت اور تجارت کے تمام کاروبار چھوڑ کر جہاد پر ہی اتفاق کر لیں تو معاش برہم ہو جائیگی اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ بعض کو جہاد کا کام سپرد کر دیا جائے اور کسی کو زراعت کا۔ بعض کو تجارت کا۔ کوئی تعلیم علوم کی خدمت کرے۔ اس لئے کہ کسی شخص کو کسی امر میں آسانی ہوتی ہے کسی کو کسی میں اور تمام بعض ایسے نہیں بتا سکتے کہ وہ کس چیز کے قابل ہے تاکہ حکم کا وہ

مدار علیہ ہو سکے۔ فرض کفایہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے انتظامی حالت درست ہو سکے کسی فرد کی شکست
سے کوئی نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو مثلاً قاضی ہونا۔ علوم دین کی تعلیم۔ خلافت کا انتظام یہ سب امور اسی نا
مقرر ہوئے ہیں۔ ایک شخص اس کے تکفل کے لئے بس کرتا ہے۔ اور جیسے بیماروں کی عیادت نماز جنازہ اس
واسطے مشروع ہوئے ہیں کہ ان سے بیماروں اور مردوں کی تضییع نہ ہو بعض لوگ اگر اس کو پورا کر دینگے۔ تو مقصود
حاصل ہو جاویگا۔ واللہ اعلم۔

باب ۶۱
اوقات کے اسرار میں

امت کی سیاست بغیر اسکے پوری نہیں ہوا کرتی کہ ان کے لئے طاعتوں کے اوقات معین کر دیئے جائیں
تعین اوقات میں اصل امر فراست اور حدس ہے جس سے مکلفین کی حالت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے
وہ چیز اختیار کر لیجاتی ہے جو لوگوں پر گراں نہ ہو اور اس سے مقصود حاصل ہو جائے۔ اور اسکے علاوہ تعین اوقات
میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہوا کرتی ہیں جن کو محققین فن علم ہی جانتے ہیں لیکن تین قاعدوں پر اس کا استنباط
ہوا کرتا ہے اول یہ کہ اگرچہ خداوند کریم زمانہ سے برتر ہے لیکن آیات و احادیث باہم ایک دوسرے کی اس امر میں موید
ہیں کہ خدا تعالیٰ بعض اوقات میں اپنے بندوں سے قریب ہوا کرتا ہے۔ اور بعض اوقات میں لوگوں کے اعمال
خدا تعالیٰ پر پیش ہوا کرتے ہیں بعض اوقات میں وہ بعض بعض حوادث کو دنیا میں مقرر اور مقدر کیا کرتا ہے۔ وعلیٰ ہذا اور
جدید حالات کو بھی سمجھ لو۔ اگرچہ ان سب امور کی اصل حقیقت خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ ہر شب کو تہائی رات رہی ہمارا پروردگار آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے کہ یک شنبہ اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال خدا کی حضور میں پیش ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ نصف شعبان
کی شب میں طلوع کیا کرتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اس شب میں خدا تعالیٰ ورلے آسمان پر نزول کرتا
ہے۔ اس بات میں اکثر حدیثیں وارد ہیں چونکہ معلوم ہیں حاصل یہ ہے کہ یہ امر ضروریات دین سے ہے کہ بعض خاص
خاص اوقات میں زمین پر روحانیت پھیلا کرتی ہے اور اس میں ایک مثالی قوت کا ظہور ہوتا ہے قبول طاعات
اور قبولیت دعا کے لیے ان اوقات سے عمدہ اور مناسب وقت کوئی نہیں ہوا کرتا ہے ان اوقات میں ایک ادنیٰ
سعی کرنے سے نہایت وسعت کے ساتھ قوت بہیمی ملکی طاقت کے مطیع ہو جایا کرتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس روحانیت
اور مثالی قوت کے پھیلنے کا اندازہ آسمانی دوروں سے نہیں کیا کرتے۔ بلکہ اپنے ذوق و وجدان سے اسکو معلوم کر لیا
کرتے ہیں اُنکے دلوں میں اولاً کوئی شے منطبع ہوتی ہے اس سے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ کوئی روحانیت پھیلنے والی
ہے اور کسی حکم الٰہی کا نزول ہونے کو ہے۔

حدیث شریف میں اس کا بیان آیا ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آواز ایسی معلوم ہوا کرتی ہے جیسے کوئی آہنی

زنجیر کے پتھر پر مارنے سے جیسے زنجیر سلسلۃ علیٰ صفوان ہیں۔
انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر بھی یہی علوم ملاء اعلیٰ کی جانب سے منتقش ہوتے ہیں اور وہ ان کو وجدانی قوت سے معلوم
کر لیتے ہیں آسمانی دوروں کا کچھ حساب ٹھیک ٹھیک نہیں پتہ، اس کے بعد انبیاء اس موقع کے قرار دینے میں کوشش کرتے
ہیں جہاں اس ساعت کے ہونے کا احتمال ہوا کرتا ہے اس کے تعین کے بعد لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ اس ساعت کا
لحاظ رکھیں اور اس کی حفاظت کریں بعض ساعتوں کا دورہ سال کے دورہ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔
انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا انا کنا منذرین ہم نے قرآن کو مبارک
شب میں نازل کیا ہے۔ ہم ڈرانے والے ہیں لوگوں کو ڈرانے والے تھے۔ ہمارے حکم سے اس میں ہر مضبوط کام جدا جدا کیا جاتا
ہیں ہم ہی پیغمبروں کو بھیجا کرتے ہیں اور اس ساعت میں نیچے آسمان میں قرآن کی روحانیت متعین ہوگئی تھی۔ اور یہ اتفاق
ہے کہ اور رمضان میں یہ تعین ہوا تھا۔

اور بعض اوقات کا دور ہفتہ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے یہ تھوڑا سا وقت ہے۔ اس میں دعا اور طاعتوں کی قبولیت کی
امید کی جا سکتی ہے۔ اور جب لوگ عالم معاد کی جانب رجوع کرینگے تو اسی وقت خدا تعالیٰ ان پر تجلی کرتا ہے۔ اسی ساعت
میں لوگوں کو خدا سے قرب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ وقت جمعہ کے روز واقع ہوتا ہے۔
اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے استدلال فرمایا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے واقعات جمعہ کو ہی ہوئے ہیں حضرت
آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی روز ہوئی تھی اور نیز بہائم کو بالکل سفلی کے ذریعہ سے اس ساعت کی عظمت معلوم ہوتی ہے
اس وقت وہ خوف زدہ اور ایسے مرعوب ہوتے ہیں جیسے کوئی سخت آواز سے خوف زدہ ہوتا ہے جمعہ کے روز آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو مشاہدہ کیا تھا اور بعض اوقات کا دور روزانہ دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ ورنہ عالم مثال کی نسبت
اس وقت کی روحانیت کسی قدر ضعیف ہوا کرتی ہے اور ارباب ذوق جو ملاء اعلیٰ سے حاصل کیا کرتے ہیں ان کا اتفاق
ہے کہ روزانہ ایسے اوقات چار ہیں (۱) کسی قدر آفتاب سے پیشتر (۲) ٹھیک آفتاب کے ٹھہرنے کے بعد (۳) غروب آفتاب کے
بعد (۴) نصف شب سے صبح تک۔ خاص ان اوقات میں اور کسی قدر ان سے آگے پیچھے روحانیت پھیلتی ہے۔ اور
برکات ظاہر ہوتے ہیں۔ روئے زمین میں کوئی اہل مذہب ایسے نہیں ہیں جو واقف نہ ہوں کہ ان وقتوں میں عبادت
زیادہ مقبول ہوتی ہے لیکن مجوس نے دین کی تحریف کر لی تھی۔ وہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کی ان وقتوں میں پرستش
کرنے لگے تھے اسواسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تحریف کو رفع کر کے ان اوقات کو ایسے وقتوں سے بدل دیا جو ان
اوقات سے کچھ دور بھی نہ تھے۔ اور اصلی غرض بھی اس تبدیلی سے فوت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت
صحیح ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ شب میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر وہ بندہ مسلمان کو مل جائے اور دنیا و آخرت میں کسی
بھلائی کی وہ دعا کرے تو خدا قبول فرماتا ہے ہر شب کو یہ ساعت ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے
کہ نصف شب کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے لیکن اسکے پڑھنے والے لوگ کم ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت
کیا گیا کہ کونسے وقت دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ نصف شب میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال

کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ آسمان کے دروازے مفتوح ہوتے ہیں۔ اس لیئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا
کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔ اور آپ نے فرمایا کہ فرشتوں سے پہلے دن کے فرشتے آسمان کیطرف
صعود کرتے ہیں اور دن کے فرشتوں سے پہلے رات کے فرشتے صعود کرتے ہیں۔ ان مضامین کی طرف خدا تعالے نے بھی
اپنی محکم کتاب میں اشارہ فرمایا ہے فسبحن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظہرون
(خدا کی پاکی ہے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو اور آسمانوں اور زمین میں خدا کی تعریف ہے
شام کیوقت اور جبکہ تمہارا وقت ظہر آتا ہے) اس بات کے متعلق نصوص بکثرت ہیں۔ وہ معلوم ہیں میں نے انکے
متعلق بہت سے مشاہدہ کئے ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ خدا تعالے کی طرف متوجہ ہونے کا ٹھیک وقت وہ ہے
کہ تمام طبعی تشویشات سے آدمی فارغ ہو۔ زیادہ گرسنگی۔ زیادہ تشنگی۔ زیادہ سیری۔ نیند کا زیادہ غلبہ نہ ہو سستی نہ ہو بول و براز
کی حاجت نہ ہو ایسی خیالی پریشانیوں سے بھی آدمی کو آزادی ہو۔ لغو اور بیہودہ گفتگوؤں سے کان۔ اور مختلف صورتوں۔ اور
پریشان کرنیوالی رنگتوں سے آنکھ بھری ہوئی نہ ہو۔ اور اسی قسم کی تشویشوں کے اقسام سے تنہائی ہو یہ فراغ اور آزادی
عادات کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ لیکن جو عرب اور عجم اور نیز ترکی اور مغربی لوگوں کے نزدیک طبعی طریقہ کے
ہوگیا ہے وہ اس قابل ہے کہ نوامیس کلی میں اس کو دستور العمل قرار دیں۔ اور اس سے مخالف شاذ و نادر ہی ہوا کرتا
ہے وہ صبح اور شام کا وقت ہے اور جب آدمی سونے کا قصد کرتا ہے تو اسوقت ضرورت ہوتی ہے کہ شغلوں سے جو
میل کہ طبیعت میں جم جاتا ہے۔ وہ صیقل سے دور کر دیا جائے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ
عشاء کے بعد لوگ قصہ اور شعر نہ پڑھا کریں۔ سیاست امت کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ اس کا حکم دیا جائے کہ
کچھ نہ کچھ زمانے کے بعد نفس میں نماز کی آمادگی اور طیاری پیدا ہوتی رہے اور نماز کا انتظام اور اس کی طیاری نماز پڑھنے سے پہلے
اور نماز کا بقیہ نور اور رنگ نماز پڑھنے کے بعد نماز کے حکم میں سمجھا جائے۔ اور اسی طرح پر اگر تمام اوقات کا استیعاب نہ ہو سکے
تو اکثر اوقات کا استیعاب ہو جائیگا۔ اور ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جو شخص نماز شب کے قصد سے سوتا ہے وہ نیند میں مستغرق نہیں ہوتا اور جس شخص کا دل کسی عمدہ
تدبیر میں ہو یہ کسی مذکور وقت میں یا کسی خطیفہ میں [illegible] متعلق رہتا ہے تو ویسی حالت میں کوتاہی نہیں ہوا کرتی اسواسطے حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص خواب
جاگے اور پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علے کل شیء قدیر وسبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ
الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کے بعد کہے رب اغفر لی خدا اس کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر شخص وضو
کر کے نماز پڑھ لیگا۔ تو اس کی نماز بھی مقبول ہوگی۔ خدا تعالے فرماتا ہے رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (وہ
ایسے لوگ ہیں جن کو نہ تجارت نہ خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل کرتی ہے) اور یہ مناسب ہے کہ دو وقتوں
کے درمیان چوتھائی روز کا فاصلہ دیا جائے اتنے عرصہ میں تین گھنٹہ کی مہلت ہو جائیگی اور عرب اور عجم کے ہاں جو تقسیم
شب و روز کی ہے اس تقسیم کا یہ تین گھنٹہ مقدار مستعمل کی اقل حد کثرت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے
شب و روز کے حضرت نوح علیہ السلام نے حصے کئے تھے۔ ان کے بعد ان کی اولاد برابر یہی حصے کرتی آئی۔ سب
تیسرا قاعدہ اوقات میں یہ ہے کہ عبادت ادا کرنیکا وقت ایسا ہونا چاہیئے کہ جس سے خدا کی نعمتوں میں سے کسی

نعمت کی یاد آجائے۔ مثلاً روزِ عاشورہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح دی تھی۔ انہوں نے
اس کے شکریہ میں خود بھی روزہ رکھا تھا اور اوروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور جیسے ماہ رمضان میں قرآن مجید
نازل ہوا اور ملتِ اسلام کے ظہور کی ابتداء اس سے ہوئی۔ یا اس عبادت سے انبیاء علیہم السلام کی طاعت اور عبادت
پروردگار کی۔ اور خدا نے جو اُن کی بندگی کو ان سے مقبول کر لیا تھا یاد آتی ہو مثلاً بقر عید کی نماز سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
کے ذبح ہونے کا قصہ اور بھیڑ کی ذبح کرنے سے ان کے فدا کرنے کا حال یاد آجاتا ہے۔ یا اس وقت کی عبادت سے دین
کے بعض نشانات کی شان اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے جیسے عید الفطر کو نماز پڑھتے ہیں۔ خیرات کرتے ہیں اس سے رمضان کی
ایک شان معلوم ہوتی ہے اور خدا نے اپنے بندوں کو جو عبادت کی توفیق دی تھی اس کے ادائے شکر کی بھی ایک شان
معلوم ہوتی ہے اور نیز جیسے بقر عید کے روز حجاج کی حالت سے ایک قسم کی مشابہت ہو جایا کرتی ہے اور جو رحمتیں خدا تعالیٰ
نے حجاج کے لئے مقرر کی ہیں اُن کو اپنے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے۔ یا اُن سلف کا جن کی نیکی پر تمام امتوں کی زبان پر شہادت
دی گئی ہوتی ہے یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ ان اوقات میں اطاعت خداوندی اور عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ جیسے نماز پنجگانہ
کے اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارا وقت ہے اور انبیائے سابقین کا وقت بھی یہی تھا اور جیسے رمضان
شریف کی نسبت ارشاد ہوئی ہے۔ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (تم پر روزے ایسے ہی فرض ہوئے جیسے
اگلے لوگوں پر فرض ہوئے تھے) تفسیر میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے اور ہمارے نزدیک متعلق روز عاشورہ کا بھی یہی حال ہے
یہ تیسرا قاعدہ اکثر اوقات میں ملحوظ ہے۔ لیکن وہ دونوں پہلے قاعدے اوقات کے اصل الاصول ہیں واللہ اعلم۔

باب ۶۳

اعداد اور مقداروں کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ شرع میں جو ایک چیز کی مقدار معین کر دی ہے اور اسکی دوسری نظیر کی وہ مقدار معین نہیں کی ہے
تو اسکی حکمتیں اور مصلحتیں خاص ہیں۔ اگرچہ ہر شئے کے معین کرنے میں پورا اعتماد قوت مدرکہ پر ہے جس سے مکلفین کے حالات
اور وہ امور معلوم ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی سیاست کے مناسب اور لائق ہیں لیکن مصلحتوں کی انتہا تین قاعدوں پر ہے
(۱) یہ کہ طاق کا عدد مبارک ہے۔ جبتک یہ کافی ہو سکیگا دوسرے عدد کی طرف تجاوز نہ کرینگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ بیشک خدا طاق ہے اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے پس اے قرآن پڑھنے والو۔ وتر نماز پڑھا کرو۔ اسمیں راز
یہ ہے کہ ہر کثرت کی ابتداء وحدت سے ہوا کرتی ہے اور طاق عدد تمام کثرت کے درجوں میں وحدت سے زیادہ
قریب ہوا کرتا ہے اسواسطے کہ جس مرتبہ عدد کا فرض کیا جائے اس میں ایک غیر حقیقی وحدت شامل ہوا کرتی ہے جس سے
وہ مرتبہ مرتبہ قرار پاتا ہے۔ مثلاً اس کا مرتبہ چند وحدتوں کا مجموعہ ہے جو ملکر ایک عدد بنگیا یعنی پانچ اور پانچ کا نام دس
ہے اسی پر اور عددوں کو بھی قیاس کرو۔ ان مراتب عددی میں بھی غیر حقیقی وحدۃ وحدۃ حقیقی کا نمونہ اور اس کے جانشین ہے
اور طاق عدد میں یہ غیر حقیقی وحدۃ بھی ہوا کرتی ہے اور اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک اور وحدت بھی ہوتی ہے یعنی وہ عدد

صحیح مساوی کی طرح منقسم نہ ہوا۔ اس لئے بہ نسبت عدد جفت کے عدد طاق وحدت سے زیادہ قریب ہے۔ چونکہ خدا تمام عددوں کا مبداء ہے۔ اس لئے موجود شئے اپنے مبداء سے زیادہ قریب ہوگی۔ وہ گویا حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوگی۔ اسلئے جسمیں وحدت کمال درجہ ہوگی۔ اس میں خلق الٰہی کا ایک نمونہ ہوگا۔ جاننا چاہیئے کہ عدد طاق کے مختلف مرتبے ہیں۔ بعض عدد طاق جفت کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً نو اور پانچ کا عدد ان دونوں سے صرف ایک ہندسہ دور کرتے ہی دو جفت عددوں میں انقسام ہوتا ہے اور نو کا ہندسہ اگرچہ دو برابر حصوں میں منقسم نہیں ہوتا ہے لیکن اسکے برابر برابر تین حصے ہو سکتے ہیں ایسے ہی بعض جفت ہندسے طاق کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً بارہ تین بار چار چار عدد لینے سے حاصل ہوتا ہے اور چھ کا ہندسہ دو کو تین بار لینے سے بنتا ہے اور تمام طاق اعداد میں امام اور جفت کی مشابہت سے نہایت دور ایک کا عدد ہے اور اس ایک کے بعد اسکے وارث اور جانشین تین اور سات کے اعداد ہیں اور جو اعداد ان کے علاوہ اور ہیں وہ ایک عدد کے خاندان اور وراثت میں سے ہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر ایک اور تین اور عدت کے عدد کو پسند فرمایا ہے اور جب بمقتضائے حکمت ان اعداد سے زیادہ کسی اور عدد کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اختیار کیا گیا۔ جو ان کی ترقی دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کی ترقی سے دس اور سو اور ہزار نیز گیارہ حاصل ہوتا ہے اور تین کی ترقی سے تیس و تینتیس اور تین سو حاصل ہوتے ہیں اور سات کی ترقی سے ستر اور سات سو حاصل ہوتے ہیں۔ جو عدد ترقی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ وہ گویا بعینہ وہی عدد ہوتا ہے جس کو بڑھایا ہے۔ اسی واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد سو دفعہ کا پڑھنا مسنون فرمایا ہے۔ پھر تین تین مرتبہ تینتیس تینتیس پر اس کو تقسیم کر دیا ہے اور تاکہ پوری حالت طاق کی ہو جاوے اور تمام طاق عددوں کی امام یا جانشین کی طرف ہو ایک کو زیادہ کر دیا ہے اور اعداد کی طرح ہر ایک مقولہ جوہر و عرض کے لئے بھی ایک امام اور جانشین ہوا کرتا ہے۔ مثلاً نقطہ بمنزلہ امام کے ہے اور دائرہ اور کرہ اس کے جانشین ہیں۔ اور امام سے بہ نسبت اور شکلوں کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ میرے والد قدس سرہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ انہوں نے ایک بڑے واقع کا معائنہ کیا۔ اس واقع میں حیوۃ۔ علم۔ ارادہ اور تمام صفات الٰہیہ یا انہوں نے فرمایا کہ الحی العلیم۔ المرید اور تمام اسمائے الٰہیہ۔ ان دونوں میں مجھ کو ٹھیک معلوم نہیں کہ کیا فرمایا۔ بہرحال یہ صفات یا اسماء نہایت نورانی دائروں کی شکل میں سامنے آئے پھر انہوں نے مجھ کو آگاہ کیا کہ بسیط اشیاء کا اشکال کی صورت میں پیش ہونا انہیں اشکال میں ہوا کرتا ہے۔ جو نقطہ سے زیادہ قریب ہوں اور ایسی شکل سطح میں دائرہ اور جسم میں کرہ ہوا کرتے ہیں۔ انتہی کلامہ۔ جاننا چاہیئے کہ وحدت کا عالم کثرت میں نازل ہونا عالم مثال کے خاص تعلقات اور ارتباطوں کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور انہیں تعلقات کی وجہ سے تمام واقعات صورت پکڑا کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے زبان قدم کا ترجمان انہیں ارتباطات کا لحاظ رکھا کرتا ہے۔

دوسرا قاعدہ ان اعداد کے راز ظاہر کرنے میں جن کا بیان ترغیب یا ترہیب کے موقعہ میں آیا ہے۔ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے نیکی اور برائی کے عادات پیش کئے جاتے ہیں۔ نیکی کے محاسن اور برائی کے عیوب آپ پر منکشف ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جس طرح آپ کو بتاتا ہے ویسے ہی آپ بیان کر دیتے ہیں۔ انکشاف کے وقت جس

چیز کا جو حال آپ کو معلوم ہوتا ہے اُس کا عدد آپ بتاتے ہیں۔ اس عدد میں اُس امر کا منحصر ہونا مقصود نہیں ہوا کرتا۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے سب اچھے اور بُرے اعمال میرے سامنے پیش کئے گئے۔ تو اُنکے
عمدہ اور نیک اعمال میں سے میں نے راستہ میں سے کسی اذیت کو دور کرنا بھی پایا۔ اور ان کے بُرے اعمال میں سے
مسجد میں لعاب دہن کو پایا جو مسجد میں بغیر دبائے ویسے ہی چھوڑ دیا جائے اور نیز آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کے اجر میرے
سامنے پیش ہوئے تھے کہ وہ خاشاک بھی جس کو آدمی مسجد میں سے باہر نکال دیتے ہیں پیش کیا گیا۔ اور میری اُمت کے
گناہ بھی مجھ پر پیش ہوئے اُن میں میں نے اس سے زیادہ کوئی گناہ نہیں پایا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت
یاد ہو اور اُس کو وہ بھلا دے اسی قاعدہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو قیاس کرنا چاہئے کہ تین شخصوں کو دو دو
اجر ملینگے اول اہل کتاب جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرے کسی کا غلام
خدا کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا حق بھی۔ تیسرے وہ شخص جس کے پاس کوئی کنیزک ہو وہ اس سے ہمبستر ہوتا تھا
پھر اُس کو ادب سکھایا اور اچھی طرح اسکو تعلیم دی اور اسکو آزاد کر کے نکاح کر لیا اسکو بھی دو اجر ملینگے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں سے خدا تعالےٰ کلام نہ کریگا نہ اُس کو ستھرا کریگا۔ ایک بوڑھا آدمی زانی۔ دوسرے جھوٹا بادشاہ
تیسرے متکبر عالم۔

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ چالیس خصلتیں ہیں اُن سب میں سب سے زیادہ دودھ کی بکری کسی کو دیدینا ہے۔ تاکہ وہ
شخص اُسکے دودھ دوہن سے فائدہ اٹھائے اور پھر وہ شخص اسکو واپس دیدے۔ ان چالیس میں سے جو شخص ایک خصلت کو
بھی بامید ثواب اور اُسکے وعدہ کی تصدیق کرنے کیلئے کریگا۔ خدا اُسکو جنت میں داخل کریگا اور کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو کسی عمل کے فضائل یا کسی شے کے اجمالی حصے ظاہر ہوتے ہیں تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فضائل کے منضبط کرنے
کی وجہ قائم کرنے میں اجتہاد کرتے ہیں۔ اور اُسکے لئے ایسا عدد مقرر کرتے ہیں جو کثیر الوقوع یا عظیم الشان وغیرہ ہوا کرتا ہے
اسی پر قیاس کر لینا چاہئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو کہ تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کی نماز کو ستائیس درجہ فضیلت ہے
صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ اس لئے کہ ستائیس کے عدد کو تین میں ضرب دینے سے پھر مضروب فیہ
کو تین میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں جماعت کے فائدے تین قسم کے تھے
ایک وہ جس کا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے اُس میں تہذیب آجاتی ہے۔ قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور بہیمی طاقت
دب جاتی ہے دوسرا ایک حصہ کا اثر لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے کہ ایک مبارک روش ان میں پھیلتی ہے۔ لوگ اس میں ایک
دوسرے سے زیادہ شوق ظاہر کرتے ہیں اس سے اُن میں تہذیب آتی ہے اور سب ملکر متفقانہ برتاؤ کرتے ہیں اور
ایک حصہ کا اثر ملت مصطفوی پر پڑتا ہے کہ اُس میں اصلی شادابی اور تروتازگی رہتی ہے تحریف یا سستی اُس میں نہیں گھستی اور
نیز پہلے حصہ میں تین منفعتیں ہیں۔ بارگاہ خداوندی اور ملاء اعلےٰ سے نزدیکی ہونے کے لئے نیکیاں منیع کیجاتی ہیں۔ اور اُن سے
برائیاں دور کی جاتی ہیں۔ ایسے ہی دوسرے حصہ میں بھی تین منافع ہیں۔ لوگوں کے خاندان اور شہر کا منتظم رہنا دنیا
میں اُن پر برکتوں کا نازل ہونا۔ آخرت میں ایک دوسرے کے لئے شفاعت کرنا اور تیسرے حصہ میں بھی تین امر ہیں

منفعت میں ملاء اعلیٰ کی اتفاقی کوشش کا جاری ہونا۔ خدا کی درازدستی کو لوگوں کا پکڑنا بعض لوگوں کے انوار کا بعض پر پرتو پڑنا۔ اور ان نو امور میں سے ہر ایک میں بھی تین تین خوبیاں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی لوگوں سے خوشنودی۔ فرشتوں کا ان پر رحمت بھیجنا۔ شیاطین کو لوگوں سے روپوشی۔ اور ایک روایت میں بجائے ستائیس کے پچیس کا عدد آیا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جماعت میں پچیس خوبیاں ہیں۔ اول لوگوں کا استقلال۔ دوسرے لوگوں کی جماعت میں باہمی الفت۔ تیسرے ان کی مذہب کی پائیداری۔ چوتھے فرشتوں کا محظوظ ہونا۔ پانچویں لوگوں سے شیاطین کا روپوش ہونا اور ان پانچ میں سے ہر ایک صورت میں پانچ پانچ خوبیاں ہیں (۱) خداوند عالم کی خوشنودی (۲) دنیا میں لوگوں کا بابرکت ہونا (۳) ان کیلئے نیکیوں کا لکھا جانا (۴) خطاؤں کی معافی (۵) آنحضرت اور فرشتوں کی ان کے لئے شفاعت کرنا۔ وجوہ ضبط کیلئے ان روایتوں میں اختلاف ہوگیا ہے کبھی کسی شے کی عظمت اور بڑائی ظاہر کرنے کو کوئی عدد لایا کرتے۔ ایسے موقعہ پر عدد کا اظہار صرف مثالی طور پر ہوا کرتا ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں فلاں شخص کی محبت میرے دل میں پہاڑ کی برابر ہے یا فلاں شخص کا مرتبہ آسمان تک پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ جب مسلمان قبر میں منکر نکیر کو ٹھیک جواب دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہی جواب دیگا اور اسوقت اس مسلمان کی قبر ستر گز تک پھیل جاتی ہے۔ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی کہ اوبیت المقدس میں وسعت ہے یا آپ کا قول ہے کہ میرے حوض کی وسعت اس سے زیادہ ہے جتنی شہر ایلہ سے عدن تک ہے ایسی صورتوں میں کبھی کوئی مقدار بیان کیجاتی ہے کبھی کوئی مقدار لیکن اصلی غرض کے لحاظ سے انمیں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا۔

تیسرا قاعدہ مقادیر کے اندازہ میں یہ ہے کہ کسی شے کی مقدار ایسی ظاہری معین کیجاوے جس کو مخاطبین اس حکم کے نظائر میں استعمال کیا کرتے ہیں یہی مناسب ہے کہ اس کو حکم کے مدار علیہ اور حکم کی حکمت سے مناسبت ہو اسلئے درہموں کو اوقیوں (ایک اوقیہ کے چالیس درہم ہوتے ہیں) اور غلہ کا اندازہ وسقوں (ساٹھ صاع) سے کرنا مناسب ہے ایسا حصہ بھی ذکر کرنا چاہئے جس کو محاسب غور و خوض سے نکالیں۔ جیسے ستر ہواں انیسواں حصہ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے ذوالفروض سہام میں ایسی کسریں ذکر کی ہیں جن کا نصف اور دوچند کرنا اور ان کا مخرج نکالنا نہایت آسان ہے ان سہام کے خدا تعالیٰ نے دو حصے قرار دیئے ہیں (۱) چھٹا۔ تہائی۔ دو تہائیاں (۲) آٹھواں۔ چوتھائی۔ نصف۔ انمیں بھی راز ہے۔ کہ ان میں قابل زیادہ کی فضیلت اور قابل کمی کا نقصان ظاہر نظر میں معلوم ہو جایا کرتا ہے۔ اور ادنےٰ و اعلےٰ پر مسائل کا نکالنا آسان ہوا کرتا ہے۔ ان مقادیر مذکورہ کے علاوہ اگر کسی اور مقدار مقرر کرنے کی ضرورت پڑے تو یہی مناسب ہے کہ ایک اور نصف کے درمیان دو تہائیوں سے اور چہارم اور نصف کے بیچ میں ایک تہائی سے زیادہ تجاوز نہ کریں اس لئے کہ اور حصان دو نو حصوں کی نسبت زیادہ مخفی ہیں اور اگر کسی شے کثیر کا اندازہ کرنا مقصود ہو تو یہی مناسب ہے کہ تین سے اندازہ کریں اور اگر اس سے بھی زیادہ اس کی کثرت بیان کرنی ہو تو دس کے عدد سے اسکا اظہار کریں اور جب کوئی شے کم بھی ہو اور زیادہ بھی تو چھوٹا اور بڑا مرتبہ لیکر اسکو نصف کریں۔ زکوٰۃ کے باب میں پانچواں اور دسواں اور بیسواں اور

چالیسواں حصہ معتبر کیا گیا ہے اس لئے کہ صدقہ زیادہ کرنے کا مدار آبادی کی وسعت اور منفعت کی کمی پر ہے اور تمام اہل
ولایت کے پیشے اور مطالب صرف چار مرتبوں ہی سے منتظم ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے یہی مناسب تھا کہ دو دو مرتبوں
میں فرق صاف طور پر بیّن ہو جائے یعنی ایک مرتبہ کا دوسرے مرتبہ سے دو چند ہونا معلوم ہو جائے آئندہ اسکی تفصیل بیان
کیجائیگی۔ جب دولتمند کا اندازہ کیا جائے تو ان امور کا لحاظ کرنا چاہئے جنکو عرب و عجم میں دخل ہے یا دولتمندی کی احکام و آثار
کو دیکھنا چاہئے ورنہ تاجر اعرب و عجم کے مکلفین کے حالات سے ان امور کو اخذ کرنا چاہئے اور رائج نہ ہونے کی صورت میں
جو قدرتی طریقہ کے موافق انکی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ اسکو خیال میں رکھنا چاہئے۔ اگر لوگوں کی عام حالت اور عادت پر اسکو
مبنی نہ کریں گے تو انکے حالات میں پریشانی ہو جائیگی۔ اس واسطے بالیقین عرب کا ہی حال قابل اعتبار سمجھا گیا ہے جنکی زبان میں
قرآن نازل ہوا ہے اور انکی ہی عادت کے موافق شریعتوں کی قرارداد ہوئی ہے۔ اسی لحاظ سے شرع نے پانچ اوقیوں
سے کمتر کا اندازہ کیا ہے۔ اکثر آبادی کے حصوں میں ایک چھوٹے سے خاندان کو ایک سال تک کیلئے یہ مقدار کافی ہوا
کرتی ہے ہاں اگر قحط سالی ہو یا شہر ہی بہت بڑے بڑے ہوں یا ایسے شہروں کے دیہات ہوں تو اسقدر رقم صرف کیلئے
رفاہ کریگی اور بکریوں کے چھوٹے ریوڑ کا اندازہ چالیس سے اور بڑے کا ایک سو بیس سے کیا گیا ہے اور زیادہ کھیتی کا اندازہ
پانچ وسقوں سے کیا گیا ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ کسی چھوٹے سے خاندان میں ایک خاوند ہوگا اور
ایک اسکی بیوی اور تیسرا شخص خادم ہوگا یا انکا کوئی لڑکا ہو۔ روزانہ خوراک ایک آدمی کی ایک مد یا ایک رطل ہوگی۔ اور اس
کے ساتھ سالن وغیرہ کی بھی ضرورت ہوگی اور ایک سال کے لئے اتنی مقدار سے کاربراری ہو سکتی ہے اور پانی کثیر کا اندازہ
قلتین سے کیا گیا ہے اس قدر پانی کافی ہوا کرتا ہے اور معمولی ظروف میں اتنا پانی نہیں آسکتا۔ بقیہ اندازوں کو بھی
قیاس کر لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ۶۳
قضاء اور رخصت کے اسرار میں

جاننا چاہئے کہ ریاست کا مقتضا یہ ہے کہ جب کسی شئے کا حکم کیا جائے یا کسی شے سے لوگ روکے جائیں اور مخاطبین
کو اس حکم کے ٹھیک طور پر غرض معلوم نہ ہو تو ضرور ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اوامر و نواہی کے صراحۃً
بیان کرنے سے اکثر سکوت فرمایا ہے البتہ راسخین فی العلم کیلئے کسی قدر ان اسرار کو ذہن نشین کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
حاملین دین یعنی خلفاء راشدین و تابعین کی توجہ مذہبی امور کے قائم کرنے کی طرف بہ نسبت انکی اسرار قائم کرنے کے زیادہ تر
تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نماز کی حالت میں بحرین کے خزینہ کا شمار کرتا ہوں اور
نماز کی حالت میں میں لشکر کا سامان کرتا ہوں۔ اسی لئے پہلے سے اور بعد میں مفتیوں کا یہی طریقہ چلا آیا ہے کہ فتوے دیتے
وقت وہ مسئلہ کی دلیل کے بیان کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور یہ بھی ضرور ہے کہ ظاہر امور کے اختیار کرنیکا نہایت
اہتمام کیا جائے اس کی ترک پر لوگوں کو نہایت ملامت کریں ورنہ لوگ ان دلیل احکام کی جانب مائل اور واقف کئے جائیں

اور انکو شوق دلایا جائے تاکہ ان باتوں کی خواہش اُن کے ظاہر و باطن کو بسرعت احاطہ کرے اس حالت کے بعد ان احکام کی تعمیل
سے کوئی ضروری مانع باز رکھے۔ تو ضرور ہے کہ کوئی ان کا بدل اور قائم مقام قرار دیا جائے اسلئے کہ ایسی ضرورتوں میں مکلف
کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں یا ہر شخص سے ایسے احکام کی تعمیل مشقت اور دقت سے کرائی جائے یہ وضع شرع کے خلاف ہے
خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر خدا تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے دقت اور دشواری وہ
تمہارے لئے نہیں چاہتا یا ان احکام کی تعمیل بالکل ترک کردی جائے، اسوقت یہ نفس کی ترک کا عادی ہوجائیگا۔ عمل چھوڑ دینا نفس کی سستی ایسی کردیگی
جاتی ہے جیسی کسی تند چارپایہ کو سختی کرتے ہیں پھر امر مطلوب کی رغبت و الفت غنیمت سمجھی جایا کرتی ہے جو لوگ نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا شریر کو تعلیم دیتے ہیں
یا اسکی کوشش کرتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ایک کی الفت کیسی پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں کیسی آسانی حاصل ہوتی ہے اور کام کے چھوڑ دینے سے
الفت کیسی جاتی رہتی ہے اور نفس پر پھر اس کا کرنا ایک گراں معلوم ہوا کرتا ہے اور جب قصد ہوتا ہے کہ دوبارہ انہیں کام
کرنے کی تحریک پیدا ہو تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اسواسطے ضرور ہے کہ جب کسی کام کرنے کا
وقت ہاتھ سے نکلجائے تو اسکے لئے قضا مشروع ہو اور افعال کے لئے رخصتیں بھی مقرر کیجائیں تاکہ آسانی اُس امر کی
تعمیل ہوجائے۔ قضا اور رخصتوں کے قرار دینے میں عمدہ شے مدرس کی قوت ہے۔ جس سے مکلفین کی حالت کی
شناخت ہوتی ہے اس عمل کی غایت عمل اجزا جن کا ہونا اس غایت کے حاصل کرنے میں ضروری ہے۔ بخوبی معلوم ہوسکتی
ہے علاوہ اس کے اس قضا اور رخصتوں کے خاص خاص اصول بھی ہیں جن کو راسخین فی العلم خوب جانتے ہیں۔ (۱)
قضا اور رخصت میں دو امر رکن اور شرط ہیں (۱) جو اصل امر کسی شے کی حقیقت میں داخل ہو۔ یا اس شے کو کوئی امر لازم ہو کہ
اُس سے اصل کی غرض پر لحاظ کرنے سے بدوں اس لازم کے وہ شے غیر معتدبہ ہو مثلاً دعا یا جھکنا جس سے تعظیم معلوم ہوتی
ہے اور فضائل طہارت اور خشوع پر نفس کو متنبہ کرنا جو امور اس قسم کے ہونگے۔ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ناگواری یا بیوت کی
حالت میں فروگذاشت کئے جائیں۔ اس لئے کہ ایسے امور کی ترک کرنے سے عمل بالکل بے اثر ہوجایا کرتا ہے (۲) وہ
امور جو اوروں کی تکمیل کیلئے ہوا کرتے ہیں وہ اور معانی کے لئے واجب قرار دیئے جایا کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اصلی
غرض مکمل صورت میں حاصل ہوا کرتی ہے یہ قسم اس قابل ہے کہ ضرورتوں اور ناگواریوں کی حالت میں اُس میں رخصت
دیجاسکتی ہے۔ اس قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحری پر کفایت کی جاسکتی ہے
اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کرسکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کرکے تیمم کرسکتا ہے۔ اور
جس کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفا کرسکتا ہے جس کو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے
نماز پڑھ سکتا ہے جو رکوع یا سجدہ نہ کرسکتا ہو۔ اس کی نماز صرف سر جھکانے سے ہوسکتی ہے (۲) قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں
کوئی ایسی شے باقی رکھنی چاہیئے جس سے اصل یاد آجائے اور معلوم ہوجائے کہ یہ اُس کا نائب اور بدل ہے اس سے
رخصتوں کی تجویز کرنے سے جو غرض مطلوب ہے کہ پہلے عمل سے بھی الفت باقی رہے۔ وہ بھی حاصل ہوا کرتی ہے
اس صورت میں نفس کو پہلے عمل کا انتظار رہا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مسح موزوں میں موزہ پہننے کو وقت طہارت شرط ہے
اور اس کی ایک مدت قرار دی گئی ہے جس سے مسح کا اختتام ہوجایا کرتا ہے وہ قبلہ میں تحری شرط ہے (۳) قاعدہ یہ ہے

کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز کرنی چاہئے اس لئے کہ حرج کے طریقے بکثرت ہیں۔ اور اگر سب میں رخصت
تجویز کی جائے تو طاعت بالکل متروک ہو جائے اور زیادہ تر اہتمام رخصتوں سے محنت و سختی کی برداشت کرنا بالکل جاتا ہے
اور ایسی محنت برداشت کرنے سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ شریعت کی پیروی کیجاتی ہے اور نفس میں استقامت ہے۔ اسواسطے
مقتضائے حکمت یہ ہے کہ صرف انہیں وجوہ سے رخصتیں متعلق کیجائیں جو کثیر الوقوع ہیں اور ان میں گرفتاری اکثر ہوا کرتی ہے
خاص وہ ان لوگوں میں زیادہ پیش آیا کرتے ہیں جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی عادات کے موافق تشریعیں
کا تقرر ہوا ہے۔ اور اس امر کا لحاظ ضرور ہونا چاہئے کہ طاعت کا اثر بالخاصیت ہو۔ جہاں تک ممکن ہو اسی واسطے سفر میں قصر
مشروع ہے۔ پُرمشقت پیشوں اور کاشتکاروں اور کاریگروں کے لئے قصر تجویز نہیں کیا گیا ہے اور خوشحال اور غیر آسودہ مسافر
کی حالت ایک سی ہی کی گئی ہے بعض قضایا مثل معقول ہوا کرتی ہے اور بعض مثل غیر معقول اور چونکہ طاعت اس کا نام
ہے کہ خداوندی حکم کی دل سے اطاعت کیجائے اور نفس میں خداوندی تعظیم جاگزین ہو۔ تو جس شخص کا عمل بلا قصد اور
بدون عزیمت ہو یا وہ شخص ایسا ہو کہ اس کا قصد کامل نہیں ہوا کرتا اور کامل طرح سے تعظیم اسمیں نہیں رسخ ہوا کرتی۔ تو ایسے شخص کو
معذور رکھنا چاہئے اور اس کو زیادہ تنگی میں نہ ڈالنا چاہئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ سونے
والے اور لڑکے اور مجنون سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے رفع القلم عن ثلثۃ عن النائم
والصبی والمعتوہ واللہ اعلم۔

باب ٦٤

باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم

تدابیر کے قائم کرنے اور رسموں کی اصلاح میں

ہم نے پہلے تقریباً اشارۃً ذکر کیا ہے کہ تدابیر و رسوم حقہ کے اصول پر آدمی مجبور کیا گیا ہے انہیں اصول کی
وجہ سے وہ اور باقی حیوانات سے ممتاز کیا گیا ہے۔ بالکل محال ہے کہ لوگ ان تدابیر کو ترک کر دیں لوگ ان تدابیر کے
اکثر حصہ کے پورا کرنے میں ایسے حکیم کے محتاج ہوا کرتے ہیں جو انسانی ضرورتوں سے واقف ہو۔ ان تدابیر سے منتفع ہونے
کا ڈھنگ اس کو آتا ہو مصالح کلیہ کا وہ لحاظ رکھتا ہو وہ حکیم خود و فکر سے ان اصول کو مستنبط کرتا ہو یا اسکے نفس میں پیدائشی طور
پر قوت ملکی موجود ہو جسکی وجہ سے اسکا نفس ملاء اعلے کے علوم نازل ہونے کیلئے ہمیشہ طیار رہتا ہو یہ طریقہ انکشاف کا ان
دونوں طریقوں سے زیادہ کامل اور قابل اعتماد ہوا کرتا ہے۔

رسوم بابت تدابیر اسی درجہ کی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ دل بدن کے لئے لیکن رسموں میں ایسے لوگوں کی ریاست
کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں جن کو عقل کلی سے کچھ مس نہیں ہوا کرتا اس لئے وہ بھی یا شہوانی یا شیطانی
اعمال کے خوگر ہو کر لوگوں میں ان کو رواج دیتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے پیرو ہو جایا کرتے ہیں اور اس کے
علاوہ اور وجوہ سے بھی رسوم میں ابتری بڑھ جایا کرتی ہے۔ ان رخنوں کے روکنے کے لئے ایک زبردست آدمی کی

ضرورت پڑا کرتی ہے۔ جو غیب سے مؤید ہو مصلحت کلی کو وہ دل سے مانتا ہو۔ ایسا شخص لوگوں کی رسومات کو اپنی آپ ہی ہدایت
حق کی جانب مائل کر دیا کرتا ہے جن کی طرف رہبری صرف انہیں لوگوں کو ہوا کرتی ہے جو روح القدس سے مؤید ہوا کرتے
ہیں۔ جب اس قدر معلوم ہو چکا تو اب سمجھنا چاہئے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اولاً اور بالذات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لئے
ہوا کرتی ہے لیکن اب انہیں کے ساتھ ساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوا کرتا ہے کہ خراب رسومات کی بیخ کنی ہو جائے اور تدابیر
کے طریقوں پر لوگوں میں آزادگی پیدا ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت لمحق المعازف (میں دفوں اور
باجوں کے معدوم کرنے کیلئے پیدا ہوا ہوں) اور ارشاد فرمایا ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں بزرگ عادات کے
کامل کرنے کیلئے پیدا ہوا ہوں) معلوم کرنا چاہئے کہ خدا کی مرضی اس میں نہیں ہے کہ تدبیر دوم و سوم متروک کر دی جائیں
انبیاء میں سے کسی نے بھی ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ ان لوگوں کا گمان بالکل بیہودہ ہے جو پہاڑوں کی طرف بھاگ جاتے
ہیں اور بری بھلائی میں لوگوں سے بالکل میل جول ترک کر دیتے ہیں وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو دنیا سے کنارہ کشی کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے ما بعثت بالرہبانیۃ و انما
بعثت بالملۃ الحنیفیۃ السمحۃ (میں رہبانیت سکھانے کیلئے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ یک مذہب سراپا راستی اور آسان
کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں) ہاں انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تدابیر و منافع میں اعتدال پیدا کریں اور عیش و آرام میں زیادہ
خوش رہنے والوں کی حالت سلاطین عجم کی سی نہ ہو جانے اور نہ یہ کہ لوگوں کی زندگی کوہستانی چوٹیوں کے باشندوں کیسی ہو
جائے جو وحشیوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس موقعہ پر دو مخالف قیاس جمع ہو گئے ہیں (۱) یہ کہ آسودگی اور آرام سے بسر کرنا
عمدہ بات ہے اس سے مزاج درست ہوتا ہے اخلاق میں امتیازی پیدا ہوتی ہے اور وہ اوصاف لوگوں میں ظاہر
ہوتے ہیں جنکی وجہ سے وہ اپنے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہیں۔ اور سوء تدبیر سے جہالت اور عاجزی وغیرہ اوصاف
پیدا ہوا کرتے ہیں (۲) یہ کہ آسودگی بڑی چیز ہے اس سے باہمی نزاع پیدا ہوتی ہیں محنتیں جھیلنی پڑتی ہیں جانب غیب سے
اس کی وجہ سے اعراض ہو جایا کرتا ہے آخری تدابیر کو خوشحالی کی وجہ سے لوگ چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ اسی واسطے پسندیدہ
امر یہ ہے کہ تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار و آداب کو پیوند کر دیں اور عالم جبروت کی جانب متوجہ ہونے کے لئے
فرصت کی متلاشی رہیں اس باب میں تمام انبیاء علیہم السلام نے جو خدا کی جانب سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے
کہ ان امور میں جو لوگوں کے استعمال میں ہیں بخوبی توجہ کیجائے دیکھا جائے کہ کھانے پینے لباس کے آداب تعمیر آرائش کے اسباب
لوگوں میں کیا کیا ہیں۔ ان میں نکاح کا طریقہ اور زن و شوہر کی سیرت کیا ہے وہ باہمی خرید و فروخت کس طرح کرتے
ہیں جرائم سے باز رکھنے کے لئے کیا کیا تعزیرات ان میں مستعمل ہیں مقدمات کا فیصلہ وہ کس طرح کرتے ہیں۔ ان سب
امور کا بھی اندازہ کرنا چاہئے اگر یہ امور رائے کلی کے مناسب اور اس پر منطبق ہوں تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا
بے معنی ہے بلکہ لوگوں کو ایسے امور پر اور زیادہ آمادہ کرنا چاہئے اور ان میں ان کی درستی رائے ظاہر کر دینی چاہئے۔ اور
جو جو مصلحتیں ان میں مضمر ہیں وہ بتا دینی چاہئیں اور اگر وہ امور رائے کلی کے موافق نہ ہوں اور ان امور میں اس وجہ سے
تبدیلی کی ضرورت پیش آئے کہ ان کے سبب سے ایک شخص دوسرے کا ایذا رساں ہو سکتا ہو یا دنیوی لذات میں

ان کی وجہ سے زیادہ انہماک ہو یا مرتبہ احسان سے اُن کی وجہ سے اعراض ہوتا ہو یا اُن سے بے تمیزی پیدا ہوتی ہو
جن سے دنیوی یا اخروی وغیرہ مصیبتیں فوت ہوتی ہوں تو ان امور کی تبدیلی ایسی صورت میں کرلی جاتی ہے جو لوگوں کے مألوفات
کے بالکل مخالف نہ ہو بلکہ ایسے نظائر میں انکو بدلنا چاہیے جو لوگوں میں شائع ہوں۔ یا ان نظائر کی جانب انکو بدلیں جو صالحین
کی روایت سے شائع ہو رہے ہوں جنکی بھلائی پر لوگوں کی زبان پر شہادت ہوتی چلی آئی ہو۔ یہ تبدیل شدہ امور ایسے ہوں کہ اگر انکے سامنے
وہ پیش کئے جاتے یا تو ان کو تقلیداً قبول کر لیتے بلکہ وجدان سے معلوم کر سکیں کہ یہ تبدیلی حق اور صحیح ہے۔

وہ لوگ جن کا مدرسہ تشریع ہے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ شریعت نے ابواب نکاح طلاق۔ معاملات۔ زینت۔ لباس۔
حکومت۔ حدود و تقسیم میراث میں وہ امور قائم نہیں کئے ہیں جن سے لوگ محض ناواقف ہوں جنکے مکلف کرنے سے
وہ تردد میں پڑ جائیں بلکہ شریعت نے ان امور کی کجی کو درست کر دیا ہے۔ اور کمزور حالت کو قوی کر دیا ہے اس زمانہ کے لوگوں
میں ربوا خواری کی کثرت ہوگئی تھی اس سے وہ روک دئے گئے ہمارا آنے سے پیشتر پھلوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے اور
بے پھلوں کو سد چیچ کہ جھگڑے ہوا کرتے تھے اسواسطے اس بات سے بھی روک دئے گئے۔ عبد المطلب کے زمانہ میں دیت کے
لئے دس اونٹ معین تھے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ قتل سے باز ہی نہیں آتے۔ تب بجائے دس کے سو کر دیئے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی سو باقی رکھے قسامہ (قاتل کا حال معلوم نہ ہو تو قسم سے فیصلہ کیا جائے) کی اولاً اقرار
ابوطالب کے حکم سے ہوئی تھی سردار قوم کے لئے مال غنیمت میں چہارم حصہ مقرر تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
اسکی جگہ مال غنیمت میں سے خمس مقرر فرمایا کیقباد اور کیقباد کے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور عشر مقرر کی تھی
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کے قریب قریب قرار دیا۔ بنی اسرائیل زانیوں کو سنگسار کیا کرتے تھے۔ چوروں کے
ہاتھ قطع کیا کرتے تھے۔ جان کے بدلے میں جان لیا کرتے تھے۔ یہی احکام قرآن مجید میں بھی نازل ہوئے ہیں۔ اس قسم کے
احکام کثرت سے ہیں۔ متلاشی پر مخفی نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اگر کوئی فہیم ہو اور احکام کے اطراف و جوانب پر اس کی نظر محیط ہو اس کو
معلوم ہو سکتا ہے کہ انبیا علیہم السلام نے عبادات میں بھی ایسے ہی طریقے مقرر کئے ہیں جو اس زمانہ کے لوگوں میں پائے جاتے
تھے۔ انبیاء کے احکام بالعینہ یہی ہوتے ہیں جو لوگوں میں تھے یا ان کے قریب قریب ہوتے ہیں۔ البتہ انبیاء زمانہ جاہلیت
کی تحریفات کو نکال دیا کرتے ہیں۔ اور مبہم احکام کو اوقات اور ارکان سے منضبط کر دیا کرتے ہیں اور جو احکام گم شدہ ہوتے ہیں
انکو شائع کر دیا کرتے ہیں۔

معلوم کرنا چاہئے کہ جب عجم اور روم کے لوگ مدت ہائے دراز سے سلطنت کے وارث ہوتے چلے آئے اور دار آخرت
کو بھول کر دنیوی لذت میں فرو رفتہ ہو گئے۔ اور شیطان ان پر غالب آگیا۔ تو انہوں نے معیشت کے منافع میں بہت خوض کیا۔
انہیں امور کو مایۂ ناز قرار دیا اطراف عالم سے حکما کی ان کے پاس آمد و رفت رہی۔ یہ لوگ معاش کے منافع کو ان کے لئے
مستنبط کرتے رہے اور وہ ہمیشہ ان امور پر عملدرآمد کرتے رہے ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے
کا ساعی رہا شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اگر ان میں سے کسی رئیس کی پیٹی یا تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی تھی
تو اس پر طعن و تشنیع کرتے تھے ان کی نظر میں بڑا عیب تھا اگر کسی رئیس کے پاس نہایت بلند ایوان۔ اور آبزن۔ حمام۔ باغات

زریں آرام کیلئے چارپائے نہ ہوں یا خوبصورت غلام کھانوں میں زیادہ وسعت لباسوں میں تجمل نہ ہو بہت سے ایسے ہی امور تھے جن کے ذکر میں طول ہے اور اپنے شہروں کے سلاطین کے حالات جو تم خود دیکھ رہے ہو انکے جتنے ہوئے ان گذشتہ حالات کی کیا ضرورت ہے بہرحال یہ سب امور انکے اصول زندگی میں داخل ہو گئے تھے۔ اگر ان کے دلوں کے ریزہ ریزہ کر دیئے جاتے یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہیں تھیں۔ ایسی بے اعتدالیوں سے عصائے شہر میں ایک نہایت خت بیماری سرایت کر گئی تھی اور بڑی آفت برپا ہو گئی تھی۔ رعایا میں سے دہقانیوں میں سے امیر و غریب سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جس پر عیش و آرام ان کے دست بگریبان نہ ہو گئے ہوں۔ ان کو تھکا تھکا کر بے انتہا مصائب اور رنجشوں میں نہ پھنسا دیا ہو یہ عیش و آرام زیادہ تکالیف کے باعث اسلئے ہو گئے تھے کہ جب تک بہت سا مال صرف نہ کیا جائے یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتے اور مال کی اتنی مقدار پیدا کرنے کے لئے ضرور ہے کہ کاشتکاروں تاجروں اور اور پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کئے جائیں۔ وہ خوب کئے جائیں۔ اگر یہ لوگ ٹیکسوں کے ادا کرنے سے دست کشی کریں تو حکام لوگ ان سے لڑتا ہی اور طرح طرح کی انکو تکالیف دینا ہوگی۔ اور اگر وہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہینگے تو حکام گدھے اور بیل کا سا ان کا درجہ کر دینگے جو آبپاشی۔ جوتنے اور اناج کی گہائی میں استعمال کئے جاتے ہیں صرف اپنی مطلب برآری کے لئے چارپائے ذخیرہ کئے جاتے ہیں۔ ایک گھنٹہ بھر بھی ان کو فرصت نہیں ملا کرتی اور ایسی ہی گرفتار ہا ہو کر سعادت اخروی کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور اس مرتبہ کے قابل بھی نہیں رہتے۔ اور نیز اکثر بڑے بڑے ملک ایسے ہوا کرتے ہیں جن میں ایک شخص بھی ویسا نہیں ہوا کرتا جسکو دین کا اہتمام اور خیال ہو۔ اور نیز یہ سب عیش کے سامان ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ سے حاصل ہوا کرتے ہیں جن کا پیشہ یہی ہوتا ہے کہ کھانے کی چیزیں۔ لباس۔ عمارات وغیرہ کو درستی سے کرتے رہیں۔ ایسے لوگ پیشوں کے ان اصول سے چلا کرتے ہیں جن پر نظام عالم کا مدار ہے۔ ان کے علاوہ اور عام لوگ جو بڑے لوگوں کی حضور میں رہتے ہیں ان سب امور میں انہی کی نقل کرتے ہیں۔ ورنہ ان کو ان امرا کی خدمت میں باریابی نہ ہو۔ ان کے دلوں میں ان کی کچھ وقعت نہ رہے اور نیز اکثر عام لوگ حکام پر بار ہو جاتے ہیں۔ ان پر وہ مختلف طریقوں سے تقاضی رہا کرتے ہیں بعض دعوے کرتے ہیں کہ ہم غازی اور شہر کے منتظم ہیں ایسے لوگوں کی وہ روشیں تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض ادا کرنے کا کچھ بھی قصد نہیں کرتے۔ صرف اپنے بزرگوں کے حالات ہی کے پیرو رہا کرتے ہیں۔ اور بعض مثل ہوتے ہیں زمرہ شعرا میں جن پر انعام اکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوا کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہم درویش اور پارسا ہیں بادشاہوں کو زیبا نہیں ہے کہ ان کے حالات سے پرساں نہ ہوں۔ اس واسطے یہ فرقے ایک دوسرے کی تکمیل کے باعث ہوتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش اس پر موقوف ہوتی ہیں کہ وہ سلاطین کی خدمت میں رہیں۔ ان سے نیازمند نہ پیش آئیں۔ شائستگی سے ان کے ساتھ گفتگو کریں انکی خوشامد کرتے رہیں یہی فن ان کا ہے ان کی فکریں ڈوبی رہتی ہیں اسکی وجہ سے ان کے اوقات غارت ہوتے رہتے ہیں جب اس قسم کے مشغلے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو انکے دو پیچ پیچ اور بیہودہ باتیں جاگزیں ہو جاتی ہیں اور عمدہ اخلاق سے وہ اعراض کرتے رہتے ہیں ٭

اگر تم کو اس مرض کی واقعی حقیقت معلوم کرنی ہو تو ان لوگوں کی حالت میں غور کرو جنکو اسباب عادت سے آزادی ہوتی ہے

اور لذیذ کھانوں عمدہ لباسوں میں زیادہ انہماک انکو ہوا کرتا ہے۔ ہر شخص انہیں سے خود مختارانہ زندگی بسر کرتا ہے مگر ان گراں ٹیکسوں کا بار ان پر نہیں ہوا کرتا۔ ایسے لوگوں کو بھی جو سکے ادا کرنے کی طاقت ملتی ہے پھر انہیں لوگوں کی اس حالت کو خیال کر کے اُنکے ہاتھ زمام خلافت آجائے رعایا کو وہ اپنا مطیع بناکر اُن پر اپنا قبضہ کرلیں۔

جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی تھی اور اس قسم کی بیماری بہت سخت ہو گئی تو اُس وقت خدا تعالےٰ اور ملائکہ مقربین نے انپر غصہ ظاہر فرمایا۔ خدا کی مرضی ہوئی کہ اس مادۂ فساد کو بالکل قطع کر دی۔ اسواسطے اُس نے اس غرض کے پورا کرنے کیلئے ایک نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جس کا عجم اور روم سے کسی قسم کا میل جول نہ ہوا تھا اُنکے رسوم کو اُنے بالکل اختیار نہ کیا تھا۔ اس پیغمبر کو خدا تعالےٰ نے میزان قرار دیا جسکو ان طریقوں کی پوری شناخت تھی جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ تھے۔ اُس نے عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کی۔ اور دنیوی زندگی میں مطمئن و مستغرق ہو جانے کی برائیاں ظاہر کیں۔ اس پیغمبر کے دل میں خدا تعالےٰ نے الہام فرمایا کہ لوگوں پر وہ امور حرام کر دیئے جس کے عجمی لوگ خوگر ہو گئے تھے وہ امور ان میں مایۂ زندگی ہو گئے تھے۔ مثلاً ریشم کا استعمال اور قسی ارغوانی لباس سونے۔ اور روپہلی برتن سنہری زیور ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ خدا تعالےٰ نے مقدر کیا کہ انکی دولت سے انکی دولتوں کا استیصال کر دے اور اس کی ریاست سے ان کی ریاستوں کو نیست و نابود کر دے۔ اُنکے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو گیا۔ اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور نیز اُسکے ذریعہ سے قیصر بھی ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر نہ ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسے ایسے مناقشے پیدا ہو گئے تھے جن سے لوگ تنگ آگئے تھے انکا رفع ہونا جب ہی ممکن تھا کہ وہ بالکل اصل سے ہی اڑا دیئے جائیں۔ جیسے مقتولوں کے بدلے میں خون لینا کوئی شخص کسی کو مار ڈالتا تھا تو مقتول کا ولی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا۔ پھر اس مقتول کا ولی بھی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا۔ اور یہی حالت عود کرتی رہتی تھی اسکے رفع کرنے کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کل دم موضوع تحت قدمی ہذا و اول دم اضعہ دم ربیعہ (تمام خون میرے اس پاؤں کے نیچے باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلا خون جسکو میں باطل کرتا ہوں ربیعہ کا ہے) اور جیسے میراثیں کہ اہل قوم وارثوں کے متعلق مختلف احکام سے فیصلہ کیا کرتے تھے اور اس زمانہ کے لوگ غصب سود خوری وغیرہ سے باز نہیں آتے تھے اس لئے ایک مدت گذرنے کے بعد سب اپنی اپنی دلیلیں پیش کیا کرتے تھے۔ اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کل شئی ادرک الاسلام تقسم علی حکم القران (زمانہ اسلام میں ہر چیز کی تقسیم قرآن کے موافق ہوگی) و کل قسم فی الجاہلیۃ و حازہ انسان فی الجاہلیۃ بوجہ من الوجوہ فہو علے ماکان لا ینقض (اور جو شے زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی یا وہ کسی نہ کسی طرح کسی شخص کے قبضہ میں آگئی تو وہ بدستور اپنے حال پر باقی رہیگی) اور مثلاً سود اس زمانہ میں کوئی شخص قرض دیتا تھا اور کسی قدر اس پر بیشی کی شرط کر لیا کرتا تھا۔ اس کے بعد مدیون کو تنگ کر کر کے اصل اور شرط کو اصل سرمایہ قرار دیتا تھا اور اس پر بیشی کی شرط کر لیا کرتا تھا اسی طرح بڑھتے بڑھتے سینکڑوں تک مال پہنچ جایا کرتا تھا۔ اسواسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سود کو باطل کر کے اصلی سرمایہ ادا کرنے کا حکم فرمایا کہ لوگ نہ اوروں پر ظلم کریں اور نہ اوروں کے ظلم میں آئیں اُنکے علاوہ اور بہت سی خرابیاں تھیں کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود نہ ہوتا تو لوگ انکو ترک کرنیوالے نہ تھے۔

جاننا چاہیئے کہ بعض رسمیں اسواسطے شروع ہوا کرتی ہیں کہ لوگوں کی دلی رنجشیں دور ہوجائیں جیسے زمین کو پانی دینے میں تبدیلوں میں جانب سے شروع کیگئی ہے اسلئے کہ اکثر لوگوں میں پانی کے متعلق مناقشے ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے کون پانی زمین کو دے اور شروع کرنے کیلئے کوئی وجہ ترجیح اور اولویت کی تا بل تسلیم نہیں ہوا کرتی۔ تو رفع خصومت کیلئے اسی قسم کا کوئی طریقہ ہوسکتا ہے اور جیسے امامت (جنازہ میں) مالک مکان کو ترجیح دیجاتی ہے اور جب ایک گھوڑے پر دو شخص سوار ہونے کا قصد کریں تو دوسرے رفیق پر مالک گھوڑے کو ترجیح ہے۔ وھٰذا واللہ اعلم۔

باب ۶۵

اُن احکام کے بیان میں جو بعض بعض سے پیدا ہوتے ہیں

خدا تعالٰے فرماتا ہے وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (ہم نے تجھ سے پہلے انہیں لوگوں کو پیغمبر کیا ہے۔ جن پر وحی بھیجی ہے اب اگر نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے دریافت کرلو) ہم نے تجھ پر قرآن اسواسطے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں سے نازل شدہ باتیں بیان کردے اور امید ہے کہ لوگ غور کریں۔

جاننا چاہیئے کہ خدا تعالٰے نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اسواسطے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کو وہ عبادات کے طریقے بتادیں جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوتے ہیں تاکہ لوگ ان کا عملدرآمد کریں اور نیز اسواسطے مبعوث کیا ہے کہ گناہوں کے ابواب کی انکو اطلاع کریں۔ لوگ ان گناہوں سے احتراز کریں۔ اور نیز پسندیدہ منافع کو بتائیں۔ اور لوگ ان کا اتباع کریں۔ اسی بیان میں یہ بھی مندرج ہے کہ وہ امور بھی بتائے جائیں جو وحی کے اقتضا یا ایما سے ثابت ہوں یہی اصول ہیں جن سے احادیث کا بہت بڑا حصہ نکالا گیا ہے ہم یہاں انمیں سے اہم امور کو بیان کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ جب خدا کے طریقہ کی ایک خاص روش مقرر ہوتی ہے مثلاً خدا تعالٰے اسباب کو مرتب کرکے مسببات کو اسلئے پیدا کرتا ہے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہوجائے جو خدا تعالٰے کی حکمت کاملہ اور رحمت شاملہ سے مقصود ہے تو اس انتظامی حالت کا مقتضا یہ ہے کہ خلقت الٰہی کو باطل بنانا شر کی بات ہوگی اور خرابی برپا کرنے کی کوشش ہوگی اور ملاء اعلے کو اس قسم کے امور سے نفرت پیدا ہوگی مثلاً خدا تعالٰے نے آدمی کی پیدائش ایسی کی ہے کہ اکثر اوقات وہ زمین میں کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتا۔ تو حکمت الٰہی کا اقتضا یہی ہے کہ نوع انسانی باقی رہے۔ حکم بکثرت آدمی دنیا میں پھیلیں اس لئے اس نے تناسل اور توالد کے قوے آدمی میں پیدا کئے۔ اور نسل کی رغبتیں اس میں پیدا کردیں اور خواہش نفسانی کو اس پر غالب کردیا تاکہ اس کی وجہ سے وہ کام پورا ہوجائے جسکو اسکی کامل حکمت نے ضروری قرار دیا ہے جب خدا تعالٰے نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس راز پر مطلع کردیا۔ اور جبلی حالت آپ پر بالکل منکشف ہوگئی۔ اس واسطے مناسب ہوا کہ آپ ان امور کو منع کردیں جن سے قطع نسل ہوتی ہو یا ان سے وہ قوتیں معطل ہوجاتی ہوں جو نسل کی باعث ہوتی ہیں یا وہ قوتیں بے موقع امور کی جانب مائل ہوتی ہوں یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے۔ لواطت سے نہایت سختی کے ساتھ منع کردیا۔ اور عزل (یعنی انزال کے وقت عورت سے علیحدہ ہوجانا تاکہ حمل نہ قرار پاوے) کو مکروہ قرار دیا۔ جاننا چاہیئے کہ لوگوں کا مزاج جب سلیم ہوا کرتا ہے

اور ان کے مادہ میں احکام نوعی کے ظہور کی قوت ہوا کرتی ہے تو اسکی پاک ستھری شکل اور صورت ہوا کرتی ہے تو یہ حال ہوا
کرتا ہے جلد کھلی ہوئی ہوتی ہے اور ایسے ہی سب امور ہوا کرتے ہیں۔ اور لوگوں میں احکام نوعی کا اقتضا اور امر ہیں۔ اور
خیر عالی کی بھی خواہش ہے کہ نوع اور جنس کی صورتیں زمین پر باقی رہیں۔ اسی واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اول کتوں
کے مار ڈالنے کا حکم کیا تھا لیکن بعد میں اسکو منع فرما دیا اور ارشاد کیا۔ انہا امۃ من الامم (کتا بھی گروہوں میں سے ایک گروہ ہے
یعنی خداوند عالم کو نوع کا وجود مطلوب ہے زمین سے جس کی صورتوں کا دور کرنا اللہ تعالے کو پسند نہیں ہے۔ اس قسم کی خواہش
کا یہ اثر ہے کہ نوعی احکام تمام افراد نوع میں ظہور پذیر ہوں اس واسطے اس خواہش کے خلاف کرنا اور اس مرضی کو رد کرنا نہایت
قبیح اور مصلحت کلی کے بالکل خلاف ہے۔ اسی قاعدہ سے ان بدنی تصرفات کا حکم نکلتا ہے جو احکام نوعی کے اندازہ کے خلاف
ہیں جیسے خصی کرنا۔ اگلے دانتوں کے بیچ میں تکلیف سے کشادگی پیدا کرنا جو توں لگے۔ دوسرے بالوں کو چپکا دینا۔ باقی
رہا آنکھوں میں سرمہ لگانا یا بالوں میں شانہ کرنا تو ایسے امور تو احکام نوعی کے ظہور کو اور مدد دیتے ہیں۔ یہ سب امور ان
احکام کے موافق ہیں۔

جب خداوند تعالے نے تمام لوگوں کے لئے ایک شریعت قرار دی جس سے ان کے تمام حالات منتظم ہوں۔
ان کے احوال درست ہوں اور عالم ملکوت میں اس شریعت کے رواج اور ظہور کا قصد اور شوق ہوا اسلئے شریعت کی حالت
بھی نوعی احکام کی سی ہوگئی جیسے زمین پر نوع کی صورتیں پھیلنے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی اس شریعت کا ہوا کرتا ہے
یہی وجہ ہے کہ شریعت کے فروگذاشت کرنے میں سستی کرنا اللہ تعالے کی ناخوشی کا باعث ہے اور بالکل انکی مقتضا کے خلاف
ہے ان کی سعی ہمت سے بعید ہے۔ ایسے ہی وہ منافع اور تدابیر بھی بمنزلہ امر طبعی کے ہوگئے ہیں جن پر لوگوں کے عام
فرقوں نے عرب ہوں یا عجم، قریب ہوں یا دور اتفاق کر لیا ہے۔ اسی وجہ سے جب خدا تعالے نے قسموں اور شہادتوں کا دستور
کو مشروع فرمایا جن سے اصلی حالات اور واقعات کا انکشاف ہوا کرتا ہے۔ تو اس سے یہ لازم ہوگیا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم خدا کے
نزدیک اور فرشتوں کی نظر میں ناخوشی کا باعث ہے۔

اور انہیں امور بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب خدا تعالے بذریعہ وحی کے اپنے پیغمبر کو کسی حکم شرعی کی اطلاع کرتا ہے اور اسکی
حکمت اور سبب بھی بتا دیا کرتا ہے۔ تو نبی کو اختیار ہوتا ہے کہ اس مصلحت کو اخذ کرکے اسکی کوئی علت قرار دے اور اس حکم کا
مدار علیہ اس علت کو ٹھیرائے یہ نبی کا قیاس ہے اور امت کے قیاس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی حکم منصوص علیہ کی علت معلوم کرکے
جہاں علت پائی جائے۔ وہاں اس حکم کو بھی پہنچا دیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح شام اور
سوتے وقت خاص خاص ذکر معین فرمائے ہیں جب خدا تعالے نے آپکو نماز کے مشروع ہونے کی حکمت پر اطلاع کی تو جب
سے آپ نے یہ اجتہاد کیا۔

اور انہیں امور میں سے یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی آیت سے سیاق کلام کی وجہ دریافت فرما
لیتے تھے اگرچہ اور لوگوں کو اس کلام کے وقت یا چند احتمالات کے ہونے سے وجہ معلوم ہو نہیں سکتی تھی تو اپنے فہم کے موافق حکم
قرار دیتے تھے جیسے کہ خدا تعالے کا قول ہے ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (کوہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہے)

روایت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مفہوم ہوا کہ صفا کا مروہ سے پہلے ذکر کرنا اسی بیان کے لئے ہے اسی طرح سعی کرنا مشروع ہے کہ پہلے صفا کی سعی کیجائے پھر مروہ کی۔ اس قسم کی تقدیم کبھی سوال وغیرہ کی موافقت کے لئے ہوا کرتی ہے کبھی بیان مشروعیت کیلئے خدا تعالے فرماتا ہے ابدا وا بما بدا اللہ بہ (جس چیز سے خدا نے شروع کیا ہے اسی سے تم بھی شروع کرو) اور ایسے ہی اجتہاد کی مثال یہ بھی ہے خدا تعالے فرماتا ہے۔ لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن (آفتاب اور چاند کو سجدہ مت کرو بلکہ اُن کے خالق کو سجدہ کرو) اور نیز خدا کا قول ہے فلما افل قال لا احب الآفلین (جب چاند ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا) ان دونوں آیتوں کے مضمون سے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کسوف اور خسوف کی حالت میں عبادت الٰہی کرنا مستحب ہے۔ اور آپ کو خدا کے اس قول وللہ المشرق والمغرب (خدا کیلئے ہے مشرق اور مغرب) سے معلوم ہوا کہ استقبال قبلہ کی فرضیت عذر کی حالت میں ساقط ہو سکتی ہے۔ اسی سے اس شخص کا حکم مستنبط ہوا جس نے شب تاریک میں تحیری سے نماز پڑھی اور سمت قبلہ کو ٹھیک معلوم نہ ہوئی اور قبلہ سے دوسری سمت کی طرف کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھی اور اسی سے سواری کی حالت میں شہر کے باہر نماز نفل پڑھنے کا حکم معلوم ہو گیا۔

اور انہیں امور سے ایک یہ بھی ہے کہ جب خدا کسی شخص کو لوگوں سے معاملہ کرنے کیلئے مقرر کرے تو مناسب ہے کہ لوگوں کو اسکے احکام کی بجا آوری کا حکم دیا جائے جب کہ انھیں کو حدود قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو سرکشوں کو حکم دیا گیا کہ ان کی احکام کی تعمیل کیا کریں اور جب مصدق کو زکوۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ تو لوگوں کو یہ حکم کیا گیا کہ مصدق جب انکے پاس سے واپس آوے تو خوش ہو کر پھرے اور جب عورتوں کو حکم دیا۔ تو لوگوں کو امر کیا گیا کہ اپنی نگاہیں ان سے نیچی رکھیں۔

اور انہیں امور میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شئے منع کیجائے تو مناسب ہے کہ اسکے خلاف کا وجوب یا استحباب کا حکم کیا جاوے جیسا موقعہ کے مناسب ہو اور جب کسی شئے کے کرنے کا حکم کیا جاوے تو اسکی ضد منع کر دیجائے۔ جب نماز جمعہ کے پڑھنے اور اسکی طرف سعی کرنے کا حکم دیا گیا تو ضرور ہے کہ اسوقت خرید و فروخت اور دیگر مشاغل کی ممنوعیت بیان کیجاوے۔

اور انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئے کے ہونے کا وجوبا حکم کیا جائے تو مناسب ہے کہ اسکے مقدمات اور دواعی وغیرہ کی ترغیب دیجائے اور جب کسی شئے کو ضروری طور پر منع کریں تو ضرور ہے کہ اسکے ذرائع کی بندش کر دیجائے اور اسکے اسباب نابود کر دیئے جائیں اسی واسطے چونکہ بت پرستی گناہ تھی اور تصویروں اور بتوں سے میل ملاپ بت پرستی کا سبب ہو سکتا تھا جیسا کہ اگلی امتوں میں اس کی آزمائش ہو چکی تھی اس واسطے مناسب ہوا کہ مصوروں کی دارو گیر کیجاوے اور شراب پینا گناہ تھا اس واسطے ضرور ہوا کہ شراب بنانیوالوں سے مواخذہ کیا جائے اور جس دسترخوان پر شراب ہو اس میں حاضر ہونا منع کر دیا جائے اور چونکہ فتنہ کی حالت میں جنگ و جدال گناہ ہے اس واسطے ایسے وقت میں ہتھیار بیچنے کی سخت ممانعت کر دی گئی اور سیاست مدن میں اس بات کی نظیر یہ ہے کہ جب اس امر کی خبریں معلوم ہوتی ہیں کہ لوگ کھانے اور پانی میں زہر ملا دیا کرتے ہیں۔ اس بنا پر دوا فروشوں سے عہد لیا جاتا ہے کہ زہر کی اتنی مقدار کسی کے ہاتھ فروخت نہ کریں جس سے پینے والا ہلاک ہو سکے۔ اور جب کسی قوم کی بدعہدی اور خیانت کا حال معلوم ہوتا ہے تو ان سے شرط کر لیجاتی ہے کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور ہتھیار نہ باندھیں اور ایسے ہی عبادات میں بھی ہے۔ جب نماز تمام نیکی کے ذریعے میں بلند رتبہ تھی اسواسطے ضرور ہوا کہ جماعت

کا لوگوں کو شوق دلایا تاکہ نماز کی پابندی میں اس سے مدد ملے۔ اور یہ بھی ضرور ہوا کہ اذان کی رغبت لوگوں میں پیدا کی جائے تاکہ سب لوگ ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ جمع ہو سکیں اور ایسے ہی لوگوں کو مساجد کی تعمیر اور مساجد کے پاکیزہ اور ستھرا رکھنے پر آمادہ کرنا ضرور ہے اور چونکہ رمضان کی پہلی تاریخ کا معلوم ہونا ماہ شعبان کے دنوں کے شمار کرنے پر موقوف تھا۔ اس لئے مستحب قرار دیا کہ اول شعبان کو لوگ یاد رکھیں اور اسکی نظیر سیاست مدن میں یہ ہے کہ جب دیکھا گیا کہ تیر اندازی میں بڑی مشقت ہے اسواسطے بہت سی کمانیں بنانے اور تیر کے پیکان طیار کرنے کا اور ان چیزوں کی تجارت کرنے کا لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے۔

اور انہیں اصول بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے یا کسی شے کی ممانعت کیجائے تو مناسب ہے کہ فرمان پذیروں کی عزت و شان ظاہر کیجائے اور نافرمانوں کی حقارت و تادیب کیجائے۔ چونکہ یہ مطلوب تھا کہ تلاوت قرآن کی اشاعت ہو اسکو لوگ بالالتزام پڑھا کریں۔ اسواسطے مسنون قرار دیا گیا کہ لوگوں کی امامت کے لئے وہی شخص زیادہ مناسب ہے جو سب سے عمدہ قرآن پڑھتا ہو۔ اور حکم دیا گیا کہ مجالس میں قرآن پڑھنے والے کی عزت و توقیر کیجائے۔ اور چونکہ زنا کی تہمت اور بہتان بندی گناہ تھی اس واسطے تہمت لگانے والے کی گواہی مقبول عدالت نہیں ہے۔ یہیں سے اس حالت کا حکم نکلتا ہے کہ بدعتی اور فاسق سے سلام اور سلام کی ابتدا نہ کیجائے۔ سیاست مدن میں اسکی نظیر یہ ہے کہ تیر اندازوں کو انعام زیادہ دیا جاتا ہے اور تقرر وغیرہ میں انکو اوروں پر تقدیم ہوا کرتی ہے۔

اور انہیں اصول میں سے یہ ہے کہ جب کسی شے کا حکم یا ممانعت کیجائے تو لوگوں کو حکم دیا جائے کہ دلی قصد سے اسپر اقدام کریں اور عزیمت قلبی سے منہی عنہ سے باز رہیں اور کام کے موافق اسکی خواہش کو دل میں پوشیدہ رکھیں اسیواسطے نہایت سخت سرزنش وارد ہوئی ہے کہ لوگ قتل اور مرے اور زنا کرنے کا اپنے دلوں میں قصد کرلیں۔ اور انہیں اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شے میں کسی خرابی کا احتمال ہو تو اُس کو مکروہ قرار دینا چاہئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ فلا یغمس یدہ فی الاناء فانہ لا یدری این باتت یدہ (جو شخص سوتے سے اٹھے وہ اپنے ہاتھ کو ہرگز برتن میں نہ ڈالے اسکو کیا معلوم کہ شب کو اُس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا) حاصل یہ ہے کہ خدا تعالے نے پیغمبر کو احکام عبادت اور ارتفاق کی تعلیم دی اسیطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو بیان فرمادیا۔ اور ہر ایک باب کے متعلق بڑے بڑے احکام کو آپ نے مستنبط کیا۔ اس باب کے متعلق اور اس دوسرے باب کے متعلق جو اس باب کے بعد آتا ہے جو جو امور بیان کئے گئے ہیں ان سب کو امت محمدیہ کے راز دان لوگوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم میں سے شیوع پایا ہے اور غور و تدبر سے انکے دلوں نے اپنے اندر انکو جمع کیا ہے جو اس قسم کے علوم انکی تصنیفات و کتابوں میں موجود ہیں وہ انہیں علوم نبوی کا شعبہ ہے واللہ اعلم۔

باب ۶۶

مبہم کے انضباط اور مشکل کی تمیز اور کلیہ سے حکم نکالنے وغیرہ کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ شارع کی تقسیم سے تو ایسی اکثر چیزیں معلوم ہیں جن کا نام لیکر کوئی انکا حکم بتایا گیا ہے۔ لیکن کسی تعریف جامع مانع سے ان کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ جس سے ان اشیا کے ہر فرد کا حال معلوم ہو کہ یہ فرد اس شے کا ہے یا نہیں مثلاً سرقہ

سرقہ کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما (چرانے والے اور چرانے والی کے ہاتھ کاٹ ڈالو) اس آیت میں حد کو چور پر جاری کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بنی ابیرق اور طعیمہ اور مخزومی عورت کے قصہ میں چوری ہی واقع ہوئی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ دوسرے کے مال لینے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں منجملہ ان کے (۱) چوری (۲) رہزنی (۳) اچک لینا (۴) بددیانتی (۵) زمین سے پڑی ہوئی چیز کا اٹھا لینا (۶) غصب (۷) بے پروائی ایسی صورتوں میں ضرورت پڑتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک صورت دریافت کیجائے کہ ہر چوری میں داخل ہے یا نہیں۔ ایسا سوال خواہ زبانی ہو یا حالی اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ضرورتاً چوری کی ایسی حقیقت بتانی ہوگی جو اور شریک چیزوں سے اسکو تمیز کردے اور ہر ایک فرد کا حال اس سے بخوبی معلوم ہو جائے اس تمیز کا طریقہ یہی ہے کہ ان چیزوں کے ذاتی امور دیکھے جائیں جو چوری میں نہ پائے جاتے ہوں اور انکی وجہ سے چوری اور غیر چوری میں امتیاز ہو جائے ایسے ہی چوری کی ذاتیات دیکھے جائیں جنکو چوری کے لفظ سے اہل عرف سمجھ جاتے ہیں انکے بعد امور معلومہ سے چوری کی منضبط تعریف کیجائے جسکی وجہ سے چوری ممیز ہو جائے جیسا معلوم کیا جائے کہ رہزنی اور جنگ اور آزار ایسے ہی لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلومین کے مقابلہ میں ایک قوۃ ہوا کرتی ہے اور مخالفوں کے مقابلہ میں ایک قوت ہوا کرتی ہے اور مخالفوں کے لئے ایک جگہ اور وقت ہوا کرتا ہے جہاں لوگوں کی جماعت فریادرسی کو نہیں پہنچ سکتی اور لفظ اختلاس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے سے کوئی شے اچک لیجائے اور خیانت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی قسم کی شرکت یا بے تکلفی یا حفاظت اسکی لیگئی تھی۔ اور التقاط سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیر محفوظ سے لے لیگئی۔ اور غصب سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کی نسبت غاصب میں علانیہ قوت زیادہ تھی۔ اسکو لڑائی میں غالب آنے پر اعتماد تھا یا یہ خیال تھا کہ حاکموں تک یہ قصہ نہ پہنچیگا یا ان کو پوری کیفیت معلوم نہ ہوسکیگی یا رشوت دیکر سچا فیصلہ نہ ہوگا اور بے پروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ناچیز سی شے تھی جسکو عرفاً خرچ کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ جیسے پانی اور ہیزم اور چوری سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ کوئی چیز مخفی طور پر لیلی گئی ہو۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کا اندازہ چوتھائی دینار یا تین درہموں سے فرمایا تاکہ حقیر اور ناچیز سے تمیز ہو جائے اور فرمایا کہ خیانت کرنیوالے اور لوٹنے والے اور چھیننے والے کا ہاتھ قطع نکیا جائے اور فرمایا کہ اس پھل میں بھی ہاتھ نہ کاٹنا چاہئے جو درخت پر لٹکتا ہو اور نہ ایسی چیزمیں جو پہاڑ میں محفوظ ہے یعنی اشارہ ہے کہ سرقہ میں حفاظت شرط ہے۔

اور مثلاً عیش پسندی نہایت درجہ کی ایسی حالت بھی نہایت خراب امر ہے لیکن وہ ٹھیک باقاعدہ نہیں ہے کہ اسکے موقع ظاہری نشانات سے متمیز ہوں جنکی وجہ سے ہر ایک انکے منع والے سے باز پرس کر سکیں اور اس میں کسی کو شبہ نہ رہے کہ انہیں امور میں عیش پسندی پائی جاتی ہے اور یہ امر معلوم ہے کہ عجمیوں کی عادات عمدہ سواریوں بلند بلند ایوانوں۔ فاخرہ لباس قیمتی زیورات وغیرہ میں نہایت درجہ کی عیش پسندی تک پہنچ گئیں تھیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی بعض لوگوں کے سامان عیش اوروں کی نظر میں تنگئ عیش ہوا کرتی ہے اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حسن فن کا حصول جید شی ہی سے ہوتا ہے اور ردی سے بھی لیکن ردی شے کا استعمال کرنا عیش پسندی نہیں ہے اور بلا قصد جودت کسی جید شے سے منتفع ہونا یا اکثر اوقات

یہ کہ کسی جنس کا عمدہ اشیاء کا پسند ہونا عیش پسندی نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ شرع نے ہر صورت میں عیش پسندی کی خرابیاں بیان کیں
اور ان اشیاء کا خصوصیت کیساتھ ذکر کیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کیلئے متمتع ہو کرتے ہیں اور جن سے عیش حاصل
کرنے کی عادت ان ممالک میں عادت شائع ہو چکی ہے اور شرع نے تحریم اور ذم کو ان اشیاء پر متعلق پایا تھا اسواسطے شرع نے کمال عیش و آرام
کے موقعوں پر کو تو بالکل حرام کر دیا اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع کیا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں انکی عادت ہے
ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا اسی لئے حریر اور سونے چاندی کے برتن نہیں محرم ابواب سے شمار کئے گئے ہیں
اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عیش و آرام کی حقیقت اسکو پایا کہ وہ ایک امر نافع سے عمدہ شے پسند کیجاتے اور ردی سے
اعراض کیا جائے اور کمال عیش کا موقع اس کو پایا کہ ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف عمدہ ہی کو اختیار کریں اور ردی کو بالکل ترک
کر دیں وہ معاملات میں اس قسم کے معاملات کو بھی موجب معصیت قرار دیا نہیں کہ ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف عمدہ ہی اختیار کی
جائیں اور ردی بالکل ترک کر دیجائیں البتہ بعض بعض بلادوں میں اسکا لحاظ بھی کیا جاتا ہو لیکن قوانین شرع میں ایسے بلادوں کا
کچھ اعتبار ملحوظ نہیں ہے اسواسطے شرع نے ایسے معاملات کو بھی حرام قرار دیا ایسے حالات بھی عیش پسندی کی صورت اور مثال
ہے انکی تحریم بھی مقتضائے طبع ہے مقتضائے طبیعت کے لحاظ سے عیش پسندی مکروہ امر ہے اور جب اسی مقتضائے طبیعت
کیوجہ سے اشیاء کے موقع پر میں وزن و بیع کی صورتیں ہوں تو ان میں بھی بطریق اولیٰ حرام ہونگے نقد کو نقد کے بدلے میں رکھا نے
کی چیز کو اسی کی جنس کے بدلے میں بڑھا کر فروخت کرنا اسی قاعدہ سے مستنبط ہو کر حرام کیا گیا ہے لیکن کسی عمدہ شے کا زیادہ قیمت سے
فروخت کرنا حرام نہیں ہے جبکہ جنس ایک نہیں ہے تو زیادتی کے بدلے میں اصل شے ہوگی مبیع کا وصف۔ ایسے ہی ایک
چھوکری کا دو چھوکریوں کے بدلے میں اور ایک کپڑے کا دو کپڑوں کے بدلے میں بھی خرید نا حرام نہ ہوگا اسلئے کہ یہ اشیاء ذوات القیم
سے ہیں اسواسطے قیمت کی زیادتی اس شے خاص کی خواص کے بدلہ میں قرار دیجائیگی اور یہ جو وہ بھی انہیں خواص میں مندرج
ہو جائینگی اس لئے بازی لگاتے ہیں جو ورت کا کچھ اعتبار نہ رہیگا ہماری ان تمہیدات سے اس باب کے متعلق بہت سے نکتے
منکشف ہو سکتے ہیں مثلاً حیوان کے بدلے حیوان کو خریدنا کیوں مکروہ ہے وغیرہ ذالک۔

کبھی دو چیزیں باہم ہمرنگ معلوم ہوتی ہیں ان دونوں میں مخفی امور کیوجہ سے تمیز ہوا کرتی ہے جنکو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور انکی امت میں راسخ العلم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں اسواسطے ضرورت پیش آتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی ظاہری علامت
معلوم کیجائے اور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے ان علامتوں کا کوئی حکم قرار دیا جائے اور ان میں باہم علیحدگی احکام بتائے جائیں
مثلاً نکاح اور زنا۔ نکاح اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ مصلحت ٹھیک ہو جائے جس پر انتظام عالم کا مدار ہے
کہ زن و شوہر میں باہم ہمدردی ہو نسل کی امید کی جائے شرمگاہ محفوظ رہے اور یہ تمام امور پسندیدہ اور منجملہ مقاصد کے ہیں
اور زنا کی حقیقت یہ ہے کہ نفسانی شورش فرو کر دیجائے خواہش نفسانی کا اتباع کیا جائے حیا کی پردہ دری کی جائے
جس سے نفس کو آزادی ہو اور سلطنت کی اور نظم عالم سے گمراہی ہو اور یہ امور ناخوشی کے باعث اور ممنوعات سے ہیں
لیکن نکاح اور زنا اکثر امور میں یکساں معلوم ہوتے ہیں دونو سے خواہش نفس دور ہوتی ہے طبیعت کی سوزش جاتی رہتی ہے
دونوں میں عورتوں کی جانب میلان ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہوئی کہ ظاہری علامات سے ایک کو دوسری سے

بالکل تمیز ہوجائے اور جلب منفعت کا اس پر مدار ہو اسواسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی تعیین چند امور سے قرار دی
(۱) یہ کہ نکاح عورتوں سے کیا جائے نہ مردوں سے کہ نسل کی امید صرف عورتوں سے ہو سکتی ہے (۲) یہ کہ پیشتر قصد اور
مشورہ اور اعلان سے ہو۔ اسی لئے گواہوں اور ولی کی موجودگی اور عورت کی رضامندی اسمیں شرط کی گئی ہے (۳) وہ دونوں یہ
قرار دیں کہ ایکدوسرے کے معاون رہینگے اور یہ صورت اکثر اوقات جب ہی ہو سکتی ہے کہ عقد دائمی اور لازمی طور پر ہو کہ
کوئی میعاد معین نہ ہو اسواسطے نکاح پوشیدگی میں اور متعہ اور لواطت حرام قرار پائے۔

اور اکثر کوئی نیک کام کسی دوسرے نیک کام کے مشابہ ہوا کرتا ہے جو دوسرے کام کے مقدمات میں سے ہوا کرتا ہے
اسواسطے ان دونوں میں فرق کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جیسے قومہ اسلئے مشروع ہوا ہے کہ رکوع اور سجدہ کے ہونے میں جو سجدہ
کے مقدمات میں سے ہے فرق ظاہر ہو جائے۔

کبھی کوئی رکن یا شرط حقیقت میں مخفی امر اور افعال قلبی میں سے کوئی کام ہوا کرتا ہے۔ اسواسطے افعال بدنی میں سے کوئی فعل
یا کوئی قول اس امر مخفی کے انضباط کیلئے علامت قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ نیت اور خدا کی حضور میں اخلاص کیساتھ کوئی کام کرنا امر مخفی ہے
اسلئے استقبال قبلہ اور نیت اسکی علامت مقرر کر کے نماز میں اصل شے کر دیئے گئے۔

جب نص میں کوئی لفظ مذکور ہو یا کوئی مقسم حکم کیلئے مدار علیہ قرار دیا جائے اور پھر بسبب بعض مادوں میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے
تو یہ مناسب ہے کہ اس لفظ کے معنی معلوم کرنے یا کسی قسم کی تعریف جامع اور مانع کے معلوم کرنے میں اہل عرب کی عرفی حالت
کیطرف رجوع کیا جائے جیسے روزہ کے متعلق نص میں ماہ رمضان وارد ہوا ہے لیکن ابر کیوقت اسکی تعداد میں شبہ ہو جاتا ہے
اسلئے اس کا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس روز پورے کر لینے چاہئیں۔ مہینہ کبھی تیس کا ہوتا ہے
کبھی انتیس کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر كذا (ہم امی ہیں اسلئے مہینہ کو نہیں
لکھتے اور نہ اسکا ایسا حساب کرتے ہیں)۔

ایسے ہی قصر میں قصر کا لفظ نص میں وارد ہوا ہے اور بعض مادوں میں سفر کے معنی معلوم کرنے میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے
اس لئے صحابہ نے حکم کیا کہ سفر جب ہوتا ہے کہ مکان سے ایسی جگہ جائیں کہ جہاں پورے ایک روز اس شب کو شروع حصہ میں پہنچ سکیں
اسکی مسافت ایک روز اور دوسرے روز کا کچھ حصہ ہو۔ اسطرح پر سفر کا اندازہ چار بردوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو حکم خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے ہے اور لوگوں کے لئے وہ حکم نہیں ہے اسوقت میں اس حکم کا
مدار اس شے کی حقیقت کو قرار دینا نہیں چاہئے بلکہ امر مظنون کو قرار دینا چاہئے۔ امام طاؤس کا عصر کے بعد دو رکعتوں میں یہی قول ہے کہ
انکی ممانعت اسلئے کی گئی ہے کہ لا تتخذ سلما۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اصل حقیقت سے واقف تھے آپکی شان میں امر مظنون کا اعتبار نہیں کرنا
چاہئے دریافت حقیقت کے بعد گمان کا کیا احتمال ہے مثلاً چار بیبیوں سے زیادہ سے شادی کرنے میں احتمال تھا کہ بیبیوں کی معاشرت
میں کوئی قباحت پیدا ہو جائے اور انکے حقوق میں کسی قسم کی فروگذاشت ہو اور لوگوں کو اس کا شبہ ہو سکتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خوب
معلوم تھا کہ انکی معاشرت میں کون سے امور پسندیدگی کے قابل ہیں اسلئے گمان کے موافق انکے متعلق کوئی حکم نہیں دیا گیا آنحضرت
کا بعض امور کو اپنے لئے خاص کر تہذیب نفس کے علاوہ کسی رسم کی تحقیق اور باقی رکھنا مقصود ہوا کرتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نہ بیع کے ساتھ کسی شرط کے لگانے سے منع فرمایا ہے پھر آپ نے ایک وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شرط پر خرید فرمایا کہ مدینہ تک وہ اُن کی سواری میں رہے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے کسی امر کی تخصیص اسلئے ہوا کرتی ہے کہ اس کام کو قابل وہ شخص نہیں ہوا کرتا جس میں مادہ عصمت کا نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا روزہ دار کے بوسہ کے متعلق قول ہے ایکم یملک اربہ کما کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یملک اربہ (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیطرح کون شخص خواہش نفس پر غالب ہے) یا وجہ تخصیص یہ ہوتی ہے کہ آپ کا نفس قدسی کسی خاص نیک امر کا مقتضی ہوا کرتا ہے اسواسطے آپ پر اس کا کرنا واجب کردیا جاتا ہے جیسے کہ کسی قوی آدمی کو زیادہ غذا کی رغبت ہوتی ہے ایسے ہی نفوس عالیہ کو خدا کیجانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے مثلاً نماز تہجد۔ نماز چاشت کی واللہ اعلم ۔

باب ۶۷
مذہبی آسانیوں کا بیان

خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک (خدا کی رحمت کیساتھ لوگوں سے نرمی کرو اگر تم سخت دل سے پیش آؤ گے تو لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہوجائینگے) اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (خدا تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابو موسے اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کیجانب روانہ کیا تو اُن سے فرمایا۔ یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا (آسانیاں پیدا کرنا دشواریاں پیدا نہ کرنا لوگوں کو خوش کرنا متنفر نہ کرنا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا۔ اختلاف نہ کرنا) ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین (تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو) ۔

معلوم کرنا چاہیے کہ تیسیر کی چند صورتیں ہیں (۱) یہ کہ طاعت کیلئے کوئی ایسی چیز رکن یا شرط قرار نہ دیجائے جسکا ادا کرنا لوگوں پر دشوار ہو۔ اسکی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ (اگر میں امت کے لوگوں پر دشوار نہ سمجھتا تو میں ہر ایک نماز کیلئے مسواک کرنیکا حکم کرتا) ۔

(۲) یہ کہ بعض امور طاعت کو منجملہ رسوم کے قرار دینا چاہیے جن پر فخر و مباہات کی جایا کرتی ہے۔ ان امور کو اُن امور میں داخل کرنا چاہیے جن کو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لایا کرتے ہیں مثلاً عیدین جمعہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تاکہ یہودی جان لیں کہ ہمارے مذہب میں کیسی وسعت ہے۔ بڑے بڑے مجموں میں اپنے آپکو مزین کرنا اور عزو مباہات کے کاموں میں ایکدوسرے سے سبقت کا طالب ہونا اور منافست کرنا لوگوں کا خاص طریقہ ہے ۔

(۳) یہ کہ طاعات میں وہ امور مسنون کرنے چاہئیں۔ جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اُسکی خواہاں رہے اور دونوں جمع ہو کر ایکدوسرے کی معاون رہیں۔ اسیوجہ سے مسجدوں کا پاکیزہ اور ستھرا

رکھنا، روز جمعہ کو غسل کرنا اس روز خوشبو لگانا مسنون ہے اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا اور اذان کا خوش آوازی سے پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

(۴) یہ کہ لوگوں کی طبیعتوں پر سے گرانی دور کیجائے جس سے وہ بالطبع متنفر ہوں۔ وہ ناپسند سمجھی جائے۔ اسی لئے غلام اعرابی اور مجہول النسب کی امامت مکروہ خیال کیگئی ہے لوگ اس قسم کے لوگوں کی امامت سے دل گرفتہ ہوا کرتے ہیں۔

(۵) بعض وہ امور بحال خود باقی رکھے جائیں۔ جو اکثر لوگوں کی طبیعت کے موافق ہوں یا ان امور کے ترک کرنے سے انکو دل تنگی معلوم ہوتی ہو۔ جیسے سب سے زیادہ مستحق امامت کے لئے سلطان اور مالک خانہ قرار دیا گیا ہے اور جو شخص نئی عورت سے شادی کرے تو انکے لئے اولا سات روز یا تین روز خاص کرکے پھر دیگر بیبیوں میں اپنی نوبت کو تقسیم کردے۔

(۶) یہ کہ لوگوں میں یہ معمول قرار دیا جائے کہ انکو علم ونصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ امور بھر جائیں اور بلا وقت وہ نوامیس کے مطیع رہیں۔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے رہا کرتے تھے کہیں ان میں ناگواری اور سستی نہ پیدا ہو جائے۔

(۷) یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بعض ان امور کو عمل میں لاتے رہیں جن کا لوگوں کو حکم کرتے ہوں یا انکے کرنے میں لوگوں کو مجاز کرتے ہوں تاکہ آپ کے فعل پر لوگوں کا حافظہ ہے۔

(۸) ہمیشہ خدا تعالیٰ سے التجا کرتے رہیں کہ لوگوں میں تہذیب آجائے وہ کامل بنجائیں۔

(۹) یہ کہ پیغمبر کے ذریعہ سے خدا کیجانب سے اطمینان اور سکینہ نازل ہوتی رہے اور لوگ نبی کی حضوری میں ایسے ہو جائیں گویا انکے سر پر پرندے بیٹھے ہیں (مردے)

(۱۰) جو شخص حق سے سرتابی کرے اسکو ذلیل اور محروم کردینا چاہئے۔ جیسے قاتل کو ورثہ نہیں ملتا۔ اور اکراہ کی صورت میں طلاق نافذ نہیں ہوتی۔ ایسی حالتوں میں جب زبردستی کرنیوالوں کی غرض حاصل نہ ہوگی تو وہ جبر اور اکراہ کرنے سے باز رہینگے۔

(۱۱) جن امور میں محنت اور مشقت ہو انکو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسی کے متعلق قول ہے کہ قرآن میں اول وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں صرف جنت دوزخ کا ذکر تھا۔ اور جب اسلام پر لوگ ٹوٹنے لگے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اگر شروع ہی سے لاتشربوا الخمر (شراب مت پیو) نازل ہوتا تو لوگ کہدیتے کہ ہم شراب کبھی ترک نہ کرینگے۔ اور لاتزنوا (زنا مت کرو) نازل ہوتا تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کو ترک نہ کرینگے۔

(۱۲) یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ فعل ترک کردینا چاہئے جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو فتنہ کے لحاظ سے بعض مستحب امور ترک کردینے چاہئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة ولبنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام (اگر تیری قوم سے زمانہ کفر کا قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔

(۱۳) شارع نے مختلف نیکیوں وضو غسل۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج وغیرہ کا حکم دیا ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں رکھا سب کیلئے ارکان شرائط و آداب کو پوری طرح سے منضبط نہیں کیا بلکہ ان کی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا تاکہ وہ چی

عقل سے ان لفظوں کے معانی اپنی عادت کے موافق خود سمجھ لیں یہ تو شارع نے بیان کر دیا کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی لیکن دونوں کے مخارج کی تفصیل نہیں کی جن پر سورۂ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے۔ اس سورت کی تشدیدیں حرکات سکنات نہیں بیان کئے اور یہ شارع نے یہ بیان کر دیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے اور یہ بیان کر دیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہیں لیکن اس کا کچھ ذکر نہیں فرمایا کہ درہم کا کیا وزن ہوتا ہے اور جب اس قسم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو انہیں امور سے جواب دیدیا جو ان کے خیال میں تھے۔ اور رمضان کے دن کی نسبت فرمایا کہ ابر ہو تو ماہ شعبان کے تیس روز پورے کرلو اور نیز پانی کی نسبت جو بیابان میں ہو درندے چارپائے وہاں آتے جاتے ہوں فرمایا اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا جب پانی بقدر قلتین کے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا عرب میں ان امور کی اصل موجود تھی۔ جیسے ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب سب اشیاء کی حقیقتیں بیان کی جائینگی تو ان میں ظہور و خفا اور عدم انضباط لابدی ہوگا تو پھر ان کے بیان کی ضرورت پڑیگی اور ایسے ہی ضرورت پڑتی جائیگی اور دور سے تراجع ہوگا اور چونکہ ہر ایک امر کی تعیین میں کسی قدر دقت ہی ہوا کرتی ہے جب بہت سے تعینات ہو جاوینگے تو دقتیں بہت زیادہ ہو جاینگی۔ اور نیز شرع کے اوامر و نواہی سب ہی ہوا کرتے ہیں تو ان تفاصیل میں سب حدود و تعریفات کے محفوظ رکھنے میں زیادہ دقت ہوگی۔

اور نیز اگر لوگ ان امور کا زیادہ اہتمام کریں جن سے نیکیاں محدود کیجاتی ہیں تو وہ ان نیکیوں کے فوائد معلوم نہ کر سکینگے اور نیکیوں کے ارواح کیجانب انکی توجہ نہ ہوگی اکثر قراء کو دیکھو تو انکی دلی توجہ زیادہ لفظوں کی طرف ہوا کرتی ہے انکو معانی قرآن کے غور کرنیکی طرف کچھ توجہ نہیں ہوا کرتی۔ اسلئے مصلحت یہی ہے کہ انضباط کے بعد اور امور کو ان کی ہی رائے پر چھوڑ دیں اور نیز شارع نے لوگوں کو انہیں امور سے خطاب کیا ہے۔ جو فن حکمت اور علم کلام اور علم اصول کے دقائق میں غور کرنے سے پیشتر ہی سے ان کی عقلوں میں فطری طور پر ودیعت رکھے گئے تھے۔ اسیواسطے خدا تعالیٰ نے اپنی جہت کو ثابت کیا۔ فرمایا الرحمن علے العرش استوی (خدا عرش پر ٹھیرا ہوا ہے) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کالے رنگ کی عورت سے فرمایا این اللہ (خدا کہاں ہے) اس عورت نے آسمان کیطرف اشارہ کیا تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عورت ایماندار ہے شارع نے استقبال قبلہ۔ اور نماز اور عیدین کے اوقات معلوم کرنے کیلئے لوگوں کو علم ہیئت یا ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی۔ اور اپنے قول القبلۃ ما بین المشرق والمغرب اذا استقبل الکعبۃ (قبلہ وہی ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان کعبہ سامنے ہو جاوے) میں سوال کی وجہ کیطرف اشارہ فرما دیا اور کہا الحج یوم تحجون والفطر یوم تفطرون (جس روز تم حج کرتے ہو وہی حج کا دن ہے اور جس روز افطار کرتے ہو وہی یوم الفطر ہے) واللہ اعلم۔

باب ۶۸

ترغیب اور ترہیب کے اسرار میں

خدا تعالےٰ و تبارک کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کو ثواب دے

مذہب بتادیا جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں اگر نہ بتایا ہوتو لوگ اس سے گناہ کردیں اور ان کے دل سیاہ ہو جاتے اور وہ عیوب میں اور اپنے ذاتی مقصد اور ارادہ سے ہوتے ان شرائع کی پیروی کریں۔ جیسے کہ اور باقی امور کی بھی واسطہ کیا کرتے ہیں جن سے کوئی فائدہ یا ضرر ہوتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے ۔

اسی کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انہم ملاقوا ربہم وانہم الیہ راجعون یعنی بیشک نماز ایک بڑی بھاری چیز ہے لیکن ان خوف کرنے والوں پر جنکو خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے پروردگار سے ملینگے۔ اور اسی کی حدیث پھر جائیگی ترغیب اور ترہیب سے متعلق قواعد کلی ہیں تمام جزئی امور ترغیب اور ترہیب کے انہیں پر ختم ہوتے ہیں فقہاء صحابہ نے گرچہ ان قواعد کو تفصیلاً منضبط نہیں کیا تھا لیکن اجمالاً وہ خوب ان سے واقف تھے کچھ دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں بھی تمہارے لئے اجر ہے صحابہ نے عرض کیا کہ کیا کوئی خواہش پوری کرے جب بھی ثواب ملتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ نے فرمایا کیوں اگر حرام میں خواہش کا استعمال کرتے تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں اسلئے صحابہ کا اس مسئلہ میں توقف کرنا اور اسکی وجہ کا مشتبہ ہونا اسی وجہ سے تھا کہ وہ اعمال اور اعمال جزاؤں کی مناسبت سے خوب واقف تھے اسکو خوب جانتے تھے کہ اعمال کے نتیجوں کی باہمی تعلق دلیل ہوا کرتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے سوال کرنے اور جواب میں ایک دلیل صاف کے لحاظ رکھنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی اور اس قول کی نظیر یہی ہے کہ حضرت نے حدیث لو کان علی ابیک دین اکنت قاضیہ قال نعم فدین اللہ احق ان یقضی اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو تو ادا کرتا یا نہیں اس نے کہا ہاں ادا کرتا آپ نے فرمایا پس خدا کا قرضہ زیادہ ادا کرنے کے قابل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کو قواعد کلیہ سے تعلق ہوا کرتا ہے صحابہ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نیکیوں میں تہذیب نفس ہوا کرتی ہے مثلاً تسبیح تہلیل تکبیر یا شہر کے انتظام میں ان سے کوئی مصلحت قائم ہوا کرتی ہے اور برائیوں میں ان دونوں کے خلاف امور ہوا کرتے ہیں۔ اور خواہش نفس میں طبیعت کی خواہش کی پیروی ہوتی ہے اس میں عادات سے زیادہ کوئی اور مصلحت نہیں ہوتی صحابہ کا منشاء سوال اسی کو سمجھنا چاہئے یا ایسا ہی کوئی اور امر خیال کر لینا چاہئے جسمیں کسی امر کلی کا معلوم کرنا پیش ہے اور اسکی طرف سوال کے پھیرنے میں غرابت نہ ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں خاوند اور بیوی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے۔ اور زنا میں اس سے نجات ملجاتی ہے کہ بے موقع خواہش نفس پوری کی جائے ۔

ترغیب اور ترہیب کے طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اور ہر ایک طریقہ کا راز جدا ہوتا ہے۔ ان میں بڑے بڑے طریقوں سے آگاہی کیجاتی ہے ۔

ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ تہذیب نفس میں کسی کام کا جو اثر ہوتا ہے وہ بیان کر دیا جائے نفس کی نیک قوتوں میں سے ایک قوت غالب ہوجائے یا مغلوب ہو اسی کو زبان شرع میں نیکیوں کا لکھا جانا اور برائیوں کا محو ہو جانا کہتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیئ قدیر روزانہ ایک بار پڑھ لیا کرے تو یہ دس بردہ آزاد کرنے کے برابر ہے اس کی سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں اس سے محو کی

جاتی ہیں اور اس روز شام تک محفوظ رہتا ہے ایسے شخص سے زیادہ کسی کا عمل عمدہ نہیں ہوتا مگر جس شخص کا جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ اس حدیث کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور منجملہ انہیں باتوں کے یہ ہے کہ اس عمل کا وہ انداز بیان کیا جائے جسکی وجہ سے شیطان وغیرہ سے حفاظت ہوتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شام تک شیطان سے حفاظت رہتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بد کار لوگ ایسا نہیں کر سکتے یا اس عمل سے رزق میں زیادتی اور برکت کا ظہور ہوا کرتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص خدا سے سلامتی طلب کرتا ہے اور یہی درخواست قبولیت دعا کا سبب پڑتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کی جانب سے فرمایا ہے ومن استعاذنی لاعیذنہ ومن سالنی لاعطینہ اگر بندہ مجھ سے کسی امر سے پناہ چاہیگا میں اسکو پناہ دونگا۔ اور اگر کسی امر کی مجھ سے درخواست کریگا میں اسکو پورا کرونگا۔ اور بعض اور حدیثوں میں وارد ہے کہ ذکر الٰہی میں فرو ہو جانے اور عالم جبروت کیطرف متوجہ ہونے اور ملکوت سے مدد طلب کرنے سے طالب اور مطلوب میں قسمی مناسبت ہو جایا کرتی ہے۔ اور مناسبت ہی تاثیر کا مدار ہوا کرتا ہے اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ جسکی ایسی حالت ہوا کرتی ہے۔ تو ملائکہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اسکی وجہ سے منافع حاصل ہونے اور مضرت کے دفع ہونے کے اکثر ذرائع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

موجبات ترغیب اور ترہیب یہ ہے کہ عالم معاد میں اعمال کا اثر بتایا جائے۔ دو مقدموں سے اس کا اصلی راز معلوم ہوتا ہے اول یہ کہ معاد میں کسی شے کو ثواب اور عذاب کا سبب قرار نہیں دے سکتے۔ جبتک کہ جزا کے دو سببوں میں سے کسی سبب کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت نہ ہو۔ دوم یہ کہ ان چاروں اخلاق میں سے کسی ایک میں داخل ہو۔ جن کے ہونے نہ ہونے پر سعادت اور تہذیب نفس کا مدار ہے وہ اخلاق یہ ہیں۔ نظافت رب العالمین کی حضور میں نیازمندی نفس کی سماحت و فیاضی اسکی کوشش کرنا کہ لوگوں میں عدل قائم ہو یا انکو ان امور کے اجزا میں دخل ہو جس پر ملاء اعلے کا اتفاق ہوا کرتا ہے کہ شارع کو اس کا علم ہو۔ اور انبیا علیہم السلام کی مدار ہو اور عمل اور سبب جزا میں مناسبت کے معنی یہ ہیں کہ اس عمل سے وہ سبب خود حاصل ہوتا ہو یا اسکو عادۃً لازم ہو یا اس کے لئے ذریعہ ہو مثلاً دو رکعتوں کو اس طرح ادا کریں کہ کوئی نفسانی وسوسہ پیش نہ آنے تو اس سے ثبوت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کے جلال کی یاد اور عاجزی کا اثر ہے اور بہیمیت کی پستی سے ایک قسم کی ترقی کا اسمیں ظہور ہے اور ایسے ہی پورا پورا وضو کرنا پاکیزگی کا باعث ہے جس کا اثر نفس پر پڑتا ہے اور مال کثیر کا صرف کرنا جس میں کہ دلی طور پر بخیلی کی جایا کرتی ہے یا کسی کے ظلم کو معاف کر دینا اور خدا کے حقوق میں ریا کو ترک کرنا نفس کی سماحت کی دلیل اور اسکو لازم ہے اور ایسے ہی بھوکے کو کھانا کھلانا پیاسے کو پانی پلانا قوموں میں آتش جنگ کے بجھانے میں کوشش کرنا۔ اصلاح عالم کی دلیل اور ذریعہ ہے اور عرب سے محبت رکھنا ذریعہ ہے کہ انہیں کی سی وضع اختیار کیجائے اور اسکی وجہ سے ملت حنیفی کی پسندیدگی کا موقع ہو سکیگا۔ یہ شریعت عادات عرب کے ہی موافق معین کی گئی ہے اس پسندیدگی سے شریعت مصطفوی کی عزت اور شان حاصل ہوتی ہے اور وقتاً فوقتاً بیرونجات اختیار کرتے رہنا اور مذاہب کے خلط اور تحریف نہ ہونے کی دلیل ہے۔ لوگوں کے گذشتہ وقتوں کے حکما ارباب فراست اطبا وغیرہ اشیاء کے مواقع کو مدار علیہ احکام قرار دیتے رہتے ہیں۔ قدیم ملکوں کی عادات میں عرب کی بھی یہی روش رہی ہے۔ بعض بعض یہی صورتیں ہم ذکر بھی کر چکے ہیں۔

یا وہ عمل شاق یا گم شدہ یا طبیعت کے مخالف ہو اُس پر وہی شخص اقدام کر سکے جس میں کامل اخلاص ہو۔ اسلئے
یہ عمل اخلاص دینی کا شعار ہوا کرتا ہے۔ مثلاً آب زمزم سے سیرابی حاصل کرنا اور حضرت علی رضہ سے محبت رکھنا۔ اسلئے
حضرت علی رضہ خدا کے احکام کی تعمیل میں نہایت سخت تھے اور انصار سے محبت رکھنا اسلئے کہ عرب کی قومیں باہم
ایک دوسرے سے متنفر تھیں۔ اسلام نے ان میں الفت پیدا کر دی تھی۔ اسلئے اُنسے محبت رکھنا دلیل ہے کہ اُسمیں اسلام
کی بشاشت سرایت کر گئی ہے اور جیسے پہاڑ پر چڑھ کر دیکھنا اور اسلامی لشکروں کی نگرانی کرنا کہ یہ کلمۃ اللہ کی اعلان
اور دین الٰہی میں اسکی توجہ کامل ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے اور اسکو وہ نفسانی حالتیں پیش آتی ہیں جو نفس میں راسخ تھیں
خواہ وہ نفس کے موافق تھیں یا مخالف تو اُس پر بتقریب تکلیف و آرام کی صورتیں ظاہر ہونگی۔ ان نفسانی حالات اور تکلیف و
آرام میں گو کوئی عقلی مشابہت نہ ہو۔ لیکن یہ لازمہ کی ایک دوسری قسم ہے جس سے نفس کے بعض امور کی بعض کیطرف
کشش ہوتی ہے اور اسی طرح پر خواب میں بھی معانی خاص خاص صورتوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ جیسے شرمگاہوں اور منہوں
پر مہروں کا مہر لگانا دلیل تھا کہ وہ لوگوں کو مباشرت عورات اور کھانے وغیرہ سے باز رکھنا چاہتا ہے عالم مثال میں خاص خاص مناسبتیں ہو
تی ہیں جن پر احکام کا دوران ہوا کرتا ہے حضرت جبرئیل جو دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے وہ ایک خاص معنی کیوجہ
سے تھا اور خاص وجہ ہی کے سبب حضرت موسے علیہ السلام کے سامنے آگ کا ظہور ہوا تھا۔ جو شخص اس مناسبت کو بخوبی سمجھتا ہو
وہ جان سکتا ہے کہ جزائے اعمال کی کیا صورت ہوگی۔

بہرحال نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص علم کو مخفی رکھتا ہے اور تعلیم سے اپنے آپکو روکتا ہے حالانکہ
تعلیم کی ضرورت ہوا کرتی ہے تو خدا تعالے آگ کی لگام سے اُس کو عذاب دیگا۔ یہ تشبیہ اسلئے دیگئی ہے کہ ایسے بخل سے نفس کو تکلیف
ہوتی ہے اور لگام کا عذاب اور صورت لگام کے مشابہ ہے۔ اور جو شخص مال سے زیادہ محبت کرتا ہے ہمیشہ اُس کا دل مال ہی سے متعلق رہتا
ہے اُسکی گردن میں گنجے سانپ کا طوق ڈالا جائیگا۔ اور جو شخص دراہم و دنانیر چاندی سونے کی حفاظت میں سخت تکلیف برداشت کرتا ہے
اور خدا کی راہ میں اُنکے خرچ میں بہت احتیاط کرتا ہے اُس کو انہیں اشیاء کے ذریعہ سے عذاب دیا جائیگا جیسے تکلیف دینے کا طریقہ
عالم مثال کی نظر میں مقرر ہے اور جو شخص لوہے کی چھری یا زہر وغیرہ سے اپنے آپکو تکلیف دیتا ہے اور اس وجہ سے وہ خدا کے حکم کی
مخالفت کرتا ہے تو انہیں صورتوں سے اسکو عذاب دیا جائیگا۔ اور جو شخص محتاج کو کپڑے پہنائیگا قیامت کے روز جنت کے
سندس سے اسکے کپڑے بنائے جائینگے۔ اور جو شخص مسلمان کو آزاد کرے اور غلامی کی مصیبت سے جو اسکو چاروں طرف سے گھیرے
ہوئے ہے آزاد کر دیگا تو اُس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلہ میں اُس مالک کا ہر ایک عضو دوزخ سے آزاد کیا جائیگا۔

اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ اعمال کو اُس چیز سے مشابہت دیں جسکی خوبی یا برائی ذہنوں میں شرع یا عادت کی وجہ سے راسخ
ہو جاتی ہے اور اسوقت میں ضرور ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی جامع امر چاہئیے جو کسی نہ کسی وجہ سے دونوں میں بالاشتراک پایا
جائے۔ جیسے اس شخص کو جو نماز صبح سے طلوع آفتاب تک انتظار کیحالت میں مسجد میں بیٹھا ہے۔ صاحب حج اور عمرہ کیساتھ
مشابہت دیگئی ہے۔ اور اُس شخص کی جو ہبہ کر کے کسی چیز کو واپس کرے اُس کتے کے ساتھ مشابہت دیگئی جو قے

کرکے پہننے کو بُرا جانے یا اس عمل کو معیوب لوگوں یا قابل نفرت لوگوں سے مشابہت دیکھی ہو یا اس عمل کے کرنیوالے کے
حق میں دعا یا بد دعا وارد ہوئی ہو اس تشبیہ سے اگر اس عمل کے حمد یا قبیح ہونے کی وجہ کا لحاظ بھی نہ کیا جائے تاہم اس سے اس
عمل کی اجمالی حالت معلوم ہو جایا کرتی ہے۔ جیسے شارع کا قول ہے تلک صلوۃ المنافق یہ منافق کی نماز ہے، اور جیسے ارشاد ہوا
لیس منا من فعل کذا جو شخص ایسا کام کرے گا وہ ہم سے نہیں ہے، یا فرمایا وہذا العمل عمل الشیاطین او عمل الملائکۃ ورحم اللہ امرأ
فعل کذا و کذا ایسا کام شیاطین یا فرشتوں کا سا ہے اور جو شخص ایسا کام کرے گا خدا اس پر رحم کرے اور اسی قسم کی اور عبادتوں کو
قیاس کر لینا چاہئے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ عمل کی حالت ہی ایسی ہو جس سے خدا تعالےٰ کی خوشی یا ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے اسکی وجہ
ملائکہ کی دعا یا بد دعا کا اس سے تعلق ہوتا ہو جیسے شارع کا قول ہے ان اللہ یحب کذا و کذا او یبغض کذا و کذا اللہ ایسا ایسے امور کو پسند
کرتا ہے اور فلاں فلاں کو بُرا جانتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی میامن الصفوف
داہنی جانب کی صفوں پر خدا اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں، اسکا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

باب ۶۹

کمال مطلوب کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے امتِ محمدیہ کے طبقات اور درجات

اس باب کے متعلق اصلی حالت سورہ واقعہ میں مذکور ہے وکنتم ازواجاً ثلثۃ فاصحب المیمنۃ ما اصحب المیمنۃ واصحب المشئمۃ
والسابقون السابقون اولئک المقربون آخر سورہ تک اور تم تین جوڑے ہو اصحاب الیمین اور اصحاب الیمین کیا ہیں اور
اصحاب المشئمۃ اور اصحاب المشئمۃ کیا ہیں اور جو لوگ سب پر سبقت لیجانے والے ہیں وہی مقرب ہیں، اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے
ثم اورثنا الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ (پھر ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا
جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا پس بعض لوگ اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے ہیں بعض میانہ رو بعض نیکیوں میں
سب سے آگے بڑھنے والے خدا کے حکم سے) تم نے معلوم کیا ہے کہ سب سے اعلےٰ درجہ کے نفوس مفہمین کے ہیں، ہم نے ان کا پہلے
ذکر کیا ہے، اور مفہمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کا سابقین نام ہے سابقین کی دو قسمیں ہیں (۱) قسم اصحاب اصطلاح
اور بلندی ہیں، ان کی استعداد بھی کمالات کے حاصل کرنے میں مفہمین کی سی ہی ہوا کرتی ہے لیکن انکی کمالت اور سعادت
مفہمین کے درجہ تک نہیں پہنچا کرتی۔ ان کی استعداد خفیہ آدمی کی مانند ہوتی ہے۔ ایک بیدار کرنیوالے کی انکو ضرورت
ہوا کرتی ہے جب پیغمبروں کی خبریں انکو بیدار کر دیتی ہیں تو وہ ان علوم کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، جو مخفی مناسبت کی وجہ
سے جو ان کے باطن نفوس میں موجود ہوتی ہے انکی استعداد کے مناسب ہوا کرتی ہیں اسلئے وہ لوگ مجتہدین مذہب کے
مرتبہ کے ہوتے ہیں ان کے الہامات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اجمالی اور کلی احکام کو اخذ کر لیتے ہیں حظیرۃ القدس میں انکو
ایک قسم کی استعداد شامل ہوا کرتی ہے۔ اکثر سابقین میں یہ امر مشترک ہوا کرتی ہے پیغمبروں نے انکو بیان کیا ہے (۲)
قسم اصحاب تجاذب اور علو کی ہے۔ توفیق الٰہی سے وہ ایسی ریاضتیں اور توجہات میں مشغول رہتے ہیں۔ جو ان کی طاقت جیسی

کو منسوب کر دیتی ہیں۔ کمال عملی اور کمال علمی کے ذریعہ سے حقائق امور انکو حاصل ہوتے رہتے ہیں اپنے امور دین انکو پوری بصیرت
ہوا کرتی ہے۔ واسطے انکو خداوندی واقعات۔ راہنمائی اور اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے صوفیہ کرام کے طریقوں میں اکابر صوفیہ
ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تمام سابقین میں دو امر ضرور جمع ہوا کرتے ہیں (۱) وہ خدا کی جانب متوجہ ہونے اور بارگاہ خداوندی میں
قربت پیدا کرنے میں نہایت درجہ اپنی طاقت صرف کرتے ہیں (۲) اُن کی فطرۃ نہایت قوی ہوا کرتی ہے۔ خود ملکات
مقصودہ جو ہو ان کے سامنے متمثل ہوا کرتے ہیں وہ ان ملکات کے قالب اور تصویروں کو نہیں دیکھا کرتے انکو ان
قالبوں کی ضرورت صرف اُن ملکات کی تشریح کیلئے ہوا کرتی ہے۔ وہ قوالب اُن ملکات کیلئے ذرائع ہوتے ہیں سابقین میں سے
ایک قسم مفردین کی ہے یہ لوگ ہمیشہ عالم غیب کیطرف متوجہ رہتے ہیں ذکر الٰہی اُن کی تمام گرہوں اور دقتوں کو دور کر دیا کرتا ہے
دوسری قسم صدیقین کی ہے یہ امور حقہ کا اسقدر اتباع کرتے ہیں کہ تمام لوگوں سے انکو امتیاز ہوا کرتا ہے تیسرے شہداء یہ لوگ
آدمیوں کی راہبری کیلئے معین ہوتے ہیں ملاءِ اعلیٰ کیطرح کافروں پر لعنت کرتے ہیں اور ایمان والوں سے خوش ہوتے ہیں نیک
امور کی ہدایت کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے رہتے ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اسلام کو غالب
کرتے رہتے ہیں جب روز قیامت ہوگا۔ تو یہی کافروں سے خصومت کرنیکو مستعد ہونگے اور انکے کفر کی شہادت دینگے یہ لوگ
پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں بمنزلہ اعضا کے ہوا کرتے ہیں تاکہ جو بعثت سے مقصود ہے وہ ان کے ذریعہ سے تکمیل کو
پہنچ جاتے۔ اسی وجہ سے انکو اوروں سے افضل جاننا۔ انکی عزت و توقیر کرنا ضرور ہے۔ اور ایک قسم راسخین فی العلم کی ہے
ان میں ذکاوت اور ہوشمندی کامل ہوتی ہے۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سراپا علم و حکمت کی باتیں سنتے ہیں تو سنتے سنتے انمیں ایک
استعداد پیدا ہوجاتی ہے اور کتاب الٰہی کے ٹھیک ٹھیک معانی سمجھنے میں وہ استعداد انکے باطن کی مدد کرتی رہتی ہے اسی کی طرف
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے او فہم اعطیہ رجل مسلم (یا) استنباط قرآنی کی طاقت جو مسلمان آدمی کو دیجاتی ہے، اور
ایک قسم عُبّاد کی ہے۔ یہ لوگ عبادت کے فوائد کو بر ملا دیکھتے ہیں انکے نفوس عبادت کے انوار سے منور ہوجاتے ہیں انکے
دلوں میں ایسا فہم حاصل ہوجاتا ہے جس سے وہ عبادات الٰہی نہایت بصیرت اور روشن ضمیری سے کیا کرتے ہیں اور ایک
درجہ سابقین میں سے زہاد کا ہے انکو عالم معاد اور وہاں کے لذائذ کا کامل یقین ہوا کرتا ہے ان لذائذ کے مقابلہ میں انکو دنیوی
لذت نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے۔ لوگ انکی نظر میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اونٹ کی مینگنیاں اور انہیں سابقین میں سے
بعض لوگ دنیا کی جانشینی کے قابل ہوا کرتے ہیں وہ وصف عدالت کیساتھ موصوف ہوکر ہمیشہ خدا تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں
اور اس وصف عدالت کو احکام الٰہیہ میں صرف کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگوں میں حسن خلق کی صفت ہوا کرتی ہے انمیں فیاضی تواضع
علم کرنیوالوں کو معافی کے اوصاف ہوتے ہیں اور ایک فرقہ سابقین میں سے ہے ان لوگوں کا نمیں فرشتوں کے سے اوصاف ہوتے ہیں انکو
فرشتوں سے اختلاط رہتا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ بعض بعض صحابہ پر فرشتے سلام کیا کرتے تھے۔ ان سابقین کے فرقوں میں
سے ہر ایک فرقہ میں ایک تو جبلی اور فطری استعداد ہوتی ہے جو اپنے کمال کی خود متلاشی رہتی ہے اور انبیاء کی طلوعوں سے انمیں
بیداری پیدا ہوتی رہتی ہے اور ایک استعداد کسبی ہوتی ہے جو اپنا کمال حاصل کرنے کو شرائع کو قبول کرتی رہتی ہے۔ سنیں سے جو
لوگ ہدایت کے لیے مبعوث نہیں ہوا کرتے۔ وہ بھی شرائع میں سابقین میں سے شمار کیے جاتے ہیں ٭

سابقین کے بعد اس جماعت کا درجہ ہے جن کا اصحاب الیمین نام ہے۔ اصحاب الیمین کی بھی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنکا رتبہ سابقین کے درجہ سے بہت قریب ہیں۔ انکو چلّی ہوئی تکمیل کرنیکا موقع نہیں ملتا اس لیئے وہ اعمال کی ارواح چھوڑ کر صرف اعمال کی صورتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں لیکن ان ارواح سے انکو بالکل بیگانگی نہیں ہوتی اور ایک قسم اصحاب جذب کی ہے۔ ان کے نفوس میں قوت ملکی ضعیف ہوا کرتی ہے۔ اور بہیمی قوت غالب اور قوی ہوتی ہے اسلیئے سخت سخت ریاضتوں کی انکو توفیق ہوتی ہے جس سے وہ علوم انکو حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو ملاء سافل کیلئے ہوسکتے ہیں کبھی ان لوگوں کی بہیمی قوت بھی ضعیف ہوا کرتی ہے۔ اس وقت ان میں ذکر الٰہی ایک ولولہ پیدا کرتا ہے اور ان پر جزئی جزئی الہامات اور جزئی عبادات اور طہارت کا ترشح ہوتا ہے اور ایک قسم ارباب صلاح کی ہے۔ ان کی ملکی قوت نہایت ہی ضعیف ہوا کرتی ہے۔ ان لوگوں کی بہیمی طاقت اگر قوی ہوتی ہے تو سخت سخت ریاضتوں کا وہ اہتمام کرتے ہیں اگر قوت بہیمی ضعیف ہوتی ہے تو ہمیشہ وظائف کے پابند رہتے ہیں۔ ان تمام محنتوں سے انکو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور کسی قسم کا انکشاف انکو نہیں ہوا کرتا البتہ اعمال اور وہ صورتیں جو عمدہ ملکات کے لئے لباس اور تصویر ہوتی ہوتی ہیں۔ ان کے نفوس میں راسخ ہو جاتی ہیں۔ اکثر لوگوں کے اعمال میں کامل اخلاص اور طبیعت و عادت کے پیمانہ سے بالکل آزادی اور علیحدگی ہوا کرتی ہے وہ نیک کام کرتے ہیں لیکن طبیعت کی رغبت اور ثواب کی امید انکی نیت میں شامل ہوا کرتی ہے وہ نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ ان کے خاندان میں نماز کا طریقہ جاری ہوا کرتا ہے اور ثواب کی امید بھی انکو ہوتی ہے زنا اور شراب خوری میں کسی قدر انکو خدا کا خوف ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کا۔ اسلیئے وہ ان سے اجتناب کرتے ہیں یا یوں ہی محبوب کے حاصل کرنیکے قابل نہیں ہوتے۔ اور لہو و لعب کی باتوں میں مال صرف نہیں کرسکتے۔ تو ایسے لوگوں سے اس قسم کے اعمال اسی صورت میں قابل قبول ہوتے ہیں کہ خالص اخلاص کی صفت کی وجہ سے انکے دل کو تاب نہ ہو۔ اور نفس اعمال انکے نفوس سے سرزد ہوتے ہیں۔ نیز وہ صرف کام کر لیتے ہیں جن میں ملکات کی کسی قدر ترشح ہوا کرتی ہے چنانچہ زنا کی حرکت میں سے بند ہونا کہ بعض صورت میں حیا نیک ہے اور بعض صورت میں حیا جبن اور ضعف سے ہوا کرتی ہے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحیاء خیر کلہ۔ حیا سب صورتوں میں عمدہ ہی چیز ہے۔ اس حدیث میں ہماری مذکورہ بالا تقریر پر تنبیہ کی گئی ہے:

اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر بعض بعض وقتوں میں قوت ملکی کی بجلی چمک جاتی ہے خود ان کا ملکہ راسخ نہیں ہوا کرتا لیکن وہ ایسے تجلے سے بالکل ناواقف بھی نہیں ہوتے ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جو خدا سے توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں برائیوں پر اپنے نفسوں کو پست کرتے ہیں۔ یا تنہائی میں خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں یا ضعف فطری کے سبب سے ان کے دلوں میں برائی جم نہیں سکتی ان کا دل پرندوں کا سا ہوتا ہے یا انکے مزاج میں کوئی شے قوت ملکی عارض ہو جاتی ہے جیسے کسی کو تھکن بیماری ہو یا مصیبتوں میں گرفتار ہو ایسے لوگوں کی خطاؤں کو ان کی مصیبتیں دور کر دیا کرتی ہیں۔ اور اصل یہ ہے کہ اصحاب یمین کو سابقین کے خصائل میں سے ایک تو حاصل ہوتی ہے لیکن ایک دوسری حاصل نہیں ہوتی۔

اصحاب الیمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کا نام اصحاب الاعراف ہے۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ لوگ ہوتے ہیں جنکے ہاں صحیح کی فطرت صاف و پاکیزہ ہوتی ہے لیکن ان کو دعوت اسلام کی کچھ خبر نہیں ہوا کرتی۔ اور اگر کسی قدر ہوتی بھی ہے تو نہ اتنی کہ الزام حجت کے قابل ہو یا اس سے انکے دل کا شبہ دور ہو سکے۔ ایسا ہے ان لوگوں کو دنی ملکات اور مہلک اعمال

ان میں تنگی نہیں ہوا کرتا۔ اور نہ بارگاہ خداوندی کی جانب کسی قسم کی توجہ انکو ہوتی ہے انکی اکثری حالت یہ ہوتی ہے کہ تدابیر دنیوی میں مشغول رہتے ہیں مرنے کے بعد ایک گونہ حالت کی طرف وہ رجوع کرتے ہیں جبتک کہ انکی یہی حالت بالکل ریزہ ریزہ نہیں ہوجاتی وہ نہ ثواب کی حالت میں ہوتے ہیں نہ عذاب کی۔ البتہ بہیمیت کے آثار محو ہونے کے بعد انکی حالت کی درخشاں تجلیات غیبیہ سے بعض بعض ان پر چمکتی ہیں اور دوسری قسم ایسے لوگوں کی وہ ہے کہ انمیں عقلی مادہ کم ہو۔ جیسے اکثر لڑکے، دیوانے، کاشتکار، غلام، وغیرہ وغیرہ۔

بعض لوگ محض بے معنی ہوتے ہیں اگر رسوم کی پابندی ان میں نہ ہو تو وہ خود محض بے عقل رہ جاتے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں مسلمان ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالی لونڈی کے لئے کافی سمجھا تھا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا خدا کہاں ہے (این اللہ) اس نے آسمان کی جانب اشارہ کیا ایسے لوگوں سے صرف یہی مقصود ہوتا ہے کہ کلمہ کی تفریق نہ ہو اور سب مسلمانوں کے ہم شکل رہیں۔

جو لوگ رذیل عادات میں منہمک رہتے ہیں اور بارگاہ خداوندی کی جانب مناسب طریقہ سے انہیں میلان ہوتا ہے تو یہ لوگ اصحاب جہالت ہوتے ہیں اور مختلف صورتوں سے انکو عذاب دیا جاتا ہے۔

اصحاب اعراف کے بعد منافقین کا درجہ ہے۔ ان کا نفاق عملی ہوتا ہے۔ ان منافقین کو کامل سعادت حاصل نہیں ہوا کرتی جس سے کمال مطلوب ٹھیک طور پر حاصل ہو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبیعت کا پردہ ان پر پڑا رہتا ہے رذیل اخلاق میں وہ از خود رفتہ رہتے ہیں کھانے، عورتوں، کینہ وغیرہ میں وہ محو ہوتے ہیں کہ ان رذائل پر عبادات کا کچھ اثر نہیں ہوتا یا ان لوگوں پر رسم کا پردہ غالب ہوتا ہے اسوجہ سے رسوم جاہلیت یا بھائی بندوں یا وطنوں کے ترک کرنے کی جرات نہیں۔ یا ان پر سوء معرفت کا پردہ پڑا ہوتا ہے۔ جیسے خدا کے ساتھ اوروں کو تشبیہ دینے والے یا امانت اور استعانت میں خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے والے خدا کے حضور میں شرک خفی کرنے والے جو قائل ہیں کہ اس قسم کا شرک مخوف نہیں ہے یہ شرک ان صورتوں میں ہوتا ہے جبکہ مذہب میں پوری تصدیق نہیں ہوتی اور بخوبی پردہ ان پر سے اٹھایا نہیں جاتا اور بعض لوگ ضعیف الایمان ہوا کرتے ہیں۔ انکو خدا اور رسول کی محبت بھی ہوتا ہم وہ معاصی سے باز نہیں آتے اس شخص کا قصہ ایسا ہی ہے جو شراب خوار تھا اور خدا اور رسول سے اسکو محبت بھی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی شہادت دی ہے۔

اور ایک جماعت فاسقین کی ہے ان لوگوں میں رذیل ملکات کی نسبت زیادہ اعمال کا غلبہ ہوا کرتا ہے فاسقین میں سے بعض لوگوں میں بہیمی قوت زیادہ ہوتی ہے درندوں اور بہائم کی خواہشوں میں وہ منہمک رہا کرتے ہیں اور بعضوں کے مزاج فاسد اور رائیں انکی بیہودہ ہوتی ہیں وہ بمنزلہ اس مریض کے ہوتے ہیں جس کو مٹی اور جلی ہوئی روٹی کھانے کی عادت ہوجاتی ہے۔ ان سے شیطانی امور سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

فاسقین کے بعد درجہ کفار کا ہے یہ لوگ سرکش اور متمرد ہوتے ہیں انکی عقلیں کامل ہوتی ہیں اور احکام الٰہی کی تبلیغ بھی انکو کیجاتی ہے تاہم وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کرتے ہیں۔ یا ان مقاصد کی مخالفت کرتے ہیں جو انبیاء کے احکام پھیلانے میں خدا تعالیٰ کو منظور ہیں اسلئے وہ خداوندی راستے سے باز رہتے ہیں اور دنیوی زندگی پر قناعت کرتے ہیں دنیا کے تابع.

زندگی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ایسے لوگ ابدی لعنت کے قابل ہیں وہ ہمیشہ قید رہینگے۔ انہیں ہی سے اہل جاہلیت ہیں اور منافق بھی
انہیں ہی شامل ہے جو صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اُسکے دل میں کفر خالص باقی رہتا ہے واللہ اعلم۔

باب ۷

اس بیان میں کہ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہوا کرتی ہے جو اور مذہب کا ناسخ ہو۔

جتنے مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں سب کی چھان بین کرو۔ ابواب سابق میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اُسکے خلاف نہ ہوگا۔
کوئی مذہب ایسا نہ ہوگا جس میں اہل مذہب کی صداقت کا اعتقاد اور اُسکی تعظیم دل میں نہ ہو اُس کی نسبت سب کا یہی اعتقاد ہوتا ہے
کہ وہ بڑا کامل اور بے نظیر ہوتا ہے۔ اس اعتقاد کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ عبادات میں لوگ اسکے استقبال کو دیکھتے ہیں خلاف معقول امور
اُس سے ظاہر ہوتے ہیں اُسکی دعوتیں مقبول ہوتی ہیں اور ایسے ہی مذہب میں ایک حصہ حدود اور شرائع اور تعزیرات کا ہوتا ہے
جنکے بدون مذہب کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ انکے بعد مذکورہ بالا امور میں آسانیاں بھی ہوتی ہیں۔

ہر ایک قوم کا ایک طریقہ اور خاص شریعت ہوتی ہے جسمیں وہ اپنے بزرگوں کے عادات کا اتباع کرتے ہیں اپنے تمدن اور
حاملین مذہب کی روش کو پسند کرتے ہیں۔ اسلئے اُس مذہب کی بنیادیں نہایت مستحکم ہو جاتی ہیں حتے کہ اُس مذہب کے پیرو اُسکے
پشت و پناہ ہو جاتے ہیں اُسکی حمایت میں جنگ آزمائیاں کرتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کو نثر قربان۔۔۔ کرتے ہیں یہ جانبازیاں
نہایت مضبوط تدابیر اور پختہ مصلحتوں کی وجہ سے ہوا کرتی ہیں عوام لوگ انکے نتائج کو نہیں سمجھ سکتے۔

اور جب ہر ایک فرقہ کا مذہب علیحدہ قرار پا جاتا ہے انکے طریقے معین ہو جاتے ہیں اور زبان سے سنان سے وہ اُنکے حامی بنتے
ہیں اور انہیں اسوجہ سے ایک ناراستی اور بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے کہ جو شخص مذہب قائم کرنے کی قابل نہیں ہوتا وہ اُس کا
سربراہ کار ہوتا ہے۔ یا نئے نئے طریقے انمیں خلط ملط ہو جاتے ہیں یا حاملین دین اشاعت مذہب میں سست ہو جاتے ہیں تو ان
اسباب سے وہ لوگ سب کے کثر معتبر و مناسب حصہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں تو نہیں باقی رہتا الا رسمہ (ترجمہ کرم من امر اولی) صرف نشانات ہی
نشانات میں عوام اوائل کا کچھ حال نہیں بتلاتے۔ اسوقت میں ہر ایک مذہب والا اپنے مخالف مذہب کو برا بھلا کہتا ہے اُس کا انکار
کرتے ہیں اُس سے قتل و قتال کرتے ہیں۔ تب ایک ایسے کامل رہنما اور امام کی ضرورت ہوتی ہے جو تمام مذاہب سے ایسا ہی
معاملہ کرے جیسا کہ بڑے بادشاہوں سے خلیفہ معاملہ کرتا ہے۔ ایکے متعلق تمہ مذاہب کے خلط ملط ہونے کا قصہ دیکھو جسکو کتاب
کلیلہ و دمنہ کے مترجم نے ذکر کیا ہے مترجم نے قصد کیا تھا کہ ٹھیک بات کا اندازہ کرے لیکن کچھ تصور اسمادہ اندازہ کر سکا ایسا ہی
مورخین نے زمانہ جاہلیت کے حالات اور اُنکے مذہب کی ابتری بیان کی ہے۔

اس امام کو جو تمام فرقوں کو ایک مذہب پر جمع کرتا جاتا ہے علاوہ اصول امامت مذکورہ کے اور اصول کی بھی ضرورت پڑتی
ہے ان میں کہ وہ ایک جماعت کو پسندیدہ طریقہ کیطرف دعوت کرے اُنکے نفوس کا تزکیہ کرے اُنکی حالت کو درست بنائے
پھر اُنکو اپنے اعضا بنائے اُنکو اپنے ساتھ لیکر تمام لوگوں سے جنگ کرے اور اُنکی جماعتوں کو آفاق عالم میں متفرق کرے خدا تعالیٰ
فرماتا ہے "تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کی تکمیل کے لیے پیدا کئے گئے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ اس لئے کہ وہ خود تنہا

بے تحدود فرقوں سے جہاد نہیں کر سکتا ہے۔ اسواسطے ضرورت ہے کہ اسکی شریعت کا مادہ وہی ہو جو تمام معتدل الاقالیم کے باشندوں کیلئے بمنزلہ قدرتی طریقہ کے ہے پھر امام کو ان علوم و تدابیر پر نظر کرنی چاہئے جو انکی قوم میں رائج ہوں۔ اور دوسروں کی نسبت اپنی قوم کی مراعات حالات زیادہ کرنی چاہئے جب اس قوم کی شریعت مقرر ہو جائے تو تمام لوگوں کو اسکی پیروی پر آمادہ کرے اس کا سبب یہ نہیں ہوا کرتا کہ ہر ایک قوم کی حالت امام کو مفوض کر دیجائے یا ہر ایک زمانہ کے اماموں پر اسکو چھوڑ دیں اس کی شریعت مقررہ بے سود ہو جاتی ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ امام ہر ایک قوم کے علوم کا اندازہ کر کے ہر ایک کے لئے جدا شریعت قرار دے۔ سب کے عادات اور انکے تمام ذاتی امور کا احاطہ کرنا۔ حالانکہ انکے شہر اور مذاہب مختلف ہوتے ہیں۔ ناممکن کے درجہ میں ہے اور جب شریعت کے نقل کرنے میں تمام ناقلین کو عاجزی پیش آتی ہے تو مختلف شرائع کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو۔ اور نیز اکثر یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ مدت دراز کے بعد اور فرقے مطیع ہوا کرتے ہیں جنکے لئے نبی کی عمر وفا نہیں کیا کرتی موجودہ شرائع میں ہی دیکھ لو۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں میں سے اول معدودے چند ہی ایمان لائے تھے۔ پھر انکو غلبہ حاصل ہو گیا تھا تو اس سے زیادہ عمدہ اور آسان طریقہ نہیں ہے کہ شعائر حدود اور تدابیر میں اپنی ہی قوم کا لحاظ کرے جن کی طرف وہ مبعوث ہوا ہے۔ اور آئندہ فرقوں کے لئے بھی یہ امور باعث تنگی نہ ہوں۔ پھر اسکو نظر ترحم چاہئے کیونکہ اگلے لوگ تو اپنی دلی شہادت اور اپنے عادات کی رہنمائی سے اس شریعت کو اختیار کرتے ہیں۔ اور پچھلے لوگ اس مذہب کے ائمہ اور خلفا کی سیرتوں کو مرغوب جانکر اتباع کیا کرتے ہیں ہر زمانہ میں قدیما و حدیثا ہر ایک قوم کا یہی شیوہ ہو گیا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اکثر عمدہ ملک جن میں معتدل مزاجوں کی تولید ہوتی ہے دو بڑے شہنشاہوں کے تحت میں تھے (۱) کسرے ملک عراق یمن خراسان اور ان کے متصل ملک انکے زیر حکومت تھے۔ اور ماوراء النہر اور ہند کے بادشاہ بھی انکے محکوم اور باجگذار تھے ہر سال وہ کسرے کو خراج بھیجتے تھے (۲) قیصر شام و روم انکے اطراف شاہان مصر اور مغرب افریقہ سب انکے زیر فرمان و باجگذار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونو شہنشاہوں کی طاقت کو متزلزل کر دینا اور انکے ممالک پر قبضہ کر لینا گویا تمام روئے زمین پر قبضہ کر لینا تھا۔ ان سلاطین کے عادات کا اثر جو آرام و آسائش کے متعلق تھیں تمام انکے ماتحت شہروں میں پھیل گیا تھا۔ اس لئے ان عادات کو تبدیل کرنا انکو ایسے حرکات سے باز رکھنا گویا تمام ملک کے لئے تنبیہ تھی حضرت عمرؓ نے سبب عجم کی لڑائیوں میں ہرمزان سے مشورہ لیا تھا تو کسی قدر اس حالت کا اس نے ذکر کیا تھا۔

ان کے علاوہ اطراف دنیا جو اعتدال مزاجی سے دور تھے مصلحت کلی میں قابل لحاظ اور اعتبار نہ تھے۔ اسیوجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تک ترک و حبش نے تم کو اپنے حال پر چھوڑ رکھا ہے تم بھی انکو اپنے حال پر رکھو۔ اترکوا الترک ما ترکوکم ودعوا الحبشۃ ما ودعوکم۔

حاصل یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارادہ کیا کہ مذہب کی کجی کو دور کرے اور لوگوں کی اصلاح کیلئے ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو لوگوں کو نیکیوں پر مامور کریں اور برائیوں سے روکیں اور لوگوں کی خراب رسموں کو بدل ڈالیں تو ایسا انتظام اس پر موقوف تھا کہ ان دونو دولتوں کا زوال ہو جائے اسکی آسانی کے لئے ضرور تھا کہ ان سلطنتوں کی حالت سے تعرض کیا جائے ان ہی کی حالتیں تمام عمدہ ملکوں میں سرایت کر گئیں تھیں یا سرایت کرنے کے قریب تھیں۔ اسواسطے حضرت خداوندی نے

مقدر کیا کہ یہ دونو سلطنتیں تباہ ہو جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو گیا اب کوئی کسریٰ اسکے بعد نہ ہوگا۔ اور قیصر ہلاک ہو گیا۔ اب کوئی قیصر اسکے بعد نہ ہوگا۔ ہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و ہلک قیصر فلا قیصر بعدہ۔ اور خدا تعالیٰ نے مقدر کیا کہ تمام دنیا کی بیہودگی کو بذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عرب کی بیہودگی دور کرنے سے دور کر دے اور بذریعہ عرب کے ان دونو سلطنتوں کی بیہودگی کو رفع کرے اور پھر انکے ذریعہ تمام عالم کو دروغ اور ناراستی سے صاف و پاک کر دے۔

ایسے امام کا قاعدہ یہ بھی ہے کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ خلافت عامہ کا بھی۔ تمام اور انتظام کیا بہ خلفاء انہیں لوگوں کو مقرر کرے جو انکے ہم وطن اور خاندان کے ہوں جن کا نشو و نما انہیں عادات اور طریقوں پر ہوا ہے اصل اور نقل میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے لیس التکحل فی العینین کالکحل۔ ایسے لوگوں میں خاندانی حمیت اور غیرت کیساتھ مذہبی حمیت بھی ہوا کرتی ہے انکی شان اور رتبہ کی بلندی صاحب مذہب کی بلندی درجہ کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے امام خاندان قریش سے ہونے چاہئیں۔ الائمۃ من قریش۔ امام ہمیشہ ملک میں دین کے قائم کرنے اور شائع کرنے کی ہدایت کرتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ تم دین پر جب تک باقی رہوگے کہ تمہارے امام تمہارے ساتھ ساتھ سیدھے رہینگے۔ بقاءکم علیہ ما استقامت لکم ائمتکم۔

امام کا یہ فرض بھی ہونا چاہئے کہ اس اپنے مذہب کو سب مذاہب پر غالب کرے کسی شخص کو ایسا نہ چھوڑے جس پر دین غالب نہ ہو جاوے خواہ اس کی عزت ہو یا ذلت اسوقت میں تین درجہ کے لوگ ہو جاوینگے (۱) وہ فرقہ جو ظاہرًا اور باطنًا مذہب کا مطیع ہوگا (۲) جو مجبورًا ظاہر میں اسکی اطاعت کریگا اس سے مخالفت نہ کرسکیگا (۳) کافر خوار و ذلیل اس سے۔ وہ امام ذلیل و ذلیل کام لیگا اور جیسے چارپائے کھیتی اور بوجھ ڈھونے کے کام میں آتے ہیں۔ ایسے ہی کھیت کاٹنے اناج کاٹنے اور اور دستکاریوں کے کام سے لیے جائینگے اور ذلیل سمجھ کر اس سے جزیہ وصول کیا جائیگا۔

اور مذاہب پر غلبہ دین کے چند اسباب ہوا کرتے ہیں (۱) تمام مذہب کے شعاروں پر اپنے مذہب کے شعار کا اعلان اور اشاعت کرے۔ مذہبی شعار ایک امر ظاہر ہوا کرتا ہے اسی کی وجہ سے یہ مذہب والا اور مذاہب سے ممتاز ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ختنہ مسجدوں کی تعظیم اذان جمعہ۔ جماعات (۲) یہ کہ لوگوں کو ممانعت کرے اور مذاہب کے شعاروں کو ظاہر نہ کریں بلکہ ان کا استعمال نہ کریں۔ (۳) قصاص میں۔ دیتوں میں۔ نکاحوں میں۔ ریاستوں کے انتظام میں کافروں کو مسلمانوں کے ہمسر نہیں کرنا چاہئے تاکہ یہ امور انکو ایمان پر مجبور کریں (۴) یہ کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کے اعمال ظاہری کی تکلیف دے سخت پابندی انکی کرادے۔ اعمال کے راز اور اسرار کی زیادہ تصریح انکے سامنے نہ کیا کرے اور شریعت کی کسی بات میں انکو خود مختار نہ کرے شرائع کے اسرار جو تفصیلی احکام کے متعلق ہیں عام لوگوں سے مخفی رکھے جو راسخ العلم ہوں وہی ان کا پتہ لگا سکیں اسواسطے کہ اکثر مکلفین کی حالت یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ مصالح کو جب ہی معلوم کر سکتے ہیں کہ ان مصالح کے قواعد منضبط کر دیئے جائیں اور وہ بمنزلہ محسوسات کے ہو جائیں کہ ہر شخص انکو ترازو میں لا سکے اگر کسی امر کے چھوڑنے کی انکو اجازت دیدیجاوے یا یہ بتایا جاوے کہ مقصود اصلی ان ظاہری اعمال کے سوا کوئی اور امر ہے تو انکو ذہن کرنے کے زیادہ موقع ملینگے۔ اور انکے اختلافات زیادہ ہو جائینگے

ورنہ اللہ تعالیٰ کی مراد ناتمام رہجائیگی واللہ اعلم۔

اور چونکہ صرف امور سے غلبہ لوگوں کے شبہات اور حجابات کو بخوبی دور نہیں کرسکتا اسکے بعد احتمال رہتا ہے کہ چند روز کے بعد پھر وہ لوگ کفر کیجانب پر عود کر جائیں۔ اسواسطے امام کا یہ بھی فرض ہے کہ عام لوگوں کے ذہن میں برہانی اور یقینی دلائل ملیہ مشہور امور سے ثابت کرے کہ دوسرے مذاہب اتباع کے قابل نہیں ہیں وہ کسی معصوم شخص سے منقول نہیں ہیں یا وہ مذہبی قواعد پر منطبق نہیں ہیں یا انمیں تحریف اور تبدیل واقع ہوگئی ہے۔ اور بعض امور ان میں قرار دیئے گئے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ وہ ان سب امور کی تشریح و تفصیل بیان کرے اور دین محکم کے حجابات کو صاف صاف بیان کرے کہ یہ دین آسان اور صاف ہے اسکے حدود واضح ہیں جنکی خوبیاں عقل خوب معلوم کرسکتی ہے جو امور مشتبہ ہے وہ بالکل صاف ہے ان لیلہا نہارہا۔ اسکے طریقے عام لوگوں کو زیادہ نافع ہیں اور انبیاء سابقین کی سیرت سے جو امور باقی ہیں ان سے یہ زیادہ مشابہ ہے بہرحال ایسے ہی ایسے تفاصیل ہونے چاہئیں۔ واللہ اعلم۔

باب ۱۷

مذہب کو اس طرح پختہ کرنا کہ اس میں تحریف اور رد و بدل نہ ہو سکے

اس شخص کو جسکے ہاتھ میں نہایت بڑا انتظام ہو اور وہ خدا کی جانب سے ایک ایسا مذہب لایا ہو جو تمام مذاہب کا ناسخ ہو۔ نہایت ضرورت ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اسطرح پختہ کرے کہ کسی قسم کی تحریف کا وہاں تک گذر نہ ہو سکے۔ ایسے مذہب میں متفرق جماعتیں شامل ہوتی ہیں انکی استعدادیں اور اغراض مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اسلئے وہ لوگ جو اپنے نفس یا اس مذہب کی الفت کیوجہ سے اور پہلے رہ چکے ہیں یا اپنے فہم کی کوتاہی سے کسی شے کو وہ سمجھ لیتے ہیں اور اسکی اکثر مصلحتیں انکو معلوم نہیں ہوتیں مذہب کے منصوص مسائل میں فروگذاشت کرتے ہیں یا جو چیزیں اس مذہب میں شامل نہیں ہوتیں انکو شریک کر دیا کرتے ہیں اس لئے اس مذہب میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں گذشتہ مذاہب کا یہی حال ہوا۔ چونکہ خرابی کے طریقے تمام معلوم نہیں ہو سکتے اور حصر میں نہیں آ سکتے اور انکی تعیین نہیں ہو سکتی وما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ یہ ضرور ہے کہ اجمالی طور پر تحریف کے اسباب سے انکو خوب متنبہ کرے۔ ان مسائل کو متعین کرے جو عموماً تحریف سے ایسی ابتری کے باعث ہوتے ہیں۔ اور ان میں سستی اور تحریف کرنا لوگوں میں ایک متعدی بیماری ہوا کرتی ہے ایسے ایسے راستوں کو نہایت اہتمام سے بند کر دینا چاہئے۔

منجملہ اسباب تحریف کے ایک سستی ہے۔ اور اس سستی کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوا کرتے ہیں جو نمازوں کو تباہ کرتے ہیں۔ اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں انکو درس تدریس یا عمل کے ذریعہ سے مذہب کے پھیلانے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ نہ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم کرتے ہیں نہ برائی سے ان کو روکتے ہیں اسوجہ سے بہت جلد مذہب کے بالکل خلاف رسمیں قائم ہو جاتی ہیں اور طبائع کا رخ ان امور کیطرف ہو جاتا ہے جو شریعتوں کے خلاف ہوا کرتے ہیں۔ انکے بعد اور ناخلف ایسے ہی پیدا ہوتے ہیں یہ اور بھی زیادہ کاہل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ علم مذہب کا بڑا حصہ نسیاً منسیاً ہوجاتا ہے اور لوگوں کے حق میں نہایت ضرر رساں اور باعث فساد بزرگان قوم و مذہب کی سستی ہوتی ہے یہی وجہ ہوئی کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کا مذہب بالکل نیست و نابود ہوگیا۔ اب کوئی ایسا شخص نہیں جو ٹھیک ٹھیک ان مذاہب کا واقف ہو۔

سستی کے باعث چند امور ہوا کرتے ہیں ایک یہ کہ صاحب مذہب کے مذہبی امور کے نقل کرنے میں اور اسپر عمل کرنے میں
سستی کیجاتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ اس کا احتمال ہے کہ بعض آدمی اپنی مسند پر سیر اور بے فکر
بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہینگے۔ اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑو پس جو چیزیں تم قرآن میں حلال پاؤ۔ انکو حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ انکو حرام سمجھو
اور جن چیزوں کو پیغمبر نے حرام کیا ہے وہ ویسی ہی حرام ہیں جیسی خدا نے حرام کیں ہیں الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا
القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ خدا تعالے لوگوں سے علم کو اس طرح نہ اٹھا لیگا کہ لوگوں میں وہ نہ رہے بلکہ علما کے نہ ہونے سے اسمیں کمی ہو جائیگی جب
کہ کوئی عالم بھی باقی نہ رہیگا تب لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لینگے۔ ان سے مسائل دریافت کئے جائینگے بے علمی سے وہ انکا جواب
دینگے۔ اس لئے خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے۔

(۲) سبب تہاون اور سستی کے بیہودہ اغراض ہوتے ہیں جن سے لوگ جھوٹی تاویلیں کیا کرتے ہیں لوگ بادشاہوں کی خوشامد
سے کی خواہشیں پوری کرنے کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں خدا تعالے فرماتا ہے جو لوگ کتاب الٰہی کے احکام کو جو منزل من اللہ ہیں
چھپاتے ہیں اور انکے عوض میں کچھ قیمت لیلیتے ہیں وہ اپنے شکموں میں آگ کو کھاتے ہیں۔ ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتب و
یشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار۔

(۳) سبب یہ ہے کہ لوگوں میں برائیاں پھیل جاتی ہیں اور علما انسے لوگوں کو باز نہیں رکھتے۔

فلولا کان من القرون من قبلکم اولوا بقیۃ ینہون عن الفساد فی الارض الا قلیلا ممن انجینا منہم واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیہ وکانوا
مجرمین۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو علماء نے انکو پہلے روکا لیکن وہ باز نہ
آئے تب علما بھی خود انکی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور انکے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو گئے تب وہ خلط ملط ہو گئے حضرت داؤد اور
حضرت عیسے علیہ السلام کی زبان سے خدا نے انپر لعنت کی انکی عاصی اور سرکشی کرنے سے ایسا ہوا وہ حد سے بڑھ گئے تھے۔

اور تحریف کے اسباب میں سے ایک تعمق ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی شے کا حکم کرتا ہے اور کسی چیز سے ممانعت
کرتا ہے اور اسکی امت کا کوئی شخص اسکو سنکر اپنے ذہن کے موافق اسکو سمجھتا ہے اور اسی حکم کو وہ ان امور میں بھی تجویز کرتا ہے جو کسی
نہ کسی وجہ سے اس اصلی حکم کے مشابہ ہوا کرتے ہیں یا اس میں اس حکم شرعی کی علت کے بعض اجزا پائے جایا کرتے ہیں۔ یا جو حکم شارع نے
قرار دیا تھا تخمین سے اس حکم کو اس شے کے اجزا میں یا اسکے محل موقع یا اس کے اسباب میں بھی تجویز کرتا ہے۔ روایتوں کے تعارض
سے جب اس کو کسی امر میں شبہ ہو جاتا ہے تو وہ نہایت اشد کام کا پابند ہوتا ہے اسی کو واجب قرار دیتا ہے اور نیز آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے تمام افعال کو عبادت پر محمول کرتا ہے حالانکہ حق بات یہ ہے کہ آپ نے بہت سے امور کو عادۃ کیا تھا۔ اسواسطے ان
امور عادیہ میں بھی اس کا یہی خیال ہوتا ہے کہ امر وہی ان میں جاری ہے اور وہ صاف صاف کہتا ہے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے
اس چیز سے منع کیا ہے مثلاً شارع نے روزہ کو نفس کے مغلوب کرنے کیلئے مقرر کیا ہے۔ اور عورتوں کی ہمبستری کو بھی منع کر دیا
اس سے بعض لوگوں کو گمان ہوا کہ سحر کا کھانا خلاف مشروع اور ناجائز ہے اسلئے کہ وہ نفس کی مغلوبیت کے خلاف ہے اور یہ بھی بعض لوگوں نے گمان
کیا کہ اپنی بیوی کا بوسہ لینا بھی روزہ میں حرام ہے بوسہ لینا ہمبستری کے اسباب میں داخل ہے جیسے ہمبستری سے نفس کی رغبت پوری ہوتی ہے ایسی ہی

سے بھی پوری ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی خرابی بیان فرمادی کہ یہ دین میں تحریف ہے۔

اور اسباب تحریف سے تشدد ہے یعنی بن شاق سو کا شارع نے حکم نہیں دیا ہے اُسکی پابندی کی جائے ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات نماز پڑھنا، دنیا سے آزادی اور شادی نہ کرنا یہ سب سو اسی سے ہیں وجبات دین کی مانند مستحب و سنن کی پابندی کرنا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عثمان بن مظعون نے جب نہایت سخت سخت عبادات کی پابندی کا قصد کیا۔ تو آنحضرت نے انکو منع فرمایا کہ جس نے مذہبی امور میں زیادہ تعمق کیا ہے دین اس پر غالب آگیا ہے لن یشاد الدین احد الا غلبہ جب ایسا سخت پابند آدمی کسی فرقہ کا رہبر و پیشوا ہوتا ہے تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرع کا حکم اور شارع کی مرضی سے ہے یہود و نصاریٰ کے راہبوں میں یہی بیماری تھی۔

اسباب تحریف سے استحسان بھی ہے یعنی جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ شارع نے ہر ایک حکم کیلئے موقع اور محل تجویز کیا ہے اور وہ تشریعی کو منضبط کرتا ہے تب امور شرعی کے بعض بعض اسرار معلوم کر کے لوگوں کے لئے اپنے فہم کے موافق مصلحتیں قرار دیتا ہے مثلاً جب یہودیوں نے دیکھا کہ شارع نے حدود کو اس واسطے مقرر کیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح ہو جاوے اور وہ معاصی سے اجتناب کریں۔ اور پھر انہوں نے خیال کیا کہ رجم سے اختلاف اور جنگ جدال پیدا ہوتا ہے اور اس سے فساد کا اور زیادہ اندیشہ ہے پس انہوں نے رجم میں منہ سیاہ کرنا اور تازیانے مارنا اختیار کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ یہ مذہب میں تحریف ہے اور توریت کے حکم منصوص کے یہ بالکل مخالف ہے۔ حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے اور آفتاب و ماہتاب کی پرستش قیاسوں سے ہی ہوئی ہے۔ اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی خلقتنی من نار وخلقته من طین (مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے) یہ آیت پڑھکر انہوں نے کہا۔ ابلیس نے یہ قیاس کیا تھا اور سب سے پہلے قیاس ابلیس ہی نے کیا تھا اور امام شعبی سے منقول ہے کہ اگر تم قیاسوں پر عملدرآمد کروگے تو حلال کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کروگے۔

اور حضرت معاذ ابن جبل سے منقول ہے کہ قرآن لوگوں کے سامنے کھولا جائیگا اسکو عورت بچہ آدمی سب پڑھینگے تب وہ آدمی کہیگا کہ میں نے قرآن پڑھا لیکن کسی نے میری پیروی نہیں کی۔ واللہ میں لوگوں میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھونگا وہ لوگوں میں کھڑا اور کھڑے ہو کر بھی قرآن کو پڑھیگا۔ تب بھی کوئی اسکی پیروی نہ کریگا اور وہ یہی کہیگا کہ آدمیوں میں بھی قرآن کو پڑھا۔ اب بھی کسی نے پیروی نہ کی۔ اب میں مسجد میں ایک حجرہ بناؤنگا شاید کوئی میری پیروی کرے وہ ایسا ہی کریگا اور یہی کہیگا کہ میں نے خود بھی قرآن پڑھا لوگوں میں قیام کر کے بھی پڑھا مسجد میں حجرہ بنا کر بھی پڑھا لیکن کوئی پیرو نہ ہوا۔ اب کوئی ایسی بات لوگوں سے کہوں جو کلام الٰہی میں ان کو نہ ملے اور نہ پیغمبر خدا سے انہوں نے اس کو سنا ہو اس سے شاید کوئی میرا اتباع کرے پس اے لوگو تم ایسی باتوں سے بچو جن کو شخص بیان کرے۔ یہ چیزیں جن کو وہ بیان کریگا سراپا گمراہی ہونگی حضرت عمرؓ سے روایت ہے اسلام کو عالم کی غلطی منافق کا کتاب الٰہی کے ساتھ جھگڑنا گمراہ اماموں کا حکم کو زائل کر دیتا ہے ان سب امور سے وہی مراد ہیں۔ جو کتاب الٰہی اور حدیث رسالت پناہی سے مستنبط نہ ہوں۔

اور اسباب تحریف سے اجماع کی پیروی ہے یعنی حاملین دین کا ایک فرقہ جنکی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہے کہ انکی

رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوا کرتی ہے کسی امر پر اتفاق کرے اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کے لئے
یہ اتفاق قطعی دلیل ہے۔ اس خیال کی قرآن و حدیث میں کچھ اصل نہیں ہے یہ اجماع اُس اجماع کے علاوہ ہے جس پر اُمت کا
اتفاق ہے لوگ سب اُس اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن و حدیث میں ہو یا اُن دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو۔
لیکن دیگروں نے اس اجماع کو تسلیم نہیں کیا ہے جس کی سند قرآن و حدیث میں نہ ہو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب کفار سے کہا جاتا
ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ۔ جو خدا تعالےٰ نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں۔ کہ ہم تو انہیں باتوں کی پیروی
کریں گے۔ جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ کی آیۃ۔ واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا۔
یہودی حضرت عیسے علیہ السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار میں یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں
نے انکے حالات کی چھان بین کی لیکن انبیاء کے شرائط ان میں نہیں پائے عیسائیوں کے بہت سے شرائع توریت و
انجیل کے بالکل مخالف ہیں اُن کے بزرگوں کا صرف اتفاق ہی ان کی دلیل ہے۔

اور اسباب تحریف سے غیر معصوم کی تقلید ہے یعنی نبی کے علاوہ جس کی عصمت ثابت نہیں ہوتی ہے کسی اور کا اتباع کرنا۔ اس
تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں علماء امت میں سے کوئی عالم اجتہاد کرے اور اس عالم کے پیرو یہ خیال کریں کہ یہ اجتہاد بالکل صحیح
ہے اور اسکے مقابلہ میں حدیث صحیح کو بھی رد کردیں اس قسم کی تقلید اُس تقلید کے مخالف ہے جس پر امت مرحومہ نے اتفاق کیا ہے۔
اس لئے کہ سب کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے لیکن اسکے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور
صواب بھی۔ اور ہر مسئلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منصوص حکم پر نظر رکھنی چاہئے۔ اسکا پورا لزوم چاہئے کہ جب امر تقلیدی کے
خلاف کوئی حدیث صحیح ظاہر ہو۔ تو تقلید کو ترک کرکے حدیث کا اتباع کرنا چاہئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت
کے متعلق کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ یہود نے اپنے عالموں اور درویشوں کو بجز خدا کے اور لوگوں کو اپنا رب
قرار دیا فرمایا ہے کہ یہودی ان علماء و رہبوں کی پرستش نہیں کرتے بلکہ انکی یہ حالت تھی جس چیز کو جائز کر دیتے تھے وہ اسی کو جائز
سمجھتے تھے اور جس چیز کو حرام بتاتے تھے وہ اسی کو حرام کر لیتے تھے۔

اسباب تحریف میں سے ایک مذہب کو دوسرے میں ایسا خلط ملط کر دینا بھی ہے کہ ایک کی دوسرے سے کچھ تمیز نہ رہے۔ اس کی
صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی مذہب کا پابند ہوا کرتا ہے تو اسکا دلی تعلق اس مذہب کے علوم سے رہا کرتا ہے جب یہ
شخص مذہب اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تب بھی اسکا میلان دلی انہیں امور کی جانب باقی رہتا ہے۔ جنکے ساتھ وہ پہلے سے مالوف تھا۔
واسطے وہ تلاش میں رہتا ہے کہ اس مذہب میں انکی کوئی وجہ مل جائے اگرچہ ضعیف یا موضوع ہی وہ وجہ کیوں نہ ہو اکثر وہ حدیث کی وضع کر کے یا
روایت معنی کو اسی لئے تجویز کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ہمیشہ اعتدال رہا یہاں تک کہ ان
میں مخلوط النسل لوگ قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی تب انہوں نے اپنی رائے کو مذہب میں دخل دیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا
ایسے ہی ہمارے مذہب اسلام میں بھی بنی اسرائیل کے علوم خبیثہ جاری ہوگئے مذکرے یونانیوں کا فلسفہ بابلیوں کی دعوات۔ پارسیوں کی تاریخ
اور علم نجوم اور رمل اور علم کلام مخلوط ہو گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حضور میں توریت کا ایک نسخہ پڑھا گیا تو
آپ ناخوش ہوئے۔ اور جو شخص حضرت دانیال کی کتابیں تلاش کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو مارا۔ واللہ اعلم۔

باب ۷۲

ہمارے مذہب اور یہودیت و نصرانیت کے مختلف ہوجانے کے اسباب میں

جاننا چاہئے کہ جب خدا تعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم میں مبعوث کرتا ہے تو پیغمبر اپنی زبان میں ان لوگوں کیلئے مذہب قائم کرتا ہے اسمیں کسی قسم کی کجی اور غوایت باقی نہیں رکھتا اسکے بعد اس مذہب کی روایتیں منتقل ہو کر اس پیغمبر کے حواریوں کو پہنچتی ہیں اور یہ حواری ایک مدت تک مناسب حالت میں ان علوم نبوت کے حامل ہوتے ہیں لیکن ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے ہیں جو ان امور میں تغیر و تبدل کر ڈالتے ہیں۔ اور ان میں سستی اور بے پروائی کرتے ہیں اس سے اب وہ مذہب محض حق نہیں رہتا بلکہ اسمیں جھوٹ اور سچ ملا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی جسکو خدا نے اسکی امت میں بھیجا ہو۔ ایسا نہیں ہوا کہ اسکے حواری اور صحابہ نہوں پیغمبر کے طریقے اختیار کرنے والے اور اسکے احکام کی تعمیل کرنیوالے۔ لیکن ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں حکم کے خلاف انکے اعمال ہوتے ہیں"

ان باطل امور میں جو مذہب میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ تو شرک جلی اور صریح تحریف کا ہوا کرتا ہے۔ ایسا حصہ ہر حالت میں مواخذہ کے قابل کرتا ہے۔ اور ایک حصہ شرک خفی اور مخفی تحریف کا ہوتا ہے۔ اس پر مواخذہ جب ہی کیا جاتا ہے کہ پیغمبر کی بعثت ہو۔ پیغمبر ہر ایک شے کی دلیل قوی ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور ہر قسم کا شبہ رفع کر دیتا ہے۔ یحییٰ من حی عن بینۃ ویھلک من ھلک عن بینۃ جب پیغمبر لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے تو ہر شے کو اپنی اصلی حالت پر پھیر لاتا ہے پہلے مذہب کے شرائع میں غور کرتا ہے۔ ان میں جو امور شعائر اللہ کے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں شرک کی کسی قسم کی آمیزش نہیں ہوا کرتی یا جو طریقے عبادات اور تدابیر دنیوی کے متعلق اور مذہبی قوانین کے موافق ہوتے ہیں ان سب کو وہ باقی رکھتا ہے اور جو نابود ہو جاتے ان کا مستحکم بالشان ہونا بتا دیا جاتا ہے اور ہر شے کے ارکان اور اسباب مقرر کر دیئے جاتے ہیں اور جن جن امور میں تحریف اور سستی ہوا کرتی ہے۔ وہ دور کر دیجاتی ہیں۔ اور بیان کر دیا جاتا ہے کہ یہ باتیں مذہب کی نہیں ہیں اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں پر مبنی تھے اور اب عادات کے اختلاف سے ان مصلحتوں کا احتمال نہیں رہتا ہے۔ سو اسلئے پیغمبر ان احکام کو بدل دیا کرتا ہے۔ شرع میں مقصود اصلی مصلحتیں ہی ہیں جیسے موقع ہوتے ہیں ویسی ہی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کسی مصلحت کا احتمال ہوا کرتا ہے لیکن دوسرے وقت میں اس مصلحت کا موقع نہیں ہوا کرتا مثلاً اصل میں بخار کا سبب خلطوں کا ہیجان ہوا کرتا ہے طبیب کو اسی کا گمان ہوا کرتا ہے اور اسی کی طرف وہ بخار کو منسوب کرتا ہے کہ آفتاب میں چلنے یا سخت حرکت کرنے یا فلاں غذا کھانے سے بخار آیا ہے اور ممکن ہے کہ ان اشیاء سے بخار نہ آیا ہو اسوقت میں سب احکام بدل سکتے ہیں اور لوگوں کے اعمال اور عادات کے متعلق اور انکی علمی اور نفسانی حالت کے متعلق ملاء اعلےٰ کا جس پر اتفاق اور اجماع ہو گیا ہو وہ امور بھی اور زیادہ کر دیا کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جو پیغمبر پہلے گذرے ہیں۔ وہ چند باتیں اضافہ کر دیا کرتے تھے کچھ کم نہیں کیا کرتے تھے اور بہت ہی کم تبدیلی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مذہب پر حضرت ابرہیم علیہ السلام نے چند عبادتیں اور اعمال فطری اور ختنہ کو بڑھا دیا تھا۔ ان کے بعد حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ملت ابراہیمی پر چند امور اور زیادہ کر دیئے

اونٹوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔ اور ہفتہ کے دن کو ضروری قرار دیا۔ اور زانی کے لئے سنگساری زیادہ کر دی۔ ایسے ہی بعض
اور امور تھے دقائق شریعت میں خوض کرنیوالا جب اس زیادتی نقصان اور تبدیلی کی چھان بین کریگا۔ تو انکو وہ کئی وجہوں
میں پائیگا (۱) یہودی مذہب احبار و رہبانوں کے ہاتھ میں رہا۔ اور انہوں نے مذکورہ بالا طریقوں سے بالکل اسکو ردو بدل کر دیا
تھا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو آپ نے ہر چیز کو اصلی حالت کے موافق کر دیا۔ اسواسطے شریعت محمدیہ اس
یہودیت کی مخالف ہو گئی جو یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہودی اس سے کہنے لگے کہ اس شریعت میں کمی زیادتی اور تبدیلی
ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ تھی (۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں ایک دوسری بعثت شامل تھی۔ یک
تو آپ بنی اسمٰعیل کیطرف مبعوث ہوئے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ خدا ہی نے امیوں کیلئے ان میں ہی سے ایک شخص کو پیدا کیا۔
ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم اور فرماتا ہے تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے۔ اسی لئے
وہ غفلت میں ہیں لتنذر قوما ما انذر اباؤھم فھم غافلون اسی بعثت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ شریعت محمدیہ کا مادہ وہی شعائر اور عبادات
کے طریقے اور تدبیر منزلی کے اصول ہوں جو بنی اسمٰعیل کے پاس موجود تھے۔ اسلئے کہ شرع میں صرف ان امور کی درستی ہوا
کرتی ہے جو لوگوں کے پاس ہوا کرتے ہیں انکو ان امور کی تکلیف نہیں دیجاتی جن سے وہ محض ناواقف ہوں۔ خدا تعالےٰ
فرماتا ہے ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم اسکو سمجھو انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون اور خدا فرماتا ہے اگر ہم قرآن کو عجمی
زبان میں نازل کرتے تو لوگ کہتے اس کی آیتیں جدا جدا مفصل کیوں نہ کی گئیں کیا عجمی بھی ہے اور عربی بھی۔ لو جعلنہ قرآنا اعجمیا
لقالوا لولا فصلت آیتہ ءاعجمی وعربی۔ اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ہم نے جو نبی بھیجا ہے اسی کی قوم کی زبان والا بھیجا ہے
وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔ دوسری بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام عالم کیطرف تھی۔ اسمیں عموما
وہ علوم و تدابیر بھی مندرج تھے جو تمدن سے متعلق ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خدا نے تمام قوموں پر لعنت
کی اور ان کی دولت عجم اور روم کے استعمال کو اس نے مقدر کیا اور حکم دیا کہ تمدن کے اصلاحات منتظم ہوں۔ اسواسطے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے درجہ اور غلبہ کو مقصود الامر کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا اور ان سلاطین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو
عطا کیں اس کفایت اور ہدایت کیوجہ سے علاوہ احکام توریت کے اور احکام بھی آپ کو حاصل ہوئے خراج جزیہ مجادلات
اسباب تحریف سے احتیاط وغیرہ اور ایسے ہی اسی قسم کے احکام ہیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت زمانہ فترت میں ہوئی اسوقت تمام مذاہب قریب محو ہو گئے تھے۔ انمیں تحریف و
تبدیل ہو گئی تھی لوگوں کو تعصب اور اصرار نے دبا لیا تھا۔ جب تک ان عادات کی سخت مخالفت نہ کی جاتی وہ کسی طرح اپنے طریقہ جاہل
اور عادات جاہلیت کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ ان وقتوں سے بھی اختلافات اور شورشیں زیادہ ہو گئیں تھیں۔ واللہ اعلم۔

باب ۳۷

اسباب نسخ میں

نسخ کے باب میں آیت ہے "ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اسکو بھلاتے ہیں مگر اسکے بدلے میں اس سے بھی

بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا۔ جاننا چاہئے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں (۱) یہ کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم
امور نافع و عبادات کے طریقوں میں غوض کر کے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ پر ان کو ترتیب دیں لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھا بلکہ حکم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیتا ہے
جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے۔ اس حکم کا اظہار یا یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ وارد کیا جائے یا اس طرح پر کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد ہی میں تبدیلی ہو جائے اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا تھا بعد ازاں اس حکم کی منسوخیت نازل
ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بجز چھاگل کے سب برتنوں میں نبیذ بنانے سے ممانعت
کر دی تھی پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کر دیا۔ اور فرمایا کہ کوئی چیز مست ہو لا تشربوا مسکرا
اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دیکھا کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اسلئے اسکی علامت ظاہری بتادی کہ ان برتنوں میں نبیذ نہ بنائی جائے
جن میں مسامات نہیں ہوتے مثلاً مٹی یا لکڑی کے برتن یا جو روغن سے بنائے جاتے ہیں۔ ان برتنوں میں وہ چیز بہت جلد مسکر
ہو جاتی ہے جس کی نبیذ بنائی جائے اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپ نے خیال فرمایا کہ تیزی و نیک اس سے نشہ نہیں آتا
ہے پھر آپ کے اجتہاد میں تبدیلی ہو گئی اور نشہ آور ہونے کو آپ نے حرمت کا مدار ٹھیرایا۔ نشہ آور ہونا کسی چیز کا جوش
کرنے یا جھاگ لانے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اس چیز کو جو زم مسکر سے ہو یا اس میں شئے مسکر کے نشانات پائے جائیں موقع اور
منظنۂ اسکار قرار دینا کسی امر خفی کے موقع و مکان کا قرار دینے سے بہتر ہے اور ایک اور توجیہ اس اجتہاد کی تبدیلی کی یہ بھی ہو سکتی
ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ لوگ نشہ آور چیزوں کے نہایت ہی شائق ہیں اگر صرف مسکر سے ہی ممانعت
کر دی جائے تو اسکا احتمال ہے کہ کوئی شخص نشہ آور چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ میں نے خیال کیا تھا کہ وہ مسکر نہیں ہے
یا مجھے اسکار کی ٹھیک ٹھیک علامتیں معلوم نہ تھیں اور نیز اس زمانہ میں لوگوں کے برتن نشہ کی چیزوں سے آلودہ ہو رہے
تھے ایسے برتنوں میں جو نبیذ طیار کی جاتی ہے انہیں فوراً نشہ آجاتا ہے لیکن جب اسلام قوی ہو گیا۔ اور اطمینان سے لوگوں
نے نشہ کی چیزوں کو ترک کر دیا۔ اور نہ وہ آلودہ برتن باقی رہے تب نشہ آور ہونے کو مدار علیہ حرمت آپ نے قرار دیا اس توجیہ
کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ میرا کلام
کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتا اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام الٰہی بعض اسکا بعض کو منسوخ کرتا ہے کلامی لا ینسخ کلام

اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی وکلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا۔

قسم دوم نسخ کی یہ ہے کہ کسی شے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوا کرتی ہے۔ اسی کے موافق اس کا حکم متعین
ہو جایا کرتا ہے اسکے بعد ایک زمانہ آتا ہے۔ انہیں وہ حالت اس شے کی نہیں رہتی اسواسطے وہ حکم بھی اسکا نہیں رہا کرتا اس
کی مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ اور مسلمانوں اور انکے قرابتیوں میں کوئی طریقہ
باہمی موافقت اور امداد کا نہ رہا۔ اسوقت میں مصلحت ضروری کیوجہ سے صرف اخوت ہی ذریعہ ہمدردی کا تھی اسواسطے
قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دیئے جائیں۔ اور اس کا فائدہ بھی ذکر کر دیا گیا۔ کہ اگر ایسا نہ کرو گے

تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہوگا۔ الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ اور جب اسلام کو قوت ہوگئی اور مہاجرین سے اُنکے رشتہ دار آملے تو وہی طریقہ یعنی وراثت کا متعین ہوگیا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشیاء میں ایسی حالت میں کہ نبوت کیساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں ہوا کرتا کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوا کرتی جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر آپ ہی کے عہد میں زمانہ ہجرت سے پیشتر اور اب کہ نبوت کیساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے تو ان اشیاء میں مصلحت پیدا ہو جایا کرتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے مال غنیمت کو اگلی امتوں کیلئے جائز نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لئے جائز کر دیا۔

حدیث میں اس حکمت کی دو وجہیں بیان کی گئیں ہیں (۱) یہ کہ خدا تعالےٰ نے ہماری ناتوانی اور عاجزی دیکھکر مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حلت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دوسرے انبیاء علیہم السلام پر اور امت محمدیہ کی فضیلت اور امتوں پر ظاہر کرنی مقصود ہے ان دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور انبیاء کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے ہوا کرتی تھی جنکی تعداد محصور تھی کبھی کبھی سال دو سال میں نوبت جہاد کی آیا کرتی تھی اور نیز اُنکی امتیں قوی اور زورمند تھیں وہ جہاد بھی کر سکتے تھے اور کاشتکاری یا تجارت وغیرہ سے سامان معیشت بھی کر سکتے تھے انکو غنیمتوں کی کچھ ضرورت اور پروا نہ تھی اسواسطے خدا تعالےٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے عمل میں کوئی غرض دنیوی نہ ملے اور اس اخلاص عمل کیوجہ سے اُنکو ثواب پورا پورا ملے اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت عموماً تمام لوگوں کیجانب ہوئی جنکا شمار حصر و اندازہ سے زیادہ تھا اور زمانہ جہاد بھی اُنکے لئے معین نہ تھا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جہاد بھی کر سکیں اور سامان معیشت بھی کر سکیں اور کاشتکاری یا تجارت کر سکیں۔ اسواسطے اُنکو مال غنیمت کے جائز ہونے کی بڑی ضرورت تھی اور نیز چونکہ دعوت اسلام عام تھی سلئے انمیں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جنکی نیتیں کمزور اور اعتقاد سست ہوا کرتے ہیں۔ انہی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ خدا اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کریگا۔ ان اللہ یؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر۔ اور اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ فائدہ دنیوی ہی کی وجہ سے جہاد پر مستعد ہوا کرتے ہیں ان مجاہدات میں خدا تعالےٰ کی نظر رحمت وانعام سب کو عموماً شامل تھی۔ جیسے کہ اعدائے اسلام پر انکا غضب عموماً تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالےٰ نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب عجم سب سے وہ ناخوش ہوا ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم۔ اسی بیزاری اور ناخوشی کیوجہ سے ضروری قرار دیا گیا۔ کہ ان کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہو جائے اور ان کے مالوں میں تصرف کر کے خوب انکا دل جلائے جائیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا اونٹ خانہ کعبہ کو ہدیۃً اس نیت سے بھیجا تھا کہ اسکے ناک میں چاندی کی کیل پڑی تھی۔ اس سے کافروں کا جلانا ہی منظور تھا ایسے ہی آپ نے کافروں کے نخلستان کے کاٹ ڈالنے اور جلا دینے کا حکم دیا تھا تاکہ انکو پیچ وتاب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کیلئے قرآن میں غنائم کی حلت کا حکم نازل ہوا۔

ایک دوسری مثال اسی قسم کی یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں اس امت کیلئے کفار سے لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ اسوقت نہ لشکر تھا نہ خلافت۔ لیکن جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ اور مسلمان واپس آگئے۔ خلافت کا ظہور ہوا اور دشمنان خدا سے مقابلہ کی قوت ہوگئی۔ تو خدا تعالےٰ نے نازل کیا۔ اب ان لوگوں کو اجازت ہے لڑنے کی جنکے ساتھ لڑائی کیجاتی ہے

اس طرح پر کہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک خدا انکی مدد دینے پر قادر ہے" اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر۔ اسی قسم کے متعلق خدا کا قول ہے۔ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا کوئی آیت بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا" بخیر منہا سے وہ صورت مراد ہے کہ نبوت سے خلافت شامل ہوگئی تھی اور مثلہا وہ صورتیں مراد ہیں جن میں موقعوں کے مختلف ہونے سے حکم بدلدیا جاتا ہے واللہ اعلم۔

باب ۴۷

اسکے بیان میں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا کیا حال تھا جسکی اصلاح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی

اگر شریعت محمدیہ علے صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کے حقائق میں غور کرنا مقصود ہو۔ تو اول ان امیوں کی حالت کا اندازہ کرنا چاہئے جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، انہیں کے حالات آپ کی شریعت کے لئے بمنزلہ مادہ کے ہیں اسکے بعد اس حالت کی اصلاح کی کیفیت سمجھنا چاہئے۔ اس اصلاح میں ان مقاصد کا کیسا لحاظ کیا گیا جو باب تشریع اور تیسیر اور احکام ملت میں مذکور ہیں۔

معلوم کرنا چاہئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسواسطے مبعوث ہوئے تھے کہ ملت حنیفیہ اسمٰعیلیہ کی کجی کو دور کردیں اسکے تغیر و تبدل کی اصلاح فرمادیں اسکی روشنی کو پھیلادیں۔ اسی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اختیار کرو۔ ملۃ ابیکم ابراہیم اور جب ایسی حالت ہے تو ضرور ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے اصول قابل تسلیم اور اس کے حالات ثابت اور مقرر ہوں اسواسطے کہ جب نبی ایسی قوم میں مبعوث ہو جن میں عمدہ مذہب اور سنت راشدہ کے آثار باقی ہوں تو ان طریقوں میں تغیر و تبدل بیجا ہے انکو اپنی اصلی حالت پر رکھنا چاہئے لوگ انہیں کو زیادہ مانینگے اور دلیل پیش کرنے کے یہی اصول خوب پایۂ ثبوت کو پہنچ سکینگے بنی اسمٰعیل کی نسلوں میں ان کے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسلاً بعد نسل چلا آتا تھا۔ تمام بنی اسمٰعیل اسی شریعت پر ثابت قدم تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ اس شخص نے ملت اسمٰعیلی میں اپنی بیہودہ رائے سے بہت سی چیزیں داخل کردیں۔ خود ضل واضل اسی نے بت پرستی اولاً شروع کی۔ سائبہ چھوڑے۔ اور بحیرہ مقرر کئے جب سے مذہب بالکل خراب ہوگیا۔ اور صحیح باتوں میں غلط شامل ہوگئیں اور لوگوں پر جہالت اور شرک و کفر کی تاریکی چھاگئی تب خداوند عالم نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تاکہ آپ کیوجہ سے انکی کجی دور ہوجائے اور انکی خرابیوں کی اصلاح ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسمٰعیل کی شریعت میں غور کیا۔ اسمیں جو جو طریقے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مسلک کے موافق منجملہ شعائر اللہ کے تھے انکو باقی رکھا اور جن میں تحریف ہوگئی تھی اور خرابیاں آگئیں تھیں اور جو امور علامات شرک و کفر سے تھے۔ انکو نیست و نابود کردیا۔ ان کا بطلان خوب مستحکم اور مسجل کردیا اور جو امور عادات وغیرہ کے متعلق تھے ان کی خوبیاں اور برائیاں اسطرح بیان کردیں جن سے لوگ بری عادتوں اور رذائل سے احتراز کرسکیں۔ خراب رسموں کی آپ نے ممانعت فرمادی اور عمدہ کی جانب رہبری کی اور جو مسائل اصلی یا عملی از قسم فروعات میں متروک ہوگئے تھے ان کو شاداب اور تروتازہ ویسا ہی کردیا جیسے کہ وہ تھے۔ اس طرح پر خدا کا انعام مکمل [illegible] دین کا [illegible]

مستقیم ہو گیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اہل جاہلیت بعثت انبیا کو تسلیم کرتے تھے، اعمال کی سزا جزا کے قائل تھے اقسام نیکی کے تمام اصول پر انکا اعتقاد تھا جو امور منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے۔ وہ ان کے استعمال میں تھے۔ ان اہل جاہلیت میں دو فرقے البتہ پیدا ہو گئے تھے اور یہی زیادہ پھیل گئے تھے لیکن ایسے لوگوں کے ہونے سے ہماری تقریر سے مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ان میں ایک فرقہ فاسقین اور زنادقہ کا تھا فاسق لوگ چارپایوں اور درندوں کے سے کام کرتے تھے جو ملت اسمعیل کے مخالف تھے نفسانی حالتیں ان پر غالب تھیں۔ مذہبی امور کا انکو پاس کم تھا یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے فسق کی شہادت انکے نفوس سے حاصل تھی۔ اور زنادقہ میں پیدائشی طور پر ناقص فہم ہوا کرتا ہے وہ پوری طرح پر ٹھیک اس امر کی تحقیق نہیں کر سکتے جو صاحب مذہب کا مقصود ہوا کرتا ہے۔ وہ صاحب امر کی خبروں کو تسلیم نہیں کیا کرتے اور انکی پیروی نہیں کرتے وہ اپنے شبہ میں متردد رہتے ہیں لیکن اپنے مجمعوں سے انکو اندیشہ رہتا ہے لوگ انکو برا جانتے ہیں انکو مذہب سے خارج سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مذہب کی پابندی سے انہوں نے اپنے آپکو آزاد کر دیا ہے جب انکی حالت لوگوں کو ایسی ناگوار ہوتی ہے اور اس میں ایسی ناپسندیدگی ہے۔ تو ان کا مذہب سے خارج ہونا کچھ مضر نہیں ہوتا۔

دوسرا فرقہ جاہل اور غافل لوگوں کا تھا جنہوں نے مذہبی امور کی جانب بالکل توجہ نہیں کی تھی۔ قریش میں اور ان کی قریب کے لوگ ایسے ہی کثرت سے تھے انبیاء کے عہد سے انکا بعد تھا اس لئے ان کی ایسی حالت ہو گئی تھی۔ خدا تبارک و تعالے فرماتا ہے "تاکہ تو ایسے لوگوں کو منادی کرے جنکے پاس کوئی منادی دینے والا نہیں آیا ہے"۔ لتنذر قوما ما اتٰھم من نذیر۔ لیکن وہ راستہ سے اتنا دور نہیں ہٹ گئے تھے کہ انکے سامنے دلیل بھی پیش نہ ہو سکے ان کو الزام نہ دیا جا سکے اور نہ انمیں خاموشی پیدا کیجا سکے۔

جو اصول اہل جاہلیت میں مسلم تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان و زمین اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان میں ان سب کا خالق خدا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے خدا تعالے فرماتا ہے بیشک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو وہ سب کہینگے خدا نے پیدا کیا ہے۔ ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ۔ اور خدا تعالے فرماتا ہے بلکہ تم صرف خدا ہی کو پکارتے رہو۔ بل ایاہ تدعون۔ اور خدا تعالے فرماتا ہے وہ گم ہو گئے جن کو تم بجز خدا کے پکارتے ہو ضل من تدعون الا ایاہ۔ لیکن ان کے زندیق ہونے کی ایک بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بعض فرشتے اور ارواح ایسے ہیں جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے امور اہل زمین کے مدبر ہوا کرتے ہیں۔ اور اپنے پرستش کرنے والے کی حالت درست کرتے رہتے ہیں جس کا تعلق خاص اس کی ذات یا اولاد اور مال سے ہوتا ہے یہ مشرکین ان فرشتوں اور ارواح کا ایسا ہی حال سمجھتے تھے جیسا بادشاہوں کا شہنشاہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا جو حالت شفیعوں اور ندیموں کی ایسے بادشاہ کے حضور میں ہوتی ہے جو اپنی حکومت سے تصرف کیا کرتا ہے۔ اس کا منشا یہ ہوا کہ شریعتوں میں یہ وارد ہوا تھا کہ بہت سے امور فرشتوں کے تفویض کئے جاتے ہیں اور مقربان بارگاہ الٰہی کی دعائیں مقبول ہو جاتی ہیں۔ اس سے انہوں نے خیال کیا کہ یہ تصرفات ذاتی انکے ایسے ہی ہیں جیسے سلاطین کے ہوا کرتے ہیں۔ حاضر پر غائب کو انہوں نے قیاس کیا۔ اسی سے یہ ابتری ہوئی۔

اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا کی ذات ان سے منزہ ہے جو اسکی بارگاہ کے مناسب نہیں ہے اور انکے

ناموں میں الحاد کرنا حرام ہے لیکن اسمیں انہوں نے یہ بات زیادہ کر دی تھی کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں اور فرشتوں کو خدا نے اس امر کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جو امر انکو معلوم نہ ہو وہ ان کے ذریعہ سے معلوم کرے جیسے بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں۔

ان کے اعتقادات میں سے یہ بھی تھا کہ پیدا ہونے سے پیشتر خدا تعالے نے تمام حوادث کو مقدر کر دیا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ قدر کا ذکر کیا کرتے تھے شرع نے اور اسی کو موکد کر دیا ہے۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے۔ وہاں بتدریج حوادث محقق ہوتے رہتے ہیں۔ اور مقرب فرشتوں اور بزرگ آدمیوں کی کسی نہ کسی طرح سے وہاں دعائیں اپنا اثر کرتی رہتی ہیں لیکن اسکی صورت انکے ذہنوں میں ایسی تھی جیسے شاہی ندیموں کی شفاعت کا اثر سلاطین پر پڑتا ہے۔

انکا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خدا تعالے اپنے بندوں کو احکام کا پابند اور مکلف کرتا ہے۔ بعض چیزوں کو حلال کرتا اور بعض کو حرام کرتا ہے۔ اعمال کی جزا دیتا ہے۔ اچھے ہوں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر اعمال برے ہوں تو جزا بھی بری ہوتی ہے ان خیرا فخیر وان شرا فشر۔ خدا تعالے کے پاک فرشتے ہیں۔ جو اسکی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اسکی بادشاہت میں بڑے درجہ والے ہیں خدا کے حکم سے وہ اس عالم کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں۔ احکام الٰہیہ کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے جو حکم انکو ملتا ہے اسی کی تعمیل کرتے ہیں لایعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یؤمرون۔ وہ نہ کھاتے ہیں نہ کچھ پیتے ہیں نہ براز کرتے ہیں۔ شادی کرتے ہیں کبھی کبھی وہ بزرگ کے سامنے ہو جاتے ہیں۔ انکو بشارت اور خوف دلاتے ہیں۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ کبھی کبھی خدا اپنی مہربانی اور فضل سے کسی آدمی کو لوگوں کی طرف مبعوث کیا کرتا ہے۔ اسپر وحی نازل کرتا ہے فرشتوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے۔ اسکی اطاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے۔ بغیر اس کی تعمیل اور فرمان پذیری کے کوئی چارہ نہیں ہوا کرتا۔

ملاء اعلے اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی الصلت کی دو بیتوں میں تصدیق کی ہے۔ اسکا قول ہے۔

رجل وثور تحت رجل یمینہ   والنسر للاخری ولیث مرصد

(آدمی بیل گرگس اور شیر غراں سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنکر فرمایا امیہ نے سچ کہا ہے۔ اسکے بعد امیہ کا یہ شعر پڑھا۔

والشمس تطلع کل آخر لیلۃ   حمراء یصبح لونہا یتورد

تابی فما تطلع لنا فی رسلہا   الا معذبۃ والا تجلد

یعنی آفتاب رات کے ختم ہونے کے بعد سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے اور اسکا طلوع نرمی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ وہ عذاب دیا جاتا ہے اور تازیانہ لگایا جاتا ہے (یعنی اپنے پروردگار کی قدرت سے مغلوب رہتا ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

اس شعر کو سن کر فرمایا کہ سچ کہا۔ اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت کا قول تھا کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے چار ہیں ایک کی صورت آدمی کی سی ہے۔ اور یہ فرشتہ خدا کی حضور میں آدمیوں کا شفیع ہے اور دوسرے کی صورت بیل کی ہے اور یہ چارپایوں کا شفیع ہے۔ اور تیسرا کرگس کے ہمشکل ہے یہ پرندوں کی شفاعت کرتا ہے اور چوتھا شیر کے ہمشکل ہے۔ درندوں کی شفاعت اس کے متعلق ہے" اسکے قریب قریب شرع میں بھی آیا ہے شرع نے ان فرشتوں کا نام پروبی رکھا ہے (وعول)، عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں یہ سب باتیں اہل جاہلیت کو معلوم تھیں۔ لیکن وہ غائب کا حاضر سے اندازہ کرتے تھے۔ اور امور علمی اور یقینی کو اپنے الوث خیالات سے غلط ملط کر دیتے تھے اگر مذکورہ بالا تقریر میں شبہ ہو تو ان مضامین میں غور کرنا چاہیے جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں خدا تعالے نے علم کے اسی حصہ میں جو ان میں باقی رہ گیا تھا۔ انکو کیسے کیسے الزام دیئے ہیں اور وہ شکوک کیسے رفع کئے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے معلومات میں داخل کر دیئے تھے جب اہل جاہلیت نے قرآن شریف کے نازل ہونے سے انکار کیا تو خدا تعالے نے فرمایا بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے حضرت موسے علیہ السلام لائے تھے "قل من انزل الکتب الذی جاء به موسی" اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اس پیغمبر کا حال کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ مال هذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ تو خدا تعالے نے فرمایا یہ باتیں پیغمبروں سے کچھ قابل تعجب نہیں ہیں۔ ما کنت بدعا من الرسل۔ ایسی ہی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل جاہلیت اگرچہ راہ راست سے دور ہٹ گئے تھے لیکن جو علمی حصہ ان میں باقی رہ گیا تھا اس کے ذریعہ سے انکو الزام دیا جانا ممکن تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں انکے خطبوں کو دیکھو مثلاً قس ابن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور جو بزرگ لوگ عمرو بن لحی کے عہد سے پیشتر تھے۔ ان میں جو حکیم اور کامل تھے وہ سب عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کے قائل تھے وہ توحید کو ٹھیک طور پر مانتے تھے زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے شعر میں کہا ہے۔ شعر

وانت رب ملیك الناس طرا　　بکفیك المنایا والحتوم

تو پروردگار سب لوگوں کا بادشاہ ہے۔ موتیں تیرے ہی اختیار میں ہیں۔ اور نیز اس کا قول ہے۔ شعر

اربا واحدا ام الف رب　　ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزی جمیعاً　　کذلك یفعل الرجل البصیر

میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہو۔ میں نے لات وعزی سب کو چھوڑ دیا ہوشمند آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی الصلت کے حق میں فرمایا ہے اسکے شعر میں ایمان ہے لیکن اسکے دل میں ایمان نہیں ہے۔

یہ سب امور وہ تھے جو حضرت کے عہد سے وراثۃً ان میں چلے آتے تھے۔ اور بعض امور اہل کتاب سے لیکر بھی انہوں نے داخل کرلئے تھے ان کو بخوبی معلوم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے پروردگار کی حضور میں سرنگوں ہو اور نہایت زیادہ کوشش اور کوشش سے خدا کی پرستش کی جائے۔ عبادات کے ابواب میں سے ان کے ہاں ایک طہارت بھی تھی اور غسل جنابت تو ایک معمولی طریقہ تھا۔ ختنہ اور تمام اوصاف وخصال فطرت کا بھی بخوبی وہ اہتمام کرتے تھے توریت

میں ہے کہ خدا تعالے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کیلئے ایک نشان قرار کر دیا تھا ان اللہ جعل الختان سمۃ لابراہیم وذریتہ۔ اور مجوسی و یہودی وغیرہ سب وضو کے پابند ہیں علمائے عرب بھی وضو کیا کرتے تھے۔ اہل جاہلیت میں نماز بھی تھی۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر دو سال سے نماز پڑھا کرتے تھے اور قس ابن ساعدہ ایادی برابر نماز پڑھا کرتے تھے یہود و مجوسی اور بقیہ عرب میں نماز کے لئے تعظیمی افعال کی پابندی تھی۔ خاص سجدہ بہت ضروری تھا اور دعا و ذکر الٰہی کے متعلق بعض متولے بھی تھے ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں زکوۃ بھی تھی اسی زکوۃ میں مہمان نوازی۔ مسافر نوازی۔ اہل و عیال کا نفقہ۔ مساکین پر خیرات کرنی صلہ رحم۔ ان حوادث میں ہمدردی اور امداد کرنا جو حق ہوں یہ سب زکوۃ میں داخل تھے یہ امور انکے ہاں بڑے قابل تعریف تھے وہ خوب جانتے تھے کہ انہی امور سے انسان کامل ہوا کرتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ واللہ کہ خدا آپ کو پسماندہ نہ کریگا۔ آپ صلہ رحم اور مہمان نوازی کرتے ہیں اہل و عیال کے متکفل ہیں۔ حقانی حوادث پر لوگوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ فواللہ لا یخزیک اللہ انک لتصل الرحم وتقوی الضیف وتحمل الکل وتعین علی نوائب الحق۔ ایسا ہی ابن دغنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اور فجر سے غروب آفتاب تک ان میں روزہ بھی معمول بہ تھا زمانہ جاہلیت میں قریش عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے مسجد میں وہ اعتکاف بھی کیا کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عمرؓ نے ایک شب کی اعتکاف کی نذر کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے انہیں استفتا کیا تھا عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے اتنے غلام آزاد کئے جاویں بہرحال اہل جاہلیت مختلف وجوہ سے خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور بیت اللہ کا حج کرنا شعائر الٰہیہ اور بزرگ مہینوں کی تعظیم کرنی یہ امور تو ایسے ظاہر ہیں کہ ان میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ انکے پاس کئی قسم کے منتر اور تعویذ بھی تھے لیکن ان میں شرک کی باتیں داخل کر دی تھیں حلق کا ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا اون کا طریقہ تھا۔ وہ ذبیحہ کا گلا نہیں گھونٹتے تھے۔ اور چھری سے پیٹ چاک نہیں کرتے تھے۔ ستاروں اور علم طبیعت کے دقائق ترک کرنے میں وہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو تھے البتہ ان میں سے جو بداہتہً معلوم ہوتے تھے انکو مانتے تھے پیش بینی کے لئے انکے ہاں خواب اور گذشتہ انبیاء کے بشارات تھے مدت کے بعد کہانت اور قمار کے تیروں سے آئندہ حالات کا اندازہ کرنا۔ اور فال ان میں پھیل گئے تھے ان کو معلوم تھا کہ یہ سب امور اصل ملت ابراہیم علیہ السلام میں مفقود تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں قمار کے تیر تھے تو فرمایا یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے قمار کے تیروں سے کبھی اندازہ نہیں۔ لقد علموا انہما لم یستقسما قط۔ بنی اسمٰعیل برابر اپنی جد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی کی روش پر ثابت رہے جبتک کہ ان میں عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تین سو برس قبل یہ عمرو پیدا ہوا تھا۔

ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں کھانے پینے لباس دعوتوں میلوں۔ مردوں کے دفن کرنے۔ نکاح طلاق عدت ماتم خرید و فروخت اور تمام معاملات کے نہایت مستحکم طریقے معین تھے۔ جو ان کی پابندی نہیں کرتا تھا۔ وہ قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔

محارم بہنیں بیٹیاں مائیں ہمشیریں وغیرہ سب اُنکے ہاں حرام تھیں۔ ظلم وتعدی کیلئے اُنکے ہاں تعزیرات معین تھیں۔ قصاص دیت۔ قسامہ سے وہ سزا دیتے تھے ایسے ہی زنا اور چوری کی بھی سزائیں مقرر تھیں۔ ایرانی اور رومی سلطنتوں کے ذریعہ سے بہت سے منزلی اور تمدن کے علوم و تدابیر بھی ان میں اضافہ ہوگئے تھے۔ لیکن ان میں فسق و فجور کی کثرت ہوگئی تھی غارتگری لوٹ مار سے ظلم بہت کرتے تھے۔ زنا اور فاسد نکاح اور ربو بہت پھیل گیا تھا نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک کردیا تھا ان امور کی طرف کچھ توجہ نہ تھی ایسی پُرآشوب حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُن میں بعثت ہوئی تب آپ نے تمام ان علمی اور عملی امور میں خوض کیا۔ جو اُن میں موجود تھیں۔ ان میں سے جو حصہ صحیح ملت ابراہیمی کا تھا۔ اسکو آپ نے بحال رکھا اس کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور عبادات کے طریقے معین فرمادیے۔ اسباب اوقات۔ شروط وارکان مستحبات و مفسدات۔ رخصت عزیمت ادا و قضاء کے طریقے تعلیم کردیئے۔ گناہوں کو منضبط فرماکر ان کے ارکان و شروط معین کردیئے گناہوں کی سزائیں اور کفارات مشرع کردیئے۔ ترغیب اور ترہیب کی تقریر سے دین کو اُنکے لئے آسان کردیا گناہ کے تمام ذرائع مسدود کردیئے۔ اور اُن امور کی مستعدی پیدا کردی جن سے نیکی پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے ایسے ہی اس مجموعہ کو مرتب کردیا جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ ملت حنیفی کی اشاعت اور تمام مذاہب پر اُسکے غالب کرنے کی نہایت کوشش کی۔ انکی تمام تحریفات اور تغیرات مذہبی کو نسیاً منسیا کردیا اور امور نافع کی ہدایت فرمائی۔ اُن کی تمام رسوم فاسدہ کی روک کردی اور خلافت کبریٰ کو اُن میں قائم کیا اور اپنے ہمراہیوں کو لیکر غیر قوموں سے جہاد کیا۔ حتیٰ تم امر اللہ وہم کارہون۔

بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے "میں آسان حنیفی روشن مذہب لایا ہوں" بعثت بالملۃ السمحۃ الحنیفیۃ البیضاء۔ سمحہ سے یہ مراد ہے کہ اس میں عبادات کی ایسی سختیاں نہیں ہیں جیسی راہبوں نے گھڑ لیں تھیں بلکہ اُس میں ہر ایک عذر کیلئے رخصت ہے۔ قوی اور عاجز۔ اور کاربند اور بیکار سب اُس پر عملدرآمد کرسکتے ہیں اور حنیفیہ سے مراد ملت ابراہیمی ہے جسمیں شعار الٰہیہ قائم کئے جاتے ہیں اور شرک کے شعار پست کئے جاتے ہیں۔ تحریف اور فاسد رسمیں بالکل باطل کیجاتی ہیں اور بیضاء سے یہ مراد ہے کہ اس کی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر اس مذہب کی بنیاد قائم ہے نہایت صاف ہیں جو شخص اُن میں تامل کریگا اسکو کچھ شبہ باقی نہ رہیگا۔ اور کوئی سلیم العقل ہٹ دھرمی نہ کریگا۔

بحث ساتواں

حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے احکام شرعی کے مستنبط ہونے کی کیفیت

باب ۵۷

علوم نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے اقسام میں

جاننا چاہئے کہ جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون کیا گیا ہے اسکی دو قسمیں ہیں (۱) وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ پیغمبر جو تم کو بتائے۔ اُس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اُس سے باز آؤ۔ ما آتکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتہوا۔ ایسے امور میں سے ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت

کے عجیب عجیب حالات کا ہے۔ یہ سب امور بواسطہ وحی ہی کے ہوا کرتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور انہیں امور میں سے ایک حصہ احکام شرعی اور عبادات اور منافع کا وجوہ مذکورہ بالا میں سے کسی نہ کسی وجہ سے منضبط کرنے کا ہے۔ ان علوم میں سے بعض وحی کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں۔ اور بعض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی کے درجہ میں ہے خدا تعالے نے آپکو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ آپ کی رائے خطا پر جم سکے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ آپ کسی امر منصوص سے حکم مستنبط کر کے اجتہاد کرتے ہوں جیسا لوگ گمان کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر یہ حالت تھی کہ خدا تعالے نے آپکو شرع کے مقاصد اور وہ قانون تعلیم کیا تھا جس سے حکم شرعی آسانی کا طریقہ یا کسی امر کو مستحکم اُس سے کر سکتے تھے۔ اسی قانون سے آپ اُن مقاصد کی توضیح فرمایا کرتے تھے۔ جو بذریعہ وحی آپکو حاصل ہوتے رہتے تھے۔

انہیں امور تبلیغ رسالت سے ایک حصہ اُن حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں۔ اُن کا کوئی وقت معین نہیں کیا گیا ہے نہ اُنکی حدیں بیان کی گئی ہیں۔ جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان۔ یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے اس طرح پر کہ خدا تعالے نے آپکو تدابیر کے قوانین تعلیم کئے انہیں سے آپ نے کسی حکمت کو اخذ کر کے اُس سے کوئی کلیہ بنا لیا۔ اور انہیں امور میں سے ایک حصہ اعمال کی خوبیوں اور ان اعمال کے کاربند ہونے والوں کے مناقب اور اوصاف کا ہے۔ میری رائے میں اس میں سے بعض امور بوحی الٰہی معلوم ہوتے ہیں اور بعض اجتہادی ہیں۔ اس قسم کے قوانین پہلے معلوم ہو چکے ہیں اور اسی حصہ کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کرنا ہم کو مقصود ہے۔

(۲) قسم اُن امور کی وہ ہے جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میں ایک انسان ہوں جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اسکو اختیار کرو اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں پس میں ایک انسان ہوں۔ انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درخت خرما کے گابھا لگانے میں فرمایا تھا کہ میں نے صرف گمان کیا تھا۔ تخمینی بات کا مجھ سے مواخذہ نہ کرو لیکن میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اسکو اختیار کرو اس لئے کہ میں نے خدا پر جھوٹ نہیں بولا ہے انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ۔ اسی حصہ میں سے علاج وطب کا حصہ ہے اور اسی کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ گھوڑا نہایت سیاہ جس کی پیشانی پر ہلکی سی سپیدی ہو اپنے پاس رکھا کرو علیکم بالادہم الاقرح اور اسی میں سے وہ امور بھی ہیں جن کو آپ محض عادۃً کیا کرتے تھے بالاتفاق نہ بالقصد کرتے تھے۔ تعبدی طور پر انکو عمل میں نہیں لاتے تھے اور اسی میں سے وہ امور بھی ہیں جنکو بسبیل تذکرہ بیان کیا کرتے تھے جیسا ہوتا تھا کہ لوگ کچھ بات چیت کر رہے ہیں آپ بھی بولنے لگے۔ حدیث ام زرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں۔ اسکو ہی حضرت زید ابن ثابت نے فرمایا ہے چند لوگ اُنکے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کچھ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے بیان کیجئے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں تھا جب وحی نازل ہوتی تھی تو مجھ کو آپ بلا بھیجتے تھے میں اسکو لکھدیا کرتا تھا آپ کی یہ حالت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ آپ بھی دنیا کا ذکر

کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر فرماتے پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کو تمہارے سامنے ذکر کروں اور ایسے ہی بعض امور وہ ہوتے ہیں جنہیں آنحضرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک جزئی مصلحت تھی لیکن وہ تمام امت کیلئے لازمی اور حتمی نہ تھے انکی مثال ایسی سمجھنی چاہئیے جیسے کوئی بادشاہ لشکروں کی ترتیب کرتا ہے اور کوئی فوجی علامت قرار دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ہم کو رمل اطواف میں سینہ نکالنا ہے کیا علاقہ ہم ان کی یہ حالت دکھایا کرتے تھے جنکو خدا نے اب ہلاک کر دیا ہے مالنا وللرمل کنا نتراءی بہ قوما قد اہلکھم اللہ۔ اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہیں رمل کا کوئی اور سبب ہو۔ اکثر احکام اسی مصلحت جزئی پر عمل کئے گئے ہیں چنانچہ حضرتؐ کا ارشاد ہے جو شخص کسی کو قتل کرے تو اس مقتول کا سامان مارنے والے ہی کو ملنا چاہئیے۔ من قتل قتیلا فلہ سلبہ۔

اسی حصہ میں سے آپ کے احکام اور فیصلے ہیں۔ دلائل دو قسموں سے جیسا کہ ثابت ہوا کرتا ہے۔ ویسا ہی آپ حکم فرمایا کرتے تھے حضرت علیؓ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا انکو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقع پر موجود ہو۔ الشاہد یری مالا یراہ الغائب۔

باب ۷۶

مصلحتوں اور شریعتوں میں کیا فرق ہے

جاننا چاہئیے کہ شارع نے ہم کو دو قسم کے علمی فائدے پہنچائے ہیں ان دو قسموں کے احکام اور درجے مختلف اور جدا جدا ہیں۔

(۱) مصالح اور مفاسد کا علم یعنی وہ امور جو تہذیب نفس کے متعلق ہیں کہ جو اخلاق دنیا و آخرت میں مفید ہیں وہ مکتسب کئے جائیں اور ان کے مخالف اخلاق دور کئے جائیں یا وہ امور جو تدبیر خانہ داری اور آداب معاش اور سیاست مدن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ شارع نے ان امور کیلئے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے۔ ان میں جو امر مبہم تھے انکو منضبط نہیں کیا اور جو قابل اشکال تھے انکو معلوم نشانوں سے ممتاز نہیں کیا ہے۔ جو چیزیں پسندیدہ تھیں انکی جانب لوگوں کو مائل کر دیا ہے اور رذائل سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرما دی۔ اپنے کلام کو اس حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ زبان دان اپنی سمجھ کے موافق اس سے مطلب سمجھ لیں اس نے صرف مصالح کو مدار علیہ طلب یا باز رہنے کا قرار دیا ہے اسکے لئے مواقع اور نشانات نہیں بتائے جن سے انکی رہبری ہو سکے مثلاً شارع نے زیرکی اور شجاعت کی تعریف کی ہے اور لوگوں کے ساتھ نرم دلی اور خلوص سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ امور معاش میں اعتدال چاہئیے۔ اور زیرکی کا کوئی ایسا اندازہ نہیں بتایا کہ اسی حد تک اسکو طلب کرنا چاہئیے اور اگر اس حد سے تجاوز ہو تو لوگوں سے مواخذہ کرنا چاہئیے۔

جس مصلحت پر ہم شارع نے متنبہ کیا ہے اور جس خرابی سے باز رکھا ہے۔ انکی انتہا تین اصولوں میں سے ایک نہ ایک پر ہوتی ہے (۱) اس سے ان چار اوصاف میں سے جو معاد میں مفید ہیں یا ان تمام خصلتوں میں سے جو دنیا میں سود مند ہیں کوئی نہ کوئی وصف نفس میں پیدا کرنا اور انکو شائستہ اور مناسب بنانا ہے (۲) کلمۂ الٰہی اور سچے مذہب کو غالب کرنا

شرائع کو خوب مستحکم کرنا۔ اُنکی اشاعت میں کوشش کرنا ہوتا ہے (۲) عامہ خلائق کی حالت کو منتظم کرنا۔ اُنکے امور نافع اور تدابیر مفیدہ کی درستی کرنا۔ اُن کی رسموں کو مہذب صورت میں لانا۔ اور مصلحت وخرابی کی انتہا ان اصول پر ہونے کے یہی معنی ہیں کہ ان امور میں اسکو کچھ نہ کچھ دخل ہوا کرتا ہے خواہ یہ اصول اس سے حاصل ہوتے ہیں یا منفی ہوتے ہیں یہ امور ان اصول کی شاخ ہوں یا اُن کے مخالف اصول کی۔ یا اُن اصول کے ہونے نہ ہونے کا اُن میں احتمال ہو یا اُنکو یہ امور لازم ہوں یا اُن کے مخالف کو لازم ہوں۔ یا اُن اصول کے حصول اور اغراض کا ذریعہ ہوں ۔

اصل رضا الٰہی کے باعث یہی مصالح ہوا کرتے ہیں۔ اور اُنہیں مفاسد سے عتاب خداوندی پیدا ہوتا ہے پیغمبروں کی بعثت سے پہلے اور بعد کا زمانہ اس خوشی اور ناخوشی میں یکساں ہے اگر ان دونوں حصوں سے خدا کی خوشی اور ناخوشی کا تعلق نہ ہوتا۔ تو پیغمبروں کی بعثت بھی نہ ہوتی۔ اس لئے کہ یہ تمام شرائع اور حدود تو انبیاء کے پیدا ہونے کے بعد معین ہوا کرتے ہیں تو اگر پہلے ہی سے اُن کو تکلیف دیجائے اور پکڑ جکڑ کیا جائے تو خدا کی مہربانی اور لطف ہی کیا ہو مصالح اور مفاسد کا۔ چونکہ تہذیب اور نفس کی ناپاکی پر اثر ہوا کرتا ہے۔ لوگوں کی انتظامی اور ابتری حالت پر انبیاء کی پیدائش سے پیشتر ہی اس سے پرتو پڑا کرتا ہے۔ اسواسطے لطف الٰہی مقتضی ہوتا ہے کہ امور مہتم کی لوگوں کو اطلاع دیجائے اہم اور ضروری امر کی انکو تکلیف دیجائے۔ اور اس لطف الٰہی کی تکمیل جب ہی ہوتی ہے کہ ہر چیز کی تعداد اور احکام نوعی مقرر ہوں ۔

باب ۲۲

اُمت محمدیہ نے شریعت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کیسے اخذ کیا

معلوم کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شریعت دو طریقے سے اخذ کی گئی ہے (۱) ظاہر قول سے اسکو حاصل کیا۔ اسمیں ضرور ہے کہ اقوال نبوی نقل کئے جائیں۔ خواہ بتواتر یا بلا تواتر۔ متواتر کی نقل کبھی لفظاً ہوا کرتی ہے جیسے قرآن مجید اور چند احادیث مثلاً انکم سترون ربکم (یقیناً تم اپنے رب کو دیکھو گے) اور کبھی تواتر معنوی ہوتا ہے مثلاً طہارت نماز زکوٰۃ۔ روزہ حج بیوع۔ نکاح۔ غزوات کے اکثر احکام جن میں اسلامی فرقوں میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور غیر متواتر میں سے سب بلند درجہ مستفیض کا ہے مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جسکو تین صحابہ یا زیادہ نے روایت کی ہو۔ اور پانچویں طبقہ تک برابر اسکے راوی بڑھتے رہے ہوں اس قسم کی حدیثیں اکثر ہیں۔ اور مسائل فقہ کی انہیں پر بنیاد ہے مستفیض کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جس کی صحت اور حسن کا فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے ہوگیا ہو ایسی حدیثوں کے بعد اُن احادیث کا مرتبہ ہے۔ جن میں محدثین نے اختلاف کیا ہو کسی نے اُنکو قبول کیا۔ لیکن اوروں نے اُنکو قبول نہیں کیا۔ ایسی حدیثوں میں جو حدیثیں شواہد یا اکثر اہل علم کے اقوال سے یا عقل خالص سے موید ہوں۔ اُن کا اتباع ضروری ہے (۲) طریقہ یہ ہے کہ احادیث کی دلالت اور رہنمائی سے احکام شریعت اخذ کئے جائیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی امر فرماتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے کوئی حکم کسی شے واجب وغیرہ ہونے کا مستنبط کرلیا۔ اور اس علم کی لوگوں کو خبر کر دی اور کہدیا کہ فلاں شے واجب ہے فلاں جائز ہے پھر تابعین نے ان احکام کو اسی طرح حاصل

کیا اور تیسرے طبقہ کے لوگوں نے اپنے فتووں اور فیصلوں کو اسی کے موافق مدون کر کے خوب استحکام کر دیا اس قسم کے طریقہ میں
حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بڑے پایہ کے ہیں لیکن حضرت عمرؓ صحابہ سے
ہر مسئلہ میں مشورہ و مناظرہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اس امر کا بالکل انکشاف ہو جایا کرتا تھا او یقینی امر معلوم ہو جاتا تھا یہی وجہ
ہے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں کا تمام مشارق و مغارب میں اتباع کیا گیا ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے علم
کے دس حصوں میں سے نو حصے مفقود ہو گئے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی رستہ پر چلتے
تھے تو ہم اسکو آسان پاتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر اوقات کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے اور آپکے فیصلے صرف
کوفہ میں محدود تھے اور صرف چند لوگوں نے آپ سے احکام کو اخذ کیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قیام کوفہ میں تھا اسی لئے
صرف انہیں اطراف میں لوگوں نے آپ سے علم اخذ کیا اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے پہلے لوگوں کے زمانہ کے بعد خود
اجتہاد کیا اور اکثر احکام میں لوگوں کی مخالفت کی اور ان کے اصحاب نے جو مکہ میں تھے انکی پیروی کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ
نے جمہور اسلام کے مسلک کو اختیار نہیں کیا ان چاروں صحابہ کے علاوہ اور لوگ احادیث کی دلالت اور راہبری تو واقف
تھے لیکن رکن و شرط اور مستحب و مسنون میں انکو امتیاز نہ تھا اور ایسے بہت کم تھے کہ مختلف احادیث اور دلائل کی حالت
میں ان کا کوئی خاص قول ہوتا عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس درجہ کے قابل تھے کہ
تابعین کے اکابر میں اسی روش کے لوگ مدینہ میں فقہائے سبعہ تھے خاصہ عبداللہ ابن مسیب اور مکہ میں عطاء بن رباح اور
کوفہ میں ابراہیم شریح اور امام شعبی اور بصرہ میں امام حسن بصری رحمہم اللہ اور ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں ایک نقصان ہے
جسکو دوسرے کے سوا نہیں بخیر کرتا ہے اور ایک طریقہ کو دوسرے کی حاجت ہے پہلے طریقہ یعنی نقل ظاہر میں یہ نقصان ہے
کہ کبھی روایت بالمعنی ہوا کرتی ہے اور اس سے تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور معنی کے بدل جانے کا خوف ہوا کرتا ہے۔ دوسرا
نقصان یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ میں کوئی حکم دیا جاتا ہے اور راوی اسکو حکم کلی سمجھتا ہے۔ اور تیسرا نقصان یہ ہے کہ بعض احکام
تاکیداً بیان کئے جاتے ہیں تاکہ لوگ ان کا خوبی اہتمام کریں اور راوی اس سے اسکا واجب ہونا یا حرام ہونا سمجھتا ہے اور واقع
میں ایسا نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ اگر فقیہ و فہیم ہو اور خود اس موقع پر موجود ہو وہ قرائن سے واقعی حالت کو مستنبط کریگا۔ جیسے
کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مزارعہ کے متعلق اور پختہ ہونے سے پیشتر پھلوں کی خرید و فروخت کی نسبت کہا ہے کہ یہ نہی بطور
مشورہ تھی اور دوسرے طریقہ یعنی اجتہادی حالت میں یہ نقصان ہے کہ اس طریقہ میں صحابہ اور تابعین کے قیاسوں کا مجموعہ شامل
ہوا کرتا ہے ایسے ہی وہ مسائل بھی ہوتے ہیں جو انہوں نے کتاب و سنت سے مستنبط کئے ہوتے ہیں اور اجتہاد ہر حالت میں
یہ ضروری نہیں ہے کہ درست ہی ہوا کرے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قیاس کرنے والے کو حدیث نہیں ملا کرتی یا اس طرح ملتی ہے
کہ اس قسم کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی اسلئے اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے بعد کسی دوسرے صحابی سے
پوری حالت منجلی ہو جاتی ہے۔ جیسے تیمم جنابت کے متعلق حضرت عمرؓ اور عبداللہ ابن مسعود کا قول ہے اور اکثر ممتاز صحابہ
نے صرف عقلی راہبری سے کسی مصلحت پر اتفاق کر لیا اسی کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علیکم بسنتی
وسنۃ الخلفاء الراشدین حالانکہ بالاتفاق اصول شریعت سے نہیں ہوا کرتا۔ اسی وجہ سے لغزشوں سے نجات پانے میں

اس شخص کو آسانی اور کامیابی ہوگی جو اخبار اور الفاظ حدیث میں تبحر اور کمال رکھتا ہو جب یہی حالت ہے تو فقہ میں خوض کرنے
والے کو ضرور ہے کہ دونوں شریوں میں تبحر اور کمال پیدا کرے اور ملت اسلام میں تمام رستوں میں وہی عمدہ اور پسندیدہ ہے
کہ جمہور رواۃ اور علماء نے اس پر اتفاق کر لیا ہو اور دونوں طریقے اسمیں جمع ہو گئے ہوں ۔

باب
کتب حدیث کے طبقوں کے بیان میں

معلوم کرنا چاہئے کہ ہمارے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سوا کوئی ذریعہ شریعت اور احکام شریعت
کے معلوم کرنے کا نہیں ہے مصلحتوں کو تو تجربہ اور غور کامل اور حدس وغیرہ سے بھی معلوم کر سکتے ہیں اور احادیث کا علم جب
ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ روایتیں ہم تک پہنچیں جنکی سند آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے خواہ وہ حدیثیں آپکے بیان سے
خاص ہوں یا موقوف احادیث ہوں کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے انکی روایت کی ہو ان سے یہ امر مستبعد ہے کہ بغیر نص
اور اشارہ شارع کے ان احادیث کے قطعی ہونے پر اقدام کریں اس قسم کی روایت بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ضمناً ماخوذ
ہوا کرتی ہے اور ہمارے زمانہ میں اس قسم کی روایتوں کے حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ بجز اسکے نہیں ہے کہ جو کتابیں علم حدیث میں
مدون کی گئی ہیں انکی تلاش کی جائے اسلئے کہ فی زمانہ ایسی غیر مدون روایتیں نہیں پائی جاتیں کہ اعتماد کے قابل ہوں ۔

کتب حدیث کے طبقے و درجے مختلف ہیں ان طبقوں کا معلوم کرنا اور لحاظ رکھنا ضروری ہے صحت و شہرت کے
لحاظ سے کتب حدیث کے چار طبقے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حدیث کی قسمیں تین ہیں اول وہ حدیثیں
جن کا تواتر سے ثبوت ہے امت محمدیہ نے بالاتفاق انکو قبول کر لیا ہے اور ان پر عمل کیا ہے اسکے بعد دوسری قسم کی وہ ہیں
جو چند طریقوں سے ثابت ہوئیں اور کوئی معتد بہ شبہ انکے ثبوت میں نہ رہا ہو اور مختلف بلاد کے جمہور فقہاء نے ان پر عمل کیا ہو خصوصاً
علمائے حرمین نے ان میں اختلاف نہ کیا ہو کیونکہ قرون اولے میں خلفائے راشدین نے حرمین میں قیام کیا تھا اور درجہ بدرجہ علمائے
وہاں کا سفر کرتے رہے ہیں اسلئے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ علمائے حرمین ظاہری خطا کو تسلیم کر سکیں اور مستفیض کی بھی قسم یہی ہے کہ
کوئی قول مشہور ہو گیا ہو بلاد اسلام کے تیسرے حصے میں اس پر عمل کیا گیا ہو اور صحابہ و تابعین کی بڑی جماعت نے اسکی روایت
کی ہو اور تیسری قسم وہ ہے جو صحیح ہوں اور انکی اسناد حسن ہو علمائے حدیث نے انکی شہادت دی ہو اور ایسے متروک القول نہ ہوں
کہ امت محمدیہ سے کسی نے انکو اختیار نہ کیا ہو لیکن جو حدیثیں کہ ضعیف یا موضوع یا منقطع یا مقلوب الاسناد یا مقلوب المتن یا مجہول
لوگوں نے انکی روایت کی ہو یا اس قول کے مخالف ہوں جو بالاتفاق سلف کے ہر طبقہ میں ثابت ہو گیا ہے پس ایسی حدیثوں کا
قائل ہونا ممکن نہیں کتب حدیث کے صحیح ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مولف کتاب نے اپنے اوپر اس بات کا التزام کر لیا ہو
کہ وہی حدیثیں درج کرونگا جو صحیح یا حسن ہونگی کسی طرح ان میں تغیر و تبدل نہ ہوا ہو اور وہ قبیلہ شاذ سے ہوں اور ضعیف کا
اسطرح پر ذکر کرنا کہ اس کا ضعف بیان کر دیا جائے تو کتاب میں موجب اعتراض نہیں ہے اور کتب حدیث کی شہرت کے
یہ معنی ہیں کہ جو حدیثیں ان میں مندرج ہیں وہ کتابوں کے مدون ہونے سے پہلے اور بعد محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں ۔

مؤلف سے پہلے ہی آئمہ حدیث نے مختلف طرق سے اُسکی روایت کی ہو اور اپنے مسندوں و مجموعوں میں انکو بیان کیا ہو۔
مؤلف کے بعد اُنکی روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی ہو اُسکا اشکال دور کردیا ہو یا حدیث غریب کی شرح کردی ہو
اس کا اعراب بیان کیا ہو اُسکے طرق بیان کئے ہوں مسئلہ فقہی اس سے مستنبط کیا ہو ہر دور و مرتبہ میں ہمارے زمانہ تک اُسکے
راویوں کے حالات کا سُراغ لگایا گیا ہو یہاں تک کہ کوئی چیز جو حدیث سے تعلق رکھتی ہے ایسی باقی نہ رہے جس میں پورا غور کر
لیا ہو۔ الا ماشاء اللہ۔ نقادان حدیث مصنف سے پیشتر اور اُسکے بعد اُسکے اقوال سے موافقت کرتے رہے ہوں۔ اُن کی
صحت کو ثابت کرتے رہے ہوں مصنف کی رائے کی تصدیق کریں اور اُسکی کتاب کی ثناخوانی کی ہو۔ آئمہ فقہ نے ان اقوال
سے مسائل کو مستنبط کیا ہو۔ اُن پر اعتماد کیا ہو۔ عام لوگوں کو اُن اقوال سے عقیدت ہو اُن کے دل میں اُنکی عظمت ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جب کسی کتاب میں یہ دونوں وصاف جمع ہوں وہ طبقہ اولے کی سمجھی جائیگی۔ ان اوصاف میں جتنا
امتیاز ہوگا اتنی ہی فوقیت ہوگی۔ اور اگر دونوں اوصاف بالکل مفقود ہونگے اتنی ہی پایہ اعتبار سے ساقط ہوگی۔ جو کتاب طبقہ اولے
میں اعلے درجہ کی ہوگی وہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے ادنے درجہ کی مستفیض کے مرتبہ تک پہنچتی ہے اور
اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو اور قطعی ہونے سے مقصود وہ حد ہے جو علم حدیث میں معتبر ہے کہ مفید عمل
ہوجائے اور جو احادیث دوسرے طبقہ کی ہوتی ہیں ان میں سب سے بلند مستفیض کے قریب ہے اور اُسکے بعد جو قطعی صحت
کے قریب ہو اور اُسکے بعد جو مفید ظن ہو۔ وهكذا ينزل الامر۔

استقراء اور تلاش سے طبقہ اولے کی صرف تین کتابیں ہیں (۱) موطا (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں کہ بعد کلام اللہ کے سب کتابوں میں زیادہ صحیح امام مالک کی موطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ امام مالک
رحمۃ اللہ علیہ اور اُنکے موافقین کی رائے کے موافق موطا کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور دیگر محدثین کی رائے میں بھی کوئی حدیث
مرسل اور منقطع ایسی نہیں ہے کہ دیگر طرق سے اُسکی سند متصل نہ ہوئی ہو۔ اس وجہ سے اُسکی تمام حدیثیں صحیح ہی ہیں۔
امام مالکؒ کے زمانہ میں اکثر موطائیں تصنیف کی گئیں۔ جن میں موطاے مالک کی تخریج کی گئی اور اُسکی منقطع احادیث کا متصل ہونا
ثابت کیا گیا۔ مثلاً۔ ابن ابی ذیب۔ ابن عیینہ۔ ثوری۔ معمر وغیرہم کی کتابیں۔ جن کے اساتذہ اور امام مالکؒ کے اساتذہ
مشترک تھے امام مالکؒ سے بلاواسطہ ایک ہزار لوگوں سے زیادہ نے موطا کی روایت کی ہے دور دراز ملکوں سے سفر
کرکر لوگوں نے موطا کو امام مالک سے اخذ کیا۔ جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا تھا امام مالک کے شاگردوں
میں سے بعض ایسے لوگ تھے جنکی فقاہت مشہور و اعلے درجہ کی تھی جیسے امام شافعی اور محمد بن حسن اور ابن وہب ابن قاسم
اور بعض بڑے متبحر محدثین تھے جیسے یحیٰی بن سعید قطان اور عبد الرحمن بن مہدی اور عبد الرزاق اور بعض اُن کے شاگرد
امراء و سلاطین تھے جیسے رشید اور اور اُن کے دونوں بیٹے موطا کی شہرت امام مالک ہی کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں
منتشر ہوگئی تھی اُسکے بعد جتنا زمانہ گذرتا گیا اسی قدر اُس کی شہرت بڑہتی گئی اور اس کی طرف توجہ زیادہ ہوتی گئی۔ شہروں
کے فقہا نے اپنے مذاہب کی بنیاد اسی پر قائم کی بعض مسائل میں یہاں اہل عراق نے بھی اسی کو متبع قرار دیا اور علماء ہمیشہ اس کی
حدیثوں کی تخریج کرتے رہے اور اس کے شواہد و توابع کو بیان کرتے رہے۔ اس میں سے غریب حدیث کی شرح اور

مشکل کا انضباط کرتے تھے اُنکے مسائل میں مباحثہ کرتے تھے اور اُنکے راویوں کی تحقیق اور ان امور میں لوگوں نے یہاں
تک غور کیا کہ اُسکے بعد کوئی مرتبہ غور کا باقی نہیں رہا۔ اگر تجھ کو صاف حق کا پانا منظور ہے تو کتاب موطا کا امام محمدؒ کی کتاب الآثار
اور امام ابویوسفؒ کی کتاب اآمالی سے موازنہ کرو موطا میں اور ان دونو کتابوں میں بعد المشرقین نظر آویگا تم نے کسی محدث یا
فقیہ کو سنا ہے کہ ان دونوں کی طرف توجہ کی ہو۔

صحیحین پر تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ صحیحین میں جتنی حدیثیں متصل مرفوع ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں۔ ان دونو
کتابوں کا ثبوت مصنفین تک بالتواتر ہے اور جو ان کی حالت کو نگاہ عظمت سے نہ دیکھے وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کے
رستے سے خلاف پیروی کرنے والا ہے اگر تم صحیحین کا ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی کتابوں اور خوارزمی وغیرہ کے مسندوں سے
مقابلہ کرو گے تو ان میں بعد المشرقین پاؤ گے۔ اور حاکم نے صحیحین کی احادیث پر اُن دونو کی شرط کے موافق دیگر حدیثوں کا
اضافہ کیا ہے جن کو شیخین نے ذکر نہیں کیا تھا میں نے اُن کو متتبع کیا ہے ایک وجہ سے وہ درست ہیں حاکم نے ایسی
حدیثیں دریافت کیں جو شیخین کے اساتذہ سے مروی تھیں اور صحیحین کی شروط یعنی حدیث کا صحیح اور متصل ہونا اُن میں پایا جاتا
تھا اس لئے حاکم کا اس قسم کا اضافہ مقبول ہے لیکن شیخین صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جن میں اُن کے اساتذہ نے
خوب غور کر لیا تھا۔ اور اُس کے بیان کرنے اور صحت پر اُن کا اتفاق ہو گیا تھا جیسے مسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میں یہاں صرف
وہی حدیثیں بیان کرونگا جن پر سب اساتذہ کا اتفاق ہے اور مستدرک حاکم میں جو احادیث صحیحین سے جیسا بیان کی گئی
ہیں سب مستور الحال ہیں۔ صحیحین کے اساتذہ کے زمانہ میں وہ مخفی حالت میں تھیں اگرچہ اُن کے زمانہ کے بعد ان حدیثوں
کی شہرت ہوگئی تھی۔ اور جو حدیثیں ایسی ہیں کہ محدثین نے اُنکے راویوں میں اختلاف کیا ہے اُن میں شیخین اپنے اساتذہ کے طریقہ پر
حدیثوں کے موصول اور منقطع ہونے میں اتنا غور کیا کرتے تھے کہ اصلی حالت کا بالکل انکشاف ہو جایا کرتا تھا۔ اور حاکم نے اکثر
موقعوں میں اُنہیں قواعد پر اعتماد کیا ہے جو شیخین کے اصول سے مستنبط کئے گئے ہیں۔ جیسے کہ حاکم کا قول ہے۔ ثقہ راویوں کا
زیادہ ہونا باعث قبولیت ہے اور جب حدیث کے موصول و مرسل ہونے یا موقوف اور مرفوع ہونے وغیرہ میں علماء کا اختلاف
ہو تو جو شخص زیادہ حافظ ہوگا اُسکے مقابلہ میں جو حافظ نہیں ہے اُس کا زیادہ غلبہ ہوگا حالانکہ حق یہ ہے کہ حفاظ سے موقوف
اور منقطع کے موصول کرنے میں خرابی ہو جایا کرتی ہے۔ خاصکر جب حفاظ کو متصل مرفوع کی طرف زیادہ میلان و اہتمام ہوا
کرتا ہے اسی لئے شیخین اکثر اُن احادیث کے قائل نہیں ہیں جن کے حاکم قائل ہیں۔ ان تینوں کتابوں کی طرف
قاضی عیاض نے کتاب مشارق میں زیادہ توجہ کی ہے اُن کی مشکلات کا زیادہ انضباط کیا ہے اُنکی رد و بدل کو دور کر دیا ہے۔

دوسرے طبقہ کی کتابیں موطا اور صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں لیکن اُن کے قریب قریب ہیں اُنکے مصنف
ثقاہت و عدالت و حفظ میں مشہور و معروف تھے۔ فنون حدیث میں متبحر تھے انہوں نے اپنی اس درجہ کی کتابوں میں
اُن امور میں کوتاہی کرنے کو پسند نہیں کیا جن کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تھا اس لئے جو لوگ اُنکے بعد ہوئے ہیں اُنہوں
نے اُن کو بنظر قبول دیکھا محدثین فقہا نے اُنکی طرف درجہ بدرجہ توجہ کی لوگوں میں کتابیں مشہور ہو گئیں لوگوں نے اُنکے
غریب امور کی شرح کی اُن کے راویوں کی تفتیش کی فقہی مسائل کو مستنبط کیا عام علوم کی بنا اِنہی احادیث پر ہے۔ اس طبقہ

ہیں سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی اور نسائی ہیں اور رزین نے تجرید صحاح اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں ان احادیث کا خاص اہتمام کیا ہے۔ غالباً مسند احمد بھی اسی درجہ کی ہے۔ امام احمد نے اسکو گویا ایک معیار قرار دیا ہے جس سے صحیح و سقیم کی شناخت بھی ہو سکتی ہے اور کہا ہے جو حدیث اس میں نہیں ہے اسکو قبول مت کرو ۔

تیسرے طبقہ میں وہ مسندیں اور جوامع اور تصنیفات داخل ہیں جو بخاری و مسلم سے پہلے یا ان کے زمانہ میں یا انکے بعد تصنیف کی گئی ہیں اور ان میں صحیح اور حسن اور ضعیف و معروف اور غریب و شاذ اور منکر و خطا و صواب اور ثابت و غیر ثابت ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں اور اگرچہ انہیں جہالت محض نہیں ہے تاہم ان کے علما کی چنداں شہرت بھی نہیں ہوئی - ان احادیث کا جو ان کتابوں میں منفرد ہیں فقہاء نے کچھ زیادہ استعمال نہیں کیا اور محدثین نے انکی صحت و سقم سے زیادہ بحث نہیں کی اور ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں کہ کسی اہل لغت نے انکی غرابت کو نہیں دور کیا اور کسی فقیہ نے سلف کے مذاہب پر انکو منطبق نہیں کیا اور کسی محدث نے ان کا مشکل دور نہیں کیا اور کسی مورخ نے اسماء الرجال کو بیان نہیں کیا۔ میرا کلام ان ائمہ حدیث میں ہے جو زمانہ سلف میں تھے وہ متاخرین مراد نہیں ہیں جن کی نظر میں زیادہ عمق ہے ۔ انہیں وجوہ سے یہ کتابیں اختفاء اور گمنامی کی حالت میں ہوتی رہیں۔ اس طبقہ میں مسند ابو علی اور مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید اور طیالسی اور بیہقی اور طحاوی اور طبرانی کی کتابیں ہیں ان لوگوں کا یہ قصد تھا کہ جو پاویں جمع کر دیں یہ غرض نہ تھی کہ خلاصہ کر کے مناسب صورت میں بیان کر کے عمل کرنے کے قابل بنا دیں ۔

چوتھے طبقہ میں وہ کتابیں ہیں کہ صدیوں کے بعد کے مصنفین نے قصد کیا کہ جو احادیث طبقہ اولے اور طبقہ دوم کی کتابوں میں جمع نہیں ہیں اور جو ایسے مجموعوں اور مسندوں میں جمع تھیں جن کی شہرت نہ ہوئی تھی۔ ان مصنفین نے ان احادیث کی رغبت کی وہ ایسے لوگوں کے زبان زد تھیں کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں انکو جمع نہ کیا تھا جیسے اکثر واعظ مبالغہ آمیز باتیں کیا کرتے ہیں یا وہ حدیثیں کہ اہل ہوا اور ضعیف راویوں سے مروی تھیں یا صحابہ و تابعین کے وہ آثار تھے یا اسرائیلیات کے قبیلہ سے تھیں یا حکما اور واعظوں کے مقولے تھے جنکو راویوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے سہواً یا عمداً غلط ملا کر دیا تھا یا قرآن و حدیث کے احتمالات تھے جنکو نیک لوگوں نے کہ جو روایت کے غوامض سے واقف نہیں ہوتے بالمعنی روایت کیا تھا۔ اور ان معانی کو احادیث مرفوعہ کر دیا تھا یا بعض معانی کتاب و سنت کے اشارات سے مفہوم ہوتے تھے ایسے معانی کو مستقل حدیث سمجھ لیا تھا یا چند احادیث میں چند مختلف جملے وارد ہوئے تھے ان کو ترتیب دیکر ایک حدیث بنا لی۔ ایسی حدیث کا مخزن غالب یہ کتابیں ہیں۔ ابن حبان اور کامل ابن کی کتاب الضعفاء اور ابونعیم اور جوزقانی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور دیلمی کی اور مسند خوارزمی بھی اسی پایہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اس چوتھے طبقہ میں زیادہ درست وہ کتابیں ہیں جن میں ضعیف و محتمل حدیثیں ہیں اور سب سے بدتر وہ ہیں جن میں موضوع حدیثیں ہیں یا جہالت و نکارت ان میں زیادہ ہے ابن جوزی کی کتاب الموضوعات اس طبقہ کا ذخیرہ ہے ۔

پانچویں طبقہ میں وہ کتابیں ہیں کہ فقہاء اور صوفیہ اور مورخین وغیرہ کی زبانوں پر انکی شہرت ہے اور ان چاروں طبقوں

میں ان کی کچھ اصل نہیں معلوم ہوتی۔ تو انہیں سے بعض ایسی بھی ہیں کہ جن لوگوں نے مصنوع کر لیا ہے جو دیندار تھے لیکن
زبان عربی میں خوب ماہر تھے انہوں نے ان احادیث کی اسناد بلیغ لفظوں میں بیان کی اس لئے ان ... ان میں جرح نہیں
ہو سکتی تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے انکا وارد ہونا مستبعد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے اسلام میں ایک سخت
مصیبت کو پھیلا دیا لیکن کہ ایسے حدیث ایسی حدیثوں کو شواہد حدیث پر پیش کرنے میں اسوقت کی پردہ دری ہوتی ہے
اور عیب ظاہر ہوتا ہے اور محدثین کا اعتبار طبقہ اولے اور طبقہ دوم کی حدیثوں پر ہے انہیں سے محدثین کی وابستگی رہی ہے اور
تیسرے طبقہ کی حدیثوں پر عمل کرنا اور انکا قائل ہونا نہید متبحر محققین کا کام ہے جو اسماء الرجال کو محفوظ رکھتے ہیں اور حدیث کی
علتوں سے خوب واقف ہیں اس طبقہ کی حدیثوں سے اکثر شواہد وغیرہ ماخوذ ہوا کرتے ہیں لقد جعل اللہ لکل شئی قدرا اور چوتھے
طبقہ کی حدیثوں کا توجہ سے جمع کرنا ان سے احکام کا استنباط کرنا علماء متاخرین کیطرف سے ایک قسم کا تعمق ہے ... اور
مبتدعین کے گروہ رافضی اور معتزلہ وغیرہ والے توجہ سے ان حدیثوں سے اپنے شواہد مذہب کو خفض کر سکتے ہیں لیکن علماء
حدیث کے معرکوں میں انکے ذریعہ سے فتح نہیں پا سکتے۔ واللہ اعلم ؕ

باب ۹

اس بیان میں کہ کلام سے مقصود کیسے سمجھ میں آیا کرتا ہے

معلوم کرو کہ وہ کوئی مقصود کو جب متکلم بیان کرتا ہے اور سامع اس سے مطلب سمجھتا ہے تو انکے بلحاظ وضوح اور خفا کے کئی درجے
ہوا کرتے ہیں۔ سب سے اعلے درجہ وضوح کا یہ ہے کہ موضوع لہ معنی کے لئے صریح طور پر حکم ثابت کیا گیا ہو اور اسی کے بتانے
اور سمجھانے کو وہ کلام بولا گیا ہو۔ اور کسی دوسرے معنی کا اس میں احتمال نہ ہو سکے اور اس کے قریب اس کا درجہ ہے کہ جس میں
ان تینوں قیدوں میں سے کوئی قید نہ پائی جائے بلکہ اس میں حکم کا ثبوت کسی عام عنوان کے لئے ہو جو چند مسمیات اور معانی کو شامل
... ہو جیسے نفس مسلمون قوم رجال اور اسماء اشارہ جب ان کو علی العموم کہا گیا ہو۔ یا کوئی موصوف جس کی صفت عام
یا وہ لفظ جو بلانت جنس سے نفی کیا گیا ہو۔ اس قسم کا ثبوت کامل اسواسطے نہیں ہوا کرتا کہ اکثر عام معنی میں خصوصیت بھی پیدا
ہو جایا کرتی ہے یا خاص اس فائدہ پہنچانے کیلئے وہ کلام نہ لایا گیا ہو بلکہ اس معنی سے وہ فائدہ لازمی طور پر معلوم ہو گیا ہو۔
جیسے جاءنی زید الفاضل سے زید کا فضل اور یا زید ان الفقیہ سے زید کا فقہ ضمناً اور لزوماً معلوم ہو جایا کرتا ہے یا اس لفظ میں کسی
دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو مثلاً لفظ مشترک، وہ لفظ کہ حقیقی معنی بھی استعمال میں آتے ہوں اور اسکے مجازی معنی بھی متعارف
ہو گیا ہو یا وہ الفاظ جن کا علم مثال اور تقسیم کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن وہ کسی تعریف جامع اور مانع سے معلوم نہیں ہوا کرتے مثلاً سفر
اسکی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ مدینہ سے نکل کر کوئی شخص مکہ کا قصد کرے اور یہ امر معلوم ہے کہ بعض حرکتیں سفر کیواسطے بھی ہوا کرتی
ہیں اور کبھی ضرورت کیلئے حرکت ہوا کرتی ہے کہ اسی روز اپنے مکان کو واپس آ جایا کرتے ہیں اور کبھی حرکت چلنے کی غرض سے
ہوتی ہے اور دوسرے معنی کا احتمال اس طرح پر ہوا کرتا ہے کہ ایک لفظ میں دو چیزوں کا احتمال ہو جیسے اسم اشارہ یا ضمیر جب
مختلف قرائن سے مرجع کی وجہ سے باہمی تعارض ہو گیا ہو۔ یا کسی صلہ کا مصداق دو چیزیں ہو سکتی ہوں اور اس کے قریب

اس مفہوم کا درجہ ہے کہ بغیر ذریعہ کلام و لفظ کے کسی عبارت سے وہ امر مفہوم ہو سکتا ہو ایسے طریقے بڑے بڑے تین ہیں (۱) فحوائے کلام یعنی کلام سے ایک وہ امر معلوم ہو جائے جس کا عبارت میں کچھ ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اور اس امر کا ثبوت ان معنی سے ہو جائے جنکی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے جیسے لاتقل لهما اف سے والدین کے مارنے کی حرمت بطریق اولےٰ ثابت ہوتی ہے۔ اور جیسے کہا جائے کہ جو شخص رمضان کو کچھ دن میں کھائے تو اس پر قضا واجب ہو جائیگی۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ قائل کی غرض یہ ہے کہ جو شخص روزہ توڑ دے اس پر قضا واجب ہے اور صرف کھانے کی صورت اسواسطے ذکر کیگئی کہ یہ صورت ذہن میں جلد آجایا کرتی ہے (۲) اقتضا اس سے معنی اسطرح سمجھ میں آیا کرتے ہیں کہ لغتاً یا عقلاً یا شرعاً اس لفظ کو وہ معنی لازم ہوا کرتے ہیں جنکے لئے وہ لفظ استعمال کیا گیا ہے مثلاً اعتقت اور بعت کا مقتضا یہ ہے کہ پہلے اس شے کا وہ مالک ہو چکا ہو اور مشی کا مقتضا یہی ہے کہ پاؤں سالم ہوں اور صلے کا مقتضا یہ ہے کہ اسکو طہارت حاصل ہو (۳) ایما مقصود کو ایسی عبارت میں ادا کیا کرتے ہیں جو مناسب اعتبارات کی وجہ سے دور ہوا کرتی ہے اس سے بلغا کا قصد ہوا کرتا ہے کہ عبارت اس اعتبار مناسب کے مطابق لائی جائے۔ جو اصل مقصود پر زیادہ ہو اسواسطے اس کلام سے جو اعتبار اسکے مناسب ہوگا وہ مفہوم ہوگا مثلاً جب کسی شے کو وصف یا کسی شرط سے مقید کریں تو اس سے معلوم ہوگا کہ اگر یہ وصف اور شرط نہ پائے جائینگے تو یہ حکم بھی نہ ہوگا لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ وہ واقع ایسا ہو کہ سوال کے مشکل کلام کو ذکر کرنا یا اس صورت کا ذکر کرنا سابق الی الذہن ہو مقصود نہ ہو۔ اور نہ اس سے یہ غرض ہو کہ حکم کا فائدہ بیان کیا جائے۔ اور ایسے ہی استثنا اور بیان غایت اور بیان عدد کا حال ہے اور ایما کے اعتبار کرنے میں یہ شرط ہے کہ اہل زبان کے عرف میں اس ایما کی وجہ سے کلام میں تناقض سمجھا گیا ہو مثلاً جب کہا جائیگا علے عشرة الا تسعة انما علے واحد اور جو امور ایسے ہیں کہ ان سے وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو علم معانی میں بخوبی خوض کر سکتے ہیں انکا کچھ لحاظ نہیں ہے

اسکے بعد ان مطالب کا درجہ ہے جنکی راہبری مضمون کلام سے ہوا کرتی ہے اس کے بھی تین بڑے صیغے ہیں (۱) حکم میں کسی شے کو مندرج کرنا جیسے بجو یا ذی ناب ہوا کرتا ہے اور تمام ذی ناب چیزیں حرام ہوا کرتی ہیں۔ اسکا بیان قیاس اقترانی سے ہوتا ہے۔ اسکے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ثواب کے باب میں مجھ پر صرف ایک ہی آیت جامع نازل کی گئی ہے۔ اب جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کریگا وہ اس کی جزا دیکھیگا۔ اور جو ذرہ برابر بھی برائی کریگا وہ اسکی جزا دیکھیگا اور ایسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے استدلال کیا تعالیٰ کے قول فبهداهم اقتده اور اس قول تعالیٰ سے وظن داؤد انما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعا وأناب عبداللہ ابن عباس نے فرمایا تھا کہ داؤد بھی پیغمبر تھے کہ انکی پیروی کریں۔ اور ایک استدلال ملازمت یا منافات کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جیسے کہ اگر وتر واجب نہ ہوتے تو سواری پر انکو ادا نہ کر سکتے لیکن انکو سواری پر تو ادا کر سکتے ہیں اس استدلال کی صورت قیاس شرطی کی سی ہوا کرتی ہے۔ آیت لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا میں بھی ایسا ہی استدلال ہے اور ایک صورت قیاس کی ہے یعنی کسی علت جامع اور مشترک میں ایک صورت کی دوسری صورت سے مشابہت اور مثال قائم کرنی۔ جیسے گیہوں کی طرح چنا بھی ربوی ہے یعنی اسمیں بھی ربو ہوا کرتا ہے ایسا ہی قیاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے کہ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو اسکو ادا کرتا یا نہیں اور اگر کرتا تو اس کی جانب سے ادا ہوتا یا نہیں اس شخص نے کہا ہاں ادا ہو جاتا تب آپ نے فرمایا کہ پھر اپ کیطرف سے حج کرو۔ واللہ اعلم۔

باب ۸۰

اس بیان میں کہ قرآن و حدیث سے احکام شرعیہ کو کیسے سمجھا کرتے ہیں

جن لفظوں سے رضائے الٰہی و رنجگی ناخوشی کا ثبوت ہوا کرتا ہے۔ وہ لفظ حب اور بغض رحمت و لعنت قرب و بعد ہیں اور ایسے ہی رضا اور عدم رضا اس سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ کسی فعل کی نسبت ان لوگوں کی جانب کیجائے جو مورد رضا اور عدم رضا ہیں۔ جیسے مومنین اور منافقین اور ملائکہ اور شیاطین اور اہل جنت اور اصحاب الجحیم اور اس سے بھی مفہوم ہوا کرتا ہے کہ کسی امر کو طلب کریں یا کسی امر کو منع کریں یا اس جزا کو بیان کریں جو کسی کام پر مرتب ہوا کرتی ہے۔ یا کسی امر کو اس چیز کے مشابہ کیجائے جو عرف میں محمود یا مذموم خیال کیجاتی ہے اور نیز اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس امر کے کرنے کا اہتمام فرمائیں یا باوجود ہونے دواعی کے اس سے اجتناب کریں۔

رضائے الٰہی اور نارضامندی خداوندی کے درجات کو تمیز کرنا اور وجوب اور استحباب و حرمت و کراہت کا اندازہ کرنا تو اس کے لیے بہت صاف صورت یہ ہوا کرتی ہے کہ اسکے مخالف کا حال بیان کیا جائے جیسے جو شخص اپنے مال کی زکوۃ ادا نہ کریگا قیامت کے روز گنجے سانپ کی شکل اس کی ہوگی اور جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ومن لم یحج اور درجات کا اندازہ ایسے الفاظ سے بھی ہوتا ہے کہ کہا جائے فلاں چیز واجب ہے یا فلاں ناجائز ہے یا کوئی شئی اسلام یا وضو کیلئے رکن قرار دیجائے یا اس کی بجاآوری یا ترک پر نہایت شدت کی جائے یا اسکی نسبت کہا جائے یہ امر مروت سے بعید ہے یا مناسب نہیں ہے یا صحابہ و تابعین اس کا کوئی حکم معین کریں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے سجدۂ تلاوت کا واجب نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وتر واجب نہیں ہیں یا مقصود کی حالت دیکھی جائے کہ اس سے کس طاعت کی تکمیل ہوتی ہے یا کوئی گناہ کا ذریعہ اس سے رک جاتا ہو یا اس عمل میں وقار اور حسن ادب کی شان معلوم ہوتی ہے۔

کسی فعل کی علت یا رکن یا شرط معلوم کرنا ہو۔ تو ان امور کیلئے بہت صاف طریقہ یہ ہے کہ نص میں وہ وارد ہوا ہو جیسے ہر نشہ والی چیز حرام ہے کل مسکر حرام یا جیسے کوئی شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہ ہوگی لا صلوۃ لمن لم یقرء بام الکتاب۔ اور بغیر وضو کے تم میں سے کسی کی نماز مقبول نہ ہوگی لا تقبل صلوۃ احدکم حتی یتوضأ یا بذریعہ اشارہ اور ایمائے اسکا اندازہ کیا جائے جیسے ایک شخص نے کہا تھا کہ رمضان میں میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوگیا آپ نے فرمایا ایک بردہ آزاد کر اور نماز کا نام قیام یا رکوع یا سجدہ رکھنا۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ امور نماز کے ارکان ہیں اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہے فانی ادخلتهما طاہرتین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موزہ پہننے کے وقت طہارت کا ہونا شرط ہے۔

اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک شے کے ہونے سے کسی شے کے ہونے کا یا نہ ہونے سے کسی شے کا نہ ہونا ثابت کیا جاتا ہے تب اس سے ذہن میں صاف جم جاتا ہے کہ فلاں شے علت ہے یا رکن ہے یا شرط ہے جیسے کہ زبان عربی کی مشق کرتے کرتے اور قرائن کے موافق الفاظ عربی کا استعمال کرتے کرتے ایک فارسی نژاد شخص کے ذہن میں زبان عربی کے معانی موضوعہ متمکن

ہو جایا کرتے ہیں۔

وتمام میزانہ قس تلک المعرفۃ۔ جب ہم شارع کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نمازیں رکوع کرتے ہیں سجدہ کرتے ہیں اور اپنے بدن سے ناپاکی کو دور کرتے ہیں اور وہ وغیرہ ایسا ہی کرتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں وکا ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ تم کو حق معلوم کرنے کی خواہش ہے تو ہر جگہ ذاتی صفات معلوم کرنے کا مدار علیہ یہی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ لکڑیاں جمع کر کے ان سے یہی چیز بنانا چاہتے ہیں جو نشست کے لئے ہو اور اس کا نام تخت رکھتے ہیں تو اس سے ہم کو تخت کے اوصاف ذاتی کا انتزاع آسان ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بعد کسی مناسبت کے تمام دیگر علت حکم اور مدار علیہ حکم کا جان لیا کرتا ہے۔

ان مقاصد کا معلوم کرنا جن پر احکام کی بنا ہوا کرتی ہے نہایت دقیق علم ہے اس علم میں وہی شخص غوض کیا کرتا ہے جس کا ذہن نہایت لطیف اور جس کا فہم نہایت درست ہو فقہائے صحابہ نے طاعتوں اور گناہوں کے اصول کو ان مشہور امور سے اخذ کر لیا تھا جن پر اس زمانہ کے دینوں کا اتفاق ہو گیا تھا مشرکین عرب۔ یہود۔ نصاریٰ سب ان پر متفق تھے اس لئے صحابہ کو ان امور کی وجہ اور ان کے متعلق مباحث اور چھیڑ چھاڑ کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور شریعت کے قوانین اور مسائل کے اصول اور احکام دین کے مرتبوں کو انہوں نے امور حقہ کے موقع و محل دیکھ کر حس کر لیا تھا جیسے طبیب کے ہمنشین مدت کی میل جول اور مشاقی سے ان دواؤں کے فوائد معلوم کر لیتے ہیں جن کے استعمال کا وہ طبیب حکم کیا کرتا ہے صحابہ کو ان امور کے متعلق اعلیٰ درجہ کی واقفیت تھی یہی واقفیت تھی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی نسبت فرمایا تھا جو نفل کو فرض سے ملا کر پڑھتا تھا کہ اسی سے وہ لوگ ہلاک ہو گئے تھے جو تم سے پہلے تھے اس پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب تیری رائے کو خدا نے درست کر دیا ہے۔ ایسے ہی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسکی وجہ بیان کی کہ جمعہ کے روز غسل کرنے کا کیوں حکم دیا گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین امر میں مجھ کو خدا کے ساتھ موافقت ہوئی ہے اور ثمر کی بیوع کی نسبت حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھلوں میں مختلف بیماریاں پیدا ہو جایا کرتی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ اگر ان امور کو جو اب عورتوں نے نئے نئے ایجاد کر لئے ہیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم معلوم کرتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں ایسے ہی یہ عورتیں مسجدوں سے روک دی جاتیں۔ معانی شرعیہ کے معلوم کرنے کا صاف طریقہ یہ ہے۔ جو قرآن و حدیث میں صریح طور پر مذکور ہو جیسے فرمایا خدا نے۔ قصاص میں اے عقلمندو تمہاری زندگی ہے اور فرمایا خدا نے معلوم کیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہو اس واسطے توبہ تمہاری قبول کر کے تم کو معاف کر دیا۔ اور فرمایا اب خدا نے تم کو آسانی کر دی اور جان لیا کہ تمہارے اندر ضعف ہے۔ اور فرمایا کہ اگر اس کو نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہو گا اور خدا نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی راستہ سے بہک جائے تو ایک دوسرے کو یاد دلائے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ کہاں سو رہا ہے اور فرمایا شیطان اس کی ناک پر شب کو رہا ہے ان کے بعد ان مسائل کا درجہ ہے جو ایما اور اشارہ سے معلوم ہوتے ہوں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صحبت کرنے والوں سے بچو۔ ان کے بعد ان کا درجہ ہے جن کو فقیہ صحابی بیان کرے۔ اس کے بعد علت

حکم کے ناسخ ہونے کا درجہ ہے تخریج اس طرح ہو کہ اسکی انتہا ایسے امر مقصود پر ہوتی ہو جس کا لحاظ ہوتا یا اسکے نظیر کا لحاظ ہوتا ہو۔ اور چونکہ ہمیں امور میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس میں گزارش ہوتو اسواسطے ضرور ہے کہ فقہاء سے بحث کیجائے انکی زمانہ کیوں معین نہیں کی گئیں خاص خاص ہی مقادیر کیوں معین ہوئیں اور اس سے بحث ہو کہ حکم عام تھے یہ کیوں خاص کئے گئے کیا اصلی مقصود اس عموم کا مفقود تھا یا کوئی مانع موجود تھا کہ تعارض کیوقت سکو ترجیح دیدی گئی ۔

باب ۸۱
مختلف حدیثوں میں فیصلے کے بیان میں

کلیہ یہ ہے کہ ہر ایک حدیث پر عمل کرنا چاہئے البتہ اگر تناقض کیوجہ سے سب حدیثوں پر عمل نہ کر سکتے ہوں تو بعض کو ترک کرنا چاہئے اور واقع میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا ہماری نظر میں اختلاف معلوم ہوا کرتا ہے ۔

جب دو حدیثیں مختلف ظاہر ہوں تو وہاں دیکھنا چاہئے اگر وہ اس قسم کی ہیں کہ ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل نقل کیا گیا ہے۔ اگر ایک صحابی نے یہ نقل کیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا تھا اور دوسرے صحابی نے نقل کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا کام کیا تھا تو اس صورت میں ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہو گا۔ ایسی حدیثیں ان امور کے متعلق میں جو بطریق عادت کئے جاتے ہیں تو وہ دونوں مباح ہونگی اور ایک میں عبادت سے آتا ہوگئے اور دوسری میں کوئی امر عبادت کا نہ ہوگا تو پہلی کو مستحب سمجھنا چاہیے اور دوسری کو جائز۔ اور اگر دونو حدیثوں کو عبادت سے تعلق ہوگا تو وہ دونو امر مستحب یا واجب ہونگے اور ہر ایک کافی ہو جائیگا جیسا کہ صحابہ نے اکثر سنن میں ایسی ہی تصریح کی ہے مثلاً وتر میں گیارہ رکعتیں بھی وارد ہیں اور نو اور سات بھی۔ اور تہجد میں جہر بھی آیا ہے اور خفا بھی۔ اسی کے موافق رفع یدین میں بھی فیصلہ کرنا چاہئے کہ کانوں تک اٹھائے جائیں یا شانوں تک۔ اور ایسے ہی حضرت عمر اور عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد میں بھی فیصلہ کرنا چاہئے اور ایسے ہی وتر میں کہ آیا ایک رکعت مستقل ہے یا تین رکعتیں ہیں اور صبح و شام اور تمام اسباب اور وقتوں میں یہی کیفیت ہے ۔

اور اگر ایسی حدیثوں سے پیشتر کے امر کا وجوب معلوم ہوتا ہو تو انکی وجہ سے حرج اور تنگی رفع کرنی مقصود ہوا کرتی ہے مثلاً وہ حدیثیں جنکا کفارہ سے تعلق ہے یا لڑنے والے کے معاوضہ کا فیصلہ ایک قول کے موافق ہے یا ان احادیث میں کوئی مخفی علت ہوا کرتی ہے جس سے ایک وقت میں کسی کام کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں انکا مستحسن ہونا سمجھا جاتا ہے یا ایک وقت میں کسی شے کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں انمیں رخصت معلوم ہوتی ہے اس لئے اسکا تفتیش کرنا ضرور ہوا کرتا ہے اور اگر ایک شے میں احتیاط کا اثر معلوم ہوتا ہو اور دوسری میں حرج کا لحاظ کیا گیا ہو تو ایک کو عزیمت قرار دینگے اور دوسری کو رخصت اور اگر کوئی دلیل نسخ ظاہر ہو جائے تو نسخ کے قابل ہونگی۔ اور اگر ایک حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل بیان کیا گیا ہو اور دوسری حدیث سے کسی حدیث قولی کا رفع ثابت ہوتا ہو تو اگر اس قول سے تحریم یا وجوب دوامی قطعی طور پر معلوم نہ ہوتا ہو یا رفع بھی قطعی نہ ہو تو دونوں کا احتمال ہوگا یعنی حکم اول کا بھی اور حکم دوم کا بھی اور اگر قول میں

تحریم و وجوب کی تطبیق ہوگی تو اس وقت میں کہا جائیگا کہ وہ فعل صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص تھا یا دونوں قول اور
قول کی حالت تفتیش کرنے کے بعد نسخ کے قائل ہو جائینگے۔ اور اگر یہ دونوں حدیثیں قولی ہوں تو دیکھینگے کہ ان حدیثوں کی کیا حالت ہے
اگر ایک حدیث سے کوئی معنی ظاہر معلوم ہوتے ہوں اور تاویل کرنے سے دوسرے معنی نکلے ہو سکتے ہوں اور تاویل بعید بھی
ہو تو یہ قرار دینگے کہ ایک معنی دوسرے معنی کیلئے بیان ہیں اور اگر تاویل بعید ہوگی تو یہ معنی تاویلی جب ہی ٹھیک جانینگے کہ کوئی قرینہ
نہایت قوی ہو یا کسی فقیہ صحابی سے یہ تاویل منقول ہو۔ مثلاً اس ساعت کے متعلق جس میں قبولیت دعا کی امید ہوا کرتی ہے
عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ وہ ساعت قبیل غروب ہوا کرتی ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے اعتراض کیا کہ یہ نماز کا
وقت ہی نہیں ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے وقت میں کوئی مسلمان کھڑا ہو کر نماز پڑھے تب
حضرت عبداللہ ابن سلام نے فرمایا کہ نماز کا انتظار کرنیوالا ایسا ہی ہے جیسے نماز پڑھنے والا۔ یہ تاویل بعید ہے۔ اگر ایک فقیہ
صحابی نے اسکو نقل نہ کیا ہوتا۔ تو ایسی تاویلیں قابل تسلیم نہ ہوتیں۔

لیکن یہ اقوال ذیل کہ تم پر مردار حرام کیا گیا۔ حرمت علیکم المیتۃ یعنی مردار کا کھانا حرام کیا گیا۔ اور تم پر تمہاری مائیں حرام
کی گئیں یعنی ان سے نکاح کرنا حرام کیا گیا۔ اور جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر کا لگنا حق ہے یعنی نظر کا اثر ہوا کرتا
ہے۔ اور رسول حق ہے یعنی رسول کی بعثت خدا کی جانب سے بیشک ہوا کرتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ میری امت سے خطا اور نسیان دور کر دی گئی یعنی جو کام خطا و نسیان سے کیا جائے اسکا گناہ نہیں ہوا کرتا۔ اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی اور بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوا کرتا اور اعمال صرف نیتوں ہی سے
ثابت ہوا کرتے ہیں ان حدیثوں سے یہ مراد ہے کہ ان امور پر ان کے وہ اثر مرتب نہیں ہوا کرتے جو شارع نے قرار دیے
ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہوا کرو۔ تو منہ وغیرہ دھویا کرو۔ اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا یعنی ایسی صورت میں
کہ تم کو وضو نہ ہوا کرے تو اس قسم کے سب اقوال ظاہر ہیں ان میں کوئی امر تاویلی نہیں ہے اسلئے کہ اہل عرب ہر ایک لفظ کو
اپنے اپنے مواقع کے جو امر مناسب ہوتا تھا اس سے وہی مراد لیا کرتے تھے۔ یہ انکی زبان کا مقتضا تھا۔ اس میں کوئی امر ایسا
نہ تھا جس سے وہ سمجھتے ہوں کہ ظاہری معنی سے عدول کیا گیا ہے۔

اور اگر دو حدیثوں میں دو قسم کے فعل مذکور ہوں اور وہ کسی مسئلہ کا جواب یا کسی واقع کے فیصلے کے متعلق ہوں تو
اگر ان دونوں میں کوئی علت دونو کو جدا کرنے والی موجود ہو۔ تو اسی کے موافق فیصلہ کرینگے۔ مثلاً ایک شخص جوان نے روزہ دار
کے بوسہ کا حکم دریافت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے اسکو منع کر دیا اور ایک بوڑھے شخص نے دریافت
کیا تو آپ نے اسکو جائز قرار دیا اور اگر سیاق حدیث سے ضرورت کا ہونا یا سائل کا اصرار یا کسی امر کی طرف توجہ کا نہ ہونا
یا کسی ایسے شخص کی حالت کا ذکر مقصود ہو جس نے اپنی ذات پر نہایت سختی کی ہو اور دوسری حدیث میں یہ امور سیاق
سے ثابت نہ ہوں تو یہ کہینگے کہ ایک میں عزیمت ہے اور دوسری میں رخصت اور اگر ان احادیث سے حالت بتلائیں گو
خلاصی کسی کی معلوم ہوتی ہو اور ان میں کسی جنایت کرنیوالے کی تقریبیں مذکور ہوں یا قسم توڑنے والے کے کفارہ کا ذکر ہو۔ تو
یہ احتمال ہوگا کہ دونوں قسمیں صحیح قرار دیجائیں اور نسخ کا بھی احتمال ہے۔ اسی قاعدہ کے موافق صحابہ نے اہل عورت کا فتویٰ دیا

کبھی اسکو ہر ایک نماز کیلئے غسل کا حکم دیا گیا۔ اور کبھی ایام معتاد کے بموجب حیض کی حالت میں سمجھنے کا، ان ایام میں کہ
خون کی زیادتی ظاہر ہو۔ یہ تقریر اس قول کے موافق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونو امر کا ایسی عورت کو اختیار دیا ہے
ورنہ عادہ اور خون کا رنگ دو تو اس کے قابل ہیں کہ حیض کا احتمال پیدا کر سکیں۔ اور یہی حکم ایک قول کے موافق روزہ دار
ایسے شخص کی طرف سے کھانا کھلانے میں ہے جو مرگیا ہو اور اس کے ذمہ روزہ باقی ہو اور ایسے ہی ایک قول کے موافق ہے
جس شخص کو نماز میں شک واقع ہوا ہو تو اس کا شک کس طرح رفع کیا جائے وہ ٹھیک رکعتوں کی جانچ کرے یا یقینی رکعتوں
کو اختیار کرے اور یہی حکم نسب کے ثابت کرنے کا ہے اور قیافہ اور قرعہ میں بھی یہی حکم ہے ایک قول کے موافق۔

اور اگر احادیث میں نسخ ظاہر ہو تو نسخ کا قابل ہونا چاہئے اور نسخ کا علم کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کر دینے
سے ہوا کرتا ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا لیکن اب ہوشیار ہو کر قبروں کی زیارت
کیا کرو اور کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حدیثوں کا حکم جمع نہ ہو سکتا ہو اور ایک حدیث دوسری حدیث کے بعد وارد ہوئی ہو
اور جب شارع نے کوئی حکم مشروع کیا ہو اور اسکی جگہ دوسرا کوئی اور مشروع کر دیا ہو اور پہلے حکم سے سکوت کیا ہو تو فقہائے صحابہ اس
سے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور جب مختلف احادیث میں کسی صحابی نے فیصلہ کیا ہو کہ ایک حدیث دوسری کی ناسخ ہے
تو اس سے بھی نسخ ظاہر ہوگی لیکن ایسا ثبوت قطعی نہ ہوگا اور فقہا کا کسی حدیث کو منسوخ کہہ دینا جو ان کے عمل مشائخ کی خلاف
ہوں قابل قوت نہیں ہے اور امور منسوخہ میں علماء یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اصل حکم میں تبدیلی ہو جایا کرتی ہے حقیقت
میں یہ تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ علت حکم کے ختم ہونے سے وہ حکم بھی ختم ہو جایا کرتا ہے یا اس علت میں مقصود اصلی کا احتمال باقی
نہیں رہا کرتا۔ یا علت کے ظاہر ہو جانے سے کوئی امر مانع پیش آ جایا کرتا ہے یا رسول خدا کے دل میں یا اپنے اجتہاد سے کسی
دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہو جایا کرتی ہے اس قسم کی ترجیح جب ہی ہوتی ہے کہ پہلا حکم اجتہادی ہو حدیث معراج میں خدا ارشاد
فرماتا ہے میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی ما یبدل القول لدی اور جب دو حدیثوں کا علم اکٹھا ہو سکتا ہو
اور تاویل کا بھی موقع نہ ہو۔ اور منسوخیت حکم بھی معلوم نہ ہو تو ان احادیث میں تعارض ہوگا۔ اس صورت میں اگر ایک حدیث
کی ترجیح ثابت ہوگی تو راجح کو اختیار کریں گے۔ ورنہ دونو حدیثیں ساقط ہو جائیں گی لیکن ایسی صورت محض فرضی ہی ہے ایسی حدیثیں
قریب قریب معدوم ہے ہیں اور ترجیح کے وجوہ متعدد طور پر ہیں۔

کبھی حدیث کی سند میں رجحان کی قوت ہوا کرتی ہے۔ اس طرح کہ اس حدیث کے راوی زیادہ ہوں یا اس کے
راوی میں ثقاہت ہو یا اس حدیث میں اتصال کی قوت ہو یا اس میں بصراحت مرفوع ہونا بیان کیا گیا ہو یا راوی سے
خود اس حدیث کا تعلق ہو کہ اس نے خود قصہ دریافت کیا ہو یا اس سے خطاب کیا گیا ہو یا اس فعل کو جو اس میں مذکور ہو
وہ اپنے عمل میں لایا ہو۔ اور اسطرح بھی رجحان ہوتا ہے کہ حدیث کے متن میں کوئی دقت ہو کہ کسی امر کو تاکید یا قسم سے بیان کیا
ہو یا صریح طور پر ذکر کیا ہو یا حکم اور علت کیوجہ سے حدیث میں قوت آ جایا کرتی ہے کہ وہ حکم احکام شرعی کی لحاظ سے زیادہ
مناسب ہوا کرتا ہے۔ اور اس علت کو ان احکام سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور خارجی لحاظ سے بھی حدیث میں رجحان بڑھ جاتا
ہے کہ اکثر اہل علم نے اسکو متمسک قرار دیا ہو۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا۔ اور اسطرح منع کیا تھا۔ اور آپنے یوں فیصلہ کیا تھا اور اسطرح رخصت دی تھی اور اسکے بعد اسکا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں امر سنتوں سے ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابو القاسم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اور اسکے بعد اس صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس نے بات مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو یا اس کا علم خود متیقن کیا ہو کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص۔ اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔ بظاہر اس سے کسی کام کا چند بار کرنا معلوم ہوتا ہے اور اگر اس فعل کے متعلق کسی دوسرے شخص نے بیان کیا کہ نہیں دوسرا فعل کیا کرتے تھے تو یہ اس اول کے کچھ منافی نہ ہوگا۔ اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں کہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا اور میں نے آپ کو منع کرتے ہوئے نہیں دیکھا یا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا کیا کرتے تھے۔ تو اس سے اس حکم کا ثبوت ظاہر طور پر ہے نہ بطریق نص کے۔

کبھی روایتوں اور طرق کے اختلاف سے احادیث کے الفاظ اور عبارات میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔ پس اگر کوئی حدیث وارد ہو۔ اور ثقات راویوں نے اُسکے الفاظ میں کچھ اختلاف نہ کیا ہو تو یہ الفاظ بظاہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی سمجھے جائینگے اور ان الفاظ کی تقدیم و تاخیر واو فی کے لحاظ سے استدلال کرنا ممکن ہوگا۔ اور ایسے ہی اصل مقصود پر جن امور کا اضافہ ہوگا۔ ان کا لحاظ رکھا جائیگا۔

اور اگر راویوں نے اختلاف کیا ہو اور تمام راوی فقاہت۔ حفظ کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر یہ ظاہر ہو جائیگا کہ یہ الفاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور ایسے ہی احادیث میں صرف اُسی معنی سے استدلال کر سکینگے جس کو باتفاق سب نے بیان کیا ہوگا۔ عام راویوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ صرف اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے۔ زوائد اور حواشی کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے اور اگر ایسی حالت میں راویوں کے درجات مختلف ہونگے تو جو ان میں ثقہ ہوگا اور اس قصہ اور واقعہ سے خوب واقف ہوگا۔ اسی کو اختیار کرینگے اور اگر راوی ثقہ کے قول میں ضبط الفاظ کا اہتمام بھی زیادہ ہوگا۔ جیسے وہ کہے کہ حدیث کا لفظ وارد ہوا ہے۔ تمام کا اور انفاض علے جلا والماء آیا ہے۔ نہ نفثل تو اسکو بھی اختیار کرینگے۔ اور اگر روایت حدیث میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہوگا۔ اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہونگے اور کوئی مرجح نہ ہوگا تو تمام حدیثیں مختلف فیہا ہونگی۔

اور حدیث مرسل قابل سند اور حجت جب ہوا کرتی ہے کہ کوئی اور قرینہ اسمیں شامل ہو گیا ہو مثلاً کسی صحابی کی حدیث موقوف سے اسمیں قوت آگئی ہو یا صحابی کی سند ضعیف نے یا کسی دوسرے راوی کی مرسل حدیث سے وہ قوی ہوگئی ہو۔ اور رواۃ دونوں کے مختلف ہوں یا اکثر اہل علم کے اقوال یا قیاس صحیح یا نص کے ایما سے اسکی تائید ہوگئی ہو یا یہ معلوم ہوا ہو کہ یہ راوی عادل سے ہی حدیث کو بطریق ارسال بیان کرتا ہے اگر مرسل کی یہ حالت ہے تو قابل حجت ہے اگر مسند سے اس کا درجہ کم ہے ورنہ قابل حجت نہیں ہے۔

اور جس حدیث کو کوئی قاصر الضبط راوی یا مجہول الحال نقل کرے لیکن وہ متہم نہ ہو تو اگر اسکے ساتھ کوئی قرینہ بھی ہے مثلاً قیاس کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا اسپر عمل ہو تو وہ قابل قبول ہوگی ورنہ اسکو قبول نہ کرینگے۔

اور اگر کوئی ثقہ راوی ایسا امر حدیث میں زائد کرے کہ اور راوی اسپر سکوت کرسکتے ہوں مثلاً حدیث مرسل کی اسناد بیان کردے یا اسناد میں کسی راوی کو زیادہ کردے۔ یا حدیث کا شان نزول بیان کرے یا روایت اور اضطراب کلام کا سبب بیان کرے یا کوئی مستقل جملہ ذکر کرے جس سے کلام کے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی ہو تو ایسی زیادتی مقبول ہے اور اگر اور راوی اسکی زیادتی پر سکوت نہ کرسکتے ہوں مثلاً کوئی ایسی شے زیادہ کردے جس سے معنی بدلجائیں یا کوئی ایسی بات زیادہ کردے جسکو عادت ذکر کیا ہی کرتے ہیں تو وہ زیادتی قبول نہ ہوگی۔

اور جب کوئی صحابی حدیث کو کسی محمل پر حمل کرے تو اسمیں اگر اجتہاد کو دخل ہو تو جب تک کوئی دلیل اسکے مخالف قائم ہو یہی عمل جابہ خیال کیا جائیگا ورنہ قوی ہوگا جیسے کہ اسکا تعلق ان قرائن حالیہ یا مقالیہ سے ہو جس کو لغت کا واقف معلوم کرسکتا ہے۔

اور آثار صحابہ و تابعین میں اگر اختلاف واقع ہو تو مذکورہ بالا وجوہ سے اگر اتفاق پیدا ہوسکے تو بہتر ہے ورنہ اس مسئلہ کے وجوہ اور جواب یا چند خیال کیے جائینگے اسکے بعد دیکھنا چاہیے کہ کونسا زیادہ بہتر ہے اور مذاہب صحابہ کا ماخذ معلوم کرنا ایک مخفی علم ہے اسکے معلوم کرنے میں خوب کوشش کرنی چاہیے بڑا فائدہ حاصل ہوگا واللہ اعلم۔

باب ۸۲
ان اسباب کے بیان میں کہ صحابہ اور تابعین کی فروع میں کیسے اختلاف کیا

معلوم کرنا چاہیے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں احکام فقہ کے جمع نہیں ہوئے تھے۔ اور جیسے فی زماننا فقہاء مسائل میں بحثیں کرتے ہیں ایسے مباحث بھی نہ تھے۔ فقہا نہایت کوشش سے ارکان و شرائط ہر شے کے آداب دوسرے سے جدا جدا مع دلائل کے بیان کرتے ہیں۔ نئی نئی صورتیں فرض کرتے ہیں۔ اور ان صور مفروضہ میں گفتگوئیں کرتے ہیں۔ جو چیزیں قابل تعریف ہیں انکی تعریفیں کرتے ہیں جو قابل حصر ہیں انکو حصر کرتے ہیں اور ایسے ہی انکے اور کام ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ آپکو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور اسکا طریقہ سیکھ لیتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسکی تشریح نہیں فرماتے تھے کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے ایسے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور صحابہ آپکو جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے ویسے ہی خود بھی نماز پڑھتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور لوگوں نے بھی ویسے ہی آپ کے موافق اعمال حج ادا کیے اکثر یہ حالت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

اس کی تفصیل اور تشریح کچھ نہ تھی۔ کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر موالات کے وضو کرے اور اسوقت وضو کے صحیح یا فاسد ہونے کا حکم کیا جائے الا ماشاء اللہ صحابہ اس قسم کے امور کو بہت کم دریافت کیا کرتے تھے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے صحابہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم

نے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو کہ قرآن میں مذکور ہیں ان مسائل میں سے یہ ہے کہ آپ تجھ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہدے اس مہینہ میں لڑنا بڑا امر ہے ویسألونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير۔ اور تجھ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں ویسألونک عن المحيض حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کیا کرتے تھے جو مفید ہوں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا قول ہے کہ وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں تمام کا قول ہے کہ ایسے امور دریافت کرتے جنکو ہم دریافت نہیں کرتے تھے وہ ایسے امور کی تفتیش کرتے ہو جنکی ہم تفتیش نہ کیا کرتے تھے تم وہ امور دریافت کرتے جنکو ہم نہیں جانتے وہ کیا ہیں اور اگر ہم ان کو جانتے تو ان کا چھپانا ہم کو جائز نہ تھا عمر بن اسحاق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول خدا میں سے جن سے ملا ہوں انکی تعداد ان سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گذر چکے تھے میں نے کسی قوم کو نہیں پایا جنکی روش میں آسانی زیادہ ہو اور سختی کم ہو عبادہ بن نسی کندی سے روایت ہے ان سے اس عورت کا حال دریافت کیا گیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہ تھا انہوں نے کہا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کرتے تھے اور تمہارے مسائل کو وہ دریافت نہیں کیا کرتے تھے ان تمام آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے ۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے واقعات کے متعلق لوگ دریافت کیا کرتے تھے آپ اسکا جواب دیا کرتے تھے وہ لوگوں کو کوئی اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے انکی تعریف کرتے تھے اور اگر برا کام کرتے ہوئے انکو دیکھتے تھے تو اسکی برائی بیان فرمایا کرتے تھے۔ وہ اکثر موقع فتوے اور فیصلہ کرنے کا یا کام کرنے والے کی برائی بیان کرنیکا مجلسوں میں ہی ہوا کرتا تھا اور یہی حالت شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تھی۔ جو مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوتا اور لوگوں سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث دریافت کرلیا کرتے تھے ابوبکر صدیق ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جدہ کے حصہ کے متعلق کوئی حکم نہیں سنا ہے لوگوں سے انہوں نے اسکو دریافت کیا۔ نماز ظہر کے بعد انہوں نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے جدہ کے حصہ کے متعلق پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا میں نے سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کیا سنا ہے انہوں نے کہا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا تھا آپ نے فرمایا تمہارے سوا کوئی اور شخص بھی اسکو جانتا ہے۔ محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا یہ سچ کہتے ہیں تب ابوبکر صدیق ؓ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرہ کی کیفیت لوگوں سے دریافت کی اور مغیرہ ؓ کی خبر پر آپ نے عمل کیا۔ لوگوں سے وبا کے متعلق انہوں نے دریافت کیا اور عبدالرحمن بن عوف کی خبر کیجانب انہوں نے رجوع کیا۔ ایسے ہی مجوس کے قصہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کی خبر پر عمل کیا تھا اور جب عبداللہ بن مسعود کی رائے سے معقل بن یسار کی خبر مطابق ہوئی تھی تو ابن مسعود نہایت خوش ہوئے تھے۔ اور ابو موسےٰ حضرت عمر ؓ کے دروازہ سے واپس چلے گئے تھے اور حضرت عمر ؓ نے ان سے حدیث دریافت کی تھی اور ابو سعید نے اسکی تصدیق کی تھی ایسے واقعات بکثرت ہیں اور صحیحین اور سنن میں انکی روایت کیگئی ہے ۔

حاصل یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت شریفہ تھی ہر ایک صحابی نے توفیق کے موافق آپکی عبادت
و فتوے اور احکام کو دیکھا انکو خوب محفوظ کر لیا اور سمجھ لیا اور قرائن کیوجہ سے ہر ایک کی وجہ بھی معلوم کر لی اور ان علامات و قرائن
کے سبب سے جو اسکو معلوم تھے بعض امور کی نسبت اندازہ کیا کہ جائز ہیں اور بعض کا اندازہ کیا کہ منسوخ ہیں انکو استدلال کے
طریقوں کی جانب زیادہ توجہ نہ تھی بلکہ انکی نظر میں زیادہ پسندیدہ امر یہ تھا کہ اطمینان اور یقین حاصل ہو جائے انکی یہی حالت تھی
جیسے تم اعراب کی دیکھتے ہو وہ بھی آپس میں تصریح یا اشارہ سے مقصود کلام کو سمجھ جایا کرتے ہیں اسی سے انکو تسکین ہو جاتی
ہے اور انکو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کیسے انکو اطمینان ہو گیا صحابہ کی حالت یہ تھی کہ عہد بزرگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا
ختم ہو گیا اور صحابہ آپکے بعد اطراف ملک میں پھیل گئے اور ہر شخص ایک ایک حصہ ملک کا مقتدا اور رہبر ہو گیا واقعات
زیادہ پیش آتے گئے اور اکثر مسائل دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی رہی ہر شخص نے اپنے محفوظات اور استنباط کی مدد
سے ان کا جواب دیا اور اگر اپنے محفوظات یا استنباط میں کوئی امر جواب کے قابل نہ پایا تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور
اس علت کو معلوم کیا جسکو اپنے مصرح احکام کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدار علیہ قرار دیا تھا اس لئے انہوں
نے جہاں اس علت کو پایا وہیں اس کا حکم متعین کر دیا اور اس امر میں نہایت کوشش کی کہ حکم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
کی غرض کے مطابق ہو جائے اس وجہ سے اختلاف کے چند پہلو ہو گئے اس طرح کہ ایک صحابی نے کسی واقعہ کے متعلق
کوئی حکم نبوی سنا تھا اور دوسرے نے اسکو نہیں سنا تھا اسلئے اس دوسرے کو اپنی رائے سے اجتہاد کی ضرورت پڑی
اس اجتہاد نے بھی کئی طریقے ہو گئے اول ایسا ہوا کہ اس کا اجتہاد اس حدیث کے موافق ہو گیا جیسے نسائی وغیرہ نے
روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا ہے اور اس نے اس عورت
کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا ہے بتائے اس عورت کو کیا ملنا چاہئے انہوں نے کہا اسکے متعلق میں نے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کو کوئی فتوے دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے لیکن لوگ ایک ماہ تک انکے پاس آتے جاتے رہے اور اصرار کرتے رہے
کہ اسکا حکم بتائے انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے جواب دیا کہ اس کو [illegible] کم و کاست اسکے خاندان کی عورتوں کا مہر
دینا چاہئے اس پر عدت ضروری ہے اور اسکو ورثہ ملیگا انکی بات سنکر معقل بن یسار نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک عورت کے مقدمہ میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا اس سے عبد اللہ بن مسعود ایسے خوش ہوئے کہ
اسلام کے بعد وہ کبھی ایسے خوش نہیں ہوئے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو صحابیوں میں بحث و مناظرہ کے بعد ایسی حدیث ظاہر ہو جائے جسکے ہونے کا گمان غالب ہو
اور اس حدیث مسموع کی جانب وہ صحابی رجوع کرے جیسے آئمہ حدیث نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا
مذہب تھا کہ اس شخص پر روزہ نہیں ہے جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی ہو یہاں تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے بعد ازواج نے ان کے مذہب کے خلاف حدیث بیان کی تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مذہب
سے رجوع کیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچے لیکن اس سے گمان غالب نہ ہو اسلئے وہ صحابی اپنے اجتہاد کو ترک نہ کرے

بلکہ حدیث میں طعن کرے جیسے علمائے اصول نے ذکر کیا ہے فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر بیان کیا کہ انکو تین طلاقیں خاوند نے دی تھیں اسلئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکے لئے نفقہ اور مکان قرار نہیں دیا لیکن حضرت عمرؓ نے اسکی شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کے قول سے کتاب الٰہی کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں ہم کو کیا معلوم ہے کہ یہ عورت سچی ہے یا جھوٹی ایسی عورت کو نفقہ اور مکان ملیگا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ تو خدا سے خوف نہیں کرتی (یعنی اپنے قول میں)۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مذہب تھا کہ جس جنب کو پانی نہ ملے اُسکے لئے تیمم کافی نہیں جب حضرت عمارؓ نے ان سے روایت کی کہ ایک بار سفر میں میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا اور میں خاک پر لوٹنے لگا۔ رسول خدا سے میں نے اس کو بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو ایسا کرنا کافی تھا اور یہ فرماتے ہوئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے زمین پر دونو ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور ایک مخفی اعتراض کیوجہ سے جو حدیث میں انکو معلوم ہوا اس حدیث کو قابل حجت نہیں قرار دیا۔ لیکن دوسرے طبقہ میں (تابعین کے) بہت سے طریقوں سے اس حدیث کی شہرت ہو گئی اور معترض کا وہم ضعیف ہو گیا اس لئے سب نے اسکو اختیار کر لیا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہیں۔ جیسے مسلم نے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ غسل کیوقت عورتوں کو حکم کیا کرتے تھے کہ سر کے بالوں کو کھول لیا کریں حضرت عائشہؓ نے یہ سنکر فرمایا ابن عمرؓ سے تعجب ہے عورتوں کو سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں انکو سر منڈوانے کا کیوں حکم نہیں دیتے یقیناً میں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی کہ سر پر تین بار پانی بہا دیا کرتی تھی۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے جسکو امام زہری نے روایت کیا ہے کہ ہند کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کو نماز کی رخصت دی ہے۔ اسلئے کہ وہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے رویا کرتی تھیں۔

اور ایک نمونہ اختلاف کا یہ بھی ہے کہ صحابہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو بعض اندازہ کرتے تھے کہ ثواب کیلئے اسکو کیا ہے اور بعض خیال کرتے تھے کہ اسکو مباح طور پر کیا ہے۔ جیسے علمائے اصول نے حج کرنے کے بعد مقام ابطح میں قیام کرنے کے متعلق روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا تھا۔ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ اور عبد اللہ ابن عمرؓ کا مذہب یہ ہے کہ ثواب کے طور پر آپ نے قیام کیا تھا اسلئے ابطح میں ٹھیرنا انکے نزدیک حج کی سنتوں میں سے ہے اور حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ کا مذہب ہے کہ یہ محض اتفاقی امر تھا۔ حج کی سنن میں یہاں ٹھیرنا داخل نہیں ہے اور جمہور کا مذہب ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اسکو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک امر عارضی کیوجہ سے کہ مشرکین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے محض اتفاقی طور پر کیا تھا یہ سنت نہیں ہے۔

اور کبھی وہم کے اختلاف سے صحابہ میں اختلاف ہو گیا ہے مثلاً رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا۔ اور بعض صحابہ نے

انکو دیکھ خیال کیا کہ آپ نے نیت تمتع کی کی تھی۔ اور بعض نے خیال کیا کہ قران کی اور بعض نے خیال کیا کہ حج افراد کی نیت کی تھی۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے ابوداؤد نے حدیث نقل کی ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں میں نے عبداللہ ابن عباس سے کہا اے ابوالعباس مجھکو تعجب ہے کہ صحابہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسوقت کیسے اختلاف کیا ہے جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے احرام کے افعال ادا کئے انہوں نے فرمایا میں سب لوگوں سے اسکی حقیقت زیادہ جانتا ہوں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کیا تھا اسمیں لوگوں میں اختلاف ہوگیا تھا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم حج کیلئے باہر نکلے آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اسی مجلس میں حج کیلئے آواز بلند لبیک کہا لوگوں نے سکوسنا اور میں نے اسکو محفوظ رکھا پھر آپ سوار ہوئے اور جب آپ کی ناقہ نے آپکو اٹھایا تب بھی آپ نے لبیک کہا اور اسکو بھی لوگوں نے سنا لوگ متفرق طور پر آتے تھے سب شامل نہ تھے۔ کوئی ایک امر سے واقف تھا اور دوسرا دوسرے سے واقف تھا ان پچھلے لوگوں نے اس حالت میں لبیک کہتے ہوئے سنکر کہا کہ حضرت نے لبیک اسوقت کہا تھا جب ناقہ پر سوار ہو گئے تھے آگے یہ کہ جب بیابان کی بلندی پر آپ پہنچے تب بھی لبیک کہا اور اسکو سنکر لوگوں نے کہا کہ جب آپ بیابان کی بلندی پر پہنچے تھے تب بھی لبیک کہا تھا اور قسم ہے خدا کی کہ آنحضرت صلعم نے لبیک اپنی نماز کی جگہ کہا تھا۔ اور جب ناقہ پر آپ سوار ہوئے تھے اسوقت بھی کہا تھا اور جب بیابان کی بلندی پر چڑھتے تھے اسوقت بھی کہا تھا۔

اور سہو و نسیان سے بھی صحابہ میں اختلاف ہوگیا ہے۔ مثلاً روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ ابن عمر کہا کرتے تھے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا تھا یہ سنکر حضرت عائشہ نے انکو سہو سے فیصلہ کر دیا۔

اور کبھی خوب انضباط کے نہ ہونے سے اختلاف ہوا کرتا ہے۔ جیسے عبداللہ ابن عمر نے یا حضرت عمر نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب میت کے اہل اس پر روتے ہیں تو میت کو عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ نے فیصلہ کیا کہ ٹھیک طور پر انکو حدیث معلوم نہیں ہے اصلی امر یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک یہودیہ عورت پر گذر ہوا اس عورت کے اہل اسپر رو رہے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس عورت پر روتے ہیں اور اسپر قبر میں عذاب ہو رہا ہے اسطرح عبداللہ ابن عمر نے خیال کیا کہ رونا عذاب کی علت ہے اور اس سے گمان کر لیا کہ ہر ایک میت کا یہی حکم ہے۔

کبھی حکم کی علت میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے جنازہ دیکھکر کھڑا ہونا بعض قائل ہیں کہ یہ قیام ملائکہ کی تعظیم کیلئے ہوتا ہے اسلئے مومن یا کافر دونوں کے جنازہ کو دیکھکر اٹھنا چاہئے اور بعض قائل ہیں کہ موت کے خوف سے کھڑے ہوتے ہیں تب بھی دونوں صورتوں میں کھڑا ہونا چاہئے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار یہودی کا جنازہ آپ کے سامنے سے گذرا آپ اس کو دیکھکر کھڑے ہوگئے آپ کو یہ مکروہ معلوم ہوا اور کہیں آپکے سر کے اوپر سے وہ نہ گذرے۔ اس صورت میں قیام جب ہی کرنا چاہئے کہ کافر کا جنازہ ہو۔

دو مختلف امور کے جمع کرنے میں بھی صحابہ نے اختلاف کیا ہے مثلاً رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سال خیبر میں متعہ کی اجازت دیدی تھی اسکے بعد سال اوطاس میں اسکی اجازت دی اور سال اوطاس کے بعد منع فرما دیا سواسطے عبداللہ ابن عباس

نے اسکا اجازت ضرورت کیوجہ سے تھی اور ضرورت جب باقی نہ رہی تو منع کردیا اور اب تک وہی اصلی حکم منسوخ ہونے کا باقی ہے
اور بعض علما کا قول یہ ہے کہ رخصت اباحت تھی اور منع کرنے نے اس اباحت کو منسوخ کردیا اسکی دوسری مثال یہ ہے کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے استنجا میں استقبال قبلہ سے منع فرمایا تھا اسلئے ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور وہ
منسوخ نہیں ہوا۔ اور حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پیشتر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا
آپ نے قبلہ کی جانب پیشاب کیا تھا اسواسطے انکا مذہب یہ ہے کہ اس سے وہ پہلے ہی منسوخ ہوگئے۔ اور عبداللہ ابن عمرؓ
نے آپکو دیکھا تھا کہ قبلہ کی جانب پشت دیکر اور شام کی جانب ہوکر قضائے حاجت فرمائی تھی۔ اس سے انھوں نے جماعت
کے قول کو رد کیا اور ایک جماعت نے ان دونوں قولوں کو جمع کیا ہے امام شعبی وغیرہ کا مذہب ہے کہ بیابان میں استقبال قبلہ
استنجا میں منع ہے اور اگر پاخانوں میں استنجا کیا جائے تو اس صورت میں استقبال اور پشت دینا قبلہ کی طرف استنجا میں جائز ہے
اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ قول منع فرمانے کا عام اور محکم ہے اور آپ کا فعل صرف آپکی ذات کیلئے ہو۔ سو اسلئے
نہ ناسخ ہوسکتا ہے نہ مخصص ہوسکتا ہے ۔

بہرحال ان طریقوں سے صحابہ کے مذاہب میں اختلاف ہوگیا تھا اور ان کے بعد تابعین نے توفیق کے موافق مذہب کو
اختیار کیا ہر شخص نے بقدر استطاعت احادیث رسول خدا اور مذاہب صحابہ کو سنا اور انکو خوب سمجھ کر مختلف امور کو بقدر وسعت جمع
کیا اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور انکی نظر میں بعض بعض اقوال ضعیف معلوم ہوئے اگرچہ وہ بڑے صحابہ سے ماثور اور مروی
تھے جیسے عمرؓ ابن مسعودؓ کا مذہب جنب کے تیمم کرنے میں منقول ہوتا چلا آتا تھا جب عمار اور عمران بن حصین وغیرہ کی احادیث
مشہور ہوئیں تو انکی نظر میں وہ مسلک ضعیف معلوم ہوا اسی طرح تابعین میں سے ہر ایک عالم کا اپنے خیال کے موافق ایک خاص
مذہب ہوگیا اور ہر شہر میں ایک امام قائم ہوگیا۔ مثلاً مدینہ میں سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ تھے اور ان کے بعد مدینہ
میں قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ ہوگئے۔ مکہ میں عطاء بن ابی رباح امامت کے درجہ پر تھے اور کوفہ میں ابراہیم نخعی
اور امام شعبی اور بصرہ میں امام حسن بصری اور یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں امام مکحول پیدا ہوئے لوگوں نے نہایت
شوق اور سرگرمی سے ان کی جانب رغبت کی اور اس سے علم حدیث صحابہ کے مذاہب اور اقوال کو اور خود ان علماء کے ذاتی
مذاہب اور تحقیقات کو اخذ کیا۔ مسائل میں لوگ ان سے فتوے لیتے رہے اور خوب مسائل کا ان میں تذکرہ رہا اور تمام معاملات
کے وہ مرجع رہے سعید بن مسیب اور ابراہیم اور انکے ہم رتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کی ترتیب دیدی تھی۔ اور ہر باب کے
متعلق ان کے پاس اصول اور قواعد مرتب تھے جن کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا سعید بن مسیب اور
انکے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ حرمین کے علماء کو فقہ میں نہایت پختگی ہے اور ان کے مذہب کی بنیاد عبداللہ ابن عمرؓ اور
حضرت عائشہؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں ان سب علوم کو انہوں نے بقدر
استطاعت جمع کیا۔ اور ان میں تفتیش اور نگاہ کی غور سے دیکھا جو مسائل انہوں نے علمائے مدینہ کے اجماعی پائے انکو نہایت
پختگی سے اختیار کیا۔ اور اختلافی مسائل میں وہ اختیار کئے جو قوی اور بہر حال انہیں ترجیح یا اسلئے تھی کہ اکثر علماء نے اس طرف
میلان کیا تھا یا وہ کسی صحیح قیاس کے موافق تھے یا کتاب و حدیث کی صریح طور پر مستنبط ہوتے تھے۔ وعلیٰ ہذا اور اگر انہوں نے

اپنے ملفوظات میں جواب مسئلہ کا نہ پایا تو انہیں خود گفتگو کی طرف التفات کیے ایماء اور اقتضاء کا تتبع کیا۔ پہلی وجہ سے ہر ایک
باب میں بکثرت مسائل انکو حاصل ہو گئے ابراہیم اور ان کے شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کے شاگردوں کا
قول فقہ میں زیادہ قابل اعتماد ہے اسلئے علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ عبداللہ بن مسعود سے زیادہ قابل وثوق
نہیں ہے اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام اوزاعی سے کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت
عبداللہ ابن عمر میں نہ ہوتی تو میں کہدیتا کہ علقمہ میں فقاہت زیادہ ہے لیکن عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں اور
امام ابوحنیفہ کے مذہب کا ماخذ عبداللہ ابن مسعود کے فتوے اور حضرت علی کے فیصلے اور قاضی شریح اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فتوے
ہیں انہیں میں سے امام ابوحنیفہ نے بقدر امکان مسائل فقہ کو مدون کیا اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علماء نے
تخریجات کیں ایسے ہی اہل کوفہ کے آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی اس طرح ہر باب کے متعلق مسائل فقہ
مرتب اور ملخص ہو گئے اسوقت میں حضرت سعید بن مسیب فقہائے مدینہ کی زبان تھے اور انکو حضرت عمر کے فیصلے سب سے
زیادہ محفوظ تھے اور حضرت ابوہریرہ کی حدیثیں سب سے زیادہ انکو یاد تھیں اور ابراہیم فقہائے کوفہ کی زبان تھے جب سعید بن مسیب
اور ابراہیم کوئی بات بیان کریں اور کسی کی جانب اسکو منسوب نہ کریں تو وہ زیادہ تر کلام ان کا سلف میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب ہی
ہوگا صریحاً یا اشارتاً اور نحو ذلک فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا ان سے علوم کو حاصل کیا اور خوب سمجھ کر ان سے
اور مسائل تخریج کئے واللہ اعلم۔

باب ۸

فقہا کے مذاہب مختلف ہونے کے اسباب کیا تھے

معلوم کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے تابعین کے زمانہ کے بعد حاملین علم کی جماعت کو پیدا کیا تاکہ پیدا کرنے سے وہ
پیشگوئی پوری ہو گئی جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ یحمل ہذا العلم من کل خلف عدولہ پچھلے مسلمانوں میں سے
عادل لوگ اس علم دین کو حاصل کرینگے۔ انہوں نے [illegible] سے۔ وضو غسل نماز حج نکاح بیوع اور تمام کثیر الوقوع احکام کو
اخذ کیا احادیث نبوی کی روایت کی مختلف شہروں کے قاضیوں کے فیصلے اور مسائل دریافت کرتے رہے
ان تمام امور میں انہوں نے نہایت ہی کوشش کی تاکہ وہ مسلمانوں کے مقتدا اور تمام مذہبی امور جمع ہو گئے۔ ایماء
اور اقتضائے کلام کے معلوم کرنے میں نہایت درجہ انہوں نے اہتمام کیا ہمیشہ مسلمانوں کے جواب دیتے اور فیصلہ کرتے
رہے۔ علم کو نقل کیا اور لوگوں کو اسکی تعلیم دی۔

اس طبقہ کے علما کا کام ہمرنگ اور یکساں تھا سب کا طرز عمل یہ تھا کہ احادیث سے تمسک کرتے تھے خواہ مسند ہوں یا
مرسل اقوال صحابہ اور تابعین سے استدلال کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان صحابہ اور تابعین کی احادیث رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
سے منقول ہیں انہوں نے کم [illegible] سمجھ کر احادیث موقوفہ قرار دیا ہے۔

ابراہیم نے ایک بار اس حدیث کو نقل کیا جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ [illegible] کو حرام کر دیا،

اور بیع مزابنہ (تر چھواروں کو جو درختوں پر ہوں خشک چھواروں سے فروخت کردینا) منع فرمایا ہے تب لوگوں نے ان سے کہا کہ اس حدیث کے علاوہ تم کو کوئی اور حدیث بھی یاد ہے۔ انھوں نے جواب دیا یاد ہے لیکن مجھ کو یہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں کہوں کہ عبداللہ نے ایسا کہا ہے اور علقمہ نے ایسا کہا ہے۔ اور امام شعبی سے ایک حدیث دریافت کیگئی اور لوگوں نے کہا کہ اسکی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے تو انھوں نے کہا کہ مجھ کو اسنادیں وہی لوگ پسند ہیں جو آپ کے درجہ سے پست ہیں اگر حدیث میں کوئی زیادتی یا کمی ہو تو اسکا نقصان انہیں لوگوں کے ذمہ ہے جو آپ سے پست درجہ میں ہیں۔ یا اس طبقہ کے لوگ حکم منصوص سے استنباط کرتے تھے یا رائے سے اجتہاد کرتے تھے ان تمام امور میں آیندہ پیدا ہونے والے لوگوں نے بہت خوبی سے کام کئے تھے انکی اس میں دلچسپی زیادہ تھی۔ انکا زمانہ بہت پہلے تھا۔ انکے علمی محفوظات زیادہ تھے اسواسطے انکے اقوال پر عمل کرنا متعین ہو گیا۔ بجز اسکے کہ ان میں باہم اختلاف ہو اور حدیث ظاہر طور پر انکے اقوال کے مخالف ہو۔

یہ بھی اس طبقہ کا مابہ التمسک تھا کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث مختلف وارد نہیں تو وہ صحابہ کے اقوال کیجانب رجوع کیا کرتے تھے اگر صحابہ قائل تھے کہ بعض احادیث منسوخ ہیں یا مصروف عن الظواہر ہیں یا اس نسخ وغیرہ کی تو صحابہ نے کچھ تصریح کی نہ تھی لیکن اس حدیث پر انھوں نے عمل نہ کیا تھا اور اسکے مضمون کے وہ قائل نہ ہوئے تھے۔ اس عمل نہ کرنے سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں کوئی نہ کوئی علت تھی یا منسوخ یا مؤول تھی ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے لوگ صحابہ کے اقوال کا اتباع کیا کرتے تھے امام مالکؒ نے اس حدیث کے متعلق جو کتے کے پانی پینے کے متعلق ہے کہا تھا کہ یہ حدیث وارد تو ہوئی ہے لیکن مجھ کو اسکی حقیقت معلوم نہیں ہے ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس حدیث کو نقل کرکے کہا ہے کہ میں فقہاء کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں۔

جب صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہوا کرتے ہیں تو اسوقت میں ہر ایک عالم کی نظر میں اپنے شہر کے علماء اور اپنے ہی اساتذہ کا قول پسندیدہ اور مختار ہوا کرتا ہے اس لئے کہ یہ شخص انہیں علماء کے اقوال میں صحیح اور سقیم اقوال سے بخوبی واقف ہوا کرتا ہے ان اقوال کے مناسب اصول خوب طرح سے اسکے ذہن نشین ہوا کرتے ہیں انکے فضل اور تبحر کیجانب اسکا میلان قلب زیادہ ہوا کرتا ہے اسلئے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، زید ابن ثابتؓ اور انکے اصحاب مثل سعید ابن مسیب جنکو حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے۔ اور عروہ۔ سالم۔ عطاء ابن یسار۔ قاسم۔ عبیداللہ بن عبداللہ۔ زہری۔ یحییٰ بن سعید۔ زید ابن اسلم۔ ربیعہ یہ سب علمائے مدینہ کی نظر میں سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ انکے ہی علوم اخذ کئے جائیں۔ مدینہ کے فضائل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرچکے تھے ہر زمانہ میں وہ علماء اور فقہاء کا مرکز رہا تھا اسواسطے امام مالکؒ کبھی اہل مدینہ کے مسلک کو نہیں چھوڑتے تھے اور عبداللہ بن مسعود اور انکے شاگرد اور حضرت علیؓ شریح شعبی اور ابراہیم کے فتوے علمائے کوفہ کی نظر میں اوروں کی نسبت زیادہ اسکے قابل ہیں کہ مختار اور پسندیدہ سمجھے جائیں اسی واسطے تشہد میں جب مسروق نے زید ابن ثابت کے قول کی طرف میلان کیا تو علقمہ نے ان سے کہا کہ تمہاری جماعت میں عبداللہ ابن مسعود سے زیادہ کوئی شخص وثوق کے قابل ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ بیشک ان سے زیادہ کوئی قابل وثوق نہیں ہے لیکن میں نے

زید بن ثابت اور علمائے مدینہ کو شریک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب کسی شہر کے علما کسی مسئلہ پر اتفاق کریں تو نہایت مضبوطی سے اسکو اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی کے متعلق امام مالک نے کہا ہے کہ متفق علیہ احادیث ہمارے پاس آتی ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں علمائے شہر کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس قول کا اتباع کیا جاتا ہے جو سب میں زیادہ قوی اور مرجح ہو۔ اسکے قائل زیادہ ہوں یا کسی قوی قیاس کے وہ موافق ہو یا کتاب وسنت سے اسکی تخریج نکلتی ہو۔ اسی کے متعلق امام مالک کا قول ہے ہذا احسن ما سمعت جو اقوال ہم نے سنے ہیں ان سب میں یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ جو اقوال یہ علما اپنے اساتذہ سے سنتے تھے اور بعض مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تھا تو ایما اور اقتضاء سے انہیں کے کلام میں سے جواب مسئلہ کا نکال لیا کرتے تھے۔

اس طبقہ میں علما کو تصنیف اور تدوین کا الہام ہوا۔ امام مالک اور محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذئب نے مدینہ میں تصنیف کرنا شروع کیا۔ اور ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں اور ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں اور ان سب نے تصنیف میں وہ شیوہ اختیار کیا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔ جب منصور عباسی نے حج کیا تو امام مالک سے کہا میرا قصد ہے کہ تمہاری تصنیف کتابیں لکھوا کر اسلامی شہروں میں ہر جگہ ایک نسخہ بھیجدوں اور لوگوں کو حکم کر دوں کہ انہیں کے مسائل پر عمل کریں انکے علاوہ اور کسی جانب نہ جائیں۔ انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین ایسا نہ کرو کیونکہ پہلے ہی سے اقوال مشہور ہو گئے ہیں وہ احادیث لوگوں نے سنی ہیں روایات کو نقل کر چکے ہیں جو مسائل معلوم ہو گئے انپر لوگوں نے عملدرآمد کر لیا ہے اور بعض اختلافات ہو گئے ہیں سو سب لوگوں کو انکی حالت پر چھوڑ دو جو انہوں نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔ دوسری روایت میں یہ قصہ بعض نے ہارون رشید کی طرف منسوب کیا ہے انہوں نے امام مالک سے مشورہ کیا تھا کہ میں موطا کو کعبہ میں لٹکا دینا چاہتا ہوں تمام لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کی ترغیب دونگا امام مالک نے کہا ایسا نہ کرو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے فروع مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ بلاد اسلامی میں وہ متفرق ہو گئے احادیث مشہور ہو چکیں۔ ہارون رشید نے کہا وفقک اللہ یا ابا عبد اللہ سیوطی نے اس حکایت کو نقل کیا ہے۔ علمائے مدینہ کو جو حدیثیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پہنچیں تھیں ان سب علما میں امام مالک سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے انکی حدیث سب سے زیادہ معتبر ہے حضرت عمر کے فیصلے اور عبد اللہ بن عمر اور حضرت عائشہ اور انکے اصحاب فقہائے سبعہ وغیرہ کے اقوال پر امام مالک کو سب سے زیادہ اطلاع تھی ایسے ہی علما میں روایت و فتوے کا علم قائم ہوا ہے جب امام مالک مرجع اور مقتدا بنے تو انہوں نے حدیث اور فتوں کو پھیلایا تو لوگوں نے مکمل فائدے پہنچے اور انہیں پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی منطبق ہوتی یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینۃ۔ قریب ہے کہ تحصیل علم کیلئے لوگ سفر کرینگے لیکن مدینہ کے عالم سے کسی کو زیادہ واقف نہ پائینگے ابن عیینہ اور عبد الرزاق نے اس حدیث کا محمل امام مالک ہی کو قرار دیا ہے ایسے دو شخصوں کی شہادت کافی ہے امام مالک کے شاگردوں نے انکی روایتوں اور پسندیدہ اقوال کو جمع اور ملخص کیا۔ مہذب طور پر انکو تحریر کرکے ان پر شروح لکھے اور ان سے مسائل کا اخراج کیا ان اقوال کے اصول اور دلائل میں گفتگو کی اور انکے شاگرد ممالک مغرب اور روئے زمین پر پھیل گئے اور اس ذریعہ سے خدا نے اپنی مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اور امام مالک کے اصول تم معلوم کرنا چاہو تو کتاب موطا میں غور کرو ہمارے قول کی تصدیق ہو جائیگی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو ابراہیم اور ان کے ہمعصر علما کی تقلید کی زیادہ پابندی تھی ابراہیم کے مذہب سے وہ بہت کم علیحدگی کرتے تھے الا ما شاء اللہ اور انکے مسلک کے موافق مسائل تخریج

کرنے میں انکی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے تخریج مسائل کے وجوہ دریافت کرنے میں نہایت دقت نظر سے وہ کام لیتے
تھے فروعات کی جانب انکی نہایت توجہ تھی بہرحال اس قول کی اگر صداقت منظور ہے تو امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع
عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ کی تصنیف سے ابراہیم اور انکے معاصرین کی قول کو تخلیص کرکے امام ابوحنیفہ کے مذہب سے انکا اندازہ کر
لینا چاہئے۔ وہ بہت کم انکی روش سے تجاوز نہیں کرتے مگر نہایت معدودے چند موقعوں میں اور ان موقعوں میں بھی فقہائے کوفہ
کے مذہب کو پیش نظر رکھتے ہیں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت امام ابویوسف کی ہوئی ہارون رشید کے عہد میں
قاضی القضات کا منصب انکو حاصل ہوا اس کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا مذہب پھیل گیا۔ اور تمام اطراف عراق و خراسان و ماوراءالنہر
تک اس کا قبضہ ہو گیا اور تمام شاگردوں میں تصنیف کی شائستگی اور اہتمام درس میں امام محمد بن حسن کو فوقیت ہے انکی حالت یہ ہوئی
کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے انہوں نے تفقہ کی تکمیل کی اس کے بعد مدینے پہنچکر امام مالک سے موطا کو پڑھا پھر خود
توجہ کرکے اپنے اصحاب کے مذہب کو موطا کے ایک ایک مسئلہ پر منطبق کیا اگر موافقت پائی تو اس کو مسلم کر دیا ورنہ اسمیں غور و خوض
کیا کہ صحابہ یا تابعین میں سے کسی جماعت کا یہ مسلک ہوتا ہے یا نہیں اگر کوئی مسلک ملگیا تو اس سے ملحق کر دیا اور اگر کسی
ضعیف قیاس یا ضعیف تخریج پر بنیاد تھی جس پر انہوں نے عمل کر لیا تھا اور اسکے مخالف کوئی صحیح حدیث پائی جاتی تھی اور اکثر علما کا عمل بھی
اسکے مخالف تھا تو اسوقت جس مذہب کو مذاہب سلف سے صحیح پایا اسکو تمسک بنا دیا لیکن امام محمد اور امام ابویوسف بھی
ابراہیم اور معاصرین ابراہیم کے طریقہ سے کنارہ کش نہیں ہوتے امام ابوحنیفہ کے وہ قدم بقدم ہیں ان تینوں ائمہ میں باہم
اختلاف دو طرح پر ہوا اول یہ کہ ابراہیم کے مذہب کے موافق امام ابوحنیفہ نے کسی مسئلہ کو خارج کیا اور اس تخریج میں صاحبین نے
انسے مخالفت کی۔ دوسرا یہ کہ ابراہیم اور انکے ہمعصر علما کے کسی مسئلہ میں مختلف جوابات تھے تو امام ابوحنیفہ نے انہیں سے کسی قول
کو ترجیح دی اور ان صاحبین نے کسی دوسرے قول کو ترجیح دی اس لئے امام محمد نے اپنی تصنیفات میں ان تینوں کی رایوں
کو جمع کر دیا اور اکثر لوگوں کو نفع پہنچا۔ اصحاب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان تصنیفات کی طرف کافی توجہ کی انکے خلاصے
کئے ان کے دلائل بیان کئے شرحیں مرتب کیں۔ ان سے مسائل خارج کئے ان کے مبانی اور دلائل میں تفتیش کی اور
اور ممالک خراسان ماوراءالنہر وغیرہ میں متفرق ہو گئے اور حنفی مذہب اس کا نام ہو گیا جب مذہب مالکی اور حنفی شائع ہو چکا
اور انکے اصول و فروع مرتب ہو چکے تو امام شافعی کا نشو و نما ہوا انہوں نے متقدمین کی روشوں میں خوب غور و خوض کیا تو بہت
سے امور ایسے پائے جنکی وجہ سے وہ متقدمین کے طریقوں کا اتباع نہ کر سکے۔ امام شافعیؒ نے ان طریقوں کو کتاب الام کے
اوائل میں ذکر کیا ہے۔ منجملہ انکے یہ امر تھا کہ متقدمین حدیث مرسل اور منقطع پر بھی عمل کرتے تھے۔ اس قسم کی احادیث خرابی سے
خالی نہیں جب حدیث کے طرق تمام و کمال جمع کئے جاتے تھے۔ تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ اکثر مرسل حدیثیں بعض بے اصل
ہیں اور اکثر مرسل احادیث مسند احادیث کے مخالف تھیں اس وجہ سے امام شافعیؒ نے یہ قرار دیا کہ مرسل احادیث پر عمل
جب ہی کیا جائے کہ انکے شروط بھی موجود ہوں۔ کتب اصول میں یہ تمام شروط مذکور ہیں دوسرا امر یہ تھا کہ مختلف احادیث
کے متعلق متقدمین کے زمانہ میں ایسے قول منضبط نہ تھے جن سے ان احادیث میں توفیق اور جمع ہو سکے اس سے ان
کے اجتہادی مسائل میں بہت خرابیاں رہا کرتی تھیں۔ اس ضرورت کے رفع کرنے کو امام شافعیؒ نے اس قوم کی حدیثوں

مذہب شافعی

نے متعلق اصول کی بنا ڈالی۔ اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے
اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعی امام محمد صاحب کے پاس گئے۔ اسوقت وہ علمائے مدینہ پر اعتراض کرتے تھے کہ وہ
ایک گواہ کے ساتھ جب قسم ہو تو فیصلہ کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سے قرآن پر زیادتی ہوئی جاتی ہے تب
امام شافعی نے کہا کہ کیا تمہارے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے
امام محمد نے کہا ہاں جائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے کہا پھر تم کیسے قائل ہو کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں
ہے اور اس کی وجہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قول کہتے ہو کہ الا لا وصیۃ لوارث۔ ہوشیار ہو کہ وارث کے لئے
وصیت درست نہیں ہے۔ حالانکہ خدا تعالے فرماتا ہے۔ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین
والاقربین (تم پر فرض کیا گیا کہ موت آنے کیوقت اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کیلئے اسمیں وصیت کرنا چاہیئے)
اسی قسم کے اور چند اعتراضات امام شافعی نے ان پر کئے اور امام محمد انکا کچھ جواب نہ دے سکے۔

اور ایک امر یہ تھا کہ بعض صحیح صحیح احادیث ان علمائے تابعین کو نہیں پہنچی تھیں جن پر فتوے کا مدار تھا۔ اس نے
انکو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا اور گذشتہ صحابہ کی انہوں نے پیروی کی۔ اسی کے موافق
انہوں نے فتوے دیا لیکن تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہو گئی اور انہوں نے یہ گمان کر کے یہ احادیث انکے
علمائے شہر کے عمل اور متفق علیہ طریقوں کے مخالف ہیں۔ ان احادیث پر عمل نہ کیا۔ اس کی وجہ سے یہ احادیث مورد طعن
ہوئیں اور اس کی وجہ سے وہ قابل السقوط ہوگئیں یا تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت نہ ہوئی تھی لیکن محدثین نے
احادیث کے تمام طرق روایت کو خوب غور سے دیکھا اور اطراف ملک میں سفر کر کے علمائے حدیث سے انکی تفتیش
کی گئی تو اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوئی تھیں کہ صحابہ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں نے انکی روایت کی تھی اور ان صحابہ
سے بھی صرف ایک دو راویوں نے انکی روایت کی تھی وعلیٰ ہذا اس لئے اکثر فقہائے کی نظر سے مخفی رہیں اور ان
حفاظ حدیث کیوقت انکی شہرت ہوئی جنہوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا بہت سی احادیث مثلاً ایسی تھیں کہ
بصرہ کے علما انکی روایت کرتے تھے اور باقی حصوں میں انکی جانب سے غفلت تھی۔ اسوقت میں امام شافعی نے اس کی
توضیح کر دی کہ علمائے صحابہ اور تابعین ہر مسئلہ میں احادیث کے متلاشی رہے جب کوئی حدیث انکو نہ ملی تو انہوں نے
کوئی اور استدلال اختیار کیا لیکن اس استدلال کے بعد جب بھی کہ کوئی حدیث ظاہر ہوئی تو انہوں نے اپنے اجتہاد کو
ترک کر دیا اور حدیث پر عمل کیا۔ جب ان کی ایسی حالت تھی تو حدیث پر عمل نہ کرنا حدیث کے لئے موجب قدح
نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں قدح جب ہی ہو سکتا ہے کہ کوئی علت قادحہ بیان کی جاوے۔ مثلاً حدیث قلتین صحیح
حدیث ہی مختلف سلاسل روایت سے اس کا ثبوت ہے۔ ان سب میں بڑا سلسلہ اس کا یہ ہے جس کی سند
ابو الولید ابن کثیر پر منتہی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے اور ابن جعفر نے
عبداللہ یا محمد بن عباد بن جعفر سے بروایت عبید اللہ بن عبداللہ اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمر
سے روایت کی ہے اور اسکے بعد طرق روایت متعدد ہو گئے اور یہ دونوں راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن [illegible]

ہیں مرجح اور متفق علیہ نہ تھے اسلئے یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور امام زہری کے زمانہ میں مشتہر ہوئی اسی واسطے مالک اور ابو حنیفہ نے اس پر عمل نہیں کیا لیکن امام شافعی نے اس پر عمل کیا اور ایسے ہی خیار مجلس کی حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے طرق کثرت ہیں اور ابن عمر اور ابوہریرہ نے صحابہ میں سے اس پر عمل کیا تھا لیکن فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین میں اسکی شہرت نہیں ہوئی تھی اس طبقہ کے محدثین اس حدیث کے قائل نہ تھے اسی وجہ سے امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے اس حدیث میں قدح کی اور امام شافعی نے اس پر عمل کیا اور ایک امر یہ تھا کہ صحابہ کے سب اقوال امام شافعی کے عہد میں جمع کئے گئے ان اقوال کی کثرت معلوم ہوئی ہے اور ان میں اختلافات پائے گئے اور امام شافعی نے دیکھا کہ اسوجہ سے کہ صحابہ کو حدیث معلوم نہ ہوئی تھی وہ اکثر اقوال صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں اور امام شافعی نے سلف کو دیکھا تھا کہ ایسے وقت میں حدیث کی جانب رجوع کیا کرتے ہیں اسواسطے امام شافعی نے ان پر عمل نہیں کیا جو انکے متفق علیہ نہ تھے اور کہا۔ ہم رجال و نحن رجال۔ صحابہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔

اور ایک امر یہ تھا کہ امام شافعی نے فقہاء کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اس قیاس میں جس کو شرع نے تجویز کیا ہے ایسی رائے مخلوط کر دیتی ہیں جس کو شرع کی نظر میں وقعت نہیں ہو سکتی وہ فقہاء اس قیاس اور رائے میں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس اپنی رائے کو وہ استحسان نام رکھتے ہیں رائے سے مراد یہ ہے کہ کسی موقع پر حرج یا مصلحت کو حکم کی علت قرار دیں اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ حکم منصوص سے کوئی علت نکالی جاوے اور حکم کا مدار علیہ قرار دیا جائے۔ اس رائے کو امام شافعی نے نہایت اہتمام سے باطل کیا۔ اور کہا جو استحسان کا مجوز ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اسکو نقل کیا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ یتیم کا زمانہ رشد تک پہنچنا ایک مخفی امر ہے۔ اس لئے فقہا نے اپنی رائے سے پچیس سال زمانہ رشد کے لئے قرار دئے اور کہا کہ جب یتیم پچیس سال کا ہو جائے تو اسکو اسکا مال دیدینا چاہئے اور انہوں نے یہ کہا کہ یہ استحسان ہے حالانکہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ اس عمر میں اسکو مال نہ دینا چاہئے۔

حاصل یہ ہے کہ جب امام شافعی نے متقدمین کی ایسی حالت دیکھی تو از سر نو فقہ کو مرتب کیا اسکے اصول و فروع کی ترتیب دی۔ نہایت محنت سے کتابیں تصنیف کیں۔ تمام فقہا انکی خدمت میں جمع ہوئے۔ ان کتابوں کا اختصار کیا ان پر شروح لکھیں۔ انکے دلائل بیان کئے ان سے مسائل کو خارج کیا اور پھر تمام شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے اور مذہب شافعی اس طریقہ کا نام ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

باب ۸۳

اہل حدیث و اصحاب الرائے کے بیان میں

معلوم کرنا چاہئے کہ سعید بن مسیب اور ابراہیم اور زہری کے عہد میں اور امام مالک اور سفیان ثوری کے زمانہ میں اور انکے بعد بھی ایسے علماء تھے کہ وہ مسائل دین میں رائے سے خوض کرنے کو برا جانتے تھے اور فتوے دینے اور مسئلہ کے استنباط کرنے میں بہت خائف رہتے تھے جب نہایت ہی ضرورت پیش آتی تھی اور کوئی چارہ

وہ تھی جب ہی استنباط کیا کرتے تھے انکو بڑا اہتمام اسکا تھا کہ حدیث کی روایت کریں۔ ایک بار عبداللہ بن مسعود
سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے لئے کسی شے کو جائز کردوں جس کو
خدا نے حرام کیا ہو یا وہ چیز حرام کردوں جس کو اس نے حلال کیا ہو۔ معاذ بن جبل نے فرمایا کہ لوگو! بلا کے نازل
ہونے سے پہلے اسکی تفتیش کرنے میں جلدی مت کرو۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہی ہوتے رہیں گے کہ جب
ان سے کوئی امر دریافت کرو تو ہمکو مسلسل بیان کرتے چلے جاویں ایسے ہی ان امور میں خاموش رہنے کے لئے
جو ابھی تک فعلیت میں نہیں آتے ہیں اس کے قریب قریب ہی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ
اور عبداللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے اور جابر بن زید سے حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا تھا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں
سے ہو اس لئے ہمیشہ فتوے قرآن وحدیث کے ہی موافق دینا۔ اگر ایسا نہ کروگے تو خود بھی ہلاک ہوگے۔ ابونضرہ کہتے
ہیں کہ جب ابوسلمہ بصرہ میں آئے تو میں اور حسن بصریؒ انکی ملاقات کو گئے انہوں نے حسن بصری سے فرمایا حسن بصری تم ہی ہو
بصرہ میں تمہاری ملاقات سے زیادہ کسی سے ملنے کا مجھکو شوق تھا۔ اشتیاق اسواسطے زیادہ تھا کہ مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ تم
اپنی رائے سے مسئلہ کا جواب دیتے ہو۔ آیندہ بجز قرآن وحدیث کے اپنی رائے سے فتوے نہ دینا۔ ابن المنکدر کا قول ہے
کہ عالم خدا اور بندگان الٰہی میں واسطہ ہوا کرتا ہے اسکو چاہئے کہ اپنے لئے کوئی طریقہ نجات کا پیدا کرے۔ امام شعبی سے دریافت
کیا گیا کہ جب تم سے مسائل دریافت کئے جایا کرتے تھے تو تم کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا تم نے ایک واقف سے
یہ بات دریافت کی جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جایا کرتا تھا تو وہ اپنے ہمرتبہ عالم سے کہتا تھا اس مسئلہ کا
جواب دو ایسے ہی یہ شخص دوسرے سے ایسا ہی کہتا تھا رفتہ رفتہ پہلے ہی عالم کی جانب نوبت آجایا کرتی تھی۔ امام شعبی کا
قول ہے یہ علماء جو حدیث رسول خدا کی تم سے بیان کریں اس پر عمل کرو اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اسکو پاخانہ میں
پھینک دو۔ دارمی نے ان تمام آثار کو نقل کیا ہے۔ اسی اہتمام حدیث کی وجہ سے حدیث کا مدون کرنا اطراف میں
شائع ہوگیا بلاد اسلام میں جابجا کتابیں اور نسخے حدیث میں مرتب ہونے لگے۔ اہل روایت میں سے ایسے علماء کم
تھے جن کی کوئی تصنیف نہ ہو۔ اس وقت کی ضرورت نے ایسی حالت پیدا کردی تھی اس زمانہ کے بلند پایہ علماء
نے تمام ممالک حجاز، شام، عراق، مصر، یمن، خراسان میں سفر کیا اور کتابوں اور نسخوں کو متفرق موقعوں سے فراہم کیا
غریب حدیث اور آثار نادرہ کی تلاش میں بہت غوض کیا ان کے اہتمام سے وہ احادیث اور آثار مجتمع ہوگئیں جو
پیشتر جمع نہ ہوسکی تھیں۔ ان کے لئے وہ سامان مہیا ہوگیا جو پہلے کسی کے لئے مہیا نہ ہوا تھا۔ اور بکثرت ایک ایک
حدیث کے طرق خاص ان کو معلوم ہوگئے تھے کہ ان کے پاس ایسی حدیثیں بکثرت تھیں جو سو سو طریقوں سے
مروی تھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ بعض طریقوں سے ان امور کا انکشاف ہوگیا جو اور طرق میں نامعلوم تھے۔
ان علماء نے ہر ایک حدیث کا درجہ معلوم کرلیا۔ کہ کون سی غریب ہے اور کونسی مستفیض ہے۔ اور حدیث کے
متابعات اور اس کے شواہد میں غور کرنیکا انکو خوب موقع ملا۔ اور بکثرت صحیح حدیثوں کا ان کو پتہ مل گیا جو اگلے
مستفتیوں کے وقت میں ظاہر نہ ہوئیں تھیں۔ امام شافعیؒ نے امام احمدؒ سے کہا کہ صحیح احادیث کا علم تم کو ہم سے

زیادہ سے جو حدیث صحیح ہوا کرے۔ وہ ہم کو بتا دیا کرو تاکہ ہم اسی کو اپنا مذہب قرار دیں تو وہ حدیث کوفی
ہو یا شامی یا بصری (ابن ہمام نے اسکو نقل کیا ہے) امام شافعی نے امام احمد سے یہ اسواسطے کہا کہ بہت سی احادیث
ایسی بھی تھیں جن کو صرف ایک ایک شہر کے راوی نقل کیا کرتے تھے مثلاً وہ احادیث جنکو صرف شام یا عراق کے ہی
محدثین روایت کیا کرتے تھے بعض ایسی حدیثیں بھی تھیں کہ صرف ایک ہی خاندان کے لوگ ان کی روایت کرتے
تھے جیسے برید کا نسخہ ابو بردہ کی روایت سے ابو بردہ نے اسکو ابو موسےٰ سے روایت کیا ہے اور عمرو بن شعیب کا نسخہ
اپنے باپ کی روایت سے اور ان کے باپ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور بعض صورتیں ایسی تھیں کہ بعض
صحابہ قلیل الروایت اور گمنامی کی حالت میں تھے ان سے بہت کم لوگوں نے حدیثوں کو اخذ کیا۔ اس قسم کی حدیثوں
سے عام مفتی علمائے بے خبری ہے ان کے پاس احادیث کا وہی مجموعہ تھا جو ہر شخص کے فقہائے صحابہ اور تابعین سے منقول
تھا متقدمین کی حالت ہی یہی تھی کہ صرف اپنے شہر اور اپنے درجہ کے لوگوں کی حدیثوں کو جمع کر سکتے تھے۔ اور نیز انکے علم
اسماء الرجال اور راویوں کے درجہ عدالت کا اندازہ ان امور سے کر لیا کرتے تھے جو ان کو حالت کے مشاہدہ اور
قرائن کے تتبع سے معلوم ہو جایا کرتے تھے لیکن اب اس طبقہ کے علماء نے اس فن میں نہایت غور کیا۔ اور اس کو
مدون کر کے اور بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا اور احادیث کے صحیح اور غیر صحیح قرار دینے میں باہم مناظرہ کئے گئے
اس طرح اس تدوین اور مباحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حدیثوں کا فیصلہ ہو گیا۔ جن کا متصل یا منقطع ہونا پہلے مخفی تھا پہلے
یہ حالت تھی کہ امام سفیان اور وکیع وغیرہم نہایت اہتمام اور اجتہاد کرتے تھے لیکن صحیح احادیث ایک ہزار سے کم ہی
ان کو بہم پہنچی تھیں (ابو داؤد سجستانی نے اس کو اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے۔ جس کو انہوں نے اہل مکہ کو بھیجا تھا) اور
اب اس طبقہ میں محدثین تقریباً چالیس ہزار تک احادیث کی روایت کرتے تھے امام بخاری کی نسبت یہ امر صحیح ہے
کہ انہوں نے چھ ہزار احادیث سے صحیح بخاری کو مختصر کیا ہے اور ابو داؤد کی نسبت بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ پانچ ہزار
احادیث سے انہوں نے اپنے سنن کو منتخب کیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند کو احادیث نبوی کے معلوم کرنے کے
لئے ایک میزان قرار دیا ہے۔ جو حدیثیں اس مسند میں موجود ہیں گرچہ انکی روایت ایک ہی طریقہ سے ہو ان کے لئے
کوئی نہ کوئی اصل ہے ورنہ انکو بے اصل سمجھنا چاہئے ۔

اس طبقہ کے اساطین علماء یہ ہیں۔ عبد الرحمن بن مہدی۔ یحییٰ بن سعید قطان۔ یزید بن ہارون۔ عبد الرزاق۔ ابو بکر
بن ابی شیبہ۔ مسدد۔ ہناد۔ احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ فضل بن دکین۔ علی مدینی اور ان کے دیگر ہم رتبہ محدثین
طبقات محدثین میں یہ طبقہ طراز اور پہلا نمونہ ہے۔ جب محققین اہل حدیث نے فن روایت اور درجات حدیث خوب
مکمل کر لئے۔ تو انکے بعد ان کی توجہ فقہ کی طرف مائل ہوئی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بہت سی احادیث اور آثار فقہاء
کے ہر ایک مذہب کے مخالف ہیں۔ اسواسطے متقدمین میں سے خاص کسی امام کی تقلید پر اتفاق نہیں کیا بلکہ انہوں
نے احادیث نبوی۔ صحابہ۔ تابعین اور مجتہدین کے آثار کا تتبع کرنا شروع کیا اور اوروں کے لئے انہوں نے ایسے
قواعد کی بنا ڈالی جن کو اپنے ذہنوں میں انہوں نے خوب راسخ کر لیا تھا۔ ان قواعد کو چند تقریروں میں ہم بیان

کرتے ہیں۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ جب تک کسی مسئلہ کا حکم قرآن سے ثابت ہو تو کسی دوسری شے کی طرف توجہ نہ کرنا
چاہئے اور اگر قرآن میں حکم مسئلہ کا مختلف الوجوہ ہو تو اس کا فیصلہ حدیث سے کرنا چاہئے اور جب قرآن میں ان کو کوئی حکم
نہیں ملتا تھا تو رسول خدا کی حدیث پر عمل کرتے تھے۔ خواہ وہ حدیث مستفیض ہوتی جس پر فقہا علماء عمل کر چکے تھے یا کسی
خاص شہر کے علماء یا کسی خاص خاندان کے علماء سے یا کسی خاص طریقہ سے وہ مروی ہوتی خواہ صحابہ اور فقہاء نے
اس پر عمل کیا ہوتا یا نہ عمل کیا ہوتا۔ کسی مسئلہ میں جب ان کو کوئی حدیث مل جایا کرتی تھی تو اس کے بعد پھر اس کے مخالف
کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہیں کیا کرتے تھے اور جب نہایت کوشش اور تتبع احادیث کے بعد بھی کسی مسئلہ میں حدیث
نہیں ملتی تھی تو اس وقت صحابہ یا تابعین میں سے ایک جماعت کا اقتدا کرتے تھے اور ان کے اقوال پر عمل کر لیا کرتے
تھے اس میں ان کو کسی قوم یا کسی شہر کی خصوصیت اور قید نہ تھی۔ ان سے ان کا طریقہ بھی یہی تھا ایسی صورت میں اگر اس
مسئلہ میں جمہور خلفاء اور فقہاء کا اتفاق تھا تب وہ اطمینان کافی کے قابل ہوتا تھا۔ اور اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا تھا۔ تو
ایسے شخص کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ جو علم، ورع، ضبط اور اسکی شہرت کی وجہ سے فوقیت ہوا کرتی تھی اور اگر اس
مسئلہ میں ایک ہی قوت کے دو قول ہوا کرتے تھے تو وہ مسئلہ ذات القولین رہتا تھا۔ اور اگر ان امور کی تنقیح متعذر ہوا
کرتی تھی تو اس وقت کتاب و قرآن کی عام تعبیروں میں ان کے ایما اور اقتضا میں غور کیا کرتے تھے۔ اور جب دو مسئلوں
کی ایک سی حالت ہوتی تھی۔ تو مسئلہ کو نظیر مسئلہ پر عمل کر لیا کرتے تھے۔ یہ ہیں وہ قواعد اصول کے پابند نہ تھے کہ جس
طریقہ سے ایک اطمینانی حالت پیدا ہو جایا کرتی تھی اسی سے فیصلہ کیا کرتے تھے جیسے کہ تواتر کے لئے راویوں کی تعداد
ان کی حالت کے لئے میزان نہیں ہے بلکہ اس کے لئے میزان وہ یقین ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جایا کرتا
ہے صحابہ کے حالات میں ہم اس بیان کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور ایسے تمام اصول متقدمین کے برتاؤ اور ان کی تصریحات
سے مستخرج تھے۔ میمون ابن مہران سے منقول ہے۔ کہ ابوبکر صدیق رضی کے پاس جب کوئی دعویٰ پیش ہوتا تھا۔ تو وہ
قرآن میں اس کے دعوے کا جواب تلاش کیا کرتے تھے اگر اس میں جواب مل جاتا تو پہلے قرآن سے تلاش کرتے
قرآن میں اس کا جواب نہ ملتا اور اس کے متعلق کوئی حدیث ان کو معلوم ہوتی تو ویسا ہی فیصلہ کرتے۔ اور اگر قرآن
و حدیث سے وہ حکم مسئلہ کا معلوم نہ کر سکتے۔ تو باہر جا کر مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ ایسا ایسا دعوے میرے سامنے
پیش ہوا ہے تم میں سے کسی کو معلوم ہوا ہے کہ رسولؐ خدا نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا تھا۔ اسوقت اکثر ایسا اتفاق
ہوتا تھا۔ کہ تمام جماعت بول اٹھتی تھی کہ آں حضرتؐ نے اس کا یہ فیصلہ کیا تھا تب وہ فرماتے۔ الحمد للہ۔ ہمارے
اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن میں آں حضرت صلعم کے اقوال محفوظ ہیں۔ اور جب کسی طرح حدیث سے بھی حکم مسئلہ کا
معلوم نہ ہوتا تب معتمد اور عمدہ لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے۔ جب کسی امر پر سب کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اس کے
موافق فیصلہ کرتے تھے۔

اور قاضی شریح سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے انکو تحریر کیا تھا کہ قرآن میں سے جو حکم تم کو معلوم ہو تو اس کے
موافق فیصلہ کرنا ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو اس سے باز رکھیں۔ اور اگر ایسا مسئلہ پیش ہو جسکا حکم قرآن میں نہ ملے تو حدیث

وتلاش کر کے اُسکے موافق فیصلہ کرے۔ اور اگر قرآن و حدیث میں اُسکا حکم نہیں ہے تو اُس قول پر نظر کرنا جس پر لوگوں نے
اتفاق کیا ہو اور اُسکے موافق فیصلہ کرنا اور اگر قرآن و حدیث میں اس مسئلہ سے خاموشی ہو اور تم سے اگلے لوگوں نے بھی اُس میں
سکوت کیا ہو تو دو امروں میں سے ایک کو اختیار کرنا اگر چاہو تو اجتہاد کرو اپنی رائے سے اور اگر چاہو تو اجتہاد میں تاخیر کرنا۔ اور
میں تمہارے لیے اسی تاخیر کو پسند کرتا ہوں۔ عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے وہ کہتے تھے ہم پر ایسا زمانہ گذرا ہے کہ ہم کسی مسئلہ
میں فتوے نہ دیتے تھے ہم اُس درجہ تک نہ پہنچے تھے۔ اور خدا نے مقدر کیا تھا کہ ہم کو اس درجہ تک پہنچا دیا جس کو تم دیکھتے
ہو اسلئے آج سے جس کے سامنے کوئی قضیہ پیش ہو تو وہ کتاب الٰہی کے موافق اُسکا فیصلہ کرے اگر کتاب الٰہی میں اُس کا
جواب نہ ہو تو جیسے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو اس کے موافق حکم دے اور اگر کتاب الٰہی میں اُس کا جواب نہ ہو
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اُسکے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو تو جیسا صالحین امت نے حکم دیا ہو اُسکے موافق حکم دے۔ اور
اپنی طرف سے یہ نہ کہے کہ میں اس میں خوف کرتا ہوں اسکو پسند کرتا ہوں۔ اس لیے کہ امور حرام و حلال صاف صاف ہیں۔ اور
حرام و حلال کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں۔ اسواسطے مشتبہ کو ترک کر کے یقینی کو اخذ کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کا قاعدہ
تھا کہ جب اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا۔ اور اُس کا حکم قرآن میں ہوتا تھا۔ تو اُسی کے موافق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر
قرآن میں اُس کا حکم نہ ملتا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اُسکا حکم ثابت ہوتا تو وہی بیان کر دیتے ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رض
اور حضرت عمر رض نے جو حکم اُس کا دیا ہوتا وہ بیان کر دیتے اور اُن سے بھی کوئی حکم متعلق نہ ہوتا تب اپنی رائے سے اُس کا جواب
دیتے۔ عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ تم کو خدا عذاب دے یا زمین
میں تم کو دھنسا دے۔ تم کہتے ہو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا تھا۔ اور فلاں شخص نے ایسا کہا ہے۔ قتادہ سے روایت
ہے کہ ابن سیرین نے ایک شخص کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو اُس شخص نے کہا فلاں شخص ایسا ایسا کہتے ہیں تب
ابن سیرین نے کہا میں تم سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں۔ اور تم اُس پر کہتے ہو کہ فلاں نے ایسا ایسا
کہا ہے دارمی سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا تھا کہ کتاب الٰہی میں کسی کو رائے دینے کا حق نہیں ہے۔
وہ صرف انہیں امور میں رائے دے سکتے ہیں جنکا حکم قرآن میں نازل نہ ہوا ہو اور نہ حدیث میں اُس کا حکم دیا ہو جس امر کو
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا ہو۔ اُس میں بھی کسی رائے کو دخل نہیں ہے۔ اعمش سے روایت ہے کہ ابراہیم کا
قول تھا کہ مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہوا کرے۔ میں نے سمیع زیات سے بروایت عبداللہ ابن عباس حدیث
بیان کی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو داہنی جانب کھڑا کیا تھا۔ ابراہیم نے اسی کو اختیار کر لیا۔ شعبی سے
منقول ہے کہ ایک شخص نے اُنکے پاس آکر ایک مسئلہ دریافت کیا۔ شعبی نے جواب دیا کہ عبداللہ ابن مسعود اسکا یہ جواب دیا
کرتے تھے۔ اُس نے کہا آپ نے مجھ کو اپنی رائے بتائی۔ شعبی نے کہا۔ تم اس شخص پر تعجب نہیں کرتے۔ میں عبداللہ
ابن مسعود کی طرف سے خبر دے رہا ہوں اور یہ کہتا ہے کہ تم مجھ کو اپنی رائے بتاؤ۔ واللہ مجھ کو راگ کا گانا اچھا معلوم ہوتا ہے
اس سے کہ میں اپنی رائے ظاہر کروں۔ دارمی نے یہ تمام آثار بیان کئے ہیں۔ ترمذی نے ابوسائب سے روایت
کی ہے کہ ہم امام وکیع کے پاس حاضر تھے۔ اُنہوں نے ایک شخص کے سامنے جو رائے کو دخل دیا کرتا تھا بیان کیا کہ رسول خدا

نے شعارک اونٹ کے کوہان پر دونوں جانب سے لوہے کی چھری سے زخمی کرنا کہا ہے۔ اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ شعار مثلہ
ہے۔ اس شخص نے کہا ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ اشعار مثلہ ہے۔ ابو سائب کہتے ہیں کہ میں نے وکیع کو دیکھا کہ
اس شخص پر انہوں نے بہت غصہ کیا اور کہا میں تجھے کہتا ہوں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے اور تو کہتا ہے
کہ ابراہیم کا یہ قول ہے تو اسی قابل ہے کہ قید کر دیا جائے۔ اور جب تک اپنے قول سے باز نہ آئے رہا نہ کیا جائے۔ عبداللہ بن عباس
اور عطاء و مجاہد اور مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سب کا یہی قول ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس
کے قول کو اختیار اور رد نہ کر سکیں۔ بجز قول رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ۰

جب علمائے ان قواعد کے مادہ سے فقہ کو مہد اور مرتب کیا۔ تو ان مسائل میں سے جن میں قدماء نے کلام کیا تھا۔ یا
جو موجودہ اس زمانے میں پیش آئے تھے کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق کوئی حدیث مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف
صحیح یا حسن یا قابل اعتبار ہم نہ پہنچی ہو۔ یا شیخین اور دیگر خلفاء یا قضاۃ اور فقہائے بلاد کے کسی اثر کا پتہ نہ لگا ہو۔ یا عموم و ایماء
و اقتضائے اس کا سراغ نہ لگایا گیا ہو۔ اس طرح پر علماء کے لئے خدا نے مذہب پر عمل کرنا آسان کر دیا تھا۔ اس زمانہ کے علماء میں
سے نہایت عظیم الشان وسیع الروایت حدیث سے زیادہ واقف فقہ میں سب سے زیادہ غائر النظر امام احمد بن حنبل تھے
اور امام احمد کے بعد اسحاق بن راہویہ اس ڈھنگ پر فقہ کو ترتیب دینے کے لئے بکثرت احادیث و آثار جمع کرنے کی
ضرورت تھی یہاں تک کہ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ فتوے دینے کیلئے ایک لاکھ حدیثیں کافی ہو سکتی ہیں انہوں نے
کہا کافی نہیں ہیں یہاں تک کہ پوچھا گیا کہ پانچ لاکھ کفایت کر سکتی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا مجھ کو امید ہے کہ اتنی کفایت کر سکیں۔
غایت المنتہی میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام احمد کی مراد اس قول سے یہی ہے کہ فقاہت کے ساتھ فتوے دینے کے
لئے اتنی حدیثیں کافی ہیں ۰

اس حالت کے بعد ایک دوسرے زمانہ کی پیدائش ہوئی انہوں نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ حدیث کی محنت سے
انہوں نے اور لوگوں کو فارغ کر دیا ہے۔ فقاہت کا سامان کر چکے ہیں انہیں کے اصول کا تفقہ میں انہوں نے لحاظ
رکھا ہے۔ اس واسطے ان پچھلے لوگوں نے اور فنون کی جانب میلان کیا۔ مثلاً ان صحیح حدیثوں کو بالکل ممیز کر دیا جو کبرائے
حدیث کے نزدیک متفق علیہ صحیح تھیں مثلاً یزید بن ہارون۔ یحییٰ بن سعید قطان۔ احمد۔ اسحٰق اور ان کے ہم رتبہ لوگوں نے
ان کو صحیح مانا تھا فقہ کے متعلق ان احادیث کو جمع کیا۔ جن پر بلاد اسلامی کے علماء اور فقہاء نے اپنے اپنے مذاہب کی
بنیاد قائم کی تھی اور ہر حدیث جس درجہ کی مستحق تھی اس پر وہی حکم لگایا۔ اور ان شاذ و نادر احادیث کو جمع کیا جن کی
سابقین نے روایت نہ کی تھی۔ اور ان طرق کا انکشاف کیا جن کو قدماء نے طرق کے اندازہ سے بیان نہیں کیا تھا۔
ایسی احادیث میں وہ حدیثیں بھی ظاہر ہوئیں جن میں اتصال یا علو اسناد کا وصف تھا یا ان کی روایت فقیہ نے
فقیہ سے یا حافظ حدیث نے حافظ حدیث سے کی تھی یا اس کے علاوہ اور مطالب علمی ان میں مندرج تھے۔ اس
منصب کے محدثین بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ عبد بن حمید۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابو یعلی۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارقطنی۔ حاکم۔ بیہقی
خطیب۔ دیلمی۔ ابن عبدالبر اور ان کے ہم پایہ لوگ ہیں۔ اور میرے نزدیک وسعت علمی میں سب سے زیادہ نافع تصنیف میں سب

مشہور ترجمہ شخص ہیں جن کا زمانہ قریب قریب ہے سب سے اول ابوعبداللہ بخاری ان کی غرض یہ تھی کہ تمام ایسی احادیث کو جمع اور خالص کر دیں جنہیں صحیح مستفیض اور متصل ہونے کے اوصاف حاصل ہوں اور ان احادیث سے فقہ، سیرت، تفسیر کو مستنبط کریں۔ اس لیے انہوں نے اپنی جامع صحیح تصنیف کی اور جس شرط سے تصنیف کی تھی۔ اسکو پورا کر دیا ہم کو سنا ہے ایک متقی شخص نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا تجھکو کیا ہو گیا ہے کہ محمد بن ادریس کی فقہ میں تو مشغول ہے اور میری کتاب کو تو نے چھوڑ رکھا ہے اس شخص نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے آپ نے فرمایا صحیح بخاری اور مجھکو اپنی زندگی کی قسم ہے کہ صحیح بخاری کو شہرت اور مقبولیت ایسی حاصل ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔

اور دوسرے مصنف مسلم نیشاپوری ہیں۔ انہوں نے بھی یہی قصد کیا کہ متفق علیہ صحیح حدیثوں کو خالص کر دیں جن پر محدثین نے اتفاق کیا ہو۔ اور وہ متصل مرفوع کے درجہ کی ہوں۔ ان سے مذہبی احکام مستنبط ہو سکیں اور یہ بھی انہوں نے قصد کیا کہ احادیث کو قریب الفہم کر دیں۔ استنباط مسائل بھی ان سے آسانی سے ہو سکے۔ اس لئے انہوں نے نہایت مکمل ترتیب دی اور ایک ہی موقع پر ہر ایک حدیث کے تمام طرق کو بیان کر دیا۔ تاکہ نہایت صراحت کے ساتھ اختلاف اور تفرق اسانید کا اظہار ہو جائے تمام مختلف احادیث کو یکجا کر دیا تاکہ عربی زبان کے واقف کو کوئی موقع عذر کا باقی نہ رہے اور پھر وہ حدیث سے اعراض کر سکے اور طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

اور تیسرے مصنف ابوداؤد سجستانی ہیں۔ ان کا قصد یہی تھا کہ ایسی احادیث کو جمع کریں جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں فقہاء میں ان کا تذکرہ رہتا ہے اور علمائے بلاد نے احکام کی بنیاد ان احادیث کو قرار دیا ہے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے اپنی سنن کو تصنیف کیا۔ اس میں صحیح حسن اور قابل عمل حدیثیں جمع کر دیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں ایسی کوئی حدیث جمع نہیں کی ہے جس کے ترک کرنے پر سب کا اتفاق ہو جو حدیث ضعیف تھی اسکا ضعف اور جس حدیث میں کوئی خدشہ یا علت کی بات تھی۔ اس کو بوجہ علت صاف بیان کر دی۔ علم حدیث میں خوض کرنے والا اسکو خوب سمجھ سکتا ہے ہر حدیث سے انہوں نے اس مسئلہ کو بیان کر دیا جس کو کسی عالم نے مستنبط کیا تھا اور کسی کا وہ مذہب قرار پایا تھا۔ اس لئے غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ مجتہد کے لئے یہ کتاب کافی ہے۔

چوتھے مصنف ابوعیسیٰ ترمذی ہیں انہوں نے شیخین امام بخاری اور مسلم کے طریقوں کو پسندیدہ صورت میں کر دیا۔ انہوں نے صاف بیان کیا تھا کہیں ابہام رکھا تھا دونوں کو عمدہ شکل میں کر دیا اور اس نے کہ ہر ایک صاحب مذہب کے مسائل کو مفصل بیان کر دیا ہے ابوداؤد کی مقاصد کی بھی تکمیل کر دی ہے۔ دونوں طریقوں کی جامعیت کے بعد ان پر یہ اضافہ کر دیا کہ صحابہ و تابعین اور فقہائے امصار کے مذاہب کو پورا بیان کر دیا ہے۔ اس لئے ایک جامع کتاب کو انہوں نے ترتیب کر دیا ہے اور لطیف شکل میں طرق حدیث کو مختصر کر دیا ہے۔ ایک طریقہ کا ذکر کر کے دوسرے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہر ایک حدیث کی حالت بتا دی ہے کہ کون سی صحیح ہے کونسی حسن ہے ضعیف اور منکر کونسی ہے۔ اور ہر ایک حدیث کی وجہ ضعف بیان کر دی ہے۔ تاکہ طالب حدیث کو اپنے مقصود میں پوری بصیرت

حاصل ہو جائے اور جو احادیث قابل اعتماد ہیں انکا پورا اندازہ کرسکے حدیث شاذ اور غریب کی تصریح کردی ہے ہر ایک صحابی اور
فقیہ کا مذہب نقل کر دیا ہے اور جس شخص کے نام معلوم کرنے کی ضرورت تھی اسکا نام بتا دیا اور جسکی کنیت کی ضرورت تھی اسکی
کنیت بتادی ہے اور علماء میں سے کسی کی نسبت کوئی امر مخفی نہیں رکھا ہے اسواسطے علماء کا قول ہے کہ یہ کتاب مجتہد اور
مقلد دونوں کی کفایت کرتی ہے ۔

امام مالک و سفیان ثوری کے زمانہ اور مابعد میں ان محتاط لوگوں کے مقابل میں ایسے علما بھی تھے جن کو مسائل بیان
کرنے میں کوئی ناگواری نہ تھی اور فتوے دینے میں انکو کچھ باک نہ تھا وہ کہتے تھے کہ دین کی بنا فقہ پر ہی ہے اس سے اس کی
اشاعت ضروری ہے ان علما کو حدیث کے بیان کرنے اور آنحضرت تک سلسلہ روایت کے پہنچانے میں اندیشہ معلوم ہوتا
تھا شعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نیچے کے لوگ روایت کیلئے مجھکو زیادہ اچھے معلوم ہوتے ہیں اگر حدیث میں کوئی
کمی بیشی ہوگی تو اسکے ذمہ دار وہی لوگ رہینگے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نیچے ہیں ابراہیم نخعی کہتے ہیں مجھکو یہ کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے
کہ عبداللہ نے یہ کہا اور علقمہ کا یہ قول ہے اور عبداللہ بن مسعود جب کوئی حدیث بیان کیا کرتے تھے تو انکا چہرہ بدل جایا کرتا تھا اس
وقت وہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی یا اسکی مثل فرمایا ہے کہ جب حضرت عمر نے ایک انصار کی ایک
جماعت کو کوفہ کی جانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا تم کوفہ کو جاتے ہو وہاں تم ایسے لوگوں سے ملوگے جو قرآن کو رقت سے
پڑھتے ہیں وہ تمہارے پاس آکر کہینگے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آئے ہیں تب وہ تم سے حدیثیں دریافت کرینگے
تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیث کی روایت بہت کم کرنا شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو وہ بہت ہی
احتیاط کرتے تھے اور ابراہیم برابر اس میں گفتگو کیا کرتے تھے (دارمی نے ان آثار کو بیان کیا ہے) ۔

اس وجہ سے حدیث اور فقہ اور مسائل مدون کرنے کی دوسری طرز کی ضرورت پڑی انکے پاس اتنی احادیث اور آثار نہ
تھے جن سے وہ لوگ فقہ کو ان اصول کے موافق مستنبط کر سکتے جنکو اہل حدیث نے پسند کیا تھا ۔ و علمائے بلاد کے اقوال غور اور
بحث میں انکو کشادہ دلی نہ تھی اور اپنے اماموں کے متعلق انہوں نے اعتقاد کیا تھا کہ ان کا پایہ تحقیق میں بہت بلند ہے
اور سب سے زیادہ انکو میلان اپنے اساتذہ کی طرف ہی تھا جیسے علقمہ کا قول ہے کہ کوئی عالم عبداللہ سے زیادہ قابل اعتماد نہیں
ہے اور ابوحنیفہ کا قول ہے کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابیت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ ابن عمر سے
زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان علما کے ذہن میں فطانت اور سرعت انتقال ایسا تھا جس سے وہ مسائل کا استخراج بخوبی کرتے تھے
اور اپنے اصحاب کے اقوال سے انکو خوب پیوند لگاتے تھے اور جو چیز جسکی پیدائش میں ہوا کرتی تھی وہی اس کیلئے آسان
ہوجایا کرتی ہے وکل حزب بما لدیہم فرحون اس طرح پر ان علما نے تخریج کے قاعدہ پر فقہ کی ترتیب دی ہر شخص اسکی کتاب
کو محفوظ رکھتا تھا جو ان کے اصحاب کی زبان اور اقوال علما کا زیادہ واقف اور ترجیح میں زیادہ درست رائے ہوا کرتا تھا اس
سے وہ ہر مسئلہ میں حکم کی وجہ میں غور کرسکتا تھا جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ اپنے اصحاب کے مصرح اقوال
میں غور کرتا جو انکو محفوظ ہوتے تھے اگر ان میں جواب مل جاتا تو فبہا ورنہ انکے عموم کلام کو دیکھتا اور اس عموم سے حکم مسئلہ
کا اخذ کرلیتا یا کسی کلام کے اشارہ ضمنی سے حکم کو مستنبط کرلیتا اکثر بعض کلام میں کوئی اشارہ یا اقتضا ہوا کرتا تھا اس سے

اور تنبیہ ہوتی ہے معلوم ہو جایا کرتا تھا اکثر کسی خاص مسئلہ کی کوئی نظیر ہوا کرتی تھی اس کی نظیر پر اصل کا حکم بیان کیا کرتے تھے کبھی منصوص
صریح حکم کی علت میں تخریج یا سبر وحذف کیا کرتے اور اس علت کو غیر منصوص حکم پر ثابت کر دیا اور کبھی اس امام کے دو قول ہوا
کرتے تھے اگر ان کو قیاس قولی یا قیاس شرعی کی شکل میں کر لیتے تو جواب مسئلہ کا اس سے حاصل ہو جاتا اکثر ان کے کلام میں
ایسے ہوتے تھے جو مثال اور تقسیم سے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی تعریف جامع اور مانع معلوم نہ تھی اس واسطے ان فقہائے اہل زبان
کی طرف رجوع کیا اور اس شئے کے ذاتیات حاصل کرنے میں کوشش کی اور اس کی تعریف جامع و مانع مرتب کر دی
اس میں جو ابہام تھا اس کو ضبط میں لے آئے اور مشکل کو واضح کر دیا اگر ان کے کلام میں چند وجوہ کا احتمال تھا انہوں نے
دو احتمالوں میں سے ایک کو متعین کر دیا کبھی دلائل طرز استدلال ایسا ہوتا تھا جس سے نتیجہ صاف نہیں نکلتا تھا پس وہ ان
دلائل کو خوبی سے بیان کر دیتے ہیں بعض اصحاب تخریج اپنے امام کے فعل اور ان کے سکوت وغیرہ سے استدلال کیا کرتے
تھے۔ ان طریق مذکورہ کا نام تخریج تھا اور اسی سے مشابہ ہے جو کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص نے قول کو اس طرح خارج کیا ہے
یا فلاں مذہب کے موافق یا فلاں شخص کے قاعدہ کے موافق یا فلاں شخص کے قول کے موافق مسئلہ کا جواب ایسا ہے
و ان کے تخریج کرنے والوں کو مجتہدین فی المذہب کہا کرتے تھے اور جس کا یہ قول ہے کہ جس نے مبسوط کو یاد کر لیا۔
وہ مجتہد ہے۔ اس سے وہی اجتہاد مراد ہے جو تخریج سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ ایسے شخص کو روایت کا علم بالکل نہ ہو
اور ایک حدیث بھی اس کو نہ آتی ہو۔ اس طرح ہر ایک مذہب میں تخریج واقع ہوئی اور اس کی کثرت ہو گئی۔ اس کے بعد
جس مذہب کے پیرو زمانہ میں مشہور ہو گئے اور قضا اور فتوے ان پر مفوض ہوا۔ لوگوں میں ان کی تصانیف مشہور ہو گئیں۔
انہوں نے عام طور پر درس دینا شروع کیا وہ مذہب اطراف عالم میں پھیل گیا۔ اور ہمیشہ اس کی شہرت بڑھتی رہی۔ اور جس
مذہب کے پیرو گمنام ہوئے اور قضا و فتوے کی خدمت انہیں نہ رہی۔ لوگوں نے ان میں کافی رغبت نہ کی وہ چند روز
کے بعد نابود ہو گیا۔

باب ۸۵

اس بیان میں کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور پیچھے لوگوں کا کیا حال تھا

معلوم کرنا چاہیے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی خاص ایک مذہب معین پر متفق نہ تھے۔ قوت القلوب میں
ابو طالب مکی نے بیان کیا ہے کہ یہ کتابیں اور مجموعے نئی چیزیں ہیں۔ قرن اول اور دوم میں پہلے لوگ اور لوگوں کے اقوال
کے قائل نہ تھے کسی مذہب معین کے موافق فتوے دینے کا طریقہ معین نہ تھا خاص کسی شخص کا قول اختیار کیا جایا
کرتا۔ ہر ایک قسم کے امر میں اسی کے قول کو نقل نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم نہیں ہوتی تھی۔
میں کہتا ہوں کہ دونوں قرنوں کے بعد کسی قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہو گیا تاہم چوتھی صدی کے لوگ مذہب معین کی
تقلید پر متفق نہ تھے کسی ایک مذہب کی فقہ کی پابندی نہ تھی کہ اسی کا قول نقل کیا جائے جیسے کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے
بلکہ اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے (۱) علما (۲) عامی۔ عوام کی یہ حالت تھی کہ اتفاقی مسائل میں جو مسلمانوں اور

و مجتہدین میں مختلف فیہ تھے وہ صرف صاحب شرع کی ہی تقلید کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ کا طریقہ وہ
اپنے باپ دادا یا اپنے شہروں کے علماء سے سیکھ لیا کرتے تھے۔ اسی روش پر وہ چلتے تھے اور جو کوئی نیا واقعہ پیش آتا
تو جو کوئی مفتی مل گیا اس سے مسئلہ دریافت کر لیا۔ کسی مذہب معین کی تخصیص نہ تھی۔ اور خاص خاص لوگوں کی حالت
یہ تھی کہ ان میں سے محدثین علم حدیث میں مصروف تھے۔ ان کے پاس احادیث نبوی و آثار صحابہ میں ضروری حدیثیں موجود
تھیں کہ مسائل میں اور کسی چیز کی ان کو حاجت نہ تھی۔ وہ حدیثیں مستفیض یا صحیح قسم کی تھیں جن پر فقہا عمل کر چکے تھے۔ جو
ان پر عمل نہ کرے وہ قابل عذر نہیں ہے اور نیز ان کے پاس ایک مجموعہ ان اقوال کا تھا جو جمہور صحابہ اور تابعین سے
ایسے مروی تھے کہ ان کی مخالفت نازیبا تھی۔ اگر تعارض نقل یا بوجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے وغیرہ سے مسئلہ میں ان کا دل مطمئن
نہیں ہوتا تھا تو گذشتہ فقہا میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر فقہا کے دو قول اس مسئلہ میں ان کو
ملتے تھے اور ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا اسکو انتخاب کر لیا کرتے تھے۔ خواہ وہ فقیہ اہل مدینہ سے ہوتا یا اہل کوفہ
سے۔ اور ایک فرقہ ان خاص لوگوں میں اصحاب التخریج کا تھا جس مسئلہ کو وہ مصرح نہ پاتے تھے اسمیں وہ تخریج کرتے تھے اور
مذہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور یہ لوگ صاحب مذہب کے مذہب کی طرف منسوب ہوا کرتے تھے یوں کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شافعی ہے اور فلاں حنفی۔
اور محدث بھی کسی مذہب سے زیادہ موافق ہو کر اسی مذہب سے منسوب ہوتا جیسے نسائی و بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب ہیں تو اور بجز مجتہد کے کسی
کو قضاء اور افتاء کی خدمت نہیں ملتی تھی اور صرف مجتہد ہی کو فقیہ کہتے تھے ان قرنوں کے بعد لوگ دائیں بائیں آوارہ
ہوئے اور بہت سی نئی نئی باتیں پیدا ہو گئیں اور علم فقہ کے متعلق ان میں نزاع و خلاف پیدا ہو گیا۔ اسکی تفصیل
جیسی کہ غزالی نے بیان کی ہے یہ ہے کہ جب خلفاء راشدین مہدیین کا زمانہ ختم ہو گیا اور خلافت ان لوگوں کو مل گئی جو
اسکے قابل اور مستحق نہ تھے۔ اور فتووں اور احکام دین کا مستقل علم ان کو نہ تھا اس واسطے ان کو ضرورت ہوئی کہ فقہا سے
مدد لیں اور ہر حال میں ان کو ساتھ رکھیں۔ اس زمانہ میں ایسے علما باقی تھے جن کی روش قدیمی تھی۔ وہ خالص
دین کے پابند تھے۔ اس لئے جب وہ حریم خلافت میں طلب کئے جاتے تھے تو اس سے گریز کرتے تھے۔ اور خلفا کی
صحبت سے اعراض کرتے تھے تب اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا علما کی بڑی عزت ہے یہ لوگ سلاطین سے اعراض
کرتے ہیں اور وہ ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں تو ان لوگوں نے اعزاز اور مرتبہ حاصل کرنے کی آرزو میں نہایت شوق سے
علم کی طلب میں توجہ کی اور اب فقہا مطلوب ہونے کے بعد طالب ہو گئے۔ وہ پہلے جیسے سلاطین کی بے التفاتی کی وجہ
سے معزز تھے ویسے ہی اب ذلیل ہو گئے۔ سلاطین کی طرف توجہ کرنے سے الا من وفقہ اللہ اور ان لوگوں سے پہلے
لوگ علم کلام میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے اور اس فن میں بہت قیل و قال ہو چکی تھی۔ اعتراضات و جوابات اور تقابل
اور جدل کا طریقہ ممہد ہو چکا تھا۔ اب امرا اور سلاطین کی طبیعتیں فقہ میں مناظرہ کی جانب مائل ہوئیں۔ اور مذہب شافعی
اور ابو حنیفہ کے مذاہب سے اولویت ظاہر ہونے کی خواہشیں ان میں پیدا ہو گئیں۔ اس لئے اس علم کلام کی ترتیب
ان علماء نے بے موقع جانی لوگ علم کلام اور علمی فنون کو چھوڑ کر خاص امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے خلافی مسائل کی طرف
متوجہ ہو گئے۔ اور جو اختلافات باہم امام مالک اور سفیان اور احمد بن حنبل وغیرہم کے تھے انکا بخوبی اہتمام نہیں کیا

اور یہ لوگ سمجھے کہ اس تفتیش سے ہماری شرع کے دقیق مسایل کا استنباط کرنا اور مذہب کی علتوں اور وجوہ کا بیان کرنا اور اصول وفنون کی تمہید ہے ان اختلافات میں تصانیف مستنبطات بکثرت ہوگئیں اور رنگ برنگ مجادلوں و تصانیف کو انہوں نے مرتب کیا اور اب تک برابر وہ اسی حالت میں مصروف ہیں ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں میں ان کے لئے خدا تعالے نے کیا مقدر کیا ہے انتہیٰ حاصلہ ۔

جیسے پہلی لوگوں میں پیدا ہوگئی تھی ایسے ہی یہ خرابی بھی پیدا ہوئی کہ انکو تقلید کا پورا اطمینان ہوگیا اور آہستہ آہستہ تقلید ان کے سینوں میں سرایت کر گئی اور ان کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ اثر کیونکر پھیلتا جاتا ہے اس تقلید کی پختگی کا (۱) سبب تو یہ تھا کہ فقہا میں باہم مزاحمت اور مجادلے ہونے لگا لوگ فتووں میں روک ٹوک کرنے لگے جو شخص فتوے دیتا تھا فوراً اُسکے فتوے پر اعتراضات کئے جاتے تھے۔ اسکا رد کیا جاتا تھا۔ انجام کار بحث کا سلسلہ متقدمین سے کسی شخص کے صریح قول پر ختم ہوتا تھا (۲) سبب حکام اور قضات کا جور و تعدی بھی تقلید کا باعث ہوا۔ اکثر حکام کی طبیعت میں جور ہوگیا تھا۔ ان میں دین اور امانت کی صفت مفقود تھی۔ انکے فیصلے جب ہی مقبول سمجھے جاتے تھے کہ عام لوگوں کو ان میں اشتباہ باقی نہ رہے۔ اور اُس کا قول کسی شخص سابق کے مطابق ہو (۳) سبب سرتاج لوگوں کی جہالت اور بے علموں سے فتوے دینا تقلید کا باعث ہوا۔ یعنی علم حدیث اور تخریج کے طریقے سے ناواقف ہوتے تھے جیسے کہ اکثر متاخرین کی حالت ایسے ہی تم دیکھتے ہو ابن ہمام وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے اس زمانہ میں فقیہ ان لوگوں کا نام تھا جو مجتہد کے پایہ کے نہ تھے (۴) وجہ تقلید کی یہ ہوئی کہ اکثر لوگوں سے ہر فن میں عمیق باتوں کی جانب زیادہ توجہ کی بعض نے خیال کیا کہ ہم علم اسماء الرجال کی بنیاد مستحکم کر رہے ہیں جرح اور تعدیل کے مرتبوں کو معلوم کرتے ہیں، اسکے بعد انہوں نے قدیم اور جدید تاریخ کی طرف توجہ کی بعضوں نے نادر خبروں اور غریب آثار میں تفحص کیا اگرچہ وہ خبریں موضوع کے درجہ کی تھیں کسی نے اصول فقہ کے متعلق زیادہ گفتگو کی۔ ہر ایک شخص نے اپنے اپنے اصحاب کے مناظرہ کے اصول مستنبط کئے اور انتہائی درجہ تک اعتراضات کی پیروی کی اور اُنکے جوابات دیئے اور گلو خلاصی کی، ہر ایک امر کی تعریفات اور تقسیم کا اہتمام کیا کبھی طول کلام کیا کبھی اختصار کیا بعض نے [illegible] یہ روش اختیار کی کہ مسایل کی وہ مستبعد صورتیں فرض کیں جو اس قابل نہیں کہ کوئی عاقل ان کے درپے ہوتا مجتہدین اور ان سے اعلے درجہ کے لوگوں کی کلام سے ایسے عمومات اور ایماآت کی تفتیش کی کہ جن کا سننا عالم کیا جاہل کو بھی گوارا اور پسند نہیں ہوا کرتا۔ اس جدل و مخالفت اور تعمق کا ضرر اور فتنہ اس فتنہ اولے کے قریب قریب تھا۔ جب لوگوں نے ملک کے متعلق فساد اور جھگڑے برپا کئے تھے ہر شخص نے اپنے ہمراہی کی امداد کی تھی۔ جیسے ان فسادوں کا یہ انجام ہوا کہ آخر کو گزندہ حکومت قائم ہوگئی اور نہایت کور و تاریک واقعات پیش آئے ایسے ہی ان اختلافات نے جہالت اور اختلاط اور شکوک و اوہام کو ہر جانب پھیلا دیا۔ اس کے ان قرنوں کے بعد صرف خالص تقلید شایع ہوگئی حق و باطل اور مخاصمت اور استنباط میں کچھ تمیز نہ رہی۔ فقیہ اس زمانہ میں اس شخص کا نام ہوگیا کہ جو بے احتیاطی سے زیادہ بک بک کرے۔ فقہا کے قوی و ضعیف اقوال بلا تمیز محفوظ کرے اور منہ زوری سے انکو بیان کرتا جائے۔ اور محدث اس شخص کا نام ہوگیا جو صحیح سقیم حدیثیں شمار کرے اور قصہ گویوں کی طرح ان کو بے سمجھے بوجھے بیان کرتا جائے میں کلیتہً یہ بیان نہیں کرتا ہوں۔ اس لئے

ز بندگان الٰہی میں ایسی جماعت ہمیشہ ہوا کرتی ہے جن کو کوئی رسوا کرنے والا مضرت نہیں پہنچا سکتا وعدہ خدا تعالیٰ خداوند جو
گئی تھی وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ اب جو زمانہ آگیا اس میں فتنہ اور تعصب کی زیادتی ہی ہو گئی۔ اور لوگوں کے دلوں سے دم بہ دم
دین دور ہوتا گیا حتے کہ امور دین میں خوض کرنا انھوں نے ترک کر دیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ انا وجدنا اباءنا
علی امۃ وانا علی اثارھم مقتدون ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک جماعت پر متفق پایا ہے۔ ہم انہیں کے نشانوں کے پیرو
ہیں۔ والی اللہ المشتکی وہو المستعان وبہ الثقۃ وعلیہ التکلان ۔

فصل

مناسبت مقام یہ ہے کہ ان مسائل پر لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے جن میں فہموں کو حیرت اور قدموں کو لغزش اور قلموں کو
لغزش ہوا کرتی ہے۔ (۱) مسئلہ یہ ہے کہ امت محمدیہ یا ان لوگوں نے جو اس امت میں قابل اعتبار ہیں اس پر اتفاق کیا ہے کہ ان
مذاہب اربعہ کی تقلید جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریر میں آ چکے ہیں آج تک جائز اور درست ہے۔ اس تقلید میں بہت سی
مصلحتیں ہیں بالخصوص ان دنوں جس میں لوگ نہایت ہی قاصر الہمت ہو گئے ہیں اور نفسوں میں خواہشیں جم
گئی ہیں اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہے پس ابن حزم نے جو یہ کہا ہے کہ تقلید بالکل حرام ہے کسی کو جائز نہیں
ہے بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا دلیل کسی شخص کے قول کو اختیار کرے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے
کہ انہیں امور کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور خدا کے علاوہ اولیاء کا اتباع مت کرو۔
واتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء۔ اور نیز خدا فرماتا ہے جب مشرکین سے کہا جاتا ہے ان احکام کی پیروی کرو
جو خدا تعالیٰ نے نازل کئے ہیں تو وہ کہتے ہیں نہیں ہم تو انہیں چیزوں کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ واذا قیل لہم اتبعوا ما انزل اللہ
قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا اور خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح میں جو تقلید نہیں کرتے فرمایا ہے میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جو بات کو سن کر اس کا اتباع کرتے
ہیں جو سب سے زیادہ اچھی ہوتی ہے انہیں کو خدا نے ہدایت کی ہے اور وہی عقل والے ہیں فبشر عباد الذین
یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ہدیٰہم اللہ واولئک ہم اولوا الالباب اور نیز فرمایا ہے اگر تم کسی بات
میں تنازع کرو تو اس کو خدا اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم کو خدا اور روز قیامت پر ایمان ہے فان تنازعتم فی شیء
فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر خدا تعالیٰ نے تنازعت کے وقت بجز قرآن و حدیث کے
کسی امر کی طرف متوجہ ہونے کو جائز نہیں کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تنازعت کے وقت بجز قرآن و حدیث
کے کسی شخص کے قول کی طرف رجوع نہ کیا جائے اس لئے کہ یہ قول قرآن و حدیث کے غیر ہے اور تمام صحابہ اور تمام
تابعین اور تمام تبع تابعین کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے زمانہ یا زمانہ سابق کے کسی شخص کے قول کی طرف
توجہ اور قصد نہ کرے اس لئے وہ شخص خوب سمجھ لے۔ جو امام ابو حنیفہ یا مالک یا شافعی یا احمد بن حنبل کے تمام اقوال کی
پیروی کرتا ہے۔ اور ان میں سے اپنے پیشوا کے سوا کسی کی بھی پیروی نہ کرے اور جب تک قرآن و حدیث کے احکام
کو کسی خاص شخص کے قول کی جانب نہ پھیرے۔ ان پر بالکل اعتماد نہ کرے کہ وہ تمام امت کا اول سے آخر تک مخالف

ہے یقیناً اس میں کچھ شبہ نہیں ہے وہ ایسے تمام تینوں مبارک زمانوں میں سے کسی شخص کو نہ پائیگا۔ بلکہ ایسے شخص نے
وہ راستہ اختیار کیا جو مسلمانوں کا نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ المذلۃ۔

اور نیز ان تمام فقہاء نے تو اپنی تقلید سے منع کیا ہے اس واسطے ایسا شخص ان کے مخالف ہے جن کی
وہ تقلید کرتا ہے اور نیز وہ کون شخص ہے جس نے ذکرہ بالا لوگوں ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کو حضرت عمر بن
خطاب یا حضرت علی ابن ابی طالب یا حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر یا عبداللہ ابن عباس
یا حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم کی تقلید سے اولیٰ قرار دیا ہو پس اگر تقلید جائز ہی ہو تو انکی نسبت
یہی حضرات مقتدا اور پیشوا ہونے کے زیادہ قابل ہیں۔ یہ تقریر بجز اس کسی شخص کے حق میں پوری ہو سکتی
ہے جس کو اجتہاد کا کچھ بھی مرتبہ حاصل ہو۔ گو ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو۔ یا اس شخص کے حق میں ہو سکتی ہے جس کو
خوب صاف معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فلاں امر کا حکم دیا ہے اور فلاں امر کو منع فرمایا ہے۔ اور یہ
حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا منسوخ نہیں ہے۔ اس کو یہ علم یا احادیث کی تحقیق سے ہوا ہو۔ یہ مسئلہ میں مخالف اور
موافق اقوال کی جانچ کی ہو ان اقوال کا کوئی ناسخ اس نے نہ پایا ہو یا اس نے علمائے متاخرین کی ایک جماعت کثیر کو متفق
پایا ہو اس نے اس کے مخالف کو دیکھا کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس یا استنباط وغیرہ کو پیش کرتا ہو ایسی حالت میں
حدیث کی مخالفت کا کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔ الا نفاق خفی یا حمق جلی اسی کی طرف شیخ عزالدین ابن عبدالسلام نے
اشارہ فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہائے مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کا ضعف ماخذ
معلوم ہو جایا کرتا ہے اس کے ضعف کو کوئی چیز دفع نہیں کر سکتی پس پر بھی وہ اس امام کی تقلید کئے جاتا ہے اور
جس شخص کے مذہب پر قرآن و حدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے اس کو بالکل ترک کر دیتا ہے اسکو
ان ہی امام کے مذہب سے وہ تنگی رہتی ہے کہ ایسے ایسے حیلے کرتا ہے جن سے ظاہر قرآن و حدیث کو دفع کر
دے اور بعید و باطل تاویلیں ان میں گھڑتا ہے تاکہ اپنے مقتدا کی حمایت کرے۔ اور نیز وہ شیخ کہتے ہیں کہ لوگ
ہمیشہ سے جو عالم ان کو ملا اس سے مسئلے دریافت کرتے تھے کسی خاص مذہب کے وہ مقید نہ تھے کسی سائل پر وہ
انکار نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا۔ اب ہر شخص اپنے امام کی ایسی پیروی کرنے
لگے گویا وہ نبی مرسل ہے اگرچہ اس کا مذہب دلیلوں سے کیسا ہی دور ہو۔ ایسا شخص حق اور صواب سے بالکل دور ہے
کیا لا یرضی بہ احد من اولی الالباب ۔

امام ابو شامہ کا قول ہے کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو اسکو یہی مناسب ہے کہ کسی خاص مذہب امام پر
نظر کو تمام نہ کرے۔ ہر ایک مسئلہ میں اسی امر کی صحت پر اعتقاد رکھے جو قرآن و حدیث کی رہبری سے معلوم ہوتا ہو۔
جب کوئی شخص ابتدا ہی سے ہم علوم کو خوب پختہ کر لیگا اس کو یہ امر سہل ہوگا اور تعصب و متاخرین کے طرق اختلافات
میں غور کرنے سے احتراز کرنا چاہئے یہ صرف وقت کو ضائع کرتے ہیں اس سے صاف طبیعتیں مکدر ہو جاتی ہیں۔ امام
شافعی سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اور کسی دوسرے کی تقلید سے لوگوں کو منع کیا ہے۔ امام شافعیؒ

کے صاحب امام مزنی اپنے مختصر کے شروع میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں امام شافعی کے علم اور ان کے اقوال کے معانی کا خلاصہ بیان کئے ہیں تاکہ جو شخص ان کے معلوم کرنے کا قصد رکھے اس کو آسانی سے دستیاب ہو جائے میں اس شخص کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے لوگوں کو اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کر دیا ہے تاکہ آدمی اپنے دین اور احتیاط نفس کے لئے ان کے قول میں غور کرے یعنی جب اس شخص کو جو علم شافعی کے حاصل ہونے کا قصد رکھے یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور اوروں کی تقلید سے لوگوں کو منع کر دیا ہے انتہی ۔

اور نیز ابن حزم کا قول اس شخص کے حق میں درست ہے جو شخص عامی ہو اور وہ کسی معین فقیہ کی یہ سمجھ کے تقلید کرتا ہو کہ ایسے شخص سے خطا ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جو بات وہ کہتا ہے وہ بالکل ٹھیک ہی ہوتی ہے اور خوب اپنے دل میں جما لے کہ اس کے خلاف دلیل کیسی ہی ظاہر ہو میں اس کی تقلید کو ترک نہ کروں گا اسی حالت کے متعلق ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ عیسائیوں نے اپنے علما اور رہبانوں کو علاوہ خدا کے رب بنا لیا اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله آنحضرت نے اسکو پڑھکر فرمایا کہ عیسائیوں نے ان کو معبود قرار نہ دیا تھا بلکہ وہ جس چیز کو حلال کہتے تھے اسی کو یہ حلال سمجھتے تھے اور جس چیز کو وہ حرام بتاتے تھے یہ بھی اس کو حرام سمجھ لیتے تھے۔ اور نیز اس شخص کے حق میں بھی یہ تقریر درست ہے کہ جو حنفی ہو کر شافعی سے فتوے دریافت کرنے کو جائز نہ جانتا ہو اور اس کو تجویز نہ کرتا ہو کہ حنفی مثلاً امام شافعی کا اقتدا کر سکے اس لئے کہ ایسا خیال قرون اولی صحابہ اور تابعین کے اجماع و اتفاق کے بالکل خلاف ہے۔

ابن حزم کا قول اس شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا ہے جو شخص صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا متبع ہو اسی چیز کو وہ حلال سمجھتا ہے جس کو خدا اور رسول نے حلال اور حرام کیا ہے لیکن چونکہ وہ نہیں جان سکتا کہ آنحضرت کا کیا ارشاد ہے۔ وہ آنحضرت کے مختلف اقوال کو جمع نہیں کر سکتا آپ کے کلام سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ اسلئے وہ کسی رہنما عالم کی پیروی کر لیتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا قول درست ہوا کرتا ہے۔ وہ ہر بار فتوے دیا کرتا ہے اور طریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے۔ اور اگر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا تو فوراً اس کی بیعت ترک کر دیتا ہے اس میں کچھ جھگڑا اور اصرار نہیں کرتا اس قسم کی حالت کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے مسلمانوں میں برابر فتوے دینے اور فتوے لینے کا طریقہ جاری ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ ایک شخص سے ہمیشہ مسئلے پوچھا کرے یا کبھی اس سے دریافت کر لیا کبھی اس سے لیکن حالت مذکورہ کا ثابت رہنا چاہئے ہم کسی فقیہ پر یہ ایمان نہیں رکھتے کہ خدا تعالے اس کو فقہ کی وحی بھیجتا ہے اور خدا نے اس کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے اور وہ بالکل معصوم ہے۔ اگر ہم کسی فقیہ کا اتباع کرتے ہیں تو صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث سے واقف ہے اس کا قول یا قرآن وحدیث کا صریح حکم ہوگا یا کسی طریقہ سے اس نے قرآن وحدیث سے اپنے قول کو مستنبط کیا ہوگا یا اس نے قرائن سے معلوم کیا ہوگا کہ فلاں صورت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ فلاں وجہ سے دیا گیا ہے۔ یا اطمینان قلب اس کو اس حکم کی علت معلوم ہو گئی تھی۔ اس واسطے اس نے منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کر لیا گویا وہ یہ کہتا ہے

راوی نے خوب سمجھ لیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت ہوگی وہاں فلاں حکم پایا جائیگا اور اس عموم میں
وہ شے بھی شامل ہے جس کو قیاس کہا ہے اسواسطے یہ قول بھی گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہوگا لیکن اس
علت میں ہوشے شامل ہیں اور اگر یہ احتمال نہ ہوتا تو کونسا مسلمان کسی مجتہد کی پیروی کیا کرتا اسوقت میں اگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی کوئی حدیث بسند صحیح معلوم ہو جائے جن کی اطاعت ہم پر خدا نے فرض کی ہے اور اس حدیث سے ہم کو معلوم ہو جاوے کہ
امام کا مذہب اس کے خلاف ہے اور ہم اس کے بعد بھی حدیث کو ترک کر کے اس مجتہد کی تخمین کا اتباع کریں۔ تو ہم سے زیادہ ظالم
کون ہو سکتا ہے اور جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے پیش ہونگے تو ہمارا کیا عذر ہوگا۔

ان مسائل مشکلہ میں سے ایک امر یہ ہے کہ کلام فقہا میں سے تخریج کرنا اور لفظ حدیث کا تتبع کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک
کے لئے دین میں مضبوط اصل ہے۔ ہر زمانہ کے علماء محققین دونوں کو اختیار کرتے رہے ہیں بعض کا زیادہ اہتمام تخریج کی
طرف تھا اور اقتدا حدیث کے تتبع کا لحاظ وہ کم کرتے تھے اور بعض لفظ حدیث کا زیادہ اہتمام کرتے تھے اور تخریج کی جانب انکا
التفات بہت کم تھا لیکن جیسے فریقین سے عام لوگوں کا شیوہ ہے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر ایک امر کا اہتمام پورا پورا نہ کیا
جائے حق امر یہ ہے کہ ان سے بحث کرنا چاہئے جس سے ایک کی مطابقت دوسرے سے ہو جائے اور جو ایک میں خرابی ہو
وہ دوسرے سے حل ہو جائے امام حسن بصری کا قول ہے۔ بخدا جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ افراط و تفریط کے بیچ میں تمہاری
سنت کا درجہ ہے غالی اور مفرط کے درمیان۔ اس لئے جو شخص اہل حدیث سے ہو اسکو مناسب ہے اپنے مختار کردہ اور
مذہب کو تابعین میں سے مجتہدوں کی سنت پر پیش کرے اور جو اہل تخریج سے ہو۔ اسکو مناسب ہے کہ احادیث میں سے وہ
حدیثیں اختیار کرے جن میں صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت سے وہ احتراز کر سکے جس امر میں حدیث یا کوئی اثر وارد
ہوئی وہاں اپنی رائے کو بقدر طاقت دخل دینا نہیں چاہئے۔ محدث کو بھی مناسب نہیں ہے کہ ان قواعد میں زیادہ
تعمق کرے جو ارباب حدیث نے مستحکم کئے ہیں لیکن شارع نے ان کی کچھ تصریح نہیں کی ہے اور اس وجہ سے وہ محدث
کسی حدیث یا صحیح قیاس کو رد کر دے۔ جیسے ان حدیثوں کو رد کر دیں جن میں ارسال یا انقطاع کا ادنے شائبہ بھی ہو جیسا
ابن حزم نے تحریم معازف کی حدیث کو صرف اس خیال سے رد کر دیا کہ بخاری کی روایت میں اسکے انقطاع کا شائبہ تھا
حالانکہ وہ حدیث فی نفسہ متصل اور صحیح ہے ایسے امور کا لحاظ تعارض کے وقت کیا کرتے ہیں۔ اور مثلاً محدثین کا قول ہے کہ
فلاں شخص کی حدیث کا زیادہ حافظ ہے۔ اسوجہ سے محدثین اسی شخص کی حدیث کو دوسرے کی حدیث پر ترجیح دیا کرتے ہیں
گو کہ دوسرے میں ترجیح کی ہزار وجہیں کیوں نہ ہوں اور نیز روایت بالمعنے کے وقت جمہور راویوں کو اس کا اہتمام ہوتا تھا
کہ اصلی معنی ادا ہو جائیں۔ وہ ان عبارت کا کچھ لحاظ نہیں کرتے تھے جن کا کہ اہل عربیت میں سے زیادہ خوض کرنیوالے
کیا کرتے ہیں۔ اسواسطے اہل تخریج کا شاذ و نادر ہے کسی کلمہ کی تقدیم و تاخیر وغیرہ سے استدلال کرنا محض تعمق اعتقادی
ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرا راوی اس قصہ کو جو ایک راوی نے بیان کیا تھا بدل دیا کرتا ہے۔ اور بجائے ایک
حرف کے دوسرا حرف لایا کرتا ہے۔ اور حق اور ظاہر یہی ہے کہ راوی جو حدیث بیان کیا کرتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا ہی کلام ہوا کرتا ہے اسکے بعد اگر کوئی حدیث یا دلیل ظاہر ہوگی۔ تو اسکی طرف منتقل ہو جائینگے۔

اور صاحب تخریج کو مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے قول کو خارج کرے جو اُسکے اصحاب کے صرف کلام سے مفہوم ہوتا ہو اور اہل عرف اور علمائے لغت اُس سے معلوم نہ کرسکتے ہوں کسی مسئلہ کے ماخذ سے یا کسی مسئلہ کی ایسی نظیر سے خارج کیا ہو جس میں اہل رائے مختلف ہوں اور باہم اس میں آرائیں مختلف ہوں اگر اس مسئلہ کو اس صاحب تخریج کے اصحاب سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا۔ تو وہ خود ہی کسی بات کیوجہ سے نظیر کو نظیر پر حمل کرتے یا اُس کی کوئی ایسی علت بیان کرتے جو اس علت کے خلاف ہوتی جو اس نے خارج کی ہے۔ تخریج کا جواز محض اسی لئے ہے کہ اس میں حقیقت مجتہد کی تقلید ہوا کرتی ہے اور یہ تقلید جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ مجتہد کے کلام سے مفہوم بھی ہوتی ہو اور صاحب تخریج کو یہ بھی نازیبا ہے کہ اپنے اصحاب کے مستخرج قاعدہ سے کسی حدیث یا اثر کو جس پر محدثین کا اتفاق ہو۔ رد کردے۔ جیسے کہ حدیث مصراۃ کو رد کر دیا ہے یا ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اس مستخرج قاعدہ کی نسبت اُس حدیث کا لحاظ زیادہ اہم اور ضروری ہے اسی معنی کی طرف امام شافعی نے اشارہ کیا ہے کہ میں جب کوئی بات کہوں۔ یا کسی قاعدہ کو قایم کروں۔ اور اسکے بعد میرے قول کے مخالف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث معلوم ہو تو اُسوقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی قول معتبر ہے۔

ور مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ احکام معلوم کرنے کیلئے قرآن و حدیث کے تتبع کرنے کے کئی مرتبے اور درجے ہیں سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اسکو بالفعل یا بالقوۃ قریباً اتنے احکام معلوم ہوں جس سے اکثر واقعات کے جواب دینے کی اسکو قدرت حاصل ہو اُس کا جواب اکثر اس درجہ کا ہو کہ اشکال کیوجہ سے قابل توقف ہو اور ایسے علم کی آمادگی اجتہاد سے ہی ہوا کرتی ہے۔ ایسی استعداد مختلف طرح پر حاصل ہوتی ہے کبھی اس طرح کہ روایتوں کے جمع کرنے میں خوض کیا جائے روایات شاذہ و نادرہ کا پورا تتبع کیا جائے امام احمد بن حنبل نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کے ساتھ عاقل ہو لغت کا عالم ہو کلام کے مواقع کو خوب سمجھتا ہو آثار سلف سے اس طرح واقف ہو کہ مختلف اثروں کو جمع کرسکے اور دلایل کو مرتب کرسکے اور علیٰ ہذا۔ اور ایک طریقہ یہ ہے کہ مشائخ فقہ میں سے کسی شیخ کے مذہب پر تخریج کے طریقوں کو نہایت پختہ کر لیا ہو اور اسکے ساتھ احادیث اور آثار کے ایک معقول مجموعہ سے بھی خوب واقف ہو اس طرح پر کہ یہ معلوم کرسکے کہ اُس کا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے۔ یہ طریقہ اصحاب التخریج کا ہے ٭

اور اس تتبع کا اوسط درجہ یہ ہے کہ اُس کو قرآن و حدیث کا اتنا علم ہو جسکی وجہ سے فقہ کے مجمع علیہا اور مشہور مسایل معلوم کرسکے۔ اُن مسایل کے تفصیلی دلایل سے واقف ہو بعض مسائل اجتہادیہ کو دلائل کے ساتھ نہایت درجہ تک اُس نے معلوم کر لیا ہو۔ بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے سکے اسبق تخریجات کی خوب تنقید کرسکے اُن میں سے کامل اور ناقص کو سمجھ سکے یہ معلوم کرسکے کہ اس کا قول اس قابل نہیں ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اس میں نافذ ہو سکے یا قاضی اس کا حکم دے سکے۔ اور کوئی مفتی اُس کے موافق فتوے نہ دے سکے اور ان بعض تخریجات کو ترک کردے جس کو سابقین نے خارج کیا تھا۔ جب اُس کو اس قسم کی تخریجات کے صحیح نہ ہونے کا علم ہو جاتا اسی وجہ سے وہ علماء جو اجتہاد کے مدعی نہ تھے۔ ہمیشہ سے تصنیفات اور ترتیبات کرتے رہے ہیں برابر وہ تخریجات کرتے رہے ہیں اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دیتے رہے ہیں اور مقصود مسایل میں یہی ہے کہ غالب گمان حاصل ہو جانے اور

اور اسی گمان غالب پر تکلیف کا مدار ہے تو امور بالا کچھ مستبعد نہیں ہیں۔

اور جو لوگ اوسط درجہ کے ہیں۔ ان کا مذہب کثیر الوقوع امور میں وہ ہے جو وہ اپنے اصحاب یا اپنے آباؤ اجداد اور اپنے اہل شہر سے اخذ کرتے ہیں جس مذہب کا وہ اتباع کرتے ہیں اسی کا یہ پیرو ہوتا ہے اور نادر واقعات میں جو شہر کے مفتی فتوے دیں اور معاملات قاضی جو فیصلہ کر دے ہم نے ہر مذہب کے علمائے محققین کو قدیماً وحدیثاً اسی وتیرہ پر پایا ہے وھو الذی وصّے بہ ایمۃ المذاہب واصحابہم یواقیت وجواہر میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رہ سے مروی ہے کہ جو شخص میرے قول کی دلیل نہ جانے اسکو مناسب نہیں ہے کہ میرے قول پر فتوے دے کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ فتوے دینے کے وقت فرمایا کرتے تھے کہ یہ نعمان ابن ثابت کی رائے ہے اور جہانتک ہم کو قدرت ہوئی۔ اسمیں یہ قول بہت اچھا ہے اور جو شخص اس سے عمدہ کوئی اور قول پیش کرے۔ تو وہی بہت درست ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سب کا کلام اختیار کرنے اور رد کرنے کے قابل ہے حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ میرا قول حدیث کے مخالف ہے تو حدیث پر ہی عمل کرنا اور میرے کلام کو دیوار پر مارنا امام شافعی نے ایک روز امام مزنی سے فرمایا اے ابراہیم میرے ہر قول میں تم میری تقلید نہ کرنا یہ مذہب ہے۔ اپنے نفس کے لئے خوب بہتری کا خیال کر لینا۔ اور نیز امام شافعی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بجز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کا قول قابل حجت نہیں ہے۔ اگرچہ لوگ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اور نہ قیاس میں حجت ہے کسی شے میں رضا وتسلیم ہے صرف خدا اور رسول کی اطاعت کمل ہوتی ہے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں گفتگو کر سکے امام احمد نے ایک شخص سے کہا کہ ہرگز میری تقلید نہ کرنا۔ اور نہ ہرگز امام مالکؒ اور نہ اوزاعی اور نہ نخعی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا جہاں سے اوروں نے احکام اخذ کئے ہیں وہیں سے اخذ کرنا یعنی قرآن وحدیث سے اور کسی شخص کو فتوے دینا مناسب نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی فتووں میں علماء کے اقوال سے واقف نہ ہو اور ان کے مذاہب کو نہ جانتا ہو۔ اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ واقف ہو کہ جن علماء کا مذہب اختیار کیا جایا کرتا ہے انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے تب تو مضائقہ نہیں ہے۔ اگر وہ کہدے کہ یہ امر جائز ہے اور یہ ناجائز ہے محض نقل کے طور پر بیان کر دینا چاہئے اور اگر کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو تو یہ کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کے قول کے موافق جائز ہے اور فلاں کے ناجائز یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک قول کو خود اختیار کر کے کسی کے قول کے موافق فتوے دیدے۔ جب تک کہ اس کی دلیل کو بخوبی نہ سمجھ سکے۔ امام ابو یوسف اور زفر وغیرہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ ہمارے قول کے موافق فتوے دے۔ جب تک کہ یہ نہ سمجھے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔ عصام ابن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ تم امام ابوحنیفہ کی مخالفت بہت کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسواسطے انکی مخالفت کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالے نے ان کو ایسا فہم دیا تھا کہ ہم کو ویسا نہیں دیا ہے۔ انہوں نے اپنے فہم سے وہ باتیں معلوم کیں جو ہماری

سمجھ میں نہیں آتیں اور جب تک ہم اُنکے قول کو خوب سمجھ نہ لیں اُنکے قول کے موافق فتوے نہیں دے سکتے۔ امام محمد بن حسن
رحمت اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ فتوے دینا کب جائز ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ جب خطا سے اس کا صواب
زیادہ ہو۔ ابو بکر اسکاف بلخی سے روایت ہے کہ اُن سے دریافت کیا گیا۔ ایک شہر میں سب سے زیادہ ایک عالم ہے
کیا یہ ممکن ہے کہ فتوے نہ دے اُنہوں نے کہا اگر وہ اہل اجتہاد سے ہے تب تو ممکن نہیں ہے پھر دریافت کیا گیا کہ
اہل اجتہاد سے وہ کیسے ہوگا اُنہوں نے کہا جب تمام مسائل کے دلایل سے واقف ہو اور مخالفت کے وقت اپنے تمام ہمسروں
سے مناظرہ اور مقابلہ کر سکے۔ کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی شرطوں میں سے ادنے شرط یہ ہے کہ کتاب مبسوط حفظ ہو۔ انتہی ۔

بحر الرائق میں ابواللیث کی روایت سے ہے کہ ابو نصر سے ایک مسئلہ کے متعلق جو اُن کے سامنے پیش ہوا تھا۔
سوال کیا گیا کہ خدا تم پر رحمت کرے تم کیا کہتے ہو۔ تمہارے پاس چار کتابیں کتاب ابراہیم بن رستم اور خصاف کی
ادب القاضی اور کتاب المجرد اور ہشام کی روایت سے نوادر میں ہم کون کتابوں کے موافق فتوے دینا درست ہے
یا نہیں یہ سب کتابیں تمہاری نظر میں پسندیدہ ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اصحاب سے جو صحیح طور پر معلوم ہو گیا ہے
وہ پسندیدہ اور قابل رغبت و تسلیم ہے لیکن فتوے دینا بے سمجھے کسی کے لئے میں پسند نہیں کرتا۔ ایسے شخص کو لوگوں کا
بار اُٹھانا نہیں چاہیے لیکن جو مسائل ہمارے اصحاب سے مشہور اور صاف ہو گئے ہیں اُن میں مجھ کو امید ہے کہ ان
پر میں اعتماد کر سکوں۔ اور بحر الرائق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے پچھنے لگائے یا غیبت کی اور یہ گمان کیا کہ اس سے
روزہ ٹوٹ گیا ہوگا۔ یہ سمجھ کر اس نے کچھ کھا لیا تو اگر اس شخص نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت نہیں کیا تھا۔ اور نہ اس کو
حدیث معلوم ہوئی تھی تب تو اُس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اس لئے کہ اُس نے محض جہالت سے روزہ توڑ دیا اور جہالت
دار الاسلام میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اور اگر فقیہ سے دریافت کرکے اُس نے روزہ توڑ دیا تو اُس پر کفارہ واجب نہ
ہوگا اس لئے کہ عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے جب اُسکے فتوے پر اُس کا اعتماد ہو۔ اس واسطے وہ اپنے فعل میں معذور
ہوگا اگرچہ مفتی سے خطا ہی کیوں نہ ہو جائے اور اگر اس شخص نے کسی مفتی سے تو دریافت نہیں کیا لیکن اُس کو حدیث
معلوم ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پچھنے لگانے والا اور جس کے پچھنے لگائے گئے ہیں
دونوں روزہ کو توڑ ڈالیں (افطر الحاجم والمحجوم) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غیبت سے روزہ ٹوٹ
جاتا ہے (الغیبۃ تفطر الصائم) اور اس شخص کو حدیث کے منسوخ ہونے کا یا حدیث کی تاویل کا کچھ علم نہ تھا۔ ان دونوں
پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اس واسطے کہ حدیث کا ظاہری مضمون واجب العمل ہے لیکن امام ابو یوسف کا قول اس
کے مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب تک ناسخ منسوخ کا علم نہ ہو۔ عامی کو حدیث پر عمل نہ کرنا چاہیے ۔

اور اگر کسی شخص نے عورت کو چھو لیا یا شہوت سے اُس کا بوسہ لیا۔ یا سرمہ لگایا۔ اور اُس نے یہ سمجھ کر کہ یہ چیزیں روزہ
کی مفطر ہیں۔ روزہ کو توڑ دیا تو اُس پر کفارہ ہے ہاں اگر اُس نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت کیا تھا اور اُس نے روزہ
ٹوٹ جانے کا فتوے دیا تھا یا اس کو کوئی حدیث معلوم ہو گئی تھی۔ تو کفارہ نہ ہوگا اگر کسی شخص نے زوال سے روزہ
کی نیت کی تھی تو پھر روزہ کو اُس نے توڑ دیا تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اُس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک کفارہ واجب ہے کذا فی المحیط اس سے معلوم ہوا کہ عامی کا مذہب وہی ہے جو اس کا مفتی
فتوے دیوے اور نیز محیط میں باب تضاد الروایات میں ہے کہ اگر کسی عامی کا کوئی مذہب معین نہیں ہے تو جو مفتی فتوے
اس کو دیگا وہی اس کا مذہب ہوگا۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے پس اگر کسی حنفی نے فتوے دیا تو اس کے موافق عصر
اور مغرب کا وہ اعادہ کریگا اور شافعی کے فتوے کے موافق وہ عصر اور مغرب کی نماز کا اعادہ نہ کریگا اور اس کی رائے کا کچھ اعتبار
نہ ہوگا۔ اور اگر وہ کسی سے فتوے نہ لے یا اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مجتہد کا مذہب صحیح ہے تو یہی اس کو کافی ہوگا اور اعادہ
کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن صلاح کا قول ہے کہ جو کوئی شافعی المذہب کسی حدیث کو اپنے مذہب کے مخالف پائے۔ تو دیکھنا چاہئے۔
اگر اس شخص کو اجتہاد مطلق یا خاص اسی باب یا مسئلہ میں اجتہاد کا مرتبہ حاصل ہے تو وہ مستقل طور پر اس حدیث پر عمل کر سکتا
ہے اور اگر پایہ اجتہاد اس کو حاصل نہیں ہے اور حدیث کی مخالفت کا بحث وفکر کے بعد جواب شافی اس کو ملتا نہیں۔ تو
اگر اس حدیث پر علاوہ امام شافعی کے کسی امام مستقل نے عمل کیا ہو۔ تو اس کو بھی اس حدیث پر عمل کر لینا چاہئے۔
اپنے امام کے مذہب ترک کرنے میں وہ معذور ہوگا۔ امام نووی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض
نہیں کیا۔

اور مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ فقہا میں اکثر مختلف فیہ صورتیں اور خاص کر وہ مسائل جن میں صحابہ کے اقوال
دونوں جانب وارد ہوئے ہیں۔ ایسے ہیں کہ ان میں نفس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اولویت میں اختلاف ہے مثلاً
تشریق اور عیدین کی تکبیرات احرام باندھنے والے کا نکاح حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ ابن مسعود کی التحیات
بسم اللہ اور آمین کو اخفاء سے پڑھنا تکبیر اقامت میں دو دو بار ایک ایک بار کلموں کا ادا کرنا وغیرہ انہوں میں قولوں
میں سے ایک کی ترجیح میں کلام ہے۔ ان کی اصل مشروعیت میں سلف کو کچھ اختلاف نہ تھا قرات کے طریقوں میں اختلاف
قرات کا بھی یہی حال ہے۔ ایسے اکثر ابواب میں یہی توجیہ کی گئی ہے کہ صحابہ ان میں مختلف تھے اور یقیناً وہ سب
راہ راست پر تھے اسی واسطے مسائل اجتہادیہ میں علماء ہمیشہ مفتیوں کے فتووں کو تجویز کرتے رہے ہیں اور قاضیوں
کے احکام کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ اور کبھی کبھی اپنے مذہب کے خلاف قول پر بھی وہ عمل کر لیا کرتے تھے۔ ائمہ
مذہب کو تم ایسے موقعوں میں دیکھو گے۔ کہ صاف دوسرے قول مخالف کو ظاہر کر دیتے ہیں کوئی کہتا ہے
اسی قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ یا یہی قول مختار ہے یا یہ قول ہم کو زیادہ پسند ہے۔ اور کہتے ہیں۔ ہم کو یہی قول معلوم
ہوا ہے کتاب مبسوط اور آثار محمد رحمت اللہ علیہ و امام شافعی رحمت اللہ علیہ کے کلام میں ایسا اکثر جگہ ہے ان لوگوں
کے بعد ناخلف پیدا ہو گئے۔ انہوں نے فقہاء کے اقوال کو مختصر کر ڈالا۔ اور مخالف پر زیادہ زور دیا اور اپنے اپنے
اماموں کے اختیار کردہ اقوال پر ہی جم گئے اور زمانہ سلف سے جو نقل کیا جاتا ہے کہ اپنے اپنے اصحاب کے مذہب
کو خوب مضبوطی سے اخذ کرنا چاہئے۔ اور کسی حال میں اس سے نکلنا نہ چاہئے تو اس قسم کی تقریر فطری امر ہے ہر شخص
اسی بات کو پسند کرتا ہے۔ جو اس کے اصحاب اختیار کیا کرتے ہیں۔ حتے کہ لباس اور کھانوں میں بھی اس پسندیدگی

کا اثر ہوا کرتا ہے۔ یا دلیل کی قوت سے وصولت پیدا ہوتی ہے وہ اس کا باعث ہوتی ہے۔ یا ایسے ہی اسباب اور ہوا کرتے ہیں بعض لوگ اسکا نام تعصب رکھتے ہیں حاشا ھم عن ذلک ۔

تابعہ صحابہ اور تابعین اور ان کے مابعد زمانہ میں بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے بعض لوگ اسکو جہر سے پڑھتے بعض اس میں جہر نہیں کرتے ان میں سے بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ بعض نہیں پڑھتے تھے۔ بعض نکسیر اور پچھنے اور قے کے بعد وضو کیا کرتے تھے۔ بعض وضو نہیں کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ آلہ تناسل کے چھونے اور عورتوں کو خواہش نفسانی سے مس کرنے سے وضو کرتے تھے۔ بعض نہیں کرتے تھے بعض لوگ ان اشیاء کے تناول سے جن کو آگ لگی ہو وضو کیا کرتے تھے بعض وضو نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگ اونٹوں کے گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے۔ باوجود ان سب امور کے ہر شخص دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ مثلاً امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہم رضی اللہ عنہم مدینہ شریف کے مالکی المذہب وغیرہ امام کے پیچھے نماز میں اقتدا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بسم اللہ کو نہ آہستہ پڑھتے تھے نہ آواز سے۔ خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار پچھنے لگا کر نماز پڑھا دی۔ اور امام ابو یوسف نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ امام مالک نے ان کو فتوے دیا تھا کہ پچھنے سے وضو کی ضرورت نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کا مذہب تھا کہ نکسیر اور پچھنے سے وضو کرنا چاہیے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ اگر امام کے بدن سے خون خارج ہو تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے انہوں نے کہا کہ میں امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھونگا۔ روایت ہے۔ کہ امام ابو یوسف اور امام محمد عیدین میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی تکبیریں پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ خلیفہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کے مقبرہ کے قریب صبح کی نماز پڑھی اور ان کے ادب اور تعظیم کے لئے دعائے قنوت کو نہ پڑھا اور نیز امام شافعی کا قول ہے کہ ہم اکثر اہل عراق کے مذہب کی طرف جھک جاتے ہیں اور امام مالک نے منصور اور ہارون رشید سے وہ بات کہی تھی جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور فتاوے بزازیہ میں امام دوم یعنی امام ابو یوسف سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار انہوں نے حمام میں نہا کر جمعہ کے دن نماز پڑھی اور امامت کی لوگ نماز پڑھکر جب متفرق ہو گئے تو معلوم ہوا کہ حمام کے کنوئیں میں مرا ہوا چوہا تھا یہ معلوم کر کے امام ابو یوسف نے کہا کہ ہم اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول کو اختیار کرینگے کہ پانی جب قلتین کی مقدار کو پہنچ جاوے تو اس میں ناپاکی نہیں ہوتی اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا انتہیٰ۔ امام خجندی رحمت اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شافعی المذہب نے یک سال یا دو سال کی نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد وہ حنفی ہو گیا اب وہ نماز قضا امام شافعی کے موافق ادا کرے یا امام ابوحنیفہ کے موافق انہوں نے جواب دیا کہ جس مذہب کے موافق قضا کریگا نماز جائز ہو جائیگی لیکن نماز کے جواز پر اس کو اعتقاد بھی ہو انتہیٰ

جامع الفتاوے میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے کہا۔ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں۔ تو اس پر تین مرتبہ طلاق ہو اس کے بعد اس نے کسی شافعی سے مسئلہ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ اس عورت پر طلاق نہ ہوگی اور یہ قسم باطل ہے تو

کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ شخص شافعی کا اقتدا کرلے اس لئے اکثر صحابہ اسی جانب ہیں۔ امام محمد نے اپنے امالی میں بیان کیا ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے کہا۔ کہ تجھ پر البتہ طلاق ہے۔ اور یہ فقیہ اس طلاق کو البتہ تین مرتبہ خیال کرتا تھا۔ اس کے بعد کسی قاضی نے اس طلاق کے رجعی ہونے کا حکم دیا۔ تو رجعی ہی ہونا اس موقع ہوگا۔ ایسے ہی تحریم اور تحلیل یا اعتاق یا مال وغیرہ لینے کے فیصلوں میں جہاں جہاں فقہا کا اختلاف ہوا کرتا ہے۔ ان موقعوں میں اس فقیہ کو جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہو یہی مناسب ہے کہ اپنی رائے کو ترک کردے۔ قاضی کے فیصلے کو اختیار کرنا چاہئے۔ جو قاضی نے اس پر لازم کردیا ہو۔ اسی کا پابند رہنا چاہئے۔ جو اس نے دیا ہو۔ وہی لے لینا چاہئے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور ایسے ہی ایک شخص ناواقف تھا۔ اور اس کو کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس کو فقہاء سے اس نے دریافت کیا۔ اور فقہاء نے حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا۔ لیکن مسلمانوں کے قاضی نے ان کے خلاف حکم دیا۔ اور وہ مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہ تھا۔ تو اس شخص کو یہی مناسب ہے کہ فقہاء کے فتوے کو ترک کر کے قاضی کے فیصلے کو اختیار کرے۔ انتہٰی۔

اور مسائل مشکلہ میں سے یہی ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو پایا۔ ان کا یہ قول ہے کہ جتنے مسائل ان بڑے بڑے شروح اور صحیح صحیح کتابوں میں مندرج ہیں۔ وہ تمام امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اقوال ہیں۔ ایسے لوگ ان قولوں میں جو تخریج کئے گئے ہیں۔ اور جو حقیقت اور اصل قول ہیں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور اس کے معنی کچھ نہیں سمجھتے۔ کہ فقہا کہا کرتے ہیں کہ کرخی کی تخریج کے موافق مسئلہ کا یہ حکم ہے۔ اور طحاوی کی تخریج کے موافق یہ حکم ہے۔ اور نہ یہ فقہاء کے اس قول میں کچھ فرق سمجھتے ہیں۔ کہ ابوحنیفہ نے ایسا کہا ہے اور ابوحنیفہ کے مذہب یا ان کے قاعدہ کی بنا پر مسئلہ کا یہ حکم ہے اور ایسے لوگ ان اقوال کی طرف بالکل نظر نہیں کرتے۔ جو محققین حنفیہ مثل ابن الہمام اور ابن النجیم نے دہ در دہ مسئلہ میں اور ایسے ہی تیمم کے لئے پانی کے ایک میل دوری کے شرط میں۔ وامثالہما بیان کئے ہیں کہ یہ سب امور اصحاب حنفیہ کی تخریجات سے ہیں۔ حقیقت میں یہ مذہب نہیں ہے۔ اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ مذہب کی بنیاد ان جھگڑے کی باتوں پر ہے۔ جو مبسوط سرخسی اور ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں مذکور ہیں ان کو یہ معلوم نہیں۔ کہ اول اول ان باتوں کو فقہا میں معتزلہ نے ظاہر کیا تھا۔ اس پر مذہب مبنی نہ تھا بعد کو متاخرین نے بھی ذہنوں کے مانجھنے اور تیز کرنے کے لئے اچھا سمجھ لیا یا کسی اور وجہ کے لئے انکو پسند کرلیا۔ واللہ اعلم۔

ایسے ایسے شکوک اور شبہات اکثر ان تمہیدات سے حل ہو جاتے ہیں۔ جو اس باب میں بیان کی گئیں۔ اور نیز مسائل مشکلہ سے ایک یہ امر ہے کہ بعض علما کا یہ قول ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی مخالفت کی بنیاد ان اصول پر ہے جو بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ اصول اکثر ان کے اقوال سے خارج کرلئے گئے ہیں میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص مبین ہوا کرتا ہے پھر اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ الخاص مبین لا یلحقہ البیان اور آیت پر زیادتی نسخ ہوتی ہے وان الزیادۃ نسخ اور یہ کہ خاص کی طرح عام بھی قطعی ہوا کرتا ہے ان العام قطعی کالخاص اور راویوں کی کثرت کوئی ترجیح کو باعث نہیں ہوتی ولا ترجیح بکثرۃ الرواۃ۔ اور جو راوی فقیہ نہ ہو اور رائے قائم کرنے کا موقع ہو تو ایسے شخص کی روایت واجب العمل نہیں ہے۔ اور یہ کہ شرط اور وصف کے

مفہوم کا کچھ لحاظ نہیں ہوا کرتا ہے لاعبرۃ بمفہوم الشرط والوصف اور امر سے وجوب ثابت ہوا کرتا ہے موجب الامر ھو الوجوب البتۃ اور ایسے ہی اور اصول تمام ائمہ کے کلام سے مستخرج اور ماخوذ ہیں امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے بنقل روایت صحیح ثابت نہیں ہیں۔ ان اصول کا محفوظ رکھنا اور متقدمین نے جو جو امور مستنبط کئے ہیں اور ان پر جو جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ ان کے جواب دینا ان اصول مخالف اصول اور ان پر اعتراضات وارد کے جواب دینے سے زیادہ مستحق نہیں ہے مثلاً ان علماء نے قاعدہ بنایا ہے۔ کہ الخاص مبین لا یلحقہ البیان اس قاعدہ کو متقدمین کی تقریر سے پیدا کیا ہے۔ جو قول الٰہی واسجدوا وارکعوا میں کی ہے کہ یہاں رکوع و سجود مبین ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو کسی کی نماز پوری نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنی پشت کو رکوع و سجدہ میں ٹھیک نہ کریگا لا تجزی صلوۃ الرجل حتے یقیم ظھرہ فی الرکوع والسجود میں متقدمین فرضیت اطمینان کے قائل نہیں ہوئے ہیں اور حدیث کو آیت کے بیان میں انہوں نے قرار نہیں دیا ہے۔ اس لئے ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قول تعالٰے وامسحوا برؤسکم میں بھی لفظ مسح خاص ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر مسح کرنے کو بھی انہوں نے بیان کیوں قرار دیا اور ایسے ہی قول تعالٰے الزانیۃ والزانی فاجلدوا اور نیز قول تعالٰے السارق والسارقۃ فاقطعوا اور قول تعالٰے حتے تنکح زوجا غیرہ وغیرہ میں جو بیانات ہیں کو لاحق ہوتے ہیں انکے جوابات میں بہت تکلفات کئے گئے ہیں کما ھو المذکور فی کتبھم اور ایسے ہی قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ العام قطعی کالخاص اسکو انہوں نے متقدمین کی تقریر سے اخذ کیا ہے کہ انہوں نے حدیث لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کو آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن کا مخصص قرار نہیں دیا ہے اور ایسے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ کو حدیث فیما سقت العیون العشر کا مخصوص قرار نہیں دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسم دوم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی ہیں بالتفصیل اُنکے اسرار کے بیان میں

اس جگہ ہم کو تھوڑی سی اُن احادیث کا ذکر کرنا منظور ہے جن کا اہل حدیث اور علما میں زیادہ چرچا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی نے اُن کی روایت کی ہے علاوہ ان کے اگر کوئی حدیث بیان کی ہے تو اسکو بالتبع ذکر کیا ہے اس لئے ہم نے ہر حدیث کی نسبت اسکے راوی کی طرف نہیں کی ہے اور اکثر حدیث کے حاصل معنی یا اُسکے ایک ٹکڑے کو بیان کر دیا ہے۔ سو اسطے کہ ان کتابوں میں سے حدیث کا تلاش کر لینا چنداں دشوار نہیں ہے ۔

اُن احادیث کا ذکر جو ایمان کے باب میں وارد ہوئی ہیں

چونکہ سرور کائنات ؐ کی رسالت تمام روئے زمین کیواسطے عام تھی تاکہ تمام ادیان پر آپ کے دین کو غلبہ ہو اس غلبہ سے خواہ کسی معزز کی عزت یا کسی ذلیل کی ذلت سے آپ کے دین میں کئی طرح کے لوگ داخل ہونے لہذا ان میں باہم تمیز کی ضرورت ہوئی کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں ہے۔ اور مسلمانوں میں سے بھی اس ہدایت سے جو خدا تعالےٰ کے پاس سے آئی ہے کس کو بہرہ ہوئی اور کس کے دل میں اُس کی خوبی نے سرایت نہیں کیا اسواسطے شارع نے ایمان کی دو قسمیں کیں ایک تو وہ جس پر دنیاوی احکام کا دار مدار ہے اور اسی وجہ سے جان و مال کی حفاظت ہو سکتی ہے اس ایمان کو شارع نے چند امور میں جنسے بظاہر فرمانبرداری ثابت ہوتی ہے منضبط کیا ہے اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھ کو حکم ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی پوجا کے قابل نہیں ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا کا فرستادہ ہے اور نماز کے پابند ہوں اور زکوۃ دیں اور جب یہ سب باتیں انہوں نے کرلیں تو یہاں تو اپنی جان و مال انہوں نے مجھ سے بچا لئے بجز حقوق اسلام کے اور پھر اُن کا حساب کتاب خدا کے متعلق ہے۔ امرت ان اقاتل الناس حتے یشہدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علے اللہ اور فرمایا ہے جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہماری قبلہ اس کا قبلہ ہو اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھاوے تو وہ مسلمان ہے اور خدا اور اسکا رسول اس کا ذمہ دار

ہے پس تم لوگ خدا تعالےٰ کے ساتھ دہیں دغل نہ دینا من صلےٰ صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ ۔

اور فرمایا ہے اصول ایمان تین ہیں۔ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اُس سے کچھ مداخلت نہ کر اُس کو کسی گناہ سے اُسکو کافر مت بنا اور کیسا ہی کچھ کرے اُس کو اسلام سے خارج مت جان اخیر حدیث تک ثلث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل الحدیث ۔

ایمان کی دوسری وہ قسم ہے کہ جس پر نجات اُخروی اور فوز بالدرجات کا مدار ہے اور اس میں تمام عقد حقہ اور اعمال صالحہ اور اُن کا ملکہ داخل ہے اس ایمان میں کمی اور بیشی ہو سکتی ہے اور شارع کا دستور ہے کہ ان اعمال کو ایمان کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے تاکہ ان اعمال کے جزو ایمان ہونے پر تنبیہ بلیغ ہو جاوے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو امانتدار نہیں ہے وہ بے ایمان ہے اور جس کو عہد کا پاس نہیں ہے وہ بے دین ہے۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عہد لہ۔ اور فرمایا ہے مسلمان وہ شخص ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہونچے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ الحدیث۔ اس ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں اور اس کا حال درخت کا سا ہے کہ درخت کے اندر پھول اور پھل اور شاخیں اور پتے اور اُس کا تنہ سب داخل ہیں اور سب کو درخت کہتے ہیں مگر جب اس کے پھل وپھول توڑ لئے جاویں اور پتے کھسوٹ ڈالے جاویں اور شاخیں کاٹ ڈالی جاویں تو اُس درخت کو درخت ہی کہتے ہیں مگر وہ درخت خراب کہلاتا ہے اور جب اُس درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالیں تو درخت کا نام اُس وقت اس سے جاتا رہتا ہے یہی معنی ہیں اللہ جل جلالہ کے اس کلام کے کہ ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب کوئی اللہ کا ذکر کرے تو اُنکے دلوں میں خوف طاری ہو جاوے۔ انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم ۔ اور چونکہ یہ سب اعمال ایک قسم کے نہ تھے اس واسطے شارع نے اُس کے دو حصے کئے ایک تو ارکان یہ تو وہ ہیں جو سب اعمال میں زیادہ تر معتبر اور معتبر بالشان ہیں جن کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اسلام کی بنا پانچ چیز پر ہے ایک تو اس بات کی گواہی کہ سوائے خدا تعالےٰ کی پوجا کے قابل کوئی نہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں گواہی دینا اور نماز کی پابندی اور ادائے زکوٰۃ اور حج اور صیام رمضان بنی الاسلام علےٰ خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔ دوسرے اِن سے علاوہ سب ہیں جنکی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے ہیں جن میں سے سب سے بڑھکر کلمہ لا الہ الا اللہ اور سب سے ادنےٰ جس چیز سے لوگوں کو تکلیف ہو اُس سے رستہ کا صاف کر دینا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ الایمان بضع وسبعون شعبۃ وافضلھا قول لا الہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیا شعبۃ من الایمان ۔

ایمان کی پہلی قسم کے مقابل کا نام کفر ہے اور دوسری قسم کے مقابل میں دو صورتیں ہیں اگر تصدیق قلبی نہیں ہے بلکہ صرف تلوار کے ڈر سے احکام شرعیہ کی ظاہرداری کرتا ہے تب تو وہ خالص نفاق ہے اور اس قسم کا منافق اور

کافر آخرت کے اندر دونوں برابر ہیں بلکہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہے اور اگر تصدیق قلبی ہے
مگر اُس کے ساتھ عمل نہیں ہے تو وہ فاسق ہے یا عمل بھی کرتا ہے مگر اُس کا دل اُس میں نہیں لگتا تو یہ ادنیٰ قسم کا منافق
ہے بعض سلف نے اس نفاق کا نام النفاق فی العمل رکھا ہے اور اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ طبیعت یا رسم یا بدعقیدگی کا حجاب
اُس کے قلب پر چھا جاتا ہے اور پھر مال اور اولاد اور کنبے کی محبت میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے اس باعث سے اُسکے
قلب میں جزا و سزا کے مستبعد سمجھنے اور معاصی پر جرأت کرنے کی ایک نامعلوم حرکت پیدا ہوجاتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا
ہے کہ اسلام کے سخت سخت حکم اُس کو ناگوار گذرتے ہیں اور کبھی بعض کفار کی محبت اعلائے کلمۃ اللہ سے اُس کو
مانع ہوجاتی ہے۔

ان دو معنی کے علاوہ ایمان کے دو معنی اور بھی آتے ہیں ایک تو ضروری التصدیق چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا
جسکے نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے ایمان اس کا
نام ہے کہ تو خدا تعالےٰ اور اُس کے فرشتوں پر یقین رکھے الایمان ان تؤمن باللہ وملائکتہ الحدیث۔ دوسرے ایک
دل کی تسلی و اندرونی کیفیت کا نام ہے جو مقربین کو حاصل ہوا کرتی ہے جس کی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
وضوء ایمان کا جزو ہے الطہور شطر الایمان اور فرمایا ہے جب کوئی بندہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو ایمان اُسکے قلب سے
نکلکر سائبان کی طرح اُس کے سر پر آجاتا ہے اور جب وہ اُس کو ترک کر دیتا ہے تو پھر واپس آجاتا ہے اذا زنی العبد خرج
منہ الایمان فکان فوق راسہ کالظلۃ فاذا خرج من ذلک العمل رجع الیہ الایمان اور حضرت معاذ فرماتے ہیں آؤ کچھ دیر ہم
اہل الیقین بن جاویں تعال نؤمن ساعۃ پس ثابت ہوا کہ ایمان کا لفظ شرع میں چار معنی کے اندر مستعمل ہوتا ہے۔ اب
ایمان کے باب میں جو احادیث متعارضہ وارد ہوئی ہیں اگر ہر حدیث اپنے اپنے محل پر محمول کی جائے تو تمام شکوک
اور شبہے مندفع ہوسکتے ہیں اسلام کے لفظ سے ایمان کے پہلے معنی بہ نسبت ایمان کے لفظ کے زیادہ تر قریب الفہم ہوتے
ہیں واللہ اجل جلالہ نے فرمایا ہے کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوگئے قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا
اور ایک مرتبہ حضرت سعدؓ نے کسی شخص کی نسبت کہا تھا کہ میں اسکو ایماندار جانتا ہوں، تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا بلکہ مسلمان کہو او مسلماً۔

ایمان کے چوتھے معنے پر بہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ صاف دلالت کرتا ہے۔

چونکہ نفاق فی العمل اور اُس کا مقابل یعنے اخلاص ایک اندرونی چیز ہے لہذا شارع کو اُس کے علامات
بیان کرنے پڑے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ سب پائی
جائیں وہ تو پکا منافق ہے اور جس میں سے اُن میں سے ایک خصلت پائی جائے اُس میں نفاق کی ایک خصلت
پائی جاتی ہے جب تک اس کو ترک نہ کرے جب اس کے پاس کوئی امانت رکھے تو خیانت کرے اور جب کہیں
کا ذکر کرے تو جھوٹ بولے اور کسی سے عہد کرے تو پورا نہ کرے اور کسی سے لڑے تو گالیاں بکے اربع من کن
فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا ائتمن خان واذا حدث

کذب واذا عاہد غدر واذا خاصم فجر۔ اور فرمایا ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہونگی ان کے سبب سے اسکو حلاوت
ایمانی حاصل ہوتی ہیگی جس شخص کو خدا اور اُسکے رسول کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ اور جو شخص خالصۃً للہ کسی سے محبت
کرتا ہو اور جو شخص کفر سے نکل آنے کے بعد کفر کی طرف اُس کو اعادہ کرنا اس قدر ناگوار ہو جس قدر آگ میں ڈالا جانا
ناگوار ہوتا ہے۔ ثلث من کن فیہ وجد بہن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما ومن احب عبدا لا یحبہ
الا للہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار۔ اور فرمایا ہے کہ جب تم کسی شخص کو بالالتزام
مسجد کی طرف آتا جاتا دیکھا کرو تو اُس کے ایمان کے گواہ رہو اذا رأیتم العبد یلازم المسجد فاشہدوا له بالایمان۔ ویسے
ہی آپ نے فرمایا ہے کہ علی رضؓ کی محبت ایمان اور اُن سے بغض نفاق کی دلیل ہے حب علی آیۃ الایمان و بغض علی آیۃ
النفاق۔ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا تعالے کے معاملہ میں بہت سختی سے پیش آیا کرتے
تھے یہ اُن کی سختی وہی شخص گوارا کر سکتا ہے جس کے طبعی قوی ضعیف ہو گئے ہوں اور اس کی عقل کو خواہش نفسانی
پر غلبہ ہو اور فرمایا ہے انصار کی محبت ایمان کی دلیل ہے حب الانصار آیۃ الایمان اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ عرب
کے قبائل معدی اور یمنی میں ہمیشہ نزاع در پیش رہتا تھا اسلام نے اگر اس نزاع کو دور کر کے انہیں یکجا کر دیا اب
جس نے دل سے اعلائے کلمۃ اللہ کا عزم بالجزم کر لیا اُس کا دل تو ان جھگڑوں سے پاک ہو گیا اور جس نے یہ ارادہ
نہیں کیا اُس کے دل میں وہی نزاع بدستور قائم رہا۔

ایک حدیث میں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان فرمایا ہے کہ اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے اور
ضمام بن ثعلبہ اور اس اعرابی کی حدیث میں جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ مجھ کو ایسا عمل
بتا دیجئے جو میرے واسطے دخول جنت کا موجب ہو جائے بیان فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں اسلام کی ستون ہیں جس نے
ان کو کر لیا پھر چاہے اُس نے کچھ اور عبادت نہ کی ہو دوزخ کے عذاب سے اپنی گردن کو اُس نے آزاد کر لیا اور
جنت کا مستحق ہو گیا۔ ان ہذہ الاشیاء الخمسۃ ارکان الاسلام وان من فعلہا ولم یفعل غیرہا من الطاعات قد خلص رقبتہ من
عذاب واستوجب الجنۃ ایسے ہی یہ بیان کیا ہے کہ نماز کا ادنے درجہ کیا ہے اور وضو کا ادنے درجہ کیا ہے۔

تمام عبادات میں خاص کر کے ان پانچ چیزوں کو اس واسطے رکن قرار دیا ہے کہ انسان کی تمام عبادات میں سے
انہیں پانچ کی زیادہ شہرت ہے اور تمام ملتوں نے سب عبادتوں سے زیادہ تر التزام اور اہتمام انہیں پانچ کا کیا ہے
تمام یہود اور نصارے اور مجوس اور بقیہ عرب کو انہیں کا اہتمام ہے البتہ ہر ایک کا طریقہ ادا کرنے کا جداگانہ ہے
علاوہ بریں یہ پانچ عبادتیں اور عبادتوں کے بدلہ کافی ہو سکتی ہیں ان کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو ان کے
بدلہ کافی ہو سکے اس واسطے کہ تمام نیکیوں کا اصل الاصول توحید الٰہی اور تصدیق نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور احکام الٰہی کا
مان لینا ہے اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام روئے زمین کے لئے عام تھی اور قومیں کی قومیں
لوگوں کی دین الٰہی میں داخل ہوتی چلی جاتی تھیں اس لئے لامحالہ ایک ظاہری شناخت کی حاجت پڑی جس سے مخالفین
اور موافقین میں باہم تمیز کر سکیں اور اسلامی احکام کا اُس پر دار و مدار ہو اور لوگوں سے ان کی باز پرس کی جائے اور

اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمین کی تمیز کے لئے بہت میل جول کی ضرورت ہوتی۔ اور اس کے بعد بھی صرف ظنی تفریق ہو سکتی تھی جس کی بنا قرائن پر ہوتی دوسرے یہ کہ ایک شخص کو مسلمان کا حکم دینے میں سب کی رائے مختلف ہوتی اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں سارے ملک کے احکام جاری کرنے میں کس قدر دقت واقع ہوتی۔ اب دلی اعتقاد اور تصدیق کے معلوم کرنے میں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے اختیار اور خوشی سے ایک بات کا اقرار کرے اور یہ بات ہم بیان ہی کر چکے ہیں کہ انسانی سعادت اور اخروی نجات کا مدار چار خصلتوں پر ہے اور نماز اور اس کے ساتھ طہارت ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے ان چار میں سے دو یعنی فرمانبرداری اور تقدس کی صورت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور ان اوصاف کا اس کے کرنے والے میں گمان کر سکتے ہیں اور زکوٰۃ کا بشرائط اس کے مستحقین کو دینا ایسا ہے کہ اس کے ادا کرنے والے میں ان اخلاق چہارگانہ میں سے دو اوصاف یعنی سخاوت اور عدل کا گمان غالب ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حجاب دور کرنے کے لئے ایک ایسی عبادت کی حاجت ہے جس سے نفس کے اوپر ایک قسم کا دباؤ ہے اور اس باب میں روزہ سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ تمام شرائع کا اصول الاصول شعائر الٰہی کی تعظیم ہے اور چار چیزیں شعائر الٰہی میں از انجملہ کعبہ بھی ہے اسی کی تعظیم کا نام حج ہے اور سابقاً جو ہم بیان کر چکے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ عبادات غیر عبادتوں کے بدلے کافی ہو سکتی ہیں ان کے سوا کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو ان کے بدلے کافی ہو سکے۔

شرع کے اعتبار سے گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں صغائر اور کبائر کبائر گناہ اس وقت صادر ہوتے ہیں جب قوائے بہیمیہ یا سبعیہ یا شیطانیہ کا پورے طور پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس میں حق کا رستہ مسدود ہو جاتا ہے اور شعائر الٰہی کی حرمت کا ہتک لازم آ جاتا ہے یا تدبیر الٰہی کہ جن میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے مخالفت یا بندوں کا اس میں ضرر عظیم پایا جاتا ہے۔ اور بایں ہمہ شرع کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس کا کرنے والا شرع کو پس پشت ڈال دیتا ہے کیونکہ شرع نے اس کے کرنے سے سخت منع کی ہے اور اس کے کرنے والے کو بہت شدت سے تہدید کی ہے اور اس کا کرنا ایسا بیان کیا ہے جیسا کہ اس دین سے خارج ہونا اور جو گناہ اس درجے کے تو نہیں ہیں مگر ان کے دواعی اور اسباب ہیں۔ اور شارع نے لازمی طور پر ان سے منع بھی کیا ہے مگر اس قدر شدت نہیں کی ہے جس قدر کبائر میں کی ہے۔ ایسے گناہوں کو صغائر کہتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ کبائر گناہ محدود نہیں ہیں کہ گنتے ہیں بلکہ ان کی تعریف یہی ہے کہ یا تو قرآن اور حدیث صحیح میں اس کے کرنے والے پر وعید متعلق ہوئی ہو یا شرع میں اس گناہ پر حد مقرر ہو یا شارع نے اس کا نام کبیرہ بیان فرمایا ہے اور ان کے مرتکب ہونے کو خروج عن الدین بیان کیا ہو یا جس چیز کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ بیان فرمایا ہو کوئی اور شے بھی فساد اور خرابی میں اس سے بھی زیادہ یا اس کے برابر ہو یہ گناہ سب کبائر ہیں اور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ زنا کرتے وقت زانی میں ایمان نہیں رہتا لایزنی حین یزنی وھو مومن الحدیث اس کے یہی معنی ہیں کہ یہ افعال اسی وقت صادر ہوتے ہیں کہ جب قوائے بہیمیہ یا سبعیہ کا پورے طور پر غلبہ ہوتا ہے اور

سب طرف سے چھا جاتے ہیں اور قوت ملکیہ کالمعدوم اور ایمان بمنزلہ زائل کے ہوجاتا ہے اس سے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے ان گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان فرمادیا۔

اور فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت کا کوئی ہو چاہے یہودی ہو یا نصرانی
جس کو میری خبر پہونچ گئی ہے اور خدا کے ہاں سے جو احکام میں لیکر آیا ہوں اُس پر وہ ایمان نہیں لایا جہنمی ہوئے بغیر نہیں
سکتا والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ہذہ الامۃ یہودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من
اصحاب النار میں کہتا ہوں یعنی جس شخص کو دعوت اسلام پہنچ چکی اور باوجود وہ اپنے کفر پر جما رہا حتے کہ اسی پر مرگیا تو وہ ہمیشہ
دوزخ میں جائیگا کیونکہ اس نے خدا تعالے کی اس تدبیر کی جو بندوں کی مصلحت کے لئے اس نے مقرر کی تھی مخالفت کی
اور اپنے آپ کو خدا تعالے اور ملائکہ مقربین کی لعنت کا مورد بنالیا۔ اور نجات کی طرف پہنچانیوالے رستہ کو چھوڑ دیا۔ اور فرمایا
ہے تم میں سے کوئی شخص اسی وقت ایماندار ہوسکتا ہے کہ اپنی اولاد اور باپ اور تمام لوگوں سے میری محبت اس کو زیادہ
ہو ورنہ نہیں لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک کسی شخص
کی خواہش ان احکام کی کہ جن کو میں لے کر آیا ہوں تابع نہ ہوجائے اس وقت تک وہ ایماندار نہیں ہوسکتا لا یومن احدکم
حتی یکون ہواہ تبعا لما جئت بہ۔ میں یہ کہتا ہوں ایمان کا کمال یہی ہے کہ عقل کو طبیعت پر غلبہ حاصل ہو کہ اس کے نزدیک
بادی الامر میں مقتضی عقل کو مقتضی طبعی پر ترجیح ہو اور یہی محبت رسول صلعم کا حال ہے اور کاملین میں تو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ
اس بات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کسی نے عرض کی کہ مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات ارشاد
فرمادیجئے کہ پھر مجھے کسی سے آپ کے بعد یا یہ کہا کہ کسی اور سے اس کے دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے تو آپ نے
اس کے جواب میں فرمایا یہ کہہ کہ خدا پر میں ایمان لایا اور پھر اس پر جما رہ قیل یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا لا اسال عنہ
احدا بعدک وفی روایۃ غیرک۔ قال قل آمنت باللہ ثم استقم۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے
سامنے اسلام اور فرمانبرداری کے حالات کا نقشہ رکھا رہے اور جو کام اس کے موافق ہوں وہ تو کیا کرے اور جتنے کام
اس کے خلاف ہوں ان سے دست بردار ہوجائے اور یہ ایک دستور العمل ہے جس کی وجہ سے انسان کو گرچہ با تفصیل
علم شرائع نہیں ہوتا مگر اجمالا اس کو ایک علم حاصل ہوجاتا ہے جو اس کے لئے موجب بصیرت اور سبقت کا باعث ہوجاتا ہے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو سچے دل سے اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان
محمدا عبدہ ورسولہ کہے مگر خدا تعالے دوزخ کی آگ پر اس کو حرام کردیگا۔ ما من احد یشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ
صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار۔ اور فرمایا ہے اگرچہ وہ چوری کرے اور اگرچہ زنا کرے وان زنی وان سرق اور
ایک حدیث میں فرمایا ہے وہ کچھ کرے۔ علی ما کان من عمل۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ اس سخت آگ
پر جو ہمیشہ کے واسطے ہے اور کافروں کے لئے مقرر کی گئی ہے کلمہ گو کو خدا تعالے حرام کردیگا اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہوا
ہو اور واسطے ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اس میں نکتہ یہ ہے کہ گناہوں کے درجوں میں بہت

بڑا فرق ہے اگرچہ کہنے کو سب گناہ کہلاتے ہیں اب اگر کبائر کو کفر کے عقوبات دیکھا جائے تو اُن کے سامنے اُنکی
کچھ ہستی نہیں معلوم ہوتی اور نہ اُن کا کچھ معتد بہ اثر معلوم ہوتا ہے اور نہ دخول نار کے واسطے وہ ایسے سبب ہو سکتے ہیں جو ان
کو سبب کہا جائے یہی حال کبائر کے اعتبار سے صغائر کا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی فرق کو نہایت
استحکام کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس طرح صحت اور مرض میں فرق ہے جس طرح اگر امراض مثلاً جیسے زکام یا تعب بدنی کو سوء مزاج
کے ساتھ جو جوہر بدن میں متمکن ہو جائے جیسے جذام یا سل یا استسقا قیاس کریں تو اول کو بمقابل دوسرے کے صحت کا اطلاق
کر سکتے ہیں اور زکام یا تعب بدنی والے کو بہ نسبت ان امراض والے کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مریض نہیں ہے اور اس کو کوئی بیماری
نہیں ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مصیبت کے سامنے دوسری مصیبت کا خیال بھی نہیں رہتا مثلاً ایک شخص کے
کانٹا لگ جائے اور پھر اس کے بعد اُس کا گھر اور مال کوئی لوٹ کر لیجائے تو وہ بیان کرتے وقت یہ کہدیتا ہے کہ پہلے مجھ پر بالکل
کوئی مصیبت نہ تھی •

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابلیس پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو لوگوں کے فتنہ میں
ڈالنے کو روانہ کر دیتا ہے ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثم یبعث سرایاہ یفتنون الناس الحدیث جاننا چاہئے کہ خدا تعالےٰ
نے شیاطین کو پیدا کیا ہے اور ان کی جبلت میں یہ بات رکھی ہے کہ لوگوں کو اغوا کریں جس طرح کوئی کیڑا ہوتا ہے اور جو اس
کے مزاج کا مقتضے ہوتا ہے اس کے موافق وہ کام کیا کرتا ہے جس طرح پاخانہ کا کیڑا اپنے مقتضے طبع سے غلیظ میں لوٹا پوٹا
کرتا ہے اور ان شیاطین کا ایک سردار ہے جو اپنا تخت پانی کی سطح پر بچھاتا ہے اور اپنے ماتحت کو اُس کام کی تکمیل کے
لئے جس کے وہ درپے ہیں لاتا ہے اور پوری پوری شقاوت اور گمراہی کا مستحق ہوتا ہے •

ہر نوع اور صنف میں خدا تعالےٰ کا یہی قاعدہ جاری ہے اور اس میں کچھ مجاز نہیں ہے اور میرے نزدیک
یہ بات ایسی محقق ہو گئی ہے جیسے کوئی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے •

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کا شکر ہے جس نے اُس کی بات وسوسہ ہی تک رہنے دی
الحمد للہ الذی رد امرہ الی الوسوسۃ اور فرمایا ہے شیطان اس بات سے کہ جزیرہ عرب میں مسلمان اُسکی پرستش
کریں مایوس ہو گیا مگر ان میں باہم بری باتوں کی رغبت دلانے کی اس کو امید ہے الشیطان قد ایس من ان یعبدہ المسلمون
فی جزیرۃ العرب ولکن فی التحریش بینہم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جب بعض صحابہ نے عرض کی کہ ہمارے
دل میں بعض باتیں ایسی آتی ہیں جن کے زبان سے کہنے پر ہم کو جرأت نہیں ہوتی تو آپ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے
ذالک صریح الایمان •

جاننا چاہئے کہ جس قدر کسی شخص میں وسوسہ کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اُسی قدر اُس کے دل میں
وسوسہ کی تاثیر ہوتی ہے بڑی سے بڑی تاثیر وسوسہ شیطانی کی یہ ہے کہ انسان کو کافر بنا دے اور دین سے اُس کو خارج
کر دے اور جب خدا تعالےٰ اس تاثیر سے بندے کو محفوظ کر دیتا ہے تو اُن وسوسوں کی تاثیر دوسری صورت میں
بدل جاتی ہیں یعنی مقاتلات اور تدبیر منزل میں بگاڑ ڈالنا اور گھر والوں میں فساد برپا کرنا پھر جب خدا تعالےٰ اس سے

ہی کسی کو محفوظ کر لیتا ہے تو پھر وسوسہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور دل ہی دل میں پیدا ہو کر جاتا رہتا ہے اور چونکہ اس کا اثر اس شخص کے قلب میں ضعیف ہوتا ہے اس لئے یہ وسوسہ کسی کام پر اس کو آمادہ نہیں کر سکتا اس وسوسہ سے اس شخص کو کچھ مضرت نہیں پہنچتی بلکہ جب اس وسوسہ کے ساتھ اس شخص کو قباحت کا بھی علم ہوتا ہے تو یہ اس کی صریح ایمان کی دلیل ہو جاتا ہے ۔

البتہ نفوس قدسیہ میں ان باتوں کا کھٹکا بھی نہیں ہوتا جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس جن پر جو میرے ساتھ رہتا ہے میری اعانت کی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے بجز بھلائی کے مجھے وہ کچھ نہیں تعلیم کرتا۔ الا ان اللہ اعانی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر اور ان تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاع کا سا ہے کہ لوہے اور قلعی کی چیزوں میں جو اس کا اثر ہوتا ہے دوسری چیز میں وہ اثر نہیں ہوتا علے حسب مراتب ۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دل کے اندر شیطان بھی اپنا اثر کرتا ہے اور فرشتہ بھی ان للشیطان لمۃ وللملک لمۃ الحدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ملائکہ کے قلب کے اندر کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ انس الٰہی اور اعمال صالح کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور شیاطین کی تاثیر کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بجائے انس کے وحشت اور اضطراب اعمال صالح کی رغبت کے بدلے افعال قبیحہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے ۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کسی کے دل میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو تو اس کو اس وقت یہ کہدینا چاہئے کہ مجھ کو خدا اور رسول کا یقین ہے من وجد ذلک شیئاً فلیقل آمنت باللہ ورسولہ ۔ اور آپ نے فرمایا ہے اس کو چاہئے کہ خدا کی پناہ مانگے اور اپنی جانب چپ کو تھوک دے فلیستعذ باللہ وتیفل عن لیسارہ اس میں یہی نکتہ ہے کہ اس کہنے میں خدا تعالیٰ کی طرف التجا اور توجہ اور اس کی یاد اور شیاطین کی تقبیح اور ذلت پائی جاتی ہے اور جب نفس کے اندر اس کی ذلت سما جائیگی اور پھر ان کی طرف نفس کی توجہ اور اس کا رخ ہٹ جائیگا اور ان کا اثر قبول کرنے سے یہ بات اس کو مانع ہوگی جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے تحقیق جو لوگ ہم سے ڈرتے ہیں جب ان پر شیطان کا اثر ہوتا ہے تو چونک جاتے ہیں اور جھٹ ان کو توجہ آجاتی ہے ۔ ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون ۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے سامنے جھگڑا کیا احتج آدم موسےٰ عند ربہما میں کہتا ہوں رب کے سامنے جھگڑا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی روح خطیرۃ القدس کی طرف منجذب ہو گئی اور وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اس نے ملاقات کی اور اصل بھید اس میں یہ تھا کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی معرفت موسےٰ علیہ السلام کو ایک علم کا انکشاف کر دیا جس طرح کوئی شخص حالت خواب میں کسی فرشتہ یا کسی بزرگ کو دیکھتا ہے اور اس سے کچھ بات کرتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے حتے کہ ایک بات جو پہلے سے اس کو معلوم نہیں ہوتی اس شخص کے ذریعہ سے اس کو معلوم ہو جاتی ہے اور یہاں ایک علم تھا جس کی موسےٰ علیہ السلام کو خبر نہ تھی اس علم کا خدا تعالیٰ نے اس واقعہ میں موسےٰ علیہ السلام پر انکشاف

ر دیا اس واسطے کہ اس قصے میں دو بحثیں ہیں ایک تو خاص آدم علیہ السلام کی ذات کے متعلق وہ تو یہ ہے کہ جب تک انہوں نے وہ درخت نہیں کھایا تھا نہ ان کو پیاس لگتی تھی نہ دھوپ نہ بھوکے رہتے تھے نہ ننگے اور فرشتوں کی طرح رہتے تھے اور جب انہوں نے درخت کو کھایا تو بہیمیت کا غلبہ ہوا اور ملکیت اس کے نیچے پست ہو گئی پس لامحالہ درخت کا کھانا گناہ شمار کیا گیا اور اس سے استغفار ضروری ہوا اور دوسری تدبیر کلی کے متعلق ہے جس کا خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے قبل ارادہ کر لیا تھا اور پہلے ہی سے فرشتوں کو اس کی وحی ہو چکی تھی اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک کو حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے یہ منظور تھا کہ نوع انسانی زمین میں خلیفہ ہو کر رہے اور پھر اس سے گناہ صادر ہوں اور وہ اپنے گناہوں سے مغفرت چاہیں اور ان کی مغفرت کی جائے اور ان کو احکام کے ساتھ مکلف کیا جائے۔ اور ان میں رسول کی بعثت ہو۔ اور پھر ثواب و عذاب اور مراتب کمال اور گمراہی یہ سب چیزیں وقوع میں آویں اور یہ سب علیحدہ ایک بڑی خلقت ہے اور اس درخت کا کھانا ارادہ الٰہی اور اس کی حکمت کے موافق تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا تعالیٰ تم کو فنا کر کے اور لوگ گناہ کرنے والے پیدا کرتا کہ گناہ کر کے اس سے مغفرت مانگا کریں اور وہ ان کے گناہ معاف فرمایا کرے۔

اول بہیمیت کا غلبہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام پر ہی ہوا ہے کہ علم ثانی کی تو انکو کچھ خبر نہ ہوئی اور اول نے چاروں طرف سے انکا احاطہ کر لیا اور دل ہی دل میں ان پر سخت عتاب کیا گیا پھر اس سے انکو خلاصی ہوئی اور علم ثانی کی ایک جھلک ان پر پڑی اور جب حظیرۃ القدس تک وہ پہنچے تو سب حال صاف صاف ان پر روشن ہو گیا۔

جو گمان حضرت آدم علیہ السلام کو تھا حضرت موسیٰ بھی اسی گمان میں تھے کہ اللہ جل جلالہ نے علم ثانی کا ان پر انکشاف فرمایا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح خواب کی تعبیر ہوتی ہے ویسے ہی وقائع غائبیہ کی بھی تعبیر ہوا کرتی ہے اور امر و نہی میں ظن و تخمین کو دخل نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے استعداد ہوا کرتی ہے کہ جب وہ پائی جاتی ہے تو اس امر یا نہی کے موجب ہوتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں جس طرح حیوان کے صحیح سالم ناک کان کا درست بچہ پیدا ہوتا ہے کہیں تم اس کا ناک کان کٹا ہوا دیکھتے ہو کل مولود یولد علی الفطرۃ ثم ابواہ یہودانہ وینصرانہ ویمجسانہ کما تنتج البہیمۃ بہیمۃ جمعاء ہل تحسون فیہا من جدعاء

جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنا یہ قاعدہ جاری کر رکھا ہے کہ نباتات حیوانات اور ان کے سوا ہر ایک چیز کے نوع کو خاص خاص شکل پر پیدا کیا ہے مثلاً انسان کی نوع کو اس خاص شکل میں بنایا ہے کہ اس کا پوست کھلا ہوا ہے اور قد سیدھا اور ناخن پھیلے ہوئے ہیں اور بولتا ہے ان باتوں سے تمام مخلوقات میں سے وہ ممیز ہو جاتا ہے کہیں شاذ و نادر جگہ اس کے خلاف ہو جاتا ہے مثلاً بجائے ناک کے کسی کے سونڈ پیدا ہو جائے یا اس کے کھر پیدا ہو جائیں اسی طرح سے خدا تعالیٰ نے یہ قاعدہ بھی جاری کر رکھا ہے کہ ہر نوع کو تھوڑا تھوڑا سا علم اور ادراک محدود جو اسی کے واسطے خاص مگر اس کے تمام افراد میں عام ہی دے رکھا ہے۔ مثلاً شہد کی مکھی ہے اسکو بھی ادراک

نے رکھا ہے کہ جو اس کے مطلب کے درخت ہیں اُن کو معلوم کر لیا کرے اور اپنے چھتے بنایا کرے اور اُن میں شہد جمع کیا کرے اب مکھی کا کوئی فرد ایسا نہیں نظر پڑتا جس میں یہ ادراک نہ ہو اور کبوتر کو بھی ادراک دے رکھا ہے کہ اوپر سے کس طرح یکایک گر پڑتا ہے اور آشیانہ بناتا ہے اور اپنے بچہ کو چگاتا ہے اسی طرح انسان کو اللہ پاک نے بہ نسبت اور انواع کے زیادہ تر علم اور ادراک کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور پوری پوری عقل دی ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کی شناخت اور اس کی عبادت اس کے دل میں رکھی ہے اور اسی طرح دنیا کے اندر جو اس کی بہبودی کے سامان ہیں اُن کا ادراک اُس کو دیا ہے اس کا ہی نام فطرت ہے اگر انسان کو اس فطرت سے کوئی مانع پیش نہ آوے تو اسی حالت پر انسان بڑی عمر تک رہ سکتا ہے مگر بسا اوقات اس کو عوارض پیش آجاتے ہیں جیسے ماں باپ کا اُس کو گمراہ کر دینا اُس کی وجہ سے اُس کا علم بعینہٖ جہل ہو جاتا ہے جس طرح راہب لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کر کے عورتوں کی خواہش اور کھانے کی خواہش اپنے آپ سے بالکل کھو دیتے ہیں باوجودیکہ فطرت انسانی میں یہ چیزیں داخل ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب وہ اپنے آباء کی پشت میں سے تھے اُس وقت میں اُن کو اس نے پیدا کیا ہے خلقهم لها وهم فی اصلاب آبائهم اور فرمایا ہے وہ اپنے آباء سے ہیں هم من آبائهم اور فرمایا ہے جو کچھ وہ کرنے والے تھے خدا کو اُس کا پورا علم ہے الله اعلم بما کانوا عاملین اور آپ نے اپنے ایک بڑے خواب میں بیان فرمایا ہے بنی آدم علیہ السلام کی اولاد کے اطفال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہوتی ہیں قسم ذریة بنی آدم تکون عند ابراهیم علیه السلام میں کہتا ہوں اکثر تو بچے کی پیدائش فطرت ہی پر ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا مگر کبھی کوئی بچہ اس حالت پر پیدا کیا جاتا ہے کہ بلا کسی عمل کے وہ لعنت الٰہی کا مستوجب ہوتا ہے جس طرح وہ بچہ کہ جس کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا اس کی فطرت میں کفر داخل تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے آباء سے ہیں یہ احکام دنیا کے متعلق ہے شرائع میں توقف اس وجہ سے نہیں ہوا کرتا کہ وہ معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی مانع موقع سے احکام منعقد نہیں ہوا کرتے یا اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی یا اُن میں اشکال ہوا کرتا ہے جس کو مخاطب نہیں سمجھ سکتے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اُس کے ہاتھ میں میزان ہے وہ اُس کو جھکا دیتا ہے اور اٹھا دیتا ہے بیده المیزان یخفض ویرفع میں کہتا ہوں یہ تدبیر کی طرف اشارہ ہے اس واسطے کہ اُس کا بنانا اس بات پر ہے کہ جو موافق مصلحت کے ہے اُس کو اختیار فرماتا ہے اسی کے حال میں ہے کل یوم هو فی شان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب لوگوں کے دل خدا تعالےٰ کی دو انگشت میں ہیں ان قلوب بنی آدم فی اصبعین من اصابع الرحمان اور فرمایا ہے قلب کا حال ایک پر کا سا ہے جو جنگل میدان میں ہے اور اس میدان میں اُس کو ہوا اُلٹ پلٹ کرتی رہتی ہے مثل قلب کریشة بارض فلاة تقلبها الریاح ظهرا لبطن۔ میں کہتا ہوں بندوں کے افعال اختیاری ہیں مگر اس اختیار میں اُن کا کچھ اختیار نہیں ہے اور اُس کا حال اس شخص کا سا ہے جو ایک پتھر کو پھینکنے کا قصد کرے اگر یہ پھینکنے والا قادر اور حکیم بھی ہوتا تو اُس پتھر کے اندر یہ بات پیدا کر سکتا تھا کہ وہ پتھر خود بخود حرکت کرتا اُس پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ جب افعال بھی خدا تعالےٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اختیار بھی اُسنے

ہی پیدا کیا تو پھر جزا و سزا کس بات پر دیجاتی ہے۔ اس واسطے کہ جزا و سزا فی الحقیقت بعض افعال الٰہی کے بعض پر مرتب ہونے کا نام ہے بایں معنی کہ خدا تعالٰے بندے کے اندر ایک حالت پیدا کرتا ہے پھر اس کی حکمت کا مقتضٰے یہ ہوتا ہے کہ اس میں ایک دوسری حالت راحت یا تکلیف کی پیدا کیجائے جس طرح پانی کے اندر حرارت پیدا کرنے کی حکمت کا مقتضٰے ہوتا ہے کہ اسکو ہوا کا جامہ پہنایا جائے۔

اور جزا و سزا کے اندر جو بندے کا اختیار اور کسب شمار کیا گیا ہے وہ بالذات شمار نہیں کیا گیا بلکہ صرف اسوجہ سے کہ جو اعمال کسب و اختیار سے نہیں صادر ہوتے تھے یعنی نفس ناطقہ کے کسب اور اس کے اختیار اور قصد کی طرف ان کی نسبت نہیں ہوتی نفس ناطقہ کے اندر ان کا کچھ رنگ اور اثر نہیں پیدا ہوتا اور حکمت الٰہی کا مقتضٰے یہ نہیں ہوتا کہ جن اعمال سے نفس ناطقہ نے کچھ اثر نہیں قبول کیا ان پر بھی بندے کو جزا و سزا دیجائے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ اختیار غیر مستقل ہے جسکی وجہ سے عمل کا اثر آسکتا ہے اور کسب جس کی وجہ سے خاص یہی بندہ حالت ثانیہ کے پیدا ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے جزا و سزا کی شرطیت کے لئے کافی ہے۔ یہ ایک نفیس تحقیق ہے جو صحابہ اور تابعین کے کلام سے مستنبط ہوتی ہے فاحفظ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالٰے نے خلقت کو اولاً ایک تاریکی کی حالت میں پیدا کیا اور پھر اپنا نور انکی اولاد پر ڈالا ان میں سے جس کسی کو وہ نور کچھ پہنچ گیا اس کو تو ہدایت ہوگئی اور جس پر اس نور کا پرتو نہیں پڑا وہ گمراہ رہا اسیوجہ سے میں کہتا ہوں علم الٰہی پر قلم ملک ہوچکا ان اللہ خلق فی ظلمۃ فالقی علیہم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اہتدی ومن اخطاہ ضل فلذلک اقول جف القلم علی علم اللہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالٰے نے پیدا کرنے سے پہلے ان کا اندازہ کیا تو وہ سب کے سب فی حد ذاتہم کمال سے بالکل عاری تھے اس واسطے مناسب ہوا کہ ان کی طرف رسول بھیجے جائیں اور ان پر کتابیں نازل کی جائیں بعضوں کو تو اس سے رہبری ہوگئی اور بعض گمراہ کے گمراہ رہے خدا تعالٰے نے ایک ہی مرتبہ یہ سب اندازہ کر لیا مگر جو ان کی ذاتی حالت ہے اس کو اس حالت پر جو بعثت رسل کے بعد پیدا ہوئی تقدم ہے چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں حکایۃ عن رب تعالٰے بیان فرمایا ہے تم سب کے سب بھوکے ہو سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلا دوں اور تم سب کے سب گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کروں کلکم جائع الا من اطعمتہ وکلکم ضال الا من ہدیتہ میں کہتا ہوں یہ بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت نکالنے کا واقعہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب خدا تعالٰے کسی خاص زمین میں کسی بندے کے مرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کو وہاں جانے کی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ اذا قضی اللہ لعبد ان یموت بارض جعل لہ الیہا حاجۃ۔ اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض حوادث کا وقوع اسلئے ہوتا ہے کہ اسباب کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوق کے مقادیر لکھ رکھی ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء میں کہتا ہوں سب سے اول خدا تعالٰے نے لوح و قلم کو پیدا کیا پھر غیبی چیزوں کا موجود

خدا نے جنات عرش کے قوی میں سے ایک قوت میں جو ہماری قوتوں میں سے خیال کی قوت کے مشابہ ہے اور جو معتبر حفاظت کرے اسکو پیدا کیا جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ یہ بیان حدیث کے مخالف ہے اس واسطے کہ جو لوگ حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں انکے نزدیک لوح اور قلم کی صورت جیسا کہ عوام الناس جانتے ہیں انکے نزدیک کوئی معتمد حدیث انکے بیان میں نہیں وارد ہوئی اور وہ جو ہ باتیں بیان کر دیتے ہیں وہ اہل کتاب کی تراشی ہوئی ہیں احادیث محمدی انکو سمجھنا چاہئے دراصل محدثین میں سے متاخرین جو ان باتوں کے قائل ہوئے ہیں انکا کلام تکلف سے خالی نہیں ہے اور متقدمین میں سے اس باب میں کچھ منقول نہیں ہے۔ الحاصل تمام کائنات کا سلسلہ سوقت میں وہاں پایا جاتا ہے جسکی کتابت کے ساتھ بیان کیا ہے یہاں کتابت کا اطلاق ایسا ہی ہے جس طرح سیاست مدینہ میں اسکا اطلاق تعیین اور ایجاب پر آیا کرتا ہے اسی معنی میں یہاں بھی مستعمل ہے اسی طرح خدا تعالے کے اس کلام میں ہے کہ لکھے گئے تمہارے اوپر روزے کتب علیکم الصیام اور اس کلام میں جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمہارے اوپر یہ بات لکھی گئی کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالے نے اپنے بندے پر زنا کا ایک حصہ لکھدیا ہے ان اللہ کتب علی عبدہ حظہ من الزنا الحدیث اور جیسا کہ کہنا کہیں فلان دیوان میں لکھا گیا حالانکہ وہاں مجاہدوں کے لئے کوئی دفتر نہ تھا جیسا کہ عرب کے اشعار میں بہت کثرت سے آیا ہے پچاس ہزار سال کا ذکر کرنا یا تو اسیقدر طول مدت سے مراد ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر اپنا داہنا ہاتھ انکی پشت پر پھیرا۔ ان اللہ خلق آدم ثم مسح ظهره بیمینہ الحدیث میں کہتا ہوں جب خدا تعالے نے حضرت آدم کو ابو البشر بنایا تو ان کے وجود میں تمام انکی اولاد کی حقیقت داخل کر دی پھر خدا تعالے نے ان کو کسی وقت میں تمام ان ذریات کا علم جن پر مقتضائے ارادۂ الٰہی ان کا وجود مشتمل تھا عطا فرمایا اور ان سب کا ایک صورت مثالیہ میں ان کو مشاہدہ کرا دیا اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور اور ظلمت کی صورت میں ظاہر کر دیا اور انکی جبلت میں تکلیف کی قابلیت کو سوال و جواب اور اپنی جانوں پر لازم کر لینے کی صورت میں دکھا دیا پس ان سے جو کچھ مواخذہ کیا جاتا ہے انکی اصلی استعداد ہے اسکا منشا ہے اسکی نسبت اگرچہ ظاہری صورت انسانی کی طرف کر دیجاتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چالیس روز تک تمہاری خلقت ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما الحدیث میں کہتا ہوں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر دفعۃً نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت کی حالت اپنی حالت سابقہ اور لاحقہ کے مغایر ہوتی ہے اور جبتک صورت منوی سے اس کو پورا پورا تغیر نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا نام نطفہ رہتا ہے اور جب اس میں خفیف سا انجماد ہو جاتا ہے تو اسکا نام علقہ ہو جاتا ہے اور جب پورا پورا اس کو انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو مضغہ کہتے ہیں اگرچہ اس میں علائم بلا عمر ذیل بھی بن جاتی ہیں اور جس طرح ایک خاص وقت میں زمین میں کھجور کی گٹھلی کو داب دیں اور ایک مدت خاص تک اس پر صرف کی جائے تو جو شخص اس زمین کے نوع اور اس زمین اور اس پانی اور اس وقت کی خاصیت جانتا ہے وہ جان جاتا ہے

کہ یہ خوب سمجھ گئی اور اس کے حل سے اور بعض بعض باتیں اس کو معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے اس بچہ کا حال جو اس کی
سرشت کا تقاضا ہے بعض فرشتوں پر کھول دیتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا
نہیں ہے جس کا ٹھکانا دوزخ اور جنت میں لکھا ہوا نہ ہو ما منکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار ومقعدہ من الجنۃ
میں کہتا ہوں یہ لوگوں کے حسنات کے متعلق ہے اور کوئی صنف ایسی نہ ہوگی جس میں کمال اور نقصان اور عذاب و
ثواب نہ ہوگا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ٹھکانا دوزخ یا جنت میں ہے اور اللہ پاک کا یہ کلام کہ جب تیرے رب نے
بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم الخ اس حدیث کے کہ حضرت آدم کی
پشت پر ہاتھ پھیر کے ان کی اولاد کو نکالا ثم مسح ظہرہ بیمینہ فاخرج منہ ذریۃ مخالف نہیں ہے اس واسطے حضرت
آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی اولاد کی پشت سے اولاد کی اولاد کو نکالا اسی طرح قیامت تک جس ترتیب
سے وہ موجود ہوتی گئی ان کی پشتوں سے اولاد کو نکال نکال کر ان سے عہد لیتے رہے قرآن میں اس کا قصہ پورا پورا مذکور
نہیں تھا حدیث شریف نے اس کا تتمہ بیان کر دیا اور اللہ پاک فرماتا ہے پس جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور اچھی بات
کی اس نے تصدیق کی فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی یعنی ہمارے علم میں جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہے
تو خارج میں ہم آہستہ آہستہ اس کو ان اعمال کی طرف اب پہنچا دینگے اس توجیہ سے حدیث اس کے اوپر منطبق ہو گئی
اور اللہ پاک فرماتا ہے قسم ہے جان کی اور جو اس کو ٹھیک کیا اور پھر اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری اس کو بتا دی
میں کہتا ہوں الہام سے یہاں نفس کے اندر تجویز کی صورت کا پیدا کر دینا ہے جس طرح ابن مسعود کی حدیث میں گذر چکا
اس واسطے کہ الہام اصل میں ایک صورت علمیہ کے پیدا کرنے کا نام ہے جو علم کا منشا ہوتی ہے اور مجاز اس سے ایک
صورت اجمالیہ جو سبب آثار ہوتی ہے اگرچہ اسکی وجہ سے علم نہیں کہہ سکتے مراد ہوتی ہے واللہ اعلم۔

ان احادیث کا بیان جو کتاب و سنت سے دلیل پکڑنے کے باب میں وارد ہوئی ہیں

جس قدر تحریف کے راستے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے اپنی امت کو ڈرایا اور ان سے
سخت منع فرمایا ہے اور اس کے متعلق اپنی امت سے عہد و پیمان لئے ہیں سب سے بڑا سبب تہاون کا یہ ہے
کہ لوگ سنت پر عمل چھوڑ دیں اس کے باب میں آپ فرماتے ہیں مجھ سے قبل خدا تعالیٰ نے کوئی نبی کسی امت
میں ایسا نہیں بھیجا کہ اس کی امت میں سے کچھ لوگ اس کے حواری اور دوست اس کی سنت پر عمل کرنیوالے
اور اس کے حکم کی فرمانبرداری پیدا نہ کئے ہوں پھر ان کے بعد نااہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں
ہیں اور جن باتوں کا حکم ان کو نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں جو ہاتھ سے ان سے ساتھ جہاد کرے وہ ایماندار ہے اور جو
ان سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی ایماندار ہے اور جو قلب سے کرے وہ بھی ایماندار ہے اور اس کے بعد رائی
کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے ما من نبی بعثہ اللہ فی امۃ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یاخذون
بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدہم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یؤمرون فمن جاہدہم بیدہ فہو

مومن ومن جاہدہم بلسانہ فہو مومن ومن جاہدہم بقلبہ فہو مومن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں تم میں سے کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ جس بات کا میں نے حکم دیا ہے یا اُس سے نہی کی ہے وہ امر یا نہی جو اُس کو معلوم ہو اور وہ کہدے میں ان باتوں کو نہیں جانتا جو قرآن میں موجود ہیں ہم لوگ تو اس کا اتباع کرتے ہیں لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عمل بالسنۃ پر خاص کر جبکہ لوگ مختلف ہوں بہت ترغیب دی ہے ؛

اور منجملہ اسباب تہاون کے تشدد بھی ہے جس کی نسبت آپ نے فرمایا ہے کہ اپنی جانوں پر سختی مت کرو پھر خدا تعالیٰ بھی تمہارے اوپر سختی کریگا لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللہ علیکم - اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبادت شاق کا قصد کیا تو آپ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا اور اسی طرح کچھ لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو کسی قدر کم سمجھا اور خود عمل شاق کا قصد کیا تو آپ نے ان کو منع فرمایا - اور منجملہ ان کے ایک ہر چیز کے زیادہ تحقیق اور اس پر بہت سا تعمق کرنا ہے اس کی نسبت آپ نے فرمایا ہے لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ ایک بات کو میں تو کرتا ہوں اور وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں خدا کی قسم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ خدا سے ڈرنیوالا اور اس کا پہچاننے والا ہوں ما بال اقوام یتنزہون عن الشیء افعلہ انی لاعلمہم باللہ و اشدہم خشیتہ لہ - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہدایت پر ہونے کے بعد جو قوم گمراہ ہوئی ہے اس کی وجہ عدم اتفاق باہمی اختلاف اور جھگڑا ہوا ہے ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی دنیا کی باتوں سے تم خوب واقف ہو انتم اعلم باموردنیاکم اور بعض صحابہ نے یہود سے کچھ باتوں کے سیکھنے کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح یہود و نصاریٰ مذبذب ہو رہے ہیں کیا تم بھی اسی طرح اپنے دین میں مذبذب ہونا چاہتے ہو میں تمہارے پاس روشن اور صاف دین لیکر آیا ہوں اور اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو سوائے میری تابعداری کے اُن کو چارہ نہ ہوتا امتہوکون انتم کما تہوکت الیہود والنصاریٰ لقد جئتکم بہا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی اور جو شخص اسلام کے اندر جاہلیت کے طریقہ کو پسند کرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو ابغض الناس میں داخل کیا ہے ؛

ازانجملہ ایک استحسان ہے اس کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارے اس دین میں جو کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہیں ہے وہ رد ہے من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد - اور ملائکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال اس شخص کی سی بیان کی ہے کہ اس نے ایک مکان بنایا اور اس میں کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا مثل رجل بنی دارا و جعل فیہا مادبۃ و بعث داعیا الحدیث - میں کہتا ہوں اسمیں لوگوں کے تکلف کرنے کی طرف اشارہ ہے پورے طور پر سمجھانے کے لئے ایک محسوس چیز کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری مثال اس شخص کا سا ہے کہ اس نے آگ کو روشن کیا مثلی کمثل رجل استوقد نارا الحدیث اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری اور اس چیز کی مثال جس کو خدا تعالیٰ نے مجھے دیکر بھیجا ہے اس شخص کی سی

مثال ہے کہ وہ شخص ایک قوم کے پاس آوے اور ان سے کہے میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے انما مثلی ومثل ما
بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رایت الجیش بعینی الحدیث - یہ حدیث اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ
بعض اعمال قبل از بعثت بھی بندہ کو مستوجب عذاب ہوتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھکو جو خدا تعالیٰ
نے ہدایت اور علم کے ساتھ بھیجا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے بہت زور کا پانی زمین پر برسا ہے مثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل
الغیث الکثیر اصاب ارضا الحدیث - یہ مثل ہے اس ہدایت کا جو اہل علم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوئی خواہ
درجہ روایت کے ذریعہ سے یا درایۃ بایں طور کہ انہوں نے مسائل کا استنباط کرکے لوگوں کو معلم کیا یا انہوں نے شرع
کا اتباع کیا اور لوگوں نے ان کی اقتدا سے رہبری حاصل کی اور نیز اس کے حق ہدایت کے قبول نہ کرنے کا بیان ہے
اور ایک مرتبہ جب آپ نے بہت ہی تاکید سے لوگوں کو نصیحت کی تو اس میں یہ بھی فرمایا تم لوگ میرے اور میرے
خلفاء راشدین مہدیین کے طریقہ کو اپنے اوپر لازم کرلینا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ میں کہتا ہوں دین کا انتظام
حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سنت پر موقوف ہے اور سیاست بشری کا انتظام اسی وقت ہوسکتا ہے کہ خلیفہ جس بات
کا امر کلی یا جہاد کے متعلق اپنے اجتہاد سے حکم دے تو لوگ اس کے حکم کو مانیں مگر یہ شرط ہے کہ اس کا یہ حکم خلاف نص یا بدعت
کے قبیل سے نہ ہو

ایک مرتبہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ تو خدا تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس خط کے ادھر
ادھر اور خط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے
اور آپ نے یہ آیت پڑھی ان ہذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ ترجمہ تحقیق یہ میرا راستہ
ہے اسی پر تم چلو اور راستوں پر مت چلو ورنہ خدا کے راستہ سے بچھڑ جاؤ گے۔ خط رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال ہذا
سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمینہ وعن شمالہ وقال ہذہ سبل علی کل سبیل منہا شیطان یدعو الیہ میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ وہی ہے
جو تمام عقائد اور اعمال کے اندر کتاب اور سنت اور جمہور صحابہ اور تابعین کے قول پر عمل کرتے ہیں اگرچہ ایسی باتیں ہیں ان
باتوں کے اندر جن میں کوئی نص مشہور نہیں ہے اور صحابہ نے اس پر اتفاق کیا مختلف ہیں اور اپنے اپنے قول پر بعض بعض
امور سے استدلال کرتے ہیں یا کہیں مجمل کی تفسیر کردیتے ہیں اور جو فرقہ عقیدہ سلف کے خلاف کوئی عقیدہ یا ان کے عمل کے
خلاف کوئی عمل نکالے وہ غیر ناجیہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی
لا یجتمع امتی علی الضلالۃ اور فرمایا ہے ہر صدی کے بعد خدا تعالیٰ اس امت میں ایک ایسے شخص کو پیدا کرتا رہیگا۔ جو
اس امت کے دین کو نیا کرتا رہیگا یبعث اللہ لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا اس حدیث کی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے دوسری ایک حدیث میں تفسیر فرمادی ہے اور فرمایا ہے ہر خلف کے عادل لوگ اس علم کا بار
اٹھاتے رہینگے اور اس سے اسراف کرنے والوں کی تحریف جھوٹوں کی بہتان بندی جاہلوں کی تاویل کو دور کردینگے۔
یحمل ہذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاہلین۔ جاننا چاہئے کہ جب لوگوں
نے دین میں خیانات اور ملک میں فساد پھیلایا تو اس کے سبب سے جو اس کے دروازہ کو حرکت ہوئی اور خدا تعالیٰ

نے دین کی کجی کے درست کرنے کے لئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو روانہ کیا پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے وفات پائی تو بعینہٖ یہ عنایت الٰہی امت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علماء ہدایت کے محفوظ رکھنے کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کو الہامات اور تقریبات کا فیضان شروع ہوگیا کیونکہ حظیرۃ القدس نے اس ہدایت کے قیامت تک ان میں برقرار رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے اس لئے لامحالہ ایسے لوگوں کا پیدا کرنا ضروری ہو جو دین الٰہی کے پابند ہوں اور وہ سب کے سب کسی گمراہی کی بات پر اتفاق نہ کر سکیں اور قرآن ان کے اندر محفوظ رہ سکے لیکن باتوں کے ماخذ چونکہ متعدد اور مختلف ہوتی ہیں اس لئے کسی قدر رد و بدل بھی لوگوں کی وجہ سے ہو جانا ممکن ہے اس واسطے مستعد لوگوں میں جو پیدا ہوتے ہیں علم کی رغبت پیدا کی جاتی ہے وہ تحریف غالین جس سے دین میں سختی مراد ہے اور جھوٹوں کی تبدیلی جس سے مذہب کا خلط ملط کرنا مراد ہے اور جاہلوں کی تاویل جس سے سستی مراد ہے دور کر دیتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالےٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اُس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین اور فرمایا ہے علما لوگ انبیا کے وارث ہیں ان العلماء ورثۃ الانبیاء اور فرمایا ہے عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں سے کسی ادنے شخص پر فضیلت ہے فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم اور اسی قسم کی اور حدیثیں فرمائی ہیں ٭

معلوم کرو کہ جب کسی شخص پر عنایت الٰہی کا ورود ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ اُس کو تدبیر الٰہی کا آلہ بناتا ہے تو یہ بات لابدی ہے کہ اُس شخص پر خدا تعالےٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور فرشتوں کو اُس کے ساتھ محبت کرنے اور اُس کی تعظیم کرنے کا حکم ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُس کے ساتھ محبت کرنے کا حکم ہوتا ہے اور زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو وہی عنایت خاصہ اس دین کی حفاظت کی حیثیت سے علماء اور رواۃ اور پیروی کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان میں بیشمار فوائد اور برکات پیدا کر دے ٭

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خوش رکھے اللہ تعالےٰ اُس بندے کو جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور محفوظ کرے اور جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دے نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظہا ووعاہا واداہا کما سمعہا میں کہتا ہوں اس فضیلت کا سبب یہ ہوا کہ ایسا شخص اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت نبویہ کو خلق کی طرف پہونچاوے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص قصداً میرے اوپر جھوٹ بولے اُس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہئے من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار اور فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں دجال اور کذاب پیدا ہونگے یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون میں کہتا ہوں آخیر زمانوں تک دین کے پہونچنے کا ذریعہ روایت ہی ہے اور جب روایت ہی کے اندر فساد داخل ہو جائے تو اس کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا اس واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا ہونا سخت گناہ ہوا اور روایت کے اندر بڑی احتیاط کرنی ضرور ہوئی تاکہ کذب لازم نہ آوے اور فرمایا ہے بنی اسرائیل سے روایت کرو اور کچھ مضائقہ نہیں ہے حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج اور فرمایا ہے ان کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو ٭

ولا القصد قوہم ولا الکذبوہم میں کہتا ہوں اگر اعتبار کرنیکے لائق ہو تو اہل کتاب سے روایت کا کرنا درست ہے جہاں احکام دینی میں افساد کا اندیشہ نہ ہو ورنہ درست نہیں ہے۔

ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ بہت سے بنی اسرائیل کے قصے جو کتب تفاسیر اور اخبار میں مذکور ہیں اکثر وہ علمائے اہل کتاب سے منقول ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ کسی علم شرعی یا اعتقاد کی بناء ان کو قرار دیا جاوے۔ فتدبر۔

اور فرمایا ہے جس علم سے خدا تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہوتی ہو اور پھر اس کو کوئی شخص متاع دنیا کے حاصل کرنے کی غرض سے پڑھے تو قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی اس تک نہ پہونچیگی من تعلم علما مما یبتغی به وجه الله لا یتعلمه الا لیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة میں کہتا ہوں دنیا کے لئے علم دین کا سیکھنا حرام ہے جس کی غرض یہی معلوم ہوتی ہو بدو وجہ اول تو یہ کہ ایسا شخص غالباً غرض دنیوی کے واسطے دین کے اندر ایک ضعیف سی تاویل کرکے تحریف کرسکتا ہے لہٰذا اس راستہ کا بند ہی کر دینا ضرور ہوا دوسرے یہ کہ اس میں قرآن و حدیث کی بے حرمتی اور اس کی ہتک ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کسی شخص سے کوئی علمی بات جس کو وہ جانتا ہو دریافت کیجاے پھر وہ چھپائے تو قیامت کے روز اس کے آگ کی لگام دیجاویگی میں کہتا ہوں جب بیان کرنے کی حاجت ہو تو اس وقت مسئلہ کا بیان نہ کرنا اور چھپالینا حرام ہے اس واسطے کہ اصل تناوں اور احکام دینی کے نسیان کا سبب یہی ہے اور اعمال کی جزا و سزا کچھ کچھ اعمال کے مناسب ہوا کرتی ہے چونکہ بیان پر گناہ مسئلہ کا چھپالینا اور بیان نہ کرنا تھا اس واسطے منہ میں لگام دینے سے اسکو سزا دیگی جو بات نہ کرنے اور رک جانے کے مناسب ہے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علم تین ہیں آیۃ محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ اور جو انکے سوا ہے وہ زیادہ ہے العلم ثلثة آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة وما كان سوى ذلك فهو فضل میں کہتا ہوں یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس قدر لوگوں پر سیکھنا واجب بالکفایہ ہے اس کی حد بیان فرمائی ہے اب ایک تو قرآن کا لفظاً سیکھنا واجب ہے اور آیات محکمات کے اندر الفاظ غریبہ کی شرح اور اسباب نزول اور جو اس میں سے وقت طلب ہے اس کی توجیہ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت ضروری ہے باقی رہا متشابہ اس کا حکم یا تو توقف ہے یا محکم کی طرف اس کا مرجع کر لینا ہے اور سنت قائمہ وہ ہے جو عبادات یا معاملات میں شرائع اور سنن ہوں جن پر علم فقہ مشتمل ہے اور قائمہ کی یہ تعریف ہے کہ جو منسوخ نہ ہوئی ہو اور نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹ گیا ہو اور جمہور صحابہ اور تابعین کا اس پر عملدرآمد رہا ہو ان میں سے سب سے بڑھکر وہ ہے کہ جس پر فقہاء مدینہ اور کوفہ کا اتفاق ہو اور اس کی پہچان یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہو اور اس کے بعد وہ ہے کہ اس میں جمہور صحابہ کے دو قول یا تین قول ہوں اور ہر قول پر اہل علم کے ایک گروہ نے عمل کیا ہو اور اس کی شناخت ہے کہ موطا اور جامع عبدالرزاق وغیرہ میں ان کی روایات پائی جاتی ہوں اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بعض فقہاء کا استنباط ہے اور بعض کا تبیین ہے اور فریضہ عادلہ ورثہ کے حصوں کا معلوم کرنا ہے اور ابواب قضاء جو مسلمانوں کے اندر انصاف سے قطع منازعت کرنے کے متعلق ہیں وہ بھی اسی کے ساتھ ملحق ہیں یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ شہر کا ان چیزوں کے واقفی سے خالی رہنا حرام ہے کیونکہ ان پر دین کا مدار ہے اور جو ان کے سوا ہیں وہ فضل اور زیادتی کے قبیلہ سے ہیں

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مخالفت یعنی ان باتوں سے جو لوگوں کے امتحان لینے کے لئے تراش لیجاویں اور جواب دینے والے کو اسمیں غلطی واقع ہو منع فرمایا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو یہ کہ ایسی باتوں میں مسئول عنہ کو ایذا پہونچانا اور ذلیل کرنا منظور ہوتا ہے اور اپنا عجب اور بڑائی مقصود ہوا کرتی ہے دوسرے یہ کہ اسمیں فتح باب تعمق پایا جاتا ہے اور یہ بات بھی اسمیں ہے جو صحابہ کیا کرتے تھے کہ جو بظاہر سنت میں موجود ہے اسپر توقف کرنا چاہیئے یا جو بمنزلہ ظاہر کے ہے بجا یا اقتضاء فحوے کلام کی قبیلہ سے اور بہت امعان مناسب نہیں ہے اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ جب تک ایک حادثہ وقوع میں نہ آوے اور اجتہاد کرنے کی حاجت نہ ہو خواہ مخواہ اسمیں اجتہاد کر رکھنے میں غلطی کا ظن غالب ہوتا ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص اپنی عقل سے قرآن میں کوئی بات کہے اس کو اپنی جگہ جہنم میں بنالی چاہئے من قال فی القرآن برایہ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ میں کہتا ہوں جو شخص اس زبان سے جسمیں قرآن نازل ہوا ہے واقف نہ ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے ذریعہ سے اس کو الفاظ عربیہ کی شرح اور اسباب نزول اور ناسخ اور منسوخ کا پتہ نہ ہو اس شخص کو تفسیر کا لکھنا حرام ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآن کے اندر جھگڑا کرنا کفر ہے المراء فی القرآن کفر۔ میں کہتا ہوں قرآن کے اندر مجادلہ حرام ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ کوئی شخص ایک حکم کو جو قرآن کے منصوص ہے کسی شبہ سے جو اس کے دل میں واقع ہوا ہے رد کرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم سے پہلے لوگ تو اسی واسطے تباہ ہو گئے کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو بعض کو بعض سے لڑایا انما ھلک من کان قبلکم بھذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض۔ میں کہتا ہوں قرآن کے ساتھ تدافع کرنا حرام ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے اثبات مذہب کی غرض سے استدلال کرے اور دوسرا شخص اپنے مذہب کے ثابت کرنے کے لئے اور دوسرے مذہب کے ابطال یا بعض رائے کے بعض پر تائید کرنے کی غرض سے دوسری آیت پیش کرے اور اس کا پورا پورا قصد یہ بات کا نہ ہو کہ حق ظاہر ہو جاوے اور حدیث میں بھی تدافع کرنے کا بھی یہی حال ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آیات قرآنی میں سے ہر ایک کے لئے ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر حد پر اطلاع کا جدا ذریعہ ہے لکل آیۃ منہا ظھر وبطن ولکل حد مطلع۔ میں کہتا ہوں زیادہ تر قرآن کے اندر صفات الہی اور اس کے آیات اور احکام اور قصص اور کفار سے احتجاج اور جنت و نار کے ساتھ موعظت کا ذکر ہے قرآن کا ظاہر تو یہ ہے کہ جس کے لئے سوق کلام ہے اس کا پورا پورا علم حاصل ہو جاوے اور اس کا باطن آیات صفات میں نعمائے الہی میں فکر اور مراقبہ کرنا اور آیات احکام کے اندر اس کے ایماء اور اشارہ اور فحوے اور مقتضے سے اور مسائل کا استنباط کرنا جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آیۃ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سے اس بات کا استنباط کیا ہے کہ مدت حمل کی کبھی چھ ماہ بھی ہوتی ہے بقولہ تعالے حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور قصص کے اندر اس کا باطن یہ ہے کہ ثواب اور مدح یا عذاب اور ذم کا مدار کن کن باتوں پر ہے اور موعظت کے اندر رقت قلب اور خوف و رجا کا ظاہر ہونا اور اسی قسم کی اور باتیں اور حد کے اوپر اطلاع کا ذریعہ استعداد ہے جس سے وجہ معلوم ہو سکتی جیسے زبان اور آثار سے واقف ہونا اور ذہن کی صفائی اور سمجھ کی پختگی۔

اللہ پاک فرماتا ہے آیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ۔ میں کہتا ہوں بظاہر محکم سے

معنی یہ ہیں کہ جس میں ایک وجہ کے سوا دوسری وجہ کا احتمال نہ ہو جیسے حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم واخواتکم اور متشابہ وہ ہے جس
میں کئی وجوہ کا احتمال ہو جیسے لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا۔ کچھ لوگوں نے تو اس آیت کو اس بات پر
محمول کیا ہے کہ جبتک کسی پر ظلم یا زمین میں کچھ فساد نہ ہو شراب کا پینا درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت سے وہ لوگ
مراد ہیں جنھوں نے حرام ہونے سے پیشتر شراب پی تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عمل تو نیت کے ساتھ ہیں انما الاعمال بالنیات۔ میں کہتا ہوں اصل تو نیت
کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں مگر یہاں اس کی علت غائیہ مراد ہے جس کا آدمی کے دل میں اول تصور آتا ہے اور پھر وہ ایک
فعل کا منشا ہوتی ہے جیسے خدا تعالے سے ثواب یا اس کی رضامندی کا طالب ہونا اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ نفس
کی تہذیب اور اس کی کجی کے دور کرنے میں اعمال کا کچھ نفع نہیں ہوتا جبتک ان کے صادر ہونے کا باعث کسی ایسی شئے کا
تصور نہ ہو جس کا مآل تہذیب ہوتی ہے اور عادت یا لوگوں کی موافقت یا ریا و سمعہ یا جبلت کا تقاضا اس کا باعث نہ ہو جس
طرح ایک شجاع آدمی سے قتال کا صادر ہونا جو بغیر قتال کیے نہیں رہ سکتا ہے اگر وہ وقت کفار کے ساتھ مجاہدہ کا نہ ہوتا تو
وہ اس اپنی شجاعت کو مسلمانوں کے قتال میں صرف کرتا جس کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے
دریافت کیا تھا کہ ایک مرد دکھاوے کی غرض سے قتال کرتا ہے اور ایک بہادری سے ان دونوں میں سے خدا تعالے کے
لئے کون قتال کرتا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کی بات سب سے اونچی رہے
تو اس کا لڑنا خدا تعالے کے لئے ہے من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا فہو فی سبیل اللہ اور اس میں بھید یہ ہے کہ دل کا ارادہ
تو عمل کی روح ہے اور عمل اس کی صورت اور شبیہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حلال بھی ظاہر ہے اور
اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی
عزت کو بچا لیا الحلال بین والحرام بین وبینہما مشتبہات فمن اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ میں کہتا ہوں ایک
مسئلہ کے ترجیحی وجوہ مختلف ہو جاتی ہیں تو اس وقت میں احتیاط اور اس سے بچنا سنت ہے تعارض کی ایک شکل تو
یہ ہے کہ صراحۃً اس کے اندر روایات مختلف ہوں جیسے ذکر کے چھو لینے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں بعض نے اس کو ثابت
کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے اور ہر ایک حدیث سے شہادت پیش کرتا ہے یا محرم کے لئے نکاح ہے کہ بعض
نے تو تجویز کیا ہے اور بعض نے منع کیا ہے اور روایتیں مختلف ہیں اور ایک شکل یہ ہے کہ وہاں جو لفظ استعمال کیا گیا
ہے اس کے معنی کچھ غیر منضبط ہیں یعنی فقط تقسیم یا مثال سے اس کے معنی معلوم ہوتے ہیں مگر ایک جامع اور مانع تعریف
سے اس کے معنی معلوم نہیں ہیں تو وہاں تین مادے پیدا ہو جاتے ہیں ایک تو وہ مادہ کہ جہاں اس لفظ کا یقیناً اطلاق ہو سکتا
ہے اور ایک وہ کہ جہاں یقیناً اطلاق نہیں ہو سکتا اور ایک وہ کہ وہاں اس کے اطلاق کا صحیح ہونا یا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں
ہوتا اور ایک شکل یہ ہے کہ ایک جگہ حکم کا مدار ایک علت پر ہے جس میں ایک مقصود کا یقینی گمان ہوتا ہے اور ایک نوع
اس کی ایسی پائی جاتی ہے کہ وہاں علت تو ہے مگر وہ مقصود وہاں نہیں پایا جاتا جیسے ایک لونڈی کو ایسے شخص سے خریدا
کہ اس میں جماع کی قابلیت نہیں ہے تو وہاں استبرا کرنا چاہئے یا نہیں پس یہ صورت اور اس قسم کی جس قدر صورتیں

ہیں سب کے اندر مناسبت ضروری ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچ طرح سے قرآن نازل ہوا ہے
حرام اور حلال اور محکم اور متشابہ اور امثال ۔ نزل القرآن علی خمسۃ اوجہ حلال وحرام ومحکم ومتشابہ وامثال
ایسی اشیاء ہوں یہ پانچوں وجہ کتاب کی قسمیں ہیں اگر تقسیمات مختلف ہیں سو ان میں تنوع حقیقی وتضاد نہیں ہے اسلئے
یہ حکم کبھی حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام ہوتا ہے اور دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جو آیات قرآنی یا احادیث نبوی
متشابہات کے قبیلہ سے ہیں ان میں عقل کو دخل نہ دیا جائے اور اسی قسم کے اور بہت سے امور ہیں کہ وہاں معلوم نہیں ہو سکتا کہ
کلام کے معنی حقیقی مراد ہیں یا کوئی معنی مجازی جو حقیقت کے قریب ہیں وہ مراد ہیں اور یہ وہاں ہے کہ جہاں امت کا اجماع نہیں
پایا جاتا اور اس سے شبہ مرتفع نہیں ہوتا ہے واللہ اعلم۔

ان احادیث کا بیان جو طہارت کے باب میں وارد ہوئی ہیں

معلوم کرو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں ایک تو حدث سے طہارت دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کے ساتھ جو نجاست
متعلق ہو اس سے طہارت تیسرے بدن سے جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے طہارت جیسے موئے زیر ناف یا ناخن یا میل
کچیل طہارت عن الاحداث کا مدار اصول بر پر ہے جن لوگوں کے دلوں میں انوار ملکیہ کا ظہور ہو گیا ہے وہ ناپاکی اور طہارت
کی معنی کو خوب تمیز کر سکتے ہیں ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے نفرت اور اس حالت سے
جس کا نام طہارت ہے سرور اور ایک قسم کا انشراح محسوس ہونے لگتا ہے اور طہارت کی صورتوں اور ان کی موجبات کے
تعیین ملل سابقہ یعنے یہود و نصاریٰ و مجوس اور بقایا ملت اسماعیلیہ کے دستور سے خوب معلوم ہو سکتی ہے ان کے نزدیک
ناپاکی اور ایسے ہی اس سے طہارت دو طرح کی ہوا کرتی تھی جیسا کہ سابق ہم بیان کر چکے ہیں اور عرب کا قدیمی دستور تھا کہ
جنابت سے وہ غسل کیا کرتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی دونوں قسم کے حدث کے مقابل میں دو قسم کی طہارت
کو مقرر فرمایا طہارت کبرٰے یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنابت کے لئے اس واسطے کہ جنابت قلیل الوقوع اور کثیر التلوث
ہے تاکہ نفس کو ایسی ناپاکی میں واقع ہونے سے ایک عمل شاق (یعنی غسل) سے جس کا آدمی کو بہت کم اتفاق ہوتا ہے تنبیہ
ہو جائے اور طہارت صغرٰے یعنی وضو کو حدث اصغر کیلئے مقرر فرمایا اسواسطے کہ وہ اکثر الوقوع اور قلیل التلوث ہے اسمیں
نفس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جانی کافی ہے۔

فی الحقیقت وہ امور کہ جن میں حدث یعنی ناپاکی کے معنی پائے جاتے ہیں بہت کچھ ہیں جن لوگوں کا ذوق سلیم ہوتا ہے
وہ ان کو معلوم کر سکتے ہیں مگر وہ حدث کہ جس سے تمام دنیا کو مخاطب کر سکیں چند خارجی امور کے اندر منضبط ہے جس کا
ظاہر میں نفس کے اوپر اثر پڑتا ہے تاکہ ظاہر میں لوگوں سے اس کی باز پرس ہو سکے اسی واسطے اگر پیٹ کے اندر ہی
اندر کچھ حرکت ہوتی رہے اس پر حدث کا مدار نہیں رکھا گیا بلکہ جب سبیلین یعنی پیشاب پاخانہ کے راستے سے کوئی چیز
نکلے اس پر حدث کا مدار رکھا گیا کیونکہ پہلی صورت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا اور اگر معدے کے اندر ہی اندر کچھ حرکت ہو
تو خارج میں وضو کر لینے سے کچھ اس کا ارتفاع نہیں ہو سکتا اور دوسری صورت یعنی سبیلین سے کسی چیز کا باہر نکلنا ایک

محسوس چیز ہے اور یہ بھی ہے کہ نفس کے نقائص کے لئے یہاں ایک ظاہری صورت اور اس کا قائم مقام یعنی نجاست بدن کا آلودہ ہونا پایا جاتا ہے اور نیز نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نفس کو ان کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب بدن سے کوئی چیز باہر کی جانب خروج کرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس کلام میں کہ جس وقت حقنان یعنی پیشاب پاخانہ کی تنگی میں سے کسی شخص کو حاجت معلوم ہوتی ہو تو ایسے وقت میں نماز کو کھڑا نہ ہو جائے۔ لا یصلی احدکم و ہو یدافعہ الاخبثان تنبیہ فرمادی ہے کہ صرف نفس کے مشغول ہونے میں بھی حدث کے ایک معنی پائے جاتے ہیں۔

جن امور میں طہارت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ بہت سے امور ہیں جیسے خوشبو لگانا اور اسی طرح سے وہ اذکار جو پاکی کو یاد دلاتے ہیں۔ جیسے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اللھم نقنی من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس اور پاکیزہ مکان میں جانا اور اسی قسم کی باتیں بہت سی ہیں مگر تمام خلقت کو ایسی چیز کے ساتھ مکلف اور مخاطب کر سکتے ہیں جو ایک منضبط اور معین چیز ہو اور ہر وقت اور ہر جگہ اس کا کرنا اس کے واسطے دشوار نہ ہو اور نیز بہ بھی اس کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہو اور لوگوں میں اس قسم کا کچھ پہلے سے بھی دستور رہا ہو۔

وضو کے اندر اصل اطراف بدن کا دھونا ہے اس لئے شارع نے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا مقرر کیا کیونکہ اس سے کم کا نفس پر کچھ اثر محسوس نہیں ہو سکتا اور پیروں کا ٹخنوں تک دھونا مقرر کیا اس واسطے کہ اس سے کم عضو ناتمام ہے اور سر کے واسطے صرف مسح کر لینا مقرر کیا کیونکہ اس کا دھونا خالی از دقت نہیں ہے اور غسل کے اندر تمام بدن کا دھونا ہی اصل ہے اور وضو کا اصل موجب وہی ہے جو بول و براز کے رستے سے خارج ہو اور باقی موجبات وضو کو اس پر قیاس کر لیا ہے اور اصل غسل کا موجب جماع اور حیض ہیں اور یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پہلے عرب بھی انکو غسل کا موجب مانتے رہے ہیں۔

طہارت کی دونوں قسمیں ارتفاقات سے ماخوذ ہیں کیونکہ یہ دونوں طبیعت انسانی کا مقتضا سے اصلی ہیں کوئی قوم اور کوئی ملت اس سے خالی نہیں ہو سکتی اس کے اندر شارع نے اسی درمیانی حالت کا اعتبار کیا جو خالص عرب کے اندر دستور تھا جس طرح اور باقی ارتفاقات درست کرنے میں انہیں کا اعتبار کیا ہے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صرف یہی کام تھا کہ آداب متعین کر دیے اور جہاں کہیں اشکال تھا اس کو صاف کر دیا اور جہاں ابہام تھا اس کو دور کر دیا۔

وضو کی فضیلت کے بیان میں

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وضو نصف ایمان ہے الطہور شطر الایمان میں کہتا ہوں یہاں ایمان سے ایک ہیئت نفسانیہ مراد ہے جو نور طہارت اور خشوع سے مرکب ہے اور بہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ اس حقیقت

نفسانیہ پر پڑا وہ صاف دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وضو اس کا ایک جزء ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا تو اس کے بدن سے تمام اس کی خطائیں نکل گئیں ناخنوں کے نیچے سے ہو کر بھی نکل جاتی ہیں من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ جس پاکیزگی کا خاص نفس کے اندر اثر پڑتا ہے وہ پاکیزگی تو نفس کو مقدس کر کے ملحق بالملائکہ کر دیتی ہے اور بہت سے حالات دنیئہ در لوازم بشریہ کو محو کر دیتی ہے یہ خاصیت اس پاکیزگی کی ہے وہی وضو کی خاصیت ہے جو اصلی طہارت کا نقشہ اور خلاصہ اور اس کا عنوان ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میری امت کو جب پکارا جائیگا تو وضو کے آثار سے ان کے دست و پا اور چہرہ روشن ہونگے اس لئے تم میں جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھا لے ان امتی یوم القیامۃ غرا محجلین من آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل - اور فرمایا ہے جہاں تک وضو کا پانی پہنچیگا وہیں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جائیگا تبلغ الحلیۃ من المومن حیث تبلغ الوضوء میں کہتا ہوں چونکہ اصلی طہارت کی صورت اعضاء پنجگانہ میں پانی کا استعمال کرنا ہے اسی طرح ان اعضاء میں زیور اور روشنی کا ہونا نفس کے تمدد اور عیش کی صورت مثالیہ ہے جس طرح بزدلی کی صورت مثالیہ روباہ اور شجاعت کی صورت مثالیہ شیر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وضو کی وہی مداومت کر سکتا ہے جو ایمان والا ہے لا یحافظ علی الوضوء الا مومن میں کہتا ہوں جب ہمیشہ باوضو رہنا ایک دشوار کام ہے تو اسکو وہی شخص کر سکتا ہے جس کو طہارت کے امر میں بصیرت حاصل ہو گئی ہے اور اس کے نفع عظیم کا اسکو یقین ہے لہذا اس کی مداومت ایمان کی دلیل ہوئی ۔

وضو کرنے کی ترکیب

وضو کرنے کی صورت جس طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بالتواتر ثابت ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے یہ ہے کہ اول پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ دھووے اور کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور اسکو پھر صاف کرے اور پھر منہ اور پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھووے اور پھر سر کا مسح کرے بعد ازاں پیر دونوں ٹخنوں تک دھووے ۔

جو لوگ ظاہر آیت سے استدلال کر کے پیروں کے دھونے سے انکار کرتے ہیں ان کا قول قابل اعتبار نہیں میرے نزدیک جو شخص ایسی بات کہے اور وہ شخص جو جنگ بدر یا جنگ احد سے جو کالشمس فی النہار ثابت ہے منکر ہو دونوں برابر ہیں ہاں اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ احتیاطاً پیروں پر مسح بھی کر لینا چاہئے اور ان کو دھو لینا بھی چاہئے یا یہ کہ اپنے فرض کا مسح کر لے اگرچہ دھونا بھی ایسی چیز ہے کہ جس کے تارک پر سخت ملامت کرنی چاہئے تو یہ بات البتہ ایسی ہے کہ علماء اس کے اندر جبتک انکشاف حق نہ ہو توقف کر سکتے ہیں ۔ اور میں نے کسی صحیح روایت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی تصریح نہیں پائی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر مضمضہ اور ناک میں پانی ڈالنے اور ترتیب کے وضو کیا ہے پس وضو کے اندر ترتیب نہایت ضروری امر ہے اور مضمضہ اور استنشاق یعنی ناک میں پانی

ذالنا یہ دونوں خصال فطرت سے مستقل دو حصے ہیں وضو کے ساتھ انکو ملا دینا ہے کہ ایک ساتھ ان کا بھی ایک وقت
معین ہے علاوہ بریں یہ دونوں اس قبیلہ سے ہیں جہاں بتکلف پانی پہنچ سکتا ہے اور وضو کے اندر ایسی جگہوں
میں پانی پہونچانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور ان دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا بہ نسبت جدا جدا ہونے کے زیادہ تر راجح ہے۔

آداب وضو کا حاصل کرنا کئی باتوں میں منحصر ہے ایک تو تعہد مخابن یعنی جن جن جگہ میں بتکلف پانی پہنچتا ہے
ان میں اچھی طرح سے پانی کا پہنچانا جیسے مضمضہ اور استنشاق اور دست و پا کی انگلیوں میں اور داڑھی میں خلال کرنا اور انگوٹھے کو
حرکت دینا اور ایک پاک کرنے میں کوشش کرنا یعنی تین تین مرتبہ دھونا اور اسباغ یعنی خوب اوپر تک ہر عضو کا
دھونا جو فی الحقیقت روشنی کا قیامت کے دن بڑھانا ہے اور ایک صفائی یعنی بدن کا ملنا اور سر کے ساتھ کانوں کا بھی
مسح کرنا اور وضو پر وضو کرنا اور ایک امر جمعہ کے اندر جو ان کی عادت جاری تھی اس کے موافق اس میں برتاؤ کرنا
یعنی داہنے عضو سے شروع کرنا اس واسطے کہ داہنے عضو کو بائیں پر اولویت اور قوت ہے لہذا جو چیزیں دونوں جانب
میں استعمال کی جاتی ہیں ان میں تو داہنے عضو کو مقدم رکھنا اور جو ایک جانب میں مستعمل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ وہ محاسن اور
طیبات کے قبیلہ سے ہوں ان کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا سب ہے اور ایک دل کی کیفیت کو زبانی الفاظ
سے جو صرف اسی مقصود پر دلالت کرتے ہیں قابو میں رکھنا اور ذکر لسانی کا قلبی کے ساتھ ساتھ پایا جانا آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے خدا کا ذکر نہیں کیا اس کا وضو نہیں ہوا لا وضوء لمن لم یذکر اللہ میں کہتا ہوں
واقفین حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق نہیں ہے اور اگر صحیح بھی سمجھی جائے تو یہ ان مواضع میں سے ہے کہ
جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے طریقے میں اختلاف واقع ہوا ہے اس واسطے کہ اہل اسلام ہمیشہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے وضو کی نقل کرتے رہے اور لوگوں کو وضو کا طریقہ سکھاتے رہے ہیں اور بسم اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے
جبتک کہ اہل حدیث کا زمانہ ظاہر ہوا اور اس حدیث میں اس بات کی نص ہے کہ بسم اللہ یا تو وضو کا رکن ہے یا اسکی شرط
ہے اور دونوں صورتوں میں یوں توفیق ہو سکتی ہے کہ اس حدیث میں جو ذکر کا لفظ آیا ہے اس سے ذکر قلبی مراد ہے
کیونکہ بدون نیت کے اعمال مقبول نہیں ہوا کرتے اس لئے یہاں وضو سے صرف ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ وضو
کے اثر سے نفس کا رنگین ہونا مراد ہے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ تسمیہ یعنی بسم اللہ کہنا منجملہ آداب کے ہے اس لئے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مہتمم بالشان کام خدا کے نام سے شروع نہ کیا جاوے اس میں برکت نہیں ہوتی
کل امر ذی بال لم یبدا باسم اللہ فھو ابتر اور بہت سے مواضع پر قیاس کرنے سے اس کا آداب میں داخل ہونا
ثابت ہو سکتا ہے اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوتا مگر اس قسم کی تاویلیں میرے پسند نہیں ہیں
کیونکہ یہ ایک بعید تاویل ہے جس کا حاصل اصل لفظ کی مخالفت ہوتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ اس کو کیا معلوم ہے کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا ہے فانہ لا یدری این باتت یدہ میں کہتا ہوں اس سے
مراد یہ ہے کہ ہاتھوں کو دھوئے ہوئے بہت دیر ہو جاوے اور بہت دیر تک بوجہ نیند کے ان سے بے خبر رہنے میں ظن
غالب ہوتا ہے کہ ضرور کسی قسم کی نجاست یا میل کچیل کا اثر ان تک پہنچا ہو جس کی وجہ سے پانی میں ان کا ڈال دینا

سکا ناپاک یا مکدر کر دینا ہے تیزی میں دخل ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پینے کی چیز میں چھونک مارنے سے منع فرمایا ہے اس کی علت بھی یہی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس واسطے کہ شیطان اس کے نتھنوں پر رات کو رہتا ہے فان الشیطان یبیت علی خیشومہ میں کہتا ہوں نتھنوں میں مواد غلیظ اور بلغم کا جمع ہو جانا ذہن کی بلادت اور فکر میں نقصان کا باعث ہے اور ایسے وقت میں شیطان کو وسوسہ ڈالنے اور تدبیر بد کا رسے اس شخص کو روکنے کا خوب موقع ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو وضو کرے اور پورا پورا کرے اور پھر اشہد ان لا الہ الا اللہ پڑھے آخر تک اور ایک روایت میں ہے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین اور اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں اور وہ جس میں سے چاہے چلا جائے ما منکم احد یتوضؤ فیبلغ الوضوء ثم یقول اشھد الخ وفی روایۃ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین الا فتحت له ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایھا شاء میں کہتا ہوں طہارت کی روح اسی وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب عالم غیب کی طرف نفس کی توجہ پائی جائے اور پورے طور پر اس عالم کی طرف اسکی خواہش ہو اس واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک ذکر کو مقرر فرمایا اور جو اصلی طہارت کا فائدہ تھا وہ اس پر مرتب فرمایا اور ایک شخص نے پورے طور پر بالاستیعاب پانی کا استعمال نہیں کیا تھا تو اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کو آگ کی طرف ویل للاعقاب من النار میں کہتا ہوں اسمیں نکتہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے ان اعضاء کا دھونا واجب کیا ہے تو دھونے کے معنی پایا جانا ضروری ہے اور جب ایک شخص نے ایک عضو کا کچھ حصہ دھو لیا اور پورے اس عضو کو نہیں دھویا تو عرف میں یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اسنے عضو کو دھو لیا اور دوسرے آپ کے اس فرمانے میں باب تہاون کا بند کر دینا ہے اور ایڑیوں سے آگ کا تعلق اس واسطے ہوا کہ برابر ایک جگہ کو ناپاک رکھنا اور اس پر اصرار کرنا ایسی خصلت ہے جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے اور طہارت ایسی چیز ہے جو باعث نجات اور باعث تکفیر خطیات ہے اور جب ایک عضو کے اندر طہارت کے معنی نہ پائے گئے اور اس عضو میں حکم الٰہی کی تعمیل نہ ہوئی تو بلاشبہ یہ اس بات کا سبب ہو سکتا ہے کہ نفس کا اس خصلت کی وجہ سے ملال ظاہر ہو جو اس کے نفس کے اندر فساد اور خرابی پیدا کرنے والی ہے اور اس عضو کی طرف سے یہ خصلت اس کو حاصل ہوئی ہے واللہ اعلم۔

موجبات وضو کے بیان میں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص حدث کی حالت میں ہے جبتک وضو نہ کرے اسکی نماز قبول نہیں ہے لا تقبل صلوۃ من احدث حتی یتوضاء اور فرمایا ہے بغیر وضو کے نماز مقبول نہیں ہوتی لا تقبل صلوۃ بغیر طہور اور فرمایا ہے نماز کی کنجی وضو ہے مفتاح الصلوۃ الطھور میں کہتا ہوں ان سب احادیث میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ نماز کے لئے وضو شرط ہے اور وضو تو خود ایک مستقل عبادت ہے نماز کے ساتھ ساتھ اس کو بھی مقرر کر دیا ہے کیونکہ

ان دونوں میں سے ہر ایک فائدہ دوسرے پر موقوف ہے علاوہ بریں اس میں نماز کی تعظیم پائی جاتی ہے جو شعائر الٰہی
میں داخل ہے ہماری شریعت میں موجبات وضو تین طرح کے ہیں ایک تو اُس قسم کے ہیں کہ جن پر تمام صحابہ کا اتفاق
ہے اور روایتیں اس میں متفق ہیں اور اُس پر برابر عمل جاری ہے وہ تو یہ چیزیں ہیں بول اور براز اور ریح اور مذی اور
گہری نیند اور اُس کے قریب قریب چیزیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے سُرین کا بندھن آنکھیں ہیں
وکاء السہ العینان اور فرمایا ہے پس جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اُس کے جوڑ ڈھیلے پڑجاتے ہیں۔ فانہ اذا اضطجع
استرخت مفاصلہ۔ میں کہتا ہوں اُس سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی کو خوب گہری نیند آجاتی ہے تو ضرور اُس کے جوڑ ڈھیلے
ہوجاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے اور میں اُس کا ایک سبب اور بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ
جو بات حدث کے سبب سے ہوتی ہے وہ نفس کے اندر سونے کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے یعنی بلادت اور مذی
میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے ذکر کو دھولے اور وضو کرلے یغسل ذکرہ ویتوضا۔ میں کہتا ہوں
ملاعبت کرنے سے جو مذی باہر آجاتی ہے اُس میں بھی شہوت کا پورا کرنا ہے مگر شہوت جماع کے پورا کرنے سے اُسکا
درجہ کم ہے اس لئے اُس کی طہارت بھی کم رکھی یعنی غسل سے کم درجہ کی ہونی چاہیے جس کسی کو ریح کے نکلنے
کا شک ہو اُسکے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ شخص مسجد سے باہر نہ جائے جبتک آواز نہ
سُنے یا بدبو نہ معلوم کرے لا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتا او یجد ریحا۔ میں کہتا ہوں اُس سے مراد یہ ہے کہ جبتک اُسکو
ریح نکلنے کا یقین نہ ہوجائے۔ جب وضو کے ٹوٹنے کا مدار سبیلین سے کوئی چیز خارج ہونے پر ہو تو یہ بات لابدی
ہے کہ فی الحقیقت کسی چیز کے خارج ہونے اور فقط شبہ خروج میں کہ جسمیں فی الواقع خروج نہیں ہے تمیز کی جائے اور
مقصود یہ ہے کہ زیادہ تعمق اور ہر بات میں فکر اور تردد نہ کیا جائے اور دوسرے موجبات وضو اُس قسم کے ہیں جن
کے موجبات وضو ہونے میں فقہاء صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اُن میں روایات
مختلف مروی ہیں جیسے مس ذکر سے وضو کا واجب ہونا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص
اپنے آلہ تناسل کو چھوئے اُسکو وضو کرنا چاہیے من مس ذکرہ فلیتوضا۔ حضرت ابن عمر اور سالم اور عروہ وغیرہم کا یہی
قول ہے اور حضرت علی اور ابن مسعود اور فقہاء کوفہ نے اُس کا رد کیا ہے اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ تو اُس کے بدن کی ایک بوٹی ہے ہل ہو الا بضعۃ منہ اور دونوں میں ایک کا منسوخ ہونا
یقینی نہیں ہے اور عورت کو چھولینا جیسا کہ حضرت عمر اور ابن مسعود اور ابراہیم رضی اللہ عنہم کے نزدیک ہے اسواسطے کہ
اللہ پاک فرماتا ہے یا عورتوں کو تم نے چھوا ہو۔ او لامستم النساء اور کوئی حدیث اس کی شاہد نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ رض
کی حدیث اُس کے خلاف دلالت کرتی ہے مگر اُس میں شبہ ہے اسواسطے کہ اُس کی اسناد منقطع ہے اور میرے
نزدیک اس قسم کی دمہ یعنی حدیث کی اسناد کا منقطع ہونا وہاں معتبر ہوسکتا ہے کہ جہاں ایک حدیث کو دوسری حدیث پر
ترجیح دیجاوے اور جہاں ایک ہی حدیث ہے اور دوسری کوئی حدیث اُس کے معارض نہیں تو اس انقطاع اسناد کا کچھ
لحاظ نہ کیا جائیگا واللہ اعلم۔ اور حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما چونکہ جنابت میں تیمم تجویز نہیں کرتے ہیں اسواسطے

ان کے نزدیک تو آیت خواہ مخواہ لمس پر محمول ہوگی مگر عمران اور عمار اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے نزدیک جنابت میں
تیمم درست ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو گیا ہے اور ابن عمر احتیاط پر عمل کرتے تھے اور ابراہیم حضرت ابن مسعود کی پیروی
کرتے تھے حتی کہ امام ابوحنیفہ پر اس دلیل کا حال ظاہر ہو گیا جس سے حضرت ابن مسعود نے تمسک کیا تھا اس لئے ان کے
قول کو انہوں نے ترک کر دیا باوجودیکہ ابراہیم کے وہ بہت پیرو ہیں الحاصل ان دونوں چیزوں یعنی مس ذکر و لمس میں صحابہ اور
تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد فقہاء کے تین طبقے ہو گئے ایک جماعت نے تو ظاہر پر عمل کیا اور ایک نے بالکل ہی اس کو ترک
کر دیا اور ایک نے شہوت اور عدم شہوت کا فرق کیا اور ابراہیم کے نزدیک بہتے ہوئے خون کے نکلنے اور قے کثیر سے
وضو لازم آتا ہے اور حسن کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو لازم آتا ہے اور کسی کے نزدیک نہیں لازم آتا اور ان
سب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں مگر علمائے حدیث نے ان کی صحت پر اتفاق نہیں کیا مگر اصح قول یہی ہے
کہ جو احتیاط کرے گا اس کا دین اور عزت محفوظ رہیگی ورنہ خالص شرع میں اس سے کچھ گرفت نہیں ہے اور اس میں شبہ نہیں ہے
کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے شہوت کو ہیجان ہوتا ہے اور اس میں ایک شہوت کا جو شہوت جماع سے کمتر ہے پورا کرنا ہے
اور عضو تناسل کا چھونا بھی ایک بیہودہ فعل ہے لہذا استنجا کے وقت داہنے ہاتھ سے ذکر کے چھونے سے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جب ذکر کو ہاتھ میں پھرے تو وہ لامحالہ ایک شیطانی کام ہے اور بہتا ہوا خون
اور قے کثیر بھی بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنیوالی چیز ہے اور اسی طرح نماز میں قہقہہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے
جس کا کفارہ ہونا چاہئے اگر ان چیزوں سے شارع وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے اور نہ یہ تعجب ہے کہ حکم نہ دے
اور نہ یہ تعجب ہے کہ وضو کی رغبت دے بدوں اس بات کے کہ وضو واجب ہو۔ اور تیسری قسم موجبات وضو کی وہ ہے
کہ جہاں حدیث کے لفظ سے واجب ہونے کا شبہ ہوتا ہے جیسے اور فقہاء صحابہ اور تابعین کا اس کے خلاف پر اجماع
ہے آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابو طلحہ
وغیرہم رضی اللہ عنہم کا عمل اسکے خلاف ہے اور حضرت جابر نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس وضو کرنے
کا سبب یہ تھا کہ یہ ان ارتفاقات کاملہ میں سے ہے جو ملائکہ کے عمل میں نہیں آتا اس واسطے آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے
میں ملائکہ کے ساتھ مشابہت منقطع ہو جاتی ہے علاوہ بریں آگ سے پکی ہوئی چیز نار جہنم کو یاد دلاتی ہے لہذا آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا ضرورت داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے اسی واسطے آدمی کو بدل بعید مشغول کرنا چاہئے۔
لیکن اونٹ کے گوشت سے وضو لازم آتا ہے یا نہیں اس میں دقت ہے فقہاء صحابہ اور تابعین میں سے کوئی
اس کا قائل نہیں ہوا اور اس کے منسوخ ہونے کا بھی حکم نہیں دے سکتے لہذا جس کسی کو تخریج نے مجبور کیا ہے وہ تو اس کا
قائل نہیں ہے اور احمد اور اسحاق اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک آدمی کو اس میں احتیاط کرنی بہت ضروری ہے
واللہ اعلم جس کسی کے نزدیک اونٹ کے گوشت سے وضو لازم آتا ہے تو اس میں بھید یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت توریت
کے اندر حرام کیا گیا تھا اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کی حرمت پر متفق رہے اور ہمارے واسطے خدا تعالے نے اس کو
حلال کر دیا تو اس کے ساتھ دو وجہ سے وضو بھی مقرر فرمایا ایک تو یہ کہ یہ وضو اس بات کا کہ پہلے لوگوں پر اس کا کھانا حرام

تھا اور ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا شکریہ ہو جاوے دوسرے یہ کہ اس کے حلال ہونے میں بعد اس کے کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل پر حرام رہا اس بات کا احتمال تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے حلال ہونے سے ایک طرح کا کھٹکا گذرے اس کے علاج کے لئے وضو مقرر فرمایا کیونکہ اس کی حرمت سے اس علت کی طرف جس کے استعمال سے وضو لازم آجاوے [illegible] ہے اور میرے نزدیک تو شروع اسلام میں یہ تھا اور بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

موزوں پر مسح کا بیان

چونکہ وضو کا ان حصص ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد جلد گرد و غبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پیر چونکہ موزوں کے پہننے سے اعضاء باطنہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت ان کے اتارنے میں ایک قسم کی دقت تھی اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں ان کا دھونا ساقط کر دیا گیا۔ چونکہ تیسیر میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آسانی کر دی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مشق العنانی نہ ہو جاوے لہذا شارع نے اس بات کے حاصل کرنے کے لئے تین باتیں اس کے ساتھ مقرر کر دیں ایک تو مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات مقرر فرمائے اس لئے کہ ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ جس کا انتظام اور التزام ہو سکتا ہے بہت سی چیزوں کو جس کا التزام کرنا چاہتے ہیں اس مدت کے ساتھ ان کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے یہ دونوں مدتیں مسافر اور مقیم پر ان کے دفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئیں دوسری اس میں شارع نے یہ شرط لگا دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو تاکہ پہننے والے کے دل میں اسی وقت کی طہارت کا نقشہ جما رہے اس لئے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے اس طہارت کو وہ اس طہارت پر قیاس کر لیتا ہے اور اس قسم کے قیاسات کا نفس کے تنبیہ میں پورا پورا اثر ہوتا ہے اور تیسرے یہ حکم دیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تاکہ پیروں کا دھونا یاد آجائے اور یہ اس کے لئے بطور نمونہ کے ہو جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے اگر دین میں عقل کو دخل ہوتا تو موزے کے تلے مسح کرنے سے زیادہ مناسب تھا میں کہتا ہوں چونکہ مسح پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے اور اس سے اس نمونہ کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے اور نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت موزوں کے ملوث ہونے کا گمان غالب ہے تو عقل کا مقتضی یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسرار شرعی سے بڑے واقف تھے جیسا کہ ان کے کلام اور ان کے خطبوں سے معلوم ہوتا ہے مگر ان کو مقصود یہ تھا کہ دین میں لوگ رائے کو دخل نہ دیں ایسا نہ ہو کہ عوام الناس اپنا دین بگاڑ لیں۔

غسل کرنے کا بیان

غسل کرنے کی ترکیب جیسی کہ حضرت عائشہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے

وجہ یہ ہے کہ اول پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل ان کو دھولے بعد ازاں اپنے بدن اور شرمگاہ سے نجاست کو
دھو ڈالے پھر جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اُس طرح سے وضو کرے اور سر کے بالوں میں خوب پانی پہنچائے
اور پھر تمام بدن پر پانی ڈالے فقط ایک بات میں اختلاف ہے کہ پیروں کو بعد کو دھووے یا پہلے دھووے اور بعضوں نے
فرق کیا ہے کہ اگر اس جگہ غسل کا پانی اکٹھا ہوتا ہے تو پیر بعد کو دھووے ورنہ پہلے دھولے۔ غسل سے اول پہلے ہاتھ
دھونے کی وجہ تو وہی ہے جو ہم وضو میں بیان کر چکے اور بدن سے نجاست کا دھونا اس واسطے ہے کہ اگر اس کو پہلے
نہ دھولیا اور تمام بدن کے ساتھ اس نجاست پر بھی پانی بہایا تو پانی کے بہنے سے وہ نجاست بدن پر پھیل کر زیادہ ہو جائیگی
اور پھر اس کے دھونے میں دقت بھی ہوگی اور پانی بھی زیادہ خرچ ہوگا اور نیز غسل محض طہارت حدث کے لئے نہ ہوگا
حالانکہ وہ اسی لئے موضوع ہے اور وضو اس لئے کیا جاتا ہے کہ طہارت کبریٰ کا طہارت صغریٰ پر مشتمل ہونا بہت مناسب
ہے تاکہ دو قسم کی طہارت کرنے سے نفس کو اور زیادہ تنبیہ ہو جائے اور نیز اول وضو کر لینے سے ان مواضع میں
پانی خوب پہنچ جاتا ہے جن میں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے کیونکہ سر کے اوپر پانی ڈالنے سے پھر اطراف پر اچھی طرح بے تکلف
ہی پانی پہنچتا ہے اور پیروں کے بعد میں دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بلا فائدہ ایک عضو کا بار بار دھونا لازم نہ آوے مگر
وضو کی صورت پورا کرنے کے لئے تو پیروں کو بھی پہلے دھولینا مناسب معلوم ہوتا ہے پھر غسل کے مستحبات میں
جن سے غسل کامل ہو جاتا ہے یہ ہیں تمام بدن کا تین مرتبہ دھونا اور بدن کا ملنا اور مغابن یعنی جہاں بہ تکلف پانی پہنچتا
ہے ان میں خوب پانی پہنچانا اور پردہ کا خوب اہتمام کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالے بڑی
حیا اور بڑا پردہ والا ہے إن الله حيي ستير اس کی تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرا یہ قول ہے کہ وہ حیا
اور پردہ کو پسند کرتا ہے يحب الحياء والستر اور لوگوں سے تو پردہ کرنا واجب ہی ہے اور تنہائی میں بھی اس کو
اس طرح ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص بوجہ اتفاق اس کے پاس سے گذر جائے تو اس کا ستر نہ دیکھے مستحب ہے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مشک میں بسی ہوئی ایک صافی لیکر اس سے صاف کرے یعنی حیض کے اثر کو پونچھ ڈال خذی فرصة من
مسك فتطهري بها۔ میں کہتا ہوں یہ حکم آپ نے کئی وجہ سے دیا ایک تو اس سبب سے کہ اس میں پاکی زیادہ پائی جاتی ہے اس لئے کہ
خوشبو بھی بذاتہ طہارت کا کام دیتی ہے اور ہمیشہ خوشبو کا حکم اس واسطے نہیں دیا کہ اس میں لوگوں پر دقت ہے اور ایک
اس خوشبو کی وجہ سے ایک طرح کی بدبو جو حیض میں ہوتی ہے وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک یہ کہ حیض کا گذرنا اور طہر کا شروع ہونا
اولاد کے لئے کوشش کرنے کا وقت ہے اور خوشبو ایسی چیز ہے جو اس قوت کو ابھارتی ہے۔

غسل کے لئے پانی کی تعداد ایک صاع سے پانچ مد تک اور وضو کے لئے ایک مد مقرر فرمائی ہے کیونکہ درمیانی
بدن کے لئے یہ ایک کافی مقدار ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر ہر بال کے نیچے جنابت ہے اس
لئے بالوں کو دھوؤ اور بدن کا میل اتارو تحت كل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر وانقوا البشرة اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے اگر جنابت کی حالت میں ایک بال کی جگہ بھی بغیر دھوئے چھوڑ دیگا تو اس جگہ کے ساتھ ایسا ایسا کیا جائیگا
من ترك موضع شعرة من الجنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے وضو کی استیعاب

لئے اندر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک بال کی جگہ دھونے میں غسل کے معنی کو ثابت کرنا ہے اور جنابت پر باقی رہنا اور اس پر مداومت یا دخول نار کا سبب ہے اور جس عضو سے نفس کے اندر یہ اثر پیدا ہوگا اسی عضو کی طرف سے نفس کو تکلیف اور عذاب ہوگا ۔

موجبات غسل کا بیان

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب عورت کے چاروں ہاتھ پاؤں کے بیچ بیٹھ گیا اور پھر اس سے جماع کیا تو غسل واجب ہوگا اگرچہ اس کو انزال نہ ہو۔ اذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل وان لم ينزل میں کہتا ہوں اس بات میں روایتیں مختلف ہیں کہ اکسال یعنی جماع بدون انزال کو قضاء شہوت کے معنی میں اس جماع پر جو انزال کے ساتھ ہو محمول کر سکتے ہیں یا نہیں صحیح روایت جس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے یہ ہے کہ جماع کرنے سے دونوں مرد و عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہو اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ پانی تو پانی ہی سے لازم آتا ہے یعنی غسل انزال سے لازم آتا ہے انما الماء من الماء تطبیق کیونکر ہو سکتی ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حدیث انما الماء من الماء احتلام کے متعلق ہے مگر اس میں کچھ کلام ہے اور حضرت ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ انما الماء من الماء کا حکم شروع اسلام میں تھا پھر یہ حکم نہیں رہا اور حضرت عثمانؓ اور علی اور طلحہ اور زبیر اور ابی بن کعب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے اس شخص کے باب میں جو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور اس کو انزال نہ ہو مروی ہے کہ ان کا قول یہ ہے کہ اپنے ذکر کو دھو لے اور جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اسی طرح وضو کرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک یہ مرفوع ہے اور میرے نزدیک یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے مباشرت فاحشہ مراد ہو اس لئے کہ مباشرت فاحشہ پر جماع کا اطلاق آجاتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص کو اپنے کپڑے پر تری معلوم ہو اور اس کو احتلام کا ہونا یاد نہ ہو تو اس کو کیا حکم ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو غسل کرنا چاہئے اور اس شخص کا حکم دریافت کیا گیا کہ اس کو احتلام کا ہونا یاد ہو مگر کپڑے پر تری نہ معلوم ہو تو آپ نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے ۔ میں کہتا ہوں حکم کا مدار تری کے اوپر رکھا خواب کے اوپر نہ رکھا اس واسطے کہ خواب کبھی خیالی ہوتا ہے اور اس کا کچھ اثر نہیں اور کبھی خواب تقضاء شہوت ہوتی ہے اور وہ بغیر تری کے نہیں ہوتی پس غسل کا مدار تری پر ہی ہو سکتا ہے علاوہ بریں تری تو ایک ظاہر چیز ہے جس کی تعیین اور انضباط ہو سکتا ہے اور خواب کو اکثر آدمی بھول جایا کرتا ہے ۔

اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ طہر و حیض کی مدت کی زیادتی اور کمی کا مدار مزاج اور غذا وغیرہ کے اختلاف پر مبنی ہے اور اس کی کمی و بیشی اس طرح پر منضبط نہیں ہو سکتی کہ کسی میں اس کے خلاف پایا ہی نہ جاوے لہذا صحیح یہی ہے کہ عورتوں کی عادتوں پر اس کا مدار کیا جائے جس کو وہ یہ سمجھیں کہ حیض ہے وہ حیض ہے اور جس کو استحاضہ سمجھیں وہ استحاضہ ہے اور صحابہ اور تابعین میں جو اس کے اندر اختلاف واقع ہوا ہے اس کا سبب ہر ایک کا استقراء اور اندازہ ہے

اور ایک مرتبہ حمنہ بنت جحش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی حیض کا مسئلہ دریافت کیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو گدی کے رکھنے اور اس کے اوپر پٹی کے چڑھا لینے کا حکم دیا اور دو باتوں میں ایک بات کا ان کو اختیار دیا

اخیر حدیث تک استفتت حمنۃ فی الاستحاضۃ فامرہا بالکرسف والتلجم وخیرہا بین امرین ۔ میں کہتا ہوں اصل اس باب میں یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ استحاضہ صحت کے خلاف ایک امر ہے اور اس میں نماز کا ترک کرنا ایک مدت دراز تک تعلق الٰہی کا باعث ہو سکتا ہے تو آپ نے چاہا کہ جو ان لوگوں میں مشہور ہے اسی پر اسکو محمول کرنا چاہئے تو آپ کو دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ بات ان سے معلوم ہوئی کہ یہ کوئی رگ ہے یعنی کوئی بیماری ہے جس کا سبب دشواری سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس کا حال تحیر کا ہے تو جس طرح حالت صحت میں اسکو ہر ماہ کے اندر حیض اور طہر ہوا کرتا ہے اسی پر آپ نے اسکو بھی قائم رکھا اگر اس وقت میں حیض کے استحاضہ سے تمیز ضروری ہے تو ان میں یا تو رنگ سے تمیز ہو سکتی ہے جس کا رنگ گہرا ہو گاڑھا سیاہ وہ حیض ہے اور یا ان ایام سے کہ جو عورت کا معمول تھے تمیز ہو سکتی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ حیض فاسد ہے پس اس کا حیض ہونا اس بات کا مقتضی ہوا کہ اس کو ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا جائے اور اگر ہر نماز کے لئے غسل کرنے میں دشواری ہو تو دو نمازوں کے لئے ایک غسل تو ضرور کرے اور چونکہ وہ فاسد حیض ہے سو اسطے نماز کی اس سے ممانعت نہ کی اور گدی کے رکھنے اور اسپر لنگوٹی باندھ لینے میں یہ حکمت ہے کہ وہ خون ایسا ہی تصور کیا جائے کہ جیسے اپنی جگہ چھپا ہوا ہے اور باہر نہیں آتا ہے اور تاکہ اس کے کپڑے اور بدن اس سے آلودہ نہ ہوں اور فقہا نے پہلی بات پر قناعت کیا ہے جس صورت میں کچھ دشواری نہ ہو۔

اس بات کا بیان کہ بے وضو کو اور جنب کو کن چیزوں کا کرنا جائز ہے اور کن چیزوں سے اسکو ممانعت ہے

چونکہ شعائر الٰہی کی تعظیم ضروری ہے اور منجملہ شعائر کے نماز اور کعبہ اور قرآن بھی ہیں اور بڑی تعظیم ایک یہ ہے کہ بدون طہارت کاملہ اور بدون ایک ایسے کام کے جس سے نفس کو تنبیہ ہو جائے آدمی ان چیزوں کے پاس نہ جائے اس لئے یہ امر ضروری ہو گیا کہ جبتک آدمی پورے طور سے پاک نہ ہو ان چیزوں سے علحدہ رہے مگر قرآن کی تلاوت کے لئے وضو شرط نہیں کیا گیا اس واسطے کہ اگر ہر وقت قرآن کے پڑھنے کے ساتھ وضو کا ہونا شرط کر دیا جاتا تو قرآن کے یاد کرنے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے میں بڑی مشکل پڑتی اور اس دروازہ کا کھول دینا اور اسمیں رغبت دلانا اور جو شخص قرآن کا یاد کرنا چاہے اس کے لئے آسانی کا کرنا بہت ضروری تھا مگر جنابت کے اندر زیادہ تاکید ضروری ہوئی اور جنابت کی حالت میں قرآن کا پڑھنا بھی ناجائز قرار دیا گیا اور جنب اور حائض کو مسجد کے اندر جانا بھی جائز نہ ہوا کیونکہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر اسلام سے ہے اور وہ کعبہ کا ایک نمونہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کے بیٹھنے میں طہارت شرط نہیں کی گئی کیونکہ ہر شے کی تعظیم اس کے مناسب ہوتی ہے ۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے اور لوازم بشریت مانند حدث اور جنابت وغیرہ کے اوروں کی طرح آپ پر بھی جاری ہوتے تھے اس لئے آپ کے پاس بیٹھنے میں طہارت کا شرط کرنا قلب موضوع میں داخل تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے جس مکان میں تصویر ہوتی ہے نہیں فرشتے نہیں آتے اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنب ہو لا یدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ کو ان چیزوں سے نفرت ہے۔ اور فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس اور بت پرستوں سے نفرت یہ باتیں انکی صفات کی ضد ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں کہ جس کو رات میں نہانے کی ضرورت ہو جائز فرمایا ہے کہ وضو کر اور اپنے آلہ کو دھو پھر سو جا میں کہتا ہوں چونکہ جنابت کی حالت فرشتوں کے نشان کے منافی ہے تو مسلمان کو مناسب ہے کہ ناپاکی کے ساتھ اپنی ضروریات میں مشغول ہو جیسے سونا اور کھانے کے مشغول نہ ہووے اور اگر غسل نہ کر سکے تو وضو ہی کرے کیونکہ وہ بھی غسل کی طرح ایک قسم کی طہارت ہے فرق یہی ہے کہ شارع نے ان دونوں کا محل جدا جدا کر دیا ہے۔

تیمم کا بیان

چونکہ خدا تعالے کی عادت جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ اس پر سہل فرما دیتا ہے اور تیسیر کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے میں دقت ہے اس کو ساقط کر کے اس کا بدل مقرر کر دیا جاوے تاکہ ان کے نکالنے سے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کرتے تھے دفعتاً اس کے ترک کر دینے سے انکے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہو جائیں اس واسطے خدا تعالے نے مرض اور سفر کی حالت میں وضو اور غسل کو ساقط فرما کر اس کی جگہ تیمم کو مقرر فرمایا اور جب ایسا ہو تو اسکے بیچ میں تیمم کے وضو اور غسل کی جگہ قائم مقام کر دینے کا حکم سنا دیا گیا اور منجملہ طہارات کے تیمم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہرایا گیا یہ حکم بھی منجملہ ان بڑے بڑے امور کے ہے جن کی وجہ سے ملت مصطفویہ تمام ملل سابقہ میں ممتاز ہے جسکی بابت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب ہم کو پانی نہ ملے تو اسکے عوض (یعنی زمین کی خاک) ہمارے لئے باعث طہارت بنادی ہے جعلت تربتہا لنا طہورا اذا لم نجد الماء۔ میں کہتا ہوں اس کے واسطے زمین اس لئے خاص کی گئی کہ زمین کہیں ناپید نہیں ہوتی تو ایسی ہی چیز اس قابل ہے جس سے لوگوں کی دقت دفع ہو سکتی ہے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض چیزیں بجائے پانی کے مٹی سے ہی پاک ہو جاتی ہیں جیسے موزہ وغیرہ اور نیز اس کے استعمال کرتے میں خاکساری اور ذلت پائی جاتی ہے جیسے منہ پر خاک ملنی اور ذلت کی شان طلب عفو کے مناسب ہے۔ اور غسل اور وضو کے تیمم میں کچھ فرق نہ کیا گیا اور غسل کے تیمم میں تمام بدن پر خاک ملنا نہیں مقرر کیا گیا کیونکہ جس چیز کا مقصود ولنفسہ عقل میں نہ آوے اسکو بالخاصیت موثر سمجھنا مناسب ہوتا ہے نہ بالمقدار اور ان کا اطمینان خاطر اسی تیمم سے ایسے موقع پر ہو سکتا ہے اور دوسرے تمام بدن کا خاک میں بھر لینا بھی دقت سے خالی نہیں ہے اس کے مقرر کرنے سے پورا حرج رفع نہ ہو سکتا تھا اس قدر سردی بھی کہ جسمیں وضو کرنے سے مضرت کا یقین ہو مرض کے حکم میں ہے عمرو بن عاص نے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس پر دلیل ہے اور سفر میں اصل میں تیمم کی قید نہیں بلکہ وہ پانی کے نہ ملنے کی ایک صورت ہے کہ سفر سے پانی کا نہ ملنا بظاہر سمجھ میں آسکتا ہے تیمم کے اندر پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا حکم نہیں دیا گیا اس واسطے کہ پیر تو خود ہی گرد و غبار میں بھر

جاتے ہیں اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تاکہ نفس کو اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جائے۔
اب تیمم کرنے کی ترکیب منجملہ ان چیزوں کے ہے جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرنے کا طریقہ
مختلف واقع ہوا ہے۔ طریقہ محدثین کے طبقہ ہونے سے قبل فقہاء تابعین وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تیمم دو مرتبہ زمین پر
ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ منہ کے لئے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ اب باقی رہیں احادیث جو اس
باب میں آئی ہیں سو ان سب میں صحیح حدیث وہ ہے جو عمار نے روایت کی ہے کہ تجھ کو اسی قدر کافی ہے کہ اپنے
دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان میں پھونک مار کر دونوں ہاتھ منہ پر اور ہاتھوں پر پھیرے۔ انما کان یکفیک ان
تضرب بیدیک الارض ثم تنفخ فیهما ثم تمسح بهما وجهک وکفیک۔ اور حدیث ابن عمر سے مروی ہے کہ تیمم دو ضربے ہیں
ایک ضربہ منہ کے لئے اور ایک ضربہ ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک التیمم ضربتان ضربة للیدین الی المرفقین اور دونوں
طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل مروی ہے اور دونوں حدیثوں میں تطبیق کی وجہ ظاہر ہے
انما یکفیک کا لفظ اسکی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی ادنیٰ درجہ تیمم کا یہ ہے اور دو ضربی سنت کا مرتبہ ہے اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کی یہی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو یہ بات تعلیم فرمائی ہو کہ تیمم کے
اندر زمین پر ہاتھ مارنے سے جو ہاتھوں کو لگ جائے اس کا بدن پر ملنا مقرر کیا گیا ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ خاک میں بدن
کو بھر لیا جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس سے مقدار واجب یا حد ضربی کا بیان کرنا نہ ہو اور اسی طرح
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عمار سے فرمایا ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہو سکتا ہے اور بہ نسبت تمرغ یعنی بدن کے
خاک میں بھر لینے کے آپ کو جو کرنا مقصود ہو ویسے مسئلہ میں انسان کو اس قول پر عمل کرنا چاہئے جسکی وجہ سے
یقیناً وہ بری الذمہ ہو جائے۔

حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک جنابت سے تیمم درست نہیں ہوتا اور وہ آیہ او لامستم النساء
کو مس پر محمول کرتے ہیں اور انکے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو جاتا رہتا ہے مگر عمران اور عمار کی حدیث اس
کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔

اور میں نے کسی حدیث صحیح میں اس بات کی تصریح نہیں دیکھی کہ ہر وقت کی نماز فرض کے لئے جدا تیمم کرنے
کی ضرورت ہے اور یہ کہ غلام آبق کو تیمم درست نہیں ہے اور اسی قسم کی باتیں، در حقیقت تخریجات کے قبیلہ سے ہیں۔

اگر کوئی شخص زخمی ہو تو اس کے واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اس کو اسی قدر کافی ہے
کہ تیمم کرے اور اپنے زخم پر پٹی باندھے اور اس پر ہاتھ پھیرے اور باقی بدن کو دھو ڈالے انما کان یکفیه ان یتیمم ویعصب
علی جرحه خرقة ثم یمسح علیها ویغسل سائر جسده میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم جس طرح تمام بدن کا بدل ہے اسی
طرح ایک عضو کا بدل ہے اس واسطے کہ اس کا حال ایسا ہے جیسے کوئی موثر با خاصیت شئے کا حال ہوتا ہے اور اس
میں مسح کرنے کا حکم ہے اور اس کی وجہ موزوں کے مسح میں ہم بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ستھری مٹی مسلمان کے لئے وضو کا پانی ہے اگر دس برس تک اس کو پانی نہ ملے ان الصعید الطیب وضوء المسلم

ولو لم یجد الماء عشر سنین میں کہتا ہوں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس فرمانے سے تردد اور وہم کے دروازہ کا بند کرنا ہے ایسی باتوں میں بہت سے وہمی لوگ فکر اور تردد کیا کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رخصت کو نہیں مانتے ۔

پاخانہ میں جانے کے آداب کا بیان

یہ آداب کئی باتوں میں منحصر ہیں ایک تو قبلہ کی تعظیم ہے کہ نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم جائے ضرور کے لئے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ اس کی طرف پشت اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا اور اس میں یہ حکمت اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے شرائع متقدمہ میں تو عبادت خانوں کے اندر جو خدا کی عبادت کے لئے بنائے جاتے تھے وہ شعائر الٰہی اور شعائر دین میں سے ہوتے تھے جانا اس کا ظاہری قرینہ اور پہچان تھی ہماری شریعت نے قبلہ کی طرف کھڑے ہوتے دیکھ کر اس کا قرینہ اور علامت مقرر فرمایا پس جبکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھہرا اور قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ہیئت خدا تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے اس واسطے حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے اس بات کا استنباط فرمایا کہ یہ ہیئت تعظیم ہی کے لئے مخصوص ہے اور جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے یعنی پاخانہ کی ہیئت اس میں قبلہ کو منہ نہ کیا جائے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض لوگوں نے قبلہ کو رخ مبارک یا پشت مبارک کئے دیکھا ہے اور دونوں میں تطبیق بایں طور کی گئی ہے کہ میدان میں تو پاخانہ کرنے کی حالت میں قبلہ کو منہ یا پشت کرنا منع ہے اور مکانوں میں منع نہیں ہے اور بعضوں نے یہ تطبیق کی ہے کہ یہاں نہی کراہیت کے لئے ہے اور یہی تطبیق بظاہر مناسب معلوم ہوتی ہے ۔

منجملہ آداب کے ایک پورے طور پر صفائی کا کرنا اس واسطے تین پتھروں سے کم یعنی تین دفعہ سے کم استنجا کرنے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ بظن غالب جب تک تین دفعہ نجاست صاف نہ کی جائے نجاست دور نہیں ہوتی اور پتھر سے استنجا کرنے کے ساتھ پانی سے بھی استنجا مستحب ہے اور ایک ایسی جگہ جائے ضرور کو جانے سے احتراز کرنا چاہئے کہ جس میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو جیسے سایہ کی جگہ ہے کہ وہاں لوگ آرام پاتے ہیں یا لوگوں کا اس طرف کو راستہ ہے یا ان کی باتیں کرنے کی جگہ ہے یا ان کا ہوا پانی ہے ایسی جگہ پاخانہ کو بیٹھنا خلاف ادب ہے اور ہڈی سے استنجا کرنا بھی اسی میں داخل ہے کیونکہ وہ جنات کی غذا ہے اور ایسے ہی جتنی لوگوں کے انتفاع کی چیزیں ہیں ان کا یہی حکم ہے ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر لعنت کرنیوالوں سے ڈرو اتقوا اللاعنین اس بات کو سمجھا دیا کہ اس کے اندر علت لوگوں کی لعنت ملامت اور ان کی ایذا پہنچنے سے بچنا ہے یا ایسی کہ لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچتی مگر خود اپنی ذات کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے جیسے سوراخ میں پیشاب کرنا کیونکہ اکثر وہ سانپ وغیرہ کا سوراخ ہوتا ہے اور وہ اس میں سے نکل کر کاٹ کھاتا ہے اور منجملہ آداب کے ایک محاسن عادات کو عمل میں لانا ہے کہ اپنے داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے مقام کو داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے اور گوبر سے استنجا نہ کرے اور استنجا کرنے میں عدد طاق کو اختیار کرے

ازانجملہ یک پردہ کا اہتمام ہے کہ لوگوں سے دور ہوکر استنجا کو جاوے تاکہ کسی قسم کی آواز کو لوگ نہ سنیں اور بدبو کا اثر ان تک نہ پہنچے اور اس کا ستر نہ دیکھیں اور جب تک زمین کی قریب نہ ہو جاوے بدن نہ کھولے اور جہاں درخت وغیرہ اٹھے کھڑے ہوں جنسے اس کا پیچھے کا بدن لوگ نہ دیکھ سکیں وہاں پاخانہ کے لئے بیٹھے اگر کچھ چیز پردہ کی نہ ہو تو ریت کی ایک ڈھیری لگالے اور اسکی طرف پشت کر کے بیٹھ جاوے کیونکہ شیطان انسان کے ستر کھولنے کی جگہ شیطنت کرتا رہتا ہے۔ اس واسطے کہ شیطان کی جبلت میں افکار فاسدہ اور افعال ناشایستہ داخل ہیں ازانجملہ کپڑے اور بدن کا نجاست سے بچانا ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لئے جگہ تلاش کرے اذا اراد احدکم ان یبول فلیرتد لبولہ ازانجملہ وسواس کا دور کرنا ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہیں کوئی شخص تم میں سے اپنے نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرے کیونکہ کہ وسوسے اسی سے ہوتے ہیں لا یبولن احدکم فی مستحمہ فان عامۃ الوسواس منہ۔ اور حضرت عمرؓ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اس واسطے مکروہ ہے کہ اول تو اس سے چھینٹیں بدن اور کپڑوں پر پڑتی ہیں دوسرے بے تہذیبی ہے اور عادات حسنہ سے بالکل خلاف ہے اور ستر کے کھلنے کا بھی اسمیں احتمال قوی ہے اور فرمایا ہے پاخانے شیاطین وغیرہ کے موجود رہنے کی جگہ ہیں اس لئے جب کوئی پاخانہ میں آیا کرے دعا پڑھ لیا کرے اعوذ باللہ من الخبث والخبائث ان الحشوش محتضرۃ فاذا اتی احدکم الخلاء فلیقل اعوذ باللہ من الخبث والخبائث اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاخانہ سے باہر آیا کرتے تو یہ کہتے تھے غفرانک میں کہتا ہوں پاخانہ کو جاتے وقت اعوذ باللہ من الخبث والخبائث پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اس جگہ شیاطین مجتمع رہتے ہیں اس لئے کہ نجاست ان کو بھاتی ہے اور پاخانہ سے نکلتے وقت غفرانک کہنا مستحب ہے کیونکہ پاخانہ میں ذکر الٰہی ترک ہو جاتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے اس سے مغفرت انکی مناسب ہے اور ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں میں عذاب ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ ان دونوں میں ایک تو پیشاب کرتے ہی کھڑا ہو جاتا اور استبرا نہ کرتا تھا اما احدہما فکان لا یستبرئ من البول الحدیث میں کہتا ہوں استبرا واجب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کر کے کچھ دیر رکا رہے اور زور کر کر کے ذرا ذرا پیشاب نکالے یہاں تک کہ اس کو بات کا یقین ہو جاوے کہ اب کوئی قطرہ پیشاب کا اس کے بدن میں باقی نہیں رہا اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نجاست سے احتیاط نہ کرنا اور ناپاکی میں رہنا اور ایسے کام کرنا جس سے لوگوں میں بگاڑ پڑے عذاب قبر کے باعث ہوتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک شاخ کو بیچ میں سے چیر کر ہر ایک قبر میں اسکو گاڑ دینا یہ ان مردوں کے حق میں شفاعت مفیدہ تھا کیونکہ انکے لئے کافر ہونے کی وجہ سے شفاعت مطلقہ ناممکن تھی۔

خصال فطرت اور ان کے اور باتوں کا بیان

حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دس باتیں فطرت میں داخل ہیں مونچھوں کا ترشوانا اور داڑھی کا بڑھانا اور مسواک کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا اور ناخن ترشوانا اور جہاں جہاں میل اکٹھا ہو جاتا ہے ان مواضع کا دھونا

اور بغل کے بال اکھاڑنے اور موئے زیر ناف کا مونڈنا اور انتقاص الماء یعنی پانی سے استنجا کرنا راوی کہتا ہے دسویں
بات مجھ سے بھول گئی مگر شاید وہ مضمضہ ہو عشر من الفطرۃ قص الشوارب واعفاء اللحیۃ والسواک والاستنشاق بالماء و
قص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانۃ وانتقاص الماء یعنی الاستنجاء قال الراوی ونسیت العاشرۃ الا ان
تکون المضمضۃ۔ میں کہتا ہوں یہ خصلتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور تمام امم حنیفہ میں برابر جاری ہیں اور
اور ان کے دلوں کو جا لگی ہیں اور یہ باتیں ان کی صمیم اعتقاد میں داخل ہو گئی ہیں انہیں پر انکی زندگی ہے اور انہیں پر انکی موت
ہے قرناً بعد قرن اسی لئے انکا نام فطرت رکھا ہے اور ملت حنیفہ کے یہ شعائر ہیں اور ہر امت کے لئے شعائر ہونے بھی ضروری ہیں
تاکہ ان سے اس امت کی شناخت ہو سکے اور لوگوں سے ان باتوں پر مواخذہ کر سکیں تاکہ انکی نافرمانی اور فرمانبرداری
بظاہر معلوم ہو جائے اور شعائر بھی اس قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں کہ جو کثرت سے پائی جائیں اور بار بار وقوع میں آتی
ہیں اور ظاہر میں معلوم ہو سکیں اور اس میں بہت سے فوائد ہیں کہ لوگوں کے ذہن ان فوائد کو پورے پورے طور
پر لیتے ہیں یہاں پر اجمالاً ان فوائد کا بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں کہ آدمی کے بدن سے جو بعض مواضع میں بال نکلتے
ہیں تو ان کا قلب پر ردی اثر پڑتا ہے جو اوداث سے پیدا ہوتا ہے یعنی انقباض قلب اور بلادت وغیرہ اور اسی طرح
سر اور داڑھی کے بالوں کا پراگندہ اور خراب خستہ ہونا اس باب میں انسان کو اطباء کے کلام پر نظر کرنی چاہئے کہ انہوں
نے پتے اور خارش اور اسی قسم کے امراض جلدیہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ ایسی بیماریوں سے قلب کے اندر ملال
اور حزن رہتا ہے اور اس کا نشاط جاتا رہتا ہے اور داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے کی تمیز ہو سکتی ہے
اور مردوں کے لئے ایک قسم کا جمال اور ان کی شکل کی پورا کرنے والی ہے اسواسطے اس کا بڑھانا ضروری امر ہے
اور اس کا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الہی کی تغییر بھی پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے
سردار و خاندانی لوگ رذیل لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں جب وہ کچھ کھاتا
ہے یا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں اور یہ مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے مشرکوں کی مخالفت کرتے رہو مونچھیں تو ترشواو اور داڑھیاں بڑھاؤ خالفوا المشرکین قصوا
الشوارب واعفوا اللحی۔ اور مضمضہ کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے اور مسواک کرنے سے بدبو اور میل وغیرہ دور ہو جاتا ہے
اور ختنہ کی کھال ایک زائد عضو ہوتا ہے اس میں میل اکٹھا ہو جاتا ہے اور پیشاب کے قطرے اسمیں رک جاتے ہیں علاوہ
بریں جماع میں خوب لذت نہیں آتی اور توریت میں لکھا ہے کہ ختنہ خدا تعالے کے ابراہیم اور انکی اولاد پر نشانی ہے
اسکے یہ معنی ہیں کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جن غلاموں کا آزاد کرنا ان کو منظور نہیں ہوتا یا جو ان کی خاص خاص گھوڑے
وغیرہ ہوتے ہیں ان کے اوپر کچھ علامت کر دیتے ہیں تاکہ اوروں سے وہ تمیز ہو جائیں اسی طرح سے ختنہ خدا تعالے
کی طرف سے بندوں پر علامت ہے اور سب شعائر ایسے ہیں کہ ان میں تغییر اور شبہ ہونا بہت مشکل ہے اور انتقاص الماء
سے پانی سے استنجا کرنا مراد ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رسولوں کے طریقے میں سے چار باتیں
ہیں حیا اور ایک روایت میں ختنہ کرانا آیا ہے اور خوشبو لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا اربع من سنن المرسلین

البیا ویردی الختان والتعطر والسواک والنکاح - میرے نزدیک یہ سب باتیں طہارت کے قبیلہ سے ہیں حیا تو بیہودگی
اور بیہودگی اور فواحش کے ترک کرنے کا نام ہے اور ان باتوں سے نفس میں پلیدی اور تکدر پیدا ہو جاتا ہے
اور خوشبو لگانے سے نفس کے اندر سرور اور فرحت پیدا ہوتی ہے اور طہارت پر اس سے بہت بڑی تنبیہ ہوتی
ہے اور نکاح سے عورتوں کی طرف سے نفس کو طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور عورتوں کے وسوسے جو نفس کو اس
شہوت کے پورا کرنے کی طرف برانگیختہ کرتے ہیں دلسے جاتے رہتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ جانتا تو انکو ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک
عند کل صلوۃ - میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ اگر حرج کا ڈر نہ ہوتا تو مسواک کو وضو کی طرح نماز کے لئے شرط کر دیتا
اور اسی طور کی بہت سی احادیث اس باب میں وارد ہوئی ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اجتہاد کو حدود شرعیہ میں دخل ہے اور حدود شرعیہ کا مقدار مقاصد پر ہے اور امت سے حرج کا رفع کرنا منجملہ ان
اصول کے ہے جن پر شرائع کی بنا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرنے کی کیفیت راوی بیان کرتا ہے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرتے وقت اُع اُع کی آواز آیا کرتی تھی جیسے قے کرنے میں آواز آیا کرتی
ہے میں کہتا ہوں آدمی کو چاہئے کہ خوب اچھی طرح مُنہ کے اندر مسواک کرے اور حلق اور سینہ کا بلغم خوب نکالے اور
خوب طرح مسواک کرنے سے قلاع جاتا رہتا ہے اور آواز صاف ہو جاتی ہے اور مُنہ خوشبودار ہو جاتا ہے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک روز نہالیا کرے اور اسمیں اپنا بدن اور سر
دھو ڈالا کرے حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام یوما یغسل فیہ جسدہ وراسہ - میں کہتا ہوں ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ
غسل کرنا خود ایک مستقل سنت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے میل کچیل سے پاک رہنے کے لئے مقرر فرمایا
ہے اور تاکہ نفس کو صفت طہارت پر تنبیہ ہوتی رہی اور جمعہ کی نماز کے ساتھ ساتھ اُس کو اس واسطے مقرر کر دیا گیا ہے
تاکہ ہر ایک دوسرے سے مکمل ہو جائے علاوہ بریں جمعہ کے نماز کی اسمیں عظمت پائی جاتی ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم
چار چیزوں سے غسل فرمایا کرتے تھے ایک کو جنابت سے اور ایک جمعہ کے روز اور ایک پچھنے لگوانے کے بعد اور
مردے کے نہلانے کے بعد میں کہتا ہوں کہ پچھنے لگوانے میں تو یہ وجہ ہے کہ اسمیں خون اکثر بدن کو لگ جایا کرتا
ہے اور خون کے ایک ایک نقطہ کا جدا جدا دھونا دشوار ہوتا ہے دوسرے یہ کہ سنگیوں سے خون کا چوسنا خون کو
ہر طرف سے کھینچ لاتا ہے اور اس خاص عضو سے خون کے کم ہونے کا نفع نہیں ہوتا اور غسل کر لینے سے خون
کو ایک قسم کا انجماد ہو جاتا ہے اور اطراف سے اس کا انجذاب موقوف ہو جاتا ہے اور غسل میت سے نہانے کی
وجہ یہ ہے کہ اُس میں نہلانے والے کے بدن پر چھینٹیں بہت سی پڑ جایا کرتی ہیں - اور میں ایک شخص کے
پاس جان کندنی کے وقت بیٹھا تو جو ملائکہ ارواح کے قبض کرنے کے لیے متعین ہیں حاضرین کی روح پر بھی ایک
عجیب قسم کی تکلیف ان سے پہنچتے ہوئے معلوم ہوئی اس سے میں سمجھ گیا کہ حالت کا بدل دینا جس سے نفس کو ایک
دوسری حالت پر جو پہلی کے مخالف ہے تنبیہ ہو جائے بہت ضروری ہے اور غسل سے یہ تنبیہ ہو سکتی ہے)

ایک شخص سدوس ابن نواس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پانی اور بیر کے پتوں سے نہانے کا حکم دیا اور دوسرے کسی شخص سے فرمایا کفر کی علامت اپنے آپ سے دور کر دے میں کہتا ہوں اسمیں بھید یہ ہے کہ اسکو ظاہر میں ایک چیز سے باہر آجانا متمثل ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

پانیوں کے احکام کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ کھڑے ہوئے پانی میں جو بہتا نہیں ہے پیشاب کرے اور پھر اسمیں غسل کرے لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ۔ میں کہتا ہوں اس میں دونوں باتوں سے نہی ہے یعنی پانی میں پیشاب کرنے سے بھی اور پھر اسمیں غسل کرنے سے بھی جیسے حدیث شریف میں آیا ہے دو شخص پاخانہ کے لئے ستر کھولکر باتیں کرتے ہوئے نہ نکلیں کیونکہ خدا تعالے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جو فقط پانی میں پیشاب کرنے اور فقط اس پانی میں غسل کرنے سے نہی وارد ہوئی ہے اس سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان دو باتوں میں سے ایک بات سے خالی نہیں ہے یا تو اسمیں ہر وقت پانی کا تغیر لازم آتا ہے اور یا وہ پانی کے متغیر ہونے کا سبب ہوتا ہے کہ جب کسی کو لوگ پیشاب کرتا ہوا یا نہاتا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی ایسا ہی کرینگے اور وہ بھی منجملہ انہیں صورتوں کے ہے جن کی نسبت حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لعنت کرنے والے سے ڈرو مگر جبکہ وہ پانی جاری کیا ہوا یا خود جاری ہو تو اس کا حکم جدا ہے مگر بہتر وہاں بھی یہی ہے کہ ان باتوں سے پرہیز کرے۔

در آب مستعمل کہ جس کو کوئی قوم طہارت میں استعمال کیا کرتی تھی اور وہ مجبور اور متروک سا ہو گیا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسی حال پر رکھا کہ جیسا ان کے نزدیک تھا اور اس کی طہارت میں شک نہیں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب پانی قلتین تک پہنچ جاتا ہے تو اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا ہے اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے معنوی ناپاکی مراد ہے کہ جس کو شرع ناپاک کہتی ہے عرف اور عادت کے اعتبار سے ناپاکی مراد نہیں ہے اور جب کہ نجاست کی وجہ سے پانی کے کسی بات میں فرق آجائے اور رنگت اور کیفیت کے اعتبار سے نجاست کا اس پر غلبہ ہو جائے تو وہ اس سے خارج ہے اور قلتین کو کثیر اور قلیل پانی کے اندر حد فاصل ایک ضروری امر کی وجہ سے کیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے اور تخمینا انکل سے یہ حد مقرر نہیں کی گئی ہے اور تمام تقادیر شرعیہ کا حال ایسا ہی کسی کے اندر تخمینے اور انکل کو دخل نہیں دیا گیا اور وہ ضروری امر یہ ہے کہ پانی کے رہنے کی دو جگہ ہیں ایک تو معدن اور ایک برتن معدن تو کنوئیں اور چشمے ہیں اور جھیل بھی انہیں میں شامل ہے اور برتن مشک اور گھڑا اور طشت اور مخضب اور راوہ اور معدن تو ایسی چیز ہے کہ اس کے ناپاک ہونے سے پرہیز ہو جاتا ہے اور اس کے پانی کھینچنے میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے اور برتن تو روزمرہ بھری جایا کرتے ہیں اور ان کا پانی انڈیلنے میں کچھ دقت نہیں ہو سکتی علاوہ بریں معادن کے لئے ڈھکن نہیں ہوتا اور اس پانی کو جانور بھی

وبرا ور درندوں کے منہ ڈالنے سے نہیں محفوظ رہ سکتے اور برتنوں کے محفوظ رکھنے اور ڈھکنے رہنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہے
جو ان جانوروں کے جو گھروں میں پھرتے رہتے ہیں اور نیز معادن میں پانی کثرت سے ہوتا ہے بہت سی نجاست کا بھی
نہیں پتہ نہیں لگتا اور اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا بخلاف برتنوں کے اسواسطے یہ بات ضروری ہوئی کہ معدن کا حکم اور ہو اور
ظروف کا اور حکم ہو اور معادن میں ان چیزوں کی معافی دیجائے کہ ظروف میں جن سے معافی نہیں ہے اور معدن اور ظروف
میں سوائے قلتین کے کوئی چیز حد فاصل نہیں ہوسکتی اسواسطے کہ کنواں اور چشمہ قلتین سے تو کسی طرح کم ہوہی نہیں سکتا
اور جو پانی قلتین سے کم ہو اس کو تو حوض کہتے ہیں نہ تالاب کہتے ہیں بلکہ اس کو گڑھا کہتے ہیں اور گر دو قلہ پانی ہموار زمین
میں ہو تو غالباً پانچ بالشت چوڑی اور سات بالشت لانبی جگہ میں رہے اور وہ حوض کا ادنیٰ درجہ ہے اور عرب میں سب سے
بڑا برتن پانی کے رکھنے کا مٹکا ہوتا ہے اور انمیں اس سے بڑا کوئی برتن نہیں معلوم ہوتا اور مٹکے بھی سب برابر نہیں ہوتے
بعض ڈیڑھ قلہ کے برابر ہوتے ہیں بعض سوائے بعض ایک تہائی کے لیکن یک قلہ دو کے برابر نہیں ہوتا پس قلتین یعنی دو قلہ کی
مقدار ایسی ہے کہ کوئی برتن اس مقدار کو نہیں پہنچتا اور کوئی معدن اس سے کم نہیں ہوتا ہے اس واسطے آب قلیل اور آب کثیر
کے اندر قلتین کی مقدار حد فاصل قرار پائی و نیز قلتین کا قائل نہیں جیسے مالک اس نے بھی آب کثیر کا اندازہ قلتین کے قریب
قریب بتقدار سے کیا ہے یا جنگل کے کنوؤں میں اونٹ کی مینگنی کے برابر نجاست کا معافی کا حکم دیا ہے یہاں سے انسان کو
معلوم کرنا چاہئے کہ حدود شرعیہ ایسی ایسی ضروری صورتوں میں قائم کی گئی ہیں کہ انکے بغیر لوگوں کو چارہ ہی نہیں ہوسکتا اور
ان کے سوا کسی کی عقل میں آ ہی نہیں سکتا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانی پاک کرنیوالا ہے کوئی چیز اسکو ناپاک نہیں کرسکتی الماء طہور لا ینجسہ شئے
اور فرمایا ہے پانی ناپاک نہیں ہوا کرتا الماء لا یجنب۔ اور فرمایا مومن ناپاک نہیں ہوتا المومن لا ینجس اور اسی قسم کی اخبار مروی
ہیں کہ بدن ناپاک نہیں ہوتا اور زمین ناپاک نہیں ہوتی ان البدن لا ینجس والارض لا تنجس میں کہتا ہوں ان سب سے نجاست
خاص کی نفی مراد ہے جو قرائن حالیہ و مقالیہ سے مفہوم ہوتی ہے پانی کے ناپاک نہ ہونے سے تو یہ مراد ہے کہ معادن نجاست
کے پڑنے سے جب نجاست ان میں سے نکال کر پھینک دیجائے اور پانی کی کوئی صفت بھی نہ بدلے اور اس کا اثر ظاہر
نہ ہو ناپاک نہیں رہتے اور بدن کو کیسی ہی ناپاکی لگ جائے جب دھو ڈالو پاک کا پاک ہوجاتا ہے ناپاک نہیں رہ سکتا
اور زمین بھی کیسی ہی ناپاک ہو مینہ کے برسنے اور دھوپ کے پڑنے اور خلقت کے اسپر چلنے پھرنے سے صاف ستھری
ہوجاتی ہے نجاست کا نام بھی نہیں رہتا اور بیر بضاعہ میں کوئی گمان کرسکتا ہے کہ اس میں نجاستیں پڑی رہا کرتی تھیں کسی طرح
یہ گمان نہیں ہوسکتا اسواسطے کہ ایسی چیز سے بنی آدم کو فی اجتناب ہوتا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح اس کا پانی
پی سکتے تھے بلکہ جس طرح ہمارے زمانہ میں کنوؤں کے اندر نجاستیں پڑجاتی ہیں اور قصداً کوئی ان کو نہیں ڈالتا اسی طرح اسمیں
بھی نجاستیں پڑجاتی تھیں اور پھر نکال کر پھینک دیا کرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو انہوں نے طہارت شرعیہ کا جو انکی طہارت
سے علاوہ ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا پانی پاک کرنے والی چیز ہے کوئی چیز اس کو ناپاک
نہیں کردیتی یعنی اس کا ناپاک ہونا وہی ہے جو تم بھی جانتے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ کوئی تاویل یا

حصر عن الظاہر نہیں ہے بلکہ عرب کا کلام اسی طرح ہوتا ہے دیکھو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہہ دے میرے پاس جو وحی کیا گیا ہے اُسمیں کھانے والے کے لئے کوئی کھانے کی چیزیں حرام نہیں پاتا مگر اخیر آیت تک قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الآ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں میں تم جھگڑتے رہتے ہو اُن میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا مگر اور جب کوئی شخص کسی طبیب سے کسی چیز کے استعمال کرنے کو دریافت کرے اور وہ کہے کہ اُس کا استعمال جائز نہیں ہے تو اُس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اُس کی مراد صحت بدنی کے اعتبار سے اُس کے استعمال کا ناجائز ہونا ہے اور جب فقیہ سے کسی امر کی بابت دریافت کیا جائے اور وہ اُس کا ناجائز ہونا بیان کرے تو اس کی مراد عدم جواز سے عدم جواز شرعی کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے حرمت علیکم امہٰتکم تو اس سے حرمت نکاح مراد ہے اور فرماتا ہے حرمت علیکم المیتۃ اس سے حرمت اکل مراد ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدوں ولی کے نکاح نہیں ہوتا لا نکاح الا بولی تو اس سے مراد یہی ہے کہ شرع میں وہ جائز نہیں ہوتا یہ مراد نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوا کرتا اور اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں اور وہ ماول نہیں ہیں۔

جب پانی کے اوپر سے پانی کا اطلاق جاتا رہے اور اُسمیں کوئی قید لگجائے اُس سے وضو کرنے سے باری الٰہے میں شرع منع کرتی ہے البتہ ناپاکی کے اُس سے دور ہو جانے کا احتمال ہے بلکہ ظن غالب یہی ہے کہ نجاست اُس سے رفع ہو سکتی ہے پھر لوگوں نے بہت سے فروع کنوئیں کے اندر جاندار چیز کے مرجانے اور دہ در دہ اور آب جاری کے متعلق نکال لئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ان سب مسائل میں احادیث مروی نہیں ہیں اور صحابہ اور تابعین سے جو اُسمیں آثار مروی ہیں جیسے ابن زبیر سے زنگی کے بارے میں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے چوہے کے بارے میں اور نخعی اور شعبی سے بلی کے قریب قریب جانوروں میں سو یہ آثار نہ تو محدثین نے اُن کی صحت کی گواہی دی ہے اور نہ قرون اولےٰ کے جمہور کا اُنپر اتفاق ہے اگر وہ آثار صحیح بھی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ حکم دلوں کی تطییب اور پانی کی نظافت کے لئے ہوا ور وجوب شرعی کے اعتبار سے نہ ہو جیسا کہ کتب مالکیہ میں مذکور ہے اور اگر یہ احتمال صحیح نہیں ہے تو بہت دقت پڑتی ہے الحاصل اس باب میں کوئی مستند اور واجب العمل حدیث نہیں ہے اور باشبہ قلتین کی حدیث ان سب سے زیادہ تر ثابت ہے اور یہ بات محال ہے کہ خدا تعالےٰ نے ان مسائل میں اپنے بندوں کے لئے ان تدابیر کے اوپر جو اُن کے واسطے لازم میں کچھ بڑھایا ہو اور باوجود ان چیزوں کے کثرت وقوع اور عموم بلوے کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی صاف صاف تصریح نہ فرمائی ہو اور صحابہ اور تابعین کو اُس سے استفادہ نہ ہوا ہو اور جز واحد بھی اُسمیں مروی نہ ہو واللہ اعلم۔

نجاستوں کے پاک کرنیکے بیان میں

نجاست اُس چیز کا نام ہے جس کو سلیم الطبع لوگ ناپاک سمجھیں اور اُس سے پرہیز کریں اور اگر انکے کپڑے کو لگ جائے تو اُن کو کپڑا دھونا پڑے جیسے پیشاب۔ پاخانہ۔ اور خون۔ نجاستوں کا پاک کرنا اُن کی دستور سے مستنبط اور ماخوذ

ہے اور گوبر ناپاک ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث اس پر دلیل ہے اور ماکول اللحم کا پیشاب بلاشبہ نجس ہے طبائع سلیمہ اسکو نجس جانتے ہیں بعض بیماریوں کے لئے مفید ہونے کی وجہ سے اُسکے پینے کی اجازت دیگئی ہے اور اسکی طہارت یا خفت نجاست کا دفع حرج کی غرض سے حکم دیا گیا ہے شارع نے شراب کو بھی نجاسات ہی میں داخل کیا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ناپاک شیطان کا فعل ہے رجس من عمل الشیطان۔ اسلئے کہ خداتعالےٰ نے شراب کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے اس واسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ اسکو پیشاب اور پاخانہ کے برابر کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی برائی متمثل ہو جائے اور اس سے خود بخود اُن کے دلوں کو اس کی طرف سے کشیدگی ہو جائے۔ حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو اسکو سات مرتبہ دھونا چاہئے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اُن سات دفعہ میں سے اول دفعہ مٹی سے دھوئے اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات وفی روایۃ اولٰھن بالتراب۔ میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کتے کے جھوٹے کو بھی نجاسات میں شامل کیا اور نجاستوں میں سے بھی اُس کو شدید النجاست کا حکم دیا کیونکہ کتا ایک ملعون چیز ہے فرشتوں کو اس سے نفرت ہے اور اس کا بلاوجہ گھر میں رکھنا اور اس کے ساتھ مخالطت کرنا ہر روز اسکے اعمال میں سے بقدر ایک قیراطؓ کے اجر کم کرتا ہے اور اس کا بھید یہ ہے کہ وہ اپنی جبلت ہی میں شیطان کے مشابہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی عادت میں شیطنت اور غصہ اور نجاسات میں متلطخ ہونا اور لوگوں کو ستانا داخل ہے اور شیطان کی طرف سے بھی اس کو کچھ تعلیم ہوتی رہتی ہے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ کتوں سے خلط ملط رکھتے ہیں اور کچھ اُن کو پروا نہیں ہوتی اور بالکل منع کر دینے کا بھی موقع نہ تھا کیونکہ کھیتی اور مویشی اور نگہبانی اور شکار کے واسطے اس کی ضرورت ہے اس واسطے آپ نے اس سے بچانے کی یہ تدبیر کی کہ پوری پوری پاکی کی اس کے اندر آپ نے شرط کی اور ایسا حکم دیا کہ کسی قدر ان کو ہمیں وقت بھی پڑا کرے تاکہ اس قدر پاک کرنا دوک ٹوک میں کفارہ کے برابر ہو جائے اور بعض حاملین علم کو یہ آگاہی ہوئی ہے کہ سات دفعہ دھونا اصل میں کوئی حکم نہیں ہے بلکہ اس سے تاکید مقصود ہے اور بعض نے ظاہر حدیث کا لحاظ کیا ہے گو احتیاط ہی افضل چیز ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہا دو ہریقوا علی بولہ سجلا من ماء۔ میں کہتا ہوں زمین پر خوب سا پانی ڈالنے سے پیشاب کی ناپاکی دور ہو جاتی ہے اور یہ اس دستور سے ماخوذ ہے جس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ بہت سا مینہ پڑنے سے زمین ستھری ہو جاتی ہے اور بہت سا پانی پڑنے سے بدبو کا اثر بھی جاتا رہتا ہے اور پیشاب پراگندہ ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم عورتوں میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جایا کرے تو اسکو چاہیئے کہ چٹکی سے اس خون کو رگڑ دے پھر اس کو چاہیے کہ پانی سے بار بار اسکو دھوئے پھر اس کپڑے سے اسکو نماز پڑھ لینی چاہئے اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضۃ فلتقرصہ ثم لتنضحہ بماء ثم لتصل فیہ۔ میں کہتا ہوں خود نجاست اور اس کے اثر کے جاتے رہنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور ان تمام خصوصیات سے فی الحقیقت اس کے زوال کی ایک صورت کا بیان کرنا مقصود ہے جو زوال کے لئے کافی ہو جاتی ہے اور اس پر آگاہ کرنا مقصود

ہے طہارت کے واسطے پیشرہ نہیں سے اب باقی رہی منی سو فقط مردہ ہی نجس چیز ہے کیونکہ نجاست کی تعریف جو ہم بیان
کر چکے ہیں اسمیں بھی پائی جاتی ہے اور کھرچ دینے سے خشک منی سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ گاڑھی ہونے کی وجہ
سے کھرچنے کے قابل بھی ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لڑکی کے پیشاب سے تو کپڑے کو دھونا چاہئے
اور لڑکے کے پیشاب سے دھو دیا جائے یغسل من البول الجاریۃ ویرش من بول الغلام میں کہتا ہوں ایام جاہلیت
میں یہی دستور تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو برقرار رکھا اور اس کی کئی وجہ ہیں اول تو لڑکے کا پیشاب منتشر
ہوتا ہے اور اس کا ازالہ کسی قدر دقت سے ہوتا ہے اور لڑکی کا پیشاب ایک ہی جگہ رہتا ہے اور بسہولت زائل ہو سکتا
ہے دوسرے یہ کہ لڑکی کا پیشاب لڑکے کے پیشاب سے گاڑھا اور بدبودار زیادہ ہوتا ہے تیسرے لڑکوں سے
لوگوں کو رغبت ہوتی ہے اور لڑکیوں سے نہیں ہوتی اور اہل مدینہ اور ابراہیم نخعی نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے
اور امام محمدؒ نے اسمیں ذومعنی بات کی ہے لوگوں نے جو مشہور کر رکھا ہے اس سے دھوکے میں پڑنا نہ چاہیے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چمڑا جب پکا لیا گیا تو پاک ہو گیا اذا دبغ الاھاب فقد طھر میں کہتا ہوں حیوانات کے
پکے ہوئے چمڑوں کا استعمال کرنا تمام فرقوں کے نزدیک مسلم اور جاری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پکا لینے کیوجہ سے
چمڑے کی بدبو اور اس کا گھناپن جاتا رہتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے نجاست
کے اوپر کسی کا جوتہ پڑ جائے تو مٹی اسکے لئے پاک کرنیوالی ہے اذا وطی احدکم بنعلہ الاذی فان التراب لہ طھور میں کہتا
ہوں جوتہ اور موزہ اگر نجاست جسمدار ہو تو رگڑ دینے سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سخت چیزیں ہیں نجاست کا ان
میں نفوذ نہیں ہوتا۔ ظاہر یہی ہے کہ چاہے وہ نجاست ان کے اوپر خشک ہو جائے یا تر رہے مٹی سے رگڑنے
سے وہ پاک ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بلی کے لئے فرمایا ہے کہ وہ گھر میں پھرنیوالی اور پھرنے
والوں میں سے ہے انہا من الطوافین والطوافات۔ میں کہتا ہوں اس کے معنی ایک قول کے موافق یہ ہیں کہ اگرچہ
وہ نجاستوں میں منہ ڈالدیتی ہے اور چوہوں کا شکار کرتی ہے مگر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے جھوٹے
کی پاکی کا حکم دیا جائے کیونکہ حرج کا دفع کرنا اصول شرعیہ میں سے ہے اور ایک قول کے موافق اس سے ہر جاندار چیز
پر رحم کرنے کی رغبت دلانا آپ کو مقصود ہے اور سائلین اور سائلات کے ساتھ آپ نے اس کو تشبیہ دی
ہے۔ واللہ اعلم۔

اُن احادیث کا ذکر جو نماز کے باب میں وارد ہوئی ہیں

معلوم کرو کہ نماز تمام عبادتوں میں بڑی عظیم الشان اور سب سے زیادہ یقینی اور لوگوں میں مشہور اور سب عبادتوں
سے زیادہ نفس کے اندر موثر اور نافع عبادت ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارع نے اسکی فضیلت بیان کرنے اور اسکے
اوقات کی تعیین اور اس کے شروط اور ارکان اور آداب اور خصلتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب
عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے اور دین کا اس کو ایک عظیم الشان شعار گردانا ہے اور تمام ہیو دار نصاری

مجوس اور بقایا مت اسماعیلیہ اس کو مانتی رہی ہیں اور ان کے جماہیر کا اس پر اتفاق ہے اور جو باتیں انہوں نے تحریف کر کے اپنی طرف سے بنا رکھی تھیں جیسے یہودی شتانو ہے اور جوتے کے ساتھ نماز کو مکروہ جانتے تھے اور اسی طرح کی باتیں نکال رکھی تھیں اس لئے ان باتوں کا لوگوں سے ترک کرانا نہایت لازم ہوا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ مسلمانوں کا طریقہ انکے طریقے کے خلاف ہو اسی طرح مجوسیوں نے اپنا دین بگاڑ رکھا تھا اور سورج کو پوجنا اختیار کیا تھا اس لئے ملت اسلام کو انکی ملت سے نہایت تمیز کی ضرورت ہوئی اور مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ ان کی نمازوں کے وقت نماز پڑھیں ۔

چونکہ نماز کے احکام کثرت سے ہیں اور اس کے اصول کہ جن پر نماز کی بنا ہے بہت ہیں اسواسطے کتاب الصلوۃ کے شروع میں ہم نے اصول کا ذکر نہیں کیا جس طرح اور کتابوں میں ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ ہر فصل کے اصول کو اس فصل کے اندر ہی بیان کر دیا ہے ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کی عمر کے ہو جائیں اور جب وہ دس دس برس کے ہو جائیں تو نماز کے اوپر ان کو مارا کرو اور ان کو جدا جدا لٹایا کرو مروا اولادکم بالصلوۃ وہم ابناء سبع سنین واضربوہم علیہا وہم ابناء عشر سنین وفرقوا بینہم فی المضاجع میں کہتا ہوں بچے کے بلوغ کی دو قسمیں ہیں ایک تو اس حد کو پہنچ کر وہ اس میں ادراک کے صحیح یا سالم ہونے کے ساتھ متصف ہو سکے اور یہ صرف عقل سے ہوتا ہے اور عقل کا ظاہر ہونا سات کی عمر سے معلوم ہو جایا کرتا ہے سات برس کی عمر میں لڑکا یقیناً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جایا کرتا ہے اور عقل کے پورے ہونے کی علامت دس سال ہیں دس برس کا لڑکا اگر اس کا مزاج درست ہو تو پورا ہوشیار ہوتا ہے اور اپنے نفع و نقصان کو خوب پہچاننے لگتا ہے تجارت اور دیگر معاملات میں اس کی ہوشیاری ظاہر ہوتی ہے دوسرا درجہ بلوغ کا چند امور کے لئے ملحوظ ہوتا ہے اسمیں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ جہاد اور سزاؤں کے قابل ہوا یا نہیں بلوغ کے ایسے درجے سے وہ ان آدمیوں میں شامل ہو جاتا ہے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں اور انتظامات تمدن اور مذہب میں ان لوگوں کی حالت لحاظ کے قابل ہوتی ہے اور جو لوگ زبردستی راہ راست چلنے پر مجبور کئے جاتے ہیں بلوغ کے اس درجے میں پوری عقل اور پورے جثہ پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اس کا اندازہ اکثر لوگوں میں پندرہ سال ہے اس بلوغ کی علامتیں یہ ہیں کہ اس کو احتلام ہونے لگے اور زیر ناف بال نکل آویں نماز میں دو لحاظ کئے گئے ہیں اول یہ کہ نماز بندہ اور خدا تعالے میں ایک ذریعہ ہو جاوے اور بندے کو ایک نہایت پست تر حالت میں گرنے سے باز رکھے اس لحاظ سے بلوغ کے پہلے درجہ کے وقت نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہو اور اس پر مواخذہ کیا جاوے اور لوگ اس پر مجبور کئے جائیں خواہ ان کی خود مرضی ہو یا نہ ہو جیسے اور امور کا حکم ویسے ہی نماز کا بھی ہے اور چونکہ دس سال کی عمر بلوغ کے دونوں حدوں کے بیچ میں ایک برزخ کی حالت تھی اس میں بلوغ کی دونوں جہتیں جمع تھیں اسلئے دونوں حالتوں سے اس کو حصہ دیا گیا اور علیحدہ علیحدہ سونے کا حکم اسواسطے دیا گیا کہ یہ زمانہ آغاز جوانی کا ہوتا ہے ۔

کچھ بعید نہیں ہے کہ یکجا ہونے سے خلاف فطرت خواہشیں پیدا ہوں اسلئے ضرور ہوا کہ واقع ہونے سے پہلے خرابی کا ذریعہ بند کر دیا جاوے ۔

نماز کی فضیلت کا بیان

خدا تعالے فرماتا ہے بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں ان الحسنات یذہبن السیئات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے فرمایا ہے جس نے پہلے ایک گناہ کیا تھا اور پھر اس نے جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھ لی کہ یقینا خدا تعالے نے تیرے گناہ کو بخشدیا فان اللہ قد غفر لک ذنبک اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر ہو اور اس میں روزانہ وہ پانچ مرتبہ نہایا ہے تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے لوگوں نے کہا نہیں باقی رہ سکتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی حال نماز پنجگانہ کا ہے ان سے بھی خدا تعالے خطاؤں کو بالکل دور کر دیتا ہے لو ان نہرا بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمسا ہل یبقی من درنہ شئی قالوا لا قال فذلک مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ بہا الخطایا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان رمضان تک اگر کبائر سے پرہیز کیا جاوے تو اپنے درمیان کے گناہوں کو دور کر دیتے ہیں الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینہن اذا اجتنب الکبائر ۔ میں کہتا ہوں نماز میں دونوں باتیں موجود ہیں تزکیہ نفس اور اخبات اور اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اس سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ اس سے مٹ جاتی ہے اور وہ صفت اس سے ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کبھی اس کا نام بھی اس میں نہ تھا اب جس شخص نے نمازوں کو پورے طور پر ادا کیا اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع اور سجود اور خشوع اور اس کے اذکار اور اشکال کو کامل طور پر ادا کیا اور ان صورتوں سے معانی اور ان اشباح سے ارواح کا اس نے ارادہ کیا تو ضرور ہے کہ وہ شخص رحمت الہی کے عظیم الشان دریا میں پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالے اس کے گناہ محو فرما دیتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بندے میں اور اس کے کافر ہونے میں نماز چھوڑنے کی دیر ہوتی ہے بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ میں کہتا ہوں نماز اسلام کا بہت بڑا شعار ہے اور اسلام کی ایسی علامات میں سے ہے کہ جس کے جاتے رہنے سے اگر اسلام کے جاتے رہنے کا حکم کر دیا جاوے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بہت ہی مناسبت اور موانست ہے اور نیز اسلام کے معنی کو کہ خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا لینے کا نام ہے نماز ہی خوب ادا کرتی ہے اور جسکو نماز سے حصہ نہ ملا اور محروم رہا تو وہ اسلام سے کیا نفع پاتا بجز اسلام کے نام کے جسکا کچھ عند اللہ اعتبار نہیں ہے ۔

نماز کی اوقات کا بیان

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی کرنا اور ملائکہ کے ساتھ مجانست پیدا کر لینا بدوں نماز پر دوامت اور اس کے التزام اور کثرت کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور نماز کی کثرت سے ہی اثقال بیع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتے ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ انکو ایسا حکم دیا جائے کہ انکو تدابیر ضروریہ کے ترک کرنا اور احکام جبیہ سے بالکل خارج ہو جانا پڑے اسواسطے حکمت الٰہی کا مقتضی ہوا کہ انکو زمانے کے ہر ایک حصہ کے بعد نماز کی پابندی اور اسکی مداومت کا حکم دیا جائے تاکہ نماز سے قبل اسکا انتظار کرنا اور اسکے لئے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اسکے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی خدا تعالےٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے اور اس کی طاعت میں دل معلق رہے اسمیں مسلمان کا حال اس گھوڑے کا سا رہتا ہے جسکی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے وہ دو ایک دفعہ کودتا ہے اور پھر وہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلونکے اندر نہیں بیٹھتی حقیقتاً دوست کے ناممکن ہونے کی صورت میں اسی طرح کی راحت ہو سکتی ہے اب آخر کار چونکہ نمازوں کے لئے اوقات کے تعیین ضروری ہوئی اور کوئی وقت نماز کے لئے زیادہ تر چار وقتوں سے زیادہ مناسب روحانیت کا عالم میں ظہور اور ملائکہ کا نزول اور بندوں کے اعمال خدا تعالےٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں اور انکی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور گویا اہتمام ان لوگوں نے جو ملاء اعلےٰ سے فیضان حاصل کرتے ہیں مان لیا ہے مگر یہ بات ظاہر ہے کہ تمام لوگوں کو آدھی رات کے نماز پڑھنے کیساتھ مکلف کرنا ممکن نہیں ہے اسواسطے فی الحقیقت نماز کے وقت تین ہیں صبح و شام اور شب کی تاریکی چنانچہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا ہے قائم کرنا کو سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک اور قرآن پڑھنا فجر کا بیشک فجر کے وقت قرآن پڑھنا روبرو ہے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا الی غسق اللیل۔ اسواسطے فرمایا ہے شام کی نماز کا شب کی تاریکی سے ملجاتی ہے کیونکہ انمیں کوئی فصل پایا ہی نہیں جاتا اسی وجہ سے عند الضرورت ظہر اور عصر مغرب اور عشا کو ساتھ پڑھ لینا درست ہے پس یہ ایک اصل ہے اور یہ مناسب بھی تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت سا فصل رکھا جاتا اسواسطے کہ اس صورت میں انتظار اور التزام کے معنی میں فرق آ جاتا اور جو حالت نفس کو پہلی نماز سے حاصل ہوئی تھی دوسری نماز تک نسیاً منسیاً ہو جایا کرتی اور یہ بھی مناسب نہ تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت تھوڑا سا فصل رکھا جاتا ورنہ انکو معاش کے حاصل کرنے کی فرصت نہ ہوا کرتی اور ایسی ظاہر اور محسوس انکے واسطے حد کا مقرر کرنا ضروری تھا جسکو خاص و عام سب معلوم کر لیا کریں اور وہ کہ اسی چیز کو کہ خاص و عام اوقات کا اندازہ کرنے میں اس کا استعمال کیا کرتے ہیں کسی قدر زیادہ کر دیا ہے اور بہت نہیں بڑھایا ہے دن کا چوتھائی حصہ اس قابل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تین ساعت ہوا اور رات اور دن کا بارہ اجزا کی طرف منقسم ہونا تمام اقالیم کے نزدیک جنمیں یہ تجربہ ممکن ہے متفق علیہ ہے اور اہل زراعت اور تجارت اور اہل صنعت وغیرہ ہم میں اکثر یہی دستور ہے کہ صبح سے دوپہر تک اپنی اپنی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ دن کے ساتھ کا شغل ہی وقت

ہوتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے اور بنایا ہم نے دن کو روزگار وجعلنا النهار معاشا اور فرمایا ہے تاکہ تم اُس کے فضل سے
طالب ہو لتبتغوا من فضله اور بہت سے اشغال اس قسم کے ہوا کرتے ہیں کہ انکے کرنے کے لئے ایک مدت طویل
کی حاجت ہوتی ہے اور سب لوگوں کا ایسے وقت میں نماز کے لئے تیار ہونا اور باقی کاموں سے یکسو ہوجانا موجب حرج
عظیم کا ہوتا ہے اسی واسطے شارع نے دن چڑھے کی نماز کو اُنکے اوپر فرض نہیں کیا مگر اسکی طرف رغبت پوری پوری لاتی
ہے پس یہ بات ضروری ہوئی کہ شام کی نماز کے دو حصے ہو جاویں اور انکے درمیان میں قریب دن کے ایک ربع کا
فصل ہو اور وہ ظہر اور عصر کی نماز ہے اور اسی طرح رات کی نماز کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور اسی کے قریب وقت کا
ان دونوں میں بھی فصل رہے اور وہ مغرب اور عشا کی نماز ہے اور یہ بات بھی ضروری کہ بالضرورت کہ جسکے بغیر چارہ
ہی نہ ہو ایک وقت کے دونوں حصوں کو جمع نہ کیا جاوے ورنہ وہ مصلحت کہ تعیین اوقات میں جس کا لحاظ کیا گیا ہے
فوت ہوئی جاتی ہے اور یہ دوسری اصل ہے اور تمام اقالیم صالحہ کے باشندے اور جن کا مزاج حالت اعتدال پر
ہے جو شرائع سے مقصود بالذات میں ہمیشہ انکا یہ دستور ہے کہ اپنے خوابوں سے جب سے صبح کی روشنی ہوتی اور جب تک
شب کی تاریکی آتی ہے اپنے حواس اور فکر کو مصروف رکھتے ہیں اور نماز کے ادا کرنے کے لئے مناسب وقت یا تو
وہ ہے کہ جس وقت آدمیوں کا نفس اشغال معاشیہ کے اثر اور انکے رنگ سے خالی ہو مثلے آدمی نیند اچاٹ ہونے کو بھول
ہوا کرتا ہے ایسے وقت میں عبادت کو چونکہ خالی دل ملجاتا ہے تو اُسمیں جگہ کر لیتی ہے اور نفس کے اندر اس کا پورا اثر
پیدا ہوجاتا ہے چنانچہ تبارک وتعالے فرماتا ہے وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهودا اور یا وہ وقت مناسب ہے۔
کہ جب آدمی سونے کے قریب ہوتا ہے تاکہ جو کچھ کدورتیں اسکے قلب میں دن کے اشغال سے پیدا ہوگئی ہیں۔
اُن کے لئے اس وقت کی نماز کفارہ اور دل کے واسطے بمنزلہ صیقل کے ہو جاتے چنانچہ حضور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے جس نے عشا کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ شب کے نصف اول میں قیام کرنے کے برابر ہوا اور
جس شخص نے عشا اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ رات بھر قیام کرنے کے برابر ہوا من صلى العشاء في جماعة كان
كقيام نصف الليل الاول ومن صلى العشاء والفجر في جماعة كان كقيام ليلة اور ایک وہ وقت ہے کہ جب وہ کاروبار میں
مشغول ہوتے ہیں جیسے دن چڑھے کا وقت ہے تاکہ ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے دنیا کے اندر انہماک میں کمی ہو
جاوے اور اس کے واسطے تریاق کا کام دیوے مگر اسمیں یہ بات ہے کہ تمام لوگوں کو اس سے مکلف نہیں کر سکتے
کیونکہ اسوقت میں یا تو ان سب کو اپنے کاروبار چھوڑنے پڑینگے یا نماز چھوڑنی پڑیگی اور یہی ایک اصل ہے اور نیز تعیین
اوقات کے اندر اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ جو انبیاء سابقین سے ماثور ہے اس طریقہ کو اختیار کیا جاوے اس
واسطے کہ اس طریقہ کا اختیار کرنا ادائے طاعت پر نفس کے لئے خود ایک بڑا اور متنبہ اور ہوشیار کرنے والا ہوگا اور اس کی
وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر عبادت الہی میں ترقی چاہینگے اور جو ان میں سے صالح ہونگے لوگوں میں انکا ذکر جمیل جاری
ہوگا جسکی نسبت حضرت جبرائیل نے فرمایا ہے یہ آپ سے پیشتر گذرے ہوئے انبیاء کا وقت ہے هذا وقت الانبياء
من قبلك ۔

الحاصل اوقات کے مقرر کرنے میں بڑے بڑے اسرار عمیقہ ہیں اسواسطے حضرت جبرائیل علیہ السلام آدمی کی صورت
میں تشریف لائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز پڑھی اور نماز کے اوقات آپکو سکھلائے اور ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے
اُس سے جمع بین الصلوتین کے جواز کی وجہ فی الجملہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد اور نماز چاشت کا واجب ہونا اور ایسے
ہی اور انبیاء پر واجب ہونے کی وجہ جیسا کہ علما نے بیان کیا ہے اور لوگوں کے لئے اُسکا نفل ہونا اور نمازوں کے
انکی اوقات پر ادا کرنے کی تاکید کا سبب معلوم ہو گیا واللہ اعلم۔ اور اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی ساعت
کے اندر نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اسمیں حرج عظیم تھا اسواسطے اوقات کے اندر کسیقدر توسیع
اور گنجایش بھی کر دیگئی اور چونکہ وہی قرائن جو عرب کے نزدیک خاص تھے اور اُنے واقعی اسکو معلوم کر سکتے تھے اسی قابل
تھے کہ ان کے موافق احکام مقرر کئے جائیں اسواسطے اوقات کے اوایل اور اُن کے اواخر کے لیے حدیں جو منضبط
اور محسوس ہیں مقرر کیگئیں اور ان اسباب کے مجتمع ہونے کی وجہ نمازوں کے اوقات چار قسم کے ہو گئے ایک تو تحدید
یہ تو وہ وقت کہ اسمیں بلا کراہت نماز ہو جاتی ہے اور زیادہ معتبر اس میں دو حدیثیں ہیں ایک تو وہ حدیث کہ جس میں
حضرت جبرائیل علیہ السلام کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دو روز تک نماز پڑھنے کا بیان ہے اور ایک بریدہ کی
حدیث جسمیں یہ بیان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات دریافت کرنے والے کو یہ جواب دیا کہ دو
روز تک آپ نے نماز پڑھکر اُسکو دکھا دیا اور ان دونوں میں سے جو مفسر ہے دوسری حدیث پر جو مبہم ہے اس کا حکم
ناطق ہو گا اور جو حدیث خلاف ہو گی اسمیں بریدہ کی حدیث پر عمل کیا جائیگا کیونکہ وہ مدنی ہیں اور متاخر ہیں اور پہلے لوگ
ہیں اور ان سے متقدم ہیں اور متاخر کا ہی اعتبار ہوتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا اخیر وقت شفق کے غائب
ہونے سے قبل ہے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے روز تھوڑی ہی دیر کرکے
مغرب کی نماز پڑھی ہو کیونکہ اسکا وقت کم ہوتا ہے اور راوی نے خواہ چوک سے یا اپنے ظن سے یہ سمجھ لیا ہو کہ دونوں روز
مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھی یا غایت قلت کے بیان کرنے کی غرض سے اس نے یہ کہا ہو واللہ اعلم
اور بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر کا اخیر وقت اُس وقت تک ہے کہ جبتک سورج میں تغیر
آجائے اور اسی پر فقہا کا اتفاق ہے پھر شاید پہلی میں اخیر وقت مختار یا مستحب کا بیان ہو یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اول شرع کی
نظر اس بات پر پڑی ہو کہ عصر کی شق کا نے سے مقصود یہ ہے کہ ہر دو نمازوں میں بقدر ربع دن کے فصل ہو اسلئے
اُس کا آخیر وقت مثلین تک مقرر فرمایا ہے تو پھر اُنکے حوائج و اشتغال پر نظر ڈالنے سے اسوقت کا بڑھا دینا ضروری
ہوا اور نیز اس حد کے معلوم کرنے میں ایک قسم کی غور اور سایہ اصلی کے یاد رکھنے اور رصد کی ضرورت ہے اور لوگوں
کو ایسی باتوں میں ان چیزوں کا حکم دینا مناسب تھا جو محسوس اور ظاہر ہوں اس لیے حضرت ایزدی نے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا فرمایا ہو کہ آفتاب کے جسم یا اُس کی روشنی کے تغیر کو وقت کی انتہا گردانا
جانے واللہ اعلم۔ اور ایک وقت استحباب کا ہے یہ وہ وقت ہے کہ اسمیں نماز کا پڑھنا افضل ہوتا ہے اور وہ وقت
سب نمازوں کے لئے اول کا وقت ہے سوا عشا کی نماز کے کہ اسکا افضل مستحب وقت دیر کرکے پڑھنا ہے جسکی وجہ

وہی طبیعی ترتیب ہے جسکو ہم بیان کر چکے جسکی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو ان کو حکم دیدیتا کہ عشا کو دیر سے پڑھا کریں لولا ان اشق علی امتی لامرتہم ان یوخروا العشا۔ علاوہ بریں عشا کی نماز کو دیر سے پڑھنے سے باطن کا ان اشغال سے جو خدا کی یاد سے غافل کرتے ہیں خوب تصفیہ ہوتا ہے اور آدمی کو پھر عشا کی نماز کے بعد قصے کہانیاں کہنے کی فرصت نہیں ہوتی مگر اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر دیر سے نماز پڑھی جایا کرے تو جماعت میں کمی ہوتی چلی جاوے اور لوگوں کو نماز سے بے رغبتی ہونے لگے اور بات الٹی ہوجاوے اسی وجہ سے حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب لوگ کثرت سے آجاتے تب تو تعجیل کیا کرتے اور جو کم ہوتے تو دیر کرکے نماز پڑھا کرتے اور موسم گرما میں ظہر کی نماز میں بھی عشا کی طرح تاخیر مستحب ہے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا اوبھان ہے اذا اشتد الحر فابردوا بالظہر فان شدۃ الحر من فیح جہنم۔ میں کہتا ہوں اس سے یہ مقصود ہے کہ جو جنت اور جہنم کا خدا تعالے کے یہاں خزانہ ہے اس خزانہ سے اس مادہ میں کیفیت مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور کالسنی وغیرہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے اسکی بھی یہی تاویل ہے اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فجر کی نماز اجالا کرکے پڑھا کرو اس لئے کہ اسکا اجر بڑا ہے اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر۔ میں کہتا ہوں یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جنکو اسفار کے وقت لوگوں کا انتظار کرنے سے تقلیل جماعت کا خوف تھا یا بڑی بڑی مسجدوں کے نماز پڑھنے والوں کو یہ حکم ہے جن میں ضعیف لوگ اور بچے وغیرہ اکٹھے ہوجاتے ہیں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھاوے پس اسکو تخفیف کرنی چاہئے کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں اخیر حدیث تک ایکم صلی بالناس فلیخفف فان فیہم الضعیف الحدیث یہ معنی ہیں کہ صبح کی نماز اتنی لانبی پڑھا کرو اسفار کے وقت ختم ہوا کرے اور ابو برزہ کی حدیث اس پر قرینہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اس وقت اسلام پھیرا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنے پاس کے بیٹھے ہوئے کو پہچاننے لگتا تھا اور ساٹھ آیت سے سو آیت تک پڑھا کرتے تھے کان ینفتل من صلوۃ الغداۃ حین یعرف الرجل جلیسہ ویقرا بالستین الی المائۃ۔ اب اسفار کی حدیث میں اور غلس کی حدیث میں کچھ منافات نہیں رہی اور ایک ان چار اوقات میں سے ضرورت کا وقت ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ بلا عذر شرعی اسوقت تک نماز میں دیر کرنا ممنوع ہوتا ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کو صبح کی نماز سورج کے نکلنے سے پہلے ایک رکعت ملگئی اس کو صبح کی نماز ملگئی اور جس کو آفتاب کے غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت ملگئی اس کو عصر کی نماز ملگئی من ادرک رکعۃ من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ نماز منافق کی ہے تاکتا رہتا ہے تاکتا رہتا ہے یہانتک کہ جب آفتاب زرد ہوجاتا ہے۔ اخیر تک تلک الصلوۃ المنافق یرقب حتی اذا اصفرت الحدیث۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے جو ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشا کی نماز کے جمع کرنے کی حدیث روایت کی ہے وہ بھی اس قبیل سے ہے اور عذر شرعی یہ ہیں جیسے سفر یا بیماری

یا سنہ اور عشا کی نماز کو ضرورت کے وقت طلوع فجر تک موخر کرنا جائز ہے واللہ اعلم اور ان چاروں میں ایک قضائے
نماز کا وقت ہے اسوقت کا وہی وقت ہے کہ جب اسکو نماز یاد آوے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے جو شخص کسی وقت کی نماز کو بھول جاوے یا اسکے وقت سوجاوے تو جب اسکو نماز یاد آوے اسی وقت پڑھ لے
من نسی صلوٰۃ او نام عنها فلیصلها اذا ذکرها۔ میں کہتا ہوں ساری بات یہی ہے کہ اسکے چھوڑنے سے نفس کو
مطلق العنانی نہ ہوجاوے اور جو کچھ نماز فوت ہوا اور اس کا اثر اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس کو وہ پھر ملجاوے علمانے
نماز کی خود فوت کرنے کو بھی فوت ہوجانے کے ساتھ ملحق کردیا ہے اس نظر سے کہ جب خود اسنے نماز کو فوت کیا ہے
تو اسکے پورا کرنے کی حاجت اور بھی زیادہ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو جب تم ایسے حاکم
مقرر ہوں جو نماز کو بے جان کرینگے یعنی غیر وقت پڑھا کریں یہ وصیت فرمائی تو نماز کیوقت پر نماز پڑھا کرنا پھر اگر ان کے
ساتھ بھی تجکو نماز ملجاوے تو ان کے ساتھ پڑھ لیا کرنا اس لئے کہ وہ تیرے لئے نفل ہوجاویگی۔ میں کہتا ہوں حضور صلے اللہ
علیہ وسلم نے نماز کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا ایک تو اسکو بندے اور اسکے خالق میں وسیلہ ہونیکا۔ اور دوسرے اس بات کا کہ وہ
اسلام کے اشعار میں سے ہے اور اسکے تارک پر ملامت کیجاتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
برابر میری امت خیریت سے رہیگی اسوقت تک کہ وہ مغرب کی نماز کو ستاروں کے چمکنے تک دیر کرکے نہ پڑھینگے
لاتزال امتی بخیر مالم یوخروا المغرب الی ان یشتبک النجوم۔ میں کہتا ہوں اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ
حدود شرعیہ کے اندر سستی کرنا دین کے اندر تحریف اور بگاڑ کا سبب ہوجایا کرتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ سب
نمازوں کا دھیان رکھو اور درمیان کی نماز کا حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطی۔ درمیان کی نماز سے نماز عصر مراد
ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے دونوں ٹھنڈک کیوقت یعنی صبح وشام کی نماز پڑھی جنت میں
داخل ہوگیا من صلے البردین دخل الجنۃ۔ اور فرمایا ہے جس عصر کی نماز ترک کردی اسکا عمل ضائع ہوگیا من ترک
الصلوٰۃ العصر حبط عمله۔ اور فرمایا ہے جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی تو گویا اس کی اولاد اور مال غارت ہوگیا الذی
تفوتہ صلوٰۃ العصر فکانما وتر اهله وماله۔ اور فرمایا ہے منافقین کے اوپر کوئی نماز فجر و عشا کی نماز سے زیادہ گران
نہیں ہوتی اور جو کچھ ان نمازوں کے اندر ہے انکو گر معلوم ہوتا تو ان کے لئے آیا کرتے چاہے گھسٹتے کیوں نہ ہوتے
لیس صلوٰۃ اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء ولو یعلمون ما فیهما لاتوهما ولو حبوا۔ میں کہتا ہوں ان تین نمازوں کا زیادہ تر
اہتمام اور ان کے متعلق ترہیب و ترغیب اس واسطے کی گئی ہیں کہ ان نمازوں میں سستی اور کاہلی کا خطرہ ہے اس
واسطے کہ فجر اور عشا کا وقت تو لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے پھر اپنے بستر اور گدے کو غنودگی اور نیند کیحالت
میں خدا تعالے کے لئے وہی چھوڑ کر کھڑا ہوجائیگا جس کے دل میں خدا تعالے کا یقین اور اس کا خوف ہے۔
اور عصر کی نماز کا وقت وہ ہے جو انکی دوکانوں کے چلنے اور خرید و فروخت کرنے کا وقت ہے اور کسان لوگ
جب تھک کر چور ہوجاتے ہیں تو اسی وقت اپنے گھروں میں آکر پڑتے ہیں اور یہ وقت ان کے آرام کرنے
کا ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایسا نہ ہو کہ تمہاری مغرب کی نماز کے نام میں گنوار دن

اُسکے دواعی پر ہوتا ہے جو اُن عمال پر اُبھارتے ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اعمال اشباح ہوتے ہیں اور اُنکی ارواح اُنکی دواعی ہوا کرتی ہیں پس خدا تعالے سے اُس کا خوف کرنا اور اُس کا اخلاص مغفرت کا سبب ہوگیا اور چونکہ اذان شعائر دین میں سے ایک شعار ہے اور اس شناخت کے لئے بنائی گئی ہے کہ لوگوں کا ہدایت الٰہیہ کا قبول کر لینا اُس سے پہچان لیا کریں اسواسطے اذان کے جواب دینے کا لوگوں کو حکم دیا گیا تاکہ اُن سے جو مقصود ہے جواب دینے میں سے اُس کی تصریح ہو جاوے پس جب موذن اللہ اکبر کہے سننے والا بھی جواب میں یہی کہے اور جب وہ شہادتین کو ادا کرے یہ بھی ادا کرے اور جب وہ حی الصلوۃ یا حی الفلاح کہے تو جواب دینے والا اُن الفاظ کے ساتھ اُسکا جواب دیوے جن عمل کی قوت دینے اور گناہ سے باز رکھنے کی نسبت خاص خدا کی طرف پائی جاوے بلا شرکت غیری یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہے تاکہ عبادت کرتے وقت عجب کے پیدا ہونے کا احتمال جاتا ہے جو شخص خلوص قلبی سے ایسا کریگا جنت میں داخل ہو جائیگا کیونکہ یہ اُسکا فعل ظاہری دلی تابعداری اور اپنی جان کو خدا تعالے کے حوالے کر دینے کا عنوان اور اسکی صورت ہے اور پھر اُس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے دعا کرے یعنی اللھم رب ہذہ الدعوۃ اخیر تک پڑھے تاکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کا قبول کر لینا اور آپکی محبت اُس سے ظاہر ہووے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذان او راقامت کے درمیان میں دعا رد نہیں ہوتی لا یرد الدعاء بین الاذان والاقامۃ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رحمت الٰہیہ کا اسوقت میں شمول ہوتا ہے اور بندے کی طرف سے انقیاد اور تابعداری کے معنی پائے جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلال تو رات سے اذان دیدیا کرتا ہے اسواسطے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہا کرو جبتک کہ ابن ام مکتوم اذان نہ دے ان بلالا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم میں کہتا ہوں امام کیلئے مستحب ہے کہ اگر اسکو ضرورت معلوم ہو تو دو موذن مقرر کر لیوے جنکی آوازوں کو لوگ پہچانتے ہوں اور لوگوں کو جتلا دے کہ فلاں موذن تو کچھ رات سے اذان دیدیتا ہے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہا کرو جبتک دوسرا موذن اذان نہ دیا کرے اسمیں یہ ہوگا کہ پہلی اذان سے جو شخص اٹھ بیٹھا ہے اور سحری کھا چکا ہے وہ تو آگے کو کچھ نہ کریگا اور جو سو رہا ہے وہ نماز کے لئے اٹھ بیٹھیگا اور اگر سحری اُس نے نہیں کھائی تھی تو اسکو جھٹ پٹ کھالیگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تم نماز کیلئے بھاگ کر مت آؤ بلکہ اپنی چال سے آؤ اذا اقیمت الصلوۃ فلا تاتوھا تسعون واتوھا تمشون میں کہتا ہوں اسمیں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ عبادت کے اندر تعمق اور تکلف نہ کرنا چاہئے۔

مساجد کا بیان

مسجد کے بنانے کی فضیلت اور اسکا التزام اور مسجد میں نماز کا انتظار کرنا ان سب باتوں کا مدار اسی پر ہے کہ وہ شعائر اسلام میں سے ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کو مسجد نظر آجاوے یا کسی کو اذان کہتے ہوئے سن لو تو پھر کسی کو مت قتل کرو اذا رایتم مسجدا او سمعتم موذنا فلا تقتلوا احدا۔ اور مسجد کی فضیلت یہ ہے کہ وہ نماز کی جگہ ہے

یاد دلانے کی عبادت کرنے کا گھر ہے اور خدا کی رحمت اسمیں اترتی رہتی ہے اور بتوجہ کعبہ کیساتھ اس کو مشابہت ہے چنانچہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے گھر سے پاک ہو کر نماز فرض کیلئے نکلا تو اس کا اجر ایسا ہے جیسے
حج کرنے والے جو حالت احرام میں ہوں اور جو شخص چاشت کی نماز کیلئے نکلا اگر خاص اسی کے لئے گھر سے چلا ہے تو اسکا ثواب
عمرہ کرنیوالے کے ثواب کے برابر ہے من خرج من بیتہ متطہرا الی صلوٰۃ مکتوبۃ فاجرہ کاجر الحاج المحرم ومن خرج الی تسبیح
الضحی لا ینصبہ الا یاہ فاجرہ کاجر المعتمر اور فرمایا ہے جنت کے باغوں میں جب تمہارا گذر ہوا کرے تو میوہ چرا کرو کسی نے
عرض کیا اور جنت کے باغ کیا ہیں آپ نے فرمایا مساجد اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل وما ریاض الجنۃ قال المساجد اور
نماز کے اوقات میں ہر کاروبار اور اہل و عیال کے سامنے مسجد کیطرف دل کا لگا رہنا صرف نماز کی خاطر اس شخص کے اخلاص اور
اپنے پروردگار کے سامنے دلی انقیاد اور تابعداری کی دلیل ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب ایک
شخص نے وضو کیا اور اچھے طور پر کیا پھر مسجد کو صرف نماز کی خاطر چلا تو اسکا جو قدم پڑتا جاتا ہے اس کی وجہ سے اس کا
ایک درجہ بلند اور ایک گناہ کم ہوتا چلا جاتا ہے پھر جب اس نے نماز پڑھی تو جبتک وہ اپنی نماز میں رہتا ہے برابر فرشتے
اسکے لئے دعا مانگتے رہتے ہیں کہ خدایا اس پر فضل کر خدایا اس پر رحم کر اور تم میں سے جبتک کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے
نماز ہی میں رہتا ہے اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الی المسجد لا یخرجہ الا الصلوٰۃ لم یخط خطوۃ الا رفعت بہا درجۃ وحط
عنہ بہا خطیئۃ فاذا صلی لم تزل الملائکۃ تصلی علیہ ما دام فی مصلاہ اللہم صل علیہ اللہم ارحمہ ولا یزال احدکم فی صلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ۔ اور
مسجد کا بنانا اعلاء کلمۃ اللہ میں تائید کرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کو مسجد کو جاتا ہے یا رات کو
خدا تعالے اسکے لئے جنت کی مہمانی ہر صبح کے جانے اور رات کے جانے پر تیار کرتا ہے من غدا الی المسجد او راح اعد اللہ
لہ نزلہ من الجنۃ کلما غدا او راح میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ہر صبح اور رات کے جانے میں ہمیشہ کی ملکیت کیلئے تابعداری
پائی جاتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا تعالے کے لئے مسجد بناویگا خدا تعالے اس کے
لئے جنت میں ایک گھر بناویگا من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ اسکی وجہ یہ ہے نزدیک یہی ہے کہ اعمال کی جزا ان کی
صورت پر ہوتی ہے اور وضو کے جاتے رہنے سے نماز کے انتظار کا ثواب اسواسطے نہیں رہتا کہ جب اسکا وضو نہیں
رہتا کہ جب اس کا وضو نہیں رہا تو نماز کے لئے اسکی تیاری نہیں باقی رہی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور مسجد حرام
کو ثواب کے زیادہ ہونے میں فضیلت حاصل ہونے کی کئی وجہیں ہیں ایک تو ان مواضع میں خاص خاص فرشتے مقرر ہیں جو وہاں
کے باشندوں پر لگے رہتے ہیں اور جو وہاں آتا ہے اسکے لئے دعا کرتے رہتے ہیں دوسرے ان مواضع کی آبادی
شعائر الٰہی کی تعظیم اور اعلاء کلمۃ اللہ میں داخل ہے تیسرے ان مواضع میں آنے سے ائمہ دین کا حال یاد آتا ہے حضور
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بجز تین مسجدوں کے کہیں کو کجاوے نہ کھینچے جاویں مسجد حرام اور مسجد اقصٰے اور میری یہ
مسجد میں کہتا ہوں اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنے زعم میں جن مقامات کو وہ واجب التعظیم جانتے تھے ان مقامات کی
زیارت کرنے اور برکت کے لئے سفر کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اسمیں کس قدر دین کی تحریف اور اس کا بگاڑ
تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کے مٹانے کے لئے یہ فرمایا کہ جو چیزیں شعائر الٰہی نہیں ہیں وہ شعائر

میں داخل نہ کیجائیں اور عبادت غیر اللہ کا یہ ذریعہ نہ بنائے اور میرے نزدیک حق یہ بات ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی
کی قبر یا اصل عبادت کرنے کی جگہ اور وہ طور سب اسی کے اندر داخل ہو میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسجد کے آداب کے کئی طور ہیں ایک تو نفس مسجد کی عظمت کا لحاظ کرنا اور اپنے نفس کو زبردستی اس بات پر مجبور کرنا
کہ وہ عبادت اس سے دور ہوں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد تعلق نفسانی کے طور پر نہ رہنا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم سے کوئی شخص مسجد میں آوے تو اسکو بیٹھنے سے قبل دو رکعت پڑھ لینی چاہئے اذا دخل احدکم المسجد
فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔ اور ایک مسجد کو ان چیزوں سے جنسے لوگ نفرت کرتے ہیں اور انکو ناپاک جانتے ہیں نظافت
اور پاکی کا خیال رکھنا چاہیے جسکی نسبت راوی کہتا ہے کہ حکم دیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے بنانے اور اسکے پاک
صاف اور معطر رکھنے کا امر ببناء المساجد وان تنظف وتطیب۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت
کے اجر میرے سامنے پیش کیے گئے یہانتک کہ کوڑے کا اجر جسکو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے عرضت علی اجور امتی
حتے القذاۃ یخرجہا الرجل من المسجد اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسجد میں تھوکنا ایک خطا ہے اور اس کا کفارہ یہ
ہے کہ اس پر خاک ڈالدے البزاق فی المسجد خطیئۃ وکفارتہا دفنہا اور ایک یہ ہے کہ ایسی بات کوئی نہ کرے جس سے
عبادت کرنے والوں کا دل اچاٹ ہو جاوے اور بازار کا سا شور و غل نہ کرے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
اس کا ترکش روک کے امسک بنصالہا اور فرمایا ہے جو کسی شخص کو مسجد کے اندر اپنی گم شدہ چیز کے لئے آواز دیتا ہوا سنے اسکو یہ کہنا
چاہیے کہ خدا تعالیٰ اسکو تیرے پاس لوٹا کر نہ لاوے اسواسطے کہ مسجدیں اسلئے نہیں بنائی گئی ہیں من سمع رجلا ینشد ضالۃ
فی المسجد فلیقل لا ردہا اللہ الیک فان المساجد لم تبن لہذا۔ اور فرمایا ہے جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتا دیکھو
تو کہدو کہ خدا تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے اذا رایتم من یبیع او یبتاع فی المسجد فقولوا لا اربح اللہ تجارتک۔ اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مساجد کے اندر شعر خوانی اور قصہ خوانی اور حدود کے قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ میں کہتا
ہوں کہ مسجد کے اندر گم شدہ چیز کے لئے آواز دینا اسواسطے منع کیا گیا ہے کہ وہ ایک قسم کا شور اور نمازیوں اور ان لوگوں کا جو
اعتکاف کے اندر ہیں دل اچاٹ کرنیوالا ہے اسلئے انکے منع کرنیکے واسطے یہ بد دعا کرنا مناسب ہوا جسمیں شور کرنیوالے
کی ذلت سمجھی جاتی ہے اور بد دعا میں انکے مطلوب کے مخالف امر ذکر کیا گیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی علت یہ
بیان فرمائی کہ مسجدیں اسواسطے نہیں بنائی گئیں ہیں یعنی وہ تو نماز کیلئے اور خدا کی یاد کرنے کیلئے بنائی گئی ہیں اور مسجد کے
اندر خرید و فروخت کرنے سے اسواسطے منع فرمایا تاکہ مسجد کو لوگ بازار نہ بنالیں اور اسمیں خرید و فروخت کیا کریں اور
اسکی عظمت اور عزت ذہنوں سے نکلجاوے اور نمازیوں اور معتکفوں کا دل ہٹ جاوے اور اشعار سے منع کرنے کی
بھی وجہ یہی ہے جو ہم نے بیان کی علاوہ بریں اشعار کے پڑھنے میں ذکر الٰہی سے اعراض اور نیز اور دوسرے اعراض کی
ترغیب پائی جاتی ہے اور قصہ گوئی اور حدود کے قائم کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اسمیں شور و غل اور رونے پیٹنے
کا اور نمازیوں کے دل ٹوٹنے کا احتمال ہے مگر وہ اشعار کہ جن میں ذکر الٰہی یا حضور نبوی کی نعت وغیرہ اور کفار کا جلانا پایا جاوے
اس سے مستثنیٰ ہیں اسواسطے کہ وہ غرض شرعی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو یہ دعا دی کہ

فرمایا روح القدس سے اسکی تائید کر اللھم ایدہ بروح القدس - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسی حائض اور
جنب کیواسطے میں مسجد کو حلال نہیں کرتا انی لا احل المسجد لحائض ولا جنب میں کہتا ہوں اسکی وجہ مسجد کی تعظیم ہے اسواسطے
کہ بڑی تعظیم ایک چیز کی یہ ہے کہ بغیر طہارت کے آدمی اسکے پاس نہ جاسکے مگر بے وضو کے مسجد میں آنے سے ممانعت
نہیں جیسی تعظیم تھا اور جنب اور حائض کی ممانعت کرنے سے کچھ دقت نہیں ہے دوسرے یہ کہ جنب اور حائض تو
نماز سے بہت بعید ہے اور مسجد نماز ہی کے لئے موضوع ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اس
بدبودار درخت کو کھاوے وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آوے کیونکہ جس چیز سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کو بھی
اس سے تکلیف ہوتی ہے من اکل ہذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا فان الملائکۃ تتاذی مما یتاذی منہ الانس میں کہتا ہوں
وہ بدبودار درخت پیاز یا لہسن ہے اور ہر بدبودار چیز کا حکم یہی ہے اور فرشتوں کی تکلیف پانے کے معنی یہ ہیں کہ انکو
وہ چیز بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ وہ پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں کو پسند
کرتے ہیں اور ان کی اضداد چیزوں سے انکو نفرت ہوتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے
جب کوئی شخص مسجد میں آوے تو اسکو یہ کہنا چاہئے اللھم افتح لی ابواب رحمتک پھر جب مسجد سے باہر آوے تو کہے
اللھم انی اسئلک من فضلک میں کہتا ہوں جانیوالے کیلئے طلب رحمت کی تخصیص اور باہر آنیوالے کیلئے طلب فضل
کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں رحمت نفسانی اور اخروی نعمتیں مراد ہوا کرتی ہیں جیسے ولایت اور نبوت چنانچہ
اللہ پاک فرماتا ہے ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون ترجمہ - اور تیرے رب کی رحمت اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے
اور فضل سے دنیاوی نعمتیں مراد ہوتی ہیں جیسے فرماتا ہے فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ
ترجمہ پھر جب نماز ہو چکے تو پھیل جاؤ زمین میں اور خدا کے فضل کے طالب ہو اور جو شخص مسجد میں جاتا ہے اسکی غرض
قرب الہی کا حاصل ہونا ہوتا ہے اور مسجد سے نکل کر پھر روزی تلاش کرنیکا وقت ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس ترجمہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں جاوے تو بیٹھنے سے پہلے اسکو دو
رکعت پڑھنی چاہئیں میں کہتا ہوں اسواسطے مقرر کیا گیا کہ جو مکان نماز کیلئے وضع کیا گیا ہے اسکے اندر جا کر بھی نماز نہ پڑھنا باعث حسرت ہے
دوسرے انہیں ایک امر محسوس سے نماز کیلئے رغبت ٹھیک ٹھیک ہو جاتی ہے اور نیز مسجد کی تعظیم بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام - ترجمہ بجز مقبرہ اور حمام کے تمام زمین سجدہ گاہ ہے اور بعض جگہیں نماز پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
منع فرمایا ہے کوڑے . مقبرہ . مذبح . راستہ - حمام اونٹوں کے رہنے کی جگہ اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی منع
فرمایا ہے کیونکہ اس پر خدا تعالی کی لعنت ہو چکی ہے میں کہتا ہوں کوڑے اور مذبح میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے
کہ وہ نجاست کے مقام ہیں اور نماز کے لئے نظافت اور طہارت مناسب ہے اور مقبرہ کے اندر نماز سے ممانعت کی یہ وجہ
ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے اولیاء اور علماء کی قبروں کی بتوں کی طرح پرستش شروع نہ کردیں اور یہ شرک جلی کی
صورت ہے یا ان مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ تر قربت الہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے اور حضور
صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد اس کے فرمانے سے یہی ہے لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد یہود ونصاریٰ پر

پر خدا کی لعنت ہو جو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج کے طلوع و غروب
اور استواء کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی کی نظیر ہے اس واسطے کہ کفار ان اوقات میں آفتاب کو
سجدہ کیا کرتے تھے اور حمام میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے
رہتے ہیں ان باتوں سے نمازی کا دل ہٹ جائیگا اور حضور قلب سے وہ اپنی التجا نہ کر سکیگا اور جہاں اونٹ باندھے
جاتے ہیں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جسکو پکڑ لیتا ہے پھر
چھوڑتا نہیں اور پھر اس کی عادت بھی یہ ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں کہ وہاں کھڑا
ہو کر نمازی کا دل نماز میں نہ لگیگا بخلاف ان مواضع کے جہاں بکریاں بند ہوتی ہیں اور بیچ سڑک میں نماز سے اسواسطے
ممانعت کی گئی کہ اول تو راہ چلنے والوں سے اس کا دل بٹے گا اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا دوسرے درندے
وغیرہ ادھر کو ہو کر نکلتے ہیں جیسا کہ وہاں اترنے سے نہی صریح وارد ہے اور بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ممانعت
کی وجہ یہ ہے کہ بلا ضرورت بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اسمیں ایک طرح کی بیحرمتی ہے اور اس کا بھی
یقین نہیں کہ ایسے وقت میں استقبال القبلہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور جس زمین پر خسف وغیرہ یا پتھر برسانے
سے خدا کی لعنت ہو چکی ہے اسمیں نماز پڑھنے سے ان چیزوں کا ہلکا سمجھنا پایا جاتا ہے دوسرے جو مقام غضب کے
ہیں انمیں خدا تعالے کا خوف اور ہیبت کر کے روتے رہنا چاہیئے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ولا
تدخلوا الاباکین اور وہاں جب جاؤ روتے ہوئے جاؤ۔

نمازی کے کپڑوں کا بیان

معلوم کرو کہ کپڑوں کا پہننا ایسی چیز ہے کہ اسکی وجہ سے انسان کو تمام بہائم سے تمیز حاصل ہے اور کپڑے کا
پہننا انسان کے لئے بہترین حالات میں سے ہے اور اسمیں ایک قسم کی طہارت بھی پائی جاتی ہے اور نماز کی بھی اس
میں تعظیم ہے اور رب العالمین کے روبرو عرض کرنے کے آداب میں شامل ہے اور وہ خود ایک واجب چیز ہے
مگر نماز کے اندر اسکو شرط کر دیا گیا ہے اس واسطے کہ نماز کے حق کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور شارع نے اسکی دو حدیں
قرار دی ہیں ایک تو وہ حد ہے کہ اسکے بغیر چارہ نہیں اور نماز صحیح نہیں ہو سکتی اور ایک استحباب کی حد ہے پہلی حد مرد
کے لئے پیشاب اور پاخانہ کا مقام ہے اور ان دونوں میں بھی پیشاب کا مقام بہت ہی زیادہ ضروری ہے اور
دونوں رانیں بھی انہیں کے ساتھ ملحق ہیں اور عورت کے لئے اس کا تمام بدن ستر ہے اسواسطے کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار۔ حائض یعنی بالغ عورت کی نماز بدون اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی
اور رانکو دونوں مقاموں کے ساتھ اسواسطے ملحق کر دیا ہے کہ وہ بھی دونوں محل شہوت ہیں اور ایسے ہی تمام بدن عورت
کا محل شہوت ہے اس وجہ سے وہ بھی انہیں کے ساتھ ملحق ہے اور لباس مستحب کی نسبت آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یصلین احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ منہ شیء وقال اذا کان واسعا فخالف بین طرفیہ۔

تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں جس وقت کہ اسکے کاندھے پر وہ کپڑا بالکل نہ ہو نماز نہ پڑھے اور فرمایا ہے اگر کپڑے
میں گنجائش ہو تو اسکے دونوں طرف ادھر ادھر ڈال لے اور اسمیں نکتہ یہ ہے کہ تمام عرب اور عجم اور تمام وہ لوگ جنکا مزاج
ٹھیک ٹھیک انسانیت پر ہے مع اختلاف الاوضاع سب کا پورا لباس اور پوری ہیئت کی درستی اسی میں ہوتی ہے
کہ انکے پشت اور کاندھے کپڑے سے ڈھک جائیں خواہ ان کے لباس کی کچھ ہی وضع کیوں نہ ہو قبا ہو یا قمیص ہو
یا حلہ ہو یا کچھ ہو اور ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے ایک کپڑے کے اندر نماز پڑھنے کی نسبت دریافت
کیا تو انہوں نے اسکے جواب میں فرمایا کیا سب کے لئے دو کپڑے ہوا کرتے ہیں جب حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو
آپ نے فرمایا جب خدا گنجائش دے تو گنجائش دینا چاہئے میں کہتا ہوں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلے
اللہ علیہ وسلم سے سائل کی نسبت دریافت کیا گیا تھا اور حضرت عمرؓ کا قول مسئلہ ثانی کا بیان ہے اور ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ ثانی کا ہی سوال کیا گیا
ہو مگر آپنے اس لحاظ سے کہ دو کپڑوں کا حکم دینے میں اگرچہ استحباب کیلئے ہی دیا ہو ایک قسم کا حرج ہے دو کپڑوں کا حکم نہیں دیا اور یہ بھی تھا کہ جس شخص
کو دو کپڑے میسر نہ ہوتے اپنے زعم میں نماز کے کامل نہ ہونے کا اسکو خیال رہتا اور اسواسطے اسکی نماز غیر مکمل ہوتی اور جب حضرت عمرؓ نے یہ بات
معلوم کرلی کہ احکام کے مقرر کرنے کا وقت تو گذر گیا ہے اور یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نماز کے اندر لباس کی تکمیل مستحب ہے
اسواسطے اسکے موافق یہ جواب دیدیا واللہ اعلم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نسبت جس کا نماز پڑھنے میں
سر پیچھے کی جانب کو بندھا ہوا ہو انما مثل ہذا کمثل الذی یصلی وہو مکتوف اس شخص کا حال ایسا ہے جیسے کہ شانے بندھے
ہونے ہوں میں کہتا ہوں اس سے آپ نے یہ بات بتلادی کہ صورت اور لباس اور شکل کا بگاڑ لینا کراہت کا
موجب ہوتا ہے میں کہتا ہوں نمازی کیواسطے ضروری ہے کہ جو چیز اسکے نماز میں خلل ڈالے اور اس سے دل بٹتا
ہو خواہ اس چیز کی خوبصورتی سے یا نفس کے لڑانے کیوجہ سے اسکو آپ سے علیحدہ کر دے تاکہ جو نماز سے مقصود ہے
وہ پورے طور پر حاصل ہو سکے اور یہودی لوگ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز پڑھنے کو برا جانتے تھے اسلئے اسمیں ایک
قسم کی ترک تعظیم ہے کیونکہ بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت جوتوں کو اتار لیا کرتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے
فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی اپنے جوتے اتار دے تو پاکیزہ میدان طوی میں ہے اور جوتے اور موزے
کے اندر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ لباس کی تکمیل اس پر موقوف ہے اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کی
مخالفت کی وجہ سے قیاس اول کو ترک کرکے اور دوسرے قیاس کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالہم ولا خفافہم یہود کی مخالفت کرو اسلئے کہ وہ اپنے جوتوں اور
موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے میں پس صحیح یہ ہے کہ جوتے پہنکر نماز پڑھنا اور ننگے پیروں نماز پڑھنا برابر ہے اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر سدل کرنے سے منع فرمایا ہے اور سدل کے معنی میں اختلاف ہے بعض
تو کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ایک کپڑا اس طرح اوڑھے کہ ہاتھ بھی اسکے اندر ہی رہیں اور
وہ قریب آتا ہے اشتمال الصما یعنے بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ لینا کہ ہاتھ اندر رہیں بدترین لباسوں کا ہے کیونکہ
ہاتھوں کا چھوٹا ہوا رکھنا عادت انسانی اور اس کی طبیعت میں داخل ہے اور یہ ہیئت بالکل اس کے خلاف ہے

دوسرے اسکے اندر ستر کے کھلنے کا ہر وقت اندیشہ ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی کو ہاتھ کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس سے ضرور ستر کھل جائیگا اور بعض کے نزدیک سدل کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اوپر کوئی کپڑا ڈال لے اور اس کے دونوں جانب چھوڑ دے پس اس سے بھی وضع اور شکل میں نقصان ہوتا ہے اور ہیئت کے پورا اور مکمل ہونے سے ہماری یہ مراد ہے کہ جسکو عرف اور عادت میں یہ کہہ سکیں کہ جو چیز لباس وغیرہ میں ہونی چاہئے اسمیں وہ سب موجود ہے کسی کی کمی نہیں ہے اور سب کے لباس کی وضع جدا گانہ ہے مگر سب لباسوں میں تلاش کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پورا لباس ہر ایک فرقہ کیلئے ضرور ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تو عرب کے دستور پر جو اس زمانہ میں انکے لباس کا دستور تھا حکم دیا ہے۔

قبلہ کا بیان

جب حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو چھ یا سات مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرتے رہے پھر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا اور یہ حکم ہمیشہ کے لئے مقرر ہو گیا میں کہتا ہوں کہ اسکے اندر یہ بھید ہے کہ خدا تعالے کے شعائر اور اسکے گھروں کی لوگوں پر چونکہ تعظیم کرنی واجب تھی خاصکر اس عبادت میں جو سب عبادتوں اور سب ارکان اسلام کے اصل اور شعائر دین میں سب سے زیادہ نامی شمار ہے اور خدا تعالے کی رضامندی کے طالب ہونے کے لئے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے کسی ایسی چیز کی طرف نماز میں توجہ کرنا جسکو خدا تعالے کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت ہے باعث اجتماع خاطر اور خشوع کی حالت پر رغبت پیدا ہونے کا سبب ہے اور اقرب بحضور قلب ہے کیونکہ اسکی صورت ایسی ہے جیسے بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو کر اپنی عرض معروض کر رہا ہے اسواسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضے یہ ہوا کہ تمام شرائع کے اندر نماز میں قبلہ رخ کھڑا ہونا شرط کیا جائے خواہ کوئی قبلہ ہو اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور جو انکے دین کے لوگ تھے کعبہ کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا قبلہ بیت المقدس تھا یہ اصل تمام شرائع کے اندر مسلم ہے۔ پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اوس و خزرج اور یہود کے جو انکے حلیف تھے آپ نے تالیف قلوب چاہی اور انہیں لوگوں نے آپ کی مدد کی اور وہی اہل ایک امت ٹھہری جنسے اور دونکو نفع پہونچا اور مضر اور ان کے قریب کے لوگ بڑے دشمن تھے اور تمام قبیلے سے زیادہ ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بغض تھا اس واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنیکا حکم دیا اسواسطے کہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ جس امت میں رسول بھیجا گیا ہے اور جن لوگوں نے اسکی معاونت کی ہے اور جنکو خدا تعالے نے لوگوں کیلئے امام مقرر کیا ہے انکے اوضاع اور طریقوں کا لحاظ کیا جائے اور وہ لوگ اسوقت میں اوس و خزرج ہی تھے اور یہود کے علوم کو وہ بہت ہی مانتے تھے ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ نے آیہ فاتوا حرثکم انی شئتم کی تفسیر میں اس کو بیان کیا ہے اور کہا ہے یہ انصار کا گروہ تو بت پرست تھا اور جن لوگوں کے وہ ساتھی تھے یعنی یہود کے وہ اہل کتاب تھے تو یہ لوگ یہودیوں کو

اپنے اوپر فضیلت سمجھتے تھے اور بہت سے کاموں میں انکا اقتدا کرتے تھے اخیر حدیث تک اور یہ شرع کا اصول ہے یہ بات
کہ ملل حقہ کے موافق ہوں بجز ان باتوں کے جو لوگوں نے اپنی طرف سے تحریفات اور تعمقات کرکے گھڑ لی ہیں اگر ایک
بات باقی ملل حقہ کے موافق ہوتی ہے تو لوگوں کے قلب اس سے اکھڑتے نہیں ہیں اور ایسے وقت میں انکے اوپر اتمام حجت
پورے پورے طور پر ہوسکتی ہے اور یہودی برابر آسمانی کتاب کو بیان کرتے تھے اور اسپر عمل کرتے تھے پھر خدا تعالیٰ نے
اپنی آیات کو محکم اور مضبوط کیا اور اسکی نسبت جو چیز زیادہ تر مصلحت کے موافق تھی اور قوانین تشریع کے اعتبار سے زیادہ پسندیدہ
تھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اول قلب کے اندر القا فرما کر اس سے مطلع کردیا اور اسکی وجہ سے آپکو اس بات کی تمنا پیدا
ہوگئی کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو جائے اور آپ اسی آرزو میں تھے کہ حضرت جبرئیل یہ حکم لاتے ہوں آسمان کیطرف
منہ کرکے ادھر ادھر دیکھا کرتے تھے اور پھر دوبارہ اللہ پاک نے قرآن کے اندر نازل فرما کر اس سے مطلع کردیا اور وجہ
اسکی یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں مبعوث ہوئے جو ملت اسمٰعیلیہ پر چلتے تھے اور خدا تعالیٰ کے علم میں یہ
امر پہلے سے ہی مقدر تھا کہ وہی لوگ اس دین کے حامی اور مددگار ہونگے اور رسول کے بعد لوگوں پر خدا تعالیٰ کے گواہ
وہی لوگ ہونگے اور اسکی امت کے خلیفہ وہی بنینگے اور یہودیوں سے تو قلیل ہی ایمان لائینگے اور عرب کے نزدیک کعبہ شعائر
الٰہی میں سے ایک شعار ہے انکے دلوں اور اعلے کے دل میں یہ بات سما رہی ہے کہ کعبہ کیطرف منہ کرنا انکا طریقہ پرانا چلا آتا
ہے پھر اس سے منہ پھیرنے کی کیا وجہ اور چونکہ قبلہ کو رخ کرنا نماز کی صورت تکمیل کیلئے شرط ہے اور ایسی شرط نہیں ہے کہ
نماز کا اصل نفع بدون اس شرط کے حاصل ہونا غیر ممکن ہو اس واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق
جو اندھیری رات میں بھول سے قبلہ کو کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور فی الحقیقت اسکا منہ قبلہ کو نہ ہو اللہ پاک کا یہ قرآن پڑھ دیا فاینما تولوا فثم وجہ اللہ
جس طرف تم توجہ ہو خدا کی ذات وہیں ہے جس سے آپنے اس بات کیطرف اشارہ کردیا کہ ضرورت کے وقت اسطرح انکی نماز جائز ہوجاتی ہے

سترہ کا بیان

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیرا له من ان
یمر بین یدیہ ۔ نماز پڑھتے ہوئے کے سامنے ہو کر جو شخص گذرتا ہے اگر اسکو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا وبال لازم آتا
ہے تو چالیس تک یعنی چالیس سال تک اسکو کھڑا رہنا اسکے سامنے ہو کر گذرنے سے بہتر معلوم ہو ۔ میں کہتا ہوں اسمیں یہ
بھید ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اسکی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز سے اس حالت کیساتھ تشبیہ مقصود ہے
جو غلام کو اپنے مولا کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کیلئے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اسواسطے نماز کی
ایک تعظیم یہ بھی مقرر ہوگی کہ کوئی مذہبوالا نمازی کے سامنے ہو کر نہ گذرے کیونکہ آقا اور اسکے غلاموں کے درمیان سے جو
دست بستہ اسکے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گذرنا سخت بے ادبی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان احدکم
اذا قام فی الصلوة فانما یناجی ربه من القبلة الحدیث جب تم میں سے نماز کیلئے کوئی کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے
عرض معروض کیا کرتا ہے وہ اسکا رب اسکے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور اسکے ساتھ ایک بات یہ بھی کہ نمازی کے

سامنے گذرنے سے اُس کا دل اکثر بٹ جاتا ہے اسواسطے نمازی کو اُسکے ہٹا دینے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے چنانچہ حدیث
شریف میں آیا ہے فلیقاتلہ فانہ شیطان تو اُس کو مار دینا چاہیے میں کہتا ہوں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ منجملہ اور شروط
کے نماز کی صحت کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامنے سے دو منجملہ عورت اور گدھے اور کتے سے خالی ہو کیونکہ وہ شیطان
ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یقطع الصلوٰۃ المرأۃ والحمار والکلب الاسود عورت اور گدھا اور سیاہ کتا نماز
کو تباہ کرتے ہیں اور اسمیں یہ بھید ہے کہ نماز سے مناجات اور رب العالمین کے روبرو کھڑا ہونا منظور ہوتا ہے اور عورت کے
پاس ہو کر گذر جانا اور عورت کے ساتھ صحبت اور اختلاط ایسی چیزیں ہیں جو اس حالت کے بالکل حالت پیدا کرنے کے اکثر
باعث ہوتی ہیں اور کتے کے شیطان ہونے کیوجہ ہم بیان کر چکے ہیں خاصکر سیاہ کتا کیونکہ اس کا مزاج تو اور کتوں سے بھی
خراب ہوتا ہے اور گدھا بھی بمنزلہ شیطان کے ہی ہے کیونکہ اکثر اوقات لوگوں کے سامنے اپنے مادہ سے وہ مشغول
ہوجاتا ہے اور کبھی خود بھی اُسکے آلہ کو حرکت ہوتی رہتی ہے لہذا نماز کے اندر اُسکا دیکھنا غالباً اس حالت کے اندر مخل ہوگا
جو نماز سے مقصود ہوتی ہے مگر خلفاء صحابہ اور فقہاء صحابہ نے جنمیں سے حضرت علی اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس
اور حضرت ابو سعید وغیرہم بھی ہیں اس حدیث پر عمل نہیں کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو منسوخ سمجھا ہے اگرچہ
اس کی منسوخیت پر جو انہوں نے استدلال قائم کیا ہے اسمیں کچھ کلام ہے اور یہ ان مواضع میں سے ایک ہے جن میں
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کے دو مختلف طریقے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
اذا وضع احدکم بین یدیہ مثل موخرۃ الرحل فلیصل ولا یبال من مر وراء ذلک تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے
پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھے اور اس سے پرے جو کوئی گذرے اسکی کچھ پروا نہ کرے میں کہتا ہوں
چونکہ مطلقاً گذرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اسواسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنیکا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نماز کی زمین
سے علیحدہ ہوجائے اور پاس سے گذرنا بھی ایسا سمجھا جائے جیسے دور سے گذرنا۔

اُن اُمور کا بیان جو نماز کے اندر ضروری ہیں

معلوم کرو کہ نماز کے اندر تین چیزیں اصل ہیں دل سے خدا کے سامنے پست ہو جانا۔ اور زبان سے اُسکا ذکر کرنا
اور بدن سے نہایت درجہ خدا تعالیٰ کی تعظیم کرنا۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ تمام امتوں کا اس بات پر کہ یہ چیزیں نماز کے اندر
ہوتی ہیں اتفاق کر لیا ہے اگرچہ انکے سوا اور باتوں میں انکے اندر باہم اختلافات ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
اسی وقت جہاں کہیں معافی دی ہے انکے سوا میں دی ہے اور ان کے اندر کہیں معافی نہیں دی اور عذر کے اندر
آپ نے فرمایا ہے وان لم تستطع فاومِ ایماء۔ اور اگر تجھکو طاقت نہ ہو تو اشارہ کیلے اشارہ۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ نماز کی انکے واسطے دو حدیں مقرر کیجائیں ایک تو وہ حد کہ اسکے اندر کمی
سے نماز سے عہدہ برائی نہ ہوسکے اور ایک وہ حد کہ جس سے نماز کامل اور پوری پوری مفید ہوسکے حد اول میں تو وہ باتیں
ہیں کہ اگر انمیں سے کوئی باقی رہجائے تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہو اور وہ باتیں کہ انکے ترک کرنے سے نماز میں نقص لازم آتا ہے

و علاوہ واجب نہیں ہوتا اور وہ باتیں کہ اُنکے ترک کرنے سے تارک سنت ملامت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ نماز کے اندر نقص پیدا
ہونیکا یقین نہیں ہوتا اور تینوں مراتب کے اندر فرق بہت مشکل ہے اور اُسکے اوپر کوئی نص صریح یا اجماع نہیں ہے مگر یہیں
بڑے امام ہی وجہ ہے کہ فقہا کے اندر بہت بڑا اختلاف ہوا اور اصل سبب اُسی شخص کے متعلق جس نے بُرے طور پر نماز
پڑھی تھی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا ارجع فصل فانک لم تصل ترجمہ لوٹ جا اور پڑھ کیونکہ تو نے
نماز نہیں پڑھی دو مرتبہ ایسا ہوا یعنی تین بار پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا اذا قمت الی الصلوٰۃ فاسبغ الوضوء
ثم استقبل القبلۃ فکبر ثم اقرأ بما تیسر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع راسک حتی تستوی قائما ثم اسجد حتی تطمئن
ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم افعل ذلک فی صلوٰتک کلہا۔ جب
تو نماز کے لئے اُٹھے تو پورا پورا وضو کر پھر قبلہ رو کھڑا ہو کر تکبیر کہہ پھر تجھے جسقدر میسر ہو قرآن پڑھ پھر رکوع کر تا کہ اطمینان
سے رکوع ہو جاوے پھر اپنا سر اوپر کو اُٹھا اتنا کہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جاوے پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدے سے
اُٹھکر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدے سے اُٹھکر اطمینان سے بیٹھ جا اور تمام اپنی نماز میں
اسی طرح کر اور ترمذی کی روایت میں اسکے ساتھ یہ بھی ہے فاذا فعلت ذلک فقد تمت صلوٰتک وان انتقصت
منہا انتقصت من صلوٰتک پس تو نے جب یہ کیا تب تو تیری نماز پوری ہوئی اور اگر اُس سے کچھ گھٹایا تو اپنی نماز میں
سے تو نے گھٹایا ترمذی نے بیان کیا ہے بہ نسبت پہلی روایت کے جسمیں یہ زیادتی نہیں ہے اس روایت
میں اُنکے لئے آسانی ہے کیونکہ اس روایت کے موافق ان باتوں میں سے کسی بات کی کمی کرنے سے اگرچہ نماز ناقص
ہوئی مگر ہو تو گئی یہ نہیں کہ بالکل نماز نہیں ہوئی ٭

اور ایک مدار اول ہیں وہ چیزیں داخل ہیں جنکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رکنیت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے
جیسے آپنے فرمایا ہے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بغیر فاتحۃ الکتاب کے نماز نہیں ہوتی اور فرمایا ہے لا تجزی صلوٰۃ الرجل حتی
یقیم ظہرہ فی الرکوع والسجود جب تک رکوع و سجود میں آدمی کی پشت سیدھی نہ ہو جائے
آدمی کی نماز پوری نہیں ہوتی اور ایک وہ باتیں داخل ہیں کہ جنکے ساتھ شارع نے نماز کو تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس سے ان
چیزوں کی نماز کا رکن ہونے پر تنبیہ بلیغ پائی جاتی ہے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قام رمضان
اور فرمایا ہے فلیرکع رکعتین اور اللہ پاک فرماتا ہے وارکعوا مع الراکعین اور فرماتا ہے وادخلوا الباب سجدا۔ اور فرماتا ہے قوموا
للہ قانتین اور ہر ایک وہ باتیں جنکو اس طور سے بیان کیا ہے کہ اُنکا ضروری ہونا مفہوم ہوتا ہے جیسے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم اور آپ نے فرمایا ہے فی کل رکعتین التحیۃ اور تشہد کی بابت
میں آپ نے فرمایا ہے اذا فعلت ذلک تمت صلوٰتک اور اسی طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں اور ایک وہ امور اسمیں
داخل ہیں کہ نماز کے اندر اُنکے ضروری ہونے میں مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے اور برابر وہ امور انمیں جاری رہے
اور ترک کرنیوالے پر ملامت ہوتی رہی۔ حاصل نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اندر جو بالتواتر ثابت ہوا اور امت کو
برابر پہونچتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ طہارت کرے اور ستر عورت کرے اُسکے بعد کھڑا ہو اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور خالص نیت

خدا تعالےٰ کی جانب متوجہ ہو کر زبان سے اللہ اکبر کہے اور سورۂ فاتحہ پڑھکر بجز فرض کے تیسری اور چوتھی رکعت میں کوئی سورۃ
اور اُس کے ساتھ پڑھے پھر رکوع کرے اور اسقدر جھک جاوے کہ انگلیوں کی پوروں سے گھٹنوں کو چھو سکے اور اطمینان سے
رکوع کرے پھر رکوع سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ کھڑا ہو جاوے پھر اعضائے ہفتگانہ کیساتھ اطمینان سے سجدہ کرے یعنی دونوں
ہاتھ اور دونوں پیر اور دونوں گھٹنے اور منہ پھر سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ جاوے پھر اسی طرح دوبارہ سجدہ کرے یہ سب ایک رکعت
ہوئی پھر دو رکعت کے بعد بیٹھکر التحیات پڑھا کرے اور پھر جب اخیر رکعت ہو تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر التحیات کے بعد درود بھیجے
اور اسکے بعد کوئی دعا جو اسکو پسند ہو پڑھے اسکے بعد جو اسکے قریب فرشتے یا آدمی ہیں انکے اوپر سلام کہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی
نماز یہ ہے بلا عذر کسی نماز فرض کے اندر یہ بات ثابت نہیں کہ ان امور میں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی امر نماز
میں ترک کیا ہو اور تمام صحابہ اور تابعین اور اُن کے بعد جتنے ائمہ مسلمین گذرے ہیں سب اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور برابر سب
یہ لوگ انہیں افعال کا نام نماز اور انکو ضروریات دین میں سے کہتے چلے آئے ہیں البتہ فقہاء کا چند امور میں اس بات کے اندر
اختلاف ہوگیا ہے کہ وہ آیا نماز کے ارکان ہیں کہ بدوں انکے نماز کا کچھ اعتبار نہیں یا نماز کے واجبات ہیں جن کے ترک
کرنے سے نماز میں نقصان آجاتا ہے یا اُسکے اجزا میں سے ہیں جنکے ترک کرنے سے تارک ملامت کا مستحق ہوتا ہے اور سجدہ
سہو سے اُسکا نقصان پورا ہو جاتا ہے اور اصل اسکی یہ ہے کہ دل کے اندر خدا تعالےٰ کیلئے خشوع کا ہونا اور اسکی طرف توجہ کا
بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے خارج میں اسکے واسطے کوئی امر ہونا چاہئے جس سے اسکا انضباط ہوسکے
اسلئے دو چیزوں کے اندر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو منضبط کیا ایک تو یہ کہ اپنا منھ اور بدن قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہووے
اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اسواسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اُسکے دل میں کوئی بات جمتی ہے
تو اسکی زبان اور تمام اعضاء اُسی کے موافق حرکت کرتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان فی جسد ابن
آدم مضغۃ الحدیث۔ آدمی کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اخیر تک
اسلئے زبان اور باقی اعضا کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویہ اور اسکا قائم مقام ہوتا ہے ایسی چیز سے دلی حالت کا انضباط
ہوسکتا ہے اور چونکہ جناب باری تعالےٰ جہت وغیرہ سے پاک ہے اسواسطے اُسکے گھر کی طرف اور اُس کی طرف جو اُس کا
شعار ہے توجہ کرنا خدا تعالےٰ کی طرف توجہ کرنیکا قائم مقام ہوا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اقبل اللہ
بوجہہ وقلبہ۔ یعنی نمازی اپنے منہ اور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوا اور چونکہ اللہ اکبر کا لفظ دلی انقیاد اور دلی تعظیم پر
بہت صاف صاف دلالت کرتا ہے اس واسطے توجہ قلبی کے قائم مقام کرنے کے لئے کوئی لفظ اس سے زیادہ تر
مناسب نہ تھا اور اس کے اندر اور وجوہ بھی پائے جاتے ہیں ازانجملہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم کی جہت سے اسکی
طرف منہ کرنا واجب ہے مگر نماز کے ساتھ ساتھ اُس کو اسواسطے مقرر کیا گیا ہے کہ نماز سے اُس کی تکمیل ہو جاوے اور
نماز کی اس سے۔ ازانجملہ یہ ہے کہ قبلہ کو منہ کرنا دین حنیفی کی بڑی مشہور پہچان ہے جس کی وجہ سے آدمی اوروں سے تمیز
ہوسکتا ہے اسلئے ضروری ہوا کہ ایسی چیز اسلام کے اندر داخل ہونے کی علامت مقرر کی جائے اس وجہ سے ایک بڑے
نامی اور عظیم الشان عبادت کے ساتھ اُنکو مقرر کیا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من صلی صلوتنا واستقبل

قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ . جو شخص ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے
اور ہمارے ذبیحہ کو کھالے تو وہ مسلمان ہے جسکا خدا اور اسکا رسول ذمہ دار ہے ۔ ازانجملہ یہ کہ کھڑا ہونا جب ہی تعظیم سمجھا جاتا
ہے جب سامنے کو منہ کرکے کھڑا ہو ۔ ازانجملہ یہ ہے کہ ہر حالت کے لیے جو اور حالتوں سے احکام میں علیحدہ حالت ہو
ایک ابتدا اور ایک انتہا ہوا کرتی ہے اسکی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم ۔
نماز کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے جسمانی تعظیم کے اندر اصل تین باتیں ہیں ایک تو سامنے
کھڑا ہونا اور ایک رکوع اور ایک سجدہ اور عمدہ تعظیم وہ ہے جو سب کی جامع ہو اور خضوع کے لئے نفس کی تنبیہ سب طور پر
اسی طرح ہو سکتی ہے کہ تعظیم کی ادنے حالت سے اعلے حالت کیطرف تدریج انتقال کیا جائے اور اعلے درجے کی تعظیم سجدہ کرنا ہے
بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود بالذات یہی وہ ہے اور باقی قیام اور رکوع اسکے لئے واسطہ ہیں اسواسطے ضروری ہوا کہ اسکو کما حقہ
ادا کیا جائے اور اس کی صورت یہی ہے کہ دو مرتبہ اسکو ادا کریں ۔ اور ایک ذکر الٰہی تھا اسکے اندر بھی وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے
اس لئے کہ وقت کی تعیین سے لوگوں کے دل اس چیز کو خوب مان لیتے ہیں اور دلوں کو جمعیت رہتی ہے اور پھر جھگڑا بھی
نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے کے موافق چلے خواہ اسمیں بہتری ہو یا قباحت ہو اور انکے حوالے اگر کیا ہے تو ادعیہ نافلہ کو
کیا ہے جنسے علی العموم لوگ مخالف نہیں ہیں بلکہ جو سبقت چاہے وہ اسی کے لئے ہیں علاوہ بریں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
بدون تعیین اوقات کے انکو بھی نہ چھوڑا ہے اگرچہ وہ تعیین بطور استحباب کے ہے اور جب تعیین اوقات ضروری ٹھیری تو
فاتحہ سے بڑھکر کوئی چیز اسکے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ایک جامع دعا ہے خدا تعالے نے بندوں کی طرف سے
گویا انکو اس بات کی تعلیم کرنے کے لئے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد و ثنا اس طرح کیا کرتے ہیں اور اس طرح خاص ہم
سے استعانت اور خاص ہمارے لئے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اس طرح وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہو مانگا
کرتے ہیں اور ان لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں پناہ مانگتے ہیں اور بہتر دعا وہی ہوتی ہے
جو جامع ہوتی ہے اور چونکہ دین کے اندر قرآن کی تعظیم اور اسکی تلاوت واجب ہے اور اس سے بڑھکر کوئی تعظیم کی صورت
نہیں کہ جو اسلام کا رکن اعظم اور عبادات میں اصل اور شعار دین میں بڑا نامی شعار ہے اس کے اندر قرآن کو معین کیا جائے
اور اس کی تلاوت خود ایک مستقل عبادت تھی جس سے نماز کی تکمیل اور اسکا اتمام متصور تھا اس وجہ سے قرآن کی کسی سورۃ
کا پڑھنا اسکے واسطے کیا گیا اسلئے کہ سورت ایک پورا کلام ہے جسکی بلاغت سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے منکرین
نبوت کو عاجز کر دیا دوسرے یہ کہ ہر سورت اپنی ابتداء اور انتہا کی وجہ سے ایک جدا کلام ہوتا ہے اور ہر سورت کا اسلوب
جدا جدا ہے اور چونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ سورت کے ایک ٹکڑے کو بھی نماز میں پڑھا ہے اسلئے تین
چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کو بھی اسی کے حکم میں داخل کیا ہے اور چونکہ کھڑا ہونا بھی قسم قسم کا ہے اور سب لوگ ایک
طرح سے کھڑے نہیں ہوتے کوئی نیچے کو سر ڈالکر کھڑا ہوتا ہے کوئی جھک کر کھڑا ہوتا ہے اور عرف میں سب یہ کھڑے ہونے
میں داخل ہے اسواسطے شارع کو جو انحناء یعنی جھکنا مقصود ہے اسکو قیام سے تمیز ہونے کی حاجت ہے لہذا رکوع کیساتھ اسکو تمیز
کر دیا جو اسقدر جھکنے کا نام ہے کہ ہتھیلیوں کی پوریں گھٹنوں تک پہونچ جائیں اور چونکہ رکوع و سجدہ اسی وقت میں تعظیم پر دلالت

کرسکتے ہیں کہ کچھ دیر آدمی اس حالت پر ٹھیرا رہے اور پروردگار عالم کے روبرو اپنے آپ کو پست کرے اور اسکا دل اس حالت
کے اندر اس تعظیم سے خبردار ہوجاوے اسواسطے اسکو ایک رکن لازم قرار دیا گیا اور چونکہ سجدہ کرنا اور پیٹ کے بل لیٹ
جانا اور جو چیزیں اس کے قریب قریب ہیں سب کے اندر سر کا زمین پر رکھنا پایا جاتا ہے مگر تعظیم صرف سجدہ کے اندر ہی
پائی جاتی ہے اس واسطے کوئی مابہ الفرق مقرر کرنا ضروری ہوا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا امرت ان اسجد
علی سبعۃ آداب الحدیث۔ مجھکو سات اعضا سے سجدہ کرنیکا حکم ہے آخر تک اور چونکہ جب آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے۔ تو
سجدہ تک پہنچنے کیلئے اسکو جھکنا ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکنا رکوع نہیں ہوتا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا
ہے اسلئے ضرورت ہوئی کہ رکوع و سجدے میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے انکے بیچ میں لایا جاوے
تاکہ رکوع سجدے سے اور سجدہ رکوع سے علحدہ ہوکر ہر ایک مستقل عبادت ٹھیرے اور ہر ایک کیلئے نفس کا ارادہ جدا
ہووے تاکہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ بھی جداگانہ پائی جاوے اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے اور دو سجدے
بھی آپس میں اسیوقت متمیز ہوسکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل ان کے درمیان میں حائل ہوجاوے اسلئے دو سجدوں کے
درمیان میں جلسہ مقرر کیا گیا اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہے اور آدمی کے ہلکاپن پر دلالت
کرتا ہے جو شان عبادت کے بالکل خلاف ہے لہذا ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور چونکہ نماز
سے طہارت کو زائل کرکے باہر آنا یا اور کوئی اس قسم کا فعل کرکے نماز سے باہر آنا جو نماز کا فاسد اور باطل کرنیوالا ہو ایک
قبیح اور مستنکر اور تسلیم و تعظیم کے منافی تھا اور ایسے فعل کا ہونا بھی ضرور تھا جس پر نماز کا اتمام ہوجاوے اور جو افعال نماز کے اندر حرام تھے
وہ حلال ہوجائیں اور اگر وہ کوئی خاص فعل مقرر نہ کیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش پر چلنے لگتا لہذا ضرور ہوا کہ ایسے ہی کلام
سے نماز سے باہر آیا کریں جو لوگوں کے کلام میں بہترین کلام ہو یعنی سلام اور یہ بات واجب کردیگئی چنانچہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وتحلیلھا التسلیم اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے اور صحابہ نے اس بات کو پسند کیا تھا کہ سلام
سے قبل یہ پڑھا کرتے تھے السلام علی اللہ قبل عبادہ السلام علی جبرائیل السلام علی فلان خدا کے اوپر اسکے بندوں سے پہلے
سلام۔ جبرائیل کے اوپر سلام فلان کے اوپر سلام تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے التحیات کیساتھ اسکو بدل دیا اور اس بدلنے
کی وجہ بھی آپ نے اس طور پر بیان فرمائی لاتقولوا السلام علی اللہ فان اللہ ہو السلام یہ مت کہو کہ خدا کے اوپر سلام کیونکہ خدا تعالی
کا تو نام ہی سلام ہے یعنی سلامتی کی دعا اس شخص کے لئے مناسب ہے کہ باعتبار ذات کے معدوم اور اسکے لواحق سے وہ سالم نہ ہو
پھر نبی کیواسطے آپ نے سلام کو مقرر کیا تاکہ نبی کی یاد دلسے نہ جاوے اور انکی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور کچھ اسکا حق
بھی ان سے ادا ہوجاوے پھر اس قول میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ہم پر سلام اور خدا کے نیک بندوں پر
سلام کی تعمیم کردی اور آپ نے فرمایا ہے جب بندے کی یہ زبان سے نکلا تو ہر نیک بندے کو جو آسمان و زمین میں
ہے یہ پہنچ جاویگا پھر تشہد کا حکم دیا کیونکہ وہ اعظم الاذکار ہے اور فرمایا کہ پھر جو اس کو پسند ہو وہ دعا کرے۔ یہ اس واسطے کہ
نماز سے فارغ ہونے کا وقت دعا کرنے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الہی اسپر چھا جاتی ہے اور
ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد و ثنا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

توسل کرتا ہے تاکہ مستجاب ہو جائے پھر اسی پر تعیین ہو گیا اور تشہد نماز کیلئے رکن ٹھیر گیا کیونکہ اگر یہ امور نہ پائے جائیں تو نماز سے آدمی ایسے فارغ ہو اگر ہے جسطرح کسی کام سے اعراض کرنیوالا تمام کر چکتا ہے یا اُسکے تمام کرنے سے اُسکو ندامت ہوتی ہے اور اس مقام کے متعلق بہت سے وجوہ ہیں بعضے ظاہر اور بعضے پوشیدہ نہیں جو مذکورہ کو کافی سمجھکر ہم نے انکا ذکر نہیں کیا الحاصل جو شخص ہمارے کلام میں فکر کریگا اور جو قواعد سابقاً ہم نے بیان کئے ہیں انکا خیال کریگا تو اُسکو یہ بات معلوم ہو جاویگی کہ نماز اسی طرح ہونی مناسب تھی اور اُسکے سوا کوئی بہتر اور کامل صورت نماز کی عقل کے تصور میں نہیں آسکتی اور یہ انکو یقین ہو جائیگا کہ غنیمت حاصل کرنیوالے کیلئے نماز ایک غنیمت کبری ہے اور چونکہ تھوڑی سی نماز کا کچھ معتد بہا فائدہ نہیں ہو سکتا اور بہت سی نماز لوگوں پر بہت گراں ہوتی اور انکو ادا کرنا دشوار پڑجاتا اسواسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ کم از کم دو رکعت اُنکے لئے مقرر کیجائیں پس دو رکعت نماز کا کم درجہ قرار پایا اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فی کل رکعتین التحیۃ ہر دو رکعت کے التحیات ہے اور یہاں ایک بڑا بھاری بھید ہے وہ یہ ہے کہ تمام حیوانات اور نباتات کے اشخاص اور افراد کے پیدا کرنے میں خدا تعالےٰ کی عادت جاری ہے کہ ہر فرد کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور وہ دونوں ملاکر ایک شئے کردیجاتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے والشفع والوتر اور جفت کے اور طاق کے حیوان کی دو طرفین تو معلوم ہی ہوتی ہیں اور بسا اوقات ایک طرف کو کچھ مرض وغیرہ لاحق ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اُس سے محفوظ رہتی ہے جیسے فالج کے اندر اور نباتات کے مغز گٹھلی اور تخم کی دو دو نفس ہوتی ہیں اور جب نشو و نما شروع کوئی درخت اگتا ہے تو دو ہی پتے نمودار ہوتے ہیں یہ ہر ایک پتا انہیں دونوں نفس و مغز کی ایک ایک طرف کی میراث ہوتا ہے پھر اسی طور سے انکا نشو و نما ہو جاتا ہے جناب باری کا یہی قانون عالم خلق سے عالم تشریع کیطرف حظیرۃ القدس کے اندر منتقل ہوا کیونکہ تدبیر خلق کی فرع ہے اور پھر حظیرۃ القدس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اسکا انعکاس ہوا پس اصل نماز ایک رکعت ہے اور تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم کوئی نماز نہیں مقرر کی گئی اور وہ دو رکعتیں باہم بمنزلہ ایک چیز کے کردی گئی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ کا قول ہے فرض اللہ الصلوۃ حین فرضہا رکعتین رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوۃ السفر وزید فی صلوۃ الحضر وفی روایۃ الا المغرب فانہا کانت ثلثا اللہ پاک نے جب نماز کو مقرر فرمایا ہے حضر و سفر میں دو دو رکعت مقرر فرمایا ہے پھر سفر کی نماز بدستور رہی اور حضر کی بڑھا دی گئی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بجز مغرب کے کہ وہ تین ہی رکعت تھیں میں کہتا ہوں عدد رکعات کے اندر اصل یہ ہے کہ فرض جو کسی صورت میں ساقط ہی نہ ہو سکے وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہ اسواسطے کہ حکمت الٰہیہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ دن و رات میں کوئی عدد مبارک متوسط درجہ کا مقرر ہونا چاہئے کہ نہ تو وہ بہت ہو جو تمام مکلفین پر اُس کا ادا کرنا دشوار ہو جائے اور نہ بہت کم ہو کہ جسکے سبب سے نماز کا فائدہ حاصل نہ ہو سکے اور سابق میں یہ بات تم کو معلوم ہی ہو چکی ہے کہ تمام اعداد میں سے گیارہ کا عدد وتر حقیقی کیساتھ زیادہ تر مشابہت رکھتا ہے پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اسلام کو استحکام ہو گیا اور بہت سے لوگ اسکے خادم ہو گئے اور عبادات کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا تو چھ رکعتیں اور بڑھا دی گئیں اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی اور زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ زیادتی اگر کسی چیز کی بابت تو اصل شئے کے برابر یا اُس سے زیادہ ہونا اُسکا بالکل غیر مناسب ہے اسلئے یہ مناسب ہوا کہ اُس عدد پر اُسکا نصف بڑھا دیا جائے مگر گیارہ کا نصف پورا عدد نہیں ہو سکتا اسلئے یا تو

پانچ کی زیادتی کیجاتی یا چھ کی مگر گیارہ پر پانچ زیادہ کرنے سے پورا عدد طاق نہیں رہتا بلکہ جفت ہو جاتا ہے اسلئے چھ کی زیادتی لاحق کرنی
ضرور ہوئی اب باقی نماز اوقات کے اوپر اس پورے عدد کا تقسیم کرنا تو اسکا انبیاء سابقین کے آثار پر مدار رکھا گیا جیسا کہ اخبار میں مذکور
ہے اور نیز مغرب چونکہ سب نمازوں سے آخری نماز ہے اسلئے کہ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شمار کیا کرتے ہیں اس
واسطے مناسب کہ وہ ایک عدد جس نے پورے عدد کو طاق بنا دیا ہے وہ اسی میں پایا جاوے اور مغرب کے وقت میں
چونکہ گنجایش کم ہوتی ہے اسواسطے مغرب کے اندر بڑھانا مناسب نہ تھا اور فجر کا وقت سونے کا اور کسل کا وقت ہے اسلئے عدد
رکعات میں اُسکے اندر زیادتی نہیں کی گئی بلکہ جس سے ہو سکے اُسکے لیے طول قرأت مستحب کر دیا گیا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے
وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا اور فجر کو قرآن کا پڑھنا بلاشبہ فجر کا قرآن پڑھنا روبرو ہوتا ہے ۔

نماز کے اذکار اور اُس کی ہیئات مستحبہ کا بیان

معلوم ہو کہ نماز کی اس حد کو جس سے نماز پورے پورے طور پر اور کامل ادا ہوتی ہے اُس حد پر جو نماز کے اندر ضروری
ہے دو وجہ سے زیادتی ہے بالکیف اور بالکم۔ بالکیفیت سے ہماری مراد اذکار اور ہیئات ہیں اور اپنے نفس کو اس بات پر مجبور
کرنا کہ حضور قلب کے ساتھ باینطور کہ گویا وہ خدا تعالے کو دیکھ رہا ہے نماز پڑھے اور وسوسوں کو پاس نہ آنے دے اور جو
مکروہ ہیئتیں ہیں اُن سے احتراز کرے اور اسی قسم کی اور باتیں ان سب سے نماز کو بالکیفیت اور نماز پر زیادتی ہوتی ہے ۔
اور بالکمیت زیادتی کی صورت یہ ہے کہ نماز کے ساتھ نوافل اور زیادہ کر دے اور انشاء اللہ تعالے بعد کو ہم نوافل کا ذکر
کرینگے اور اصل اذکار کے اندر منجملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے اور استفتاح یعنی قرآن پڑھنے سے قبل کچھ دعا
پڑھنے میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ صدیقہ اور جبیر بن مطعم اور ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کی احادیث اصل ہیں
اور باقی مواضع میں حضرت عائشہؓ صدیقہ اور ابن مسعود اور ابوہریرہ اور ثوبان اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث
مروی ہیں اور اُن کے سوا اور لوگوں سے بھی جن کا ہم مفصلا ذکر کرینگے احادیث مروی ہیں اور نماز کی ہیئت کے اندر
اصل ابی حمید ساعدیؓ کی حدیث ہے جس کو انہوں نے دس اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو روایت کیا اور انہوں
نے اُس کو تسلیم کیا اور حضرت عائشہؓ صدیقہ اور وائل بن حجرؓ سے بھی منجملہ اُس میں روایت ہے اور ابن عمرؓ سے رفع یدین
کی حدیث ہے اور اُن کے سوا اور لوگوں سے بھی حدیثیں مروی ہیں جن کا عنقریب ہم ذکر کرتے ہیں ہیئات مستحبہ کا
دارومدار چند باتوں کے اوپر ہے ایک تو خضوع کے معنی کا متحقق ہونا اور تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکوڑ لینا اور
نفس کو ایسی حالت پر متنبہ کرنا جو ادنی لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت
کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر ادھر
نہ دیکھنا۔ اور ایک خدا تعالے کے ذکر اور ما سوا پر اُسکے اختیار کر لینے کی حالت کو اپنے ہاتھ انگلیوں سے دلمیں آتے
وقت اور زبان سے کہتے وقت اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا تاکہ ایک دوسرے کیلئے معاون ہو جاوے اور ایک ان
ہیئتوں کا عمل میں لانا جو وقار اور عادات حسنہ پر دلالت کرتی ہیں اور ذی عقل لوگ ان کو پسند کرتے ہیں اور غیر ذوی العقول

کیطرف اُن ہیئتوں کو منسوب کرتے ہیں احتراز کرنا جیسے مرغ کیطرح ٹھونگ مارنا اور کتے کیطرح بیٹھنا اور لومڑی کیطرح ہیں پر پیٹ
پھیرنا اور اونٹ کیطرح بیٹھنا اور درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھادینا اور ایسی ہی وہ ہیئتیں جو متکبر لوگوں یا اُن لوگوں کی ہوتی ہیں جنپر
عذاب نازل ہوا ہے اُنسے بھی احتراز کرنا مثلاً کمر پر ہاتھ رکھکر کھڑا ہونا اور ایک یہ کہ عبادت اطمینان اور سکون و آسانی کو
ساتھ ادا کیجائے جیسے دونوں سجدوں کے بعد جلسۂ استراحت یا قعدۂ اولے میں داہنے پیر کا کھڑا کرنا و بائیں کا بچھا لینا
کیونکہ کھڑے ہونے کیلئے اسمیں آسانی ہے اور قعدۂ ثانیہ کے اندر چوتڑ ٹیک کے بیٹھنا سو اسلئے کہ آرام اسمیں زیادہ ہے
اذکار کا مدار بھی چند باتوں پر ہے ایک تو اُس خضوع پر جسکے لئے اعضاء کا فعل موضوع ہے نفس کو متنبہ کرنے کیلئے
بیدار کرنا جیسے رکوع اور سجود کے اذکار اور ایک آواز سے حمد کا ذکر کرنا تاکہ لوگوں کو امام کا ایک رکن سے دوسرے رکن کیطرف
منتقل ہونا معلوم ہوجاوے جیسے ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے اللہ اکبر کہنا اور ایک یہ کہ نماز کی کوئی حالت خدا تعالے کے ذکر سے
خالی نہ رہے جیسے تکبیرات اور قومہ اور جلسہ کے اذکار ہیں *

تکبیر

پس جب آدمی اللہ اکبر کہے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھاوے تاکہ معلوم ہو کہ خدا تعالے کے ماسوا سے وہ دست بردار
ہوکر خیمہ مناجات میں آگیا اور کانوں تک خواہ مونڈھوں تک اُنکو اٹھاوے اور ہر ایک سنت ہے اُسکے بعد داہنے ہاتھ
کو بائیں پر رکھے اور دونوں قدم برابر برابر رکھے اور سجدہ کی جگہ پر تعظیماً اپنی نگاہ جھکائے رہے تاکہ اجتماع خاطر کیساتھ اجتماع
اعضاء کا بھی پیدا ہوجاوے اُسکے بعد دعاے استفتاح پڑھے تاکہ حضور قلب پیدا ہو اور مناجات کیطرف اُس کا میلان ہو اور

دعاء استفتاح

نبی صلعم سے یہ دعا بسند صحیح وارد ہوئی ہے ازانجملہ یہ ہے اللّٰھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللّٰھم
نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللّٰھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد میں کہتا ہوں برف اور اولے سے
دھونے سے مراد گناہوں کا دور کرنا اور اُسکے ساتھ اطمینان اور تسکین کا کرنا مراد ہے اور عرب کہا کرتے ہیں برد قلبہ یعنی اُس کا دل
مطمئن ہوگیا اور ثلج یعنی اُسکو یقین آگیا اور ازانجملہ یہ ہے وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا
من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اور ایک
روایت میں وانا من المسلمین ہے ازانجملہ یہ ہے سبحنک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالے جدک ولا الٰہ غیرک
اللہ اکبر کبیرا تین دفعہ والحمد للہ کثیرا تین دفعہ وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا تین دفعہ۔ اُس کے بعد شیطان سے پناہ مانگے

تعوذ

اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے فاذا قرات القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم یعنی جب تو قرآن پڑھے تو خدا
کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگ میں کہتا ہوں بھید اسمیں یہ ہے کہ شیطان جو آدمی کو ضرر پہونچاتا ہے سب سے
زیادہ اُس کا یہ ضرر پہونچاتا ہے کہ کتاب الٰہی کے اندر خدا تعالے کی مرضی کے خلاف تاویلات کرنے کے وسوسے ڈالتا
ہے یا اس کتاب کے اندر اُس کو فکر نہیں کرنے دیتا اور تعوذ کئی طرح سے مروی ہے ازانجملہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور
ازانجملہ استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم اور ازانجملہ اعوذ باللہ من الشیطان من نفخہ ونفثہ وہمزہ اُس کے بعد آہستہ سے بسم اللہ
پڑھے کیونکہ خدا تعالے نے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے سے پہلے اپنے نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا
ہے علاوہ بریں بسم اللہ کے پڑھ لینے میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اس کے جزو فاتحہ ہونے میں مختلف روایتیں آئی

ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح اس بات میں مروی ہے کہ آپ نماز کو بیچ قرأت کو الحمد رب العالمین سے
شروع کیا کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ میرے نزدیک اگر آپ نے بعض اوقات میں اس ارادہ سے
بسم اللہ کو بالجہر پڑھا ہو کہ لوگ نماز کی سنت کو معلوم کریں تو کچھ بعید نہیں ہے اور ظاہر تو یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
یہ اذکار اپنے خاص خاص صحابہ کو تعلیم فرمایا کرتے تھے اور یہ اذکار ایسے نہ ہونے تھے جس کا تمام لوگوں سے مطالبہ کیا جاتا اور
انکے ترک سے تارک پر ملامت کی جاتی انس رضی اللہ عنہ کے قول کی میرے نزدیک یہی تاویل ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی
اس قول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ تکبیر اور قرأت کے اندر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کسیقدر سکوت کیا
کرتے تھے تو میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں قرأت اور تکبیر کے اندر جو آپ سکوت کرتے ہیں اسمیں
آپ کیا پڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ اور قرآن کی آیات اور کوئی سورت ترتیل کیساتھ پڑھے یعنی جہاں مد کا
موقع ہے وہاں مد ادا کرے اور جہاں آیت تمام ہو وہاں ٹھہر جاوے ظہر و عصر کی نماز میں قرآن آہستہ پڑھے اور فجر کی
نماز میں اور مغرب و عشا کی دو پہلی رکعت میں امام قرآن کو آواز سے پڑھے اور مقتدی پر واجب ہے کہ چپ کھڑا رہے
اور قرآن کو سنتا رہے پھر اگر امام جہر سے پڑھتا ہے تو جب وہ سکوت کیا کرے اس وقت وہ پڑھ لیا کرے اور اگر آہستہ
پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر مقتدی پڑھے تو سورہ کو پڑھے مگر اس طرح سے پڑھے کہ امام اس کے پڑھنے
سے اپنا پڑھنا نہ بھول جاوے اور میرے نزدیک سب سے بہتر یہ قول ہے اور تمام احادیث کی تطبیق اسی کی موافق
ہو سکتی ہے اور اس میں بھید وہی ہے جسکی تصریح کر دی گئی ہے کہ امام کے ساتھ آواز سے قرآن پڑھنا امام کی تشویش کا
باعث ہوگا اور اس کی وجہ سے قرآن کے اندر تدبر نہ ہو سکیگا اور قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے اور شارع نے
حکم نہیں دیا کہ آہستہ پڑھیں۔ اس واسطے کہ جب تمام لوگ صحیح صحیح حروف ادا کرنے کی کوشش کرینگے تو سب کی
آوازوں سے ایک آواز پیدا ہوگی جو امام کے لئے موجب تشویش خاطر ہوگی اور اس کو قرآن پڑھنا مشکل پڑ جائیگا۔
اسواسطے تشویش پیدا کرنے سے آپ نے منع فرما دیا اور جو چیز منع عنہ کیطرف مؤدی ہو اسکا آپ نے حکم نہیں دیا اور
انکو اختیار دیدیا کہ جس سے ہو سکے وہ کرے اور امت کے حق میں یہ بڑی رحمت ہے ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن کے
آہستہ کے پڑھنے میں یہ بھید ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور و شغب رہتا ہے اور ان دو وقتوں کے سوا
اور اوقات میں اور دنوں کو سکون ہو جاتا ہے اور لوگوں کو نصیحت اور تذکر بالجہر پڑھنے میں زیادہ تر ممکن ہے۔ اور

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ
جس وقت امام آمین کہے تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ملجاتی ہے اُسکے سب اگلے گناہ معاف
ہو جاتے ہیں میں کہتا ہوں جہاں کہیں خدا تعالے کا ذکر ہوتا ہے وہاں فرشتے مشتاق ہو کر موجود ہوتے ہیں
اور جب وہ لوگ دعائیں کرتے ہیں وہ آمین کہتے جاتے ہیں کیونکہ ملاء اعلے سے اُنکے اوپر اس بات کا القا ہو جاتا ہے
اور اسمیں امام کا اقتدا ظاہر ہوتا ہے اور پیروی کا طریقہ قائم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دو سکوت بھی
مروی ہیں ایک تو تکبیر اور قرأت کے اندر سکوت تا کہ اس عرصہ میں لوگ تکبیر تحریمہ کر لیں اور ایک سورہ فاتحہ اور

دوسری سورہ کے درمیان میں سکوت کرنا اسکی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بلا تشویش اور بلا ترک انصات سکوت مقتدیوں کو قرآن کا پڑھنا آسان ہو میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اصحاب سنن نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے صرف اسقدر سکوت جو مقتدیوں کے پڑھنے کی غرض سے امام کو کرنا چاہئے نہیں ثابت ہوتا ہے بلکہ جن کے نزدیک امام کو آہستہ سے آمین کہنی چاہئے انکے نزدیک بظاہر سکوت اسی آمین کہنے کے لئے تھا اور جو آواز سے آمین کہنے کے قائل ہیں انکے نزدیک یہ سکوت فاتحہ اور آمین کے درمیان میں ایک سکتہ لطیفہ تھا تاکہ غیر قرآن کا قرآن کے ساتھ اشتباہ و وہم نہ ہوے بلکہ اسلئے تھا کہ دم ٹھکانے سے آجائے اور علی سبیل التنزل ہم کہتے ہیں کہ قرن اول کا سکوت ہی بات سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنت مستقرہ نہیں ہے اور جو ان سنن میں ہے کہ جمہور نے اسپر عمل کیا ہو واللہ اعلم فجر کی نماز کے اندر ساٹھ سے سو آیت تک پڑھا کرتے ہے تاکہ رکعات کی کمی کا طول قرأت سے تدارک ہو جائے دوسرے یہ کہ ہنوز اشغال معاشیہ کی کدورت کا اسکے دلمیں استحکام نہیں ہے پس اسوقت میں قرآن کے اندر فکر اور تدبیر کرنے کو بہت غنیمت جانے اور عشا کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلی اور والشمس واللیل اذا یغشی اور ان کے قریب قریب سورتیں پڑھنی چاہئے اور حضرت معاذ کا قصہ در آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کے نفرت دلانے سے ناراض ہونا مشہور ہی ہے اور بعض روایات کے موافق تو ظہر کی نماز بقدر عصر کی عشا پر محمول ہے اور بعض کے موافق ظہر کی عشا پر اور عصر کی مغرب پر محمول ہے مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے کیونکہ وقت میں گنجائش کم ہوتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں کے لحاظ سے نماز میں کبھی طول قرأت اور کبھی تخفیف کیا کرتے تھے اور لوگوں کو تخفیف کرنیکا آپ نے اسواسطے حکم دیا ہے کہ ان میں کوئی ضعیف بھی ہوتا اور کوئی مریض ہوتا ہے اور کسی کو کچھ ضروری کام ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات کے لئے بعض سورتوں کو اور بعض کے لئے بعض کو پسند فرمایا ہے اور یہی حکمتیں ہیں کہ ان نمازوں میں انہیں سورتوں کا پڑھنا کچھ واجب یا سنت موکدہ کے قبیل سے نہیں ہے جو کیا کرے تو بہت ہی اچھا ہے ورنہ کچھ حرج نہیں ہے منجملہ عید الاضحی اور عید الفطر میں آپ سورہ ق اور اقتربت پڑھا کرتے تھے کیونکہ انکا اسلوب بہت ہی عجیب ہے اور باوجود نہایت اختصار کے عامہ مقاصد قرآنی پر یہ سورتیں مشتمل ہیں اور لوگوں کے اجتماع کے وقت ایسے ہی چیز کی ضرورت ہے یا کبھی تخفیف کے قصد سے سبح اسم اور ہل اتاک کا پڑھا کرتے تھے اور دوسرے ان کا اسلوب بہت ہی نادر ہے اور جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان سورتوں میں ایک طرح کی مناسبت اور تحذیر پائی جاتی ہے اور جمعہ کے اندر منافقین اور ہر قسم کے لوگ اکٹھے ہوا ہی کرتے ہیں جو اور روز نہیں ہوتے اور جمعہ کے روز نماز فجر میں الم تنزیل اور ہل اتی پڑھا کرتے تھے تاکہ قیامت اور اس کے واقعات لوگوں کو یاد آجائیں اور چارپائے جمعہ کے روز قیامت کے انتظار میں کان کھڑے رکھتے ہیں اسی طرح بنی آدم کو بھی مناسب ہے کہ اس دن سے ڈرتے رہیں اور جب قرآن پڑھنے والا سبح اسم ربک الاعلی پڑھے تو اس کو کہنا چاہئے سبحان ربی الاعلی اور جو شخص الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو اس کو کہنا چاہئے بلی وانا علی ذلک من الشاہدین اور جو شخص الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھے اس کو کہنا چاہئے بلی اور جو شخص پڑھے فبای حدیث بعدہ یومنون اسکو کہنا چاہئے

اخبات اللہ اور ضبط ہے کہ اسمیں ادب اور مسارعت الی الخیر پائی جاتی ہے ۔

رفع یدین

پھر جب رکوع میں جانا چاہے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک خواہ کانوں تک اٹھائے اور اسی طرح اسوقت جب رکوع سے سر اٹھا کر کھڑا ہووے رفع الیدین کرے اور سجدے میں ایسا نہ کرے میرے نزدیک اسمیں بھید یہ ہے کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے جس سے نفس کو ان اشغال کے چھوڑنے پر جو نماز کے منافی ہیں اور حیز مناجات میں داخل ہونے پر تنبیہ ہو جاتی ہے اسواسطے تعظیمات ثلثہ میں سے ہر فعل کی ابتدا رفع یدین سے مقرر کی گئی تاکہ از سر نو وقفہ نفس کو اس فعل کے ثمرہ یعنی تعظیم پر تنبیہ ہوا کرے اور یہ ان ہیات کے قبیلہ سے ہے کہ کبھی تو آپ نے اس کو کیا ہے اور کبھی ترک کیا ہے مگر دونوں سنت ہیں اور ہر ایک کو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی ایک ایک جماعت نے اختیار کیا ہے ۔

رفع یدین کا مسئلہ منجملہ ان مسائل کے ہے جنمیں اہل مدینہ اور کوفہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک کے قول کیلئے دلیل ہے اور ایسے مسائل میں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ سب سنت ہیں جیسے وتر کے اندر ایک رکعت پڑھنا یا تین رکعت پڑھنا اور جو شخص رفع یدین کرتا ہے میرے نزدیک اس شخص سے جو رفع یدین نہیں کرتا اچھا ہے کیونکہ رفع یدین پر جو حدیثیں دلالت کرتی ہیں وہ زیادہ بھی ہیں اور ثابت بھی خوب ہیں مگر ایسی صورت میں مناسب نہیں ہے کہ عام شہر والوں کا فتنہ شور اپنے اوپر لیوے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا ہے لولا حدثان قومک بالکفر لنقضت الکعبۃ الحدیث تیری قوم نومسلم نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد کے موافق بناتا اور کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خیال کیا ہو کہ اخیر سنت مقررہ پر رفع یدین کا ترک کرنا ہے اس خیال سے کہ نماز کا مدار اعضا کے سکون پر ہے اور انکو یہ بات معلوم نہ ہوئی ہو کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ابتدا اس سے کی گئی ہے یا انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ رفع یدین ایسا فعل ہے جس سے کسی چیز کا ترک معلوم ہوتا ہے اس واسطے اثنا نماز میں اسکا ہونا نامناسب ہے اور یہ بات انکے سمجھ نہ آئی ہو کہ نماز کے اندر جتنے افعال مقصود بالذات ہیں ان سب کے شروع میں بار بار نفس کو ماسوا کے ترک پر تنبیہ کرنا منظور ہے واللہ اعلم اور سجدے میں جاتے وقت رفع یدین کے نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قومہ اسیواسطے مقرر کیا گیا ہے کہ رکوع اور سجدے میں فارق ہو جائے تو قومہ کیوقت رفع یدین کرنا فی الحقیقت وہ رفع یدین سجدے کے لئے ہے پھر دوبارہ اسکا کرنا لاحاصل ہے ہر مرتبہ جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنی چاہئے تاکہ نفس ہر مرتبہ متنبہ ہوتا رہے اور تاکہ جماعت کے لوگ تکبیر سنکر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کیطرف منتقل ہونا معلوم کرتے رہیں ۔

رکوع کے ہیات میں سے یہ بات ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں نیچے کیجانب کو رکھے جسطرح کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور ہاتھوں کی کہنیاں بدن سے دور رکھے اور اپنے بدن کو برابر رکھے کہ اسکا سر نہ تو اٹھا ہوا رہے اور نہ نیچے کو جھکا رہے اور رکوع کے اذکار میں یہ بھی آیا ہے سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی اور اسمیں خدا تعالے کے اس حکم کی تعمیل پائی جاتی ہے فسبح بحمد ربک واستغفرہ تو خدا کی تعریف سے تسبیح کر اور

س سے بخشش مانگ۔ اور ازانجملہ یہ ہے سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح اور ازاں جملہ یہ ہے سبحان ربی العظیم تین مرتبہ اور ازانجملہ یہ ہے اللھم لک رکعت وبک امنت ولک اسلمت خشع لک سمعی وبصری ومخی وعظمی وعصبی اور قومہ کے ہیئات یہ ہیں کہ سیدھا کھڑا ہو کر پشت کے مہرے سب اپنے ٹھکانے پر جاویں اور دونوں ہاتھ اٹھاوے اور اذکار اسکے یہ ہیں سمع اللہ لمن حمدہ اور ازانجملہ اللھم ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ اور ایک روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے ملء السموات وملء الارض وملء ما شئت من شیء بعد اور ایک روایت میں یہ کلمے زیادہ ہیں اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد وکلنا لک عبد لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد اور ازانجملہ یہ ہے اللھم طھرنی بالثلج والبرد والماء البارد اللھم طھرنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس

صبح کی قنوت کے بارے میں احادیث اور صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہیں مگر میرے نزدیک قنوت بھی سنت ہے اور اسکا ترک بھی سنت ہے اور میرے نزدیک سب سے وہ اچھا ہے کہ یا تو کسی بڑے حادثہ کے وقت پڑھے یا قنوت کے چند کلمات آہستہ پڑھ لیا کرے ورنہ پڑھا کرے کیونکہ احادیث برابر اس بات پر شاہد ہیں کہ ابتداء رعل اور ذکوان پر بددعا کی گئی ہے پھر ترک کر دی گئی اور اس سے اگرچہ مطلقاً قنوت کا نسخ معلوم نہیں ہوتا مگر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ قنوت سنت مستقرہ نہیں ہے یا ہم کہتے ہیں ایسی چیز نہیں ہے جو ہمیشہ کرنی پڑے چنانچہ ابو مالک اشجعی نے جب اپنے باپ سے جو آنحضرت کے صحابہ میں سے تھے قنوت کی نسبت دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا ای بنی محدث۔ بیٹا یہ نئی چیز ہے یعنی پہلے اس پر ہمیشگی نہ تھی یہ بعد کو ہو گئی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفا کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو قبل از رکوع یا بعد از رکوع مسلمانوں کے لئے دعا اور کافروں پر بددعا کیا کرتے تھے اور اس کو کبھی ترک نہیں کیا یا یہ کبھی کہ ایسا نہیں ہوا کہ کوئی حادثہ پیش آیا ہو اور ایسا نہ کیا ہو۔ اور سجدہ کے کرنے کی یہ صورت ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھنے سے پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے اور کتے کی طرح اپنے بازو زمین پر نہ بچھاوے اور کہنیوں کو بدن سے ہٹائے رکھے کہ اسکے بغلوں کی سفیدی نظر آسکے۔ اور پیروں کے انگلیوں کی پوریں قبلہ کیطرف کو رکھے سجدہ کے اذکار یہ ہیں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ یا سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی یا یہ اللھم لک سجدت وبک امنت ولک اسلمت سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ فتبارک اللہ احسن الخالقین یا یہ سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح یا یہ اللھم اغفرلی ذنبی کلہ دقہ وجلہ واولہ واخرہ وعلانیتہ وسرہ یا یہ اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود کثرت سجود سے اپنے نفس پر میری مدد کر اسکی یہ وجہ ہے کہ سجدہ غایت درجہ کا تعظیمی فعل ہے اور ایمان والے کے حق میں معراج ہے اور سجدہ کا وہ وقت ہے کہ ملکیہ کو اس وقت میں قید بہیمیت سے خلاصی کا مرتبہ ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اپنے آپ کو رحمت الٰہی کے نزول کا مستحق بنا لیا تو اس نے گویا خدا تعالے کی مدد کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے امتی یوم القیمۃ غر من السجود محجلون من الوضوء۔ قیامت کے دن سجدے کے سبب سے میری امت کے منہ اور وضو کے سبب سے انکے دست و پا روشن ہونگے۔ میں کہتا ہوں عالم مثال کا منبع ارواح اور اشباح کی مناسبت پر ہے

جس طرح عالم مثال میں روزہ داروں کو کھانا کھانے اور جماع سے روکنے کی مثال فرجوں اور منھوں پر مہر لگانے سے ظاہر
ہوئی ہے اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی یہ ہیئت ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں کو بچھائے اور
دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں کے اوپر رکھے اور اسکے اذکار میں سے یہ ہے اللھم اغفرلی وارحمنی واہدنی وعافنی و
ارزقنی اور قعدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا کرے اور بائیں کو بچھائے اور قعدۂ اخیرہ کے اندر ایک
روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ داہنے کو کھڑا رکھے اور بائیں باہر نکالکر سرین لگاکے بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ
دونوں گھٹنوں پر رکھے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بائیں ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ لے اور ترپن کی صورت بناکر انگشت
شہادت سے اشارہ کرے اور ایک روایت میں ہے کہ کن انگلی اور اس کے برابر کی انگلی کو سکوڑ کر درمیان کی انگلی اور
انگوٹھے سے حلقہ بنالے میں یہ بھید ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کیطرف اشارہ پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے قول
فعل میں مطابقت ہوجاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہوجاتے ہیں اور جو شخص اس بات کا قائل
ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک انگشت شہادت سے اشارہ نکرنا چاہیے وہ شخص پر ہے اور اسکے قول پر کوئی
دلیل عقلی یا نقلی نہیں دلالت کرتی ابن ہمام نے اس کو بیان کیا ہے البتہ امام محمد رح نے اپنی کتاب مبسوط میں اسکے
متعلق نہیں ذکر کیا مگر موطا میں اسکو بیان کیا ہے اور مجکو بعض ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے جن کو اس بات
کی بھی تمیز نہیں کہ ظاہر المذہب میں اشارہ نہیں ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ اشارہ نہیں ہے تشہد کے اندر
کئی روایتیں آئی ہیں مگر سب سے زیادہ صحیح حضرت ابن مسعود کا تشہد ہے بعد ازاں حضرت ابن عباس اور عمرؓ کا تشہد ہے
مگر وہ سب قرآن کی قرأتوں کی طرح شافی اور کافی ہیں اور صلوۃ کے کلمات میں سے سب سے زیادہ صحیح یہ کلمے
ہیں اللھم صلے علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علے ابراہیم وعلے آل ابراہیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت
علی ابراہیم وعلے آل ابراہیم انک حمید مجید اللھم صلے علی محمد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علی آل ابراہیم وبارک علی محمد وازواجہ
وذریتہ کما بارکت علی آل ابراہیم انک حمید مجید اور تشہد کے بعد مختلف دعائیں مروی ہیں ازانجملہ اللھم انی ظلمت نفسی
ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم اور ازانجملہ اللھم اغفرلی
ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر لا الہ الا انت
اور نماز کے بعد کے بعض وظیفے یہ ہیں استغفر اللہ تین مرتبہ اور اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا
ینفع ذا الجد منک الجد لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ ولہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو
کرہ الکافرون اللھم انی اعوذبک من الجبن واعوذبک من البخل واعوذبک من ارذل العمر واعوذبک من فتنۃ الدنیا
وعذاب القبر تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر اور بعض روایات میں ہر ایک
کا تینتیس مرتبہ پڑھنا آیا ہے اور اس کے بعد سو کے پورا کرنے کو ایک دفعہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اخیر
تک اور ایک روایت میں ہر ایک کا پچیس پچیس مرتبہ پڑھنا آیا ہے تین تو وہ اور چوتھا لا الہ الا اللہ اخیر تک اور

ایک روایت میں ہر نماز کے بعد سبحان اللہ دس مرتبہ اور الحمد للہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ منقول ہے اور ایک روایت میں ہر ایک کا سو مرتبہ پڑھنا منقول ہے اور تمام وظائف حال قرآن کی قرأت کا سا ہے ان میں سے جس کسی کو کوئی شخص پڑھیگا اس کے واسطے جس قدر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ملیگا اور بہتر یہ ہے کہ نوافل سے پہلے ان وظیفوں کو پڑھ لیا کرے کیونکہ بعض وظائف کا قبل از نوافل پڑھنا بنص حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قال قبل ان ینصرف ویثنی رجلیہ من صلوٰۃ المغرب والصبح لا الہ الا اللہ الخ جو کوئی نماز مغرب اور صبح کے بعد اور نشست بدلنے اور پھر جانے سے پہلے کہے لا الہ الا اللہ اخیر تک اور جس طرح راوی نے بیان کیا ہے کان اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ الخ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرا کرتے تھے تو باآواز بلند لا الہ الا اللہ الخ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مجکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ختم ہونا اللہ اکبر کی آواز سے معلوم ہوجاتا تھا اور بعض حدیثوں سے یہ بات بظاہر ثابت ہوتی ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے دبر کل صلوٰۃ ہر نماز کے پیچھے اور حضرت عائشہؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تھے تو صرف اللہم انت السلام کے پڑھنے کے بیٹھا کرتے تھے اس کی توجیہ کئی طرح پر ممکن ہے ایک تو یہ کہ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھے رہا کرتے تھے کہ جب داہنے یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف کو منہ کرکے بیٹھتے تھے تو اور وظیفے پڑھتے تھے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ گذرے کہ وظیفے بھی نماز میں داخل ہیں اور ایک یہ کبھی کبھی سہولت ان کلمات کے اوراد اذکار کو ترک کر دیتے تھے تاکہ لوگوں کو ان کا فرض نہ ہونا معلوم ہوجائے اور کان کا مقتضی یہ ہے کہ آپ اکثر ایسا کیا کرتے تھے اس سے نہ تو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ ہمیشہ کرنا اس فعل کا ثابت ہوتا ہے۔

نوافل کے لئے یہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں پڑھا کرے اور سارا بھید اسمیں یہ ہے کہ فرائض و نوافل میں کسی ایسی چیز سے جو ان دونوں کی جنس سے نہیں ہے فصل ہوجاوے اور پھر وہ فصل بھی قابل اعتبار ہو جو بظاہر معلوم ہوسکے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے جو بعد نماز فرض کے نفل پڑھنا چاہتا تھا یہ فرمایا کہ بیٹھ جا اہل کتاب اسی سبب سے ہلاک ہوگئے کہ ان کی نمازوں میں فرق نہ تھا ورنہ ہلاک نہ ہوتے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصاب اللہ بک یا ابن الخطاب اے ابن خطاب تجکو خدا تعالیٰ خطا سے بچاتا رہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اجعلوا فی بیوتکم ان کو یعنی نوافل کو اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ واللہ اعلم۔

سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت اور ان چیزوں کا جن کا کرنا نماز میں ناجائز ہے

معلوم کرو کہ نماز کا بنی اعضا کے خشوع اور قلب کے حضور اور بجز ذکر الٰہی کے اور چیزوں سے زبان کے روکنے اور قرآن پاک کے پڑھنے پر ہے لہذا جو ہیئت خشوع کی ہیئت کے خلاف ہے یا جو کلمہ ذکر الٰہی کے جنس سے نہیں ہے وہ نماز کے منافی ہے کہ بغیر اس سے باز رہنے کے نماز پوری نہیں ہوتی مگر یہ چیزیں متفاوت ہیں اور ہر قسم کا

نقصان نماز کو بالکل فاسد نہیں کرتا اور اس بات کی تمیز کہ کس چیز سے نماز بالکلیہ باطل ہو جاتی ہے اور کس چیز سے اس
میں فی الجملہ نقصان آجاتا ہے نص شرعی سے ہو سکتی ہے اور فقہا کے درمیان اس میں بہت کچھ کلام ہیں اور احادیث
صحیحہ کی اُنکے کلام پر تطبیق مشکل ہے اور اس باب میں حدیث کے ساتھ سب مذاہب میں سے وہ مذہب زیادہ تر
موافق ہے جسمیں گنجائش زیادہ ہے اور یہ بات ضرور ہے کہ فعل کثیر جس سے مجلس بدلجاوے اور قول کثیر جو بہت
زیادہ ہو بلا شبہ نماز کے نقصان کا موجب ہے قول کثیر کے متعلق یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے ان ہذہ الصلوۃ لا یصلح فیہا شئی من کلام الناس انما ہی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن اس نماز میں لوگوں کی بول چال
میں سے کچھ درست نہیں ہے وہ تو تسبیح اور تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے دوسرے یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ یہ فرمائی ان فی الصلوۃ لشغلا کہ بلاشک نماز میں دل لگتا
ہے اور ایک شخص اپنے سجدہ کی جگہ سے مٹی کو صاف کرتا تھا تو آپ نے اُس سے فرمایا ان کنت فاعلا فواحدۃ اگر تجکو
کرنا ہے تو ایک مرتبہ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خصر سے منع فرمایا ہے اور وہ کمر پر ہاتھ رکھنا ہے کیونکہ وہ دوزخیوں
کی راحت ہے یعنی یہ متحیر اور مدہوش اور ان لوگوں کی ہیئت ہے جن پر خدا تعالے کا عذاب نازل ہوتا ہے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ اچکنا ہے کہ بندہ کی نماز میں سے شیطان اچک لیتا
ہے یعنی اس سے نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے اور نماز کامل نہیں ہوتی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
اذا تثاءب احدکم فی الصلوۃ فلیکظم ما استطاع فان الشیطان فی فیہ نماز کے اندر جب تم سے کسی کو جماہی آئے پس جہانتک
ممکن ہو ضبط کرے اسلئے کہ شیطان اُس کے منہ میں گھس جاتا ہے میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جماہی لینے سے
اکثر مکھی وغیرہ اس کے منہ میں پڑ جاتی ہے اس وجہ سے اُس کا دل بٹجاتا ہے اور جس چیز کے وہ درپے ہے یہ اُس
سے مانع ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا قام احدکم الی الصلوۃ فلا یمسح الحصی فان الرحمۃ تواجہہ
جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو کنکریوں کو صاف نہ کرے اسلئے کہ رحمت اسکے روبرو ہوتی ہے اور فرمایا ہے
لا یزال اللہ تعالے مقبلا علی العبد وہو فی صلوتہ ما لم یلتفت فاذا التفت اعرض عنہ جب تک کہ بندہ نماز میں رہتا ہے
خدا تعالے برابر اُس کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے پھر جب وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے
تو خدا تعالے اُس کی طرف متوجہ نہیں رہتا ہے یعنی خدا تعالے کی توجہ اُس سے ہٹ جاتی ہے اور اسی طرح وہ
حدیث ہے جو نماز کے اندر بندہ کو خدا تعالے کے جواب دینے کے بارے میں وارد ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ
یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالے کی بخشش تمام خلق پر جاری و عام ہے اور تفاوت صرف مخلوقات کی
استعداد جبلی یا کسبی کے اعتبار سے ہے اس لئے جب کوئی بندہ خدا تعالے کی جانب متوجہ ہوتا ہے اُس کے لئے
اُس کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اُس سے اعراض کرتا ہے تو اُس سے صرف محروم ہی نہیں رہتا
بلکہ اپنے اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے العطاس والنعاس
والتثاؤب فی الصلوۃ والحیض والقیٔ والرعاف من الشیطان۔ اور جماہی نماز کے اندر اور حیض اور قے اور نکسیر شیطان

کی طرف سے ہے میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ یہ چیزیں نماز کے معنی اور اس کے نشہ کے منافی ہیں۔ اب رہا
فعل کثیر سو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر بہت سی چیزیں جو لوگوں کے سکھلانے کی غرض سے کی ہیں یا جو فعل
نماز کے اندر لوگوں کو کرتے دیکھے ہیں اور آپ نے ان سے منع نہیں کیا ہے وہ سب افعال یا جو ان سے کم ہیں
ان سے نماز نہیں باطل ہوتی ہے اور حاصل یہ ہے کہ تلاش سے یہ معلوم ہوا کہ تھوڑا سا کام جیسے تھنک بعد اللہ
تین مرتبہ تک اور یرحمک اللہ اور ماتنا کم تتفکرون لے اور تھوڑا سا گریہ کرنا اور تھوڑا [illegible] کام کرنا جیسے
بچے کو کندھے سے اتار لینا یا اس پر بٹھا لینا یا پاؤں کا دبانا اور جیسے دروازہ کا کھولنا اور تھوڑا چلنا جیسے منبر پر سے
اس جگہ ہٹ آنا کہ جو وہاں سے منبر کے نیچے سجدہ ہوسکے اور امام کی جگہ سے صف میں آجاوے اور جیسے دروازہ جو اس
کے سامنے ہے اس کی طرف بڑھ جاوے تاکہ کھل جاوے اور رونا خدا کے خوف سے اور ایسا اشارہ کرنا جو جس سے
کچھ سمجھا جاوے اور سانپ بچھو کا مار ڈالنا اور داہنے بائیں اس طرح دیکھنا جو گردن نہ پھر سکے انہیں سے کسی چیز سے
نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کے بدن یا کپڑے کو ناپاکی کا لگ جانا جو اس کے فعل سے نہیں ہے یا اس کو ناپاکی کے
کا علم بھی نہیں تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال جب انسان سے نماز میں کوئی قصور ہو جاوے
تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کمی کے پورا کرنے کو دو سجدے کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قضا کے ساتھ بھی
مناسبت ہے اور کفارہ کے ساتھ بھی مناسبت ہے مگر وہ مواضع جن میں لفظ حدیث سے سجدہ کرنا ثابت ہے
وہ چار ہی ہیں ایک تو وہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا شک احدکم فی صلوٰۃ فلم یدر کم صلی ثلثا او اربعا
فلیطرح الشک ولیبن علی ما استیقن ثم لیسجد سجدتین (ترجمہ) جب کسی کو اپنی نماز میں شک ہوا اور یہ معلوم ہوا
کہ رکعت پڑھی ہیں تین یا چار پس جس میں شک ہوا ہے اس کو الگ کرے اور جس قدر پر یقین ہے اس پر نماز کی
بنا کرکے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے کیونکہ اگر اس نے پانچ پڑھی ہیں تب تو ان دو سجدوں سے
اس کا شفع پورا ہو جاویگا اور اگر پوری چار پڑھیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی سرزنش کے لئے زیادتی حسنات
کا موجب ہونگی اور رکوع اور سجدے کے اندر شک کرنا بھی اسی قبیلہ سے ہے دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کئے نماز کے اندر کسی رکن کا بڑھ جانا بھی ایسا ہی
ہے جیسے رکعت کا بڑھنا تیسرے یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چار کی جگہ دو رکعت پڑھکر سلام پھیر دیا
تو بعض صحابہؓ نے آپ سے اس کی بابت عرض کیا تو جو رکعتیں رہ گئی تھیں وہ بھی پڑھیں اور دو سجدے کئے
اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آپ کی ایک رکعت باقی رہی تھی کہ آپ نے سہواً سلام پھیر دیا پھر اسکی
بابت کسی نے عرض کیا تو بھی آپ نے ایسا ہی کیا جس فعل کے قصداً کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے نماز کے
اندر اس کا سہواً کرنا اس پر محمول ہے (چوتھے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دو رکعت کے بعد بجائے
بیٹھنے کے کھڑے ہوگئے پھر آپ جب نماز پوری کر چکے تو سلام پھیرنے سے پہلے آپ نے دو سجدے کر لیے
قعدہ کے اندر تشہد کا نہ پڑھنا بھی اسی پر محمول ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا قام الامام

ذا تیقین فان ذکر قبل ان یستوی قائما فلیجلس وان استوی قائما فلا یجلس ویسجد سجدتی السہو یعنی اگر دو رکعتوں کے اندر کھڑا
ہوجاوے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اس کو یہ یاد آجائے تب تو اس کو بیٹھ جانا چاہئے سیدھا کھڑا ہوجاوے تو نہ
بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرلے میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ کھڑا ہوگیا تو قعدہ فوت ہوگیا پھر اگر
وہ لوٹ آوے تو میں یہ نہیں کہتا کہ اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر سیدھا ہونے
کے قریب ہوگیا ہے گو ہنوز سیدھا نہیں ہوا ہے تو اسکو بیٹھ جانا چاہئے بخلاف عامہ فقہا کے ۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے جو قرآن کی وہ آیت پڑھے جسمیں سجدہ کرنے کا حکم ہے یا
سجدہ کرنیوالے کے ثواب اور اس کے منکر کے عذاب کا بیان ہے یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے کلام کی تعظیم اور
مسارعت الی الخیر کے قصد سے سجدہ تلاوت کرے اور جن مواضع میں ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنیکا
حکم ہے وہ اُنسے علیحدہ ہیں کیونکہ کلام خدا تعالے کے سجدہ کرنے میں ہے جن آیات میں نص سے سجدہ کرنا ثابت
ہے وہ چودہ یا پندرہ آیتیں ہیں عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہوکر یہ بیان کیا کہ یہ سجدے واجب نہیں بلکہ مستحب ہیں تو
کسی نے سامعین میں سے انکار نہیں کیا بلکہ سب نے اس کہنے کو مانا اور حدیث شریف میں یہ جو آیا ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کے اندر سجدہ کیا اور وہاں جس قدر مسلمان اور مشرک اور جن حاضر تھے سب نے سجدہ
کیا میرے نزدیک اس کی یہ توجیہ ہے کہ اس خاص وقت میں حق اسقدر ظاہر اور روشن ہوگیا تھا کہ کسی کو بجز تابعداری
اور تابعداری کچھ چارہ نہ رہا پھر جب لوگ اپنی اپنی حالت پر آئے تو جو کافر اور جو مسلمان تھے وہ مسلمان رہے بجز ایک
بوڑھے قریشی کے اُسکے دل پر ایسی مضبوط مہر لگی ہوئی تھی کہ وہ اس رحمت عامہ سے محروم رہا اور اسکے دل میں اسکا اثر
نہ ہوا اور بجائے سجدہ کرنے کے تھوڑی سی مٹی زمین پر سے اُٹھا کر پیشانی کو لگالی اُس کی سزا بہت جلد اس کو یہ ملی
کہ جنگ بدر میں مارا گیا سجدہ تلاوت کے اذکار میں سے یہ ہے سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ
اور از انجملہ یہ ہے اللھم اکتب لی بہا عندک اجرا وضع بہا عنی وزرا واجعلہا لی عندک ذخرا وتقبلہا منی کما تقبلتہا من
عبدک داود ۔

نوافل کا بیان

جس رحمت کا شارع کے اندر لحاظ کیا گیا ہے اُس کا یہ مقتضی ہے کہ لوگوں کو ضروری چیزیں اور نیز وہ چیزیں
جن سے طاعت الٰہی کا پورا پورا فائدہ ان کو حاصل ہوسکے بیان کردیجائیں تاکہ ہر شخص اپنا اپنا حصہ اس سے حاصل کرسکے
پس ان میں سے جو شخص کاروبار دنیوی میں مصروف رہتا ہے وہ تو صرف ان ضروری باتوں کو اپنے ذمہ لازم کرے
اور جو شخص دنیاوی کاروبار سے فارغ ہے اور اُس نے تہذیب نفس اور اصلاح آخرت کا مصمم ارادہ کرلیا ہے وہ کامل
طور پر ان عبادات کے ادا کرنے کی کوشش کرے اس واسطے نہایت شرعی کی توجہ اس امر کی طرف ہوئی
کہ ممکنہ نوافل نماز اور انکی اوقات مع انکے اسباب کے ساتھ تعیین اوقات بیان کی جائے اور لوگوں کو اس پر

بجا آجاوے اور ترغیب دلائی جاوے اور ان کے فوائد بیان کئے جاویں اور اجمالاً اس نماز نفل کی بھی ترغیب
دیجاوے جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے مگر جب کہ کوئی مانع موجود ہو جیسے وہ اوقات جن میں نماز کا
پڑھنا منع ہے ان نوافل میں سے ایک تو وہ نوافل ہیں جو فرائض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور اصل یہ ہے کہ
اشغال دنیویہ چونکہ لوگوں کو اللہ کی یاد سے بھلا دیتے ہیں اور اذکار کے اندر تدبر اور فکر اور عبادات کا ثمرہ حاصل کرنے
سے مانع ہوتے ہیں کیونکہ ان سے ہیئت بہیمیہ کا چڑھاو اور ہیئت ملکیہ میں ایک قسم کا دباؤ و قساوت پیدا ہوتی ہے
لہذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اس کا استعمال کیا کریں
تاکہ فرائض کے اندر ایسے وقت میں شروع پایا جاوے کہ تمام شغلوں سے قلب خالی ہو اور سب سے خاطر جمع ہو اور
بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھتا ہے کہ نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح سے نہیں حاصل ہوتا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے اس قول میں اس کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے کم من مصل لیس لہ من صلوتہ الا النصف او الثلث یعنی بہت
سے نمازیوں کو ان کی نماز سے صرف نصف تہائی چوتھائی ثواب ملتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد بھی مقصود
کے پورا کرنے کے لئے کچھ نماز اور مقرر کی جاوے ان نوافل میں سے زیادہ ضروری شب و روز میں سے دس
یا بارہ رکعت ہیں جو تمام اوقات پر منقسم ہیں اور یہ اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بنی لہ بیت
فی الجنۃ اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاویگا میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص
نے اپنی جان کو رحمت کے ایک بہت بڑے حصہ کا مستحق بنا لیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
ہے رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا یعنی صبح کی دو رکعت دین اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں میں کہتا ہوں بہتر
ہونے کا سبب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور اس کی نعمتیں رنج و مصیبت کی کدورتوں سے خالی نہیں رہ سکتی ہیں اور
ان رکعتوں کا ثواب ہمیشہ باقی ہے جس میں نام کو بھی کدورت نہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
من صلی الفجر جماعۃ ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کاجر حجۃ وعمرۃ جس نے جماعت سے صبح کی نماز
پڑھی پھر طلوع آفتاب تک یاد الٰہی کرتا رہا پھر دو رکعت پڑھیں اس کو مثل حج اور عمرہ کے ثواب ملیگا میں کہتا ہوں یہ وہ
ثواب ہے جو ہر دن کے لئے آپ نے مسنون فرمایا ہے اور اشراق کے فوائد ہم پہلے بیان کر چکے اور قبل از ظہر
چار رکعت کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تفتح لھن ابواب السماء ان کے واسطے آسمان کے
دروازے کھولے جاتے ہیں اور فرمایا ہے انہا ساعۃ تفتح فیہا ابواب السماء فاحب ان یصعد لی فیہا عمل صالح وہ یہ
بعد زوال ایسی گھڑی ہے کہ اس وقت آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اس لئے مجھ کو یہ پسند ہے کہ اس
میں میرا کوئی عمل صالح آسمانوں پر صعود کرے اور فرمایا ہے ما من شیء الا یسبح تلک الساعۃ کوئی ایسی چیز نہیں ہے
جو اس گھڑی تسبیح نہ کرتی ہو میں کہتا ہوں پہلے ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ کے جس کی
ذات اوقات کے قید سے برتر ہے خاص خاص اوقات میں اس کی تجلیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور بعض اوقات
میں تمام عالم کے اندر روحانیت پھیل جاتی ہے اس لئے اس ہی فصل کو دیکھنا چاہئے اور جمعہ کے بعد اگر مسجد میں

پڑھے تو چار رکعتیں اور مکان پر پڑھے تو دو رکعتیں اس لئے مسنون کی گئی ہیں۔ تاکہ ایسے وقت میں کہ
لوگوں کا مجمع عظیم ہے اور یہی جمعہ کا وقت اور وہی جگہ ہے جمعہ کی نماز کے مثل کوئی اور نماز نہ پائی جاوے کیونکہ اس سے
عوام کو جماعت سے اعراض کرنیکا گمان اور اسی طرح کے اوہام پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ کوئی نماز کسی نماز کے ساتھ [illegible]لائی جاوے جب تک کہ کلام نہ کرے یا باہر نہ آجاوے اور قبل از عصر چار رکعتیں
اور بعد از مغرب چھ رکعتیں بھی مروی ہیں۔ اور فجر کی نماز کے بعد سنتیں مقرر نہیں کی گئیں کیونکہ اس میں نماز کی جگہ اشراق
کی نماز تک بیٹھنا مسنون کرنے سے وہ مقصود حاصل ہو گیا اور نیز اس کے بعد نماز پڑھنے سے مجوس کے ساتھ مشابہت
کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور یہی مشابہت کے پیدا ہونے کے سبب سے بعد عصر بھی سنتیں نہیں مقرر کی گئیں اور
از جملہ شب کی نوافل میں جاننا چاہئے کہ شب کا اخیر وقت ایسا ہے کہ تمام اشغال مشوشہ سے قلب کو صفائی اور دلجمعی
ہوتی ہے اور غل شور سے سکون ہوتا ہے اور آدمی سوتے ہوتے ہیں اور ریا و سمعہ سے بعید ہوتا ہے اور افضل ترین
عبادت کے لئے وہی اوقات ہیں جن میں قلب کو فراغ ہو اور متوجہ الی اللہ ہو جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے وصلوا بالليل والناس نيام۔ اور رات کو نماز پڑھا کرو کہ آدمی سوتے ہوتے ہیں اور اللہ پاک بھی قرآن میں
ارشاد فرماتا ہے ان ناشئة الليل هي اشد وطأ واقوم قيلا ان لك في النهار سبحا طويلا۔ البتہ رات کے زیادہ گرانی ہوتی ہے
اور تو دن کے وقت تسبیح زیادہ کرتا ہے اور یہی یہ وقت وہ ہے کہ رحمت الٰہیہ نازل ہوتی ہے اور یہی اس وقت
میں اللہ پاک کو بندہ کے ساتھ زیادہ قربت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہی اس وقت کے جاگنے
میں قوت بہیمیہ کے ضعیف کرنے کیلئے ایسی عجیب خاصیت ہے کہ یہ بمنزلہ تریاق کے ہے اور اسی لئے لوگوں کا قاعدہ
ہے کہ جب وہ درندے جانوروں کو تابع مسخر کرنا چاہتے ہیں اور ان کو شکاری بنانے میں تو ان کو بھوکا رکھتے۔ اور نیند
کے باز رکھنے کے ذریعے وہ اس بات کو حاصل کر سکتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان
هذا السهر جهد وثقل الحديث یعنی اس جاگنے میں مشقت اور گرانی ہے اسلئے تہجد کی نماز کیطرف شارع کو بہت اہتمام ہوا
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے فضائل لوگوں کو بتانے اور اس کے آداب اور وظائف منضبط کئے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے يعقد الشيطان على قافية رأس احدكم اذا هو نام ثلث عقد تم میں سے جب کوئی آدمی سوتا
ہے تو شیطان اس کے سر کے قافیہ میں تین گرہ لگا دیتا ہے اخیر حدیث تک میں کہتا ہوں شیطان اسکے دل میں
نیند کی لذت ڈالدیتا ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے اور اس کا یہ وسوسہ بہت
مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے جب تک کوئی ایسی تدبیر نہ کیجائے کہ جس سے نیند دفع ہو سکے اور خدا کی طرف توجہ کا
دروازہ اس پر کھل جاوے وہ وسوسہ دل سے نہیں نکلتا اس لئے یہ بات مسنون کی گئی کہ جس وقت آدمی کی سوتے
سے آنکھ کھلے اور اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھے تو خدا کا نام لے پھر وضو اور مسواک کرکے چھوٹی چھوٹی دو رکعت پڑھے
بعد ازاں اذکار اور آداب سے جتنا چاہے پڑھتا رہے اور میں نے ان تین عقود کا تجربہ کیا ہے اور ان کا لگانا
اور پھر ان کی تاثیر کا مشاہدہ کیا گر مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ شیطان کیطرف سے ہے اور اس وقت مجھ کو یہ حدیث بھی

دوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ. بہت سی دنیا میں پہننے والیاں آخرت
میں ننگی ہونگی یعنی دنیا میں جو طرح طرح کے لباس پہنتی ہیں آخرت میں اُس کے بدلے ننگی ہونگی کیونکہ فضائل نفسانیہ سے
دنیا کے اندر وہ ننگی تھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماذا انزل اللیلۃ من الخزائن الحدیث آج کی رات میں
آسمان سے کیا کیا خزانے اتارے گئے میں کہتا ہوں اس بات پر صاف دلیل ہے کہ معانی صورتوں میں متمثل ہیں اور
اپنے وجود حسی سے پیشتر انکا زمین پر نزول ہوا کرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ینزل ربنا
تبارک وتعالے الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر الحدیث جب شب کا اخیر تہائی حصہ باقی رہتا ہے ہمارا رب
تبارک وتعالے آسمان دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے. علما کا قول ہے کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے جو حصہ قریب
کے ختم ہوتی ہیں اور اشغال مشوشہ سے دل کے صاف ہونے اور ریا کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے نفس کو رحمت الہیہ
کے نزول کی جو قابلیت حاصل ہوتی ہے اس حدیث میں اسی کی جانب اشارہ ہے اور میرے نزدیک اسکے ساتھ
ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہے جو قلب کے اندر پیدا ہوتی ہے جس کو نزول سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کا اس سے
پہلے ہم کچھ بیان کر چکے ہیں انہیں وہ اسرار کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اقرب مایکون الرب
من العبد فی جوف اللیل الآخر سب سے زیادہ اللہ پاک اور اس کے بندہ میں جو قربت ہوتی ہے وہ سب کے آخر میں
ہوتی ہے اور فرمایا ہے ان فی اللیل لساعۃ لا یوافقہا عبد مسلم یسئل اللہ فیہا خیرا الا اعطاہ. البتہ شب میں ایک ایسی گھڑی
ہے کہ کوئی بندہ مسلم اپنی بھلائی کی دعا نہیں کرتا مگر اللہ پاک اُس کو عطا فرماتا ہے اور نیز فرمایا ہے علیکم بقیام اللیل فانہ
داب الصالحین قبلکم وہو قربۃ لکم الی ربکم مکفرۃ للسیأت منہاۃ عن الاثم التزام کرو شب کے اٹھنے کا اسلئے کہ یہ دستور ہے تم
سے پہلے صالحین کا اور وہ تمہارے رب کی جانب قربت کا موجب اور تمہاری برائیوں کا دور کرنیوالا اور گناہ سے
روکنے والا ہے اور گناہوں کے دور کرنے اور ان سے باز رکھنے وغیرہ کے اسرار ہم بیان کر چکے ہیں وہاں ان کو
دیکھنا چاہیئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اوی الی فراشہ طاہرا یذکر اللہ حتی یدرکہ النعاس لم ینقلب
ساعۃ من اللیل یسئل اللہ شیئا من خیر الدنیا والآخرۃ الا اعطاہ. جس شخص نے طہارت کے ساتھ اپنے بستر پر خدا کی یاد کے
ساتھ پہلو پکڑا اور اسی حالت پر اس کی آنکھ لگ گئی تو کسی وقت رات کو کروٹ بدلتے خدا تعالے سے دنیا اور
آخرت کی کسی بھلائی کا وہ سوال نہیں کرتا مگر خدا تعالے اس کو عطا فرماتا ہے میں کہتا ہوں جو شخص احسان کی حالت
پر جو تشبیہ بالملکوت اور خدا تعالے کی کبریائی پر تنبہ کو جامع ہے سو جاتا ہے تو تمام رات اسی حالت پر رہتا ہے اور
اس کا نفس خدا تعالے کی طرف مقربین کے زمرہ میں متوجہ رہتا ہے اور تہجد کیوقت یہ مسنون ہے کہ جب آدمی
سونے سے فارغ ہو کر اٹھے تو وضو کرنے سے پہلے خدا تعالے کی یاد کرے اور وہ دعا کئی طرح سے آئی ہے از انجملہ
یہ دعا ہے اللہم لک الحمد انت قیم السموات والارض ومن فیہن ولک الحمد انت نور السموت والارض ومن فیہن ولک
الحمد انت ملک السموت والارض ومن فیہن ولک الحمد وانت الحق ووعدک الحق ولقاءک حق وقولک حق والجنۃ حق والنار
حق والنبیون حق ومحمد حق والساعۃ حق اللہم لک اسلمت وبک آمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت

وإليك حاكمت فاغفر لي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أنت أعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر لا إله إلا
أنت ولا إله غيرك - اور از انجملہ یہ ہے کہ اللہ اکبر دس مرتبہ اور الحمد للہ دس مرتبہ کہے اور سبحان اللہ وبحمدہ دس مرتبہ اور
استغفر اللہ دس مرتبہ اور لا الہ الا اللہ دس مرتبہ بعد ازاں یہ پڑھے اللهم اني اعوذ بك من ضيق الدنيا وضيق يوم القيامة دس مرتبہ
اور از انجملہ لا الہ الا انت سبحانک اللهم استغفرک لذنبی واسئلک رحمتک اللهم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد اذ هديتنی وهب لی
من لدنک رحمة انک انت الوهاب اور از انجملہ یہ آیت پڑھے ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار
لآیات لاولی الالباب اخیر سورۃ تک بعد ازاں مسواک کرے اور وضو کرے مع وتر کے گیارہ رکعتیں پڑھے اور
نماز تہجد کے آداب اور اذکار جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسنون کئے ہیں التزام کرے اور دو دو رکعت پر سلام
پھیرے اور ہاتھ اٹھا کر باادب یا رب یا رب کہتا رہے اور جہاں تک ہو سکے دعا میں مبالغہ کرے اور آپکی دعاؤں میں یہ دعا
بھی داخل ہے اللهم اجعل لی فی قلبی نورا وفی بصری نورا وفی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری نورا وفوقی نورا وتحتی نورا
وامامی نورا واجعل لی نورا - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے تہجد کی نماز پڑھی ہے اور سب طریقے
سنت ہیں اور اصل یہ ہے کہ شب کی نماز وتر ہے اس کو تم مابین عشاء سے صبح تک پڑھ لیا کرو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس کو طاق اس غرض سے فرمایا ہے کہ طاق عدد مبارک ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا
یا اهل القرآن خدا تعالے طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے اس لئے اے اہل قرآن تم نماز طاق پڑھا کرو مگر چونکہ نبی صلی اللہ
نے دیکھا کہ شب کے اٹھنے میں مشقت ہوتی ہے اور اس کی برداشت وہی کر سکتا ہے جسکو خدا تعالے نے توفیق دی ہو اسلئے
قیام سب کو تمام رات پر لازم نہیں کیا اور شروع شب میں وتر کے پڑھنے کی اجازت دی گئی اس کے ساتھ ہی آخیر سے
پڑھنے کی رغبت دلاتے رہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے من خاف ان لا یقوم آخر اللیل فلیوتر اوله ومن طمع ان یوتر
آخره فان صلوة اللیل مشهودة وذلک افضل جس شخص کو آخیر شب میں نہ اٹھنے کا اندیشہ ہو تو وہ اول شب میں وتر پڑھ
لے اور جس کو آخر شب میں پڑھنے کا لالچ ہو تو وہ آخر میں وتر پڑھے کس لئے کہ شب کی نماز میں حضوری ہوتی ہے اور
وہ افضل ہے اور حق یہ ہے کہ وتر سنت ہیں مگر سب سنتوں سے زیادہ مؤکد ہیں حضرت علی اور حضرت ابن عمر اور عبادہ
بن صامت نے اسکو بیان کیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے امدکم بصلوة هي خير لكم من حمر النعم
خدا تعالے نے تمہارے لئے ایک ایسی نماز بڑھا دی جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ خدا تعالے نے اتنی ہی قدر نماز فرض کی ہے جو ان سے ادا ہو سکے کیونکہ شرع شریف میں شب و روز میں گیارہ
رکعتیں فرض کیں بعد ازاں حضر کے اندر چار اور بڑھا دیں بعد ازاں جو لوگ محسنین کے زمرہ میں ہیں ان کیلئے وتر
بڑھا دیئے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ جو لوگ احسان کے درجے کی قابلیت رکھتے ہیں
انکو اس سے زیادہ مقدار کی حاجت ہے اسلئے اصل نماز کے برابر گیارہ رکعت انکے لئے اور زیادہ کر دی گئیں چنانچہ
حضرت ابن مسعود نے ایک اعرابی سے فرمایا ہے تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے یہ نہیں ہیں ۔
اور منجملہ اذکار وتر کے وہ کلمات ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو

سکھلائے قنوت وتر میں یہ کہتے تھے اللھم اھدنی فیمن ہدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما
اعطیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا
وتعالیت اور از انجملہ یہ ہے وبعد ازیں یہ پڑھتے اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بمعافاتک من عقوبتک
واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اور بعض وظائف سے جو بعد سلام پھیرنے کے
پڑھتے یہ ہیں سبحان الملک القدوس دو مرتبہ آہستہ آہستہ تیسری مرتبہ باواز بلند اور جب آپ تین رکعت پڑھتے
تھے تو اول رکعت میں سورہ سبح اسم ربک الاعلی الذی دوسری میں سورہ قل یاایھا الکافرون تیسری میں قل ھو اللہ
اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے اور از انجملہ قیام رمضان شریف کے مہینہ میں اور
اسکے شروع ہونے میں یہ بھید ہے کہ مقصود شارع کا رمضان سے یہ ہے کہ امت محمدیہ کو بسبب اُن اوصاف حمیدہ کے
ملائک کے ساتھ مناسبت ہو جاوے اور انکے ساتھ اسکو تشبیہ ہو جاوے اسی لئے آپ نے مسلمانوں کے دو درجے کئے
ایک درجہ عوام کہ انہیں فقط یہی کافی ہے کہ رمضان کے روزے رکھیں اور فرائض پر اکتفا کریں دوسرے درجہ محسنین
اور وہ درجہ اس سے عبارت ہے کہ روزہ رمضان شریف کا اور اسکی راتوں میں قیام اور تنزیہ زبان اور جوارح کا
کے اور عشرہ اخیرہ میں کمر بندہ کا خوب استحکام سے باندھنا اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ تمام
امت میں درجہ علیا کے حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتی اور یہ بھی ضرور تھا کہ ہر شخص بقدر اپنی طاقت کے اعمال کو
بجا لاوے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مازال بکم الذی رأیت من صنیعکم حتی خشیت ان یکتب علیکم
ولو کتب علیکم ما قمتم بہ جس چیز کو تم ہمیشہ کرتے ہو میں اس کو دیکھتا رہتا ہوں اور تمہارے ہمیشہ کرنے کی وجہ سے
مجھے خوف ہے کہ تم پر فرض نہ ہو جاوے اور اگر فرض ہو جاوے تو قائم نہ رہو گے اس سے معلوم کرو کہ عبادات کی
توقیت بندوں پر ایسی چیز سے ہوا کرتی ہے جس سے ان کے دل مطمئن رہیں اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ان عبادات کے عادی ہو جائیں اور ان سے ان کا دل مطمئن ہو جاوے اور جس
وقت ان امور میں ان سے کسی قسم کی کوتاہی ہو تو بوجہ اس کوتاہی کے احکام الہی کے اندر اس کو کوتاہی جانیں یا وہ
عبادت شعار دین میں سے ہو کر پھر فرض ہو جاوے اور اس کے متعلق قرآن نازل ہو جاوے اور پھر پچھلے
لوگ اس کی برداشت نہ کر سکیں۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ جس
کسی نے ایمان کے ساتھ بطلب قصد ثواب کے رمضان کے اندر قیام کیا اُسکے سب پچھلے گناہ بخشے گئے اور اسکی وجہ
یہ ہے کہ اس درجہ کے حاصل کرنے سے اُس نے اپنی جان کو برکات لینے کا جو خود ملکیت اور گناہوں کے محو ہو جانے
کا باعث ہیں مورد بنا لیا۔

صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے قیام رمضان میں تین چیزیں اور زیادہ کی ہیں ایک تو مساجد میں اسکے لئے جمع
ہونا کیونکہ اسمیں خاص و عام کے لئے آسانی ہے دوسرے اول شب میں اسکا پڑھنا اگر اُس کے ساتھ یہ بھی کہتے

ہے کہ آخر شب میں نماز پڑھنے سے حضوری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے چنانچہ عمرؓ نے اسی آسانی پر جسکی طرف ہم
اشارہ کر چکے ہیں متنبہ کیا ہے تیسرے بیس رکعت کے ساتھ اسکی تعداد مقرر کرنا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے
اس بات کا خیال کر کے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام سال کے اندر ان لوگوں کیلئے جو محسنین کے زمرہ میں ہیں
گیارہ رکعت مقرر کی ہیں فیصلہ کر دیا کہ رمضان کے اندر جب مسلمان تشبیہ بالملکوت کے دریا میں اپنی جان کے ڈالنے
کا قصد کرتا ہے تو اسکا حصہ گیارہ رکعت کے دوچند سے بہر صورت کم نہ ہونا چاہئے اور از انجملہ چاشت کی نماز ہے
اور اس میں یہ شرط ہے کہ حکمت الہیہ کا مقتضی ہوا کہ دن کے چار حصوں میں سے کوئی حصہ نماز سے جو یاد الٰہی پر آدمی کو
متنبہ کرتی ہے خالی نہ ہو کیونکہ ربع تین ساعت کا نام ہے اور تمام عرب عجم میں دن کے حصوں کے لیے جو مقدار مستعمل
ہے اس مقدار کی کم سے کم تین ساعت ہوتی ہے لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل چاشت کے نماز ضحیٰ کی
سنت رہی ہے اور نیز دن کے پہلے حصہ میں آدمی اپنی روزی اور معاش کی تلاش میں مصروف رہا کرتے ہیں اس
لئے ایسے وقت میں ایک نماز مسنون رکھی تاکہ اس غفلت کے سم کے لئے جو اس وقت میں نفس پر طاری ہوتے
ہیں بمنزلہ تریاق کے ہو جائے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بازار میں جانے والے کیلئے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ
الخ کا مسنون کیا ہے چاشت کی نماز کے لئے تین درجے ہیں کم درجہ اس کا دو رکعتیں ہیں اور اسمیں یہ نکتہ ہے کہ
آدمی کے ہر عضو پر جو صدقہ واجب ہے یہ نماز اس کا بدلہ ہو جاتی ہے اور اسکی یہ وجہ ہے کہ ہر جوڑ کا اسکی صحت پر جو
اسکے مناسب ہے باقی رکھنا خدا تعالےٰ کی بڑی نعمت ہے سب کے شکریہ میں حسنات کا ادا کرنا اور اس کی حمد کرنا واجب ہے
اور تمام اعمال صالحہ سے بڑھکر ہے جس کے ادا کرنے میں تمام اعضائے ظاہری اور قوائے باطنی میں مصروف ہوتے
ہیں اور دوسرا درجہ اس کا چار رکعت ہیں اور اسکے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن اللہ تعالےٰ
فرمایا ہے اے ابن آدم میرے لئے شروع دن میں چار رکعت پڑھ اخیر دن تک میں تیرے لئے کافی ہونگا میں
کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ تہذیب نفس کے لئے یہ کافی مقدار ہے اگرچہ اخیر دن تک ایسا کوئی اور عمل نہ
کرے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ چار رکعت سے زیادہ پڑھے مثلاً آٹھ رکعت یا بارہ رکعت۔ اور چاشت کا کامل وقت
وہ ہے کہ جب دن چڑھ جائے اور اونٹنیوں کے بچے گرمی کے سبب سے بیٹھ جاویں اور ریت پر نہ چل سکیں۔ اور
از انجملہ استخارہ کی نماز ہے اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ ان کو جب کوئی حاجت سفر یا نکاح یا بیع وغیرہ کی پیش
آیا کرتی تو وہ تیر ڈالا کرتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حرکت سے منع فرمایا کیونکہ وہ ایک بے بنیاد اور
بے اصل اور صرف ایک اتفاقی چیز تھی۔ اور نیز اسکے اندر خدا تعالےٰ پر افترا پایا جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ اسوقت کہا کرتے تھے
ہمارے پروردگار کا ہم کو حکم ہو گیا یا ہمارے پروردگار نے اس سے منع کر دیا اور بجائے اسکے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے استخارہ کو مقرر فرما دیا کیونکہ جب آدمی خدا تعالےٰ سے کسی چیز کے علم کا فیضان چاہتا ہے
اور اسکی مرضی کا اس امر میں انکشاف چاہتا ہے اور دل سے اس کے دروازہ پر نیازمندی سے قیام کرتا ہے
تو نور حکمت الٰہیہ کا اسکے دل پر فیضان ہو جاتا ہے اور نیز استخارہ کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اسوقت اپنی نفس

کی طرف سے فناء ہو جاتا ہے اور اُسکے قواے بہیمیہ ملکیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور اپنی ذات کو خدا تعالےٰ کے حوالے کر دینا
جسکی وجہ سے اُس کا حال بمنزلہ حال ملائکہ کے ہو جاتا ہے وہ بھی اسی طرح الہام الٰہی کے منتظر رہتے ہیں اور الہام ہو جانے کے
بعد ارادہ اپنے سے وہ ہمہ تن اس کام میں متوجہ ہو جاتے ہیں اُنکے نفسانی ارادہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا اور میرے نزدیک اپنے
امور میں کثرت سے استخارہ کرنا ملائکہ کے ساتھ تشبیہ حاصل کرنے کے لئے تریاق مجرب ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے استخارہ
کی دعا اور اسکے آداب منضبط کر دیئے ہیں اور یہ دعا تعلیم فرمائی ہے اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک
العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری
یا آپ نے یہ کہا فی عاجل امری وآجلہ فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی
وعاقبة امری یا یہ کہا فی عاجل امری وآجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ۔ اور اپنی حاجت کا
ذکر کرے۔

اور ازانجملہ صلوٰۃ حاجت ہے اور اصل اسمیں یہ ہے کہ مخلوق سے مدد چاہتے اور اُن سے اپنی حاجت کے طلب
کرتے ہیں اس بات کا مظنہ تھا کہ شخص غیر خدا تعالےٰ سے مدد کو تجویز کرتا ہے پس یہ صورت توحید استعانت کی مخل تھی لہذا انکے
لئے ایک نماز اور دعا مسنون ہوئی تاکہ اسکے یہ شر دور ہو۔

پھر مسنون ہوئی اسکو یہ کہ دو رکعت پڑھیں خدا کی ثنا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں پھر کہیں لا الہ الا اللہ الحلیم
الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة
من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا حاجة ھی لک رضا الا قضیتھا یا ارحم الراحمین۔ اور ازانجملہ صلوٰۃ توبہ ہے اور
اسمیں اصل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرنا خاصکر گناہ کرنیکے بعد اور قلب کے اندر اُس گناہ کے زنگ جمنے کو
پہلے اُس گناہ کا باعث ہوتا ہے اور ازانجملہ صلوٰۃ وضو ہے اور اس کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بلال رض
سے فرمایا ہے انی سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنة کہ جنت میں میں نے اپنے سامنے تیرے جوتوں کی آواز
سنی ہے میں کہتا ہوں اسمیں یہ بھید ہے کہ طہارت پر التزام کرنا اور اس کے بعد نماز پڑھنا احسان کے درجے کے لئے
کافی مقدار ہے جو بڑے ہی نصیب سے ہو سکتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضہ سے دریافت کیا
بما سبقتنی الی الجنة کس چیز کی وجہ سے جنت میں تو مجھ سے سبقت لے گیا اور ازانجملہ صلوٰۃ تسبیح ہے اُس کا بھید یہ ہے
کہ یہ ایک ایسی نماز ہے کہ جس میں خدا کی یاد کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے بمنزلہ اُس کامل نماز کے ہے جو رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے محسنین کے لئے اذکار کے ساتھ مقرر فرمائی ہے جو شخص اس سے یہ نماز اُسکے لئے کافی ہو جاتی
ہے اس لئے اس کی فضیلت میں دس خصلتیں ارشاد فرمائی ہیں اور ازانجملہ صلوٰۃ الآیات ہے جیسے کسوف اور خسوف
اور تاریکی میں پڑھی جاتی ہے اسمیں اصل یہ ہے کہ جب آیات میں سے کسی آیت کا ظہور ہوتا ہے اور لوگوں کے
نفوس اُس کے سبب سے خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ اور ملتجی ہو جاتے ہیں اور اُس وقت انکو دنیا سے ایک قسم کی
علیحدگی ہو جاتی ہے لہٰذا یہاں دعا کیلئے یہ وقت بہت غنیمت ہے اسکو ایسے وقت میں دعا اور نماز اور سلام

اعمالِ صالحہ میں کوشش کرنی چاہئے اور نیز یہ ایسا وقت ہے کہ عالم مثال میں حوادث کے پیدا کرنے کیطرف حکم الٰہی متوجہ ہوجاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت کو خود بخود اُنکے دلوں میں اُسی وقت بے چینی ایک طرح کی معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسی لئے ایسے وقت میں گھبرا جاتے تھے اور نیز اُن اوقات میں زمین پر روحانیت کا نزول ہوتا ہے لہٰذا صاحبِ احسان کیلئے ان اوقات میں خدا کے ساتھ قربت حاصل کرنا بہت مناسب ہے چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فاذا تجلی اللہ لشیء من خلقہ خشع لہ یعنی جب خدا تعالےٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی ہوتی ہے تو وہ چیز اُسکے سامنے جھک جاتی ہے اور نیز کفار لوگ چاند سورج کو سجدہ کرتے ہیں لہٰذا مسلمان ایماندار کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا عبادت کیلئے مستحق ہونا ثابت ہو تو خدا کی طرف نیازمندی سے التجا کرے اور اسکو سجدہ کرے چنانچہ اللہ پاک اس کو ارشاد فرماتا ہے لاتسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن۔ آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ قمر کو اور جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے اسکو ہی سجدہ کرو یہ سجدہ کرنا دین کے شعار اور منکرین کیلئے جواب ساکت کرنیوالا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث مروی ہے کہ آپنے دو قیام اور دو رکوع ان دونوں کو سجدہ پر قیاس کرکے کیے ہیں کیونکہ ایسے وقت میں رکوع اور قیام بھی خشوع کے اندر مثل سجدہ کے ہیں لہٰذا انکی بھی تکرار مناسب ہوئی اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آپنے اس نماز کو جماعت سے پڑھا اور اس بات کی منادی کرنے کا حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ اور آواز سے قرآن پڑھا جسنے اتباع کیا وہ درجہ احسان پر پہونچا اور جس نے وہ نماز پڑھی جو شرع میں معتبر ہے سوائس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر عمل کیا فاذا رأیتم ذٰلک فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا۔ پھر جب تم اسکو دیکھو تو اسکو یاد کرو اور اسکی بڑائی کرو اور اُسکے لئے نماز پڑھو اور اُسکے لئے صدقہ کرو اور از انجملہ صلوٰۃ استسقاء ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ مختلف طرق پر اپنی امت کے لئے باران کی طلب کی ہے مگر وہ طریقہ جو اپنی امت کے لئے مسنون کیا ہے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو لے کر عیدگاہ کی طرف نہایت نیازمندی اور تواضع اور تضرع کے ساتھ گئے اور جماعت سے دو رکعت نماز بالجہر پڑھی بعد ازاں خطبہ پڑھا اور خطبہ میں قبلہ کی طرف رُخ کرکے ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنی شروع کی اور اپنی چادر مبارک کو پھیرا اور یہ اسلئے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی چیز کی آرزو میں نہایت اہتمام اور گناہوں کی مغفرت طلب کرنے اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو دعا کے قبول ہونے میں نہایت کامل اثر ہے اور نماز بندہ کے لئے سب عبادات سے قربتِ الٰہی کی موجب ہے اور ہاتھوں کو اٹھانا نہایت تضرع اور نیازمندی کی صورت ہے جس سے نفس کو خشوع اور فرمانبرداری پر تنبہ ہوتا ہے اور چادر کا لوٹنا اُنکے احوال کے متغیر ہونے کی نقل ہے جس طرح مستغیث آدمی بادشاہوں کے حضور میں عمل میں لاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم استسقاء میں یہ دعا مانگا کرتے ہیں اللّٰھم اسق عبادک وبھیمتک وانشر رحمتک واحی بلدک المیت اور ایک یہ دعا ہے اللّٰھم اسقنا غیثا مغیثا مریئا نافعا غیر ضار عاجلا غیر اٰجل اور از انجملہ صلوٰۃ العیدین ہے اور اسکی نماز کا بیان عنقریب آتا ہے اور نوافل کے قبیلہ سے کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی تکلیف کے دور ہونے یا ان دونوں میں سے کسی کے معلوم ہونے کے وقت سجدہ شکر کا کرنا ہے کیونکہ شکر تو دل کا فعل ہے اور ظاہر

ہیں اسکے کوئی عنوان ضرور ہونا چاہئے تاکہ ہر ایک کو دوسرے سے قوت حاصل ہو جائے علاوہ بریں سنتوں کا خاص
ہونے والے ایک طرح کا تکبر پیدا ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ منعم کے سامنے اپنے آپکو ذلیل اور خاکسار بناوے. یہ وہ
نمازیں ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے جنہیں [illegible] اور مساعت الی الخیر کے قابلیت ہے
فرائض نماز پر جس کا کرنا تمام خاص و عام پر لابدی ہے زیادہ کر کے مسنون فرمایا ہے۔

نماز ایسی چیز ہے جو لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کیلئے وضع کی گئی ہے جس سے جہانتک اسکی کثرت ہو سکے کرلی
چاہئے مگر پانچ وقتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ان پانچ میں سے تین وقت ایسے ہیں جنہیں
بہ نسبت ان دو وقت کے نماز پڑھنے سے بتاکید اکید منع فرمایا ہے اور وہ تین وقت یہ ہیں ایک تو جب آفتاب بر-
ہوا ہو یعنی نکل کر اونچا ہو۔ دوسرے خاص وقت دوپہر کے جبتک نہ ڈھلے اور ایک جب آفتاب قریب الغروب ہو غروب
تک کیونکہ یہ اوقات مجوس کی نماز کے ہیں اور مجوس وہ فرقہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین ضائع کر دیا خدا تعالے کو چھوڑ
کر آفتاب پرستی کرتے ہیں اور ان کے اوپر شیطان کا تصرف ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے
انها تطلع بين قرني الشيطان جب آفتاب برآمد ہوتا ہے تو درمیان دونوں سینگوں شیطان کے برآمد ہوتا ہے
اس سے یہی مراد ہے کہ اس وقت میں کافر لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں لہذا ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو سب
عبادتوں میں بڑی عبادت ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور ملت کفر میں کچھ تمیز اور فرق کیا جاوے اور
دوسرے دو وقت وہ ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا بعد العصر حتی
تغرب الشمس۔ بعد نماز صبح کے کوئی نماز نہیں ہے جبتک آفتاب برآمد نہ ہو اور نہ عصر کے بعد جبتک آفتاب غروب نہ
ہو میں کہتا ہوں کہ ان دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھنے سے ان تین اوقات
میں نماز پڑھنے کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی ان دو وقتوں میں نماز
پڑھی کیونکہ آپ کو اس قباحت کے پیدا ہونے کا خوف نہ تھا اور ایک روایت میں جمعہ کے دن کا دوپہر اس سے مستثنیٰ کیا
گیا ہے اور نیز اس حدیث سے مسجد حرام کے اندر ان تین اوقات میں نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے یا بنی عبد مناف
من ولی منکم من امر الناس شیئا فلا یمنعن احدا طاف بهذا البیت وصلی ای ساعة شاء من لیل او نهار ای بنی عبد مناف
تم میں سے جو کوئی شخص لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا حاکم ہو تو وہ اس گھر کے کسی طواف کرنیوالے کو اور نماز
پڑھنے والے کو کسی وقت نہ روکے عام ہے کہ رات میں ہو یا دن میں اور اس تقدیر پر اس میں یہ بھید ہے کہ حج کا وقت
شعار دین کے ظاہر ہونیکا وقت ہے اور مسجد حرام شعار دین کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے اس سبب سے وہ دونوں
زمانہ کراہت کے معارض ہیں۔

اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان

معلوم کرو کہ عبادات کے اندر بڑی بیماری نفس کا ملال ہی ہو جاتا ہے تو خشوع کی صورت پر اسکو تنبیہ نہیں ہوتی

اور پھر وہ مشقت عبادت کے سعی سے خالی رہجاتی ہے اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کی
حرص ہوتی ہے اور حرص کو کمی ہوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ جب کسی عمل صالح کا لوگوں سے رواج جاتا رہتا ہے اور
سب لوگ اس میں سستی کرنے لگتے ہیں تو اُسکے کرنیوالے کا اجر چند در چند ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں اس عمل کو
آدمی اسی وقت بجا لاتا ہے کہ جب اس کے نفس کو سخت تنبیہ اور اس کے دل میں ایک مستحکم ارادہ پایا جاوے اسلئے
شارع نے طاعات کی مقدار مقرر کی ہے جس طرح مریض کے حق میں دوا کی طرح ایک خاص انداز مقرر ہوتی ہے جسمیں
کمی بیشی نہیں کیجاتی اور نیز مقصود صفت احسان کا اس طرح پر حاصل کرنا ہے کہ جس سے امور ضروریہ کا ترک یا حقوق میں
سے کسی حق کا تلف ہونا لازم آوے چنانچہ حضرت سلمان نے ایک صحابی سے یہ فرمایا کہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق
ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی تصدیق فرمائی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا اصوم وافطر و
اقوم وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں
اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس کسی نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے
اور نیز مقصود عبادات سے نفس کا راستی پر لانا اور اسکی کجی کا دور کرنا ہے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام اقسام کی عبادات
کو وہ عمل میں لاویں کیونکہ تمام خلق کے اعتبار سے یہ بات دشوار معلوم ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے استقیموا ولن تحصوا واتوا من الاعمال بما تطیقون راستے سے چلو اور کبھی نہ گھیر سکوگے تم اور بجا لاؤ اعمال کو بقدر
طاقت رکھتے ہو تم اور استقامت ایک مقدار معین سے ہو سکتی ہے جسکی وجہ سے نفس کو ملکیہ کے لذات سے لذت پاتے
اور بہیمیہ کے خصائص سے رنجیدہ ہونے پر تنبہ ہو اور بہیمیہ کے ملکیہ کے تابع ہونے کا ادراک پیدا ہو اور جب کسی امر کے
کرنے کی کثرت کی تو نفس اسکا عادی ہو جاتا ہے اور اس عبادت کے ثمرہ پر کچھ متنبہ نہیں ہوتا اور نیز شرع کا مقصود
اعظم یہ ہے کہ دین کے اندر تعمق اور غلو کا دروازہ مسدود ہو جاوے تاکہ وہ ایک عمل کو اپنے ذمہ پر ضروری نہ کرلیں پھر
انکے بعد کچھ وہ لوگ پیدا ہوں اور ان کو اس بات کا ظن پیدا ہو کہ یہ اعمال عبادات سماویہ سے ہیں اور ہمارے اوپر
فرض ہیں بعد ازاں اور لوگ پیدا ہوں اور انکو ان اعمال کے فرض ہونے کا یقین ہی ہو جاوے اور جیسے تو اسکے فرض
ہونے کا احتمال ہی تھا اب ان لوگوں کو انکی فرضیت پر اطمینان ہی ہو جاوے اور اس سے دین کی تحریف لازم آتی ہے
اللہ پاک فرماتا ہے ورھبانیۃ ابتدعوھا الایہ اور درویشی جو انہوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے اور نیز جس شخص
کے دل میں یہ گمان پیدا ہوگیا اگرچہ زبان سے اس کے خلاف کہتا ہے کہ بدون ان عبادات شاقہ کے خدا تعالے
کی رضامندی نہیں ہوتی اور اگر ان میں سے کوتاہی کی تو میرے اور میرے نفس کی تہذیب میں ایک حجاب عظیم
حائل ہو جاویگا اور میں خدا تعالے کا خطاوار ہونگا تو اس شخص سے اسکے ظن اور اعتقاد کے موافق مواخذہ لیا جاویگا اور
اس کوتاہی کی اس سے بازپرس ہوگی اور اسلئے کوتاہی کرنے سے اسکے علوم اسکے حق میں مضر اور موجب ظلمت
ہو جاوینگے اور اسکی سمیت کی وجہ سے اسکے اور اعمال بھی مقبول نہ ہونگے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ دین آسان ہے اور کوئی شخص دین میں سختی نہ کریگا مگر دین اسکو تھکا دیگا

انہیں معنی کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر اہتمام کر دیا کہ وہ عمل میں اعتدال ملحوظ رکھا کریں ایسی اتنی
زیادتی نہ کریں جس میں ملال پیدا ہو اور امر دینی مشتبہ ہو جاوے یا تدبیر نافع بیکار ہو جاوے ان امور کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
صراحتاً یا اشارتاً بیان فرما دیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احب الاعمال الی اللہ ادومها وان قل خدا کو وہ
اعمال پسند ہیں جو ہمیشہ کئے جاویں اگرچہ انکی مقدار قلیل ہی ہو میں کہتا ہوں ان اعمال کا زیادہ محبوب ہونا اس لئے ہے
کہ ہمیشہ کام کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کام کی دل میں خواہش اور رغبت ہے اور نیز طاعت کا اثر نفس جب
ہی قبول کرتا ہے جب اس کے فائدے سے مستفیض ہوتا ہے کہ جب عرصہ تک اطمینان کے ساتھ اسکو ہمیشہ کرتا
رہے اور ایسے وقت ملجاویں کہ نفس میں ان اعمال کے لئے فرصت اور تخلیہ ہو اسی قسم کا تخلیہ جیسے خواب میں ہوتا ہے
اور اسکے سبب سے ملاء اعلیٰ کے علوم نفس میں منقش ہو جاتے ہیں اور اس کا اندازہ معلوم نہیں ہے کہ نفس کے لئے کتنی
فرصت درکار ہے اسواسطے اس کے حاصل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ کام ہمیشہ اور بکثرت کیا جاوے لقمان علیہ السلام
کے اس قول کے یہی معنی ہیں وعود نفسک کثرۃ الاستغفار فان للہ ساعة یرد فیہا سائلا یعنی نفس میں زیادہ استغفار کرنیکی
عادت ڈالو اسلئے خدا کے پاس بعض ایسے وقت ہوتے ہیں جسمیں وہ سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے خذوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا یعنی وہ اعمال اختیار کرو جن کو تم کرسکتے ہو
اسلئے کہ خدا جب ہی رنجیدہ ہوتا ہے جب تم رنجیدہ ہو یعنی خدا کسی عمل پر ثواب اسوقت نہیں دیتا ہے جبتک لوگ اسکے
کرنے سے ناخوش ہوتے ہیں خدا پر ملال کا اطلاق مشاکلةً کر دیا گیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے ان احدکم اذا صلی وھو
ناعس لا یدری لعلہ یستغفر فیسب نفسہ یعنی تم میں سے بعض لوگ سونے کی حالت میں نماز پڑھتے ہیں اور انکو نہیں معلوم
ہوتا کہ استغفار کیوقت اپنے نفس پر بددعا کرتے ہیں میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ شدت ملال سے ایسے وقت
میں طاعت وغیر طاعت میں تمیز نہیں رہا کرتی پھر حقیقت طاعت پر نفس کو کیونکر تنبیہ حاصل ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا قول ہے فسددوا یعنی میانہ روی کا طریقہ اختیار کرو جسکی نگرانی ہو سکے اور اسکو ہمیشہ عمل میں لا سکیں وقاربوا یعنی یہ خیال
مت کرو کہ تم مقصد سے دور ہو کر بغیر اعمال شاقہ کے اس تک نہیں پہنچ سکتے وابشروا یعنی امید اور سرور دل حاصل
کرتے رہو واستعینوا بالغدوة والروحة وشیئا من الدلجة یعنی صبح و شام اور اخیر شب کے ایک حصہ سے مدد حاصل کرو کہ
ان اوقات میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے اور دل نفسانی تذکروں سے خوب صاف ہوتا ہے اسکے متعلق ہم نے پہلے
ایک فصل بیان کی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من نام عن حزبه او عن شیء منه فقرأه فیما بین صلوة الفجر وصلوة
الظھر کتب له کانما قرأه من اللیل جو شخص اپنے وظیفہ یا اسکے حصہ کو نہ پڑھے اور سو جاوے پھر اسکو نماز صبح اور ظہر کے
درمیان میں پڑھے تو اسکے لئے اسکا ثواب ایسا لکھا جاتا ہے کہ گویا اسکو رات کے پہلے حصہ میں پڑھا تھا میں کہتا ہوں
کہ قضا کے باب میں دو امر ملحوظ ہیں اول یہ کہ طاعت کے ترک کرنے میں نفس کو بے پروائی نہ ہو اور وہ اسکے ترک کرنیکا عادی نہ ہو جائے
اگر ایسا کیا تو نفس پر ترک کرنیکے بعد اسکی بجا آوری مشکل ہوگی دوسرے یہ کہ نفس اسکو ادا کرکے ذمہ داری سے باہر آجاوے یا مردیں
دیکھے کہ اسنے خدا کے حق میں کوتاہی کی ہے اور خدا اسکو بجائے علم اور بے علمی کی حالت میں اس سے مواخذہ کریگا۔

معذور لوگوں کی نماز کا بیان

شریعت مقرر کرنے کی تکمیل کے لئے یہ امر ضروری تھا کہ عذر پیش آنے کے وقت لوگوں کیلئے رخصتیں بیان کیجاویں تاکہ مکلفین اپنے مقدور کے موافق طاعت بجا آوری کر سکیں انہیں رخصتوں کا اندازہ شارع کے بیان پر موقوف رکھا جاوے تاکہ شارع انمیں اعتدال کا لحاظ کر سکے لوگوں پر اس کا موقوف ہونا نہیں چاہئے اسلئے وہ انمیں کبھی افراط کرینگے کبھی تفریط ہیں یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے رخصتوں اور عذروں کے پیمانہ مقرر کرنے کی توجہ فرمائی رخصتوں کے اصول سے یہ مراد ہے کہ طاعت کی اصلی حالت اسی طرح پر دیکھی جاوے جسکا حکمت حکم دیتی ہو ہر حال میں اس حالت کو مقید و طی سے بقیہ کرنا چاہئے اور ان حدود اور قواعد کا لحاظ کرنا چاہئے جنکو شارع نے مقرر فرمایا ہے تاکہ اصلی نیکی کا اہتمام کرنا آسان ہو سکے اور ضرورت کے موافق ان حدود میں سے بعض ساقط اور بعض کو بعض سے بدل کر سکیں عذروں میں سے ایک سفر ہے سفر نے میں جو حرج ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اسلئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے انمیں چند قسم سے رخصتیں مقرر فرمائی ہیں ایک قصر کی اجازت فرمائی رکعتوں کی اصلی تعداد یعنی گیارہ کو باقی رکھا اور جو ان سے زیادہ تھیں انکو ساقط کر دیا لہذا اطمینان اور اقامت کو اسکے لئے مشروط کر دیا گیارہ رکعتوں میں چونکہ عزیمت کا احتمال تھا اسلئے مناسب تھا کہ صرف ضرورت سے انکا اندازہ کیا جائے اور رخصت دینے میں زیادہ تنگی کیجاوے اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ آیت میں خوف کی شرط صرف بیان فائدہ کے لئے ہے اور اس کا کوئی اصلی مفہوم نہیں ہے اور فرمایا کہ یہ خداوند تعالے کا صدقہ ہے جو اسنے تم پر اسکو خیرات کیا ہے اسکے صدقہ کو قبول کرو اسلئے صدقہ کی یہ حالت ہے کہ بامروت لوگ ہمیں تنگی نہیں کیا کرتے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ پوری رکعت پڑھنے کو کسی قدر تجویز فرمایا ہے لیکن ہمیشہ آپ نے نماز بالقصر ہی پڑھی لہذا نماز میں قصر کرنا سنت مؤکدہ ہو گیا ہے اور اس روایت میں جس سے پوری نماز کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس روایت میں کہ سفر میں دو رکعت پوری ہیں بلا قصر کوئی اختلاف نہیں ہے اسلئے کہ ممکن ہے کہ اصلی واجب رکعتیں ہوں اور اسکے ساتھ پورا پڑھنے سے اولی پر کفایت ہو جائے جیسے مریض اور غلام اگر جمعہ کی نماز پڑھیں تو انکے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے یا جیسے کسی شخص پر زکوٰۃ میں بنت مخاض واجب ہو وہ اپنا تمام مال خیرات کر دے اسی لئے قصر وہاں تک ہوتا ہے کہ جبتک مکلف کو مسافر کہہ سکیں جب اس سے یہ نام بالکل زائل ہو جائیگا تب قصر موقوف ہوگا قصر میں کوئی اور حرج پیدا ہو گیا اور پوری نماز نہ ادا کر سکا تو اسکا لحاظ نہ کیا جائیگا صرف مسافرت کا لحاظ ہوگا اسلئے کہ ابتدا ہی کو مسافر کے لئے دو رکعت قرار دیگئی ہیں عبد اللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو ہی رکعت نماز مقرر فرمائی تھی اور یہ دو رکعتیں فی نفسہ پوری ہیں یعنی قصر کی اور معلوم کرو کہ سفر اور اقامت اور زنا اور سرقہ اور تمام وہ امور جنپر شارع نے احکام کو دار و مدار کیا ہے ایسے ہیں کہ اہل عرف اپنے محاورات میں انکا استعمال کرتے ہیں اور انکے معنی سمجھتے ہیں مگر انکی تعریف جامع و مانع جب ہی معلوم ہو سکتی ہے کہ انمیں ایک قسم کا اجتہاد اور تامل کیا جاوے اور اجتہاد کا طریقہ معلوم کرنا بھی دشوار امر ہے ہم نمونہ کے طور پر سفر کے اندر کچھ بیان کرتے ہیں دیکھو کہ سفر ایسی چیز ہے جو تقسیم سے بھی معلوم ہو سکتا ہے

اور مثال سے بھی معلوم ہو سکتا ہے مثلاً اہل زبان جانتے ہیں کہ کسی کا مدینہ منورہ اور مدینہ سے خیبر کو جانا لامحالہ سفر ہے اور صحابہ اور انکے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کسی کا جدہ کو یا طائف یا عسفان اور تمام ان مواضع کو جو وہاں سے چار برید یعنی سولہ فرسنگ یعنی اڑتالیس میل کے فاصلے پر واقع ہیں سفر ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انہیں سے کسی کا نام دوسرے پر نہیں بولا جاتا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وطن سے نکلنے کی کئی قسمیں ہیں ایک تو اپنی زراعت و باغات کی طرف آمد و رفت کرنا اور ایک بغیر تعیین مقصد اور سفر کے چلنا پھرنا اور تحدید کا یہ طریقہ ہے کہ جن مثالوں پر عرفاً اور شرعاً ایک کا نام اطلاق کیا جاتا ہے انکی تلاش کی جائے اور جن اوصاف میں سے بعض کو بعض سے تمیز ہو سکتی ہے انکی جانچ کی جائے اور انہیں سے جو عام ہے اسکو جنس کی جگہ اور جو خاص ہے اسکو فصل کی جگہ رکھا جاوے اس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنے مکان سے باہر جانا سفر کا ایک جز ذاتی ہے اس واسطے کہ اگر ایک شخص اپنے محل اقامت ہی میں چکر لگاتا رہے اسکو مسافر نہ کہینگے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خاص مقام کو جانا بھی سفر کا جز ذاتی ہے ورنہ وہ پھرنا بے حواسی کا پھرنا سمجھا جاویگا اسکو سفر نہ کہینگے اور نیز یہ کہ وہ مقام اسقدر دور ہو کہ اسی روز یا اس دن کی اول شب میں آدمی وہاں سے اپنے محل اقامت کو واپس نہ آسکے ورنہ وہ آنا جانا ایسا سمجھا جاویگا جیسے اپنی کھیتی باڑی سے آنا جانا اور اس کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وہ پورے ایک دن کا راستہ ہو اور سالم کا قول یہی ہے مگر سولہ فرسنگ کی مسافت تو یقیناً سفر سمجھی جاتی ہے اور اس سے کم مسافت کو سفر کا حکم ہونے میں تردد ہے اور سفر کا اطلاق شہر پناہ یا گاؤں کے سوانے یا مکانات سے باہر آنے اور ایسی جگہ کے چلنے کا ارادہ کرنے سے جو وہاں سے سولہ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے صحیح ہوتا ہے اور ایک کافی اور معتد بہ مدت تک اس شہر یا گاؤں میں اقامت کا ارادہ کرنے سے سفر کا نام زائل ہو جاتا ہے از انجملہ ظہر و عصر اور مغرب و عشا کا جمع کرنا اصل اسمیں یہی ہے کہ جسکی طرف ہم اشارہ کر چکے کہ اصل اوقات نماز کے تین ہیں فجر اور ظہر اور مغرب اور ظہر سے عصر اور مغرب سے عشا اسلئے نکالی گئی ہے کہ دو نمازوں کے اندر زیادہ مدت کا فصل نہ رہ جاوے اور غفلت کی حالت پر لوگ نہ سو جایا کریں اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لئے تقدیم و تاخیر کا جمع کرنا شروع کیا مگر آپ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی اور نہ اسکا حکم دیا جیسے قصر کا حکم دیا ہے اور از انجملہ سنتوں کا ترک چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بجز فجر کی سنتوں اور وتر کے اور نہ پڑھتے تھے اور از انجملہ سواری پر بیٹھکر جدھر سواری چلے اشاروں سے اوپر کی نماز پڑھنا ہے مگر یہ عذر نوافل اور سنت فجر اور وتر ہی کے لئے ہے نہ فرائض میں اور منجملہ اعذار کے ایک خوف ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے نماز خوف ادا کی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ اپنی قوم کی دو صفیں بنائیں اور انکے ساتھ نماز پڑھے جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ انہیں سے ایک صف نے دو سجدے پورے کرلئے اور ایک صف نگہبانی پر رہی پھر جب صف اول نے کھڑی ہوئی تو جو نگہبانی پر تھے انہوں نے سجدہ کیا اور نماز میں شریک ہو گئے اور جنہوں نے اول نگہبانی کی تھی انہوں نے دوسری رکعت میں آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ اور دوسری صف نگہبان رہی جب آپ بیٹھے تو جو صف نگہبان تھی اس نے سجدہ کیا اور آپ نے دونوں صفوں کے ساتھ التحیات پڑھکر سلام پھیر دیا مگر یہ طریقہ اسوقت کے مناسب ہے کہ جب دشمن قبلہ کی طرف ہو یا اس طرح جیسے

دونوں رکعتوں کے تقسیم کرنے کا کوئی شکل ہو اور سب لوگ اس طریقے سے واقف ہوں اور ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک
ٹکڑی آپ کے سامنے کھڑی ہوگئی اور ایک ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت پڑھی پھر جب آپ دوسری رکعت پڑھنے
کو کھڑے ہوئے تو اُس ٹکڑی نے آپ سے جدا ہو کر اپنی نماز تمام کی اور دوسری ٹکڑی کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر
کھڑی ہوئی اور جو وہاں کھڑی تھی اُس نے آ کر آپ کا اقتدا کیا اور آپ نے اُن کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی پھر جب
آپ نے التحیات کو نشست کی تو وہ مقتدی کھڑے ہوگئے اور اپنی دوسری رکعت پوری کر کے آپ سے مل گئے
اور آپ نے اُنکے ساتھ سلام پھیر دیا اور یہ صورت اسوقت کے مناسب ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف نہ ہو اور دو رکعتوں
کی تقسیم کرنے سے اُنکا دل پراگندہ نہ ہو اور از انجملہ یہ ہے کہ آپ نے اُن میں سے ایک ٹکڑی کے ساتھ نماز پڑھی اور
ایک ٹکڑی دشمن کے مقابل کھڑی رہی اور اُس ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت نماز پڑھی پھر یہ ٹکڑی پہلی
ٹکڑی کی جگہ جس نے ہنوز نماز نہ پڑھی تھی جا پہونچی اور وہ نماز کے لئے اُن کی جگہ آپہونچی اُن کے ساتھ بھی آپ نے
باقی ایک رکعت پڑھی پھر دونوں نے اپنی اپنی نماز پوری کر لی اور از انجملہ یہ ہے کہ ہر ایک جس صورت سے ممکن ہو
سوار یا پیدل قبلہ کی طرف یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے حضرت ابن عمرؓ نے اس طریقہ کی روایت کی ہے مگر یہ طریقہ
اُس وقت مناسب ہے کہ جب سخت خوف ہو یا لڑائی مل رہی ہو الحاصل ہر طریقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
مروی ہے درست ہے مگر انسان کو چاہئے کہ جو اُس سے بسہولت ہوسکے اور اُس وقت کی مصلحت کے مناسب
ہو اُس طریقہ کو عمل میں لاوے۔ منجملہ اعذار کے ایک مرض ہے اس کے باب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
صلّ قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب. کھڑے ہو کر نماز پڑھ اور اگر یہ تجھ سے نہ ہوسکے تو بیٹھ کر۔ اور
اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کروٹ سے لیٹ کر اور نفل نماز کے باب میں آپ نے فرمایا ہے من صلّی قائما فهو افضل ومن صلّی قاعدا
فله نصف اجر القائم۔ جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے تو اُس کو قائم سے نصف اجر ہے
میں کہتا ہوں چونکہ نماز اس قابل ہے کہ اُس کی کثرت کی جاوے اور اصل نماز کھڑے ہو کر بھی ادا ہوسکتی ہے اور بیٹھ کر
بھی جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور صرف شارع نے قیام کو واجب کر دیا ہے اور جو چیز پوری حاصل نہ ہوسکے تو یہ بھی
نہ ہو کہ بالکل متروک ہو جاوے اسی لئے رحمۃ اسی کا مقتضی ہوا کہ نماز نفل بیٹھ کر اُن کے لئے جائز کر دیجاوے اور ان
دونوں وجہوں میں جس قدر فرق ہے حدیث شریف میں بیان کر دیا گیا ہے صلوٰۃ الطالب اور صلوٰۃ المطر اور
صلوٰۃ الوحل کا بیان حدیث شریف میں آیا اور صحابہ میں سے کسی نے ضوابط اور حدود کے اندر کسی ایسی ضرورت
کی وجہ سے جس سے آدمی مجبور ہو کبھی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں مانگی مگر آپ نے اُن کو اجازت
عطا فرمائی بشرطیکہ اس اجازت کے مانگنے میں انکار اور سستی کا لگاؤ نہ رہا ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
فاذا امرتکم بامر فاتوا منه ما استطعتم کلمہ جامعہ ہے جب میں تم کو کسی امر کے بجالانے کا حکم دوں تو جہانتک تم میں بس ہو
اُسکی بجا آوری کرو۔ واللہ اعلم۔

جماعت کا بیان

معلوم کرو کہ رسوم کی خرابی دور کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ ایک عبادت کو عام رسم مقرر کیا جائے اور ہر ایک خبردار اور بیخبر کے سامنے اسکو ادا کیا جائے اور تمام شہری دیہاتی اسمیں برابر ہوں اور باہم نہیں اس عبادت کے ذریعہ سے فخر اور عزت جتانے کا موقع ہو تاکہ وہ عبادت انکی تدابیر ضروریہ میں ہو جائے جسکی وجہ سے پھر وہ اس عبادت کو نہ چھوڑ سکیں اور نہ اسمیں تاخیر کر سکیں تاکہ عبادت الٰہی کی اسمیں تائید ہو اور حق کیطرف لوگوں کو بلائیں اور جس چیز سے انکو ضرر کا خوف تھا وہی حق کی طرف انکو کھینچکر لا دے اور تمام عبادات میں سے کوئی عبادت نماز سے زیادہ عظیم الشان اور عظیم البرہان نہیں ہے اسلئے اسمیں اسکی اشاعت اور لوگوں کا اجتماع اور موافقت اس پر لازم ہے نیز ملت اسلام کے اندر کئی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک علماء جن کا اقتدا کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ لوگ کہ انکو احسان کا درجہ حاصل کرنے میں رغبت کے ساتھ دعوت اسلام کی حاجت ہے اور تیسرے وہ لوگ جو ضعیف الیقین ہیں کہ اگر انکو سب کے سامنے عبادت کے ادا کرنیکا حکم نہ دیا جائے تو بلاشبہ عبادت کے اندر سستی کاہلی ہونے لگے اسلئے کوئی چیز ان سب کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور زیادہ مصلحت کے موافق نہیں ہے کہ ان سب کو خلق کے روبرو عبادت الٰہی کرنیکا حکم دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون اسکی بجا آوری کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے اور کون رغبت سے بجا لاتا ہے اور کون بے رغبتی سے اور جو عالم ہے اسکا اقتدا کیا جائے اور جاہل کو تعلیم دیجاوے اور خدا تعالیٰ کی بندگی انکے حق میں پیچ کے مثل ہو جائے جو انکار کے قابل بات ہے اس سے انکار کیا جائے اور جو بات قابل کرنیکے ہو وہ بتائی جائے اور کھرا اور کھوٹا معلوم ہوتا رہے نیز خدا کیطرف رغبت اور امید اور خوف کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو جب وہ اپنی جانوں کو خدا کے حوالے کر دیں برکات کے نازل ہونے اور رحمت الٰہی کے جھک پڑنے میں ایک عجیب خاصیت ہے جس کو ہم استسقاء اور حج میں بیان کر چکے ہیں اور نیز اس امت کے قائم کرنے سے خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اسی کا بول بالا رہے اور روئے زمین پر کوئی دین اسلام پر غالب نہ رہے اور یہ بات اسی وقت متصور ہو سکتی ہے کہ ان میں دستور مقرر کیا جائے تاکہ تمام خواص و عوام اور شہری و دیہاتی اور چھوٹے بڑے اس عبادت کے لئے جو دین کا بڑا شعار اور عبادات میں سے بڑی نامی عبادت ہے جمع ہوں اس سبب سے عنایت شرعی جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور انہیں رغبت دلانے اور انکے ترک سے سخت ممانعت کیطرف متوجہ ہوئی اور اشاعت دو قسم کی ہے ایک تو کسی قوم کے اندر اشاعت اور ایک تمام شہر کے اندر اشاعت قوم کے اندر تو اشاعت بسہولیت ہر نماز میں ہو سکتی ہے لیکن شہر کے اندر کچھ زمانہ پیچھے ہو سکتی ہے مثلاً ہفتہ میں قوم کے اندر اشاعت کے ہی اعتبار سے جماعت مقرر کی گئی اور اسکے باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ اور ایک روایت میں بخمس وعشرین درجۃ آیا ہے جماعت کی نماز کو اکیلے کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت ہے اور ایک روایت میں پچیس درجہ آیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرما دی ہے یا اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ ان باتوں سے نماز کو ترجیح ہوتی ہے [illegible]

نماز کے حکم میں ہے اور ایک قدم اگلے گناہوں کو دور کرنیوالے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کی دعا پیچھے سے اُن کو گھیر لیتی ہے اور یہ
نمازوں کے انتظار میں اعتکاف اور رباط کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی قسم کے اشارے حدیثوں میں پائے جاتے ہیں
یعنے آپنے دونوں عددوں میں سے ستائیس اور پچیس ایک عدد کے ساتھ فضیلت کے درجات کی تعیین کی ہے اس کا مدار
ایک بڑے نکتہ پر ہے جو آپ کے سامنے منکشف ہوا ہے اور ہم پہلے اسکو بیان کر چکے ہیں اسکو دیکھ لینا چاہیے اور اس دین حق
کے اندر جسکے باطل آگے پیچھے سے نہیں نکلتا اور یہ جو بعض الوجوہ کسی طرح سے تخمین و اٹکل کو دخل نہیں ہے اور نیز جماعت کے باب میں
آپ نے فرمایا ہے کہ کسی گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ایسے نہیں رہتے کہ جنمیں نماز قائم نہیں ہوتی پر شیطان انپر غالب رہتا ہے
میرے نزدیک اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جماعت کے ترک سے دین کی اندر سستی کا دروازہ کھلتا
ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے والذی نفسی بیدہ لقد ہممت ان امر بحطب فیحطب الخ اس ذات کی قسم
جسکے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس بات کا مصمم قصد کر لیا ہے کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں کہ وہ اکٹھی
کر دیجاویں۔ آخر تک۔ میں کہتا ہوں جماعت سنت مؤکدہ ہے اور چونکہ دین کا شعار ہے اس لئے اس کے ترک کرنے
سے ملامت متوجہ ہو جاتی ہے مگر چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے بعض لوگوں میں تاخیر اور دیر دیکھی اور آپنے معلوم کیا
کہ اسکا سبب ضعف اسلام ہے اسلئے سخت وعید انپر متوجہ کی اور انکے دلوں کو خوف دلایا پھر چونکہ جماعت کو حاضر ہونا نہیں
ضعیف اور مریض اور ذوی حاجت لوگوں کیلئے ایک قسم کی دقت تھی لہذا حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ ان کو اس وجہ سے جماعت
کے ترک کرنے کی اجازت دیجاوے تاکہ افراط و تفریط میں اعتدال ہو جاوے۔ اقسام حرج میں ایک یہ صورت بھی ہے
کہ شب کا وقت ہو اور مینہ برستا ہو یا پالا پڑتا ہو تو ایسے وقت میں مؤذن کو یہ کہنا مستحب ہے کہ اے لوگو خبردار تم اپنی اپنی جگہ
پر نماز پڑھو الا صلوا فی الرحال اور اسی قبیل سے وہ حاجت ہے کہ جس سے رکنا دشوار ہو مثلاً شب کا کھانا جب موجود ہو
کیونکہ بسا اوقات تو دل پڑا رہتا ہے اور کبھی کھانا ہی ہاتھ سے ضائع ہو جاتا ہے اور جیسے پیشاب پاخانہ کی حاجت کا ہونا
کیونکہ جب نفس اسمیں مشغول رہیگا تو اس کو نماز کا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا اور لا صلوٰۃ بحضرۃ طعام کی حدیث اور اس حدیث میں
کہ لا تؤخروا الصلوٰۃ بحضرۃ طعام اور ان کے علاوہ اور احادیث میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث کا ایک صورت خاص
یا معنی خاص پر قائم کرنا ممکن ہے کیونکہ پہلی حدیث میں باب تعمق کے انسداد کے لئے کھانے کے تیار ہونے سے نفی وجوب
مراد ہے اور جو شخص تعمق کی قباحت سے امن میں ہے اسکے لئے عدم تاخیر نماز کا حکم ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے روزہ دار
کے لئے افطار اور عدم افطار کا حکم دو وقتوں کے ساتھ متعلق ہے یا یہ معنی ہیں کہ اگر نمازی کو کھانے کا شوق یا اسکے ضائع ہونے
کا خوف ہے تب تو نماز تاخیر کرنی چاہیے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو تاخیر نہ کرنی چاہیے اور طلق کے حال سے یہ بات سمجھ میں
آتی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ کسی فتنہ کا خوف ہو۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے اذا استاذنت امراۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعہا تم میں سے جب کسی
کی بیوی مسجد میں آنے کی اجازت چاہے تو نہ روکنا چاہیے اسمیں اور جمہور صحابہ نے عورتوں کے مسجد میں آنے سے منع کیا
ہے اختلاف نہیں ہے کیونکہ جو غیرت تکبر اور غرور کی وجہ سے پیدا ہو اور فتنہ کے خوف سے نہ ہو منہی عنہ ہے اور وہ غیرت

جائز ہے جو بخوف فتنہ ہو چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الغیرت غیرتان۔ الحدیث۔ غیرتیں دو ہیں۔ اور
حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا ہے ان النساء احدثن۔ الحدیث۔ اور انکا خوف و مرض میں اور انکا انقسام آپس میں ہونا
ظاہر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک نابینا سے فرمایا تسمع النداء بالصلوۃ قال نعم قال فاجب۔ تو اذان
سنتا ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا اسکی تعمیل کر اسکے یہ معنی ہیں کہ اسکا سوال عزیمت میں تھا اس لیے آپ نے اسکو
رخصت نہ دی پھر اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت ہوئی کہ امامت کے قابل کون شخص ہے اور اجتماع کی کیا ضرورت
ہے اور امام کو اس بات کی وصیت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ مختصر نماز پڑھا کرے اور مقتدیوں کو اس بات کے حکم دینے کی
کہ پورے طور سے اسکا اتباع کریں اور حضرت معاذ کا قصہ نماز کے طویل کرنیمیں مشہور ہی ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے نہایت تاکیدی طور پر ان امور کو بیان فرمایا چنانچہ آپ نے فرمایا یام القوم اقرأہم لکتاب۔ الحدیث یعنی امامت قوم کی وہ
شخص کرے جو ان سب سے زیادہ قرآن کو اچھا پڑھتا ہو اور اگر قرأت میں برابر ہیں تو وہ شخص سنت کا زیادہ واقف ہو پھر اگر
علم سنت میں بھی برابر ہیں تو وہ شخص جو ہجرت میں مقدم ہو پھر اگر ہجرت میں بھی برابر ہیں تو جو عمر میں زیادہ ہو اور کوئی شخص
دوسرے کی سلطنت میں اسکا امام نہ بنے افراد کے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے علم کی
ایک معین حد کر دی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور شیوع صحابہ کے اندر قرآن کا علم تھا کیونکہ وہ تمام علوم کی اصل ہے
اور نیز وہ شعار الٰہی میں سے ایک شعار ہے لہذا اس شخص کا مقدم کرنا ضروری ہوا اور اس کی تعظیم واجب ہوئی تاکہ اس وجہ
سے لوگوں کے دلمیں قرآن کے سیکھنے کی حرص پیدا ہو اور بعض نے جو یہ گمان کیا ہے کہ انکے مقدم کرنے کی صرف یہ وجہ
ہے کہ نماز پڑھنے والیکو قرآن پڑھنے کی ضرورت ہے مگر اصل یہ ہے کہ اسمیں لوگوں کا شوق اور حرص ابھرتا ہے علاوہ باہم
حرص کرنے کے سبب سے کمالات حاصل ہوتے ہیں اور نماز میں قرأت کا ضروری ہونا خود نماز کے اعتبار حرص کے ساتھ
مخصوص ہونے کا سبب ہے فلیتدبر۔

بعد ازاں سنت کا علم ہے کیونکہ سنت کا درجہ کتاب کے بعد ہے اور اس سے دین کا قیام ہے اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے یہی ورثہ چھوڑا ہے اور بعد ازاں ہجرت کا لحاظ کیا گیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ہجرت کو عظیم الشان جانا ہے اور لوگوں کو اسکی رغبت دلائی ہے اور اسکو عظیم امور میں سے سمجھا ہے امامت کے اندر بھی مہاجر
کو مقدم رکھنا اسی ترغیب اور تادیب کا تتمہ ہے اسکے بعد عمر کی زیادتی کا لحاظ کیا گیا کیونکہ تمام لوگوں میں بڑوں کی تعظیم اور توقیر
کرنے کا دستور جاری ہے علاوہ بریں کبیر السن آدمی کا تجربہ اور علم لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے اور صاحب سلطنت کا اس
سلطنت میں کسی کا امام بننے سے جو آپ نے منع فرمایا ہے اسکا یہ سبب ہے کہ یہ بات اس صاحب سلطنت پر شاق
گذریگی اور اسکی سلطنت میں اس بات سے نقصان پیدا ہوگا تو صاحب سلطنت کو سلطنت کے باقی رکھنے کے لحاظ سے
اس امر کا حکم فرمایا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف۔ الحدیث جب تم میں سے
جو کوئی لوگوں کا امام بنے تو نمیں اختصار کرے کیونکہ انمیں مریض اور ضعیف اور بوڑھا بھی ہوتا ہے اور جب تم میں سے
کوئی اکیلا نماز پڑھے تو نماز میں جتنا چاہے طول کرے۔ میں کہتا ہوں کہ دعوت الی الحق کا فائدہ بدون آسانی کے پورے طور سے

نہیں حاصل ہو سکتا اور لوگوں کو نفرت دلانا دین کے مراد کے خلاف ہے اور جس حیثیت سے تمام دنیا کو مخاطب کیا جاوے
اُسمیں تخفیف ضروری ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے ان منکم منفرین بعض تم میں سے نفرت دلانے
والے ہیں اس بات کی تصریح فرمادی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے انما جعل الامام لیوتم بہ الحدیث۔ امام تو
اقتدا کرنے کے لئے بنایا گیا ہے پس تم اسپر مت جھگڑو پس جب رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب سمع اللہ لمن حمدہ
کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب بیٹھکر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھکر نماز پڑھو
اور ایک روایت میں یہ بھی ہے اس کے بعد جب وہ ولا الضالین کہے تم آمین کہو میں کہتا ہوں جماعت کی ابتدا حضرت
معاذؓ کی اجتہاد فعلی سے ہوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی رائے کو برقرار رکھا اور اسکو درست بتایا اور انہوں نے
یہ اجتہاد اسلئے کیا کہ جماعت کے سبب سے اُن سب کی نماز ایک نماز ہو جاتی ہے اور بغیر جماعت کے مسجد میں جمع ہونے
سے اگرچہ اتفاق فی المکان ہو جاتا ہے مگر نماز سب کی جدا جدا رہتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے
کہ جب وہ بیٹھکر نماز پڑھے تو سب بیٹھکر نماز پڑھو یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخیر عمر میں بیٹھکر اور
لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور اسکے منسوخ ہونے میں یہ بھید ہے کہ امام کا بیٹھا رہنا اور لوگوں کا اس
کے پیچھے کھڑا ہونا عجمیوں کے فعل کے ساتھ مشابہ ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تعظیم حد سے زیادہ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث
کی بعض روایتوں میں اسکی تصریح پائی جاتی ہے مگر جب کہ اسلام کی بنیاد پایہ استحکام کو پہونچی اور بہت سے احکام میں عجمیوں
کے ساتھ مخالفت ظاہر ہو گئی تو اس قیاس پر ایک دوسرے قیاس کو ترجیح دیکئی کہ قیام نماز کا رکن ہے جو بلا عذر شرعی ترک
نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں مقتدی کسی صورت سے معذور نہیں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
لیلینی منکم اولی الاحلام والنہی۔ الحدیث تم میں سے جو لوگ فہیم اور دانا ہیں وہ میرے پاس رہا کریں پھر جو ان کے قریب
بیٹھے سکو آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا بازاروں کی طرح شور و شغب سے اجتناب کرو میں کہتا ہوں یہ آپ نے اسلئے
فرمایا کہ انکے دلوں میں بڑوں کی عظمت پیدا ہو اور شرفا کی عادت اختیار کرنے کی انکو حرص پیدا ہو اور تاکہ مقلد کو اپنے
علم و رتبے کے لوگوں کا مقدم ہونا ناگوار نہ گزرے اور شور و غل سے جو منع فرمایا ہے اس سے انکا ادب دینا منظور ہے
اور تاکہ وہ قرآن کے اندر فکر اور غور کرسکیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو بادشاہ کے روبرو اسجا کرتے ہیں مشابہت پیدا
کریں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا تصفون کما تصف الملائکۃ عند ربہا جس طرح ملائک اپنے پروردگار کے
سامنے صف باندھے ہوئے برابر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح کیوں نہیں کھڑے ہوتے میں کہتا ہوں کہ ہر فرشتہ کے
لئے ایک درجہ مقرر ہے اور استعدادوں کے اندر ترتیب عقلی کے موافق ان کو پیدا کیا ہے اس لئے ان میں فرجہ نہیں
نکلتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانہا الحذف میں شیطان کو
دیکھتا ہوں کہ صفوں کے فرجہ سے نکلتا ہے گویا کہ بھیڑ کا سیاہ بچہ میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے
کہ ذکر کے حلقوں میں مل مل کے بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات
بند ہو جاتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی

بات میں کمی ہوتی ہے اسیقدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسیوجہ سے صف کے اندر
شیطان کو دخل ہوتے دیکھا ہے اور اس خاص صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عادت کے اعتبار سے بھیڑ کا بچہ اکثر ایسی
تنگ جگہوں میں گھسا پھرتا ہے اور پھر اسکو سیاہی کی صفت کیساتھ دیکھنا جو ایک شے کی بدبختی پر دلالت کرتی ہے اسیوجہ
سے شیطان اس صورت میں آپ کے سامنے متمثل ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لتسون صفوفکم او
لیخالفن اللہ بین وجوہکم یا تو اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ خدا تعالے تمہارے منہ پھیر دیگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ راس حمار امام سے پہلے جو شخص اپنا سر اٹھالیتا ہے کیا اس کو
اس بات کا خوف نہیں ہے کہ خدا تعالے اس کا سر گدھے کا سا کردے میں کہتا ہوں آپ کا یہ حکم ان کے لئے
تسویہ اور اقتدا میں تھا لیکن انہوں نے اس میں تفریط کی آپ نے تشدید فرمائی جب اس پر بھی باز نہ آئے تب
آپ نے تغلیظ کے ساتھ تشدید فرمائی اور ان کو خوف دلایا اس بات کا اگر اب مخالفت پر اصرار کرینگے اور اس پر بھی
باز نہ آئینگے تو خدا کی لعنت میں مبتلا ہونگے کیونکہ مخالفت احکام الہیہ کے مستوجب لعنت کے ہوتی ہے اور خدا تعالے
کی لعنت جب کسی کو محیط ہوتی ہے تو بلاشبہ اس کا اثر احد الامرین میں سے ایک ضرور ہوتا ہے مسخ یا واقع ہونا خلاف کا
اس قوم میں اور تخصیص حمار کی تشبیہ میں یہ ہے کہ یہ جانور اپنی حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے لہذا ایسے عاصی فرمان
نے جب امام سے سر اٹھانے میں سبقت کی تو اس پر بھی بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہو کر گدھا بنیگا اور تخصیص سر کی اسلئے
ہوئی کہ سر ہی نے خداوند تعالے کی تابعداری میں سوء ادبی کی تھی اس لئے جس عضو سے یہ قصور ہوا اسی عضو کو یہ سزا دیگئی
جس طرح چور کے داغ دینے کی سزا ظاہر میں انہوں نے آگے پیچھے ہو کر یہ اختلاف کیا تھا اس لئے اختلاف معنوی اور
باہم مخالفت سے یہ سزا دیگئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا جئتم الی الصلوۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوہ
شیئا الخ جب کہ ہم سجدہ میں ہوں اسی اور تم نماز کے لئے آؤ تو تم سجدہ میں شریک ہو جاؤ اور اسکو معتد بہا مت سمجھو اور
جس کو رکوع مل گیا اسکو نماز ملگئی میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع قیام کے قریب ہے اور رکوع میں ملجانا گویا
قیام میں ملجانا ہے اور نیز سجدہ نماز میں اصل الاصل ہے اور قیام و رکوع اسکے لئے بمنزلہ تمہید اور واسطہ کے ہیں اور نیز آپ نے
فرمایا ہے اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معہم فانہا لکما نافلۃ جب کہ تم دونوں نے اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ لی ہو
پھر آؤ تم کسی مسجد میں جہاں جماعت ہو رہی ہے تو انکے ساتھ نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لئے نفل ہے میں کہتا ہوں
اسکی وجہ یہ ہے کہ تارک الصلوۃ کو اس عذر کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنے مکان پر نماز پڑھ لی ہے پس اسکے لئے انکار کرنا
درست نہ ہو اور دوسرے یہ ہے کہ مسلمان کی بات میں افتراق نہ پڑے اگرچہ وہ افتراق ظاہری ہی کیوں نہ ہو

جمعہ کا بیان

اصل بات یہ ہے کہ ہر روز نماز کی اسطرح پر اشاعت کہ تمام شہر کے لوگ ایک جگہ انکے لئے جمع ہوں یا متعذر ہے
اسلئے ضروری ہوا کہ انکے لئے ایک حد مقرر کیجائے کہ اس حد کا دور نہ تو بہت جلد جلد ہو جسکی وجہ سے تنگی اور دشواری ہو جائے

اور نہ بہت مدت میں ہو کہ جس کے سبب سے مقصود ہاتھ سے نکل جاوے اور ہفتہ ایسی مقدار ہے کہ تمام عرب و عجم اور اکثر قوموں میں اسکا
استعمال کیا جاتا ہے اور اسمیں اس بات کی قابلیت ہے کہ اسکو حد بنایا جاوے اسلئے اسی کو نماز کا وقت معین کیا گیا اب
اس بات کے اندر کہ ان دنوں میں سے کونسا دن ایسی عبادت کیلئے مخصوص کیا جاوے یہود نے ہفتہ کے دن کو اور
نصاریٰ نے اتوار کو اپنی اپنی رائے کے موافق ان دنوں کو اور دنوں پر ترجیح دیکر پسند کیا اور اس امت کو اللہ پاک نے
علم عظیم کے ساتھ خاص کیا کہ شروع شروع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں میں اس کا القا فرمایا جس کی بنا پر
انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے پیشتر خود بخود جمعہ کے دن کو قائم کیا جو بعد ازاں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم پر اسکا انکشاف فرمایا اس طرح پر کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس ایک آئینہ لے کر جس کے اندر
ایک سیاہ نقطہ تھا تشریف لائے اور اس مثال سے جو مراد تھی وہ آپ کو بتلائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو معلوم کر لیا
اور اس علم کا حاصل یہ ہے کہ اوقات طاعت کے لئے بہترین اوقات میں سے وہ وقت ہے کہ جسوقت خدا تعالے کو
بندوں کے ساتھ قربت ہوتی ہے اور اسوقت میں انکی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں کیونکہ ایسے وقت میں طاعت کے قبول
ہونے میں بہت سرعت ہوتی ہے اور خاص دن کے اندر اسکا اثر ہوتا ہے اور ایک عبادت بہت سی عبادتوں کا نفع
بخشتی ہے دوسرے یہ کہ اللہ پاک کو اپنے بندوں کے ساتھ تقرب کا ایک وقت مقرر ہے جو مخلوق کی گردشوں سے
انکی بھی گردش ہوتی رہتی ہے اسوقت میں جنت الکثیب میں اپنے بندوں کیلئے تجلی فرماتا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ وہ
وقت جمعہ ہی کا دن ہوتا ہے کیونکہ اسمیں اور بہت سے عظیم الشان امور واقع ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ الحدیث بہترین دنوں کا جسمیں آفتاب کا طلوع ہوتا ہے دن جمعہ ہی کا ہے
اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی روز اس سے باہر کئے گئے
اور جمعہ ہی کے دن قیامت برپا ہوگی اور تمام بہائم جمعہ کے دن گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں یعنی پریشان اور خائف
ہوتے ہیں جس طرح کسی سخت مہیب آواز سے ڈرتے ہیں اور اسکی یہ وجہ ہوتی ہے کہ اس دن ملاء سافل پر انکے دلوں پر
اس گھبراہٹ کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور ملاء سافل میں ملاء اعلےٰ سے جب انکے نفوس میں حکم الٰہی کے نازل ہونے سے

گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے یہ اثر پیدا ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسلسلۃ علی صفوان حتی اذا فزع عن قلوبہم
الحدیث یعنی جس طرح سخت پتھر پر لوہے کی زنجیر ماری جاتی ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے یہانتک کہ ان کے
دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس
نعمت کا بحسب الحکم جناب باری تعالے کے ذکر بھی کیا ہے اور فرمایا ہے ہم پیچھے آخر میں پیدا ہونیوالے اور قیامت کے
دن سابق رہنے والے ہیں یعنی جنت میں داخل ہونے یا احسانات کے پیش ہونے میں بجز اتنی بات کے کہ انکو ہم سے پیشتر کتاب
دی گئی ہے اور ہمیں ان سے بعد کو عطا ہوئی ہے تو صرف انکے لحاظ سے وہ ہم سے مقدم ہیں پھر یہ دن ہے جو انکے لئے مقرر
کیا گیا ہے انہوں نے اور دن میں اختلاف کیا تو خدا تعالے نے اپنی مرضی کے موافق ہم کو بتایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی مراد اس دن کے کہنے سے دن کا ایک فرد منتشر مراد ہے جو ہمارے لئے وہ جمعہ کے پانے جانے سے پایا جاتا ہے اور اگر

حق میں انوار اور رحمت کے دن سے بالحاصل وہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ اللہ پاک نے خاص اسی امت کو عطا کی ہو اور شرع کرنا
جو چیز اصل چلی جاتی ہے یہود و نصاریٰ بھی اس سے محروم نہیں اور آسمانی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے کوئی قانون شرعی اس
میں باقی نہیں رہتا ہے اگرچہ بعض کو بعض سے زیادہ فضیلت سے امتیاز ہوتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس گھڑی
کا بہت اہتمام فرمایا ہے اور اسکا بڑا مرتبہ بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے لایوافقہا مسلم یسئل اللہ فیہا خیرا الا اعطاہ ایاہ۔ اس
گھڑی میں کوئی مسلمان بندہ خدا تعالےٰ سے بہتری کا سوال نہیں کرتا ہے مگر اللہ پاک اسکو عطا فرماتا ہے اب اس گھڑی
کی تعیین میں روایات مختلفہ آئی ہیں بعض تو کہتے ہیں یہ گھڑی اسوقت ہوتی ہے کہ جب امام بیٹھے یہانتک کہ نماز سے فارغ
ہو کیونکہ اس گھڑی میں آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایمان والے اسوقت خدا تعالےٰ کیطرف متوجہ
ہوتے ہیں پس اس وقت میں آسمان و زمین کی برکات جمع ہو جاتی ہیں بعض کے نزدیک وہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب
آفتاب تک ہے کیونکہ وہ وقت احکام الٰہیہ کے نازل ہونے کا ہے اور بعض کتب الٰہیہ میں اس بات کا بیان ہے کہ
حضرت آدم بھی اسی گھڑی میں پیدا کئے گئے ہیں اور میرے نزدیک یہ سب تخمین ہے تعیین نہیں ہے پھر اس بات کی
ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے لئے جمعہ کا وقت واجب ہونا بیان کیا جائے اور انکو اسکی تاکید کیجائے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا لینتہین اقوام عن ودعہم الجمعات الحدیث یا تو لوگ جمعوں کے ترک سے باز رہیں ورنہ خدا تعالےٰ انکے دلوں پر مہر لگا
دیگا پھر وہ غافل ہو جاوینگے میں کہتا ہوں کہ اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جمعہ کا ترک کرنا دین کے اندر باب تہاون
کھول دیتا ہے اور شیطان کے غالب ہونے کا سبب ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تجب الجمعۃ علی کل مسلم الا امراۃ
او صبی او مملوک بجز عورت اور بچے اور غلام کے ہر ایک مسلمان پر جمعہ واجب ہے اور فرمایا ہے الجمعۃ علی من سمع النداء
جس کے کان میں اذان کی آواز پہونچے اس پر جمعہ واجب ہے میں کہتا ہوں اسمیں افراط و تفریط کے اندر اعتدال رعایت
مقصود ہیں اور ان لوگوں کے لئے جنکو نماز جمعہ تک پہونچنا دشوار ہے یا ان کے وہاں جانے میں فتنہ کا خوف ہے انکے
لئے تخفیف ہے اور نیز اس بات کی ضرورت پڑی کہ ان کے لئے نہانے اور مسواک کرنے اور خوشبو لگانے اور کپڑوں
کے پہننے سے پاکیزگی کو مستحب کیا جاوے کیونکہ یہ اشیا طہارت کا تتمہ ہیں انکے سبب سے نفس کو پاکیزگی کی صفت پر
اور زیادہ تنبیہ ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک عند کل صلوٰۃ
اگر میں امت پر گراں نہ سمجھتا تو وقت ہر نماز کے مسواک کا حکم دیتا اور نیز لوگوں کیواسطے نہانے اور خوشبو لگانے کیلئے کوئی بات
ضرور ہونی چاہئے کیونکہ بنی آدم کی عمدہ عادات میں سے یہ باتیں ہیں اور چونکہ ہر دن ان چیزوں کا التزام دشوار تھا اسلئے جمعہ
کا دن اس بات کے لئے مقرر کیا گیا کیونکہ جمعہ کا دن مقرر کرنے سے جمعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور نماز بھی کامل ہوتی ہے
چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام یوما یغسل فیہ راسہ وجسدہ ہر
مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کیا کرے اور غسل میں اپنا سر اور بدن دھویا کرے اور نیز وہ لوگ اپنا
کام و کاج خود کرتے تھے اور جب جمع ہوتے تھے تو ان میں سے چمڑوں کی سی بدبو نکلتی تھی اس لئے انکو نہانے کا حکم دیا
تاکہ تنفر کا سبب دفع ہو اور انکا باہم جمع ہو کر بیٹھنا خوش دل ہو جاوے حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ نے اسکو بیان

فرمایا ہے اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ انکو خاموش رہنے اور امام سے قریب ہونے اور لغویات کے ترک کرنے اور
سویرے آنے کا حکم دیا جاوے تاکہ وعظ ونصیحت کے سننے اور اُنمیں تدبر کرنیکا انکو پورا پورا موقع ملے اور نیز اس بات کا
حکم دیا جاوے کہ جمعہ کی نماز کو پیادہ پا آویں اور سواری میں نہ آئیں کیونکہ تواضع اور خاکساری سے وہ قریب ہے دوسرے یہ کہ جمعہ
کے اندر تنگدست اور غنی سب طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اس سبب سے یہ احتمال ہے کہ جس شخص کے پاس سواری نہیں ہو
اس کو وہاں آنے سے حجاب ہووے لہذا اس دروازے کا بند کردینا مناسب ہوا اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ خطبہ
سے پہلے چند نمازوں کا پڑھنا مستحب کیا جاوے جسکی وجہ نماز پنجگانہ کی سنتوں میں ہم بیان کرچکے ہیں اگر کوئی شخص امام کے خطبہ
پڑھنے میں مسجد میں آیا تو اسکو چاہئے کہ دو رکعت چھوٹی چھوٹی پڑھ لے کیونکہ اسمیں بقدر امکان سنت کی بھی رعایت ہے
اور خطبہ کا بھی ادب ہے اس مسئلہ میں تیرے شہر کے لوگ جو شور کرتے ہیں ان کے دھوکے میں نہ آ کیونکہ اسکے حق
میں حدیث صحیح وارد ہے جس کا اتباع واجب ہے اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ انکو لوگوں کے اوپر ہو کر گذرنے اور
دو شخصوں کو علیحدہ کرنے اور کسی کو اپنی جگہ پر اس غرض سے بٹھا جانا کہ کوئی اور وہاں نہ بیٹھ جائے منع کیا جائے کیونکہ جہلا لوگ
اس قسم کی حرکت اکثر کیا کرتے ہیں اور ایسے امور سے باہم فساد پیدا ہوتا ہے اور عداوت کا تخم ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے جمعہ کو تمام آداب کے ساتھ پورے طور پر ادا کرنیوالے کا ثواب بیان فرمایا کہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سب گناہ
صاف ہوجاتے ہیں اسکا سبب یہ ہے کہ نور الٰہی اور مومنین کی دعا اور انکی صحبت برکات اور وعظ اور ذکر الٰہی وغیرہ کی برکت
کے دریا میں غرق ہونے کیلئے یہ نماز کافی مقدار ہوتی ہے اور پھر آپ نے اس نماز میں سویرے آنے کے درجات اور انکے
اوپر جو ثواب مترتب ہوتا ہے اونٹ اور گائے اور دنبہ اور مرغی کے ساتھ مثال دیکر اسکا بیان فرمایا اور جمعہ کے وجوب کیوقت
سے خطبہ کیلئے کھڑے ہونے تک یہ ساعتیں تھوڑی تھوڑی اوقات ہیں اور معلوم کرنا چاہئے کہ جس نماز میں تمام اطراف کے لوگ
جمع ہوتے ہیں وہ ایک ہی شفع (دو رکعت) ہی مقرر کی گئی ہے تاکہ نیز گراں نگذرے علاوہ بریں ان میں ضعفا اور مریض اور
صاحب حاجت سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ایسی نمازوں میں قرآن پاک جہراً پڑھنا مقرر کیا گیا تاکہ ان کو قرآن کے
اندر تدبر کا موقع حاصل ہو اور اسمیں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے اور ایسی نمازوں میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تاکہ جو لوگ
ناواقف ہیں وہ واقف ہوجاویں اور جو لوگ باوجود واقفیت کے غافل ہیں انکے لئے یاددہانی ہوجاوے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے اندر دو خطبوں اور انکے درمیان میں جلسہ کرنے کو مسنون فرمایا تاکہ مطلوب پورا پورا حاصل ہوجا
اور خطیب کو آرام بھی ملجاوے اور نیز اس کا اور سامعین کا نشاط از سرنو تازہ ہوجائے اور خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون
ہے کہ خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا کرے اور آپ پر درود بھیجے اور توحید و رسالت کی شہادت ادا کرے اور بیچ میں کلمہ فصل
اما بعد بلاکر لوگوں کو پند ونصیحت وتقوی کا حکم کرے اور اُن کو دنیا و آخرت کے عذاب الٰہی سے ڈراوے۔ اور
کچھ قرآن پاک پڑھے اور کچھ مسلمانوں کے حق میں دعا خیر کرے اس کا سبب یہ ہے کہ اس طریقہ نصیحت کے
ساتھ خدا تعالےٰ ورسول وقرآن پاک کی عظمت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے اور ان کیطرح یہ چیز ب
اسمیں بھی ضرور ہونی چاہئیں اور حدیث شریف میں آیا ہے کل خطبۃ لیس فیہا تشہد فہی کالید الجذماء یعنی جس خطبہ میں

کلمۂ شہادت نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔ منشا یہ بات بدون الفاظ کے امت کو برابر پہونچتی چلی آئی ہے کہ جمعہ کے اندر
جماعت اور ایک قسم کی شہرت شرط ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالےٰ
ان سب کی یہی عادت تھی کہ جمعہ شہروں ہی میں کرتے تھے اور اہل قریٰ سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے اور انکے عہد میں قریہ کے
اندر جمعہ نہ ہوتا تھا اس بات سے لوگ قرناً بعد قرن یہ سمجھنے لگے کہ جمعہ کیلئے جماعت اور شہرت شرط ہے میرے نزدیک اسکا سبب
یہ ہے کہ جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے لہذا شہریت اور جماعت کا اعتبار ضروری ہوا اور صحیح تر قول میرے
نزدیک یہ ہے کہ کم از کم جس پر قریہ کا اطلاق آتا ہو جمعہ کیلئے کافی ہے کیونکہ مختلف طریقوں سے جو بعض بعض کی تائید کرتے ہیں
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے اور اہل بادیہ کو بھی آپنے انہیں میں
شمار کیا ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے الجمعة علی خمسين رجلا۔ پچاس لوگوں پر واجب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پچاس آدمیوں
سے قریہ بنتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے الجمعة واجبة علی كل قرية۔ ہر گاؤں والوں پر جمعہ واجب ہے اور کم سے کم جسکو
جماعت کہہ سکیں میرے نزدیک جمعہ کی صحت کیلئے کافی ہیں اور حدیث انفضاض اس پر دال ہے اور ظاہر وہ لوگ
متفرق ہو کر پھر واپس نہیں آئے واللہ اعلم جب ابتدا جماعت کے لوگ موجود ہوں تو جمعہ واجب ہو جاتا ہے اور انکے
ساتھ نہ ہونے سے عاصی نہ ہوگا اور چالیس آدمیوں کی تعداد شرط نہیں ہے اور نیز اس حکم کا دینا ضروری تھا کہ نماز کے
قائم کرنیکے لئے حاکم کا ہونا مناسب ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے اربع الا الامام یعنے سوائے امام کے
یہ چار ہوں اور امام کا ہونا شرط نہیں ہے۔ واللہ اعلم ۔

عید الضحیٰ اور عید الفطر کا بیان

اصل انمیں یہ ہے کہ ہر ایک قوم کیلئے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اسمیں اپنا تجمل کرتے ہیں اور خوب زینت کے
ساتھ اپنے شہروں سے نکلتے ہیں اور یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی خالی نہیں عرب اور عجم میں اور جبکہ آپ مدینے میں
تشریف لائے تو انکے لئے دو دن ایسے تھے کہ انمیں وہ لہو و لعب کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں انہوں
نے عرض کی کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے تب آپنے فرمایا کہ اللہ پاک نے بجائے ان دو
دن کے دو اور دن اس سے بہتر بدل میں دیے وہ یوم الضحیٰ اور یوم الفطر ہیں اور یوں مشہور ہے کہ وہ دو دن یوم نیروز
اور یوم مہرجان تھے اور انکی تبدیل کرنے کی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوتا مگر مقصود اس سے
اظہار شعار دین یا ائمہ مذہب کے موافقت یا کوئی اسی قسم کی اور بات ہوتی ہے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
بات کا خیال ہوا کہ اگر انکو آپ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ جاہلیت کی رسم باقی رہ جائے یا پچھلوں کے طریقہ کی ترویج
انمیں پائی جائے پس اسی لئے آپ نے بجائے ان دو دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا اور ان میں ملت حنیفہ کے شعار کی مطابقت
ہے اور باوجود تجمل کے انمیں ذکر خدا اور ابواب بندگی کو ملایا اسلئے تاکہ اجتماع مسلمانوں کا صرف لعب ہی ہو اور تاکہ ان کا باہم اکٹھا ہونا
خدا کے کلمہ کے بلند ہونیسے خالی نہ ہو اور ان دونوں میں سے ایک تو وہ دن ہے کہ جب وہ اپنے روزوں سے فارغ ہوتے ہیں

اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اسلئے اس دن دو طرح کی خوشیاں جمع ہوجاتی ہیں طبعی اور عقلی طبعی خوشی تو انکو اسلئے حاصل ہوتی
ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہوجاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ ملجاتا ہے اور فرحت عقلی یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے
عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی انکو توفیق عطا فرمائی اور انکے اہل وعیال کو دوسرے سال تک باقی رکھنے کا اُن پر انعام کیا اور
دوسرا وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیا اور خدا تعالےٰ نے انکی جان کے
بدلے میں جنت کا دنبہ عنایت کیا اسلئے کہ اسمیں ملت ابراہیمی کے ان حالات کی یاد دہانی اور جان و مال کی خدا تعالےٰ کے
فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور انکے نہایت درجے کے صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلانا ہے اور نیز اسمیں حاجیوں کے
ساتھ تشبہ ہے جو انکی عظمت ہے اور جس کام میں وہ مشغول ہیں اسکی طرف ترغیب دلانا ہے لہذا تکبیر کا کہنا مسنون کیا گیا
چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ولتکبروا اللہ علی ما ہداکم۔ اور خدا تعالےٰ نے جو انکو ہدایت فرمائی ہے اس کے بدلے اسکی بڑائی
بیان کرو یعنی تم کو جو روزوں کے ادا کرنے کی توفیق دی ہے اس کے شکر میں ایسا کرو اسلئے قربانی اور تکبیر با آواز کہنا ایام منیٰ
میں مسنون کیا گیا اور جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اسکے لئے سر کا نہ منڈوانا اور یعنی حجامت نہ کروانا مستحب کیا گیا اور نماز اور
خطبہ مقرر کیا گیا تاکہ ان کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعار دین کی عظمت سے خالی نہ ہو اور اس کے ساتھ شارع نے منجملہ مقاصد
شرعیہ کے ایک اور مقصد کو بھی شامل کیا اور وہ یہ ہے کہ ہر ملت کے لئے ایک دن ایسا ضرور ہونا چاہئے جس میں تمام
ملت کے لوگ اپنے اظہار شوکت اور مجمع کی کثرت ظاہر کرنے کی غرض سے باہر نکلکر جمع ہوں اس لئے سب کا جانا
عید کیلئے مستحب ہوتا ہے بچے اور عورتیں پردہ نشین اور بے نماز عورتوں کا نکلنا بھی مستحب کیا گیا ہے لیکن حائضہ عورتیں
عیدگاہ سے علیحدہ ہوکر ایک طرف کو بیٹھ جاویں مگر دعا میں شریک ہو جاویں لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آنے اور جانے
کا راستہ بدل دیتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں کو مسلمانوں کی شوکت و عظمت ظاہر ہو جائے اور چونکہ اس عید سے
زینت مقصود ہے لہذا اچھا لباس پہننا اور دف کا بجانا اور ایک راستہ سے عیدگاہ کو جانا اور دوسرے سے پھرنا مستحب
کیا گیا عیدین کی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ بغیر اذان و اقامت کے نماز شروع کرے اور بالجہر قرآن پڑھے اگر تخفیف کا موقع
ہو تو سورہ سبح اسم ربک الاعلی الذی اور سورہ ہل اتاک پڑھے اور اگر طوالت کے ساتھ پڑھنا ہو تو سورہ ق اور سورہ
اقتربت الساعۃ پڑھے اور پہلی رکعت میں قرأۃ سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری میں بھی قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں
کہے اور اہل کوفہ کے نزدیک مثل نماز جنازہ کے قرأۃ سے پہلے پہلی رکعت میں چار تکبیریں اور دوسری میں بھی قرأت
کے بعد چار تکبیریں کہے مگر دونوں طور سے سنت ہے اتنا ضرور ہے کہ جس پر اہل حرمین کا عمل ہے اسکو ترجیح ہے
نماز کے بعد پھر خطبہ پڑھے اور خدا تعالےٰ سے خوف کرنے کا لوگوں کو حکم دے اور وعظ و نصیحت کو بیان کرے مگر
عید الفطر کے لئے یہ بات خاص ہے کہ جب تک چند چھوارے نہ کھالے نماز کو نہ جاوے اور ان کو طاق کھانا
چاہئے اور نماز سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کر دے تاکہ ایسے روز مساکین کی حاجت رفع ہو جائے اور دلجمعی سے نماز
کو جائیں اور چونکہ ماہ صیام کے گذرنے پر اطلاع دینا منظور ہے اور ان باتوں کے کرنے میں روزے کے خلاف
باتیں پائی جاتی ہیں اور عید الضحیٰ میں یہ بات خاص ہے کہ نماز سے واپس ہونے کے بعد کچھ کھائے اور قربانی

میں سے کھانے میں قربانی کی عظمت اور اسکی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اسکا متبرک ہونا ثابت ہوتا ہے اور قربانی
بعد نماز کے کرے کیونکہ قربانی کا کرنا حاجیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو۔ نہ کہ وجہ سے عبادت مقرر کیا گیا ہے اور نماز کیلئے
اجتماع سے یہ مشابہت انکو حاصل ہو سکتی ہے اور قربانی کیلئے بھیڑ کا سال بھر کا بچہ یا بکری کا چھ مہینے کا بچہ ہر گھر والے کے لئے
ہونا چاہیے اور قربانی گودی پر قیاس کرے گا اور اونٹ کو سات قربانیوں کیطرف کافی سمجھا ہے اور چونکہ قربانی خداتعالے
کیلئے مال خرچ کرنیکے قبیلے سے ہے چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم۔ ان
کے گوشت و خون خدا کے پاس کبھی نہیں پہنچے مگر تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے اسلئے قربانی کا موٹا کرنا اور اچھا جانور پسند کرکے
قربانی کرنا مستحب ہوا کیونکہ اس سے خداتعالے کی طرف رغبت صحیح طور سے معلوم ہوتی ہے اسواسطے پانچ قسم کے جانوروں کی
قربانی نہ کرنی چاہئے ایک تو لنگڑا جانور جس کا لنگڑاپن کھلا ہوا ہو۔ دوسرا وہ جانور جس کی آنکھ صاف پھوٹی ہو اور تیسرے
وہ جانور جسمیں کوئی کھلی ہوئی بیماری ہو چوتھے ایسا دبلا جسکی ہڈیوں کا مغز بھی تحلیل ہو گیا ہو اور جسکا کان یا سینگ کٹا ہو تو
اسکی بھی قربانی کرنا منع ہے اور آنکھ و کان کا دیکھ لینا مستحب ہے اور جس جانور کا سامنے سے کان کٹا ہوا ہو اسکی بھی قربانی منع ہے
اور جسکا کان پیچھے کی طرف سے کٹا ہو اسکی بھی نہیں درست ہے اور نہ اس جانور کی کہ جسکا کان چرا ہوا ہو اور جس کے کان
میں سوراخ ہو اسکی بھی قربانی درست نہیں اور موٹی سینگ دار دنبہ کی قربانی کرنا جسکی آنکھیں اور پیٹ اور سینہ اور پاؤں سیاہ
ہوں مسنون ہے کیونکہ یہ سب باتیں اسکی جوانی بھرنے کی علامتیں ہیں اور جو وظیفہ قربانی کرتے ہیں پڑھا جاتا ہے یہ ہے انی
وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض الخ اللہم منک والیک ولک من اللہ واللہ اکبر۔

جنازوں کا بیان

معلوم کرو کہ مریض کو دیکھنے جانا اور تعویذوں مبارک سے اسکا تمسک کرنا اور مرتے وقت اسکے ساتھ نرمی کی باتیں
کرنا اور کفن و دفن میت کا اور اسکے ساتھ نیکی کرنا اور اسپر رونا اسکے پس ماندوں کی دلجمعی کرنا اور قبور کی زیارت کرنا ایسے امور
ہیں کہ تمام عرب کے لوگ انپر قائم ہیں اور اپنے ہاں انکو برتتے ہیں اور اہل عجم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور یہ ایسی رسوم ہیں کہ کوئی
زمانہ ان سے خالی نہیں اور یہ غیر مناسب ہے کہ یہ رسوم انسے چھڑا دیجائیں پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ کی بعثت ہوئی
تب آپنے انکی عادات و رسوم کا جنکو وہ کرتے تھے ملاحظہ فرمایا اور انکی اصلاح فرمائی اور جو نقصان تھے انکو دور کیا اور مصلحت میں
دنیا و آخرت کے اعتبار سے تو خاص اس مریض ہی کا لحاظ ہوتا ہے یا اسکے اہل و عیال کا ہوتا ہے انہیں دونوں اعتباروں
میں سے ایک اعتبار سے یا ملت کا ہوتا ہے پس دنیا کے اعتبار سے مریض اس بات کا حاجتمند ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف
و مصیبت میں اسکو تسلی دیں اور اسکے درد و دکھ میں شریک ہوں اور اسکے ساتھ پیار محبت کی باتیں کریں اور جس بات سے
وہ عاجز ہے اسمیں اسکی اعانت کیجائے اور یہ امر بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ اسکے بھائی بند اور اسکے شہر کے دوست
آشنا اور دور لوگوں کو اسکے ہاں آنا سنت لازمہ گردانا جائے اور آخرت میں اسکو اس بات کی حاجت ہے کہ بیماری میں وہ صبر کرے اور
بیماری کی تکلیفیں اسکی سامنے مثل دوا تلخ کی معلوم ہوں جسکا ذائقہ ناگوار ہوتا ہے لیکن اسمیں نفع کی امید ہوتی ہے تاکہ بیماری اس کے

حق میں جب دنیا اور بُعد الٰہی کا سبب نہ ہو بلکہ اُسکی جان کے اجزا تحلیل ہونے کے ساتھ وہ بیماری اُسکے گناہوں کی کا باعث ہو
اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اُسکو اُس تکلیف کی حالت میں صبر کے فوائد اور تکالیف کے اجر پر آگاہ کیا جاوے اور جب
آدمی کا دم نکلنے لگتا ہے تو یہ وقت اُس کے حق میں دنیا کا اخیر اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے لہذا یہ بات ضروری ہو کہ اسکو یاد
الٰہی اور توجہ الی اللہ پر ترغیب دلائی جاوے تاکہ اُسکی جان ایمان کے جامہ میں اس جہان سے مفارقت کرے اور آخرت میں اسکا
ثمرہ اسکو حاصل ہو اور انسان بشرطیکہ اُسکا مزاج صحیح ہو جسطرح اُسکی سرشت میں مال اور اولاد کی محبت داخل ہوتی ہے اسیطرح یہ بات بھی
اسکو عزیز ہوتی ہے کہ حالت زندگی اور نیز مرنے کے بعد بھلائی سے اسکو یاد کریں اور اُسکا کوئی عیب اُنپر ظاہر نہ ہونے پاوے
حتی کہ ہر گروہ کے بڑے بڑے ہوشمند اور صحیح العقل اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی بلند عمارت مال کثیر صرف کر کے تیار
کیجاوے جس سے انکا ذکر باقی رہے اور صرف اس غرض سے کہ لوگ انکو بہادروں کے زمرہ میں شمار کریں جہاں جنگ کی جگہ
گھس پڑتے ہیں اور کبھی انہیں سے کوئی اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ میری قبر بلند بنائی جاوے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ فلاں شخص اپنی
زندگی میں بھی صاحب نصیب رہا اور بعد وفات بھی حتی کہ انکے عقلا کا یہ قول ہے کہ جسکا ذکر لوگوں میں موجود ہے وہ مردہ نہیں ہے
اور چونکہ یہ ایسا امر تھا کہ اسی پر انکی پیدائش اور اسی پر انکی موت ہوتی ہے لہذا انکے اس خیال کی تصدیق اور انکے وعدوں کا
پورا کرنا مرنے کے بعد انکے حق میں ایک قسم کا احسان ہوا اور نیز جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اُسکی حس مشترک وغیرہ
کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اُس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی اُسکے ہمراہ رہتے ہیں
اور پھر عالم بالا سے اسرار اور علوم کا ترشح ہوتا ہے جسکی وجہ سے میت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے اور خدا کے نیک بندوں کی
ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اُس میت کے لئے وہ گڑگڑا کے دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقہ
دیتے ہیں تو حکم الٰہی سے میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے اور اُس عالم سے جب اُس پر فیضان ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہو کر
اُس میت کی درستی حالت کا سبب ہو جاتا ہے اور میت کے گھر والوں کو اُسکی موت سے سخت غم اور رنج ہوتا ہے لہذا دنیا
کے اعتبار سے اُنکے حق میں بھلائی یہ ہے کہ لوگ اُنکی تعزیت کیلئے آئیں تاکہ انکا رنج کچھ کم ہو اور میت کے دفن کرانے
میں شریک ہو کر اُنکی مدد کریں اور انکو ایک دن رات کھانا دیں اور آخرت کے لحاظ سے اُنکے لئے بہتر یہ ہے
کہ انکو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جاوے تاکہ ہمہ تن اُسکی پریشانی میں وہ مصروف نہ ہوں اور خدا کی طرف اُنکی توجہ ہو اور
چلانے اور کپڑے پھاڑنے اور تمام اُن چیزوں سے جو غم اور مصیبت کو یاد دلاتی ہیں اور انکا غم اور پریشانی بڑھاتی ہیں منع
کریں کیونکہ اسوقت میں وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہو جاتے ہیں اُنکے مرض کا علاج کرنا چاہئے نہ یہ کہ انکا مرض اور بڑھایا
جاوے اہل جاہلیت نے کچھ رسمیں اپنی جانب سے ایجاد کرلی تھیں جن سے شرک لازم آتا تھا اسلئے مصلحت شرعی کا یہ تقتضی
ہوا کہ اس دروازہ کو بند کیا جاوے۔

جب تم کو یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنی چاہتے ہیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما من مسلم یصیبہ اذی من مرض فما سواہ الا حط اللہ بہ سیئاتہ کما تحط الشجرۃ ورقہا۔ کوئی
مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ جس کو کوئی مرض اور کسی طرح سے کوئی تکلیف پہونچے مگر خدا تعالے اُس کے سبب سے اُسکے

گناہ کم کر دیتا ہے جیسے درخت سے اسکے پتے گر جاتے ہیں میں کہتا ہوں گناہوں کے دور ہونے کے اسباب کا ذکر
پہلے ہو چکا ہے منجملہ ان اسباب کے ایک سبب حجاب نفسانی کا کمزور ہو جانا اور حیات بہیمیہ کا جو اخلاق رذیلہ کی محل
ہے تحلیل ہو جانا ہے اور مصیبت کے سبب سے انسان کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور اس کو زندگی سے ایک قسم کی بیزاری
پیدا ہو جاتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مثل المؤمن کمثل الخامة ومثل المنافق کمثل الارزة۔ الحدیث مثل مومن کی مثل
اس پودہ کے ہے کہ شروع شروع زمین سے اگتا ہے اور منافق کا حال مثل درخت صنوبر کے ہے میں کہتا ہوں اسمیں یہ
بھید ہے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت بہیمی دوسری ملکی اور آدمی کا یہ خاصہ ہے کہ کبھی تو اس کو قوت بہیمی دبجاتی
ہے اور ملکی ظاہر ہو جاتی ہے تو اسوقت میں وہ انسان ملائکہ کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور کبھی قوت ملکی دبجاتی ہے اور
قوت بہیمی کا ظہور ہو جاتا ہے اسوقت میں وہ انسان مثل بہائم کے خدا تعالے کے نزدیک بیقدر ہو جاتا ہے اور جب آدمی
قوت بہیمی کے قبضہ سے نکلکر قوت ملکی کی عملداری میں داخل ہوتا ہے تو اسکے حالات مختلف ہوتے ہیں ان حالات میں باہم ان
دونوں قوتوں کا مقابلہ رہتا ہے کبھی قوت بہیمی ملکی پر غلبہ کرلیتی ہے کبھی ملکی بہیمی پر دنیا میں جزا و سزا دینے کے یہی مواقع ہوتے
ہیں اور دنیا کے اندر جزا و سزا کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسکو دیکھنا چاہئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے اذا مرض العبد او سافر کتب له مثل ما کان یعمل صحیحا مقیما جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اسکے لئے اسیقدر
اعمال کا اجر لکھا جاتا ہے جو حالت صحت و اقامت میں وہ کرتا تھا میں کہتا ہوں جب آدمی کسی کام کرنے پر ہمت باندھتا ہے
اور بجز مانع عارض کے کوئی اسکو اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا تو جو کام قلب کا ہے وہ اس سے ادا ہو جاتا ہے
اور تقوی کا دار و مدار قلب ہی پر ہے اور باقی اعمال تقوی کا عنوان اور اسکی دلیل ہیں کہ قدرت کیوقت انکا کرنا ضرور ہوتا ہے
اور مجبوری کیوقت متروک کر دیے جاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الشہداء خمسة او سبعة۔ شہید پانچ لوگ
ہیں یا یہ فرمایا ہے کہ سات شخص ہیں میں کہتا ہوں کہ وہ سخت مصیبت جو بندہ کی طرف سے نہیں ہوتی گناہوں کے دور
کرنے اور اس شخص پر رحمت الہی کے نازل کرنے میں شہادت کا کام دیتی ہے اور فرمایا ہے ان المسلم اذا عاد اخاہ المسلم لم یزل
فی خرفة الجنة حتی یرجع کوئی مسلمان جب اپنے بھائی مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے جبتک واپس آتا ہے برابر جنت کے پھل چنتا
رہتا ہے میں کہتا ہوں شہر والوں میں میل جول جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب باہم ایک دوسرے کی حاجت کے وقت
مدد کریں اور اللہ تعالے کو وہ چیز پسند ہے جسمیں انکے شہر کی بھلائی ہو اور باہم میل جول پیدا کرنے کیلئے عیادت کرنا کامل
سبب ہے قیامت کے دن اللہ پاک فرمائیگا یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی اے آدمی میں بیمار ہوا تو تونے میری عیادت
بھی نہ کی میں کہتا ہوں اس تجلی کا حال بہ نسبت روح اعظم کے جسکا تنزل الملائکة والروح فیها کے اندر بیان ہے اس صورت
کا سا حال ہے جو انسان کو خواب میں بہ نسبت اس انسان کے ظاہر ہوتی ہے پس جس طرح انسان کا اپنے رب اور
اسکے حکم اور اسکی رضامندی کے ساتھ اعتقاد اسکی خواب میں خدا تعالے کی تمثال ہے ظاہر ہوتا ہے اور اسی لئے
مومن کامل کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ وہ اسکو نہایت عمدہ صورت میں دیکھتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا
ہے اور جس شخص نے خدا تعالے کو اپنے دروازہ کی دہلیز میں اپنے طمانچہ لگاتے ہوئے دیکھا تو اس خواب کی تعبیر یہ ہے

کہ اس دلیل میں اُسنے خدا تعالیٰ کا کوئی تصور کیا ہے اسطرح خدا تعالیٰ کا غضب اور اسکا حکم اور اس کی خوشنودی اور
اسکی تدبیر اور افراد انسانی کے نفسانی کیفیت اور اسکا انکے لئے سبب وجود ہونا اپنے رب کی نسبت انکے اعمال کا درجہ
انکی حیثیت کا منبع ہیچ ہو اور انکے نفوس استی پر ہوں اسیطرح صورت نوعیہ سے افراد انسان پر ان نفوس کا فیضان ہو
ہے یہ سب چیزیں آخرت میں مختلف صورتوں کے ساتھ متمثل ہوکر ظاہر ہونگی جیساکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو
بیان کیا ہے اور یہ سب تجلیات روح اعظم کی تجلیات ہیں جو فرد انسان کے جامع اور انکی کثرت کا مبدا اور انکی وحدت اور
خردی ترقی کا منتہی ہے اس سے میری یہ مراد ہے کہ اس پر خدا تعالیٰ کیلئے باعتبار اسکی قوت اور اسکے علم کی ایک
شان کلی ہے جسکو آخرت میں اپنے دلوں کی بینائی سے ہمیشہ مشاہدہ کرتے رہینگے اور کبھی جب کسی صورت مثالیہ میں اس
شان کا ظہور ہوگا تو آنکھوں سے اس کا معائنہ کرینگے الحاصل اسی لئے یہ تجلی خدا تعالیٰ کے حق اور اسکے حکم سے
صورت نوعیہ کے فیضان کے موافق افراد انسانی میں ظاہر ہوتی ہے جیسے باہم انکا مانوس ہونا اور کمال انسانی کا جو اسکے
نوع کے ساتھ خاص ہے حاصل کرنا اور مصلحت مناسبہ کا اپنے اندر قائم کرنا اسلئے یہ چیز بندوں کے حالات میں سے ہے
اس علاقہ کیوجہ سے اپنی طرف اسکا منسوب کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ جو منتر ہوتے ہے
اور کامل ہیں جنکے اندر ذکر الٰہی اور اس سے استغاثہ پایا جاتا ہے انکو لوگ پڑھا کریں جب کوئی ضرورت پیش آدے اس
سے یہ منظور ہے کہ ان کلمات طیبات کے پڑھنے سے رحمت الٰہی انپر چھا جانے اور ان کے مصائب دور ہو جائیں اور
نیز ایام جاہلیت میں لوگ جو اپنے ٹھاکروں سے مدد چاہا کرتے تھے اس بات سے انکو انکار کرنا مقصود تھا اور اسکے بدلے
میں انکے لئے عمدہ عوض مقرر کر دیا وہ منتر بہت ہیں مجملہ انکے ایک یہ ہے کہ پڑھنے والا اپنا ہاتھ مرض پر پھیرتا جاے
اور یہ پڑھتا جاے اذہب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقما اور منجملہ
یہ ہے بسم اللہ ارقیک من کل شئی یوذیک من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک بسم اللہ ارقیک اور
منجملہ یہ ہے کہ سات مرتبہ اسال اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک پڑھے اور منجملہ یہ ہے کہ قل اعوذ برب الفلق
اور قل اعوذ برب الناس پڑھکر دم کرے اور جس جگہ مریض کے بدن پر تکلیف ہے اسپر ہاتھ پھیرتا جاوے اور تین مرتبہ
بسم اللہ اور سات مرتبہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر پڑھے اور منجملہ یہ ہے کہ پڑھے بسم اللہ الکبیر
اعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعار ومن شر حر النار اور منجملہ یہ ہے کہ پڑھے ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمک
امرک فی السماء والارض کما رحمتک فی السماء فاجعل رحمتک فی الارض اغفر لنا حوبنا وخطایانا انت رب الطیبین
انزل رحمۃ من رحمتک وشفاء من شفائک علی ھذا الوجع اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یتمنین
احدکم الموت الحدیث تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے میں کہتا ہوں بارگاہ الٰہی میں منجملہ آداب کے
انسان کے لئے ایک ادب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو جو نعمت عنایت فرمائی ہے اس بات کی جرأت
نہ کرے کہ اسکا جاتا رہنا چاہے اور زندگی خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کیونکہ نیکی کے حاصل کرنیکا ذریعہ ہے اسلئے کہ
جب انسان مر جاتا ہے اسکے اکثر اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور پھر علمی ترقی کے کچھ ترقی نہیں کر سکتا اور نیز موت کی

آرزو کرنا نہایت بیباکی ہے اور بے اطمینانی کی دلیل ہے اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ۔ جو کوئی خدا سے ملنا چاہتا ہے خدا اُس سے ملنا چاہتا ہے اور جس شخص کو خدا سے ملنا ناگوار معلوم ہوتا ہے خدا تعالیٰ کو اُسکا ملنا ناگوار ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے ملنے کے یہ معنی ہیں کہ ایمان بالغیب سے ایمان بالمشاہدہ کی طرف اس کا انتقال ہوجاتا ہے اور اسکی یہ صورت ہوتی ہے کہ بہیمیت کے گاڑھے گاڑھے پردے اُس سے دور ہوکر ملکیہ کا نور اُسپر ظاہر ہوجاتا ہے اور عالم قدس سے اُسپر یقین کا ترشح ہوجاتا ہے اور جتنی چیزوں کا ذکر اُسنے صرف زبان سے سنا تھا سب وہ چیزیں اُسکو مشاہد ہوجاتی ہیں اور مومن بندہ جو ہمیشہ بہیمیت سے مدافعت کرتا اور ملکیہ کا ساتھ دیتا رہا ہے اس حالت کا اسی طرح مشتاق ہوتا ہے جسطرح ہر عنصر اپنے مکان طبعی کا مشتاق ہوتا ہے جسطرح ہر ذی حس اُن چیزوں کی طرف جنسے اُسکے حس کو لذت حاصل ہوتی ہے مشتاق ہوتا ہے اگرچہ باعتبار نظام بدنی کے اُسکو موت اور اُسکے اسباب سے تکلیف اور رنج ہوتا ہے اور جو بندہ نافرمان ہے ہمیشہ اسی کی کوشش بہیمی کے ذخیرے میں رہتی ہے اور دنیا کی زندگی اُسکو پیاری معلوم ہوتی ہے اور اسی کی طرف اُسکے دلکو لگاؤ ہوتا ہے اور حدیث شریف میں خدا تعالیٰ کی محبت اور اُسکی کراہیت کا جو ذکر ہے وہ بطور مشاکلہ کے وارد ہوا ہے گویا اس سے آدمی کی تکلیف کی چیز کا موجود مہیا کرنا اور اسکی کراہت میں ہونا ہے و چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر دونوں چیزیں باہم مشتبہ تھیں اسلئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کے حالت میں سے زیادہ تر ظاہر حال کا جسکا ظاہری سے فیضان ہوتا ہے اور جسکو دوسرے حال سے اشتباہ یعنی ملائکہ کے ظاہر ہونے کی حالت بیان فرماکر اسکی مراد پر مطلع کردیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن بربہ اپنے رب سے حسن ظن کئے بغیر تم میں سے کوئی نہ مرے معلوم کرو کہ کوئی عمل صالح ان ضروریات کے ادا کرنیکے بعد جس سے نفس کی کجی دور ہوتی ہے اور وہ راستی پر آتا ہے یعنی فرائض کی بجاآوری اور کبائر سے اجتناب کرنا انسان کے حق میں اس سے زیادہ نافع کوئی عمل نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ سے اُسکو بھلائی کی امید ہو کیونکہ خدا تعالیٰ سے بہتری کی امید رکھنا نزول رحمت الٰہی کے سبب ہونے میں بمنزلہ نہایت مضبوط ارادہ اور کمال رغبت سے دعا کرنے کے ہے اور خوف الٰہی تو ایک تلوار ہے جس کے ذریعہ سے دشمنان خدا سے کہ قوت شہوانیہ اور قوت سبعیہ اور وساوس شیطانیہ کے بڑے بڑے مستحکم پردے میں مقابلہ کیا جاتا ہے اور جسطرح کوئی شخص لڑائی کی مہلت نہیں رکھتا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ تلوار چلاتا ہے تو وہ تلوار اُسی کے لگتی ہے اسی طرح جو آدمی اپنے نفس کو مہذب کرنیکا کمال نہیں رکھتا بسا اوقات وہ خوف الٰہی کو بے موقع استعمال کرتا ہے اور وہ اپنے تمام اعمال صالحہ کو معیوب [illegible] اور اسی طرح کے بہت سے عیوب و آفات سے خود بخود متہم کرلیتا ہے یہانتک کہ اپنے جی میں خدا کے ہاں اپنے اعمال کو رائگان سمجھنے لگتا ہے اور اس سے جو کچھ گناہ صغیرہ اور بلاقصد خطائیں ہوجاتی ہیں انکا وقوع اُسکے نزدیک یقینی ہوتا ہے اور جب وہ مرجاتا ہے تو اُسکے گمان میں وہ گناہ اُسکا شمار رہتے ہیں اور ان خیالی صورتوں میں اُس کے سبب سے قوت مثالیہ کا فیضان ہوجاتا ہے جس کے سبب سے وہ ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے اور ان شکوک اور خیالات

بوجہ سے اُس شخص کو اپنے اعمال صالحہ سے معتدبہ نفع نہیں پہنچتا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن اللہ تعالےٰ
فرمایا ہے انا عند ظن عبدی بی یعنی میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں جو اُس کو میرے ساتھ ہو اور چونکہ انسان اپنی مرض
و ضعف کی حالت میں خوف کی تلوار کو اُسکے موقع پر بسا اوقات نہیں استعمال کرتا یا اُسکو استعمال کرنے کی تمیز نہیں رہتی
لہذا اُسکے حق میں یہ مضمون کیا گیا کہ بہ نسبت خوف کے اُسکو امید زیادہ رکھنا چاہئے اور نیز آپ نے فرمایا ہے اکثروا ذکر ہادم
اللذات یعنی جو چیز لذتوں کے کھونے والی ہے اُسکا ذکر کیا کرو میں کہتا ہوں حجاب نفسانی کے دور کرنے اور طبیعت
کو لذائذ دنیا سے باز رکھنے میں ذکر موت سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں ہے۔ موت کے یاد کرنے سے دنیا سے مفارقت اور
خدا تعالےٰ سے ملنے کی صورت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور اسکا عجیب اثر ہوتا ہے اُسکا بیان ہم تھوڑا سا پہلے
کر چکے ہیں اُسکو وہاں دیکھ لینا چاہئے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل
الجنۃ جسکا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں گیا۔ میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ جب ایسے وقت میں جو اسکی جان پر بن
رہی ہے خدا تعالےٰ کی یاد کو اپنے دل سے نہیں بھولنے دیا یہ اُسکے ایمان کی صحت اور اُسکے دل میں ایمان کی محبت
کے سرایت کر جانے کی دلیل ہے اور نیز اُسکا مرتے وقت یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ احسان کی صفت کیساتھ اُس کا
دل رنگا ہوا ہے پس جو شخص ایسی حالت پر مر گیا لا محالہ جنت اُسکے لیئے واجب ہو گئی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو اور فرمایا ہے اقرؤا علی موتاکم یٰس اپنے موتے
پر یٰسین پڑھا کرو میں کہتا ہوں مرنے والے کے حق میں باعتبار اُس کی آخرت کی درستی کے یہ بہت بڑا احسان ہے اور
لا الہ الا اللہ کو اسلیئے خاص کیا ہے کہ وہ افضل الذکر اور توحید اور نفی شرک پر مشتمل ہے اور تمام اذکار اسلام میں اسکی فضیلت
ہے اور سورہ یٰسین کے بخصوص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اور اُس کا بیان عنقریب آتا ہے اور دوسرے
یہ کہ وہ نصیحت کیلئے بہت کافی مقدار ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما من مسلم تصیبہ مصیبۃ کوئی مسلمان
ایسا نہیں کہ اسپر کوئی مصیبت پڑے اور خدا تعالےٰ کے حکم کے موافق وہ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہم اجرنی فی مصیبتی
واخلفنی خیرا منہا پڑھے مگر خدا تعالےٰ اُسکے بدلے میں اُس سے بہتر عطا فرماتا ہے میں کہتا ہوں اس حکم میں یہ رمز ہے
کہ اُس شخص کو اُسکے پڑھنے سے مصیبت کا ثواب اور خدا تعالےٰ کا اُس سے بہتر عطا فرمانے پر قادر ہونا یاد آجائے
اور اُس کا رنج کم ہو جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا حضرتم المیت فقولوا خیرا۔ مردہ کے پاس جب
تم جاؤ تو کلمہ خیر اُسکے حق میں کہو جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے اللہم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ الخ میں کہتا
ہوں ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اپنے اوپر بد دعا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ گھڑی قبولیت کی ہوتی تھی
اور اُن کو وہ بد دعا لگ جاتی تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کے لئے عورتوں سے ارشاد فرمایا
اغسلنہا وترا الخ یعنی اس کو طاق طاق نہلاؤ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ۔ پانی اور بیر کے پتوں سے اور اخیر مرتبہ
میں کافور لگاؤ اور فرمایا کہ اُس کے داہنے اعضاء سے شروع کرو۔ میں کہتا ہوں کہ مردہ کے نہلانے میں اصل یہ ہے
کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نہلانے والے بھی خود ایسے ہی

نہاتے تھیں اسلئے میت کی تعظیم کے لئے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہلانے کی نہیں ہے اور بیر کے پتے اور کئی مرتبہ بدن
کا دھونیکا اسلئے حکم دیا کہ مرض کے سبب اکثر اوقات بدن پر میل ہوجاتا ہے اور بدبو پیدا ہوجاتی ہے اور اخیر مرتبہ میں کافور لگانے کا
اسلئے حکم دیا کہ جس چیز کو کافور لگایا کرتے ہیں وہ چیز جلد نہیں بگڑتی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ کافور لگانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے
کہ کوئی موذی جانور اسکے قریب نہیں آتا اور واسطے اعضا سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا تاکہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے
غسل کے ہو اور تاکہ ان اعضاء کی عزت معلوم ہو اور شہید کے اندر جو غسل نہ دینے اور اپنے کپڑوں اور خون کے ساتھ دفن
کرنے کی سنت جاری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اسکا شہید ہونا معلوم ہو اور تاکہ قبل مرنے کے اسکا عمل بصورت
متمثل ہوجائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو ان کو حس اور اپنی جانوں کا علم باقی رہتا ہے
بلکہ بعض کو ان چیزوں کا بھی ادراک ہوجاتا ہے جو انکے ساتھ کیجاتی ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جاوے تو
ضرور ان کو اسکے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور انکے سامنے وہ عمل متمثل ہوجاتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے جو یہ فرمایا ہے جرحہ یثعب دما اللون لون دم والریح ریح مسک انکے زخموں سے خون جاری ہونگے رنگ تو خون کا
سا اور خوشبو مشک کی سی اس سے یہی مراد ہے اور محرم کے باب میں بھی حدیث صحیح وارد ہے کفنوہ فی ثوبیہ ولا تمسوہ
بطیب ولا تخمروا راسہ فانہ یبعث یوم القیامۃ ملبیا یعنی اسکو دونوں کپڑوں میں لپیٹ دو اور اسکے خوشبو مت لگاؤ اور اسکے
سر کو مت ڈھکو اسلئے کہ قیامت کے دن وہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھیگا اسمیں اسکی طرف رجوع کرنا چاہئے اسی نکتہ کی طرف
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا المیت یبعث فی ثیابہ التی یموت فیہا یعنی جن کپڑوں
میں وہ مرتا ہے انہیں میں وہ مردہ اٹھتا ہے اور اصل کفن پہنانے میں کپڑا اوڑھکر سونے والے کے ساتھ مشابہت
کا ہونا ہے مرد کا پورا پورا کفن تہبند اور کرتا اور چادر لپیٹنے کی یا صرف علیحدہ دو کپڑے ہیں اور عورت کیلئے انسے کچھ زیادہ
ہیں کیونکہ اسکے لئے زیادہ ستر مناسب ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تغالوا فی الکفن فانہ یسلب سلبا
سریعا زیادہ قیمتی کفن مت دو کیونکہ وہ بہت جلد اس سے جدا ہوجائیگا اس سے افراط وتفریط میں اعتدال مراد ہے تاکہ
جاہلیت کی عادت کو قیمتی کفن دینے میں اختیار نہ کریں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسرعوا بالجنازۃ الحدیث
جنازہ کے لیجانے میں جلدی کرو میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے کہ دیر کرنے میں مردہ کے بدن کے بگڑ جانے کا اندیشہ
ہے دوسرے قرابت والوں کو اسکے دیکھنے سے بیقراری ہوتی ہے کیونکہ جب وہ میت کو دیکھتے ہیں تو اضطراب زیادہ
ہوجاتا ہے اور جب انکی نگاہ سے غائب ہوجاتا ہے تو اسکا خیال نہیں رہتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں
سبب کی طرف ایک ہی کلمہ سے اشارہ فرمایا ہے لا ینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اہلہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ
کسی مسلمان کی نعش اسکے گھر والوں کے روبرو رکھی جاوے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے فان کانت صالحۃ الخ کہ اگر
وہ جنازہ نیک ہے میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک یہ اپنے معنی حقیقی پر محمول ہے اور بعض نفوس جب اپنے بدن کو چھوڑتے
ہیں تو انکے بدن کیساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے انکو اسکی حس ہوتی ہے اور یہ روحانی کلام کے ساتھ کلام کرتے ہیں وہ انکے نفوس پر
مترشح ہونے سے سمجھا جاتا ہے انکا کلام معمولی نہیں ہوتا جو کانوں سے سنا جائے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے الا الانسان

یعنی بجز انسان کے اسکی آواز کو ہر چیز سنتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من تبع جنازۃ مسلم ایمانا واحتسابا
یعنی جو شخص ایمان و احتساب کے ساتھ مسلمان کے جنازہ کا پیچھا کرے اور اسکی نماز پڑھے اور دفن سے بھی فارغ ہو کر واپس
آجائے تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب لیکر آتا ہے میں کہتا ہوں جنازہ کے ساتھ جانے کا اسلئے حکم دیا گیا کہ اسمیں میت کی عزت
اور اس سے اسکے پس ماندوں کے دل شکنی کی تسلی ہے اور تاکہ اس ذریعہ سے مومنین صالحین کا ایک گروہ اسکے لئے دعا کرنے
اور دفن کرنے میں معاونت کے لئے شریک ہوجائے لہذا پہلے دفن کیوقت تک کھڑا رہنے کی رغبت دلائی ہے اور
جب تک جنازہ نہ رکھا جائے لوگوں کو بیٹھنے سے منع کیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الموت فزع
فاذا رأیتم الجنازۃ فقوموا۔ کہ البتہ موت پریشانی کی چیز ہے پس جب تم کسی کے جنازہ کو دیکھو کھڑے ہوجایا کرو میں کہتا ہوں
چنانچہ لذتوں کے دور کرنیوالی کا ذکر اور عزیز و آشنا کے انتقال سے نصیحت پکڑنا منظور تھا اور یہ ایک باطنی امر تھا کہ اسکو
کرنیوالے اور نہ کرنیوالے میں تمیز نہ ہوسکتی تھی اسلئے شارع نے اسکے لئے کھڑے ہونیکا حکم دیا تاکہ اس مطلوب کا انضباط
ہوجائے مگر آپ نے انکو لوگوں پر واجب نہیں کیا اور نہ وہ سنت قائمہ ہے اور بعض کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے
اور اگر منسوخ ہے تو اسکے منسوخ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اہل جاہلیت ایسے امور کیا کرتے تھے جو کھڑے ہونے کے مشابہ
تھے اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ یہ کھڑا ہونا بھی نہ کیا جائے کہ جسکے سبب ممنوعات کا دروازہ مفتوح نہ
ہوجائے اور جنازہ کی نماز اسلئے مقرر کی گئی کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کے لئے شریک ہونا اسپر رحمت
الٰہی نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے۔ نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام اس طرح پر کھڑا ہو کہ جنازہ اسکے اور قبلہ کے

نماز جنازہ

مابین ہو اور امام کے پیچھے قوم صف باندھکر کھڑی ہو اور امام چار تکبیریں کہے اور میت کے لئے دعا کرے اسکے بعد
سلام پھیرے یہ طریقہ ایسا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم رہا اور تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کا اتفاق رہا اگرچہ احادیث
اس باب میں طریقوں مختلفہ کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی اس نماز میں سنت ہے کیونکہ وہ سب
دعاؤں سے بہتر اور سب سے زیادہ تر جامعیت رکھتی ہے خدا تعالے نے اپنی کتاب محکم میں بندوں کو اس کی تعلیم
فرمائی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے میت پر جو دعا ماثور ہے یہ ہے اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشاہدنا وغائبنا وصغیرنا
وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللہم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اللہم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا
بعدہ اور اللہم ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک فقہ من فتنۃ القبر وعذاب النار وانت اہل الوفاء والحق
اللہم اغفر لہ وارحمہ انک انت الغفور الرحیم اور اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ
بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واہلا خیرا من اہلہ
وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار اور ایک روایت میں وقہ فتنۃ القبر و
عذاب النار۔ آیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ہذہ القبور مملوۃ ظلمۃ علی اہلہا وان اللہ ینورہا
لہم بصلوتی۔ یہ قبریں اہل قبور پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں اور میری دعا سے اللہ پاک انکی قبروں کو نورانی کر دیتا ہے
اور فرمایا ہے ما من مسلم یموت فیقوم علی جنازتہ اربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیئا الا شفعہم اللہ فیہ۔ وفی روایۃ یصلی علیہ امۃ

من المسلمین یشفعون له۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اسکے جنازہ پر چالیس لوگ کھڑے ہوں جو خدا تعالےٰ کے ساتھ کسی
کو شریک نہیں کرتے مگر اللہ تعالےٰ اس میت کے حق میں انکی شفارش قبول فرماتا ہے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ سو
مسلمانوں کا گروہ اسپر نماز پڑھے میں کہتا ہوں چونکہ ان لوگوں کی دعاؤں کا پورا پورا اثر ہوتا ہے کہ جنکی خدا تعالےٰ کے ال
ذات سے وہ دعا پردوں کو پھاڑ کر اس شخص کو نزول رحمت الٰہی کے قابل بنا دیتی ہے جس طرح استسقا میں اس لئے
ضروری ہوا کہ دو امروں میں یک طرف رغبت دلائی جائے یا تو نفس اس درجہ کا ہونا چاہئے کہ وہ تنہا بمنزلہ ایک گروہ
شمار کیا جاوے یا ایک بڑی جماعت ہونا چاہئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انتم اثنیتم علیہ خیرا وجبت
له الجنة الحدیث تم نے جسکی بھلائی بیان کی اُسکے لئے جنت واجب ہوگئی میں کہتا ہوں جب خدا تعالےٰ کو کسی بندہ سے
محبت ہوتی ہے ملاء اعلیٰ کو بھی اُسکے ساتھ محبت ہوتی ہے پھر ملاء سافل میں اُسکی قبولیت نازل ہو کر نیک بندوں کے
دل میں اُسکی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اسی طرح جب خدا تعالےٰ کو کسی بندہ سے نفرت ہوتی ہے تو ان سب کو اس سے
نفرت ہوتی ہے پس جب بندہ کے۔ صلحا کا ایک گروہ اپنے خاص دل سے بلا بغیر اتفاق عادت کے اُس کی نیکی کی
گواہی دے تو وہ اس شخص کے ناجی ہونے کی دلیل ہے اور جب کسی کو وہ دل سے برا جانیں تو اس شخص کے ہلاک ہونے
کی علامت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے تم خدا کے گواہ ہو زمین میں اُس کے یہ معنی ہیں کہ تم ہو
الہام اور ترجمان غیب ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا مردوں
کو برا مت کہو کیونکہ جو وہ کر گئے تھے اسکو وہ پہنچ گئے ہیں میں کہتا ہوں چونکہ مردوں کو برا کہنا زندوں کی رنجیدگی اور اذیت کا
سبب ہے اور یہ لغو کام ہے اور نیز بہت سے لوگوں کا حال بجز خدا تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا اس لئے مردوں کے برا
کہنے سے نہی کی گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سبب کہ اہل جاہلیت کے ایک مردہ کو برا کہنے اور حضرت
عباسؓ کے اسکے سبب سے رنجیدہ ہونے کے قصہ میں اسکا بیان کیا ہے اب رہی یہ بات کہ جنازہ کے آگے چلنا چاہئے
یا پیچھے اور اسکو چار آدمی اٹھاویں یا دو اور اسکو پیروں کی طرف سے اتاریں یا قبلہ کی طرف سے اس میں قول مختار یہ ہے
کہ ان سب باتوں میں گنجائش ہے اور ہر ایک حدیث صحیح یا اثر صحابہ وارد ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اللحد لنا والشق لغیرنا یعنی ہم لوگوں کے لئے قبر ہے اور غیر ملکوں کے لئے شق ہے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے
کہ لحد میت کی عزت کے مناسب ہے اور بلا ضرورت اسکے اوپر مٹی ڈالنا اس کے ساتھ ایک قسم کی بے ادبی ہے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس بات کے لئے بھیجا کہ کوئی تصویر مٹائے بغیر اور
کوئی اونچی قبر برابر کئے بغیر نہ چھوڑیں اور قبر کو پختہ کرنا اور اُس پر گنبد وغیرہ بنانا اور اُس پر بیٹھنے سے منع فرمایا اور فرمایا
کہ قبروں کی طرف نماز مت پڑھو کیونکہ اس ذریعہ سے قبروں کی پرستش کرنی یا حد سے زیادہ تعظیم کرنے کا اور اس کے
سبب سے دین میں تحریف ہونے کا احتمال ہے جیسا اہل کتاب نے کیا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیائهم مساجد۔ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت کہ انہوں نے اپنے نبیوں
کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور قبروں پر بیٹھنے سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو بعض کے نزدیک

اُن سے زیارت کرنیوالونکا قبروں پر بیٹھنا مراد ہے اور بعض کے نزدیک قبروں پر پیشاب کرنا مراد ہے اور اس تقریر پر یہ حکم آپ
نے میت کی عزت کے لحاظ سے دیا ہے پس حق یہ ہے کہ نہ تو مردہ کی اس قدر تعظیم کرے جو شرک کے قریب ہو جاوے اور نہ
یہ چاہیے کہ اُسکی اہانت اور اُسکے ساتھ عداوت کرے۔ اور چونکہ میت پر رونا اور اُسکے لیے غم کرنا ایک طبعی امر تھا جو اِن سے
چھوٹ نہیں سکتا اسواسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تنی زیادتی نہیں کی کہ انکو رونے سے بالکل منع کیا جاتا اور یہ ہونا
بھی نہیں چاہیے کیونکہ رونا اور غم کرنا ہمجنس ہونے کے سبب سے رقت پیدا کرتا ہے۔ اور وہ ایک عمدہ صفت ہے کیونکہ
لوگوں کا باہم مالوف و مانوس ہونا اُسیپر موقوف ہے اور نیز مزاج انسانی کا بشرطیکہ وہ سالم ہو یہ مقتضی ہے چنانچہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء خدا تعالےٰ اپنے انہیں بندوں پر رحم فرماتا ہے جو رحم دل
ہیں اور فرمایا ہے ان اللہ لا یعذب بدمع العین و لا بحزن القلب و لاکن یعذب بہذا و اشار الی لسانہ او یرحم۔ خدا تعالےٰ نے
آنکھوں آنسوؤں اور دل کے غمگین ہونے سے نہیں عذاب دیتا اور زبان کی طرف اشارہ فرما کے ارشاد کیا کہ اسکے
سبب سے عذاب دیتا ہے اور فرمایا ہے لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب و دعا بدعوی الجاہلیۃ جو شخص رخسارے
پیٹنے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی باتیں اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اسمیں بھید یہ ہے کہ ان باتوں سے
غم بڑھتا ہے اور جسوقت جس کا کوئی مرجاتا ہے وہ بمنزلہ مریض کے قابل علاج کے ہوتا ہے تاکہ اُس کا مرض کم ہو اور یہ
مناسب نہیں ہے کہ اُسکی بیماری بڑھانے میں کوشش کیجاوے اور نیز جب اُس پر مصیبت پڑ چکی تو وہ اُس سے فارغ
ہو گیا اب اُسکو قصداً اُس مصیبت میں نہ پڑنا چاہیے اور نیز اس بیقراری کے بڑھنے میں احتمال ہے کہ خدا تعالےٰ کے حکم
پر راضی نہ ہونے کا سبب ہو اور نیز اہل جاہلیت لوگوں پر اپنا تماشہ ظاہر کرنے کیلیے رویا کرتے تھے اور یہ خبیث
اور نہایت مضر عادت ہے اسلیے آپ نے انکو اس سے منع کیا اور آپ نے نوحہ کرنیوالی عورت کے باب میں فرمایا
ہے۔ تقام یوم القیمۃ و علیہا سربال من قطران و درع من جرب میں کہتا ہوں یہ اسلیے ہوا کہ اُسکے گناہ نے اُس کو گھیر لیا
تو اسی صورت میں اُسکو سزا دیگئی کہ تمام اُسکا بدن بدبو بھرا ہوا ہے اور کھڑی اسلیے کیجاویگی تاکہ لوگوں کو اُسکا حال معلوم
ہو یا اسواسطے کہ نوحہ اُس نے کھڑے ہو کر کیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اربع فی امتی من امر
الجاہلیۃ لا یترکونہ چار باتیں میری امت میں جاہلیت کی ایسی ہیں کہ انکو نہ چھوڑینگے میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو ان باتوں سے ان لوگوں کا نہ چھوٹنا اسوجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ باتیں طبیعت بشریہ کی حد سے بڑھجانے سے پیدا
ہوتی ہیں جس طرح حد سے زیادہ شہوت کا ہو جانا کیونکہ نفوس کے اندر ایک قسم کی غیرت دعا ہے جو انساب میں
ظاہر ہوتی ہے اور مردوں کے ساتھ جو انکو محبت ہے وہ آدمی کو رونے پیٹنے پر آمادہ کرتی ہے اور ایک کل ہے
جس کے سبب سے خوہ مخواہ ستاروں سے بارش چاہتے ہیں لہذا کسی قسم کے لوگ ہوں اہل عرب ہوں یا اہل عجم
سب کا یہ دستور ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن عورتوں کے باب میں جو جنازہ کے ساتھ جاتی تھیں فرمایا
ہے ارجعن مازورات غیر ماجورات گنہگار ہو کر نہ ماجور ہو کر لوٹ جاؤ۔ میں کہتا ہوں انکو اسلیے منع کیا گیا کہ انکے جانے سے
شور اور رونے پیٹنے اور صبر کے نہ کرنے اور ستر کے کھلنے کا احتمال ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

لایموت لمسلم ثلثة من الولد فیلج النار۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مرجاویں اور پھر وہ دوزخ میں جاوے۔ میں کہتا ہوں کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے طلب ثواب کرکے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا ہے اسکے علاوہ اور کئی وجہ ہیں جنکا ہم ذکر کر چکے ہیں انکو وہاں دیکھنا چاہیے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من عزّی مصابا فلہ مثل اجرہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تسلی کرتا ہے تو اسکو بھی مثل اُسکے ثواب ملتا ہے میں کہتا ہوں اسکے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ جسقدر مصیبت زدہ کو رقت ہوتی ہے ایسی ہی اس تسلی دینے والے کو اور دوسرے یہ کہ عالم مثال کا مدار معانی مناسبہ کے ظاہر ہونے پر ہے پس مصیبت زدہ کے تعزیت کرنے میں مصیبت کی صورت معلوم ہوتی ہے لہٰذا مثل اسی کے جزا پائیگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد اتاھم ما یشغلھم۔ جعفر کے کنبہ کو کھانا تیار کرو کیونکہ انکو ایسا حادثہ پیش ہوا ہے جس سے وہ اور کام نہیں کرسکتے میں کہتا ہوں کہ اہل مصیبت کو کھانا کھلانا ہمدردی کا باعث اور بھوک مرنے سے ان کی حفاظت ہے اور بھی آپ نے فرمایا ہے نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا میں نے تم کو زیارت کرنے سے منع کردیا تھا مگر اب ان کی زیارت کیا کرو میں کہتا ہوں آپ نے ان کو قبروں کی زیارت سے پہلے منع فرمایا تھا کہ اس کے سبب سے قبر پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا تھا پھر جب اصول اسلام کو استحکام ہوگیا اور عبادت بغیر اللہ ہونے پر انکے دلوں کو اطمینان ہوگیا اس لئے بعد کو انکے لئے زیارت کرنے کی اجازت دیدی اور اس اجازت دینے کی علت بھی بیان فرمادی کہ اسکا بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے سے موت یاد آتی ہے اور دنیا کے تغیرات سے عبرت حاصل ہونیکا سبب ہے۔

زیارت قبور

جب قبر کی زیارت کیلئے جاوے تو اہل قبور کے حق میں یہ دعا کرنی آئی ہے السلام علیکم یا اہل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ۔ اور ایک روایت میں ہے السلام علیکم یا اہل القبور یغفر اللہ لنا ولکم وانتم سلفنا ونحن بالاثر۔ واللہ اعلم۔

ان احادیث کا بیان جو زکوٰۃ کے باب میں آئی ہیں

معلوم کرنا چاہیے زکوٰۃ میں جن امور کی رعایت کیگئی ہے انمیں سے زیادہ مہتم بالشان دو مصلحتیں ہیں ایک مصلحت کا انجام نفس کا شایستہ کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ نفوس کے اندر بخل پایا جاتا ہے اور بخل بدترین اخلاق میں سے ہے اور آخرت کے اندر نہایت ضرر پہنچانیوالی صفت ہے اور بخیل جب مرجاتا ہے تو اسکا نفس مال کی محبت میں الجھا رہتا ہے اور اسوجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور جب انسان زکوٰۃ کا عادی ہوجاتا ہے اور بخل کی صفت کو اپنے دل سے دور کردیتا ہے آخرت میں اس سے اسکو بہت نفع پہنچتا ہے اور آخرت کے اندر خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری کے بعد سب اخلاق میں زیادہ نافع دل کی سخاوت ہے جسطرح فرمانبرداری سے نفس کے اندر خدا تعالیٰ کی کبریائی پر اطلاع پانے کی صفت حاصل ہونے کی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے اسی طرح سخاوت کیوجہ سے دنیاوی اخلاق رذیلہ سے پاک ہونیکی قابلیت حاصل ہوجاتی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ سخاوت فی الحقیقت ملکیہ کے بہیمیہ پر غالب ہونے اور اسکے

ملکیہ کے رنگ میں رنگ جانے اور اسکا حکم قبول کر لینے کا نام ہے اور ان اوصاف پر نفس کو ان باتوں سے تنبیہ ہوتی ہے اور
اپنی ضرورت کے وقت مال کو خدا کیلئے خرچ کرے اور جو اسپر ظلم کرے اسکو معاف کرے اور حوادث کی سختیوں پر برداشت کرے
بایں طور کہ آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے دنیا کی تکلیف اسکو سہل معلوم ہو اسواسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب
باتوں کا حکم فرمایا اور جو ان سب میں زیادہ دشوار امر تھا یعنی مال کا صرف کرنا اسکو چند حدود کے اندر منضبط فرمایا اور نیز قرآن کے
اندر بہت سے مقامات میں نماز و ایمان کے ساتھ اسکا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ اللہ پاک نے دوزخیوں کے حال کی حکایت میں
فرمایا ہے لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین وکنا نخوض مع الخائضین یعنی ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ مسکینوں
کو کھانا کھلاتے تھے اور بکنے والوں کے ساتھ بکا کرتے تھے اور نیز جب کسی مسکین کو سخت حاجت پیش آتی ہے اور تدبیر الٰہی
کا مقتضی ہوتا ہے کہ اسکی یہ تکلیف اسطرح پر دور کیجائے کہ کسی شخص کے دل کے اندر اسپر کچھ مال صرف کرنیکا الہام ہو تو یوں
ہی ہو کر رہتا ہے یعنی کسی شخص کا دل الہام کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے اور اسکے سبب سے ایک روحانی انکشاف ہوتا ہے
اور رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا سبب اور اسکے نفس کی تہذیب میں نہایت نافع ہوتا ہے اور احکام شرعیہ کے اندر
جو لوگوں کی طرف بالاجمال الہام متوجہ ہوتا ہے الہام کے فوائد میں الہام تفصیلی سے وہ کم درجہ کا ہوتا ہے اور نیز مزاج سلیم
کی سرشت میں اپنے ہم جنس کے ساتھ ہمدردی داخل ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جسپر بہت سے اخلاق جن کا انجام
لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہوتا موقوف ہوتے ہیں جس شخص میں ہمدردی نہیں ہوتی اسکے اندر نہایت نقصان ہوتا
ہے جسکی اصلاح اسپر واجب ہے اور نیز صدقات گناہوں کے دور ہونے اور برکات کے زیادہ ہونے کا اسباب ہوتی
ہیں چنانچہ سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور دوسری مصلحت شہر کے حق میں ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر کے اندر لامحالہ ہر قسم کے لوگ ناتوان اور حاجتمند
وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر فقرا اور اہل حاجت کا طریقہ انہیں نہ
پایا جائے تو ضرور وہ لوگ ہلاک ہو جاویں اور بھوکے مر جاویں اور نیز شہر کے انتظام کیلئے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے
جسکے اندر اسکے محافظین اور مدبرین اور حکام کی معاش کا مدار ہو اور چونکہ وہ لوگ اس شہر کے کارکن اور اسکے حق میں نفع
پہنچانیوالے ہیں اور اسکے سبب سے کچھ اپنے روزگار نہیں کر سکتے لہذا ضروری ہوا کہ انکی معاش اس شہر سے حاصل کی جاوے
اور عام خاص لوگ انکی خرچ کے بسہولت متکفل نہیں ہو سکتے یا تحمل ہی نہیں کر سکتے اسلئے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال
میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے چونکہ اس سے زیادہ سہل تر مصلحت کے موافق کوئی طریقہ نہ تھا کہ ایک مصلحت کو
دوسری مصلحت کی شامل کر دیا جائے لہذا شارع نے ایک کو دوسرے میں داخل کر دیا پھر اسبات کی ضرورت پڑی کہ ہر طرح
کے مال کے لئے زکوٰۃ کی مقدار مقرر کیجاوے اسلئے کہ اگر مقدار مقرر نہ ہوتی تو جو کمی سے دینا چاہتا تو وہ کمی سے دے سکتا تھا اور
جو زیادتی سے لینا چاہتا وہ زیادتی سے لے سکتا تھا اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ اسکی مقدار زیادہ نہ مقرر کی جائے کہ اسکے
دینے سے انکو بار نہ گزرے اور اسکے بخل کی صلاح نہ ہو اور نہ اسقدر زیادہ مقرر کی جائے کہ اسکا ادا کرنا انپر گراں نہ ہو اور
نیز اسکے ادا کرنے کی ایک مدت مقرر کیجائے جسمیں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر سکیں اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی

کہ وہ مدت بہت کم نہ ہو کہ جلد جلد انکو زکوۃ دینی پڑے اور اسکا ادا کرنا انکو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اسقدر دراز ہو کہ اسکے
ادا کرنے سے انکا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ اور محافظین بعد انتظار شدید کے تمتع اٹھا سکیں اور مصلحت کے مناسب
اس سے زیادہ کوئی مناسب صورت نہیں ہے کہ زکوۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جائے جو بادشاہ عادل اپنی رعایا سے
اس قانون کو برتتے رہتے ہیں اور لوگ انکے عادی ہو رہے ہیں کیونکہ جس چیز کے عجم و عرب عادی ہیں اور وہ بمنزلہ ضروری
چیز کے ہو گئی ہے جس کے سبب سے وہ تنگدل نہیں ہوتے اور لوگوں نے انکو ایسا مان لیا ہے کہ انپر اسکا بار نہیں
ہے اس سے لوگوں کو مکلف کرنا رحم کی شان کے مناسب اور انکے قبول کرنے کے قریب ہے اور جن ابواب کے ملوک
ادا کے عادی ہیں انپر وہ گراں نہیں ہے اور سب کی عقل نے انکو تسلیم کر لیا ہے وہ چار باب ہیں اول یہ کہ اموال نامیہ میں
سے زکوۃ لیجائے کیونکہ ان اموال کی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ انکا بڑھاؤ بیرون شہر کی آمد و رفت پر ہے اور نیز
انہیں سے زکوۃ لینا انکو بھی آسان ہے اسلئے کہ ہر وقت اس مال کا بڑھاؤ انکو معلوم ہوتا رہتا ہے تو اس سے زکوۃ کا
دینا انکو آسان ہے اور جو مال بڑھتے رہتے ہیں انکی تین قسمیں ہیں ایک تو مویشی جو جنگل میں چرتے ہیں اور انکی نسلیں
بڑھتی رہتی ہیں دوسری زراعت تیسری تجارت. دوسرے زکوۃ ان لوگوں سے جو متمول اور صاحب خزانہ ہیں لیجائے
اسلئے کہ انکو اس بات کی بڑی حاجت ہے کہ چوروں اور غداروں سے اپنے مالوں کی حفاظت کریں اور انکو اور احتیاجات
لاحق ہوتے رہتے ہیں اسلئے انپر بھی بار نہیں ہے کہ انکے اخراجات کے ساتھ زکوۃ داخل کی جائے اور تیسری زکوۃ ان
اموال سے لیجائے جنکو وہ بلا مشقت و محنت حاصل ہوتا ہے مثل دفینوں زمانہ جاہلیت اور جواہر جو دشمنوں سے
ہاتھ لگے ہیں تو ایسے مال بمنزلہ مفت کے انکو حاصل ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کو انمیں سے زکوۃ کا دینا آسان ہے چوتھے
یہ ضرور ہے کہ پیشہ وروں پر ٹکس مقرر کیا جائے اسلئے کہ پیشہ ور لوگ مخلوق میں عام اور بکثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک
سے تھوڑا تھوڑا وصول کیا جائیگا تو انکو اسکا ادا کرنا آسان ہوگا اور فی نفسہ وہ مال کثیر ہوگا اور جو کہ دور کے شہروں سے
تجارتوں کا جاری رہنا اور کھیتوں کا کٹنا اور پھلوں کا توڑا جانا سال وار ہوا کرتا ہے اور زکوۃ کی قسموں میں یہ ایک قسم سب میں
بڑی ہے اسلئے ان چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی اور نیز ایک سال میں ہر ایک قسم کی فصلیں شامل ہوتی
ہیں جنکے طبائع مختلف ہیں اور نیز پورے ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اسلئے ایک سال کی
مدت اس قسم کے اندازوں کے لئے مناسب ہے اور نیز مصلحت کے اعتبار سے زیادہ آسان اور موافق صورت یہ ہے
کہ جس قسم کا مال ہو اسی قسم میں سے زکوۃ لی جائے جیسے اونٹوں کے وانگ میں سے اونٹنی لیجاتی ہے اور گایوں کے گلہ
اور بکریوں کے ریوڑ میں سے گائے اور بکری لیجاتی ہے پھر یہ ضرور ہے کہ مثال و تقسیم اور تلاش سے اس قسم کے اموال
معلوم کئے جائیں تا کہ ان کے ذریعہ سے جامع اور مانع انکی تعریفیں ہو سکیں. اکثر شہروں میں مویشی اونٹ گائے اور بکریاں ہوتی
ہیں اور انعام کے لفظ میں وہ سب آجاتی ہیں اور گھوڑوں کے گلے اکثر جگہ نہیں ہوا کرتے اور انکی نسلیں بعض بعض ملکوں میں
مثل ترکستان کے اور کہیں زیادہ نہیں ہوا کرتی ہیں اور کھیتیاں ان ناجوں اور پھلوں کو کہتے ہیں جو پورے سال بھر تک
باقی رہ سکیں اور جو سال بھر تک نہ رہیں تو انکا نام ترکاریاں ہیں اور تجارت اس کا نام ہے کہ کوئی چیز اس ارادہ سے خرید

لیجانے کرامیں نفع ہو اسلئے کہ جو شخص ہبہ یا ورثہ سے کسی چیز کا مالک ہو جائے اور اتفاقاً وہ اس کو فروخت کرے اور اُسمیں
نفع ہو جاوے اُسکو تاجر نہیں کہا کرتے اور خزانے سونے چاندی کی ایک مقدار کثیر کو کہتے ہیں جو مدت دراز تک محفوظ
حالت میں رہے دس درم یا بیس درم کو اگرچہ وہ برسوں تک باقی رہیں خزانہ نہیں کہہ سکتے ایسے ہی علاوہ سونے چاندی
کے اور سرمایوں کا نام بھی خزانہ نہیں ہے گو وہ کتنے ہی ہوں اور جو چیز جمع و تمام آئی جاتی ہے اور وہ مستقل طور پر نہ ہو اُسکو
خزانہ نہیں کہتے یہ تمام مقدمات باب زکوٰۃ میں مسلم قاعدوں کے مرتبہ میں قرار دیے گئے ہیں پھر رسول خدا صلے علیہ وسلم نے
قصد فرمایا کہ ان اشیاء میں سے جنمیں شبہ اور ابہام تھا اُسکو ان تعریفوں کے ساتھ منضبط فرما دیں جو عرب میں مشہور تھیں اور
ہر باب میں اہل عرب نے اُسکا استعمال کیا تھا۔

سخاوت کی فضیلت اور بخل کی برائی کا بیان

اب اس بات کی حاجت ہوئی کہ امور مذکورہ بالا کے بعد خرچ کرنے کے فضائل اور انکی طرف ترغیب بیان کیجائے
تاکہ دل رغبت اور دلی سخاوت سے وہ خدا کی راہ میں خرچ کریں اور زکوٰۃ کی روح یہی ہے اور جس اصلاح سے نفس کی تہذیب
حاصل ہوتی ہے اُس کا مدار سی سخاوت اور رغبت پر ہے اور نیز اس بات کی حاجت ہوئی کہ بخل کی برائیاں اور دنیا سے
بے رغبتی کا حال بیان کیا جائے اسواسطے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کیلئے اصل نقصان کا منشاء دنیا میں بھی ٹوٹے کی حالت
میں ہے اور آخرت میں بھی دنیا میں تو یہ خدا تعالےٰ کا ایک فرشتہ اُسکے لئے خرچ کرنیوالے کے حق میں یہ دعا کرتا
رہتا ہے اللھم اعط منفقا خلفا اے اللہ خرچ کرنیوالے کو اُسکے بدلے میں اور دے اور جو شخص کنجوس ہوتا ہے اُس کے
لئے دوسرا فرشتہ یہ بد دعا کرتا رہتا ہے اللھم اعط ممسکا تلفا خدایا کنجوس کو کھو دے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے اتقوا الشح فان الشح اھلک من قبلکم الحدیث بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے تباہ کر دیا اور فرمایا
ہے ان الصدقۃ لتطفی غضب الرب یعنی بیشک صدقہ پروردگار کے غضب کو فرو کرتا ہے اور فرمایا ہے ان الصدقۃ تطفی
الخطیئۃ کما تطفی الماء النار۔ صدقہ گناہ کو اس طرح بجھا دیتا ہے جسطرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور فرمایا ہے فان اللہ یتقبلھا
بیمینہ ثم یربیھا لصاحبھا الحدیث پس خدا تعالےٰ اُسکو اپنے داہنے ہاتھ میں قبول فرماتا ہے اور پھر دینے والے کیلئے
اُسکی پرورش فرماتا رہتا ہے میں کہتا ہوں اس سب کا بھید یہ ہے کہ ملاء اعلےٰ میں جو بنی آدم کی اصلاح حال کیلئے دعا کرتے
رہتے ہیں اور جو شخص شہر کے یا صرف اپنی ہی ذات کی اصلاح میں کوشش رکھتا ہے اُسکے لئے رحمت ہوتی رہتی ہے
خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ دعا اور رحمت اس خرچ کرنیوالے کیطرف جھک پڑتی ہے اور اُسکی وجہ سے ملاء سافل اور بنی آدم
کے قلوب میں اس بات کا القا ہوتا ہے کہ اُسکے ساتھ سلوک کریں اور وہ رحمت اُسکے گناہوں کے دور ہو جانے کا سبب
ہو جاتی ہے اور خدا تعالےٰ کے اُس صدقہ کو قبول فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عالم مثال میں اس عمل کی صورت اس شخص کے
نام سے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ملاء اعلےٰ کی دعاؤں اور خدا تعالےٰ کی رحمت سے اُس صورت کو نشو و نما ہوتا رہتا ہے
آخرت میں زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے یہ نقصان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما من صاحب ذہب

ولا فضۃ لا یؤدی منہا حقہا الا اذا کان یوم القیٰمۃ صفحت لہ صفائح الحدیث - کوئی سونے والا اور چاندی والا جو انمیں
سے حق نہیں نکالتا ہے اس سے نہیں چھوٹ سکتا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اسکے لئے پترے بنائے جائینگے الی آخر الحدیث
تک اور فرمایا ہے مثل لہ شجاعاً اقرع ۔ اسکا مال اسکے لئے اقرع سانپ بنجائیگا اور اونٹ و گائے اور بکری میں بھی اسی
کے قریب قریب آپ نے فرمایا ہے میں کہتا ہوں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے اس قسم کی سزا ہونے کے دو باعث
ہیں ایک تو اصلی سبب ہے دوسرا اسکے لئے بمنزلہ تاکید کے ہے وہ سبب یہ ہے کہ جس طرح ایک صورت دوسری
کو کشش کرلیتی ہے جس طرح خیالات کے سلسلہ میں ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے یا جس طرح ذہن
کے اندر ایسی ایک صورت کا پایا جانا کہ جسکا تصور دوسری صورت کے تصور پر موقوف ہے اس موقوف علیہ کے
تصور کو مستلزم ہوتا ہے مثلاً باپ ہونا اور بیٹا ہونا جیسے منی کے ظروف کا منی سے بھر جانا اور پھر قوائے فکریہ کے اندر
اسکے بخارات کا چڑھ جانا نفس اس بات کی جرأت پیدا کردیتا ہے کہ خواب میں عورتوں کی صورتوں کا مشاہدہ کرے
یا جیسے دماغ کے اندر تاریک بخارات کے بھر جانے سے نفس کے اندر ان چیزوں کی صورتیں پیدا کردیتا ہے
جو لوگوں کو ایذا دینے والی اور ہولناک ہوتی ہیں مثلاً ہاتھی کی صورت اسی طرح جب نفس پر قوۂ مثالیہ کا فیضان ہوتا ہے
قوۂ نفسیہ اور ادراکات کا متقاضی ہوتا ہے کہ بخل کی صورت اسکے اسی مال کی صورت میں ظاہر ہو اور پھر اس صورت سے
اسکے نزدیک [illegible] ذہن میں بہت رنج اور تکلیف اٹھانے کی صورت ظاہر ہو اور اسکے قوائے فکریہ پورے طور پر
[illegible] سے بھر جاویں اور جس طرح ان چیزوں سے تکلیف پہونچانے کا طریقہ خدا تعالیٰ نے جاری کیا ہے اسی
طریقہ سے انکو تکلیف پہونچے مثلاً سونے اور چاندی سے تکلیف پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے داغ لگایا جاوے
اور اونٹ سے تکلیف پہونچنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اسکو پیروں کے تلے دابے اور کاٹے اور علیٰ ہذا القیاس اور
چونکہ ملاء اعلیٰ کو اس بات کا علم ہے کہ بندوں پر زکوٰۃ دینا انہیں مقرر ہوگیا ہے اور نفوس بشریہ کا ان چیزوں سے ایذا
پانا ملاء اعلیٰ کو معلوم ہے اس سبب سے میدان حشر میں اس صورت کا فیضان ہوتا ہے اور سانپ کی صورت اور
چیزوں کی صورت کے ظاہر ہونے میں یہ فرق ہے کہ سانپ کی صورت اس شخص کیلئے ظاہر ہوگی جسپر جمع مال کی
محبت کا غلبہ ہے مثلاً یا تو خود مال ہی کسی ایک چیز کی صورت میں ظاہر ہوجاویگا یا اسکے دل کو مال کی محبت کا طوق
لپیٹ کر گھیر لینا اور دل کا اس سے اذیت پانا نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے کی صورت میں ظاہر ہوگا اور دوسری
صورت ایسے شخص کے لیے ظاہر ہوگی جس کو سونے چاندی کی صورت سے محبت ہے اور اسکی حفاظت میں اپنی جان
کھو رہا ہے اور اس کے قوائے فکریہ دینار و درہم کی صورت سے بھرے ہوئے ہیں وہ صورتیں اسکو اذیت دینے والی
صورتوں میں ظاہر ہو کر موجب اسکے عذاب کا ہونگی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سخی قریب من اللہ
یعنی سخی آدمی خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے جنت کے نزدیک ہے لوگوں کے نزدیک ہے آگ سے بعید ہے اور
بخیل خدا تعالیٰ سے بعید ہے جنت سے بعید ہے لوگوں سے بعید ہے آگ سے نزدیک ہے اور جاہل سخی خدا تعالیٰ کو
عابد بخیل سے پیارا ہے۔ میں کہتا ہوں خدائے تعالیٰ سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کی معرفت اور حجاب

نفسانی کے دور ہو جانے کی قابلیت رکھتا ہے اور جنت سے نزدیک ہوتا ہے کہ وہ شخص صفات رذیلہ کو جو قوت ملکی کے
بالکل منافی ہیں چھوڑ کر اس بات کی قابلیت رکھتا ہے کہ اسکی قوت بہیمی جو ان صفات کا محل تھی قوت ملکی کے رنگ میں رنگ
جائے اور لوگوں سے نزدیک ہوتا ہے کہ اس سے وہ محبت کرتے ہیں اور کوئی اسکو نہیں چھوڑتا کیونکہ اکثر لڑائی جھگڑے
بخل اور حرص پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الشح اہلک من کان قبلکم حملہم
علی ان یسفکوا دماءہم ویستحلوا محارمہم۔ حرص نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اسی نے انکو اس بات پر آمادہ کیا کہ باہم خونریزی
کریں اور اپنے محارم کو حلال سمجھیں۔ اور جاہل سخی خدا تعالے کو عابد بخیل سے اسواسطے پسند ہے کہ جب دلی سخاوت سے
کوئی چیز دیجائے تو نفس کا اثر بنسبت اسکے زیادہ ہوتا ہے کہ دباؤ سے اور مجبور ہو کر کچھ دیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے مثل البخیل والمتصدق کمثل رجلین علیہما جنتان۔ الحدیث۔ بخیل اور سخی کا حال ان دو شخصوں کا سا ہے کہ ان پر
لوہے کی دو زرہیں ہوں اخیر حدیث تک۔ میں کہتا ہوں اس حدیث میں سخاوت اور بخل کی حقیقت اور انکی روح کی
طرف اشارہ ہے اسلئے کہ جب انسان کو خرچ کرنے کے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں اور وہ خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص
اگر سخی اور دلچلا ہے تو اسکے دل میں ایک روحانی مسرت اور مال کے اوپر اسکو ایک قسم کا غلبہ پیدا ہوتا ہے اور اس وقت
اسکی آنکھوں کے سامنے حقیر اور ذلیل معلوم ہونے لگتا ہے اور اسکو اسکا چھوڑنا آسان ہوتا ہے بلکہ اسکے چھوڑنے سے اسکو
ایک قسم کی راحت معلوم ہوتی ہے اور نفس کو صفات رذیلہ بہیمیہ کے ساتھ جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں اور وہ صفات اسکے
اندر منقش ہو جاتے ہیں ان صفات کے چھوڑنے میں اس خصلت کو بہت دخل ہوتا ہے اور وہ آدمی بخیل ہوتا ہے تو
خرچ کرنے کے موقع میں مال کی محبت میں اسکا دل مستغرق ہو جاتا ہے اور اسکی آنکھوں کے سامنے مال کی محبت متمثل
ہو جاتی ہے اور اسکی محبت اسکے قلب کو دبا لیتی ہے جس کے سبب سے وہ رہائی نہیں پا سکتا اور صفات ردیہ کے
نفس کے اندر جم جانے اور انکے اندر الجھانے کا یہ خصلت بخل نہایت قوی سبب ہے اس تحقیق سے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معلوم کر لینے چاہییں لا یدخل الجنۃ خب ولا بخیل ولا منان یعنی جنت میں نہ داخل ہوگا
چغلخور اور نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا اور نیز اس قول کے لا یجتمع الشح والایمان فی قلب عبد ابدا کسی بندہ کے دل میں
ایمان اور بخل نہ جمع ہوگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے للجنۃ ابواب ثمانیۃ الجنت کے آٹھ دروازے ہیں
میں کہتا ہوں کہ جنت واقع میں ان امور سے راحت پانے کا نام ہے جنکا عالم بالا سے نفس پر ترشح ہوتا رہتا ہے مثل
رضامندی اور موافقت اور تسلی وغیرہ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ففی رحمۃ اللہ ہم فیہا خالدون پھر خدا کی رحمت میں ہو کر
اسمیں ہمیشہ رہینگے اور اسکے خلاف میں فرماتا ہے اولئک علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین خالدین فیہا۔ وہی لوگ
ہیں جن پر خدا تعالے اور ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے اور ہمیشہ وہ اسمیں رہینگے اور یہی تاریکیوں سے اسی
حلق کے راستہ سے نفس باہر نکلتا ہے جس کے اعتبار سے ملکیہ کا غالب ہونا اور بہیمیہ کا مغلوب ہونا نفس کی
سرشت میں داخل ہے اب بعض نفوس کے اندر خشوع اور طہارت کی صفت کے اعتبار سے ملکیہ کو غلبہ ہوتا ہے
اور اسکی خاصیت یہ ہے کہ اس شخص کو نماز میں پورا حظ حاصل ہوتا ہے اور کسی نفس میں سماحت کی صفت سے قوۃ ملکیہ

کو غلبہ ہوتا ہے اور اسکی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس شخص کو صدقات کے دینے اور غلاموں سے درگذر کرنے اور مسلمانوں کیساتھ تواضع کرنے میں باوجود اپنی عزت کے اسکو نہایت شوق ہوتا ہے یا شجاعت کی صفت کے اعتبار سے ملکیہ کو غلبہ ہوتا ہے پس جب بندوں کی اصلاح کے متعلق تدبیر الٰہی کا نفوس میں القا ہوتا ہے وہ اول اس القا کو شجاعت کی وجہ سے قبول کرتی ہے اور وہ شخص جہاد سے پورا حصہ لیتا ہے یا اسکا نفس ان لوگوں کے نفوس میں سے ہوتا ہے جنکے قوی بہیمیہ و ملکیہ میں باہم کشاکشی رہتی ہے اور بعد اسی کے ولیس یا تو اس بات کا الہام پیدا ہوتا ہے یا اسکو اپنے نفس پر اس بات کا تجربہ حاصل ہوتا ہے کہ روزہ رکھنے اور اعتکاف کرنے سے قوت بہیمی پست ہوجاتی ہے ورس ترکیب سے اسکی ناپاکیوں سے نفس کو نجات حاصل ہوسکتی ہے اس سبب سے وہ شخص ان باتوں کو نہایت شوق سے سنکر ویسے انکے عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر باب الریان سے اس کو پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے یہ وہی دروازے ہیں جنکی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے اور غالبا علاوہ ان کے تحیین کا دروازہ اور مصیبت زدہ اور فقرا کا دروازہ اور الفقدان کا دروازہ بھی انہیں میں ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سات شخصوں کے اندر جنکو خدا تعالیٰ اپنے سایہ میں داخل کریگا امام عادل کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اسکی شناخت یہ ہے کہ اس شخص کو لوگوں کے اندر باہم محبت پیدا کرنے میں بڑی کوشش رہتی ہے اور توکل کرنے اور بدشگونی پر عمل نکرنے کا دروازہ بھی انہیں میں ہے اور ان ابواب میں سے ہر باب کے متعلق بہت سی احادیث مشہور وارد ہوئی ہیں بالحاصل نفس کے رحمت الٰہی میں داخل ہونے کے یہ بہت بڑے عالیشان دروازے ہیں اور حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہے بہشت کے بھی جسکو خدا تعالیٰ نے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے ان دروازوں کے مقابل میں آٹھ دروازے ہوں اور جو لوگ بڑے بڑے کاملین اور سابقین میں سے ہیں وہ دو دو اور تین تین اور چار چار دروازوں میں سے احسان کی چہار دیواری میں آمد و رفت رکھتے ہیں اور قیامت کے روز بھی وہ جنت کے کئی کئی دروازوں سے بلائے جاوینگے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکا وعدہ کیا گیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کریگا جنت کے دروازوں سے بلایا جاویگا اسکے یہ معنی ہیں کہ اسکے بعض دروازوں سے بلایا جاویگا زیادتی اہتمام کے لحاظ سے اسکو ذکر کے اندر خاص کیا ہے ۔

زکوۃ کی مقدار کا بیان

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس فیما دون خمس ذود من خمسة اوسق من التمر صدقة ولیس فیما دون خمسة اواق من الورق صدقة ولیس فیما دون خمس ذود من الابل صدقة ۔ پانچ وسق سے کم چھواروں میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے میں کہتا ہوں غلہ اور چھوارے میں پانچ وسق کی مقدار آپ نے اسواسطے مقرر فرمائی ہے کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبے کو ایک سال تک کافی ہوسکتی ہے وہ اسلئے کہ کمتر کم گھر میں ایک خاوند اور ایک بیوی اور ایک خادم یا انکا ایک بچہ ہوتا ہے اور جو انکے قریب قریب ہو وہ بھی [illegible] سے ہے اور اکثر ایک آدمی کی خوراک ایک رطل یا ایک مد کی ہوتی ہے پس اس حساب سے اگر

شخص نہیں ہے جو اس مقدار کو رکھ دے تو ایک سال کیلئے یہ مقدار کافی ہو سکتی ہے اور کچھ ان کے وقت پر وقت یا ان خورش کیلئے باقی رہ سکتا ہے اور چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ اس واسطے مقرر کی گئی کہ یہ مقدار بھی چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب ہو پورے ایک سال کیلئے کافی ہو سکتی ہے اور معتدل ملکوں میں گزر کر سکتے ہیں لوگوں کی عادات کا ارزانی اور گرانی میں یہ حال معلوم ہو سکتا ہے اور اونٹ کی تعداد پانچ مقرر کی گئی اور ان پانچ کی زکوۃ ایک بکری واجب کی گئی اگرچہ فی الحقیقت جس جنس کا مال ہو اسی قسم کا مال زکوۃ میں لینا چاہئے اور نیز زکوۃ کی نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنا چاہئے اسکی وجہ یہ ہے کہ اونٹ سب مواشی میں عظیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے چاہے اسکو ذبح کر کے کھا جاوے چاہے سوار ہو جاوے دودھ پیا جاوے اس سے بچے لو اور اسکے بال اور کھال سب کام میں آتی ہے اور بعض لوگ صرف تھوڑی سی اونٹنیاں پال لیتے تھے اور وہ انکا کام نیں دیا کرتے تھے اور اس زمانہ میں ایک اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کی نصاب کے برابر سمجھے گئے اور ایک بکری انکی زکوۃ مقرر کی گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس علی المسلم صدقۃ فی عبدہ ولا فرسہ مسلمان پر اسکے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ غلاموں کو پیداوار بڑھانے کی غرض سے جمع کرنے کا دستور نہیں ہے اور اسی طرح اکثر ملکوں میں گھوڑوں کے اندر قابل اعتبار بڑھاؤ نہیں ہوتا جس کا مویشی کے بڑھاؤ کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے لہذا اونٹ اور گھوڑا اموال نامیہ میں داخل نہیں ہے مگر جبکہ تجارت کی غرض سے انکو پالا جاوے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عمرو بن حزم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہوتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں میں یہ بات متواتر ہے کہ پانچ اونٹ کی زکوۃ پچیس تک ایک بکری ہے اور پچیس اونٹ کی پینتیس تک بنت مخاض اور وہ بچہ جو ایک برس سے نکلکر دوسرے میں پاؤں رکھے ہے اور چھتیس سے پینتالیس تک بنت لبون اور وہ بچہ جو تیسرے برس میں ہوتا ہے اور چھیالیس سے ساٹھ تک حقہ اور وہ بچہ جو چوتھے برس میں ہو اور اکسٹھ سے پچھتر تک جذعہ ہے اور وہ بچہ جو پانچویں برس میں شروع ہوا اور چھہتر سے نوے تک دو بنت لبون ہیں اور اکیانوے سے ایکسو بیس تک دو حقے ہیں اور ایکسو بیس سے آگے ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ ہے میں کہتا ہوں کہ اصل اس میں یہ ہے کہ جب اونٹوں کی ڈانگوں پر ڈانگیوں کا تقسیم کرنا بالخصوص اونٹنی کے چھوٹے دانگ کے لئے اور بڑی کو بڑے کے لئے انصاف کے اعتبار سے مقرر کیا اور دانگ کا اطلاق انکے عرف میں دس سے زیادہ پر ہوتا ہے اسلئے پچیس سے اسکو منضبط کیا پھر ہر دہائی پر عمر کی زیادتی کا لحاظ کیا گیا جسمیں عرب کی رغبت بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے ہر پندرہ میں اس زیادتی کو مقرر کیا اور صحابہ کی روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بکریوں کی زکوۃ چالیس سے ایکسو بیس تک میں ایک بکری ہے اور اس سے آگے دوسو تک دو بکریاں ہیں اس کے بعد تین سو تک تین بکریاں بعد ازاں ہر سیکڑے پر ایک بکری ہے میں کہتا ہوں کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے اس کے گلوں میں بہت مافوق ہوتا ہے کیونکہ بکریوں کا پالنا آسان ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے گلہ

کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور بڑے گلہ کی مقدار سے سو چند پر اور پھر ہر سیکڑے پر حساب کی آسانی کیلئے ایک بکری کو
مقرر کیا اور حضرت معاذؓ سے گائے بیل کی زکوٰۃ میں حدیث صحیح مروی ہے کہ ہر تیس میں یکسال کا بچھڑا یا بچھیا ہے اور
چالیس میں دو برس کا بچھڑا یا بچھیا ہے اور یہ اسلئے ہے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے
اس لئے اسمیں دونوں کی مشابہت کا لحاظ کیا گیا اور احادیث سے یہ بھی بات ثابت ہوتی ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ چالیسواں
حصہ ہے پھر صرف اگر ایک سو سے درم چاندی ہے تو اس پر کچھ بھی زکوٰۃ نہیں کیونکہ سونا چاندی بڑھنے والے مال میں نقدی
مال ہے جس کے اندر مقدار کثیر صرف کرنے سے لوگوں کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے اسلئے سب قسموں کے اموال سے
اسکی زکوٰۃ کا کم ہونا مناسب ہوا اور سونا بھی چاندی پر قیاس کیا گیا ہے اور اس زمانہ ایک مثقال دس درہم کو بھنائی جاتی
تھی اسلئے سونے کے نصاب بیس مثقال ہوئے اور زمین کی پیداوار جن کھیتوں کو بارش یا چشموں کے پانی سے پرورش
پاتی ہے وہ عشری ہے اسپر دسواں حصہ واجب ہے اور جن کھیتوں کو ہاتھ سے پانی دیا جاتا ہے انپر بیسواں حصہ مقرر
کیا ہے کیونکہ جنمیں محنت کم ہوتی ہے وہ پیداوار زیادہ ہوتی ہے سو زکوٰۃ زیادہ ہونا چاہئے اور جسمیں محنت زیادہ ہے
وہ پیداوار کم ہے اسکے زکوٰۃ میں تخفیف مناسب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور اور چھواروں کے تخمینہ کرنے
میں فرمایا ہے دعوا الثلث فان لم تدعوا الثلث فدعوا الربع یعنی ثلث کو چھوڑ دو اور گر ثلث کو نہ چھوڑو تو ربع چھوڑ دو
اس تاکہ اہل زراعت کے رنج دور کرنے کے سبب سے آپ نے تخمینہ کو مقرر فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ کچھ کچا کچھ پکا
کھا لیا کرتے ہیں اور فقیر صدقہ قبول کرنیوالوں کو بھی اس وجہ سے دقت ہوتی ہے کیونکہ وہ نہایت دقت سے پھلوں
کی حفاظت کر سکتے ہیں اور چونکہ تخمینہ میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے اور زکوٰۃ میں تخفیف مناسب ہے اور جو چیز تجارت کی
غرض سے جمع کیجاوے بجز قیمت کے اسکا اندازہ نہیں ممکن ہے اس لئے نقد کے زکوٰۃ پر اسکا قیاس کرنا ضروری
ہوا اور دفینے کے اندر خمس (پانچواں حصہ) ہے اسلئے کہ اسکو ایک طرح سے مال غنیمت سے مشابہت ہے اور ایک
طرف سے مفت میں داخل ہے اسلئے اسکی زکوٰۃ پانچواں حصہ مقرر کی گئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ
فطر ہر غلام اور حر اور مرد اور عورت چھوٹے بڑے پر جبکہ مسلمان ہوں ایک صاع چھوارے یا ایک صاع جو مقرر فرمائے
اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک صاع اقط (وہ خاص قسم کا کھانا ہوتا ہے) یا ایک صاع منقیٰ دیجائے اور
ایک صاع اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ غالباً ایک کنبہ کو کافی ہوجاتا ہے اور فقیر کی حاجت پورے طور پر رفع ہوجاتی ہے
اور عام لوگوں کو شخص ایک صاع کے دینے سے ضرر بھی نہیں پہنچتا اور بعض روایات میں جو کہ ایک صاع کو گیہوں کے
نصف صاع پر قیاس کیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کے گیہوں کی گرانی تھی اور امراء اسکو کھا سکتے تھے اور
مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے زید بن ارقم نے سرقہ کے قصہ میں اسکو بیان کیا ہے پھر حضرت علیؓ نے فرمایا اذا وسع اللہ
فوسعوا جب خدا تعالے وسعت کرے تم بھی وسعت کرو اور عید الفطر میں اس صدقہ کو اسواسطے مقرر فرمایا کہ اول تو یہ کہ سبب
عید الفطر کے شعار الٰہی ہونے کی اس کے تکمیل سبب دوسرے یہ ہے کہ اسمیں روزہ داروں کیلئے طہارت اور انکے روزہ کی
تکمیل ہے جسطرح کہ نماز میں سنن کا مقرر کرنا اب رہی یہ بات کہ زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں اسکے باب میں متعارض حدیثیں وارد

ہوتی ہیں مگر یہاں پر جمع کرنے کا اطلاق بعید ہے لیکن جمع کرنے کے معنی اسمیں موجود ہیں مگر احتیاط اسی میں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ دی جائے کہ اختلاف سے علیحدہ ہو جائے۔

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

مصارف کی اصل یہ ہے کہ شہر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جنکے باشندے صرف مسلمان ہوں اور کسی غیر ملت کے لوگ انکے پاس نہیں رہتے ایسے شہروں پر تخفیف کرنا مناسب ہے کیونکہ ایسے شہروں کو فوج کے اکٹھے کرنے اور جہاد کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں اور بسا اوقات ایسے شہروں میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہو جاتے ہیں جو رفاہ عام کے کام اپنے متعلق کر لیتے ہیں اللہ پاک نے محسنین کے لئے جس جزا کا وعدہ کیا ہے اسکی تصدیق ان کو اس بات پر آمادہ کر دیتی ہے وہاں لوگوں کی معاش اپنے مالوں میں ہوتی ہے مسلمانوں کی جماعت کثیرہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتی۔ دوسری قسم کے وہ شہر ہیں کہ جنمیں اور ملتوں کے لوگ بھی رہتے ہیں ایسے شہروں پر سختی کرنا مناسب ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے اشداء علی الکفار رحماء بینھم کافروں پر سخت ہیں باہم مہربان ہیں اور ایسے شہروں کیلئے بہت سی فوج اور مددگاروں کی ضرورت اور نیز اس بات کی حاجت ہے کہ ہر نافع کام کے لئے ایک شخص مقرر کیا جاوے اور اسکی معاش بیت المال میں ہو لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قسموں کے شہروں میں سے جدا جدا طریقہ مقرر فرمایا اور مصارف کے اعتبار سے محصول مقرر کیا دوسری قسم کے مباحث کتاب الجہاد میں عنقریب آتے ہیں اور جن شہروں میں صرف مسلمان ہی باشندے ہیں عمدہ مال جو وہاں پیدا ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے جسطرح مصارف کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مال ہے جو مالک کے قبضہ سے نکلتا ہے جیسے میت کا ترکہ جسکا کوئی وارث نہ ہو اور گم شدہ مویشی جنکے مالک کا پتہ نہیں اور وہ لقطہ جسکو بیت المال کے متعلقوں نے اٹھایا اور پھر اسکا اعلان کیا گیا اور کوئی مالک نہ معلوم ہوا اور اسی قسم کے اموال۔ اس قسم کے مال کو ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہئے جنکا نفع عام و شامل ہو اور اسمیں کسی کی تملیک نہ پائی جاوے جیسے نہروں کا کرایہ دینا پل و مساجد اور کنوؤں اور چشموں کا کھدوانا اور اسی قسم کے کام۔ اور دوسری قسم مال وہ صدقات ہیں جو مسلمانوں کے مال سے لیکر بیت المال میں جمع کئے جاتے ہیں ایسے اموال کو ان مواقع میں خرچ کرنا چاہئے جنمیں کسی کو مالک بنایا جائے اس بات کی دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ اور اسکا بالاجمال بیان یہ ہے کہ اگرچہ اس قسم کے حوائج بہت کثرت سے پیش آتے ہیں مگر سب سے بڑھکر تین زیادہ ضروری ہیں ایک محتاج لوگ اور شارع نے فقراء اور مساکین اور مسافروں اور قرضداروں کے اندر انکو منحصر کیا ہے۔ دوسرے محافظین اور شارع نے مجاہدین اور محصلین میں ان کو منحصر کیا ہے۔ اور تیسرے یہ ہے کہ ان فتنوں کے دور کرنے میں مال صرف کیا جاوے جو مسلمانوں میں واقع ہوئے ہیں یا دوسرے لوگوں سے مسلمانوں میں ان فتنوں کے واقع کرنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اسکی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ ضعیف الاسلام لوگ کفار سے میل پیدا کر لیتے ہیں یا کہیں کوئی کافر مسلمانوں کے ساتھ کوئی داؤ کرنا چاہتا ہے اسلئے اسکو کچھ مال دیکر اسکی تالیف کی جاتی ہے۔ اور ان دونو کو

مولفۃ القلوب کا لفظ شامل ہے یا مسلمانوں کے باہمی نزاعوں میں اس مال کو صرف کیا جاتا ہے ۔۔

اور تقسیم کرنے کی صورت اور یہ بات کہ کن لوگوں سے دینا شروع کیا جائے اور کس قدر دیا جاوے امام کی رائے پر موقوف ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام آزاد کر سکتا ہے اور حج میں بھی دے سکتا ہے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بھی مثل اسی کے مروی ہے پھر انہوں نے یہ آیت کو پڑھا انما الصدقات للفقراء ان مواضع میں جس میں چاہے صرف کرے کافی ہے اور ابو لاسؓ سے مروی ہے کہ ہم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیلئے صدقہ کا اونٹ سواری کو دیا اور حدیث صحیح میں آیا ہے واما خالد فانکم تظلمون خالداً وقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ یعنی اور خالد پر تو تم ظلم کرتے ہو کیونکہ اس نے تو اپنی زرہ بکتر اور ہتھیار خدا کی راہ میں دیدیے ہیں اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی چیز کے عوض دوسری چیز جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو دے تو جائز ہے دوسرے یہ کہ فی سبیل اللہ دینا صدقہ کی جگہ کافی ہو سکتا ہے میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اللہ پاک کے اس حکم میں انما الصدقات للفقراء الآیہ حصر اضافی یعنی ان مصارف کی نسبت حصر ہے جنکو منافق لوگ اپنی خواہش کے موافق زکوٰۃ کا مصرف بنانا چاہتے تھے جیسا کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے اسی واسطے میرے نزدیک ترجیح اختیار ہو گئے ہیں اور ان شہروں میں جنکے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں بیت المال کے نذر کوئی اور مال شے نہیں ہوتا اسواسطے اسمیں وسعت دینا ضروری ہے تاکہ شہر کے خرچ کو وہ مال کافی ہو سکے واللہ اعلم

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان ہذہ الصدقات انما ہی من اوساخ الناس وانہا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اسلیے یہ محمد کے لیے حلال نہیں اور نہ اولاد محمد کے لیے حلال ہیں میں کہتا ہوں کہ صدقات کے میل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صدقات کے لینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا دفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں وہ انسان کا فدیہ ہوتے ہیں اسلیے ملاء اعلی کے ادراکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں جس طرح صورت ذہنیہ اور لفظیہ اور خطیہ میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کے یہ نام ہیں وہی چیزیں ذہن اور الفاظ اور کتابت کے اندر موجود ہیں اور ہمارے نزدیک انکا نام وجود تشبیہی ہے اسلیے بعض نفوس عالیہ میں اس بات کا ادراک پیدا ہوتا ہے کہ ان صدقات میں ایک قسم کی بدبو پائی جاتی ہے اور کبھی اس امر کا انکشاف کیطرف نزول ہوتا ہے اور بلکہ بعض اہل مکاشفہ بھی اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور میرے سردار والد ماجد قدس سرہ بھی اس بات کی اپنی ذات سے حکایت کرتے تھے جسطرح صالحین کو زنا یا اعضاء خبیثہ کا ذکر ناگوار معلوم ہوتا ہے اور نفیس اشیاء کے ذکر سے بشاش ہوتے ہیں اور اللہ پاک کے نام کی تعظیم کرتے ہیں ایسے ہی جس مال کو انسان بلا کسی عوض کے خواہ وہ عوض کوئی خاص شے ہو یا صرف نفع ہی ہو کسی سے لیتا ہے اور اس دینے والے کو اس شخص کی عزت مقصود نہیں ہوتی ہے تو اس مال کے لینے میں اس شخص کو ایک قسم کی ذلت و اہانت حاصل ہوتی ہے اور معطی کو اس شخص پر فضیلت اور احسان ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الید العلیا خیر من الید السفلی یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے بہرحال اس طور سے کمانا تمام خسیس پیشوں میں بہت ہی خسیس ہے اور جو لوگ مقدس اور بزرگان دین ہیں انکی شان کے بالکل مناسب نہیں اور اس حکم میں دوسرا راز ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود بخشش نہیں لیتے اور اپنے عزیزوں اور [illegible] ان لوگوں کے لئے جنکا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے

تو اس بات کا احتمال تھا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپ کے حق میں وہ وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں، اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا ہے اور اس بات کا اظہار کر دینا چاہا کہ صدقات کی منفعت انہیں کیطرف عائد ہوتی ہیں اور انہیں کے اغنیاء سے لیکر انہیں کے فقراء کو واپس کر دیئے جاتے ہیں یہ انکے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور اور بھلائی کا پہونچانا اور برائی سے بچانا ہے، اور چونکہ سوال میں ایک بڑی ذلت کا سامنا ہوتا ہے اور سوال کرنیوالا بے حیا سا ظاہر ہوجاتا ہے اور اسکی مروت میں نقص آجاتا ہے اسلئے آنحضرت صلعم نے بلا ایسی ضرورت کے جسکی وجہ سے آدمی مجبور ہو سوال کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے اور نیز جب لوگوں کو سوال کی عادت پڑجاتی ہے اور انکو سوال کرنے میں کچھ غیرت باقی نہیں رہتی اور بھیک سوال سے جمع کرنے لگیں تو انکے سبب سے ضروری پیشوں کا ترک ہونا لازم آتا ہے یا ان پیشوں کی قلت اور مالداروں پر بلا وجہ دقت لازم آتی ہے پس حکمت شرعیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ سوال سے غیرت کرنیکی صورت انکے سامنے ظاہر کی جائے تاکہ لوگ بلا ضرورت شدیدہ کے سوال کرنے کا ارادہ نہ کریں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من سال الناس لیثری مالہ کان خموشا فی وجہہ ورضفا یاکلہ من جہنم جو شخص اپنا مال بڑھانے کی غرض سے لوگوں سے سوال کریگا تو اس کا منہ چھلا ہوا ہوگا یا انگارا ہوگا جہنم سے کہ کھائیگا اسکو۔ میں کہتا ہوں جیسے یہ امر ہے کہ لوگوں سے سوال کرنے میں جو انکو تکلیف رہتی ہے تو وہ اسی صورت میں ظاہر ہوگی جیسے ہاتھ میں لینے سے ظاہر میں تکلیف پہنچا کرتی ہے جیسے آگ کا انگارہ یا اسکے کھانے سے تکلیف پہنچتی ہے جیسے پتھر بریاں کیا ہوا آگ میں، اور لوگوں میں اسکا ذلیل اور پشیمان ہونا ایسی صورت میں ظاہر ہوگا جو اسکے بہت مناسب ہے یعنی منہ پر خراش ہونا۔ اور جس شخص کو کوئی آفت عظیم پہنچے جس کے سبب سے اسکا تمام مال برباد ہوگیا ہو اسکے حق میں آیا ہے کہ اگر وہ شخص سوال کرے اور اسقدر مال جمع کرلے کہ جس سے اسکی معاش حاصل ہوتی ہے تو اس کے لئے جائز ہے اس غنا کا اندازہ جسکے ساتھ سوال کرنا منع ہے ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہے ایک حدیث میں آیا ہے اور ایک حدیث میں اسکا اندازہ اتنے کھانے کے ساتھ آیا ہے جو صبح وشام کے لئے کافی ہوسکے اور ہمارے نزدیک ان احادیث میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے درجے مختلف ہیں اور ہر کسی کے لئے جدا پیشہ ہوتا ہے جس کے بغیر اسکا رہنا نا ممکن ہے امکان سے ہماری وہ امکان مراد ہے جو ان علوم میں مستعمل ہوتا ہے جنکے اندر سیاست مدن سے بحث کیجاتی ہے اور اس سے وہ امکان مراد نہیں ہے جو علم تہذیب نفس میں بولا جاتا ہے پس جو شخص ہاتھ کا پیشہ کرتا ہے جبتک اسکے پاس اسکے پیشہ کے آلات نہ ہوں تو اس پیشہ سے معذور ہے اسی طرح جو شخص کھیتی کرتا ہے کھیتی کے آلات نہ ہونے سے معذور ہے، اور تاجر کے پاس جبتک سرمایہ تجارت نہ ہو معذور ہے اور جو شخص جہاد میں رہتا ہے اور صبح وشام اسکا رزق آتا جاتا رہتا ہے یعنی مال غنیمت، جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ تھے تو انکے لئے اس مقدار کا اندازہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہے اور جو شخص بازاروں میں باربرداری کرتا ہے یا جنگل سے لکڑیاں فراہم کرکے فروخت کیا کرتا ہے یا اور اسی قسم کے پیشے کرتا ہے تو اس شخص کے حق میں اسی مقدار کا اندازہ یہ ہے کہ اس کا ایک وقت کا کھانا چل سکے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تلحفوا فی المسئلۃ یعنی سوال میں لشپاست کرو کیونکہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوتا کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کچھ طلب کرے اور اسکا سوال مجھ سے اسے کچھ دلوادے مگر میرا دل خوش نہ ہو اور پھر میری

دی ہوئی چیز اسکے لئے برکت کیجاوے میں کہتا ہوں اُسکا یہ اثر ہے کہ جو نفوس ملحق بہ ملاء اعلےٰ ہیں نہیں کراہیت اور رضامندی کی صورت دہیئۃ بمنزلہ دعا مستجاب کے ہوتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے ان ہذا المال خضر حلو الحدیث الیتہ یہ مال ہرا اور میٹھا ہے جو شخص دل کی خوشی سے اس کو دیتا ہے اسمیں اسکے لئے برکت دیجاتی ہے اور جو دل کی حرص سے لیتا ہے اسمیں اسکو برکت نہیں دیجاتی اور اس کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جو کھائے چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کسی چیز کے اندر برکت ہونے کی کئی قسمیں ہیں ادنیٰ قسم یہ ہے کہ دل اس سے مطمئن ہو اور اسکی طرف سے دلکو بے قراری نہ ہو مثلاً دو شخص ہیں کہ انمیں سے ہر ایک کے پاس بیس بیس درہم ہیں مگر ان میں سے ایک شخص کو اپنے تنگدست ہونیکا خوف لگا رہتا ہے اور دوسرے کو اس بات کا خیال بھی نہیں ہے بلکہ اسکو امید ہی رہتی ہے اس قسم کے بعد برکت کی وہ قسم ہے کہ اس چیز سے انتفاع زیادہ حاصل ہو جیسے کہ دو شخصوں کے پاس برابر برابر مال ہے انمیں سے ایک نے اپنے مال کو ضروریات میں صرف کیا اور اسکے دل میں مال کے اچھی جگہ صرف کرنے کا الہام پیدا ہوا اور دوسرے نے اُس مال کو ضائع کر دیا اور بیہودہ کام سے کام لیا نفس کی ہمت اس برکت کو اسطرح سے کھینچتی ہے جسطرح دعا کھینچ لیجاتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من یستعفف یعفہ اللہ جو کوئی شخص سوال کرنے سے بچے گا خدا تعالیٰ اسکو محفوظ رکھے گا میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کیفیات نفسانیہ کے حاصل کرنیکو ہمت کے مجتمع ہونے اور ارادہ کے مضبوط ہونے میں کامل دخل ہے ۔

ان امور کا بیان جو زکوٰۃ کے متعلق ہیں

اب اس بات کی ضرورت تھی کہ لوگونکو اس بات کی نصیحت کیجائے کہ صدقہ تحصیل کرنیوالیکو خوشی سے صدقہ ادا کیا کریں لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا اتاکم المصدق فلیصدر عنکم وہو عنکم راض یعنی جب تمہارے پاس صدقہ تحصیل کرنیوالا آوے پس چاہیے کہ خوش ہو کر تمہارے پاس سے جاوے اور اسمیں یہ مصلحت ہے کہ انکے خفا ہونے کا احتمال نہ رہے اور آپ نے یہ بھی چاہا کہ لوگونکو ظلم کے حیلہ سے زکوٰۃ کے اندر عذر کا موقع نہ رہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے فان عدلوا فلہم وان ظلموا فعلیہا پس اگر وہ انصاف کرینگے تو انکے لئے اور اگر ظلم کرینگے تو انکے لئے اور حدیث میں جو آنحضرت صلعم کے اس قول میں من سئل فوقہا فلا یعط یس جس شخص سے اس سے زیادہ مانگا جائے تو نہ دے اختلاف نہیں ہے اسلئے کہ ظلم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو اس صورت میں کہ جس جگہ نص نے اسکا حکم ظاہر کر دیا ہے اس مقام کے متعلق دوسری حدیث ہے یعنی اسے معمول معین سے زیادہ نہ دینا چاہئے اور ایک وہ صورت ہے جسمیں اجتہاد کی گنجائش ہے اور انکلیں لڑسکتی ہیں ان مواضع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عذر کے دروازہ کو بند کیا ہے اور صدقہ لینے کیلئے اس بات کی نصیحت کرنی ضروری تھی کہ صدقہ کے لینے میں زیادتی نہ کرے اور مانکے نفیس نفیس مال کو چھوڑ دے اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرے تاکہ انصاف اور رعیت سے مقاصد اسکی وجہ سے حاصل ہو سکیں اور آنحضرت صلعم نے جو فرمایا ہے والذی نفسی بیدہ لا یاخذ منہ شیئا الا جاء بہ یوم القیامۃ یحملہ علی رقبتہ ان بعیرا لہ رغاء پس قسم اس ذات کی جسکے

قبضہ میں میری جان ہے جسمیں سے وہ کچھ نہ دیگا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لادیگا اگر وہ اونٹ ہے تو بلبلاتا ہوگا اسکا ترجمہ تمام
کلام سابق کے دیکھنے سے جو مانعین زکوٰۃ کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور نیز اس بات کی ضرورت تھی کہ مال
والوں کے فریب و حیلہ کا دروازہ بند کیا جائے اور اسکے متعلق یہ حکم ہوا کہ جو مال متفرق ہے وہ جمع نہ کیا جاوے اور جو مال مجتمع ہے وہ
صدقہ کے ڈر سے جمع نہ کیا جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لان یتصدق المرء فی حیوتہ بدرہم خیر لہ من ان یتصدق
بمائۃ عند موتہ زندگی کی حالت میں آدمی کو ایک درہم کا صدقہ کرنا مرتے وقت سو درہم کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور نیز آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مثل کمثل الذی یھدی اذا شبع یعنی ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو سیر ہونے شکم کے صدقہ
دینے میں گناہوں کی مزید ہے کہ ایسی چیز کا خرچ کرنا جسکی اسکو حاجت نہیں ہے اور نہ حاجت ہونگی توقع ہے پوری پوری سخاوت
پر نہیں ہے پھر آنحضرت صلعم نے ان خصلتوں کی تعلیم کا قصد کیا جن سے بخل کا ازالہ یا نفس کی تہذیب یا باہم الفت و محبت ہوتی ہے
اور انکو بھی صدقات کے قبیلے سے گردانا تاکہ صدقات کے ساتھ ثواب کے ساتھ ان اخلاق کا شریک ہونا معلوم ہو جائے چنانچہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یعدل بین اثنین صدقۃ الحدیث۔ دو شخصوں میں کوئی انصاف کرتا ہے وہ صدقہ ہے اور کسی شخص
کی اپنی سواری پر سوار کرنے سے مدد کرنا صدقہ ہے اور اچھی بات زبان سے کہنا صدقہ ہے اور ہر قدم جو نماز کے جانے کیلئے ڈالتا ہے
اور ہر مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اسی قسم کی باتیں اور نیز آپ نے فرمایا ہے ایما مسلم کسا مسلما
ثوبا علی عری الحدیث جو کوئی مسلمان کسی ننگے بدن مسلمان کو کپڑا پہنا دے تو وہ بھی صدقہ ہے آخر حدیث تک میں کہتا ہوں کئی مرتبہ
اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ طبیعت مثالیہ کا مقتضی ہے کہ معانی کا ظہور ان صورتوں میں ہو جو انکے قریب تر ہیں اور کھانا کھلانے میں
کھانے کی صورت پائی جاتی ہے خوابوں کے دیکھنے اور واقعات کے پیش ہونے اور معانی کے جسمانی صورتوں میں اس
بات کی عبرت تم کو ظاہر ہو سکتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی وبا کو جو ایک سیاہ عورت کی صورت میں دیکھا اسکی
وجہ بھی معلوم ہو سکتی ہے ۔

پھر بعض لوگ ایسے تھے کہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر غیروں کو صدقہ دیا کرتے تھے اور انکے اندر ان
لوگوں کی رعایت کا جنکی رعایت ضروری ہے خیال نہ پایا جاتا تھا اور یہ بات تدبیر و قریب لوگوں کے ساتھ الفت پیدا ہونے کے
بالکل خلاف تھی۔ لہٰذا اس سے منع کرنے کی حاجت ہوئی اور آپ نے فرمایا دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار انفقتہ فی رقبۃ الحدیث
ایک تو وہ اشرفی ہے جس کو تو خدا کی راہ میں خرچ کرے اور ایک وہ ہے کہ جس کسی کی جان چھوڑانے میں دے اور ایک وہ دینار
ہے جسکو مسکین پر صدقہ کرے اور ایک وہ دینار ہے جسکو تو اپنے کنبہ پر خرچ کرے ان سب میں ثواب کے لحاظ سے وہ دینار
بڑھکر ہے جو اپنے کنبہ پر خرچ کرے ہو اور اس حدیث خیر الصدقۃ ما کان عن ظھر غنی وابدء بمن تعول بہتر وہ صدقہ ہے جو غنا کے
ساتھ ہو اور اپنے اہل و عیال سے اسکا دینا شروع کرے اور اس حدیث میں کہ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے
تو آپ نے فرمایا جھد المقل وابدء بمن تعول یعنی تنگدست کا صدقہ کے لئے تکلیف گوارا کرنا اور اپنے عیال سے دینا شروع کرے
منافات نہیں ہے کیونکہ ہر ایک حدیث کی توجیہ جدا ہے اسلئے کہ یا تو غنا سے اصطلاحی غنا مراد نہیں ہے بلکہ نفس کی غنا
مراد ہے یا کنبہ کیلئے رزق کا کافی ہونا مراد ہے یا ہم کہتے ہیں غنا کا صدقہ اسلئے بہتر ہے کہ اسکی وجہ سے غنی کے مال میں برکت

بہت ہوتی ہے اور تنگدست کا صدقہ بھی افضل ہے کہ وہ بخل کو خوب دور کرتا ہے اور قوانین شرعیہ کے زیادہ موزوں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الخازن المسلم الامین الحدیث۔ خزانچی مسلمان امانت دار جو لوگوں کو مالک کے حکم دینے کے بعد پورے پورے طور پر خوش ہو کر دیتا ہے وہ بھی بمنزلہ صدقہ دینے والوں کے ہے میں کہتا ہوں بسا اوقات کسی ایسی چیز کا مانع ہونا جو سپرد جب ہے اور اسکا کرنا جو اس کے اختیار میں نہیں ہے اس شخص کی سخاوت کی بیخکنی ہوتا ہے کیونکہ دینے وقت اسکے دل کا خوش ہونا و تسلی کا حاصل ہونا دل کی سخاوت کے ساتھ ہوتا ہے لہذا اصل متصدق کے بعد یہ شخص بھی متصدق سے صدقہ دینے والا شمار کیا گیا اور ان حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے اذا انفقت المرأۃ عن کسب زوجہا من غیر امرہ فلہا نصف الاجر یعنی جو عورت اپنے خاوند کی کمائی میں سے بغیر اسکی اجازت کے اللہ کے نام پر دے تو اسکو آدھا ثواب ملیگا اور آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ہے لا تنفق امرأۃ من بیت زوجہا الا باذنہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بلا اس کی اجازت کچھ خرچ نہ کرے پھر کسی نے عرض کیا کھانے کی قسم سے بھی کچھ خرچ نہ کرے آپ نے فرمایا تو ہمارے اموال میں سب سے افضل ترین مال ہے۔ اور اس حدیث میں کہ ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ ہماری اولاد اور ہمارے ماں باپ اور ہمارے خاوندوں پر ہمارا بوجھ ہوتا ہے انکے مالوں میں سے ہم کو کسقدر حلال ہے تو آپ نے فرمایا ہے تر چیزیں کہ تم ان کو کھا سکتی ہو اور دے سکتی ہو۔ منافاۃ نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس حدیث بالا میں یہ بات ہے کہ اسمیں خاوند کی مطلقاً اجازت ہو یا دلالۃً ہو اور کسی خاص شے کی صراحۃً اجازت نہ ہو اور خاوند صدقہ نہ دیتا ہو پس چونکہ عورت نے اسمیں صدقہ نکالا ہے اس لئے تسلیم کیا جاویگا اور خاوند کے مال میں اسی قدر تصرف درست ہے جتنا لوگوں میں دستور ہے اور خاوند کے مال کی اصلاح ہے جیسے تر چیزیں کہ اگر وہ ضرورت سے زیادہ ہوں اور کسی کو نہ دیجاویں تو خراب ہو کر ضائع ہو جاوینگی اور ان کے سوا اور چیزوں میں درست نہیں ہے اگرچہ غلہ کی قسم سے ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تعد فی صدقتک فان العائد فی صدقتہ کالعائد فی قیئہ۔ اپنے صدقہ کو واپس مت لے کیونکہ صدقہ واپس لینے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے کر کے نگل جانے والا میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ صدقہ کرنیوالا جب اس چیز کو خریدنا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ رعایت سے ملتی ہے یا خود ہی وہ رعایت سے لینا چاہتا ہے اور جسقدر رعایت کی گئی ہے اسی قدر اس کے صدقہ کا ثواب گھٹ جاتا ہے کیونکہ صدقہ کی شرط دل کے تعلق کا اس مال سے ہٹا لینا ہے اور جب اسکے ذمہ اس بات کا خیال رہا کہ وہ چیز اگر رعایت سے ملجاوے تو بس کو اس چیز سے پوری بے تعلقی نہ ہوئی اور نیز شارع کو عمل کی صورت کا کامل ہونا مطلوب ہے اور اس کے واپس لینے میں اس صورت میں نقصان ہے جس ملک سے ہجرت کی جاوے پھر اس زمین میں موت کے مکروہ ہونے کی یہی وجہ ہے واللہ اعلم۔

ان احادیث کا بیان جو روزہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں

چونکہ قوت بہیمی کا قوی ہونا قوت ملکی کے احکام ظاہر ہونے کا مانع ہے لہذا اسکا مغلوب کرنا ضروری ہوا اور چونکہ اسکی قوت کی شدت کا سبب کھانا اور پینا اور لذائذ شہوانیہ میں منہمک ہونا ہے اور اسی انہماک کا وہ اثر ہوتا ہے جو [illegible]

کھانے پینے کا بھی نہیں ہوتا لہذا اس کے مغلوب کرنے کیلئے ان اسباب کا کم کرنا ضروری ہوا لہذا سب وہ لوگ جو احکام
قوت ملکی کا تقاضا کرنا جانتے ہیں باوجود اختلاف مذاہب اور بعد ملکوں کے ان اسباب کی تقلید پر اتفاق کرتے ہیں اور نیز بہیمیہ
کا ملکیہ کے ساتھ تابع کرنا مقصود ہے کہ قوت ملکیہ قوت بہیمیہ کے اخلاق رذیلہ قبول کرنے سے محفوظ رہے اور وہ اسکے
نقوش رذیلہ قبول نہ کرنے پائے جسطرح نگینہ کے نقوش موم کے اندر منقش ہو جاتے ہیں اور اسکا بجز اسکے کوئی طریقہ نہیں
ہے کہ قوت ملکی ایک بات کا ارادہ کرے اور بہیمیہ کے اندر اس کا انقیاد کرکے اسکے سامنے پیش کرے اور وہ اسکے حکم کو مان
لے اور بہت سامنے سرکشی اور زیادتی نہ کرے اور پھر اس بات کا ارادہ کرے اور اسی طرح پھر قوت بہیمی اسکی تابعداری کرے
اور پھر بار بار یہی مرحلہ ہوتی کہ اس تابعداری کی اسکو عادت پڑجائے اور وہ امور جنکی قوت ملکی میں خواہش پیدا ہوتی ہے
اور قوت بہیمی کو انکے کرنے پر مجبور کیجاتی ہے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جنکے واقع ہونے سے قوت ملکی کو سرور اور بہیمی کو انقباض
پیدا ہوتا ہے جسطرح ملائکہ علا کیساتھ تشبیہ پیدا کرنا اور خدا تعالے کی کبریائی پہ معرفت حاصل کرنا یہ امور قوت ملکی کے خواص میں سے
ہیں اور بہیمی کو انسے نہایت درجہ کا بعد ہے یا کسی ایسے امر کا ترک کرنا جس کی قوت بہیمی میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس
امر میں اسکو تلذذ حاصل ہوتا ہے اور قوت بہیمی کے ہیجان کی حالت میں اس امر کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بات روزہ سے
حاصل ہو سکتی ہے اور چونکہ ان امور کا التزام تمام لوگوں سے باوجود [illegible] ضروریہ اور مال و اہل کے ساتھ مشغول ہونے کے
ممکن نہ تھا اسلئے یہ امر ضروری ہوا کہ کچھ زمانے کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا التزام کیا جاوے جس سے قوت ملکی کا ظہور
اور بہیمی خواہشوں کے پورا ہونے سے [illegible] کا سرور معلوم ہو جاوے اور اس سے پیشتر جو کمی ہوئی ہے وہ دور ہو جاوے
اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہے جسکا پچھاڑی کھونٹے سے بندھی ہوتی ہے اور وہ دو چار مرتبہ ادھر ادھر لاتیں
پھینک کر اپنی حالت اصلی پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مدت حقیقی کے بعد اسکی مداومت کا درجہ ہے بعد ازاں یہ امر ضروری ہوا کہ
اسکی ایک مقدار مقرر کیجاوے تاکہ کوئی شخص اسمیں افراط و تفریط نہ کر سکے ورنہ تفریط کرنے والے کو ممکن تھا کہ اس عبادت
کو اسقدر عمل میں لاتا جو اسکے لئے کافی و نافع نہ ہوتی یا افراط کرنے والے کو ممکن تھا کہ اسکو اتنا عمل میں لاتا جس سے اسکے
ارکان میں کاہلی پیدا ہو کر اسکو اسکا نشاط جاتا رہتا اور اپنے نفس کو ہلاک کرکے داخل قبر ہوتا اور روزہ ایک تریاق ہے
جو سموم نفسانیہ کے دور کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے مگر اس کے اندر لطیفہ نفسانیہ کے مقدم اور اسکے بلند ظہور کو بھی
ایک قسم کی شکایت اور صدمہ پہنچا رہتا ہے لہذا بقدر ضرورت اس کا معین کرنا لازم ہوا۔ پھر خورد و نوش کے کم کرنے کی
دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کھانے پینے میں کمی کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ عادت سے زیادہ خورد و نوش میں
دیر کرے اور شرع کے اندر دوسری قسم کی تقلیل کا اعتبار ہے کیونکہ اسکے سبب سے ایک قسم کا ضعف اور خفت پیدا ہوتی ہے
اور بھوک اور پیاس کی کیفیت انسان کو اسوقت معلوم ہو جاتی ہے اور قوت بہیمی کو اسوقت اسکی وجہ سے ایک قسم کی
پریشانی اور خوف پیدا ہو جاتا ہے اور ان امور کا طاری ہونا اسکو محسوس ہوتا ہے اور تقلیل کی پہلی قسم میں ہر چند ضعف پیدا
ہوتا رہتا ہے اور نفس کو اس ضعف کی پرواہ نہیں ہوتی حتی کہ آدمی اس سے بالکل خشک ہو رہجاتا ہے اور نیز تقلیل کی پہلی
قسم کا عام حکم کے تحت میں بلا دقت داخل ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے درجے مختلف ہیں کسی کی خوراک ایک رطل

اور کسی کی دو دن طول ہوتی ہے۔

کھانے میں جتنی مدت کا فصل ہوتا ہے اسپر تمام عرب و عجم اور تمام صحیح المزاج لوگوں کا اتفاق ہے کہ شب و روز میں دو وقت یعنی صبح و شام کھاتے ہیں یا صرف ایک ہی مرتبہ اور بھوک کی کیفیت رات تک کھانا نہ کھانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور نیز یہ بھی غیر ممکن تھا کہ مکلفین کو ایک مقدار قلیل کا اختیار عطا کیا جاتا اور ان سے کہدیا جاتا کہ تم میں سے ہر ایک اتنا کھایا کرے کہ جس سے قوت بہیمی مغلوب رہے کیونکہ یہ مقصود شرعی کے خلاف ہے اور یہ مثل مشہور ہے کہ جس شخص نے بھیڑیے کو بکریوں کا چوپان بنایا تو اس نے ظلم کیا اور ایسی صورت احسانیہ کا درجہ حاصل ہونا کب ممکن ہے پس یہ بات ضروری ہے کہ یہ مدت فصل کی مقدار ہو کہ جس سے جان کی ہلاکت اور اسکا استیصال نہ ہو مثلاً تین شبانہ روز کیونکہ یہ بھی مقصود شرعی کے خلاف ہے اور تمام مکلفین اسپر عمل بھی نہیں کر سکتے اور نیز یہ بھی ضرور تھا کہ بار بار انکو بھوکا رہنے کا حکم دیا جاوے تاکہ وہ اس بات کے عادی ہو جاویں اور انمیں اطاعت و تابعداری کا مادہ پیدا ہو جاوے ورنہ ایک مرتبہ بھوکا رہنے میں کچھ فائدہ قابل اعتبار نہیں ہے گو کہ ایسی ہی سخت درجہ کی بھوک ہو اور یہ بات بھی ضروری تھی کہ اسکا مغلوب ہونا جو ہلاکت کی طرف مودی نہیں ہے اور اسکی تکرار کا انضباط ان مقداروں سے کیا جاوے جو انمیں مستعمل ہوتی ہیں اور کسی غافل اور ہوشیار اور شہری اور جنگلی پر وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں ہیں اور نیز ایسے امر سے انضباط کیا جاوے جسکو خود یا اسکی نظیر کو لوگوں کا گروہ عظیم استعمال کرتا ہو تاکہ اسکی شہرت دیکھ لینے کے سبب سے اسکی دشواری جاتی رہے ان امور کے لحاظ کرنے سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینے تک ہر روز کھانے اور پینے اور جماع سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزے کا انضباط کیا جاوے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار مقرر کرنا ایسے ہے جیسے دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھانا اور اگر شب میں ان امور کے ترک کرنے کا انکو حکم دیا جاتا تو وہ اسکے عادی ہیں اسکی وجہ سے انکو پروا نہ ہوتی اور ہفتہ دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جسکا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی مقدار ایسی ہے کہ جسمیں آنکھیں گڑھ جاتی ہیں اور نفس تھک کر رہ جاتا ہے اور ہم نے بیشمار اس بات کا تجربہ کیا ہے اور ان امور کے لحاظ سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دن کا انضباط کیا جاوے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں اور عاشورہ کے دن اسی حساب سے انکو روزہ رکھنے کا دستور ہے اور مہینے کا انضباط چاند سے چاند تک ہونا ضروری تھا کیونکہ عرب کے نزدیک چاند سے چاند تک مہینہ ہوتا ہے اور شمسی مہینوں سے وہ حساب نہیں کرتے اور جب کہ مہینہ مقرر کرنے اور تمام لوگوں عرب و عجم کے انضباط کی ضرورت ہوئی لہذا انکو اس امر کی ضرورت ہوئی کہ اس مہینہ کا اختیار نہ دیا جاوے تاکہ ہر شخص اپنے لئے ایک مہینہ کو جسمیں روزے رکھنے آسان ہوں پسند کر لیا کرے اسلئے کہ اس سے عذر کرنے اور بچکر نکل جانے کا موقع ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دروازہ کا بند کرنا اور اسلام کے ایک عظیم الشان عبادت کا گمنام کر دینا ہے اور نیز مسلمانوں کے بڑے بڑے عظیم الشان گروہوں کا ایک زمانہ میں ایک چیز پر اجتماع کرنا اور ایک کا دوسرے کو دیکھنا انکے نزدیک اس عبادت کے آسان ہونے اور ہمت کے عمل پر متحرک ہونے کا سبب ہے اور نیز ان کا یہ اجتماع قوت ملکیہ کے برکات کے نازل ہونے کا باعث ہوتا ہے اور جو انمیں سے کاملین ہیں [illegible] درجہ کے لوگوں پر ان کے انوار کا پرتو پڑنے اور انکی دعاؤں کے شامل ہو جانے کا موقع ہے اور جب کسی مہینے کا مقرر کرنا ضروری ہو تو اس مہینے کو

کوئی مہینہ زیادہ مناسب نہیں ہے جس میں قرآن کا نزول اور ملت محمدی کی تکمیل ہوئی ہے اور شب قدر کے پائے جانے کا بھی
اسی مہینے میں قوی احتمال ہے چنانچہ عنقریب اسکا ذکر آتا ہے۔ پھر اس مرتبہ کا بھی بیان کرنا ضروری ہوا جو ہر عاقل و ہوشیار
اور ہر نوبالغ و مشغول کیلئے لازمی ہے اور جس میں کوتاہی کرنے سے اصل حکم میں کوتاہی لازم آتی ہے اور کمال کے مرتبہ کا بھی بیان
کرنا ضروری تھا جو متقین اور سابقین کا دستور رہا ہے سو اول مرتبہ رمضان کا روزہ رکھنا اور نماز پنجگانہ پر کفایت کرنا ہے۔
چنانچہ آپ نے فرمایا ہے من صلی العشاء والصبح فی جماعۃ فکانما قام اللیل یعنی جس نے عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا
اس نے تمام شب عبادت کی۔ اور دوسرا مرتبہ پہلے مرتبہ پر کمیت اور کیفیت میں بڑھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں
تمام شب عبادت کرنا اور زبان اور تمام اعضاء کو گناہوں سے پاک رکھنا اور شوال کے مہینے میں چھ روزے اور ہر مہینے میں تین روزے
اور عاشورہ اور عرفہ کا روزہ رکھنا اور رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کا کرنا یہ مقدمات جو ہم نے بیان کئے ہیں روزہ کے
باب میں اصول کے قائم مقام ہیں جب یہ مقدمات ثابت ہو گئے تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنا چاہتے ہیں جو روزہ کے
باب میں وارد ہوئی ہیں۔

روزہ کی فضیلت کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنۃ۔ اور ایک روایت میں ابواب الرحمۃ
آیا ہے وغلقت ابواب جہنم وسلسلت الشیاطین جب رمضان آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور
جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں باندھے جاتے ہیں میں کہتا ہوں کہ فضیلت رمضان کی عین میں صرف مسلمانوں کے اوپر ہے
کیونکہ کفار رمضان کے مہینہ میں بہ نسبت اور مہینوں کے زیادہ اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں کیونکہ شعائر الٰہی کی ہتک
کرنے میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں مگر مسلمان جب روزہ رکھتے ہیں اور شب کو بیداری کرتے ہیں اور جو انہیں سے
کاملین ہیں وہ نور الٰہی کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور انکی دعا سب مسلمانوں کو احاطہ کر لیتی ہے اور انکے انوار کا اور
برکت کے لوگوں پر پرتو پڑتا ہے اور انکی تمام گرد و پیش چھا جاتی ہے اور ہر شخص اپنی اپنی قابلیت کے موافق عبادات سے
قربت حاصل کرتا ہے اور معاصی سے اجتناب کرتا ہے تو یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ انکے لئے جنت کے دروازے
مفتوح کر دیے گئے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے گئے کیونکہ فی الحقیقت جنت خدا تعالے کی رحمت اور جہنم خدا تعالے
کی پھٹکار کا نام ہے اسلئے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کا ایک صفت پر متفق ہو جانا اسکے موافق خدا تعالے کے جود کو
متوجہ کرتا ہے جیسا کہ تحقیق ... میں ہم نے بیان کیا ہے اور یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ شیاطین مقید کر دیے
گئے اور بجائے ان کے ملائکہ منتشر کر دئے گئے اسلئے کہ شیطان کا اثر اسی شخص میں ہوتا ہے جس نفس میں اس کا اثر
قبول کرنے کی قابلیت ہے اور قوت بہیمی کے غلبہ سے یہ قابلیت ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے مغلوب
ہو جاتی ہے اور ملائکہ ان لوگوں کے پاس آتے ہیں جن میں ان کے اثر قبول کرنے کی لیاقت ہے اور وہ لیاقت
قوت ملکی کے ظہور سے ہوتی ہے اور روزہ کے سبب قوت ملکی کا ظہور ہو جاتا ہے اور نیز رمضان میں اس رات کے

ہونے کا قوی احتمال ہے جسمیں تمام امور ملکی کی تقسیم ہوتی ہے پس مجالست رفت میں انوار ملکیہ کا انتشار ہو جاتا ہے
اور انکے نفوس کا انقباض ہو جاتا ہے. آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من صام شہر رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ
ما تقدم من ذنبہ یعنی جو شخص ایمان اور طلب ثواب کے ارادے سے رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کے تمام پہلے
گناہ بخشے جاتے ہیں میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے میں قوت ملکی کے غالب ہونے
اور قوت بہیمی کے مغلوب ہونے کا قوی احتمال ہے اور خدا تعالے کی رضامندی اور اس کے دریائے رحمت میں غرق
ہو جانے کے لئے یہ کافی مقدار ہے لہذا یہ بات ضروری ہے کہ اس کے سبب سے نفس ایک حال سے دوسرے
حال کیطرف متوجہ ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم
من ذنبہ جس شخص نے ایمان کے سبب اور طلب ثواب کے قصد سے شب قدر میں عبادت کی اسکے سب گناہ پہلے
بخشے گئے اسکا سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ روحانیت کے انتشار اور عالم مثال کے غلبہ کے ظاہر ہوتے وقت جب
دلی عبادت پائی جاتی ہے تو اس کے اندر اس عبادت کا وہ اثر ہوتا ہے جو غیر اوقات میں کئی مرتبہ اس عبادت کے کرنے
سے نہیں ہوتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنۃ بعشر امثالہا الی سبعمائۃ ضعف
انسان کا ہر عمل بڑھجاتا ہے نیکی کا ثواب دس مثل سے سات سو مثل تک بڑھتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے الا الصوم فانہ
لی وانا اجزی بہ یدع شہوتہ وطعامہ من اجلی بجز روزے کے کہ وہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دونگا روزہ دار
میرے ہی خاطر اپنی خواہش اور کھانے کو ترک کردیتا ہے میں کہتا ہوں کہ نیکی کے بڑھجانے کا سبب یہ ہے کہ انسان
جب مرجاتا ہے اور قوت بہیمی کی مدد منقطع ہو جاتی ہے اور جو حالتیں اسکے مناسب تھیں وہ ان سے روگردانی کرلیتا
ہے تو قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور اسکے انوار بھی روشن ہو جاتے ہیں اور اعمال کی جزا و سزا ملنے کا یہی سبب ہے
پس اگر نیک عمل ہوتا ہے تو تھوڑا سا عمل بھی قوت ملکیہ کے ظہور اور اس عمل کے اسکے مناسب ہونے کے سبب سے
سو مثل بہت ہو جاتا ہے اور روزہ کے مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا نامہ اعمال میں لکھا جانا اسطرح پر ہوتا ہے
کہ ہر عمل کی صورت عالم مثال کے ایک مقام پر جو اس شخص کے لئے خاص ہے اسطرح متصور ہوتی ہے کہ ٹھیک جب
اسکے عمل کی جزا کی صورت جب وہ شخص جسمانی حجابات سے علیحدہ ہو جاتا ہے ظاہر ہوجاتی ہے اور بسا اوقات ہمنے اس
امر کا مشاہدہ کیا ہے اور نیز اس امر کا مشاہدہ کیا ہے کہ بسا اوقات اس امر کے جزا کے ظاہر کرنے میں جو شہوات نفسانیہ کے
ساتھ مجاہدہ کے قبیلہ سے ہے ملائکہ کو جو اعمال کے جزا لکھنے پر مامور ہیں توقف ہوتا ہے اسلئے کہ اسکے ظاہر کرنے میں اس خلق
کی مقدار معلوم کرنے کو دخل ہے جو نفس کو اس عمل پر آمادہ کرتی ہے اور وہ ملائکہ اسکے مرتبے سے ناواقف ہیں اور انکو اس کا
علم وجدانی نہیں ہے یہی وجہ ہے جو کفارات اور درجات کے لکھنے میں باہم نزاع کرتے ہیں چنانچہ حدیث شریف
میں وارد ہوا ہے خدا تعالے ان کی طرف وحی کرتا ہے کہ اس عمل کو بعینہ لکھ لو اور اس کی جزا میرے سپرد کردو
اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ میرا بندہ صائم اپنی خواہش اور کھانے کو میری خاطر ترک کرتا ہے اس میں اس بات کی
طرف اشارہ ہے کہ روزہ ان کفارات سے ہے جن کے عمل میں لانے سے نفس بہیمی کو تکلیف ہوتی ہے اور اس حدیث

کے لئے ایک پیش او رسب سے پہلی طرف اسرار الصوم میں تھا، دیکھا ہے اس کو وہاں دیکھنا چاہئے اور آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے للصوم فرحتان فرحۃ عند فطرہ وفرحۃ عند لقاء ربہ روزہ کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک تو افطار کے وقت اور
ایک جس وقت خدا تعالےٰ سے ملیگا۔ پہلی خوشی تو طبعی ہے کہ روزہ افطار کرنے سے نفس کو جس چیز کی خواہش تھی ملجاتی
ہے اور دوسری روحانی فرحت ہے اس واسطے کہ روزہ کی وجہ سے روزہ دار حجاب جسمانی سے علیحدہ ہونے اور عالم
بالا سے علم الیقین کا فیضان ہونے کے بعد تقدس کے آثار ظاہر ہونے کے قابل ہوجاتا ہے جس طرح نماز کی سبب سے
تجلی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فلا تغلبوا علی صلوٰۃ قبل الطلوع وقبل الغروب
تاکہ طلوع وغروب کے پہلے کسی نماز پر مغلوب نہ کئے جاؤ اور اس مقام پر اور بہت سے اسرار ہیں جن کے ظاہر کرنے
کی اس کتاب میں گنجایش نہیں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ
من ریح المسک البتہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ میرے
نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ عبادت کے پسندیدہ ہونے سے اسکا اثر بھی پسندیدہ ہوجاتا ہے اور عالم مثال میں
بجائے عبادت کے وہ اثر متمثل ہوجاتا ہے اس لئے آپ نے اسکے سبب سے ملائکہ کو خوشی پیدا ہونے و اللہ پاک
کی رضامندی کو ایک پلہ میں اور بنی آدم کو مشک کے سونگھنے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اس کو ایک پلہ میں رکھا تاکہ
یہ رمز غیبی ان کے لئے ظاہر ہوجاوے اور نیز آپ نے فرمایا ہے الصیام جنۃ روزے ڈھال ہیں میرے نزدیک
اسکا یہ سبب ہے کہ روزہ شیطان اور نفس کے ضرر سے بچاتا ہے اور انسان کو ان دونوں کے اثر سے دور کردیتا ہے
اور ان دونوں کو انسان سے کینہ ہوجاتا ہے لہذا مناسب ہو، کہ کامل طور پر اسکو ڈھال بنایا جائے، اور اسکی یہ صورت
ہے کہ آدمی اپنی زبان کو اقوال اور افعال شہوانی سے محفوظ رکھے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ روزہ دار بری بات زبان سے
نہ نکالے اور قوی بہیمیہ کے افعال سے محفوظ رکھے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ شور وشغب نہ کرے اور اقوال کی طرف اس
قول سے اشارہ کیا ہے کہ اگر اسکو کوئی برا کہے اور افعال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یا اس سے کوئی لڑے فلیقل انی
صائم تو اس سے یہ کہدینا چاہئے کہ میں روزہ دار ہوں بعض کے نزدیک تو اس کو زبان ہی سے یہ کہدینا چاہئے اور
بعض کہتے ہیں دل میں یہ کہے اور بعض کے نزدیک نفل کے روزے اور فرض کے روزے میں فرق ہے
مگر ہر ایک میں گنجایش کا موقع ہے۔

روزے کے احکام کا بیان

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تصوموا حتی تروا الہلال ولا تفطروا حتی تروہ الخ مت روزہ رکھو
جبتک کہ چاند دیکھ لو اور نہ بغیر دیکھے ہوئے افطار کرو پھر اگر ابر ہوجائے تو اس کا اندازہ کرلو اور ایک روایت میں
آیا ہے کہ تیس روز پورے کرلو میں کہتا ہوں کہ چونکہ روزے کا زمانہ قمری مہینے کے ساتھ رویت ہلال کے اعتبار
سے منضبط تھا اور وہ کبھی تیس دن اور کبھی انتیس روز کا ہوتا ہے لہذا اشتباہ کی صورت میں اس اصل کی طرف

جو کرنا ہوا اور نیز اسلام کی شان اور یہ ہے کہ جن کو بے پڑھے لوگ بھی جانتے ہیں تعمق اور محاسبات نجومیہ پر انکا مبنی نہیں
ہے بلکہ شریعت تو ان چیزوں کے مٹانے کے لئے آئی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحن امۃ
امیۃ لانکتب ولا نحسب یعنی ہم بے پڑھی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے شہرا عید لا ینقصان رمضان و ذوالحجۃ یعنی عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے وہ رمضان اور ذوالحجہ ہیں بعض لوگ اسکے
یہ معنی کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا جو یہ دونوں مہینے انتیس انتیس کے ہوں۔ اور بعض کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ تیس
انتیس کا اجر برابر ملتا ہے اور یہ آخیر معنی قواعد شرعیہ کے لحاظ سے زیادہ چسپان ہوتے ہیں گویا آپ نے اس بات کا
دفع کرنا چاہا کہ کسی کے دل میں کسی بات کا وہم نہ گذرے اور معلوم کرو کہ روزے کے باب میں تعمق کے اسباب مسدود
کرنا اور جو باتیں لوگوں نے تعمق کرنے کے لئے پیدا کرلی ہیں اس کا رد کرنا مقاصد ضروریہ سے تھا کیونکہ روزہ ایسی عبادت
ہے کہ تمام یہود و نصاریٰ و عرب میں سے ان لوگوں میں جنہوں نے اہل کتاب کا دین پسند کیا تھا شائع اور جاری تھا
اور چونکہ انہوں نے اسبات کا خیال کیا کہ روزہ فی الحقیقت نفس کے مغلوب کرنیکا نام ہے لہذا انہوں نے تعمق کر کے اپنی طرف سے روزہ کے اندر ایجاد کر دیئے جنسے
زیادہ نفس مغلوب ہو سکتا ہے اور اسکے اندر ملت الٰہی کی تحریف لازم آتی تھی اور ان امور میں تو کمیت کی زیادتی پائی جاتی تھی یا کیفیت کی کمیت کی زیادتی کو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح منع فرمایا لا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین الا تم میں سے کوئی رمضان کی پیشقدمی
نہ کرے ایک دن یا دو دن کے روزے سے مگر جس شخص کی کسی خاص دن روزہ رکھنے کی عادت ہو وہ اس روز روزہ
رکھے۔ اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور شک کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے اسکا سبب
یہ ہے کہ رمضان کا روزہ رکھنے اور ان دنوں کے روزہ رکھنے میں کچھ فرق نہیں ہے لہذا اگر کبھی لوگ ان دنوں میں
روزہ رکھنے کا طریقہ اختیار کر لیتے تو ان کے بعد جو طبقہ پیدا ہوتا اسی طریقہ کو وہ بھی اپنے اندر جاری رکھتا اور اسی طرح
اس کے بعد کا طبقہ حتےٰ کہ دین میں تحریف لازم آتی اور تعمق فی الحقیقت اس بات کا نام ہے کہ احتیاط کی جگہ کو کوئی
شخص اپنے اوپر لازم کر لیوے اور شک کا دن اسی میں داخل ہے اور کیفیت کے اندر زیادتی سے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے اسی طرح منع کیا ہے کہ آپ نے لوگوں کو صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور سحری کھانے کی رغبت دلائی
ہے اور سحری کے دیر سے کھانے اور روزے کے جلد کھولنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ سب باتیں تشدد اور تعمق پر
مبنی ہیں اور جاہلیت کے افعال میں سے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اذا انتصف شعبان فلا
تصوموا جب نصف مہینہ شعبان کا گذر جاوے اس میں روزے مت رکھو اور حضرت ام سلمیٰ کی اس حدیث میں کچھ مخالفت
نہیں ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بجز شعبان اور رمضان کے کبھی پے در پے دو مہینے کے روزے
رکھتے نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بسا اوقات بنفس نفیس وہ خود یہ افعال کیا کرتے تھے کہ جنکا اپنی
امت کو حکم نہیں دیا کرتے تھے اکثر یہ افعال اس بات کے بند کرنے اور احتمالات کلیہ کے مقرر کرنے کے قبیلہ سے
ہوتے تھے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس بات سے مامون تھے کہ کسی شے کو بیجا استعمال کریں یا جس حد تک
ان افعال کو عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بڑھکر ملال خاطر اور ضعف جسمانی کی طرف نوبت پہونچا دے جو آپ

کہ کوئی شخص اس بات سے امون نہیں ہے لہٰذا ان کے لئے قانون شرعی کے مقرر کرنے اور باب تعمق کے بند کرنے کی حاجت ہے یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کو منع فرماتے تھے اور آپ کے لئے وہ بلا اس سے بھی زیادہ اور حلال کی گئی تھیں کیونکہ منع کرنے کی علت یہ ہے کہ ظلم لازم نہ آوے۔ چاند کا دیکھنا ایک مسلمان عادل یا مستور الحال کے اس بات کی گواہی دینے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور دونوں صورتوں میں چاند کا ثابت ہو جانا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک شخص اعرابی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اس بات کا اعلان کر دے کہ کل کو لوگ روزہ رکھیں اور ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے رویت ہلال بیان کی تو آپ نے روزہ رکھ لیا اور جس قدر امور دینیہ ہیں ان سب کا یہی حکم ہے اور ان کا حال مثل روایت حدیث کے ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تسحروا فان فی السحور برکۃ سحری کھاؤ کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے میں کہتا ہوں اس میں دو برکتیں ہیں دین کی اصلاح کے لحاظ سے یہ برکت ہے کہ بدن ضعیف نہیں ہوتا اس لئے کہ روزہ کی مقدار پورے دن بھر کے ان چیزوں سے باز رہنے کی ہے اس مقدار میں زیادتی نہ کرنی چاہئے اور دوسری برکت تدبیر دینی کے اعتبار سے ہے اور وہ یہ ہے کہ دین کے اندر لوگ وہم نہ کیا کریں اور تحریف اور تغیر اس میں نہ ہونے پاویں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر جب تک لوگ افطار جلدی کرتے رہیں گے خیریت سے رہیں گے اور نیز آپ نے فرمایا ہے فصل ما بین صیامنا وصیام اہل الکتاب اکلۃ السحر ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق سحری کھانے کا ہے اور اللہ پاک نے فرمایا ہے احب عبادی الی اعجلہم فطرا اپنے بندوں میں سے وہ بندہ مجھے زیادہ پسند ہے جو افطار میں تعجیل کرے میں کہتا ہوں اس بات میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے لہٰذا ان کی مخالفت کرنے اور ان کی تحریف دور کرنے میں ملت اسلام کا قیام ہے اور نیز آپ نے جب لوگوں کو صوم وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھنے سے منع کیا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم میں مجھ سا کون ہے مجھکو تو اللہ پاک شب میں کھلاتا ہے اور پلاتا ہے میرے نزدیک صوم وصال سے منع کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو یہ ہے کہ یہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ ہو جیسے ہم بیان کر چکے ہیں دوسرے یہ کہ دین کی تحریف لازم نہ آوے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ میرے لئے صوم وصال ہلاکت کا باعث نہیں ہو سکتا کیونکہ مجھکو قوت ملکیہ نوریہ سے تائید ہوتی رہتی ہے اور آپ سب قباحتوں سے امون ہیں اور آپ کے اس قول میں کہ جو شخص فجر سے روزہ کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا ہے اور آپ کے اس قول میں انی اذا صائم یعنی جس وقت کھانا نہ ملے تو پھر کہ میں روزہ رکھنے والا ہوں اس لئے کہ آپ کا قول اول روزہ فرض میں ہے اور دوسرا روزہ نفل میں اور نفی سے مراد نفی کمال ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا سمع النداء احدکم۔

جب کوئی تم میں کا اذان سُنے اور ہاتھ میں برتن ہو جبتک اپنی حاجت پوری نہ کرے اُس کو نہ رکھے۔ میں کہتا ہوں کہ اذان
سے مراد اذان خاص ہے اور وہ اذان بلال پر اخذ ہے اور یہ حدیث حدیث ان بلالا ینادی بلیل کا مختصر ہے اور
نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃ جب کوئی تم میں کا روزہ کھولے تو چھوارے
سے کھولے اس لئے کہ اس سے روزہ کھولنے میں برکت ہے اور اگر اس کو نہ پائے تو پانی سے کھولے اس لئے
کہ وہ پاک چیز ہے میں کہتا ہوں شیریں چیز کی طرف طبیعت کو خصوصاً بھوک کی حالت میں میلان ہوتا ہے اور جگر کو
شیریں چیز سے الفت ہوتی ہے اور عرب کے طبائع چھوارے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طبیعت کے میلان کو
اپنی مناسب چیز میں اثر ہوتا ہے پس لامحالہ وہ اُس کو بند کے مناسب موقع پر استعمال کر لیتی ہے اور یہ ایک قسم کی
برکت ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے من فطر صائما او جہز غازیا فان لہ مثل اجرہ۔ جو شخص روزہ دار کا روزہ کھلائے
یا مجاہد کے لئے سامان جنگ کرا دے تو اُس شخص کو بھی صائم و مجاہد کے ثواب ملیگا۔ میں کہتا ہوں جو شخص روزہ دار
کا روزہ اس غرض سے افطار کرا دے کہ وہ شخص روزہ دار واجب التعظیم ہے تو اُس کا یہ روزہ افطار کرانا ایک قسم کا
صدقہ اور روزہ کی تعظیم اور اہل جماعت کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس جب اُس کے اس عمل کی صورت نامہ عمل
میں متمثل ہوئی تو کوئی طرح پر وہ صورت روزہ کے معنی پر مشتمل تھی لہذا روزے کے ساتھ اُس کو جزا دیگئی۔ روزہ افطار
کرنے کے وقت ان کلمات کا کہنا سنت ہے ذہب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ اور ان کلمات
کے اندر ان حالتوں پر شکر ہے جن کو انسانی طبیعت یا اُس کے ساتھ اُس کی عقل بھی پسند کرتی ہے اور ان کلمات
کا کہنا بھی آیا ہے اللہم لک صمت وعلی رزقک افطرت۔ ان کلمات میں عمل اخلاص اور نعمت پر شکر کرنے کی تاکید ہے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا یصوم احدکم یوم الجمعۃ الا ان یصوم قبلہ او بعدہ۔ تم میں سے کوئی شخص
جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر ہاں یہ کرے کہ اُس سے پہلے یا بعد رکھ لیا کرے اور فرمایا ہے لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ الحدیث
راتوں میں سے شب جمعہ کو قیام کے ساتھ مت خاص کرو میرے نزدیک اُس میں دو حکمتیں ہیں ایک تو تعمق کا
بند کرنا کیونکہ شارع نے روز جمعہ کو خاص خاص عبادات سے مخصوص کیا ہے اور اور دونوں پر اُس کی فضیلت بیان
کی ہے اس سے اس بات کا احتمال قوی تھا کہ تعمق کر کے لوگ اور عبادات کے ساتھ جمعہ کے اندر روزے کی عبادت
کو بھی داخل کر لیتے۔ دوسری حکمت عید کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ عید سے خوشی اور لذائذ کا حاصل کرنا مفہوم ہوتا
ہے اور جمعہ کے عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس بات کا خیال رہے کہ جمعہ کے اندر اس قسم کا اجتماع
ہوتا ہے جس کی طرف اُن کے دل راغب ہوتے ہیں اور اُس میں جبر نہیں ہوتا اور نیز آپ نے فرمایا ہے لا صوم
فی یومین الفطر والاضحیٰ۔ دو دنوں میں روزہ جائز نہیں ایک عید الفطر دوسری عید الاضحیٰ اور فرمایا ہے ایام التشریق ایام اکل
وشرب وذکر اللہ۔ ایام تشریق کھانے اور پینے اور خدا تعالےٰ کے یاد کرنے کے دن ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کے
اندر عید کے معنی کا ثابت کرنا اور خشک عبادت اور دین کے اندر تعمق کرنے سے اُن کی طبائع کا پھیرنا ہے اور
فرمایا ہے لا یحل لامرأۃ ان تصوم وزوجہا شاہد الا باذنہ۔ کسی عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں بلا اُس کی اجازت کے

روزہ رکھنا درست نہیں ہے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ ایسے وقت میں روزہ رکھنے سے خاوند کے بعض حقوق تلف ہوتے ہیں اور اس کی بشاشت اور دل لگی میں فرق آتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں الصائم المتطوع یملک نفسہ ان شاء صام وان شاء افطر نفل کا روزہ رکھنے والا اپنی ذات کا مختار ہے چاہے روزہ رکھے چاہے توڑ دے اور اس قول میں جو حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا ہے اقضیا یوما آخر مکانہ اس کی جگہ دوسرے دن تم روزہ قضا کر لیو کچھ مخالفت نہیں ہے اس لئے کہ قول اول کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر وہ روزہ دار چاہے اپنے اوپر لازم کر کے روزہ توڑ دے اور آپ نے ممکن ہے ان دونوں کو بطور استحباب کے قضا کا حکم دیا ہو کیونکہ جس چیز کو لازم کر لیا ہے اس کے پورا ہی کرنے سے دل کو اطمینان ہوتا ہے یا آپ نے ان کے دلوں میں اس بات کی طرف سے وقت کا لاحظہ فرما کے خاص کر یہ حکم دیا ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رجعوا بحجۃ وعمرۃ ورجعت بحجۃ فامرنا من التنعیم۔ وہ تو ایک حج و عمرہ کر کے واپس ہوئے ہیں اور میں ایک حج کر کے اب مقام تنعیم سے عمرہ کروں گی اور آپ نے فرمایا من نسی وہو صائم فاکل او شرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ۔ اگر روزہ دار روزہ کی حالت میں کھا لے یا کچھ پی لے تو اس کو اپنا روزہ پورا کر لینا چاہئے کیونکہ خدا ہی اس کو کھلاتا پلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں صرف روزہ کے اندر نسیان کی حالت میں اللہ تعالےٰ نے آدمی کو معذور رکھا ہے اور کسی عبادت میں بھولنے سے وہ معذور نہیں ہوتا اس لئے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں پائی جاتی جس سے اس کو روزہ یاد رہے بخلاف اور احرام کے کہ ان دونوں کے اندر اس قسم کی ہیئت پائی جاتی ہے مثلاً قبلہ رخ کھڑا ہونا اور بے سلا ہوا کپڑا پہننا لہٰذا روزہ کے اندر معذور رکھنا مناسب ہوا اور ایک مرتبہ رمضان کے دن میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تو آپ نے اس سے فرمایا اعتق رقبۃ یعنی ایک غلام آزاد کر۔ میں کہتا ہوں جب اس شخص نے شعائر الٰہی کی حرمت کا ہتک کیا جس کا منشاء افراط طبعی تھا لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کے مقابلے میں اس کے اوپر ایک ایسی عبادت واجب کی جائے جو اس کے نفس پر نہایت شاق ہو تاکہ اس کے سامنے اس کی صورت پیش رہے اور نفس کے غالب ہونے سے اس شخص کو باز رکھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرنے اور یہ فرمانے کہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا تعالےٰ کو مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ ایسے کلام سے مبالغہ مقصود ہوا کرتا ہے گویا آپ نے یہ فرمایا ہے کہ گویا وہ شخص خدا تعالےٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ اس کے منہ کی بدبو بھی اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور نیز ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس من البر الصیام فی السفر ذہب المفطرون بالاجر سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے جو لوگ روزہ نہیں رکھتے وہ ماجور ہیں اور فرمایا ہے من کانت لہ حمولۃ تاوی الی شبع فلیصم رمضان اوہ رکہ یعنی جس شخص کے پاس سواری ہو جو منزل تک اس کو آرام سے پہونچا سکے تو رمضان کو جس جگہ پائے روزہ رکھے اس لئے کہ پہلی حدیث اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب روزہ رکھنا شاق ہو جس سے ضعف اور غشی تک نوبت پہونچے چنانچہ راوی کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے قد ظلل علیہ یا مسلمانوں کو ایسی حاجت ہے کہ بغیر افطار کے وہ حاجت پوری نہیں ہو سکتی چنانچہ راوی کہتا ہے فسقط

الصوامون وقام المفطرون یعنے روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ دار کھڑے ہو گئے یا کوئی شخص اپنے دل میں خدمت کی کراہیت کا گمان کرتا ہے، اور اسی قسم کی اسباب کی صورت میں یہ حکم ہے اور دوسرا اُس صورت میں ہے کہ سفر میں چنداں مشقت نہ ہو اور اسباب مذکورہ سے خالی اور نیز ان دو حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے من مات و علیہ صوم صام عنہ ولیہ جس شخص کے ذمہ کوئی روزہ ہو اور وہ مرجائے اس کی طرف سے اُس کا وارث روزہ رکھے اور اُسی کے حق میں فرمایا ہے فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکینا۔ تو اُس کو چاہیے کہ ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلاوے اس لئے کہ دونوں امر میں سے ہر ایک کے کافی ہونے کا احتمال ہے اور اُس میں دو بھید ہیں ایک تو میت کے اعتبار سے کیونکہ بہت سے نفوس جو اپنے ابدان سے مفارقت کرتے ہیں اُن کو اس بات کا ادراک رہتا ہے کہ عبادت میں سے کوئی عبادت جو اُن پر واجب تھی اور اُس کے ترک کرنے سے اُن سے مواخذہ کیا جائیگا اُن سے فوت ہو گئی ہے اس لئے وہ نفوس رنج والم کی حالت میں رہتے ہیں اور اس سبب سے اُن پر وحشت کا دروازہ کھل جاتا ہے ایسے وقت میں اُن پر بڑی شفقت یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ اُس میت کا قریب ہے اسکا شامل کرے اور اس بات کا قصد کرے کہ یہ عمل اس کی طرف سے کرتا ہوں اس شخص کے قرابتی کو مفید ثابت ہوتا ہے یا وہ شخص کوئی اور دوسرا کام مثل اُسی کام کے کرتا ہے اور ایسا ہی اگر ایک شخص نے کسی چیز کے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ بغیر صدقہ کئے مرگیا تو اُسکے وارث کو اُسکی طرف سے صدقہ کرنا چاہیے اور جنازہ کی نماز میں ہم نے جو بیان کیا ہے اگر وہی بیان مردوں سے لے زندوں کے صدقہ کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہو سکتا ہے اور دوسری رمز دین کی اعتبار سے ہے اور وہ تاکید بلیغ کا ثابت ہونا ہے یعنی تاکہ لوگ معلوم کریں کہ روزہ ایسی ضروری عبادت ہے کہ بعد مرنے کے بھی ساقط نہیں ہوتا۔

اُن امور کا بیان جو روزے کے متعلق ہیں

معلوم کرنا چاہئے کہ روزہ کا کمال افعال اور اقوال شہویہ اور سبعیہ اور شیطانیہ سے اُس کا محفوظ رکھنا ہے کیونکہ یہ امور نفس کو اخلاق رذیلہ کی یاد دہانی کرتے ہیں اور اوصاف قبیحہ کی طرف اُس کو برانگیختہ کرتے ہیں اور نیز ان چیزوں سے روزہ کا محفوظ رکھنا جو روزہ ٹوٹنے کے دواعی اور اسباب ہیں۔ پہلے امور کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فلا یرفث ولا یصخب وان سابہ احد اوقاتلہ فلیقل انی امرء صائم یعنی بیہودہ گفتگو نہ کرے اور شور نہ مچائے پھر اگر کوئی شخص اُسکو بُرا کہے یا اُس سے لڑے تو اُس کو یہ کہدینا چاہئے کہ میں روزے سے ہوں اور آپ نے فرمایا ہے من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ۔ جو شخص جھوٹی بات اور اُس پر عمل نہ چھوڑے تو خدا تعالےٰ کو اُسکا کھانا پینا ترک کرنے کی حاجت نہیں ہے یہاں مراد نفی سے نفی کمال کی ہے اور دوسرے امر کے متعلق آپ نے فرمایا ہے افطر الحاجم والمحجوم فان المحجوم تعرض للافطار من الضعف والحاجم لانہ لا یامن۔ الحدیث۔ پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں افطار کریں لگوانے والا تو اس لئے کہ ضعف کے سبب سے وہ افطار کے قابل ہو گیا اور لگانے والا اس لئے کہ

سینگی کے چوٹنے سے اس کی حلق کے اندر کسی چیز کے پہونچنے کا احتمال ہے اور بوسہ لینا اور مباشرت بھی اسی قبیل سے ہے اور لوگوں نے اس کے اندر زیادہ افراط اور تعمق کر لیا تھا اور قریب تھا کہ اس کو رکن کے مرتبہ میں قرار دیں اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور فعلاً اس بات کا بیان کر دیا کہ اس سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ اس میں کچھ نقصان لازم آتا ہے اور رخصت کے لفظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ آپ کے سوا دوسرے کے لئے یہ چیزیں مکروہ ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو شریعت کے بیان کرنے پر مامور ہی تھے لہذا آپ کے حق میں تکانز بالاولیٰ تھا اور ایسی تمام ان چیزوں کا حال ہے جن میں محسنین کے درجہ سے عام مومنین کے درجہ کی طرف تنزل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

روزہ کے اندر انبیاء علیہ السلام کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ نوح علیہ السلام تو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز رکھتے تھے اور دو روز یا کئی روز نہ رکھتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بذات خود کبھی اس قدر رکھتے تھے کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپ کبھی نہ چھوڑینگے اور کبھی اس قدر چھوڑتے تھے۔ کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپ روزہ نہ رکھینگے مگر بجز مہینہ رمضان کے پورے کسی مہینہ کے نہ رکھتے تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ روزہ فی الواقع ایک تریاق ہے اور تریاق کا استعمال مرض کی مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی امت کے لوگ نہایت مضبوط ہوتے تھے چنانچہ ان کے بڑے بڑے حالات مروی ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی نہایت قوی اور مضبوط آدمی تھے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وکان لایفر اذا لاقی یعنی جب کسی سے بھڑ جاتے تھے تو بھاگتے نہ تھے۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام ضعیف البدن اور فارغ البال تھے اور نہ ان کے گھر تھا اور نہ ان کے پاس کچھ مال تھا ان میں سے ہر ایک نے جو صورت حال کے مناسب دیکھی اسکو پسند کر لیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے فوائد سے خوب واقف تھے اور اپنے حال اور اس کے مناسب افعال سے خوب واقف تھے لہذا مصلحت وقت کے اعتبار سے جو آپ نے مناسب سمجھا اس کو اختیار کیا اور اپنی امت کے لئے بھی درمیان کے چند روزے پسند کئے انا نجملہ عاشورہ کا روزہ اور اس کے مشروعیت میں یہ رمز ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کی مدد کی ہے اور اس روز موسےٰ علیہ السلام نے اس کے شکر میں روزہ رکھا ہے اور اس روزہ کا اہل کتاب اور عرب میں دستور تھا لہذا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا اور ایک عرفہ کا روزہ ہے اس میں یہ رمز ہے کہ اس روزے سے حاجیوں کے ساتھ تشابہت و ان کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے جس رحمت کا نزول انپر ہوتا ہے ادھر بھی اس کی توجہ ہو جاتی ہے اور عاشورہ کے روزہ پر اس روزہ کو فضیلت حاصل ہونے کا یہ سبب ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنا فی الحقیقت اس رحمت الٰہی کے دریا میں غرق ہو جانا ہے جو اس وقت بندوں پر نازل ہو رہی ہے اور عاشورہ کے روزہ کا اس رحمت کا اپنی طرف متوجہ کرنا منظور ہے جو گذر چکی لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب رحمت الٰہی کے دریا میں غرق ہونے کے ثمرہ کی طرف ملاحظہ کیا جس کی وجہ سے گناہ سابق محو ہو جاتے ہیں اور گناہ لاحق سے بعد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ آدمی کا دل ان کو قبول نہیں کرتا تو یہ ثمرہ آپ نے عرفہ کے روزے میں مقرر کیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا

اُس کی وجہ وہی ہے جو قربانی اور عید کی نماز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان سب امور کا منا حجاج کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے
پر ہے اور مشابہت اُنہیں لوگوں کو پیدا کرنی چاہئے جو حجاج نہیں ہیں اور ایک شوال کے چھ روزے ہیں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من صام صیام رمضان فاتبعہ ستاً من شوال کان کصیام الدھر کلہ۔ جو شخص رمضان کے روزے
رکھ اُس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے اور ان روزوں کی
مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں
فائدہ کی تکمیل ہوجاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ نہیں حاصل کرتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات کہ ان کی
وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس واسطے مخصوص کئے گئے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک
نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہوسکتا ہے یعنی تیس اور چھ چھتیس ہوئے
اور چھتیس دہائی تین سو ساٹھ ہوتے ہیں جو ایک سال کے دن ہیں اور ایک ہر ماہ میں تین روزوں کا رکھنا ہے کیونکہ
وہ بھی اسی حساب سے سال بھر کے روزوں کے برابر ہیں اور تین کی مقدار کثرت کا ادنےٰ درجہ ہے اب اس بات
میں روایت مختلف ہے کہ کون سے تین روزے رکھنا چاہئیں ایک روایت میں تو آیا ہے اے ابوذر اگر مہینے میں تو تین
روزے رکھے تو مہینے کی تیرہویں اور چودھویں اور پندرہویں کو رکھا کر اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم ایک مہینے میں ہفتہ اور اتوار اور پیر کے دن اور دوسرے مہینے میں منگل بدھ جمعرات کے روزے رکھا کرتے
تھے اور ہر مہینے کی پہلی تاریخ سے بھی تین دن روزے رکھنا ایک روایت میں آیا ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُم سلمہ کو تین دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا جن کا پہلا دن پیر یا جمعرات ہے
اور ہر ایک کے لئے کچھ نہ کچھ سبب ہے اور معلوم کرنا چاہئے کہ شب قدر کی دو راتیں ہیں ایک تو وہ رات جس میں
تمام امور حکمیہ کی تقسیم ہوتی ہے اور اسی رات میں پورا قرآن پہلے آسمان پر اترا ہے بعد ازاں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا
رہا تھا یہ شب سال بھر میں ایک رات ہوتی ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ ماہ رمضان ہی میں ہو البتہ رمضان کے مہینے
میں اس کے پائے جانے کا احتمال قوی ہے اور جس سال قرآن اترا ہے تو اس سال یہ رات رمضان کے مہینے میں
ہوئی ہے اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا عالم کے اندر پھیلاؤ ہوتا ہے اور اس شب میں ملائکہ
مقربین کا زمین کی طرف نزول ہوتا ہے اور مسلمان لوگ اتفاق سے اس شب میں عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور
باہم ان کے انوار کا ظل ایک دوسرے پر پڑتا ہے تو ملائکہ سے اُن کو قرب ہوجاتا ہے اور شیاطین اُن سے دور ہوجاتے
ہیں اور ان کی دعائیں اور عبادتیں مقبول ہوتی ہیں اور یہ شب رمضان کے اخیر عشرہ وہ میں طاق تاریخوں میں مقدم و مؤخر ہوتی
رہتی ہے لیکن عشرہ اخیرہ سے باہر نہیں ہوتی تو جو شخص شب قدر سے پہلی شب مراد لیتا ہے اس کا تو یہ قول ہے کہ
شب قدر سال بھر گھومتی پھرتی ہوتی ہے اور جو شخص شب قدر سے دوسری شب قدر مراد لیتا ہے اس کا یہ قول ہے
کہ رمضان کے آخر عشرہ میں ہوتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں تمہاری خواب کو ستائیسویں
شب میں متفق پاتا ہوں اور جس شخص کو اس شب کی تلاش ہو وہ ستائیسویں رات میں تلاش کرے اور آپ نے فرمایا ڈھونڈو

رات دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے اس کی صبح کو اپنے آپ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا اور یہ بات اکیسویں شب میں دیکھی گئی یعنی اکیسویں شب کی صبح کو لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا اثر دیکھا اور صحابہؓ کے درمیان شب قدر میں خلاف ہے اُس کا منبع شب قدر کے دیکھنے پر ہے جو شخص شب قدر کو دیکھے اُس کو یہ دعا پڑھنی چاہئے اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی اور مسجد کے اندر اعتکاف کرنا دلجمعی اور قلب کی صفائی اور عبادت کیلئے فراغت اور ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے اور شب قدر کے لئے منتظر رہنے کا سبب ہے اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو اخیر عشرہ میں پسند کیا اور اپنی امت کے محسنین کے لئے اُس کو مقرر فرمایا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں معتکف کی سنت ہے کہ کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے اور کسی کے جنازے میں نہ شریک ہو اور عورت کو ہاتھ لگائے نہ صحبت کرے اور بغیر حاجت کے مسجد سے باہر نہ آئے مگر مجبوری کی بات جدی ہے اور بغیر روزے کے اعتکاف نہیں ہوتا اور نہ سوائے جامع مسجد کے کہیں ہوتا ہے اُس کا سبب میرے نزدیک اعتکاف کے معنی کا ثابت کرنا ہے تاکہ عبادت کی قدر اور نفس پر مشقت معلوم ہو اور عبادت کی مخالفت پائی جائے واللہ اعلم۔

یہاں اُن احادیث کا بیان ہے جو حج کے باب میں وارد ہوئی ہیں

حج کے اندر جن مصالح کا لحاظ کیا گیا ہے وہ چند امور ہیں از انجملہ بیت اللہ کی تعظیم ہے کیونکہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم خدا تعالےٰ کی تعظیم ہے اور از انجملہ اجتماع کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ ہر دولت اور ہر ملت کیلئے اجتماع کا ایک دن ہوتا ہے جس میں ادنےٰ و اعلےٰ موجود ہوتے ہیں تاکہ باہم ایک دوسرے سے معرفت حاصل کریں اور ملت کے احکام سیکھیں اور اُس کے شعائر کی تعظیم کریں اسی طرح مسلمانوں کے جمع ہونے اور اُن کی شوکت کے ظاہر ہونے اور اُن کے لشکروں کے جمع ہونے اور دین کی عزت کا دن ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا۔ اور جب کہ اس گھر کو ہم نے گردانا لوگوں کا مرجع اور اُن کے لئے امن کی جگہ اور از انجملہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل سے لوگوں میں جو دستور چلا آتا ہے اُس کے ساتھ موافقت کرنا ہے کیونکہ وہ دونوں ملت حنفی کے امام اور عرب کے لئے اُس کے احکام مقرر کرنے والے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اُسی ملت کا ظاہر کرنا اور سب ملتوں پر اُس کا غالب کرنا مقصود ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ملت ابیکم ابراہیم تمہارے باپ ابراہیم کی ملت لہذا اُس ملت کے اماموں سے جو طریقہ جاری رہا ہے اُس کی محافظت ضروری ہوئی مثلاً فطرت کے خصائل اور حج کے مناسک چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراہیم۔ اور اپنے مشاعر پر وقوف کرو کیونکہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ورثہ میں سے تم کو ورثہ پہونچا ہے اور از انجملہ ایک ایسی بات پر اتفاق کا پایا جانا ہے جس میں ہر خاص و عام کے لئے آسانی ہے جیسے منیٰ میں اُترنا اور مزدلفہ میں شب کو قیام کرنا کیونکہ اگر ایسی بات پر اُن کا اتفاق نہ ہوتا تو اُن کے لئے سختی و دشواری ہوتی اور اگر اس کا علم قطعی نہیں دیا جاتا تو باوجود اس کثرت اور انتشار کے سب لوگ ایک بات پر متفق نہ ہوتے اور از انجملہ ایسے اعمال کا پایا جانا جن سے اُن کے

کرنے والے کا موحد اور حق کا تابع ہونا اور ملت حنفی میں داخل ہونا اور اس ملت کے گذشتہ لوگوں پر جو انعامات ہوئے ہیں ان پر شکر کرنا معلوم ہوتا ہے جیسے صفا مروہ میں سعی کرنی اور از انجملہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت بھی حج کیا کرتے تھے اور حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا لیکن انہوں نے اس کے اندر اور بہت سی باتیں جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پتہ نہ لگتا تھا اور صرف انہیں کی ایجاد شدہ تھیں شامل کر لی تھیں اور ان باتوں میں شرک پایا جاتا تھا جیسے ونائلہ اور مناۃ وطاغیہ کے لئے احرام باندھنا اور ان کا لبیک میں کہنا لا شریک لک الا شریکا ہو لک اور یہ باتیں ایسی تھیں جنہیں نہایت تاکید سے منع کرنا ضروری تھا اور بہت سی باتیں بطریق فخر اور خود پسندی کے اپنی طرف سے کیا کرتے تھے جیسے حمس کا یہ کہنا کہ ہم خدا کے جوار میں رہتے ہیں اس لئے حرم سے ہم نہ نکلیں گے اس لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ثم افیضوا من حیث افاض الناس پھر تم چلو جس راستے سے لوگ چلدیئے۔ اور منیٰ کے دنوں میں وہ لوگ اپنے باپ دادوں کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے لہذا یہ آیت نازل ہوئی فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا۔ یاد خدا کی ایسی کیا کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔ اور چونکہ انصار نے اس کی حقیقت کو معلوم کیا اس لئے صفا مروہ میں بھی سعی کرنے سے ان کو پرہیز ہوا تھی کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اور از انجملہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے قیاسات فاسدہ ایجاد کر لئے تھے جن کا مدار دین میں اسے نرمی کرنے پر تھا۔ اور ان باتوں میں لوگوں کو دقت تھی اور وہ ہونے اور متروک ہونے کے قابل تھیں جیسا کہ ان کا یہ کہنا کہ تم گھروں کے دروازوں سے داخل نہ ہوں بلکہ چھتوں پر سے یعنی پشت کی طرف سے چڑھ کر گھروں میں آیا کرتے تھے ان کو یہ خیال تھا کہ دروازہ سے مکان کے اندر آنا ایک معمولی بات ہے جو احرام کی ہیئت کے منافی ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظهورها پشت کی طرف سے تمہارا گھروں میں آنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے اور ایام حج میں وہ لوگ خرید و فروخت کو مکروہ جانتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان ایام میں تجارت کرنے سے عمل میں خلوص نہیں رہتا پس یہ آیت نازل ہوئی ولا جناح علیکم ان تبتغوا فضلا من ربکم۔ اپنے پروردگار سے فضل کی تلاش میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اس بات کو اچھا جانتے تھے کہ بغیر سفر خرچ کے حج کریں اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے اور پھر لوگوں کو تنگ کیا کرتے تھے اور اور ان پر ظلم کیا کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی فتزودوا فان خیر الزاد التقوی۔ اور زاد راہ لیلو البتہ بہتر زاد راہ پرہیزگاری ہے۔

اور ان کا قول تھا کہ حج کے ایام میں عمرہ کرنا بڑا سخت گناہ ہے اور کہا کرتے تھے جب صفر کا مہینہ گذر گیا اور اونٹوں کی پشت کے زخم اچھے ہو گئے اور سفر کے آثار جاتے رہے تو عمرہ کرنے والے کے لئے عمرہ درست ہو گیا۔ اور آفاقیوں کے لئے اس میں نہایت دقت تھی کیونکہ عمرہ کے لئے ان کو از سر نو سفر کرنے کی حاجت پڑتی تھی اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اس بات کا حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام سے باہر آویں اور اس کے بعد حج کریں اور اس امر میں آپ نے بہت تشدد سے فرمایا کیونکہ یہ باتیں ان کی عادات میں داخل ہو کر مرکوز خاطر ہو گئی تھیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا ایہا الناس قد فرض علیکم الحج الخ اے لوگو تمہارے اوپر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو اس
اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر سال۔ آپ یہ سنکر خاموش ہو رہے حتی کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا
تو آپ نے فرمایا اگر کہدوں میں ہاں۔ تو البتہ ہر سال واجب ہو جاوے اور تم نہ کر سکو میرے نزدیک اس میں یہ راز
ہے کہ کسی خاص وقت پر وحی کی نازل ہونے کا سبب لوگوں کا ایک امر پر متوجہ ہونا اور ان کے علوم اور ان کی ہمتوں
کا اس امر کو تعمل کرنا اور اس مقدار کا لوگوں میں مشہور اور متداول ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خدا تعالے سے
اس کا طلب کرنا ہوتا ہے پس جب یہ دونوں امر جمع ہو جاتے ہیں تو اس کے موافق وحی کا نازل ہونا ضروری ہو جاتا
ہے اور یہ امر بدیہی ہے معلوم کر سکتے ہو کہ خدا تعالے نے کوئی کتاب کسی زبان میں بجز ان لوگوں کی زبان کے اور بجز
ایسے الفاظ کے جن کو وہ سمجھ سکیں نہیں نازل فرمائی اور نہ کوئی ایسا علم یا دلیل ان کے لئے بیان کی کہ جو وہ آسانی سے
سمجھ سکیں۔ اور یہ ہو بھی نہیں سکتا اس لئے کہ وحی کا مدار خدا تعالے کی عنایت پر ہے اور عنایت اس میں پائی جاتی
ہے کہ جس امر کو وہ آسانی سے قبول کر سکیں وہی بات ان کے لئے تجویز کی جائے اور کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
سے عرض کیا سب اعمال میں سے کون سے عمل کو فضیلت ہے آپ نے فرمایا خدا تعالے اور اس کے رسول پر ایمان
رکھنا پھر عرض کیا اس کے بعد سب اعمال میں کون سا عمل بہتر ہے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا اس نے اس کے بعد
کونسا عمل افضل ترین اعمال کا ہے آپ نے فرمایا حج مبرور اس حدیث میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر
کی فضیلت میں یہ فرمانے سے الا انبئکم بافضل اعمالکم الحدیث کیا میں تمہارے اعمال میں سے افضل ترین عمل نہ بتلادوں
اس سے کہ فضیلت اعتبارات کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے اور یہاں پر فضیلت کا دین الہی کی تعظیم اور
شعائر الہی کے ظہور کے لحاظ سے بیان کرنا مقصود ہے اور اس اعتبار سے ایمان کے بعد جہاد اور حج کے برابر کوئی عمل
نہیں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ جو شخص
اللہ تعالے کے لئے حج کرے اور اس میں لغو باتیں اور فسق کے کام نہ کرے تو اس روز کا سا ہو جاتا ہے جیسے
کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ۔
رمضان میں ایک عمرہ ایک حج کے برابر ہے میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کو عمرہ پر فضیلت حاصل ہونیکا
یہی سبب ہے کہ حج کے اندر شعائر الہی کی تعظیم اور رحمت الہی کے طلب کرنے پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور عمرہ
میں یہ بات نہیں ہوتی رمضان کے مہینہ میں جو عمرہ پایا جاتا ہے وہ حج کا کام دیتا ہے اس لئے کہ رمضان کے
کے مہینے میں تحسین کی جھلک کا پر تو پڑتا رہتا ہے اور عالم میں روحانیت کا نزول ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے من ملک زادا وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یہودیا او نصرانیا جس شخص کے پاس
زاد راہ اور ایسی سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اس نے حج نہیں کیا پھر نہیں پرواہ اس کو کہ یہودی
ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر میں کہتا ہوں اسلام کے ارکان میں سے کسی رکن کا ترک کر دینا ایسا ہے جیسے اسلام
سے باہر ہو جانا اور حج کے ترک کرنے والے کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ اور تارک صلوۃ کو مشرک کے ساتھ

تشبیہ دیگئی یہود و نصاریٰ سے نماز پڑھتے ہیں لیکن حج نہیں کرتے، اور مشرکین عرب حج کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے کسی نے آپ سے عرض کیا کہ حج کرنے والا کیسا ہوتا ہے آپ نے فرمایا سر میں خاک بدن میں بدبو پھر پوچھا گیا کون حج بہتر ہے آپ نے فرمایا جس میں با آواز بلند لبیک کہے اور قربانی کرے پھر عرض کیا گیا راستہ سے کیا مراد ہے یعنی من استطاع الیہ سبیلا میں، آپ نے فرمایا زاد راہ اور سواری۔ میں کہتا ہوں حاجی کی شان سے عدیم تھانے کے لئے بلند کی ہے اور حج کے اندر جن معلومات کا عذر کیا گیا ہے وہ علاوہ ثلاثہ … اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی موافقت اور شعائر اللہ کے … ان کا ذکر ہے اور زاد راہ اور سواری سے راستہ کی تعریف اس لئے کی گئی کہ یہ دونوں چیزیں آسانی کا سبب ہیں جس کی رعایت حج جیسی عبادت شاقہ میں ضروری ہیں اور جنازہ کی نماز اور میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا … کیا ہے اگر وہی بیان دوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہو سکتا ہے۔

مناسک کا بیان

معلوم کرنا چاہئے کہ صحابہ اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور تمام مؤمنین سے جو مناسک منقول ہیں وہ چار ہیں۔ حج مفرد، عمرہ مفرد، حج تمتع، حج قران۔ مکہ کے باشندوں کو حج مفرد کرنے کی … کہ مکہ میں احرام باندھے اور احرام کی حالت میں جماع اور اس کے دواعی اور سر منڈوانے اور ناخن ترشوانے اور سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھکنے اور خوشبو لگانے اور شکار کرنے سے اجتناب کرے اور ایک قول کے … سے بھی اجتناب کرے پھر عرفات کو جائے اور عرفہ کی شام وہاں موجود ہو جائے پھر بعد غروب آفتاب کے وہاں سے واپس ہو کر مزدلفہ میں شب باشی کرے اور قبل طلوع آفتاب کے منا میں آ کر عقبہ کی رمی جمار کرے اب اگر اس کے ساتھ ہدی ہو تو وہیں اس کی قربانی کرے اور سر منڈوا دے یا بال ترشوائے پھر ایام منا میں طواف افاضہ کرے اور صفا مروہ میں سعی کرے۔

اور آفاقی کے لئے یوں کرنا چاہئے کہ ہر ایک اپنی میقات سے احرام باندھے اور عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے اگر وہ مکہ میں آگیا تو وہ طواف قدوم کرے اور اس میں اکڑ کر چلے اور صفا مروہ میں سعی کرے پھر اپنے احرام پر بدستور قائم رہے حتی کہ عرفات پہنچ جاوے اور رمی جمار کرے اور سر منڈوا دے اور طواف کرے اور اب اکڑنے اور دوڑنے کا علم نہیں ہے۔

اور عمرہ کی ترکیب مکے والوں کے لئے یہ ہے کہ حل سے احرام باندھے اور آفاقی کو اپنے اپنے میقات سے احرام باندھنا چاہئے بعد ازاں طواف و سعی کرے اور بالوں کو منڈالے یا ترشوالے۔

اور تمتع کی صورت آفاقی کے لئے یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کے لئے احرام باندھے پھر مکہ میں آوے اور اپنا عمرہ پورا کرے احرام سے باہر آوے اور حج کے ایام تک بغیر احرام کے رہے اور جو اس کو ملے بکری …

اُس کی قربانی کرے۔

قران کی یہ صورت ہے کہ باہر کا آدمی معاً حج و عمرہ کے لئے احرام باندھے پھر مکہ میں وے اور اپنے احرام پر قائم رہے جب تک فعال حج سے فارغ ہو اور اس کو ایک طواف اور ایک مرتبہ سعی کرنا چاہئے اور ایک قول کے موافق دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرنا چاہئے بعد ازاں جو گائے بکری اس کو بہم پہونچے پھر جب مکہ سے باہر آنے کا قصد کرے طواف وداع کرے۔

معلوم کرو کہ حج و عمرہ کے لئے احرام ایسا ہے جیسے نماز کے لئے تکبیر احرام کے اندر اخلاص و تعظیم اور ایک ظاہری فعل سے حج کے مصمم ارادہ کی صورت معلوم ہوتی ہے اور اس میں آدمی کے نفس میں ذلت اور خشوع کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ اس میں تمام لذائذ اور عادات مالوفہ اور ہر قسم کی زینت کی باتوں کا چھوڑنا ہوتا ہے اور اس میں تعب اور خستگی اور خدا تعالے کے لئے اپنی حالت کا بدلنا پایا جاتا ہے اور محرم کو ان اشیا سے اجتناب کرنے کا اسلئے حکم دیا گیا ہے تاکہ ذلت اور ترک زینت اور خراب خستہ ہونے کے معانی پائے جائیں اور خوف الٰہی اور اس کی تعظیم کا اثر ظاہر ہو اور نفس کو اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں مطلق العنانی نہ ہونے پائے بلکہ اس پر غلبہ ہے اور شکار کرنا ایک قسم کے لہو میں داخل ہے اور توسع کے قبیلہ سے ہے لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اتبع صید الصید الھا جنے کا پیچھا کیا اس نے لہو کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے شکار کرنا ثابت نہیں ہے اگرچہ نے فی الجملہ اس کی اجازت دی ہے۔ اور جماع کرنا فی الحقیقت شہوت بہیمہ میں منہمک ہونا ہے اس لئے اس سے ممانعت کی گئی اور چونکہ مطلقاً اس باب کا بند کرنا روا نہ تھا کیونکہ وہ قانون شرعی کے خلاف تھا لہٰذا کم از کم بعض حالات میں اس سے ممانعت کرنا ضروری ہوا مثلاً احرام اور اعتکاف اور روزہ کی حالت اور نیز بعض مقامات میں اس کی ممانعت کی گئی مثلاً مساجد کے اندر کسی شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا محرم کو کس قسم کے کپڑے پہننے چاہئیں تو آپ نے فرمایا کہ قمیص مت پہنو اور نہ عمامے اور نہ پاجامہ اور نہ برنس (یعنی بارانی) اور نہ موزے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا خوشبو جو تیرے لگی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھو ڈال اور جبہ کو اتار ڈال سلے ہوئے کپڑے اور اس کے مثل اور اس کپڑے میں جو نہ سلا ہوا ہے اور نہ وہ جو اس کے مثل ہو یہ فرق ہے کہ سلے کا پہننا ارتفاقات میں سے ہے اور تجمل اور زینت کے لئے پہنا جاتا ہے اور دوسرے صرف بدن کا ستر ہے اور سلے کے ترک کرنے میں خدا تعالے کے ساتھ نیازمندی کی شان پائی جاتی ہے اور دوسرے کا ترک کرنا بے ادبی میں داخل ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاینکح المحرم ولاینکح ولا یخطب محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرا دے اور نہ نکاح کی بات چیت کرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہؓ سے حالت احرام میں نکاح کیا ہے میں کہتا ہوں اہل حجاز کے تمام صحابہ اور تابعین اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محرم کے لئے نکاح کرنا خلاف سنت ہے اور اہل عراق کے نزدیک محرم کا نکاح جائز ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ احتیاط پر عمل کرنا بہتر ہے اور قول اول کے موافق اس کا یہ سبب ہے کہ نکاح انتظامات مطلوبہ میں

داخل ہے اور بہ نسبت شکار کے زیادہ مطلوب چیز ہے اور نکاح کرنے کو نکاح کے باقی رکھنے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ خوشی اور سرور ابتدا میں ہوتا ہے لہذا نکاح کے باب میں عروس ضرب المثل کی جاتی ہے اور اسکا باقی رکھنا ضرب المثل نہیں ہے اب شکار کے معنی معین کرنا ضروری تھا کیونکہ انسان کبھی تو کسی چیز کو کھانے کے لئے مارتا ہے اور کبھی اس کو کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف شکار کی مشق منظور ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز کے ضرر سے خود بچنے کے لئے یا لوگوں کو اس سے بچانے کی غرض سے ماردیتا ہے اور کبھی کسی گائے بکری کو ذبح کرتا ہے اسلئے اس بات کی تعیین ضروری ہوئی کہ ان صورتوں میں سے شکار کس کو کہنا چاہئے لہذا آپ نے فرمایا خمس لاجناح علی من قتلھن فی الحرم والاحرام الحدیث۔ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے حرم اور احرام میں مار ڈالنے پر کچھ گناہ نہیں ہے چوہا۔ چیل۔ کوا۔ بچھو۔ اور وہ کتا جو لوگوں کو کاٹتا ہو اور ان سب میں جہت جامعہ یہ ہے کہ یہ سب جانور موذی ہیں انسان اور اس کے متاع پر ایذا پہنچانے والے جانور ہیں۔ اگر عرف سے بھی تلاش کی جائے تو ان جانوروں کے مارنے کو عرف میں شکار نہیں کہتے اور اسی طرح گائے بکری اور مرغی وغیرہ اور جو جانور اس کے مثل ہیں جن کے پالنے کا گھروں میں دستور ہے ان کے ذبح کرنے کو شکار نہیں کہتے مگر دوسری قسموں میں بخبر شکار کا اطلاق پایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے میقات کی تعیین اس طرح فرمائی ہے کہ اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم۔ جو لوگ ان مواقیت میں رہتے ہیں یا باہر کے لوگ ان میں آتے ہیں ان کے لئے بھی یہی مقامات ہیں اگر وہ لوگ حج اور عمرہ کا قصد کریں ان کے یہ مواقیت ہیں اور جو لوگ ان میقاتوں سے ورے رہتے ہیں ان کو اپنی جائے سکونت سے احرام باندھنا چاہئے جیسا کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھیں۔ میں کہتا ہوں مواقیت کے اندر اصل یہ ہے کہ مکہ کو ایسی حالت میں آنا چاہئے کہ سر پر خاک بھری ہو اور بدن میں بدبو آنے لگی ہو اور نفس ذلت کی حالت میں ہو تو ساخ لو یہی مطلوب ہے اور اگر تمام لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھکر آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اسمیں کس قدر دقت تھی کیونکہ بعض بعض شہر مکہ سے ایک مہینے کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ ہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ احرام باندھنے کے لئے مکہ کے گرد چند مقامات معینہ مخصوص کئے جائیں۔ جن مقامات سے احرام باندھا کریں اور ان مقامات کے بعد تاخیر نہ کرسکیں اور ضرور ہے کہ یہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور کوئی شخص ان مقامات سے ناواقف نہ ہو اور جن ملکوں کے لئے یہ مقامات مواقیت مقرر کئے گئے ہیں ان کے راستہ میں پڑتے ہوں لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تحقیق فرماکر ان مقامات کو میقات مقرر فرمایا اور اہل مدینہ کے لئے وہ میقات مقرر فرمایا جو سب سے دور ہے کیونکہ مدینہ منورہ وحی کا مقام نزول اور ایمان کا مرکز اور دارالہجرت اور تمام دنیا میں مدینہ وہ اول بستی ہے کہ خدا اور رسول پر ایمان لائی ہے اس لئے اس کے رہنے والے اس قابل ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں نہایت درجہ کوشش کریں اور زیادہ عبادت کے ساتھ مخصوص کئے جائیں اور نیز مدینہ تمام ان اطراف سے جو آپ کے زمانہ میں ایمان لائے تھے اور مخلص تھے سب سے زیادہ قریب ہے

بخلاف جوانی اور طائف اور یرمہ وغیرہ کے لہذا مدینہ والوں کو اس میں کچھ دقت نہیں ہے۔ عرفات کے وقوف
کرنے میں یہ راز ہے کہ ایک زمانہ ایک مکان میں مسلمانوں کا اجتماع اور خداتعالےٰ کی رحمت کی طرف ان کا راغب ہونا
اور خشوع وخضوع کے ساتھ اس سے دعا کرنا برکات الٰہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں اثر عظیم
رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت اور خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور
نیز اس اجتماع میں مسلمانوں کی شوکت وشان معلوم ہوتی ہے اور اس دن اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء
علیہ السلام سے بدستور ثابت ہوتی چلی آتی ہے چنانچہ حضرت آدمؑ اور ان کے مابعد انبیاء سے اسکی نسبت روایات
بیان کی جاتی ہیں۔ اور سلف صالح سے جو طریقہ منقول چلا آتا ہے توقیت اور تعیین کے باب میں اسکا قبول کرنا بڑا
اصل الاصول ہے۔

منیٰ میں اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے مثل عکاظ۔ اور مجنہ اور ذی المجاز
وغیرہ کی مانند ایک عظیم الشان بازار تھا اور یہ بازار انہوں نے اس واسطے مقرر کیا تھا کہ حج کے اندر کثرت سے دور دراز
ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی اور تجارت کے حق میں اس سے زیادہ مناسب اور بہتر کوئی صورت نہیں ہے
کہ اس میلے کے ساتھ اس کا وقت مقرر کیا جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ مکہ کے اس انبوہ کثیر کے رہنے
کی گنجائش نہیں ہے لہذا اگر ہر قسم کے تمام لوگ منیٰ کی مانند کسی فضا میں اترنے پر متفق نہ ہوں تو بڑی دقت پڑے
اور اگر بعض بعض اپنے لوگ منتخب کرکے منیٰ میں اتار دے جائیں تو ان کو ملال گذرے اور جب وہاں اترنے
کا دستور عام ہوگیا تو عرب کی اور ان کی حمیت کا مقتضی یہ ہوا کہ ہر قبیلہ کے لوگ بنا فخر اور اپنے گروہ کی کثرت
ثابت کرنے اور اپنے باپ دادا کی سوانح بیان کرنے اور ان کی دادودہش اور ان کے حسن اور اوصاف کی کثرت
لوگوں پر ظاہر کرنے میں کوشش کریں تاکہ ہر دیکھنے والا اس بات کو معلوم کرے اور دور دراز ملکوں میں
ان کی شہرت ہو اور اسلام کو بھی ایسے اجتماع کی ضرورت تھی تاکہ مسلمانوں کی شوکت اور ان کا سامان اور ان کی
کثرت لوگوں پر ظاہر ہو اور اس کی وجہ سے دین اسلام کا ظہور ہو کر دور دور تک اس کا آوازہ پہونچے اور تمام
اطراف زمین میں اس کا دبدبہ ظاہر ہوجائے لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع کو بدستور رکھا اور
اس پر لوگوں کو شوق اور حرص دلائی مگر تفاخر اور آباؤاجداد کے حالات بیان کرنے سے منع فرماکر اس کی جگہ ذکر الٰہی
کو مقرر فرمایا جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی تمام ضیافات اور ولیمہ میں سے سب کو دور کرکے
نکاح کے ولیمہ اور اولاد کے عقیقہ کو باقی رکھا کیونکہ تدبیر منزل کے متعلق ان کے اندر آپ نے بہت سے فوائد
کا لحاظ فرمایا اور مزدلفہ میں رات بسر کرنے کے لئے یہ راز ہے کہ ان کا یہ قدیمی دستور تھا اور یہ دستور انہوں
نے شاید اس لئے مقرر کر رکھا تھا کہ لوگوں کا یہاں پر اس قدر اجتماع ہوتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ایک بات یہ
ہے کہ بعد المغرب لوگ عرفات سے لوٹتے ہیں اور تمام دن کا تکان ہوتا ہے کیونکہ دور دراز سے وہ وہاں آکر
جمع ہوتے ہیں پھر اگر ان کو ایسے وقت میں فوراً منیٰ میں جانے کی تکلیف دی جائے تو ان کو بہت پریشانی ہو اور

اہل جاہلیت غروب سے پہلے عرفات سے اتر آتے تھے اور چونکہ اس بات میں ایک قسم کا ابہام تھا اور قطعی طور پر کسی خاص وقت کا تعین نہ تھا اور ایسے امور کثیرہ میں وقت کی ایسی تعیین ضروری تھی جس میں ابہام کا احتمال نہ رہے اس لئے غروب آفتاب سے اس کی تعیین کی گئی۔ اور مشعر الحرام میں ٹھیرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ اہل جاہلیت باہم تفاخر اور نمود کے لئے قیام کرتے تھے اس کے بدلے میں کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان کی یہ عادت دور ہو اور ایسی جگہ کے توحید بیان کرنے میں ان کو حرص پیدا ہو اور یہ ایسا ہوا جیسے ان سے کہا جاتا، دیکھنا ہے کہ تم خدا تعالے کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے تھے اور رمی جمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی جمار خدا تعالے کا ذکر قائم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ توقیت ذکر کی تمام اقسام میں سے بہتر اور کامل اور وجوہ توقیت کے لئے زیادہ تر جامع یہ قسم ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مقام کے ساتھ ذکر کی تعیین کی جائے اور اس کے ساتھ ایک ایسی قسم بھی مقرر کی جائے جس سے ذکر کے شمار محفوظ رہ سکیں اور سب کے سامنے ذکر کا پایا جانا ثابت ہو اور کچھ مخفی نہ رہے اور ذکر الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس سے خدا تعالے کے دین کی تابعداری منظور ہوں اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں رمی الجمار بھی اسی قبیلہ سے ہے اسی لئے اس میں کثرت سے ذکر کرنیکا حکم نہیں دیا گیا۔

اور ایک قسم وہ ہے جس سے نفس کو خدا تعالے کی کبریائی پر مطلع کرنا منظور ہوتا ہے اس ذکر میں کثرت کی حاجت ہے اور نیز احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمی الجمار کرنا حضرت ابراہیم کی سنت ہے انہوں نے شیطان کو اس سے دفع کیا تھا لہذا اس فعل کی حکایت کرنے میں نفس کو نہایت تنبہ ہوتی ہے ہدی میں یہ راز ہے کہ اس میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل کے ساتھ کہ انہوں نے اپنے پیارے بیٹے کو اس جگہ خدا تعالے کے حکم کی بجا آوری اور اس کی طرف توجہ کے قصد سے ذبح کرنا چاہا تھا مشابہت ہے اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو انعامات کئے ہیں ان کی یاددہانی ہوتی ہے اور اس وقت اور اسی زمانہ میں اس فعل کے کرنے میں نفس کو تنبیہ عظیم ہوتی ہے اور حج تمتع اور قران کرنے والے پر بھی خدا تعالے کی نعمت کے شکر میں کہ اس نے جاہلیت کے وبال کو ان سے دور کر دیا ہدی واجب ہے اور سر منڈا لینے میں یہ راز ہے کہ سر منڈانا فی الحقیقت احرام کے نکلنے کا ایک فعل ہے طریقہ معین کرتا ہے اور وہ فعل وقار کی حالت سے منافی نہیں ہے اور اگر ان لوگوں کو اختیار دیدیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی چال چلتا اور نیز اس میں تغیر کے زمانہ کا گذرنا بوجہ اتم پایا جاتا ہے اور سر منڈانے کا حال نماز میں سلام کا سا ہے اور طواف الافاضہ سے قبل سر منڈا لینے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ اس شخص کو اس شخص کے ساتھ مشابہت حاصل ہو کہ گرد و غبار سے صاف ہو کر سلاطین کے حضور میں داخل ہوتا ہے۔

طواف کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ حجر اسود کے پاس آکر اس کو بوسہ دے اور اس کے داہنی طرف سے چلکر سات مرتبہ طواف کرے اور ہر مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دینا چاہئے یا کسی لکڑی وغیرہ سے جو اس کے ہاتھ میں ہے

اُس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے اور رکن یمانی کو بوسہ دے اور اس حالت میں وہ شخص طہارت پر قائم ہو اور کپڑوں سے اُس کا ستر نہ کھلا ہو اور وہ بجز عمدہ بات کے کوئی بات زبان سے نہ نکالے۔ پھر مقام ابراہیم میں آکر دو رکعت نماز پڑھے۔ حجرِ اسود سے شروع کرنے کی یہ وجہ ہے کہ تشریع کے وقت محل بدایت اور چلنے کی جانب کا تعین کرنا ضروری ہوا۔ اور حجرِ اسود بیت اللہ کی تمام چیزوں میں متبرک چیز ہے کیونکہ یہ جنت سے اترا ہے اور دونوں طرفوں میں جانب یمین متبرک ہوتی ہے۔ اور طواف قدوم بمنزلہ تحیۃ المسجد کے ہے۔ بیت اللہ کی تعظیم کے لئے اس کو مقرر کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب طواف کی جگہ اور زمانہ موجود ہے اور اس کے تمام اسباب مہیا ہیں پھر اس میں دیر کرنا ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ بیت اللہ کے اول طواف میں اکڑنے اور سینہ نکال کر چلنے اور بعد ازاں صفا مروہ میں سعی کرنے میں چند راز ہیں۔ ایک تو وہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے یعنی مشرکین کے دلوں میں ہیبت ڈالنا اور مسلمانوں کے غلبہ کا اظہار کیونکہ اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ یثرب کی تپ نے ان کو ضعیف کر دیا ہے لہذا یہ اکڑنا جہاد کے افعال میں داخل ہے اگرچہ یہ سبب تو باقی نہیں رہا اور از انجملہ یہ راز ہے کہ خدا تعالے کی اطاعت اس سے رغبت کا اظہار ہو جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس دور دراز کے سفر اور اس قدر زحمت نے بجائے بے رغبتی پیدا کرنے کے ان کے شوق و رغبت کو زیادہ کر دیا جس طرح کسی کا شعر ہے شعر

اذا اشتکت من کلال السیر واعدھا — روح الوصل فتحیٰ عند میعاد

یعنی اونٹنی چلتے چلتے جبکہ تکان کی شکایت کرتی ہے تو اس کا سوار وصال کی راحت کا وعدہ کرتا ہے تو اس وعدہ کو سننے سے اس میں جان سی پڑ جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طواف کے اندر اکڑنے کے موقوف کرنے کا قصد کیا تھا کیونکہ ان دونوں کا سبب باقی نہیں رہا پھر اجمالاً یہ بات انکے فہم مبارک میں پیدا ہوئی کہ ان ہر دوں کا ایک اور سبب بھی ہے جو ہنوز موجود ہے لہذا اس کو ترک نہیں کیا۔

عمرہ کے اندر عرفات میں ٹھہرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے لہذا اس میں قیام کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر اس کے لئے کوئی خاص وقت مقرر ہوتا تو وہ حج ہوتا اور ظاہر ہے کہ سال میں دو مرتبہ لوگوں کے اجتماع میں کس قدر دقت ہے اور عمرہ کے اندر مقصود بالذات صرف نعمت الٰہی کا شکر اور بیت اللہ کی تعظیم ہے۔ اور صفا اور مروہ میں سعی کرنے کے اندر چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے یہ راز ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو جب سخت پریشانی ہوئی تو صفا و مروہ میں انہوں نے تیز رفتاری سے ٹہلنا شروع کیا جس طرح کوئی متفکر آدمی جلد جلد قدم اٹھاتا ہے اور خدا تعالے نے ان کی فکر کو دو طریقوں سے رفع کر دیا ہے ایک تو آب زمزم پیدا ہو گیا دوسرے لوگوں کے دل میں اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈال دیا گیا۔ اسلئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اور ان کے فرمانبرداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر اور ان کی کرامت کو یاد کریں تاکہ ان کی قوت بہیمی مبہوت ہو کر خدا تعالے کی طرف نگراں رہے اور اس کے اندر کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ اس دلی اعتقاد کو کسی خاص ظاہری فعل سے جو ان کے خلاف عادت ہے اور مکہ کے اندر داخل ہوتے

یہ ایک قسم کی ان کے لئے وقت ہے اُن کے اعتقاد کی مضبوطی کی جائے اور وہ فعل حضرت ہاجرہ کی اس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقع پر ایک حالت کی نقل کرنا بہ مجاز بالی باتوں سے مفید ہوتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاینفرن احد کم حتی یکون آخر عہدہ بالبیت یعنی تم میں کوئی شخص آخر وقت بیت اللہ میں جائے بغیر وہاں سے نہ نکلے اور حیض کو آپ نے معاف کیا ہے میرے نزدیک آخیر وقت پر بیت اللہ کے جانے میں بیت اللہ کی تعظیم ہے اسلئے کہ ابتدا بھی اُسی سے ہوئی تھی اور تمامی بھی اسی پر ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ مقصود بالذات سفر سے بیت اللہ ہے اور نیز دستور ہے کہ قاصد لوگ رخصت ہوتے وقت اپنے سلاطین سے ملکر جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حجۃ الوداع کا ذکر

حجۃ الوداع کے باب میں حضرت جابر اور حضرت عائشہ اور حضرت عمر وغیرہم کی حدیث اصل ہے۔ معلوم کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نو برس تک مدینہ کے اندر تشریف فرما رہے اور اس عرصہ میں آپ نے حج نہیں کیا پھر دسویں سال اس بات کا اعلان کیا گیا کہ حج کرنا چاہتے ہیں یہ سُن کر بہت خلقت مدینہ میں آگئی ور آپ مدینہ سے رخصت ہو کر ذوالحلیفہ میں تشریف لائے اور وہاں غسل کر کے خوشبو لگائی اور مسجد میں دو رکعت پڑھیں اور ایک تہ بند اور ایک چادر پہنی اور وہیں سے احرام باندھا اور اسی طرح پر تلبیہ پڑھا لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک۔ میں کہتا ہوں یہاں پر دو باتوں میں اختلاف ہے ایک تو یہ کہ آپ نے یہ حج مفرد کیا تھا یا حج تمتع بایں طور کہ عمرہ سے باہر آکر از سر نو حج کیا ہو یا یہ کہ آپ نے حج کا احرام باندھا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اُس کے اندر عمرہ کے داخل کرنے کا اشارہ کیا اور آپ اُسی احرام پر قائم رہے حتے کہ حج سے فارغ ہوئے اور احرام سے باہر نہیں آئے کیونکہ آپ (ہدی) روانہ کر چکے تھے دوسرے یہ کہ آپ نے تلبیہ کس وقت پڑھا نماز کے وقت یا جس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے یا جب بیت اللہ کا جنگل قریب آگیا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد لوگ آتے اور جیسے آپ کو کرتے دیکھتے ویسی ہی خبر دیتے اور شروع احرام آپ کا اس وقت تھا جب کہ دو رکعت نماز پڑھتے اور آپ کا غسل کرنا اور دو رکعت نماز کا پڑھنا اس لئے تھا کہ اس میں شعائر الہی کی تعظیم تھی اور نیز اس میں ایک ظاہری فعل خاص سے جو خدا تعالےٰ کے ساتھ اخلاص اور اُس کی بندگی کے اہتمام پر دلالت کرتا ہے نیت کا منضبط ہونا ہے اور نیز اس طور سے لباس کے بدلنے میں نفس کو خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری پر تنبیہ اور بیداری ہوتی ہے اور آپ کے خوشبو لگانے کی یہ وجہ ہے کہ احرام کا زمانہ گرد و غبار میں آلودہ رہنے کا وقت ہے لہذا احرام سے پہلے کسی قدر اُس کا تدارک ضروری ہے اور تلبیہ میں آپ نے اس لئے ان کلمات کو اختیار کیا کہ اُن کے اندر خدا تعالےٰ کی بندگی پر قائم رہنے کا بیان ہے اور خدا تعالےٰ کی

فرمانبرداری پر ان کلمات میں یاد دہانی ہے اور اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا وہ اپنے بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے لہذ آپ نے مسلمانوں اور مشرکین کے اندر تمیز اور ان کے رد کرنے کے قصد سے یہ کلمہ لاشریک لک بھی اس میں داخل کیا۔

حج کرنیوالے کو خدا تعالےٰ سے اس کی رضامندی اور جنت کا کثرت سے سوال کرنا اور اس کی رحمت سے دوزخ سے پناہ مانگنا بہتر ہے۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے احرام اور تلبیہ کے اندر آوازوں کے بلند کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مامن مسلم یلبي الالبی من عن یمینہ وشمالہ من شجر اوحجر او مدر حتی تنقطع الارض من ھھنا وھھنا۔ کوئی مسلمان تلبیہ کرنے والا نہیں مگر جو چیز داہنے اور بائیں ہے پتھر یا درخت یا ڈھیلا سب تلبیہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین ادھر اور ادھر یعنی مشرق و مغرب سے ختم ہو چکی ہے میرے نزدیک اس میں یہ راز ہے کہ تلبیہ شعائر الہی میں سے ہے اور اس میں ذکر الہی کی تعظیم ہے اور اس قسم کے اذکار کو بالجہر اور اس طرح پر پڑھنا کہ ہر غافل اور خبردار کو اس کی خبر ہو اور وہ جگہ دار الاسلام معلوم ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس شخص کے نامۂ اعمال میں ان مقامات کے اندر تلبیہ کرنے کی صورت مرقوم ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کے کوہان میں داہنی جانب نشان کیا اور اس کا خون ہاتھ سے پونچھ دیا اور نعلین اس کی گردن میں لٹکا دیں۔ میرے نزدیک اس نشان کرنے میں شعائر الہی کی عظمت اور ملت ابراہیمی کا استحکام ہے تاکہ سب او دیکھنے والے اس کا معائنہ کریں اور قلب کا فعل ظاہری فعل سے منضبط ہو جائے۔

ایک مرتبہ اسماء بنت عمیس کا ذوالحلیفہ میں وضع حمل ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ غسل کرلے اور اپنی پیشاب گاہ کپڑے سے باندھ لے اور احرام باندھ لے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ حتی الامکان احرام کی سنت ادا ہو سکے۔ اور ایک مرتبہ سرف (ایک جگہ کا نام ہے) کے مقام پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حیض لاحق ہو گیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اللہ پاک نے عورتوں کی تقدیر میں لکھ رکھی ہے پس جو باتیں حج کرنے والے کو چاہئیں وہ تو کر مگر جبتک پاک نہ ہو جائے بیت اللہ کا طواف نہ کرنا چاہئے۔ میں کہتا ہوں آپ نے اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ حیض کا آنا کثیر الوقوع شے ہے ایسی چیز میں حکمت شرعی کا یہ مقتضی ہے کہ اس امر سے دقت رفع کر دیجائے اور ایک ظاہری طریقہ اس کیلئے مقرر کر دیا جائے۔ اسلئے طواف القدوم اور طواف الوداع حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ساقط کر دیا گیا پھر جب آپ نے ذی طوی میں نزول فرمایا تو دن کے وقت بالائے مکہ سے داخل ہو کر اسافل مکہ کی طرف تشریف لائے یہ آپ نے اس لئے کیا تاکہ بلا دقت اطمینان قلبی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو سکیں اور خدائے تعالےٰ کے جلال اور اس کی عظمت پر اطمینان سے آگاہی ہو سکے۔ اور نیز تاکہ سب لوگ بیت اللہ کا طواف کرتا ہوا آپ کو دیکھیں کیونکہ اس میں عبادت الہی کی عظمت ہے۔ اور نیز آپ کو مناسک کے مسائل لوگوں کو تعلیم کرنے منظور تھے اس لئے آپ نے ان کو اتنی مہلت دی کہ کثرت سے سیکھنے

کا قصد کر کے آپ کے پاس فراہم ہو جاویں اور آمد ورفت کا راستہ اس سے بدلا تاکہ دونوں راستوں میں مسلمانوں کی شوکت کا اظہار ہو جائے جس طرح عید کے اندر۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے قریب تشریف لائے تو رکن یمانی کو ہاتھ مبارک لگا کر کھڑے ہو گئے اور بعد ازاں سات طواف کئے جن میں تین طواف میں سینہ نکالکر اور چار میں معمولی رفتار سے چلے اور صرف دونوں رکن یمانی کو ہاتھ لگائے اور ان کے درمیان یہ دعا پڑھی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ پھر مقام ابراہیم کی طرف آیت کریمہ پڑھی واتخذوا من مقام ابراہیم مصلےٰ۔ اور دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیم کو مابین اپنے اور بیت اللہ کے کر لیا اور آپ نے ان دو رکعتوں میں قل ہو اللہ احد اور قل یا ایہا الکافرون پڑھیں پھر رکن یمانی کی طرف واپس تشریف لائے اور اس کو ہاتھ سے چھوا۔ میں کہتا ہوں سینہ نکالکر چلنے اور داہنی بغل سے بائیں کاندھے پر چادر ڈالنے کا سبب ہم بیان کر چکے۔ خاصکر دونوں رکن یمانی کو ہاتھ سے چھونے کا سبب وہی ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ وہ دونوں اسی حالت پر جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائے تھے اور دوسرے دو رکن ایسے نہیں ہیں کیونکہ اہل جاہلیت نے ان کے اندر تغیر کر لیا ہے اور طواف کے اندر نماز کی شرطیں لگانے کا یہ سبب ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے کہ خدا تعالےٰ ودس کے شعائر کی تعظیم میں طواف کا حال نماز کا سا ہے لہذا طواف نماز پر قیاس کیا گیا اور اس کے بعد دو رکعت اس لئے مسنون کی گئیں کہ بیت اللہ کی تعظیم کا تتمہ ہو جاوے کیونکہ اس کی تعظیم کا تتمہ یہ ہے کہ نماز میں اس کی طرف منہ کیا جاوے اور خاصکر مقام ابراہیم میں ان رکعتوں کے پڑھنے کی یہ وجہ ہے کہ مسجد کی تمام جگہ میں اس جگہ کو شرف حاصل ہے اور آیات الٰہی میں سے یہ ایک نشانی ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظہور ہوا۔ اور مقصود بالذات حج سے انہیں امور کی یاد دہانی ہے اور مابین رکنین کے یہ دعا مانگنا ربنا آتنا فی الدنیا الآیہ۔ کا اس لئے مستحب ہوا کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو قرآن پاک میں نازل ہوئی ہے کلمات کے لحاظ سے بہت مختصر ہے جس کا پڑھنا اس تھوڑی سی فرصت میں نہایت مناسب ہے پھر دروازہ سے نکلکر صفا کی طرف تشریف لائے جب صفا کے قریب پہونچے تو یہ آیت پڑھی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔ اور جس چیز کا کہ خدا تعالےٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اسی سے آپ نے بھی ہدایت فرمائی یعنی صفا سے آپ نے شروع کیا اور اس پر آپ چڑھے یہانتک کہ آپ نے بیت اللہ کو اس پر سے دیکھا اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر خدا تعالےٰ کی وحدانیت اور اس کی بڑائی بیان کی اور کہا لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شئ قدیر۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ۔ اس کے درمیان میں دعا کر کے تین مرتبہ یہی پڑھا پھر آپ وہاں سے اتر کر مروہ کی طرف چلے یہانتک کہ آپ کے قدم مبارک جنگل میں پڑنے لگے تو آپ تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگے جتنے کہ وہ مسافت طے ہو چکی اور مروہ کی بلندی شروع ہو گئی تو آپ معمولی رفتار سے چلنے لگے یہانتک کہ آپ مروہ پر چڑھ گئے اور جیسے آپ نے صفا پر خدا تعالےٰ کی وحدانیت اور اس کی کبریائی بیان کی تھی ویسا ہی یہاں بھی کیا۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کلام مبارک میں اس بات سے حیات پیدا ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے جو مروہ پر صفا کے ذکر کو مقدم کیا ہے اس سے شرع کے ساتھ مذکور کا مطابق کرنا منظور ہے اور تمام وظائف میں سے ان وظائف کا مخصوص کرنے کا سبب جس میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے ایفاء وعدہ اور دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنے کا بیان ہے یہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی نعمت کی یاددہانی اور بعض معجزات کا اظہار اور شرک کی بیخ کنی اور اس بات کا بیان کہ یہ سب آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور اس موقع خاص پر اللہ کے علم اور اس کے دین کا اعلان پایا جاتا ہے اسلئے بیان میں آپ نے فرمایا لو انی استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الھدی وجعلتہا عمرۃ فمن کان منکم لیس معہ ھدی فلیحل جو حال بعد کو معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہدی روانہ نہ کرتا اور حج کو عمرہ بنا دیتا اب تم میں سے جس کے پاس ہدی نہیں ہے اس کو احرام سے باہر آجانا اور حج کو عمرہ کر دینا چاہئے کسی نے عرض کیا اسی سال کے لئے یا ہمیشہ کے لئے آپ نے فرمایا بلکہ ابد الآباد کے لئے یہ حکم ہے پس جتنے لوگ تھے احرام سے باہر آگئے اور اپنے اپنے بال ترشوا لئے بجز آپ کے اور ان لوگوں کے جن کے پاس ہدی تھی میرے نزدیک آپ کو چند امور کا انکشاف ہوا ایک تو یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قبل ایام حج میں عمرہ کو سخت گناہ جانتے تھے لہٰذا آپ نے کامل طور پر ان کی اس تحریف کا باطل کرنا چاہا اور ایک یہ کہ اس بات سے ان کے دل میں کھٹکا پیدا ہوتا تھا کہ ابھی جماع کرتے ہوں اور ابھی حج شروع کردیں حتیٰ کہ انہوں نے یہ بات کہی کیا ہم عرفہ کو ایسی حالت میں چلے آئیں کہ ہمارے اعضاء سے منی ٹپکتی ہو اور ان کی یہ بات تعمق اور رائے زنی کے قبیلہ سے تھی لہٰذا آپ نے اس دروازے کا بند کرنے کا قصد فرمایا اور ایک یہ کہ حج کے قریب قریب احرام کے باندھنے میں بیت اللہ کی پوری پوری تعظیم پائی جاتی ہے اور ہدی کے روانہ کرنے سے احرام سے باہر آجانا اس لئے منع ہوتا ہے کہ ہدی کا روانہ کرنا ایسا ہے جیسے اس بات کا نذر کرلینا کہ جبتک ہدی ذبح کی جاوے گی میں اسی ہیئت پر قائم رہونگا اور جب چیز کو انسان اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو صرف خیال ہی خیال ہوتا ہے یا ارادہ ہوتا ہے مگر کسی فعل کے ساتھ منضبط نہیں ہوتا تو ایسی بات کا اعتبار نہیں ہے اور جب اس ارادے کے ساتھ فعل کا بھی اقتران ہوجاتا ہے اور وہ ارادہ منضبط ہوجاتا ہے تو اس ارادے کی رعایت ضروریات سے ہوجاتی ہے اور انضباط صور مختلفہ میں ادنیٰ درجہ کا انضباط زبان سے کہدینے میں ہوتا ہے اور انضباط قوی جب ہوتا ہے جب زبان کے ساتھ ایک ظاہری فعل جو اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے جس حالت کا اس شخص نے ارادہ کیا ہے علانیہ طور پر پایا جائے مثلاً ہدی کا روانہ کرنا۔

پھر جب ترویہ کا دن ہوا تو لوگ منیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور منیٰ میں ظہر و عصر اور مغرب وعشاء وفجر کی نماز پڑھی پھر تھوڑی سی دیر ٹھیرے رہے حتےٰ کہ آفتاب برآمد ہوا بعد ازاں وہاں سے چلکر نمرہ (ایک مقام کا نام ہے) میں نزول فرمایا۔ میں کہتا ہوں ترویہ کے دن منیٰ کے جانے کا آپ نے اس لئے ارادہ کیا تاکہ آپ کو اور نیز اپنے ساتھیوں کو آسانی رہے

کیونکہ اُس دن خلقت کا انبوہ کثیر ہوتا ہے اور ضعیف و مریض ہر قسم کے لوگ اس میں ہوتے ہیں لہذا اُن کے لئے آسانی کرنا مناسب ہے اگر عرفہ میں وقت سے پہلے آپ تشریف نہیں لائے اس خیال سے کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور اس بات کا اعتقاد نہ کرنے لگیں کہ قبل از وقت عرفہ میں آجانا موجب قربت کا ہے پھر نمرہ میں آئے پھر جب آفتاب خوب روشن و بلند ہو گیا تو آپ نے اپنی سواری شریف کے لئے جس کا نام قصوی تھا حکم دیا چنانچہ سواری کسی گئی اور آپ سوار ہو کر میدان میں تشریف لے آئے اور وہاں آپ نے خطبہ پڑھا اُس دن کے خطبہ میں سے بقدر لوگوں کو یاد رہ گیا ہے ان دماءکم حرام الخ یعنی تمہارے خون تمہارے درمیان حرام ہیں بعد ازاں بلال نے اذان پڑھی اس کے بعد اقامت کہی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر ادا کی پھر بلال نے تکبیر کہی اور آپ نے صلوۃ عصر پڑھی۔ اور ان کے درمیان میں کچھ اور نماز نہ پڑھی۔ میں کہتا ہوں اس روز آپ نے خطبہ کے اندر ایسے احکام بیان فرمائے جن کی لوگوں کو حاجت ہے اور اُن کے معلوم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ دن اجتماع خلائق کا ہوتا ہے اور ایسی فرصت اسی قسم کے احکام کے لئے مغتنم ہوتی ہے جن کی تکلیف تمام خلقت کے لئے مقصود ہوتی ہے اور ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو آپ نے اس لئے اکٹھا پڑھا کہ اس روز لوگوں کا ایسا اجماع ہوتا ہے کہ بجز اس مقام کے نظر نہیں پڑتا اور شارع کو ایک جماعت کا ہونا مقصود ہے اور خصوصاً ایسے انبوہ کثیر میں ایک جماعت کا قائم کرنا ضرور ہے تاکہ تمام حاضرین اس کا معائنہ کریں اور دو وقتوں کو ان دونوں لوگوں کا جمع سہل نہیں ہے اور نیز یہاں پر لوگ ذکر و دعا میں مشغول رہتے ہیں اور یہ امور اسی روز کا وظیفہ ہیں اور اوقات کی پابندی تمام سال کا وظیفہ ہے اور ایسی صورت میں اس چیز کو ترجیح ہوتی ہے جو ایک نادر اور عجیب امر ہے پھر آپ وہاں سے سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے اور رو بقبلہ کھڑے رہے حتی کہ آفتاب غروب ہوا۔ اور زردی کم ہو گئی بعد ازاں وہاں سے علیحدہ ہوئے غروب کے بعد آپ وہاں سے اس لئے علیحدہ ہوئے تاکہ جاہلیت کی تحریف باطل ہو جائے کیونکہ اہل جاہلیت غروب سے پہلے وہاں سے ہٹ جاتے تھے دوسرے یہ کہ غروب سے پہلے کا وقت کوئی معین وقت نہیں ہے اور بعد الغروب ایک معین چیز ہے اور ایسے وقت میں ایسی چیز کا حکم دینا چاہئے جس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو پھر وہاں سے چلکر مزدلفہ میں تشریف لائے اور وہاں پر مغرب کو عشا کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور کوئی نفل نماز ان کے درمیان میں نہیں پڑھی بعد ازاں ٹھیرے حتی کہ فجر ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز جب صبح روشن ہوئی ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا کی پھر قصوی پر سوار ہو کر مشعر حرام میں تشریف لائے اور رو بقبلہ ہو کر خدا تعالےٰ سے دعا کی اور تکبیر پڑھی اور لا الہ الا اللہ کہا اور اس کی توحید بیان کی اور برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ روشنی ہو گئی پھر آفتاب برآمد ہونے سے پیشتر وہاں سے چلکر بطن محسر میں تشریف لائے اور سواری کو کچھ کچھ تیز کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی شب میں تہجد کی نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غفیر کے اندر بہت سے مستحباب ترک کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور مشعر حرام کے قیام کا راز ہم بیان کر چکے ہیں اور بطن محسر میں سواری کے تیز کرنے کا یہ سبب ہے

کر وہ جگہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا مقام ہے لہذا جس شخص کو خدا تعالیٰ اور اس کی عظمت کا خوف ہے ہلکو اس مقام میں خوف معلوم ہوتا ہے اور غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لئے آپ نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو خوف یاد دلاتا ہے اور اس کو متنبہ کرتا ہے منضبط فرمایا پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جمرۂ عقبہ میں تشریف لائے اور سات سنگریزے اس کی طرف پھینکے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے بطن وادی سے کھڑے ہو کر ان کو پھینکا۔ میں کہتا ہوں اول دن رمی الجمار صبح کے وقت اور دونوں میں شام کے وقت ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اول روز قربانی اور حلق اور رخصت ہونے کا دن ہوتا ہے اور یہ سب کام بعد رمی الجمار کے ہوتے ہیں لہذا صبح کے وقت رمی الجمار ہونے میں ان کاموں کی بخوبی گنجایش پائی جاتی ہے اور باقی ایام تجارت اور بازاروں کی خرید وفروخت کے ہوتے ہیں اس لئے حوائج سے فراغت ہونے کے بعد رمی الجمار کرنے میں آسانی ہے اور آخر دن میں حوائج ضروریہ سے اکثر فراغت ہوتی ہے اور رمی الجمار اور صفا ومروہ کے ما بین سعی کی اعداد طاق مقرر کرنے کا وہی سبب ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی عدد طاق خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور واحد حقیقی کا قائم مقام عدد میں بھی ہو سکتا ہے اور سات بھی ہو سکتا ہے لہذا سات سے اگر کفایت ہو سکے تو زیادہ اس سے مناسب نہیں ہے۔ اور سنگریزوں کی تعداد تیئں اس لئے مقرر کی گئی کہ اس سے چھوٹے محسوس نہ ہوتے ہیں اور نہ اسے بڑے ہیں ایسے مقام پر ایذا پہنچنے کا احتمال ہے۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم منحر کی طرف تشریف لائے اور وہاں پر تریسٹھ بدنے اپنے ہاتھ ذبح کئے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باقی بدنے ذبح کرنے کے لئے چھری عطا فرمائی اور اپنی ہدی میں ان کو شریک کیا اور ہر بدنہ میں سے ایک ایک بوٹی لینے کا حکم دیا وہ سب بوٹیاں ایک ہانڈی میں پکائی گئیں حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس میں سے کچھ بوٹیاں نوش فرمائیں اور کچھ شوربا پی لیا۔

میں کہتا ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے دست مبارک سے تریسٹھ ذبح کئے اس میں نعمت کا شکر ادا کرنا مقصود تھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی عمر کے ہر سال کے مقابل ایک اونٹ عطا فرمایا اور ان کا گوشت کھانے اور شوربا پینے میں ہدی کی تعظیم اور اس سے برکت حاصل کرنا مقصود ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کی گئی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحرت ههنا ومنى كلها منحر" الحديث میں نے اس جگہ قربانی کی ہے اور منا سب کی سب قربانی کی جگہ ہے پس تم لوگ اپنے اپنے مقام پر قربانی کرو اور میں نے یہاں پر وقوف کیا ہے اور عرفہ سب کا سب موقف ہے اور میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور جمع یعنی مزدلفہ وہ سب قیامگاہ ہے اور ایک روایت میں اس کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ مکہ کا ہر ایک کوچہ طریق و منحر یعنی قربانی کی جگہ ہے میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان افعال میں جنکو آپ تشریع

احکام کے طور پر عملیں لائے اور انہیں جو آپ سے بحسب اتفاق یا کسی مصلحت کے اعتبار سے جو اس روز کے ساتھ مخصوص تھی یا عمدہ ترین امور کے اختیار کرنے کے طور پر عملیں آئے فرق کر دیا۔

پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھکر طواف کیا اور آب زمزم نوش فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ بیت اللہ کی طرف جلدی کرنے کا یہ سبب ہے تاکہ اول وقت عبادت عمل میں آوے دوسرے یہ کہ ہر وقت انسان کو کسی مانع کے پیش آنے کا احتمال ہے اور آب زمزم آپ کے نوش فرمانے میں شعائر الہی کی تعظیم اور خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جو ایک چیز ظاہر کی ہے اس کی برکت حاصل کرنا ہے پھر جب منا کے دن گذر گئے تو آپ نے الابطح میں نزول فرمایا اور طواف الوداع کر کے تشریف لے گئے میں کہتا ہوں الابطح میں نزول فرمانے کے اندر اختلاف ہے آپکا یہ نزول فرمانا عبادت تھا یا عادت حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ابطح کے اندر اترنا سنت نہیں ہے۔

وہ امور جو حج کے ساتھ متعلق ہیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے اور وہ دودھ سے بدرجہا زیادہ سپید تھا پھر بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے اور آپ نے اس کے باب میں فرمایا ہے کہ قسم اللہ کی خدا تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھاویگا کہ اس کی دو آنکھیں ہونگی جسسے دیکھیگا اور زبان ہوگی جس سے بولیگا اور جس نے بوجہ اللہ بوسہ دیا ہے اس کی شہادت بیان کریگا اور آپ نے فرمایا ہے کہ رکن یمانی اور مقام دو یاقوت ہیں۔ میرے نزدیک یہ احتمال ہے کہ واقع میں یہ جنت سے لائے گئے تھے لیکن جب زمین پر نصب کئے گئے تو حکمت کا مقتضی یہ ہوا کہ بحسب مزاج زمین کے انہیں رعایت کیجاوے اس لئے ان کا نور سلب کر دیا گیا اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کی عظمت کی طرف ملائکہ کی توجہ اور ملاء اعلےٰ اور صالحین کی ہمتوں کے متعلق ہونے کے سبب سے ان کے ساتھ ایک قوت مثالیہ کا اختلاط ہوا ہے حتی کہ وہ قوت مثالیہ ان کے اندر قوت ملکیہ ہو گئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے اس قول میں محمد بن حنیفہ کے اس قول میں کہ زمین کے پتھروں میں سے وہ ایک پتھر ہے توفیق کی یہی صورت ہے اور ہم نے آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بیت اللہ قوت ملکیہ سے بھرا معلوم ہوتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ عالم مثال میں حجر اسود کو آنکھیں اور زبان جو جاندار چیزوں کے لوازم میں سے ہیں عطا کی جائیں اور چونکہ حجر اسود سے مومنین کا ایمان اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کرنیوالوں کی تعظیم معلوم ہوتی ہے لہذا ضرور ہوا کہ اس زبان میں شہادت کی صورت کے ساتھ اس کا ظہور ہو جیسا کہ یہ ہاتھ کے گویا ہونے کا راز ہم نے بیان کیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے من طاف بهذا البيت اسبوعا فاحصاه (جس شخص نے اس گھر کا سات مرتبہ شمار کر کے طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوا اور کوئی شخص اپنا قدم نہیں رکھتا اور نہ اسکو اٹھاتا

ہے مگر خدا تعالیٰ اُس کے مقابل میں ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ دور کرتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے میرے نزدیک اس فضیلت کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ طواف کرنا چونکہ رحمتِ الٰہی اور ملائکہ کی دعاؤں کے اندر داخل ہونے کا شبہ اور اُس کا مظنہ ہے لہٰذا اس کی خاصیتِ قریبہ کو ذکر فرمایا اور دوسرے یہ کہ جب انسان خدا تعالیٰ پر یقین رکھکر اور اُس کے وعدے کو سچا سمجھکر ان افعال کو عمل میں لاتا ہے تو اس سے اُسکا ایمان ظاہر اور عیان ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مامن یوم اکثر من ان یعتق اللہ فیہ عبداً من النار من یوم عرفة وانہ لیدنو ثم یباہی بہم الملائکة عرفہ کے دن سے زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کسی بندہ کو دوزخ سے آزاد کرے اور اس دن خدا تعالیٰ قریب ہو جاتا ہے۔ پھر اپنے بندوں سے فرشتوں پر فخر بیان کرتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جب تمام لوگ خدا تعالیٰ کیطرف تضرع و نیازمندی کرتے ہیں تو رحمت کے نازل ہونے اور روحانیت کے اُن کے اندر پھیل جانے میں کچھ توقف نہیں ہوتا اور

نیز آپ نے فرمایا ہے خیر الدعاء دعاء یوم عرفة وخیر ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ بہتر دعا عرفہ کی دعا ہے اور بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمہ ذکر کے بہت سے اقسام کا جامع ہے لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مقامات اور بہت اوقات میں اس کی اور سبحان اللہ والحمد للہ الخ کی لوگوں کو رغبت دلائی ہے چنانچہ دعاؤں کے بیان میں اُس کا ذکر آتا ہے اگر کوئی شخص حج کو نہ جائے تب اُس کو ہدی بھیجنا سنت ہے۔ تاکہ حتی المقدور اعلاء کلمۃ اللہ کی اقامت ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والے کے لئے تین مرتبہ اور کترشوانے والے کے لئے ایک مرتبہ دعا کی تاکہ سر منڈانے کی فضیلت ظاہر ہو جاوے اور اسکا سبب یہ ہے کہ سر کا منڈانا گرد و غبار کے دور کرنے کے قریب ہے جو بادشاہوں کے حضور میں جانیوالوں کی حالت کے مناسب ہے اور عبادت کا اثر بھی اس میں کچھ دیر تک باقی رہ سکتا ہے اور کچھ زمانے تک لوگوں کو اس کا اثر معلوم ہوتا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی عبادت پر خبردار کرنا ہے اور آپ نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ عورت کے حق میں سر کا منڈانا مُثلہ (جس کے ناک کان کٹ جاویں) اور مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے جس شخص نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا یا قبل از رمی الجمار قربانی کی یا شام ہونے کے بعد رمی الجمار کی یا سر منڈانے سے پہلے طواف الافاضہ کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے لئے یہ فتویٰ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے اور کفارہ کا اُس کو حکم نہیں دیا اور حاجت کے وقت سکوت کرنے کو بیان کرنے کا حکم ہوتا ہے اور کاش مجھ کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ استحباب بیان میں (لاحرج) کے لفظ سے کوئی اور لفظ صریح الدلالت ہے۔

اگر شدائد کے وقت رخصتوں کا بیان نہ کیا جاوے تو تشریع کامل نہیں ہوتی منجملہ شدائد کے وہ تکلیف ہے کہ احرام کے اندر جو چیزیں حرام کی گئی ہیں تو اُس تکلیف کے سبب سے اُس کو اُن چیزوں سے بچنا دشوار ہو سکے

متعلق اللہ پاک فرماتا ہے فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک پس تم
سے ایک شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ دکھ ہو تو روزوں سے یا صدقے سے یا قربانیوں سے اسکا فدیہ دو
اور نیز آپ نے کعب بن عجرہ سے فرمایا فاحلق راسک واطعم فرقا اپنے سر کو منڈالے اور ایک فرق ایک وزن کا
نام ہے مساکین کو کھلا دے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رخصت کے اقسام میں سے دو قسم یہ بھی ہے۔ کہ
جسکے ساتھ کوئی ایسی چیز مقرر کر دیجاوے جو اصل عبادت کی یاد دہانی کرتی رہے اور جس شخص نے اصل عبادت
کی عظمت کا التزام کر لیا تھا اس عبادت کے چھوڑتے وقت اسکو خطرہ لاحق نہ ہو اور وجوب کفارہ میں جو زیادتی
کی گئی ہے وہ بطریق اولی اسی پر محمول ہے۔

منجملہ ان شدائد کے ایک احصار ہے اسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ جب بیت اللہ
کے جانے سے کفار قریش نے آپکو روکا تو آپ نے جو ہدی کی قربانی کی اور سر مبارک منڈوا یا اور احرام سے باہر
تشریف لائے۔ مکہ اور مدینہ کے حرم میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص تعظیم ہوتی ہے کسی زمین کی
تعظیم یہ ہے کہ اس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جاوے اور اصل یہ تعظیم بادشاہوں کی حد اور ان کی شہر پناہ ہونے
ماخوذ ہے جب کوئی قوم ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور ان کی اطاعت و تعظیم کرتی ہے تو ان کے مطیع ہونے
میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان حدود کے اندر جو درخت و چارپائے
وغیرہ ہیں ان سے ہم کچھ تعرض نہ کرینگے اور حدیث شریف میں آیا ہے ان لکل ملک حمی وان حمی اللہ محارمہ
یعنی ہر ایک بادشاہ کے لئے باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالے کی باڑ اس کے محارم ہیں اس بات کو سب لوگ
جانتے ہیں اور ان کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہوتی ہے اور حرم کا ادب ایک یہ بھی ہے کہ جو چیز غیر حرم میں واجب
ہے مثلاً عدل کا قائم کرنا یا جو چیز حرام ہے حرم کے اندر اس کے اور تحریم کی نہایت تاکید بیجا ہے چنانچہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احتکار الطعام فی الحرم الحاد فیہ یعنی حرم کے اندر غلہ کا بند کرنا اسمیں الحاد کرنا ہے
اور اللہ پاک فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم۔ اے ایمان والوں احرام کی حالت میں شکار مت
مارو۔ میں کہتا ہوں چونکہ حرم و احرام کے اندر شکار اور احرام کے اندر جماع کرنا ایک قسم کی لذت ہے جس کا راہ
خواہش نفسانی کے اندر سے دخل ہے لہذا کفارہ مقرر کئے اس سے روکنا ضروری ہوا شکار کی جزا میں
اختلاف ہے کہ خود شکار کے لحاظ سے مثلیت کا اعتبار کرنا چاہئے یا قیمت کے لحاظ سے اور حق یہ ہے کہ دو
عادل شخصوں سے یہ بات دریافت کی جاوے ایسی صورتوں میں جو سلف رائے دیا کرتے تھے اگر وہ رائے دیں
تو اس پر عمل کرنا چاہئے اور اگر قیمت تجویز کریں تو قیمت دینی چاہئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے لا یصبر علی لاواء المدینۃ احد من امتی الا کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ۔ میری امت میں سے مدینہ کی تکلیف پر کوئی
شخص صبر نہ کریگا مگر میں روز قیامت اس کا شفیع ہونگا۔ میرے نزدیک اس فضیلت میں یہ راز ہے کہ مدینہ کا آباد
کرنا شعائر دین کا بلند کرنا ہے اور یہ ایسا فائدہ ہے جس کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے اور ان مواضع میں

حاضر ہونے اور مسجد نبوی میں داخل ہونے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات یاد آتے ہیں جس کا فائدہ اس
مکلف کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان ابراہیم حرم مکۃ ودعا لہا
وانی حرمت المدینۃ - ابراہیم نے تو مکہ کو عزت دی اور اسکو حرم بنا دیا اور میں نے مدینہ کو حرم بنا دیا۔ میں کہتا ہوں اس
حدیث میں اشارہ ہے کہ کوشش اور پختہ ارادے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعا مانگنے کو توقیفات کے
مقرر ہونے میں اثر عظیم ہے۔

ان احادیث کا بیان جو احسان کے متعلق وارد ہیں

معلوم کرو کہ شارع نے بندوں کو بالذات جن امور کے ساتھ خواہ بطور ایجاب خواہ بطور تحریم کے مکلف
کیا ہے وہ اعمال ہیں اسلئے کہ اعمال ان حالات نفسانیہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا نفع ونقصان آخرت میں
نفوس کی جانب عاید ہوتا ہے اور یہ اعمال ان کیفیات نفسانیہ کو جتلاتے ہیں اور ان کیفیات نفسانیہ کا بیان اور
ان کے لئے صور ہوتے ہیں ان اعمال سے دو طرح پر بحث کیجاتی ہے ایک تو اس اعتبار سے کہ تمام لوگوں پر
ان کا عمل میں لانا لازم ہوتا ہے اور اس اعتبار سے ان اعمال اور ظاہری طریقوں کا اختیار کرنا مقصود ہوتا ہے
جن کا ظاہر و باطن متحد نہیں ہوتا اور ان کیفیات پر اعمال بمنزلہ قرائن کے ہوتے ہیں اور ان اعمال کا لوگوں سے
سب کے روبرو مطالبہ کیا جاتا ہے اور ان کو اس اعمال سے بچنے اور عذر کرنے کا موقع نہیں ہوتا ایسے عمل
کی بنا درمیانی حالت اور امور منضبطہ پر ہوتی ہے وہ دوسری قسم ان اعمال سے جو کہ نفس مہذب کرتا ہے
اور جو کیفیت ان اعمال سے مطلوب ہوتی ہے تو اس تک نفس کا پہنچانا اس اعتبار سے ان کیفیات کا معلوم کرنا اور ان اعمال کا اسطرح معلوم
کرنا کہ وہ ان کیفیات کیطرف پہنچاتی ہیں مقصود ہوتا ہے اور انکا مبنا وجدان اور تلاش کی اختیار میں نتیجے پر ہوتا ہے پہلے اعتبار سے
جس علم میں ان اعمال سے بحث کیجاتی ہے وہ علم شرائع ہے اور جس علم میں دوسرے اعتبار سے بحث کیجاتی ہے وہ وہ علم علم الاحسان ہے
مباحث احسان میں نظر کرنے والے کو دو چیزوں کی حاجت ہوتی ہے ایک تو اعمال کو اس طرح سے معلوم کرنا
جس طرح کیفیات نفسانیہ ان سے پیدا ہوتی ہیں کیونکہ بسا اوقات ریا اور سمعہ یا عادت کے طور پر کوئی عمل ادا
کیا جاتا ہے یا اس کے ساتھ خود پسندی اور منت اور ایذا رسانی پائی جاتی ہے ایسے وقت میں اس عمل سے
وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جو اس عمل سے منظور ہوتی ہے اور بسا اوقات کوئی عمل اس طرح پر ادا کیا جاتا ہے کہ نفس کو
اس عمل کی روح پر وہ تنبہ حاصل نہیں ہوتا جو محسنین کو حاصل ہونا چاہئے اگرچہ بعض نفس اس کے مثل پر تنبہ ہوجاتے
ہیں مثلاً وہ شخص کہ جو اصل فرائض پر اکتفا کرتا ہے اور کماً یا کیفاً ان پر زیادہ نہیں کرتا وہ شخص نیکی نہیں ہے اور
دوسرے ان ہیات نفسانیہ کا کامل طور پر معلوم کرنا تاکہ بصیرت کے ساتھ ان اعمال کو عمل میں لاسکے وہ شخص اپنے
نفس کا طبیب ہوتا ہے جس طرح طبیب کو طبیب پر حکومت ہوتی ہے ایسے ہی اس شخص کو اپنے پر حکومت ہوتی ہے
کیونکہ جو شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ الات سے کیا مقصود ہے تو وہ شخص جب ان الات کو برتتا ہے تو اندھی

ذہنی کی جمعیت بدحواس ہو جاتا ہے یا اس کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جو رات کے وقت ٹکریں کھاتا پھرتا ہے
جن اخلاق سے اس فن میں گفتگو کی جاتی ہے ان کے چار اصول ہیں چنانچہ سابقاً اس سے آگاہ کر چکے ہیں ایک
طہارت جس کے سبب سے تشبہ بالملکوت حاصل ہوتی ہے، دوسرا ایک فرمانبرداری جو جبروت پر اطلاع پانے کا سبب
ہوتی ہے پہلے امر کے لئے وضو اور غسل اور دوسرے کے لئے نماز اور اذکار و تلاوت مقرر کی گئی اور جب
دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں تو ہم اس کو سکینہ اور وسیلہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں چنانچہ حذیفہ نے حضرت عبد اللہ
بن مسعودؓ کے حق میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے محفوظ لوگ اس بات کو جانتے
ہیں کہ وہ یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ وسیلہ کے اعتبار سے خدا تعالے کے مقرب ہیں اور شارع نے طہارت
کو ایمان سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے الطہارۃ شطر الایمان آنحضرت صلعم نے طہارت کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے ان اللہ نظیف یحب النظافۃ
خدا تعالے پاک ہے پاکی پسند کرتا ہے اور دوسرے کی طرف اس قول سے اشارہ فرمایا ہے الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک
احسان اس کا نام ہے کہ تو حق کی بندگی کرے گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ طہارت کے حاصل کرنے میں ان
عبادات کا جو انبیا علیہ السلام سے ماثور ہیں اختیار کرنا اور ان کی طرح اور اوقات کا لحاظ کرنا اور کثرت سے عمل میں لانا
اور ان کی ہیأت و اذکار کا خیال رکھنا ضروری ہے پس طہارت کی روح باطن کا منور ہونا اور انس و سرور کی حالت کا
پیدا ہونا اور افکار ردیہ کا دور ہونا اور تشویشات و پراگندگی و پریشانی و انکار کا رک جانا ہے اور نماز کی روح خدا تعالے
کے ساتھ حضور اور جبروت پر اطلاع پانی اور خدا تعالے کی کبریائی کی یادداشت اور اس کے ساتھ تعظیم اور تعظیم کے
ساتھ محبت و اطمینان ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں الاحسان ان تعبد اللہ الخ اس کی طرف
اشارہ ہے اور آپ نے نفس کو نماز کے عادی ہونے کی کیفیت پر اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ خدا پاک
فرماتا ہے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر لیا ہے ولعبدی ما سال اور میرے بندے کے
لئے وہ چیز ہے جو مانگے پس جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے میرے بندے نے بڑائی
و بزرگی بیان کی اور جب کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو فرماتا ہے میرے اور میرے بندے کے مابین
یہ مشترک ہے اور جو میرا بندہ مانگے اس کے لیے موجود ہے اور جب بندہ کہتا ہے اہدنا الصراط المستقیم ۔ تو فرماتا
ہے کہ یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میرا بندہ جو مانگے موجود ہے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ ہر کلمہ پر جواب کا لحاظ رکھنا چاہئے کیونکہ اس سے حضور قلبی پر نفس کو تنبیہ بلیغ ہوتی ہے اور وہ دعائیں جو
آپ نے نماز کے اندر مقرر فرمائی ہیں اور حضرت علیؓ وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہیں ان میں بھی اسی کیفیت کی طرف
اشارہ ہے۔

"تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و تعظیم کے ساتھ خدا تعالے کی طرف متوجہ ہو اور قرآن کی نصیحتوں میں
فکر و غور کرتا جائے اور قرآن کی امثال و قصص سے عبرت حاصل کرتا جائے، اور جب خدا تعالے کی کسی صفت
اور اس کی نشانی پر گذرے سبحان اللہ کہے اور جب جنت و رحمت کی آیت پڑھی خدا تعالے سے فضل کا خواستگار ہو

اور جب جہنم اور غضب کے آیت پر گذرے پناہ کا طلبگار ہو یہ وہ امور ہیں جن کو رسول خدا صلعم نے نفس کو تضرع کے خوگر
ہونے کے لئے مقرر فرمایا ہے اور ذکر کی روح حضور اور خدا تعالے کی حیرت و ہیبت میں مستغرق ہو جانا ہے اور یہ
بات اس طرح پر حاصل ہو سکتی ہے کہ کہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پھر خدا تعالے سے اس کا جواب سنے اس کے
جواب میں فرماتا ہے لا الہ الا انا وانا اکبر پھر کہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ پھر اس بات کا خیال کرے کہ
اللہ پاک اس کے جواب میں فرماتا ہے لا الہ الا انا وحدہ لا شریک لی۔ اسی طرح کیا کرے حتے کہ حجاب دفع ہو اور
استغراق حاصل ہو جاوے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور دعا کی روح یہ ہے کہ
اس بات کا خیال کرے کہ ہر چیز سے روکنا اور ہر چیز کی قدرت دینا خدا تعالے کے قبضہ میں ہے اور اپنے آپکو
ایسا سمجھے جیسے نہلانے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے یا جس طرح کسی کے ہاتھ میں مورت ہوتی ہے اسکو
جیسے چاہتا ہے حرکت دیتا ہے اور مناجات کی لذت اس کو حاصل ہووے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
تہجد کی نماز کے بعد اس کے شغلوں کے اثنا میں ایک بہت بڑی دعا بیان کی ہے کہ بندہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا تعالے
سے دعا کرے اور کہے پروردگار اے پروردگار کہتا جائے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرے اور مصائب
سے پناہ مانگے اور نہایت تضرع و نیازمندی سے دعا مانگے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اسکا دل سب امور دنیوی سے
فارغ ہو اور بول و براز کی حاجت اور اشتہاء طعام سے فراغت ہو اور نہ غصے کی حالت ہو پس جب انسان حضور قلبی
کی کیفیت معلوم کرے اور پھر وہ حضور اس کو حاصل نہ ہو تو اس حضور کے جاتے رہنے کا سبب اسکو سوچنا چاہئے
اگر قوت جسمانی اس کا باعث ہے تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے کیونکہ روزے سے قوائے جسمانی ضعیف ہو جاتے
ہیں بسا اوقات دو مہینے کے پیاپے روزے رکھنے سے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے اور اگر جماع کی خواہش ہے
یا کھانے پکانے سے فارغ ہونے کی حاجت ہے اور اس کو عبادت کا سرور جاتا رہا ہے اور اس کا مادہ چاہتا
ہے تو اس کو نکاح کرنا چاہئے تاکہ جماع کی حاجت دفع ہو سکے مگر لذائذ اور اختلاط میں منہمک ہونے سے باز رہے
اور اس کو بمنزلہ دوا کے سمجھے جس کے نقصان سے محفوظ رہنا اور نفع سے تمتع حاصل کرنا چاہئے اور اگر تدابیر ضروریہ
اور لوگوں کی مصاحبت میں مشغول رہتا ہے تو ان کے ساتھ عبادت کا بھی شامل کرنا ضروری خیال کرے اور
اگر اس کے دماغ میں خیالات مشوشہ اور افکار ناقصہ بھرے ہوئے ہیں تو اس کو لوگوں کی ملاقات ترک کرکے
گھر یا مسجد میں خلوت نشینی اور اپنی زبان کو بجز ذکر الہی کے اور اپنے قلب کو بجز اس فکر کے کہ جس کے وہ درپے
ہے روکنا چاہئے اور نیند سے بیدار ہوتے وقت ذکر الہی کی عادت ڈالنا چاہئے تاکہ بیدار ہونے کے بعد سب
سے پہلے خدا تعالے کا ذکر اس کے قلب میں داخل ہو اور سوتے وقت بھی ایسا ہی کرنا چاہئے تاکہ تمام اشتغال
سے دل کو فراغت ہو جائے۔ اور ان چار اصول میں سے تیسرا دل کی سماحت ہے سماحت کے یہ معنی ہیں کہ
قوت ملکی قوت بہیمی کے دواعی کے تابع نہ ہو مثلاً لذت کا طلب کرنا اور انتقام لینے کی خواہش اور غضب اور
بخل کی خواہش اور مال و جاہ کی حرص یہ ایسے امور ہیں کہ جب انسان ان کے موافق کام کرتا ہے تو ان اعمال کی

کیفیت کسی وقت قلب میں ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اگر نفس کے اندر سماحت کی صفت پائی جاتی ہے تو ان صفات رزیلہ کا ترک کرنا آسان ہوتا ہے اور یہ صفات ایسی ہو جاتی ہیں کہ گویا کبھی ان کا نام بھی نہ تھا اور نفس خالص ہو کر خدا تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس انوار کے دریا میں مستغرق ہو جاتا ہے جن کو بد انتہا سرشت کے اعتبار سے نفوس مقتضی ہوتے ہیں۔ اور اگر نفس کے اندر سماحت کی صفت نہیں ہوتی تو ان اعمال کی کیفیت نفس کے اندر اس طرح ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح موم میں مہر کے نقوش منقش ہو جاتے ہیں اور دنیاوی زندگی کا میل نفس کے اندر جم جاتا ہے اور ان کیفیات کا متروک ہو جانا نفس پر دشوار ہوتا ہے پھر جب نفس کو بدن سے مفارقت ہوتی ہے تو وہ بد اعمالیاں ہر چہار طرف سے اس کا احاطہ کرتی ہیں اور نفس و ان انوار کے مابین جو سرشت کے اعتبار سے نفس کے مقتضی ہوتے ہیں بہت سے غلیظ غلیظ پردے پڑ جاتے ہیں جس کے سبب سے نفس کو بڑا تکلیف پہونچتی رہتی ہے۔ اس سماحت کو جب خواہش شکم اور شہوت فرج کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام عفت ہوتا ہے اور جب بیقراری اور اضطراب کے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس سماحت کا نام صبر ہوتا ہے اور جب انتقام کے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام عفو ہوتا ہے اور جب مال کے سبب کے ساتھ ہو تو اس کا نام سخاوت و قناعت ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب کے اصل نفس کا خواہش بہیمی کے تابع نہ ہوتا ہے اور صوفیہ کرام اس کو تعلقات دنیویہ کے قطع کرنے یا خسائس بشریہ کے فنا ہونے اور اسی قسم کے مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں اور اس صفت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری ان اشیاء کے مواقع میں واقع ہونے سے احتیاط رکھنا اور دل سے ذکر الٰہی کا اختیار کرنا عالم تجرد کی طرف نفس کا میلان ہے چنانچہ زید بن حارثہ کا قول ہے میرے نزدیک دنیا کا پتھر و ڈھیلا سب برابر ہے حتیٰ کہ ان کی نسبت کاشف کی خبر دی گئی ہے۔

چوتھی صفت عدالت ہے عدالت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ وغیرہ کی اصلاح کے متعلق ایک نظام عادل بسہولت قائم ہو سکتا ہے اور اصل میں وہ جبلت نفسانی ہے جو افکار کلیہ اور ان سیاستوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے موافق ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ جہان میں انتظام تام رہے و بعض بعض کی اعانت کریں۔ اور کوئی کسی کو نہ ستائے اور باہم الفت و محبت سے رہیں جس طرح کہ ایک بدن کے عضو ہوتے ہیں کہ جب کسی عضو کو صدمہ پہنچتا ہے تو تمام عضو پر اس کا اثر ہو کر بیمار آجاتا ہے اور سب کی نیند جاتی رہتی ہے اور نیز انکی نسل کا بڑھنا منظور ہے کہ ان میں سے جو ذہن ہیں ان کی ترویج کی جائے اور جو عادل ہیں ان کی تعظیم کی جائے اور رسوم فاسدہ دور ہوں اور بھلائی کی باتیں اور بشر الیعۃ کا ان میں دستور ہو اور اس کے پیدا کرنے میں اللہ سبحانہ کے لئے قضاء اجمالی ہے اور یہ اس کی شرح و تفصیل ہے اور ملائکہ مقربین نے اس کو معلوم کر لیا ہے اور جو لوگ ان امور کی اصلاح میں سعی کرتے ہیں ان کے لئے ملائکہ دعا دیتے ہیں اور جو ان کے فساد میں سعی کرتے ہیں پھر

لعنت کرتے ہیں ۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف
الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک
ہم الفسقون ۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں خدا تعالے نے اُن سے اس بات کا
وعدہ کر لیا ہے کہ اُنکو زمین میں خلیفہ بنائیگا جس طرح اُن لوگوں کو اُس نے خلیفہ بنایا ہے جو اُن سے پہلے تھے اور
جس دین کو اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس پر اُنکو قدرت دیگا اور اُن کے خوف کے بعد اُن کو امن بدلے میں دیگا ۔
مجکو پوجتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں کرتے اور جنہوں نے اس کے بعد کفر کیا وہی لوگ نافرمان ہیں ۔ اور
فرماتا ہے الذین یوفون بعہد اللہ ولا ینقضون المیثاق والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل الایہ جو لوگ خدا تعالے
کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا تعالے نے حکم دیا ہے ۔ اُسکو
جوڑتے ہیں ۔ اور فرماتا ہے والذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل اور جو لوگ
خدا تعالے کے عہد کو بعد پختہ کرنے کے توڑتے ہیں اور خدا تعالے نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسکو
قطع کرتے ہیں ۔ جو شخص ان اصلاح کے کاموں کو عمل میں لاتا ہے خدا تعالے کی رحمت اور ملائکہ مقربین کی دعا
اُس کے شامل حال ہوتی ہے خواہ اُس شخص کو اس کا گمان ہو یا نہ ہو اور ہر طرف سے نورانی شعاعیں اُسکو گھیر لیتی
ہیں جس طرح شمس وقمر کی شعاعیں انسان کو محیط ہو جاتی ہیں اس کے سبب سے بنی آدم اور ملائکہ کے قلوب میں
اُس شخص کے ساتھ محبت کا القا ہوتا ہے تمام زمین و آسمان میں وہ شخص مقبول ہو جاتا ہے اور جب عالم تجرد کی طرف
اُس کا انتقال ہوتا ہے تو یہ شعاعیں جو اُس کے ساتھ متصل تھیں اُس کو محسوس ہوتی ہیں اور اُس شخص کو اُنکی لذت
معلوم ہوتی ہے اور ایک قسم کی کشادگی اور قبولیت اُس کو نظر آتی ہے اور اُس کے اور ملائکہ کے مابین ایک
دروازہ کھل جاتا ہے اور جو شخص فساد کے کام عمل میں لاتا ہے تو خدا تعالے کا غضب اور ملائکہ کی لعنت
اُس کو گھیر لیتی ہے اور اُس غضب سے تاریک شعاعیں پیدا ہو کر اس شخص کے محیط ہو جاتی ہیں جسکے
سبب سے ملائکہ اور مخلوق کے دلوں میں اُس کے ساتھ بُرا برتاؤ کرنے کا الہام ہوتا ہے اور تمام آسمان و زمین
میں وہ شخص مبغوض ٹھیرتا ہے پھر جب عالم تجرد کی طرف اس کا کوچ ہوتا ہے تو ان ظلمانی شعاعوں کو مشاہدہ کرتا ہے
اور وہ شعاعیں اُس کو کاٹتی نظر آتی ہیں اور اس کی جان کو اُن سے الم اور ضیق و نفرت پیدا ہوتی ہے اور تمام جوانب
سے وہ شخص گھر جاتا ہے اور باوجود فراخی کے زمین اس پر تنگ معلوم ہوتی ہے عدالت کی صفت کا جب
نشست و برخاست اور خواب و بیداری اور چلنے پھرنے اور بولنے و چالنے اور لباس وشعر کی اوضاع
کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اُس کا نام ادب ہوتا ہے اور جب مال اور اس کے جمع کرنے اور صرف کرنیکے
ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اُس کا نام کفایت ہوتا ہے اور تدبیر منزل کے ساتھ اعتبار کرنے سے حریت در
تدبیر مدنیہ کے ساتھ سیاست اور عزیزوں کی الفت رکھنے کے ساتھ حسن محاضرت یا حسن معاشرت اُس کا نام
ہوتا ہے ۔ عدالت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری رحمت اور محبت اور نرم دلی اور اُس کے متعلقات کلیہ

کے تابع ہونا اور انجام کار پر نظر رکھنا ہے اور ان دونوں صفت یعنی سماحت و عدالت میں ایک قسم کا تنافر و مخالفت ہے اس لئے کہ تجرد کی طرف قلب کا میلان و راس کے اندر ہمت و محبت کا ہونا۔ اکثر لوگوں کے عقب رہتے یہ دونوں وصف جمع نہیں ہوتے خصوصاً ان لوگوں کے اندر جن کی قوت بہیمی ملکی میں کشاکشی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم بہت سے اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے لوگوں سے قطع تعلق کر دیا ہے حتیٰ کہ اہل وعیال کو بھی چھوڑ دیا ہے اور لوگوں سے بالکل برطرف ہو گئے ہیں اور عوام لوگ شب و روز اہل وعیال کے ساتھ مشغول رہتے ہیں حتیٰ کہ ان چیزوں نے ان سے خدا تعالے کا ذکر بھلا دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام دونوں مصلحتوں کی رعایت کا حکم دیتے ہیں اسی لئے ان دونوں صفتوں کے اندر ضبط کا حکم اور تعیین مشکل کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے شریعت کے اندر جن اخلاق کا لحاظ ہے وہ یہی اخلاق ہیں اور بعد افعال اور کیفیات و ہیئت ایسی بھی ہیں جو ان اخلاق اور ان اخلاق کی اضداد کا کام دیتی ہیں اس جہت سے کہ یہ افعال وغیرہ نفس کے اندر ملائکہ اور شیاطین کا مزاج پیدا کر دیتی ہیں۔ ملائکہ اور شیاطین کے دونوں قبیلوں میں سے ایک کی طرف نفس کے میلان سے یہ افعال وغیرہ پیدا ہوتے ہیں لہذا ان کے متعلق حکم دیا جاتا ہے اور ہم نے کچھ اس کا ذکر پہلے کیا ہے اور اسی باب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ان الشیطان یاکل بشماله ویشرب بشماله شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ ہی سے پیتا ہے اور فرمایا ہے الابدء شیطان یعنی مقطوع الحجۃ اور فرمایا ہے الا تصفون کما تصف الملائکۃ جس طرح فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اعمال کا حکم دیا ہے جو ان خصلتوں کی علامات ہیں چنانچہ ایسے اذکار کا آپ نے حکم دیا ہے جن سے ہر وقت اجتناب اور فرمانبرداری اور تضرع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور حج کرنے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور موت اور آخرت کی یاد کرنے کی رغبت دلائی اور ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا کی ناپائیداری ثابت کی اور خدا تعالے کے جلال اور اس کی عظیم الشان قدرت میں تفکر کرنے کا ان کو شوق دلایا کہ سماحت کی صفت ان کے اندر پیدا ہو۔ اور مریض کی عیادت اور باہم سلوک اور صلہ کرنے اور سلام کا رواج ڈالنے اور حدود کے قائم کرنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کا ان کو حکم دیا تاکہ عدالت کی صفت ان کے اندر پیدا ہو جائے اور ان افعال اور کیفیات کا پورے پورے طور پر بیان کیا۔ خدا تعالے اس نبی کریم کو ہمارے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ایسا بدلہ دے جیسے کہ وہ لائق ہے جب یہ اصول تم کو معلوم ہو گئے تو ہم اب کسی قدر تفصیل کرنے میں مشغول ہوتے ہیں واللہ اعلم۔

اذکار اور اسکے متعلقات کا بیان

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتهم الملائکة وغشیتهم الرحمة کوئی قوم خدا تعالے کے یاد کرنے کے لئے نہیں بیٹھتی مگر ملائکہ ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بات

یقینی ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف رغبت اور اُس کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماع رحمت اور سکینہ بالیقین ہے اور ملائکہ سے قریب کر دیتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سبق المفردون مفرد لوگ آگے ہو گئے میں کہتا ہوں سابقین میں سے ایک گروہ کا نام مفردین ہے کیونکہ یاد اور ذکر نے اُن پر سے بار ہٹا کر انکو ہلکا کر دیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قال تعالےٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ۔ اللہ پاک فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو اُس کو میرے ساتھ ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اُس کے ساتھ ہوں پھر اگر اپنے جی میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اپنے جی میں اس کو یاد کرتا ہوں اور اگر جلسہ میں یاد کرتا ہے تو میں اُس سے بہتر جلسہ میں اسکو یاد کرتا ہوں میں کہتا ہوں بندے کی سرشت جو اخلاق اور علوم کا منشا ہوتی ہے اور وہ کیفیات جس کو نفس حاصل کرتا ہے اس رحمت کے تخصص ہوتی ہے جو اس بندے کے لئے خاص ہے پس بہت سے لوگ جن کے اندر سماحت کی صفت پائی جاتی ہے اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ دور کر دیگا اور ذرا ذرا سی بات پر ہم پر مواخذہ نہ کریگا اور سماحت کا برتاؤ ہمارے ساتھ کریگا ایسے شخص کی امید اس کے گناہوں کے دور ہو جانے اور نفس کے صاف ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور بہت سے بخیل اور حریص مزاج آدمی اپنے پروردگار سے اس بات کا گمان رکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ہم سے ذرا ذرا سی بات کا مواخذہ اور چند رس لوگوں کا سا معاملہ کریگا اور گناہوں سے درگذر نہ کریگا۔ اور یہ بات دنیاوی حیات کے اعتبار سے دل میں زیادہ ترشیح جاتی ہے اور بعد از مرگ یہ کیفیت چاروں طرف سے اُس کو گھیر لیتی ہے۔ مگر یہ فرق صرف ان امور کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے کہ حظیرۃ القدس میں جن کی نسبت کوئی تاکیدی حکم نہیں ہوتا اور کبائر اور ان کے قریب قریب گناہوں کے اعتبار سے صرف بالاجمال اُس کا اثر کچھ ظاہر ہوتا ہے اور اللہ پاک کے یہ فرمانے میں کہ میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں معیت قبول اور حظیرۃ القدس میں ایک شان کے ساتھ ہونے کی طرف اشارہ ہے جب بندہ اپنے دل میں خدا تعالےٰ کو یاد کرتا ہے اور اُس کے الفاظ میں غور کرنا شروع کرتا ہے تو اُس کے بدلے میں اُس راستہ سے خدا تعالےٰ اُس کے لئے حجابات دور کر دیتا ہے اور چلتے چلتے اُس تجلی تک جا پہونچتا ہے جو حظیرۃ القدس کے اندر قائم ہوتی ہے اور جب کسی جلسہ میں خدا تعالےٰ کی یاد کرتا ہے اور اُس کی غرض دین اسلام کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ ہوتی ہے تو اُس کی جزا میں خدا تعالےٰ ملاء اعلےٰ کے قلوب میں اُس کی محبت کا القا فرماتا ہے اور وہ اُس کے لئے دعا کرتے ہیں اور برکت کے طالب ہوتے ہیں بعد ازاں زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ٹھیرایا جاتا ہے۔ مگر بہت سے عارف باللہ ایسے ہیں کہ معرفت کے درجہ تک اُن کو وصول ہو گیا ہے لیکن نہ تو زمین پر اُن کو لوگ مانتے ہیں اور نہ ملاء اعلےٰ میں اُن کا کچھ تذکرہ ہوتا ہے اور بہت سے لوگ دین کے حامی اور مددگار اور بڑے مقبول اور متبرک بندے ہوتے ہیں مگر اُن کے حجابات رفع نہیں ہوتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قال اللہ تعالےٰ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالها وازید ومن جاء بالسیئۃ فجزاء سیئۃ مثلها او اغفر ومن

تقرب منی شبرا تقربت منه ذراعا ومن تقرب منی ذراعا تقربت منه باعا ومن اتانی یمشی اتیته هرولة ومن لقینی بقراب
الارض خطیئة لا یشرک بی شیئا لقیته بمثلها مغفرة اللہ پاک فرماتا ہے جو بھلائی لیکر آئیگا تو اس کی دس گونہ ملتی
ہے اور میں زیادہ بھی کردونگا اور جو برائی لائیگا تو برائی کا بدلا اس کے برابر ہے یا میں معاف کردونگا اور جو شخص
بالشت بھر میرے پاس آتا ہے میں ایک ذراع اس کے پاس آتا ہوں اور جو ایک ذراع میرے قریب ہوتا
ہے تو میں ایک باع یعنی دونوں ہاتھ کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چلکر آتا
ہے میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ کر ملتا ہے اور دنیا سے پیٹھ پھیر لیتا
ہے اور اس کے پیچھے نوری توجہ ہوجاتے ہیں اور ملکیت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تو اس کے تھوڑے حسنات
بھی بہت ہوجاتے ہیں اور عارضی چیز ہمیشہ ذاتی چیز سے ضعیف رہتی ہے اور تدبیر الٰہی کا منبع خیر کے فیضان
پر ہے اور خیر وجود کے ساتھ بہت قریب اور شر اس سے بہت بعید ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے
کہ خدا تعالے کی رحمت کے سو حصے ہیں جن میں سے ایک حصہ زمین کی طرف اتار رکھا ہے اسی کو نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے بالشت اور ذراع اور باع اور چلنے اور دوڑنے کے ساتھ بیان کیا ہے اور حرکت
کے اعتبار سے کوئی چیز سرعت میں خدا تعالے اور اس کی طرف التفات کرنے سے زیادہ نافع نہیں ہے
من لقینی بقراب الارض خطیئة لا یشرک بی شیئا اس کے یہی معنی ہیں اور اللہ پاک فرماتا ہے علم عبدی ان
له ربا یغفر الذنوب ویاخذ به کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا اور گناہ
پر مواخذہ کرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قال تعالے من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب
وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته
کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی
لاعیذنه وما ترددت فی شیء انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مساءته اللہ پاک فرماتا ہے کہ جو
شخص کسی میرے دوست سے عداوت کرتا ہے میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں میرا بندہ کسی چیز سے
جو مجھکو زیادہ تر محبوب ہو فرائض سے زیادہ مجھ سے نزدیک نہیں ہوتا اور میرا بندہ نوافل سے قربت
حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ مجھے پیارا ہوجاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا
کان ہوجاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں
جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جو مانگتا ہے میں اس کو دیتا
ہوں اور اگر میری پناہ مانگتا ہے تو ضرور پناہ میں لے لیتا ہوں اور میں نے کسی چیز میں جس کے کرنے کا
ارادہ کیا ہے ایسا تردد نہیں کیا جیسے مومن کے نفس سے مجھے تردد ہوا اس کو موت گوارا نہیں ہوتی اور مجھکو اسکی
تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں جب خدا تعالے کسی بندہ سے محبت کرتا ہے اور ملاء اعلے میں اس کی محبت نازل ہوکر زمین

میں بھی مقبول ہو جاتا ہے پھر کوئی شخص اس بندہ الٰہی کی مخالفت کرتا اور اس بندہ سے عداوت کرتا ہے اور اس کے حال کے بگڑنے میں کوشش کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی رحمت جو اس محبوب کے متعلق ہوتی ہے اس کے دشمن کے حق میں لعنت بنجاتی ہے اور اس کی رضامندی دشمن کے حق میں غضب الٰہی بنجاتی ہے اور جب خدا تعالیٰ کسی شریعت کے ظاہر کرنے اور کسی دین کے قائم کرنے سے بندوں کے نزدیک ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس میں ان طریقوں اور شریعتوں کو مقوم فرماتا ہے تو یہ طریقہ اور عبادات سب چیزوں سے زیادہ رحمت الٰہی کے جالب اور اس کی رضامندی کے موافق ہوتی ہیں اور یہ تھوڑی سی چیزیں بہت ہوتی ہیں اور بندہ نوافل کے ذریعہ سے فرض ادا کرنے کے بعد خدا تعالیٰ سے برابر قربت حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور رحمت الٰہی اس کو محیط ہو جاتی ہے اس وقت میں اس اعضاء کو نور الٰہی سے مدد پہنچتی ہے اور اس کی ذات و اہل و عیال و مال میں برکت دی جاتی ہے اور اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور شر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی اعانت کی جاتی ہے اس قرب کا نام ہمارے ہاں قربت اعمال ہے۔ اور اس حدیث میں جو تردد کا لفظ آیا ہے اس سے عنایات الٰہی کا تعارض مراد ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو ہر نظام شرعی و شخصی کے ساتھ ایک توجہ خاص ہے بدن انسانی کے ساتھ اس کی توجہ کا مقتضیٰ ہے کہ اس کی موت و بیماری اور تکلیف کا حکم دیا جاتا اور اس کے نفس کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کا محبوب ہے توجہ الٰہی کا یہ مقتضیٰ ہوتا ہے کہ ہر طرح سے اس کے لئے راحت و آرام پہونچایا جائے اور تکلیف سے محفوظ رکھا جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم الحدیث کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتا دوں جو تمہارے سب اعمال میں بہتر ہے اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور سب اعمال سے زیادہ تمہارے درجات بلند کرنے والا ہے اور تمہارے حق میں سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارے حق میں اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے سامنا کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں، صحابہ نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا کہ وہ خدا کا ذکر ہے میں کہتا ہوں افضلیت کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور جبروت پر نفس کی اطلاع پانے کی اعتبار سے ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی چیز افضل نہیں ہے خاص کر ان نفوس زکیہ میں جن کو ریاضات کی حاجت نہیں ہوتی صرف نگاہداشت کی حاجت ہوتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قعد مقعدا لم یذکر اللہ فیہ الحدیث یعنے جو شخص کسی مجلس میں بیٹھکر خدا تعالیٰ کی یاد نہ کرے تو وہ مجلس اس کے حق میں منجانب اللہ حسرت ہے اور جو شخص لیٹے اور لیٹ کر خدا تعالیٰ کی یاد نہ کرے وہ لیٹنا خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر حسرت ہے اور فرمایا ما من قوم یقومون من مجلس لا یذکرون اللہ فیہ الا قاموا عن مثل جیفۃ حمار وکان علیہم حسرۃ۔ کوئی قوم کسی مجلس سے جس میں یاد الٰہی نہ کیا ہو نہیں کھڑی ہوتی مگر جس طرح مردار گدھے کو کھا کر اٹھتے ہیں اور وہ مجلس ان پر حسرت ہوگی اور فرمایا ہے لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللہ قسوۃ بالقلب وان ابعد الناس عن اللہ القلب القاسی بجز ذکر الٰہی کے کثرت سے کوئی کلام مت کرو اس لئے کہ بغیر ذکر خدا تعالیٰ کی کثرت سے

تمام دنیا قلب میں قساوت پیدا کر دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں سے دور قاسی القلب ہے
ہیں کیا جو جب ایک شخص نے ذکر الٰہی کی حلاوت معلوم کر لی اور ذکر الٰہی سے اطمینان حاصل ہونے کی کیفیت
اور نیز یہ بات معلوم کرلے کہ ذکر الٰہی کے کرنے سے اس کے قلب سے حجابات کس طرح دور ہوتے ہیں۔ اور وہ
شخص ایسا ہو جاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھتا ہے تو بلاشک جب وہ شخص دنیا کی طرف توجہ
ہوتا ہے اور اہل دنیا اور دنیا کے سامان میں متوجہ ہوتا ہے تو ان کیفیات میں سے بہت کچھ بھول جاتا ہے
اور ایسا ہو جاتا ہے کہ جو بات اس کو حاصل ہوئی تھی وہ اس سے گم ہو گئی اور اس شخص کے اور اس چیز کے مابین
جو اس کی آنکھوں کے سامنے تھی ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور یہ خصلت دروغ و ہر برائی کی طرف انسان کو بلاتی
ہے اور یہ ہر ایک حسرت کا سبب ہے اور جب بہت سی حسرتیں جمع ہو جاتی ہیں تو نجات کی کوئی سبیل نہیں ہوتی
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حسرتوں کا پورا پورا علاج بتایا ہے اس طرح پر کہ ہر وقت کے لئے اس وقت کی
مناسب ایک ذکر مقرر فرمایا ہے تاکہ غفلت کے سم کا دور کرنیوالا اور اس کے لئے تریاق ہو اور ان اذکار کے
فوائد اور نیز ان اذکار کے ثمرات کے عارض ہونے پر متنبہ کیا ہے اور معلوم کرو کہ ذکر کے الفاظ منضبط کرنے
کی ضرورت تھی تاکہ کوئی تصرف کرنے والا اپنی ناقص عقل سے اس میں تصرف کر کے خدا تعالیٰ کے اسماء میں
الحاد نہ کرے یا جو مقام جس ذکر کے مناسب ہے اس کو استعمال میں نہ لائے اذکار کے باب میں آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے جو مسنون کیا ہے ان سب سے زیادہ عمدہ و بہتر دس ذکر ہیں جن میں سے ہر ایک میں وہ راز ہے
جو دوسرے میں نہیں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر انہیں سے کئی کئی ذکر کے جمع کرنے
کا حکم دیا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ برابر ایک ہی قسم کا ذکر کرنے سے وہ ذکر بعادت مکلفین کے اعتبار سے صرف
زبانی حرکت ہو جاتا ہے اور اذکار کے بدلنے سے نفس کو تنبیہ اور غافل کو بیداری ہوتی ہے۔ اس میں سے
ایک ذکر سبحان اللہ ہے جس کی حقیقت خدا تعالیٰ کا تمام رذائل اور عیوب اور نقائص سے پاک کرنا ہے
اور ایک الحمد للہ ہے اور اس کی حقیقت خدا تعالیٰ کے لئے کمالات اور اوصاف کاملہ کا ثابت کرنا ہے
جب یہ دونوں باتیں ایک کلمہ میں جمع ہوئیں تو انسان کو اپنے پروردگار کی جو معرفت حاصل ہو سکتی ہے اس کلمہ
میں اس معرفت کا پورا پورا بیان ہے کیونکہ بندہ خدا تعالیٰ کو صرف اسی قدر پہچان سکتا ہے کہ اس کے لئے
ایک ذات ثابت کرے جو تمام ان نقائص سے جن کا ہم اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں پاک ہو اور جس قدر
کمالات کمال ہونے کی جہت سے ہم اپنے اندر دیکھتے ہیں وہ سب اس ذات کو ثابت ہوں پس جب اس
ذکر کی صورت نامۂ اعمال میں مندرج ہوتی ہے تو یہ معرفت پوری اور کامل جن کے کامل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے
ظاہر ہوتی ہے اور قرب الٰہی کا باب عظیم اس کے سبب سے مفتوح ہو جاتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
اپنے اس قول میں اسی کے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے التسبیح نصف المیزان والحمد للہ یملؤہ سبحان اللہ نصف
میزان ہے اور الحمد للہ اس کو پر کر دیتا ہے اس لئے سبحان اللہ وبحمدہ کا کلمہ زبان پر آسان اور وزن میں بہت بھاری ہے

اور خدا تعالیٰ کو پیارا ہوتا ہے اور اس کے پڑھنے والے کے لیے ایک درخت بویا جاتا ہے جو شخص اس کو سو مرتبہ پڑھے اس کے حق میں وارد ہوا ہے کہ تمام اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ اور قیامت کے دن کوئی شخص ان کلمات کے پڑھنے والے سے افضل نہ آویگا مگر جس نے اس کو پڑھا یا اس پر زیادہ کیا اور خدا تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے جو اذکار پسند فرمائے ہیں ان سب میں یہ بہتر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے اول من یدعی الی الجنۃ الذین یحمدون اللہ فی السراء والضراء سب سے پہلے جنت میں وہ لوگ لانے جاینگے جو مصیبت و آرام کے وقت اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اس میں یہ راز ہے کہ ان لوگوں کا عمل قبولیت کے قوائے ثبوتیہ اس پر باعث ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جنت کے انعامات سے نہایت قریب ہوتے ہیں اور یہ جو فرمایا ہے کہ افضل الدعا الحمد للہ بہترین دعا الحمد للہ ہے اس میں یہ راز ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں چنانچہ ہم ذکر کرینگے اور الحمد للہ میں دونوں قسم موجود ہیں کیونکہ شکر زیادتی نعمت کا سبب ہے اور اس کے اندر معرفت کی ثبوتی پائی جاتی ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ الحمد للہ راس الشکر الحمد للہ شکر کی اصل ہے اس میں یہ راز ہے کہ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلب سے بھی اور اعضاء سے بھی اور زبان بہ نسبت ان دونوں کے شکر پر زیادہ تر لبظاہر دلالت کرتی ہے اور ایک ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور اس کے کئی بطون ہیں بطن اول شرک جلی کا دور کرنا ہے اور بطن دوم شرک خفی کا دور کرنا ہے اور بطن سوم ان حجابات کا دور کرنا جو معرفت الٰہی تک پہونچنے کے مانع ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے لا الٰہ الا اللہ لیس لہا حجاب دون اللہ حتی تخلص الیہ لا الٰہ الا اللہ کے لئے خدا تعالیٰ سے ورے کوئی پردہ نہیں جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ تک وہ پہونچ جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو اسکے بطون میں سے پہلے دو بطن کا علم تھا اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بعید سمجھا کہ آپ کے لئے جو ذکر خاص کیا گیا ہے وہ یہی ہو۔ اور خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے اس کا حال ظاہر کر دیا اور آپ پر یہ بات روشن کر دی کہ یہ کلمہ خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے اختیار کرنے اور آنکھوں کے سامنے متمثل ہونے سے دور کرنے والا ہے اور اس درجہ کا کلمہ ہے کہ اگر تمام دنیا کے کلمے ایک پلہ میں رکھے جاویں اور یہ کلمہ دوسرے پلے میں تو ان سب کو جھکا دے کیونکہ اس کلمہ کے سامنے سب کلمے حقیر ہیں یعنی کم رتبہ کے اور لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ جب کسی قدر تفصیل اور شامل ہو جاتی ہے تو یہ کلمہ نفی اور اثبات کے لئے ہو جاتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر۔ اس کلمہ کے سو مرتبہ کہنے والے کی فضیلت میں وارد ہوا ہے کانت لہ عدل عشر رقاب الخ اس کے لئے اس کلمہ کا سو مرتبہ کہنا دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے اخیر حدیث تک کیونکہ یہ کلمہ معرفت سلبیہ و ثبوتیہ کا جامع ہے اور سلبیہ کو گناہوں کے دور ہونے اور ثبوتیہ کو حسنات کے پائے جانے اور جزا کے متمثل ہونے میں بہت دخل ہے اور ایک ذکر کلمہ اللہ اکبر ہے [illegible] سطوت کا ادراک

اور معرفت ثبوتیہ کی طرف اس میں اشارہ ہے اسی لئے اس کلمہ کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ کلمہ زمین آسمان کی فضاء کو بھر دیتا ہے یہ چاروں کلمے سب میں افضل اور خدا تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ اور جنت میں یہ کلمات بوئے جاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین مرتبہ ایسے پڑھے ہیں کہ اگر ان کلمات کے ساتھ جو تو نے آج شروع دن سے پڑھے ہیں وزن کئے جائیں تو وزن میں ان سے زیادہ نکلے سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ - اس میں یہ راز ہے کہ عمل کی صورت جب نامۂ اعمال میں ثابت ہوتی ہے تو جزاء کے وقت اس صورت کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت اس کلمہ کے معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے اگر اس میں ایسا کلمہ ہے جیسے عدد خلقہ تو اس کا پھیلاؤ اسی قدر ہوتا ہے۔

معلوم کرنا چاہئے جس شخص کا میلان ذکر کی کیفیت سے نفس میں اثر پیدا کرنے کی طرف ہوتا ہے اس شخص کے لئے ذکر کا کثرت سے کرنا مناسب ہوتا ہے اور جس شخص کا میلان اس طرف زیادہ ہوتا ہے کہ عمل کی صورت نامۂ اعمال میں محفوظ رہے اور جزاء کے دن اس کا ظہور ہو تو اس کے حق میں ایسے ذکر کا اختیار کرنا مناسب ہوتا ہے جو باکیفیہ اور اذکار پر فوقیت رکھتا ہو کسی کو اس موقع پر یہ کہنے کی مجال نہیں ہے کہ جب تین مرتبہ ان کلمات کا کہنا تمام اذکار سے افضل ہوا اذکار کی کثرت اور تمام اوقات کا ان میں صرف کرنا ضائع ہوا اس لئے کہ فضیلت ایک اعتبار سے ہے نہ دوسرے اعتبار سے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جویریہؓ کو اقرب اعمال کی طرف رہبری اور اس کی طرف تبلیغ بلیغ فرمائی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ذکر کے اندر تہلیل (لا الہ الا اللہ) کے ساتھ اللہ اکبر اور باقی کلمات کا ملانا مسنون فرمایا ہے اس میں یہ راز ہے کہ نفس کو ذکر پر تنبیہ ہوتی رہے اور صرف زبانی حرکت نہ ہو اور ایک ان اذکار میں سے ایسے امور کا سوال کرنا ہے جو اس کے بدن یا اس کی ذات کے لئے پیدائش کے اعتبار سے نافع ہیں یا حصول اطمینان یا تدبیر منزل یا مال وجاہ کے اعتبار سے اور انہیں اعتبارات سے جو چیزیں مضر ہیں ان سے پناہ مانگنا۔ اور اس کے اندر بھید خدا تعالےٰ کی تاثیر کا عالم میں مشاہدہ کرنا اور بجز خدا تعالےٰ کے سب سے روکنے اور قوت دینے کی نفی کرنا ہے اس باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں مقرر فرمائی ہیں ان میں سے یہ دعائیں زیادہ ترجامع ہیں۔ اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح لی آخرتی التی فیھا معادی واجعل الحیوۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر۔ اور اللھم انی اسئلک الھدی والتقی والعفاف والغنی اللھم اہدنی وسددنی۔ اور فرمایا ہے ہدایت کے ساتھ راستہ کی طرف اپنی ہدایت اور سداد سے تیر کی طرح سیدھا ہونا مراد ہے۔ اور اللھم اغفر لی وارحمنی واہدنی وعافنی وارزقنی اللھم ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ رب اعنی ولا تعن علی وانصرنی ولا تنصر علی وامکر لی ولا تمکر علی واہدنی ویسر الھدی لی وانصرنی علی من بغی علی رب اجعلنی لک شاکرا لک راھبا لک مطواعا

لک مخبتا الیک اواہا منیبا رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی وثبت حجتی وسدد لسانی واہد قلبی واسلل سخیمۃ صدری اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک اللھم ما رزقتنی مما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب اللھم ما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغا لی فیما تحب اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا وبین معاصیک ومن طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک ومن الیقین ما تھون بہ علینا مصیبات الدنیا ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔ اور پناہ مانگنے کے لئے جو دعائیں آپ نے مقرر کی ہیں ان میں یہ دعائیں زیادہ تر جامع ہیں۔ اعوذ باللہ من جھد البلاء ودرک الشقاء وسوء القضاء وشماتۃ الاعداء۔ اللھم انی اعوذ بک من الھم والحزن والعجز والکسل والجبن والبخل وضلع الدین وغلبۃ الرجال اللھم انی اعوذ بک من الکسل والھرم والمغرم والماثم۔ اللھم انی اعوذ بک من عذاب النار وفتنۃ النار وفتنۃ القبر وعذاب القبر ومن شر فتنۃ الغنا ومن شر فتنۃ الفقر ومن شر فتنۃ المسیح الدجال اللھم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد ونق قلبی کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔ اللھم آت نفسی تقوٰھا وزکھا انت خیر من زکٰھا انت ولیھا ومولٰھا اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوۃ لا یستجاب لھا۔ اللھم انی اعوذ بک من زوال نعمتک وتحول عافیتک وفجاءۃ نقمتک وجمیع سخطک۔ اللھم انی اعوذ بک من الفقر والقلۃ والذلۃ واعوذ بک من ان اظلم او اظلم۔ اور ازانجملہ خضوع اور فرمانبرداری کا بیان کرنا جیسے کہ آپ کا قول ہے سجد وجھی للذی خلقہ الخ۔ اور معلوم کرنا چاہئے جن دعاؤں کا آپ نے حکم دیا ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ دعائیں ہیں جن سے تو لاے فکر یہ کا خدا تعالےٰ کی عظمت اور اس کے جلال کے ملاحظہ سے پر ہونا یا خضوع اور فرمانبرداری کی حالت کا حاصل ہونا مقصود ہے کیونکہ اس حالت کے مناسب زبان کی تعبیر کرنے کے لئے نفس کی اس حالت پر تنبہ ہونے اور متوجہ ہونے میں اثر عظیم ہے اور دوسرے قسم کی وہ دعائیں ہیں جن میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف رغبت اور ان دونوں کے شر سے پناہ مانگنا مقصود ہے کیونکہ نفس کا ارادہ اور ہمت کوشش سے اس کا کسی چیز کو طلب کرنا جناب باری کے جود کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے جس طرح دلیل کے مقدمات نتیجہ کے فیضان کا سبب ہوتے ہیں اور نیز جب کسی چیز کی حاجت قلب کو تکلیف دیتی ہے تو اس کے سبب سے مناجات کی طرف قلب متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی عظمت اس کے سامنے موجود ہو جاتی ہے اور ایسے وقت میں آدمی کی ہمت خدا تعالےٰ کی طرف مائل ہو جاتی ہے لہٰذا یہ حالت محسنین کے لئے بہت مغتنم ہوتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے الدعاء ھو العبادۃ عبادت دعا ہی کا نام ہے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ فی الحقیقت عبادت تعظیم کی صفت کے ساتھ حضور کے اندر مستغرق ہو جاتا ہے اور دعا اپنی دو قسموں کے اعتبار سے اس کے لئے کافی مقدار ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افضل العبادۃ انتظار الفرج۔ بہتر ترین عبادت

کا انتظار کشادگی کا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ کہ رغبت کے ساتھ رغبت الٰہی کی خواستگاری کو بقدر
اثر ہوتا ہے کہ عبادت کو بھی اتنا اثر نہیں ہوتا اور آپ نے فرمایا ہے ما من احد یدعو بدعاء الا آتاہ اللہ ما
سأل او کف عنہ من السوء مثلہ۔ کوئی دعا کرنے والا کوئی دعا نہیں کرتا مگر خدا تعالےٰ موافق اس کے سوال کے
اس کو عطا فرماتا ہے یا اس کے برابر مصیبت کی برائی آدمی سے روک لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں عالم مثال سے
کسی چیز کا ظہور جب زمین پر ہوتا ہے تو اس ظہور کے لئے ایک تو طبعی دستور ہیں کہ اگر کوئی مانع حائل نہیں
ہوتا تو اس طریقے کے موافق اس ظہور کا اجرا ہوتا ہے اور ایک غیر طبعی طریقہ ہے یہ جب ہوتا ہے جب
اس باب میں باہم مزاحمت ہو جاتی ہے اور غیر طبعی کی ایک یہ صورت بھی ہے کہ کسی مصیبت کے دفعہ
کرنے یا اس کی وحشت کے دلجمعی کرنے اور قلب کے اندر خوشی کا القا یا کسی حادثہ کے اس کے جان
سے یا اس کے مال کی طرف مائل کرنے کے لئے رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے اور اسی قسم کی اور صورتیں بھی
ہیں اور آپ نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ خدایا اگر تو چاہے تو مجھکو بخش
دے اور تو اگر چاہے تو مجھ پر رحم کر اگر چاہے تو مجھکو رزق دے بلکہ کوشش کے ساتھ خدا تعالےٰ سے
سوال کیا کرے کیونکہ خدا تعالےٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے میں کہتا ہوں دعا کی
روح اور اس کی حقیقت نفس کا کسی چیز کی طرف رغبت کرنا ہے جس کے ساتھ تشبہ بالملائکہ اور جبروت
یا اعلا حیالی کی صفت بھی پائی جاتی ہو اور شک کے ساتھ طلب کرنے میں ارادہ کے اندر پراگندگی اور ہمت
میں سستی پائی جاتی ہے اور مصلحت کلیہ کے ساتھ موافقت موجود ہوتی ہے کیونکہ کوئی سبب مصلحت کلیہ
کی رعایت کرنے سے خدا تعالےٰ کو نہیں روکتا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ جو چاہتا
کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے لا یرد القضاء الا الدعاء بجز دعا کے کوئی چیز قضاء الٰہی کو نہیں روکتی۔ میں
کہتا ہوں قضاء سے یہاں پر وہ صورت مراد ہے جو عالم مثال میں پیدا کی جاتی ہے اور عالم کون میں اس حادثہ
کے وجود کا سبب ہوتی ہے اور وہ صورت تمام مخلوقات کی طرح محو و اثبات کو قبول کرتی ہے۔ اور آپ
نے فرمایا ہے ان الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل۔ البتہ دعا اس چیز کو جو اتاری گئی ہے اور جو چیز نہیں اتاری
گئی ہے نافع ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں جو حادثہ نازل نہیں ہوا ہے دعا کرنے سے وہ مضمحل ہو جاتا ہے
اور زمین پر اس حادثے کے موجود ہونے کا سبب نہیں ہو سکتا اور جب کوئی بلا نازل ہو جاتی ہے تو دعا کرنے
کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہاں پر رحمت الٰہی سے اس شخص کو اس مصیبت سے جو رنج پہونچتا اس میں تخفیف ہو جاتی
ہے اور اس کی وحشت انس کے ساتھ مبدل ہو جاتی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ من سرہ
ان یستجیب اللہ لہ عند الشدائد فلیکثر الدعاء فی الرخاء جس شخص کو یہ بات منظور ہو کہ شدائد کے وقت خدا تعالےٰ
اس کی دعا قبول کرے آرام کی حالت میں اس کو کثرت سے دعا کرنی چاہئے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ
ہے کہ دعا کسی شخص کی جب ہی قبول ہوتی ہے جب نہایت رغبت اور نہایت مستحکم ارادہ سے دعا کرے

اُس معصیت کے احاطہ کرنے سے پہلے وہ شخص دعا کرنے کا عادی ہو اور ہاتھوں کا اُٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا
اس رغبت کی ظاہری صورت اور ہیئت نفسانیہ اور اُس کے مناسب ہیئت بدنیہ میں مطابقت اور نفس کو
اُس حالت پر متنبہ کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے من فتح لہ باب من الدعاء فتحت لہ ابواب الرحمۃ جس شخص
کے لئے دعا کا ایک دروازہ کھولا گیا اُس کے لئے رحمت کے سب دروازے کھول دیئے گئے میں کہتا ہوں
جو شخص دلی رغبت سے دعا کرنے کی کیفیت جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کون کون سی صورتوں میں قبولیت
کا ظہور ہوتا ہے اور وہ شخص حضوری کی صفت کے ساتھ مشتاق ہو رہا ہے تو دنیا میں اس کے لئے رحمت کا دروازہ
کھول دیا جاتا ہے اور بہ مصیبت کے وقت اُس کی اعانت کی جاتی ہے اور مرنے کے بعد اُس کے گناہ جب
اس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور ہیئت دنیاوی اس کو ڈھکیلتی ہے تو وہ شخص جس طرح عادی ہو رہا تھا اُسی طرح
رغبت کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اُس کی دعا وہاں بھی مقبول ہوتی ہے اور وہ گناہوں سے ایسا
صاف نکل جاتا ہے جس طرح آٹے میں بال صفائی کے ساتھ نکل جاتا ہے۔

اور معلوم کرنا چاہیے کہ سب دعاؤں میں سے قریب بقبولیت وہ دعا ہوتی ہے جو ایسی حالت کے ساتھ
پائی جائے جس میں رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا موقع ہوتا ہے یا تو اس لئے کہ نفس انسانی کو اس حالت میں
کمال کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسے نمازوں کے بعد دعا کرنا یا روزہ دار کی دعا وقت افطار روزہ کے یا اس لئے
کہ وہ حالت جود الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتی ہے جیسے مظلوم کی دعا کیونکہ خدا تعالیٰ کو ظالم سے بدلہ
لینے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور یہ دعا مانگنا اُس توجہ کے ساتھ موافقت کرتا ہے اور مظلوم کے باب میں آیا ہے
کہ اُس کی دعا اور خدا تعالیٰ کے درمیان میں حجاب نہیں ہے۔ یا دنیاوی راحت کے منقلب ہونے کا سبب
ہوتی ہے ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کی رحمت جو اُس کے حق میں متوجہ ہوتی ہے وہ دوسری صورت میں
منقلب ہو جاتی ہے جیسے مریض یا مصیبت زدہ کی دعا یا وہ حالت دعا کے اخلاص کا سبب ہوتی ہے جیسے
کسی غائب شخص کے اپنے بھائی مسلمان کے لئے دعا یا باپ کی اپنی اولاد کے لئے یا وہ دعا اس وقت پائی جاتی
ہے جب روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور رحمت الٰہی جہان پر جھک جاتی ہے جیسے شب قدر یا جمعہ کے روز
اُس ساعت مرجوہ میں دعا کرنا یا ایسے مکان میں دعا کرنا جہاں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جیسے مکہ کے مقامات میں
جانے سے نفس کو حضور اور خضوع کی حالت پر تنبہ ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہ السلام کے مآثر ہم نے جو بیان کیا
ہے اس پر قیاس کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا راز معلوم ہو سکتا ہے یستجاب للعبد
مالم یدع باثم او قطیعۃ رحم مالم یستعجل۔ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے بشرطیکہ
جلدی نہ کرے اور آپ نے فرمایا ہے لکل نبی دعوۃ مستجابۃ الخ ہر ایک نبی کے لئے ایک مقبول دعا ہے سو ہر
نبی نے اپنی دعا دنیا میں مانگ لی ہے اور میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لئے قیامت کے دن کو
پوشیدہ کر رکھی ہے پس جو شخص میری امت سے مریگا اور کسی کو وہ خدا کا شریک نہ کرتا ہو گا وہ دعا انشاء اللہ

اس کو پہونچیگی میں کہتا ہوں انبیاء علیہ السلام کی کثرت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی بھی دعائیں بہت مقامات میں مستجاب ہوئی لیکن ہر نبی کے لئے ایک ایسی دعا ہوتی ہے جس کا منبع وہ
رحمت ہوتی ہے جو اس کی نبوت کا مبداء ہوتی ہے پھر اگر اس نبی کی امت اس پر ایمان لاتی ہے تو وہ دعا
اُن کے حق میں برکات کا سبب ہوجاتی ہے اور اس نبی کے دل میں ان کے لئے دعا کرنے کی خواہش
پیدا ہوتی ہے اور اگر وہ لوگ اس نبی کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے تو وہ
دعا ان لوگوں کے حق میں عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوجاتی ہے اور نبی کے دل میں نیز بد دعا
کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اگر وہ لوگ اس نبی کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں اور اس پر ایمان
نہیں لاتے تو وہ دعا ان لوگوں کے حق میں عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوجاتی ہے اور نبی کے
دل میں ان پر بددعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ
آپ کی بعثت سے مقصود اعظم قیامت کے روز لوگوں کا شفیع اور رحمت خاصہ کے نزول کا واسطہ ہونا ہے
لہذا آپ نے اس دعا برگزیدہ کو جو اصل نبوت سے پیدا ہوتی ہے اس دن کے لئے پوشیدہ کر رکھا اور آپ
نے فرمایا ہے انی اتخذت عندک عہدا الخ یعنی میں نے تجھ سے عہد لے لیا ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے حال پر جو رحم و کرم ہے اس کا مقتضی یہ ہوا کہ مشیر سے خدا تعالے سے آپ عہدہ
کرالیں اور حظیرۃ القدس میں آپ کی ہمت متمثل ہوجائے جس سے اس کے احکام برابر صادر ہوتے رہتے ہیں
اس کی یہ صورت ہے کہ خدا تعالے نے آپ کی امت کے حق میں آپ کے اس ارادہ کا اعتبار فرمایا جو باطنی
اور پوشیدہ ہے نہ ظاہری ارادہ کا اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو قول یا فعل کے ساتھ مسلمانوں
کی تعزیر فرمائی ہے اس سے آپکا مقصود اس دین کا انتظام قائم کرنا ہے جسکو خدا تعالیٰ ذات کیلئے پسند فرمایا ہے اور انکا راستی پر لانا اور بچی
سے بچانا مقصود ہے اور جن لوگوں پر کفر کا حکم لگا دیا جو قضاء الٰہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انسے سختی کیساتھ برتاؤ کیا ہے
نہیں بھی آپ کا مقصود اس غضب الٰہی کیساتھ موافقت کرنا جو ان لوگوں سے متعلق ہوا صورت اگرچہ متحد ہے لیکن طریقے مختلف ہیں اور
ایک توکل ہے۔ توکل کی روح خدا تعالے کی طرف توجہ کرنا ہے اس اعتقاد سے کہ وہی خدا تعالے اعتماد کے
قابل ہے اور تمام تدبیریں اسی کی طرف سے ہیں اور تمام لوگ اس کی تدبیر کے نیچے پست ہیں خدا تعالے
کے اس قول کا مصداق یہی ہے وہو القاہر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ یعنی وہی خدا تعالے اپنے بندوں پر
غالب ہے اور تم پر محافظین کو بھیجتا ہے توکل کے باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے ذکر مقرر
فرمائے ہیں از انجملہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ جنت کے خزانوں میں سے
ایک خزانہ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمات نفس کو ایک عظیم الشان معرفت کے قابل بنا دیتی ہیں اور از انجملہ
آپ کا یہ قول ہے بک اصول وبک احول اور جو اذکار اس اسلوب پر وارد ہیں اور ایک آپ کا یہ قول توکلت
علی اللہ اور یہ قول اللھم ان اللہ علی کل شی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شی علما۔ وعلی ہذا القیاس۔ اور ایک استغفار

کی روح اپنے اُن گناہوں کا جو نفس کو گھیرے ہوئے ہیں ملاحظہ کرنا اور نفس سے بعد روحانی اور فیض ملکی اُن کا دور کرنا ہے اور اس کے کئی سبب ہیں اور از انجملہ رحمت الٰہی کا کسی ایسے عمل سے اُس کو شامل ہو جانا جس کے سبب سے ملاء اعلےٰ کی دعائیں اُس کی طرف متوجہ ہو جاویں یا وہ عمل اس شخص میں کسی ایسی صفت کے ظاہر کرنے میں جو عامہ مخلوق کے لئے نافع ہے تدبیر الٰہی کے جوارح میں سے ہوتا ہے یا کسی محتاج کی حاجت پورا کرنے یا اُس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور از انجملہ ملائکہ کی ہیئت کی مشابہت پیدا کرنا اور انوار ملکیہ کا روشن ہونا اور بہیمیہ کے سرور کا اس کے اجزا کے ضعیف ہو جانے اور اس کے ہیجان کے فرو ہو جانے سے جاتا رہنا ہے اور از انجملہ جبروت پر اطلاع پانی اور خدا تعالےٰ کی معرفت اور اُس کے ساتھ یقین ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اُس کا کوئی پروردگار ہے جو اُس کے گناہ کو معاف کرتا ہے اور اُس سے مواخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو بخشدیا پس جب کوئی بندہ ان معانی ثلاثہ کا اپنے نفس سے گناہ دور ہونے میں استعمال کرتا ہے تو وہ گناہ مضمحل ہو جاتے ہیں استغفار کے اذکار میں سے جامع ترین استغفار یہ ہے اللھم اغفرلی خطیئتی وجہلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی۔ اللھم اغفرلی جدی وھزلی وخطائی وعمدی وکل ذلک عندی اللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر وانت علے کل شئی قدیر۔ اور سید الاستغفار یہ ہے لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علے عہدک ووعدک ما استطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علے وابوء بذنبی فاغفرلی وانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ تعالےٰ فی الیوم مائۃ مرۃ میرے قلب پر بھی پردہ آجاتا اس لئے ہر روز اللہ پاک سے میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں اُس پردہ کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت عامہ مومنین کے ساتھ ایسی ہیئت میں رہنے کا حکم ہے کہ جو ملکی اور بہیمی سے مرکب ہوتا کہ جو طریقہ آپ اُن کے لئے مسنون فرمادیں اُس کو ذوق اور وجدان کے طور پر قبول کر کے پیروی کریں نہ صرف قیاس وتخمین کے طور پر اور اس ہیئت میں رہنے کو دل پر عین یعنی پردہ اور کدورت کا عارض ہونا لازم ہے اور از انجملہ خدا تعالےٰ کے نام سے برکت حاصل کرنا ہے اور اُس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو ہر عالم کے اعتبار سے ایک قرب ہے حروف کے عالم میں خدا تعالےٰ کا قرب اُن اسماء کے ساتھ ہوتا ہے جو اہل لسان کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اور ملاء اعلےٰ میں جن کا رواج ہوتا ہے اُن اسماء میں سے جب کوئی بندہ کسی نام کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو خدا تعالےٰ کی رحمت اُس کے قریب ہو جاتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان للہ تسعۃ وتسعین اسماء مائۃ الا واحدۃ من احصاھا دخل الجنۃ۔ خدا کے لئے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو شخص اُن کو یاد کریگا تو جنت میں داخل ہوگا میں کہتا ہوں اس فضیلت کا سبب ایک یہ ہے کہ یہ اسماء خدا تعالےٰ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کی معرفت کے لئے کافی مقدار ہیں اور حظیرۃ القدس میں ان اسماء کے لئے نہایت برکت اور کامل درجہ پایا جاتا ہے اور تمام اعمال

ہیں ان اسما کی صورت جب منعقد ہوتی ہے تو بالضرور اس صورت کی بسعت ایک عظیم الشان رحمت کیطرف
ہوتی ہے اور معلوم کیا جاتا ہے کہ خدا تعالے کا اسم اعظم جس کے ساتھ دعاء کرنے سے دعا مستجاب ہوتی ہے
وہ جو سوال کیا جاتا ہے ملتا ہے وہ نام ہے جو تقربات ایزدی میں سے نہایت جامع تقرب پر دلالت کرتا
ہے اور ملاء اعلےٰ میں وہ نام کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے اور ہر زمانہ میں اہل لسان اس نام پاک کے ساتھ ناطق
ہوتے ہیں اور ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ زید جو شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے اس کے لئے ایک صورت
شاعر ہونے کی ہے اور ایک کاتب ہونے کی اسی طرح حق تعالے کو عالم مثال کے لئے کسی مقام کے ساتھ
تقربات ہوتے ہیں اور یہ معنی اس پر صادق آتے ہیں انت اللہ لا الہ الا انت الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ
کفوا احد۔ اور نیز اس پر صادق آتے ہیں لک الحمد لا الہ الا انت المنان بدیع السموات والارض یا ذالجلال
والاکرام یا حی یا قیوم۔ اور اسی قسم کے اسماء پر یہ معنی صادق آتے ہیں۔ اور از انجملہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر
درود بھیجنا ہے آپ نے فرمایا ہے من صلی علی صلوۃ صلے اللہ علیہ عشرا۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے
خدا تعالے اس پر دس درود بھیجتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے ان اولی الناس بی یوم القیامت اکثرہم
علی صلوۃ۔ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ قریب میرے وہ شخص ہوگا جو انہیں کثرت سے مجھ پر
درود بھیجتا ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ نفوس بشریہ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ نفحات
الہی کے سامنے رہیں اور پیش رہنے کے لئے اس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے کہ تقربات انوار اور علامات
الہی جو زمین پر پائے جاتے ہیں ان کی طرف نفس کی توجہ اور ان کے سامنے رک جانا اور ان کے اندر غور
کرنا اور ان پر ٹھہر جانا ہو خاصکر ان مقربین کی ارواح جو ملاء اعلے کے بزرگ ترین لوگوں میں ہیں اور زمین والوں
جو خدا تعالے کی بخشش ہوتی ہے اس کے وسائط ہیں جیسا کہ ہم سابقا بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کا تعظیم سے ذکر کرنا اور خدا تعالے سے آپ کے حق میں بہتری کی خواہش کرنا آپ کی طرف توجہ کرنے
کا کاملترین سبب ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ تحریف کا راستہ اس سے مفتوح نہیں ہوتا کیونکہ اس شخص
نے صرف آپ کے لئے خدا تعالے سے رحمت کی خواستگاری کے قصد سے آپ کو ذکر کیا ہے اور کاملین
کی ارواح کو جب اپنے ابدان سے مفارقت ہوتی ہے تو ان کا حال اس موج کا سا ہوتا ہے جو رکی ہوئی ہوتی ہے
کہ کوئی نیا ارادہ یا کوئی عارضی سبب ان کو حرکت نہیں دے سکتا مگر جو ملم درجہ کے نفوس ہوتے ہیں وہ ان ارواح کے
ساتھ بالقصد متصل ہو کر ایک نور اور ایک ہیئت جو ان ارواح کے مناسب ہوتی ہے وہ ان ارواح سے حاصل
کر لیتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی
حتی ارد علیہ السلام کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کرتا ہو مگر خدا تعالے میری روح کا مجھ پر اعادہ کر دیتا ہے
حتی کہ میں اس کو سلام کا رد یعنی جواب دیدیتا ہوں۔ سنہ گیارہ سو چوالیس ہجری میں جب مدینہ کے ساتھ مجھکو
مجاورت نصیب ہوئی تو میں نے بیشمار مرتبہ اس بات کا مشاہدہ کیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے لاتجعلوا زیارۃ قبری عیدا۔ میری قبر کی زیارت کو عید نہ بنانا۔ میں کہتا ہوں اس میں تحریف کے رستہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے جیسے یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے۔ اور مثل حج کے ان کو عید و میلہ بنایا تھا۔ معلوم کرو کہ اذکار کے اوقات معیّن کرنے کی حاجت ہے۔ اگرچہ شرائع میں توقیت سے وہ توقیت کم درجہ کی ہے اس لئے کہ اگر اذکار کی توقیت نہ کی جائے تو تساہل کرنے والا کاہل رہ سکتا ہے۔ اور یہ توقیت یا اسباب کے ساتھ ہونی چاہئے یا اوقات کے ساتھ اور ہم نے صراحتاً یا اشارۃً اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ بعض اوقات کو بعض اوقات پر ترجیح کا سبب یا تو روحانیت کا ان اوقات میں ظاہر ہونا ہے مثلاً صبح و شام کے اوقات یا نفس کا ان اوقات میں کیفیات رذیلہ سے خالی ہونا جیسے خواب سے بیدار ہوتے وقت یا نفس کا اسوقت میں اختلاطات اور دنیا کے قصوں سے فارغ ہونا کہ اسوقت میں ذکر کرنا نفس کے لئے بمنزلہ صیقل کے ہو جاتا ہے جیسے سونے کا ارادہ کرتے وقت اور یہ بھی ہے کہ وہ چیز مخصص ہو سکتی ہے جو ذکر الٰہی کے بھلانے اور بارگاہ الٰہی کی طرف توجہ سے غافل کرنے کا سبب ہو ایسے وقت میں ذکر الٰہی سے اس کا علاج ضرور ہوتا ہے تاکہ اس غفلت کے سم کے لئے بمنزلہ تریاق کے ہو کر اس کے نقصان کا تدارک کر دے یا وہ مخصص کوئی عبادت ہوتی ہے جس کا نفع بغیر ذکر کے ملائے کامل نہیں ہوتا مثل ان اذکار کے جو نمازوں کے اندر مسنون ہیں۔ یا وہ مخصص کوئی ایسی حالت ہوتی ہے۔ جو نفس کو خوف الٰہی اور اس کی عظیم الشان سلطنت کے ملاحظہ کرنے پر متنبہ کرتی ہے کیونکہ یہ حالت اس شخص کو خواہ مخواہ اعمال حسنہ کی طرف رہبری کرتی ہے خواہ اس کو علم ہو یا نہ ہو جیسے آیات الٰہی مثل آندھی اور تاریکی اور کسوف وغیرہ کے وقت اذکار مقرر فرمائے گئے ہیں۔ یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں ضرر کے پہونچنے کا خوف ہوا کرتا ہے لہذا اس حالت کے شروع میں خدا تعالیٰ کے فضل کی خواستگاری کی جائے اور اس کی پناہ مانگی جاوے جیسے سفر کرتے اور سوار ہوتے وقت۔ یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اہل جاہلیت اس حالت کے ساتھ دلوں میں ایسے اعتقاد رکھتے تھے جن کا انجام شرک یا بدشگونی یا اسکے مثل ہوتا تھا جس طرح جنون کی پناہ مانگتے تھے اور رویت ہلال کا وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض اذکار کے فضائل اور دنیا و آخرت میں ان کے آثار بیان کئے ہیں تاکہ لوگوں کو پورا فائدہ پہنچے اور ان کو کامل رغبت پیدا ہو اور اس باب میں زیادہ تر مقصود بالذات چند امور ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر تہذیب نفسانی کا مظنہ اور اسکی علامت ہے لہذا جو امر تہذیب پر مترتب ہوتا ہے ذکر پر آپ نے اس کو دائر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے

من قال ہن ثم مات مات علی الفطرۃ او دخل الجنۃ او غفر لہ۔ جو شخص ان کو پڑھکر مر گیا تو فطرت اسلامی پر مرا اور داخل ہوا جنت میں یا یہ فرمایا کہ بخشا گیا اور اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں اور از انجملہ اس بات کا بیان کہ ذکر کرنے والے کو کوئی ضرر نہیں پہونچاتی یا ہر ایک بات سے محفوظ رہتا ہے اس کا یہ سبب ہوتا ہے کہ رحمت الٰہی اس شخص کے شامل حال ہو جاتی ہے اور ملائکہ کی دعا اسکو محیط ہوتی ہے اور از انجملہ اس بات کا بیان کہ اسکے گناہ دور ہو جاتے اور حسنات اس کے لئے

لیے جاتے ہیں وراس کا سبب ہم بیان کر چکے کہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ اور رجوع الی اللہ کا اس پر محیط ہو جانا گناہوں کو
دور کر دیتا ہے اور قوت ملکی کو زیادہ کر دیتا ہے۔ اور از انجملہ شیاطین کا اس شخص سے دور ہو جانا اس کا ذکر بھی لیجیئے۔ سب
ور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں ذکر مقرر فرمایا ہے صبح، شام و خواب کے وقت اور اکثر اذکار میں
جاگنے کا وقت مقرر نہیں فرمایا کیونکہ غالبا وہی وقت صبح کے طلوع کرنے یا اس کے روشن ہونے کا ہوتا ہے۔ صبح و
شام کے اذکار میں سے بعض اذکار یہ ہیں اللہم عالم الغیب والشہادۃ فاطر السموات والارض رب کل شیء وملیکہ اشہد ان
لا الہ الا انت اعوذ بک من شر نفسی ومن شر الشیطان وشرکہ امسینا وامسی الملک للہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ وحدہ
لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیء قدیر اللہم انی اسئلک من خیر ہذہ اللیلۃ وخیر ما فیہا واعوذ بک من شرہا وشر ما فیہا
اللہم انی اعوذ بک من الکسل وسوء الکبر وفتنۃ الدنیا وعذاب القبر اور صبح کے وظیفہ میں بجائے امسینا کے اصبحنا اور بجائے امسی کے اصبح اور
بجائے ہذہ اللیلۃ کے ہذا الیوم بدل دینا چاہیئے۔ اصبحنا وبک امسینا وبک نحیی وبک نموت والیک المصیر اور شام کو وقت بجائے اسکے بک امسینا
وبک اصبحنا وبک نحیی وبک نموت والیک النشور پڑھنا چاہیئے۔ بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء وہو السمیع العلیم تین مرتبہ اور
سبحان اللہ وبحمدہ لا قوۃ الا باللہ ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما سبحان
اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظہرون۔ تخرجون تک پڑھے اور اللہم انی
اسئلک العافیۃ فی الدنیا والآخرۃ اللہم انی اسئلک العفو والعافیۃ فی دینی ودنیای واہلی ومالی اللہم استر عوراتی وآمن
روعاتی اللہم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی واعوذ بعظمتک ان اغتال من تحتی رضیت باللہ
ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلے اللہ علیہ وسلم نبیا تین مرتبہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق اللہم ما اصبح بی من نعمۃ
او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر اور ایک سید الاستغفار ہے جو مذکور ہو چکا ہے
اور سوتے وقت کا وظیفہ جب بستر پر جاوے یہ ہے باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمہا
وان ارسلتہا فاحفظہا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین۔ اور اللہم اسلمت نفسی الیک ووجہت وجہی الیک وفوضت امری
الیک والجات ظہری الیک رغبۃ ورہبۃ الیک لا ملجا ولا منجا منک الا الیک آمنت بکتابک الذی انزلت
ونبیک الذی ارسلت۔ والحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وکفانا وآوانا فکم ممن لا کافی لہ ولا مؤوی لہ۔ اور سبحان اللہ اور
الحمد للہ ہر ایک تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس مرتبہ اور اللہم قنی عذابک یوم تبعث عبادک تین مرتبہ اعوذ بوجہک
الکریم وکلماتک التامات من شر ما انت آخذ بناصیتہ اللہم انت تکشف المغرم والماثم اللہم لا یہزم جندک ولا یخلف
وعدک ولا ینفع ذا الجد منک الجد سبحانک وبحمدک۔ اور اللہم رب السموات والارض ورب کل شیء فالق الحب والنوی منزل
التوراۃ والانجیل والقرآن اعوذ بک من شر کل ذی شر انت آخذ بناصیتہ انت الاول فلیس قبلک شیء وانت الآخر
فلیس بعدک شیء وانت الظاہر فلیس فوقک شیء وانت الباطن فلیس دونک شیء اقض عنی الدین واغننی من
الفقر۔ اور بسم اللہ وضعت جنبی اللہم اغفر لی ذنبی واخسا شیطانی وفک رہانی واجعلنی فی الندی الاعلی اور الحمد للہ
الذی کفانی وآوانی واطعمنی وسقانی والذی من علی فافضل والذی اعطانی فاجزل الحمد للہ علی کل حال۔ اللہم رب کل شیء وملیکہ

والی کل شئ اعوذ بک من النار۔ اور دونوں ہاتھ ملا کر قل ہو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب
الناس پڑھے جہانتک بدن پر اس کا ہاتھ پہونچ سکے ہاتھ پھیرے اور آیۃ الکرسی پڑھے اور اگر کسی عورت سے
نکاح کرے یا کوئی باندی غلام خریدے تو اس کے واسطے یہ پڑھنا مسنون ہے۔ اللھم انی اسئلک خیرہا وخیر ما
جبلتہا علیہ واعوذ بک من شرہا ومن شر ما جبلتہا علیہ اور جب مبارکبادی دے تو یہ کہے بارک اللہ لک وبارک
علیکما وجمع بینکما فی خیر۔ اور جب بیوی سے صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان
وجنب الشیطان ما رزقتنا اور پاخانے کو جاتے یہ پڑھنا چاہیے اعوذ باللہ من الخبث والخبائث اور وہاں سے
نکلتے وقت غفرانک کہے اور جب کسی کو کوئی تکلیف ہو رہی ہو تو وہ یہ پڑھے لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب
العرش العظیم لا الہ رب السموات ورب الارض ورب العرش الکریم اور غصہ کے وقت پڑھے اعوذ باللہ من الشیطان
الرجیم۔ اور مرغ کے اذان دیتے وقت خدا تعالیٰ سے فضل کی خواستگاری کرے اور گدھے کے رینکتے وقت
اعوذ پڑھے۔ اور سواری پر چڑھتے وقت تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھے بعد ازاں پڑھے سبحان الذی سخر لنا ہذا وما کنا لہ
مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔ اور الحمد للہ تین مرتبہ اور اللہ اکبر تین مرتبہ اور سبحانک اللھم ظلمت نفسی فاغفر لی انہ لا یغفر
الذنوب الا انت اور سفر کا قصد کرتے وقت پڑھے اللھم انا نسئلک فی سفرنا ہذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم
ہون علینا سفرنا ہذا واطولنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاہل اللھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ
المنقلب وسوء المنظر فی المال والاہل اور جب منزل پر اترے یہ پڑھے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق یا ارض ربی وربک اللہ اعوذ
باللہ من شرک ومن شر ما فیک ومن شر ما خلق فیک ومن شر ما یدب علیک اعوذ باللہ من اسد واسود ومن الحیۃ والعقرب ومن شر ساکن البلد ومن والد وما
ولد۔ اور جب سفر کی حالت میں صبح کا وقت ہو تو یہ پڑھے سمع سامع بحمد اللہ وحسن بلائہ علینا ربنا صاحبنا وافضل علینا
عائذا باللہ من النار اور جب سفر سے واپس آوے تو جب کوئی بلند جگہ آوے تین مرتبہ اللہ اکبر کہے بعد ازاں کہے
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شئ قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون
صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ اور جب کافروں پر بددعا کرے تو یہ کہے۔ اللھم منزل الکتاب
سریع الحساب اللھم اہزم الاحزاب اللھم اہزمہم وزلزلہم اللھم انا نجعلک فی نحورہم ونعوذ بک من شرورہم اللھم انت
عضدی ونصیری بک اصول وبک احول وبک اقاتل۔ اور جب کسی قوم کا مہمان ہو تو یہ کہے اللھم بارک لہم فیما
رزقتہم واغفر لہم وارحمہم اور چاند دیکھتے وقت پڑھے اللھم اہلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک
اللہ۔ اور کسی کو کسی بلا میں گرفتار دیکھے تو کہے۔ الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔
اور جب کسی ہنٹ میں جائے تو یہ کہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو حی لا یموت بیدہ الخیر وہو
علی کل شئ قدیر۔ اور جب کسی شور وغل کی مجلس سے اٹھے تو یہ پڑھے سبحانک اللھم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت
استغفرک واتوب الیک اور کسی شخص کو رخصت کرتے وقت یہ پڑھنا چاہیے استودع اللہ دینک وامانتک
وآخر عملک وزودک اللہ التقوی وغفر ذنبک ویسر لک الخیر حیث ما کنت اللھم اطولہ البعد وہون علیہ السفر۔

اور اپنے گھر سے نکلتے وقت پڑھے بسم اللہ توکلت علی اللہ اللھم انا نعوذ بک من ان نذل او نضل او نظلم او نظلم او
نجہل او یجہل علینا بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور اپنے گھر میں آتے وقت پڑھے اللھم انی
اسئلک خیر المولج وخیر المخرج بسم اللہ ولجنا وبسم اللہ خرجنا وعلی اللہ ربنا توکلنا اور جب کسی پر قرض کا بوجھ اور افکار
کا ہجوم ہو تو صبح و شام یہ پڑھے اللھم انی اعوذ بک من الہم والحزن واعوذ بک من العجز والکسل واعوذ بک من البخل
والجبن واعوذ بک من غلبۃ الدین وقہر الرجال۔ اور یہ پڑھے اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن
سواک۔ اور جب نیا کپڑا پہنے تو پڑھے اللھم لک الحمد انت کسوتنی ہذا۔ اور اس کپڑے کا نام لے واسئلک خیرہ وخیر
ما صنع لہ واعوذ بک من شرہ وشر ما صنع لہ الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی۔ اور کچھ چیز کھاتے پیتے
وقت پڑھے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین الحمد للہ الذی اطعمنی ہذا الطعام من غیر حول منی ولا قوۃ الحمد للہ
الذی اطعم وسقی وسوغہ وجعل لہ مخرجا اور جب دستر خوان اٹھایا جائے تو پڑھے الحمد للہ حمدا طیبا کثیرا مبارکا فیہ غیر
مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔ اور مسجد کو چلتے ہیں یہ پڑھے اللھم اجعل فی قلبی نورا الخ اور مسجد کے اندر داخل ہونے
سے پہلے یہ پڑھے اعوذ باللہ العظیم وبوجہہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم اللھم افتح لی ابواب رحمتک۔ اور مسجد
سے نکلتے وقت پڑھے اللھم انی اسئلک من فضلک۔ اور جب بادل کے گرجنے اور کڑکنے کی آواز سنے تو پڑھے
اللھم لا تقتلنا بغضبک ولا تہلکنا بعذابک وعافنا قبل ذلک اللھم انی اعوذ بک من شرہا۔ اور ہوا چلتے وقت پڑھے
اللھم انی اسئلک خیرہا وخیر ما فیہا وخیر ما ارسلت بہ واعوذ بک من شرہا وشر ما فیہا وشر ما ارسلت بہ۔ اور چھینکتے وقت
پڑھے الحمد للہ حمدا طیبا کثیرا مبارکا۔ اور اس کے پاس والا کہے یرحمک اللہ۔ اور چھینکنے والا اس کے جواب میں
کہے یہدیکم اللہ ویصلح بالکم۔ اور سوتے وقت پڑھے اللھم باسمک اموت واحیی۔ اور جاگتے وقت پڑھے الحمد للہ
الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ اور اذان کے وقت پانچ چیزیں مسنون ہیں۔ ایک تو یہ کہ مؤذن کا لفظ بلفظ جواب
دینا چاہیے بجز حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے کہ ان کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے۔ دوسرے
اس کا پڑھنا ہے رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا۔ تیسرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔
چوتھے اذان کے بعد اس دعا کا پڑھنا ہے۔ اللھم رب ہذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ
والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد۔ پانچویں خدا تعالیٰ سے فلاح دارین کا سوال
کرنا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کے عشرہ میں کثرت سے یاد الٰہی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور
صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے عرفہ کے روز اور ایام تشریق میں مختلف طور سے تکبیر ثابت ہوئی ہے جن میں
سے زیادہ ترجیح یہ تکبیر ہے کہ عرفہ کے دن فجر سے ہر نماز کے بعد ایام تشریق اخیر دن کے عصر کے وقت تک
ایک مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ اکبر وللہ الحمد۔ اور نماز ذیدہ کی دعائیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں
ان کو وہاں دیکھنا چاہیے۔ الحاصل جو شخص ان اوقات میں فکر کے ساتھ ان وظائف کا التزام کرے اور پابند ہو
تو اس شخص کے حق میں یہ اذکار ہر وقت ذکر کرنے کے برابر ہیں اور وہ شخص اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے

والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات۔ واللہ اعلم۔

بقیہ مباحث احسان کا بیان

معلوم کرو کہ ان چار اخلاق کے بہت سے اسباب ہیں جن سے یہ اخلاق حاصل ہو سکتے ہیں اور بہت سے موانع ہیں جو ان اخلاق سے روکتے ہیں اور علامات ہیں جن سے یہ اخلاق معلوم ہو سکتے ہیں۔ اب جاننا چاہئے کہ خدا تعالےٰ کے روبرو پست ہو جانا اور اس کی کبریائی کا معلوم کرنا اور ملاء اعلےٰ کے رنگ میں رنگ جانا اور رذائل بشریہ سے پاک ہونا اور دنیاوی زندگی کے نقوش کا نفس کے اندر منقش نہ ہونا اور دنیاوی زندگی میں جی کا نہ لگنا ان سب امور کے پیدا کرنے کے لئے تفکر کرنے کی برابر کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ۔ ایک گھڑی کا فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے اور فکر کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ از انجملہ خدا تعالےٰ کی ذات میں فکر کرنا اور انبیاء صلوات اللہ علیہم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ عوام الناس اس فکر کی طاقت نہیں رکھتے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تفکروا فی آیات اللہ ولا تفکروا فی اللہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اللہ کی ذات میں مت فکر کیا کرو۔ دوسری روایت میں یہ آیا ہے تفکروا فی کل شیٔ ولا تفکروا فی ذات اللہ۔ اور ایک قسم خدا کی صفات علم اور قدرت اور رحمت میں فکر کرنا ہے۔ اہل سلوک کے ہاں اس فکر کرنے کا نام مراقبہ ہے۔ دراصل اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک احسان اس کا نام ہے کہ خداوند تعالےٰ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور فرمایا ہے احفظ اللہ تجدہ تجاہک خدا تعالےٰ کا دھیان رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائیگا۔ اور فکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے ہو سکے یہ آیت پڑھے ہو معکم اینما کنتم۔ جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ وما تکون فی شان وما تتلو منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔ اور تو کسی حال میں نہیں ہوتا اور نہ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتا ہے اور نہ تم لوگ کوئی عمل کرتے ہو مگر ہم تمہارے اوپر موجود ہوتے ہیں جب اس کام میں گھستے ہو اور تیرے رب سے ذرہ برابر زمین میں اور نہ آسمان میں چھپا ہوا نہیں ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود ہے یا یہ آیت الم تر ان اللہ یعلم ما فی السموات وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ہو رابعھم ولا خمسۃ الا ہو سادسھم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا ہو معھم اینما کانوا۔ بلاشبہ خدا تعالےٰ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے جانتا ہے کہیں تین شخصوں کا مشورہ نہیں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مشورہ ہوتا ہے مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں وہ ہوں۔ یا یہ آیت نحن اقرب من حبل الورید۔ رگ گردن سے زیادہ ہم اس سے قریب ہیں یا یہ آیت وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو ویعلم ما فی البر

والبحر وما تسقط من ورقة الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اس کو اس کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا جس کو وہ نہ جانتا ہو اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہرا اور سوکھا ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرنیوالی کتاب میں موجود نہ ہو۔ یا یہ آیت واللہ بکل شیء محیط۔ اور خدا تعالیٰ ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے یا یہ آیت وھو القاھر فوق عبادہ۔ وہی غالب ہے اپنے بندوں پر۔ یا یہ آیت وھو علی کل شیء قدیر۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو پڑھے اعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوک بشیء لم ینفعوک الا بشیء قد کتبہ اللہ لک ولو اجتمعوا علی ان یضروک بشیء لم یضروک الا بشیء قد کتبہ اللہ علیک رفعت الاقلام وجفت الصحف جان لے کہ اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہونچانے پر جمع ہوں تو اسی چیز کا نفع پہونچا سکتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے تیرے لئے لکھی ہے اور اگر تجھے کچھ ضرر پہونچانے پر جمع ہوں تو اسی قدر ضرر پہونچا سکینگے جتنی خدا تعالیٰ نے تیرے اوپر لکھی ہے اٹھ گئی قلم اور خشک ہوگئیں کتابیں یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پڑھے ان للہ مائۃ رحمۃ انزل منھا واحدۃ فی الارض الحدیث خدا تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے زمین پر ایک نازل فرمائی ہے پھر بلا تشبیہ اور بلا توجیہ ان آیات کے معنی کا تصور کرے بلکہ ان اوصاف کے ساتھ خدا تعالیٰ کے صرف اتصاف کو اپنے پیش نظر رکھے۔ پھر جب اس تصور میں ضعف عارض ہو تو پھر اس آیت کو پڑھے اور دوبارہ تصور کرے اور اس عمل کے لئے اس کو ایک وقت مقرر کر لینا چاہئے جس میں پیشاب جائے ضروری حاجت اور بھوک وغصہ اور نیند سے پاک ہو حاصل یہ ہے کہ دنیا کی تمام تشویشوں سے اس کا دل فارغ ہو اور ازانجملہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشان افعال میں فکر کرنا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے الذین یتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ جو لوگ آسمانوں وزمین کے پیدا کرنے میں فکر کرتے ہیں اے پروردگار ہمارے تو نے اس کو بیکار نہیں پیدا کیا اور اس کی یہ صورت ہے کہ مینھ کے برسانے اور نباتات کے جمنے میں اور اسی قسم کے اندر چیزوں کے فکر کیا کرے اور خدا تعالیٰ کے احسان میں مستغرق ہو جائے اور ازانجملہ ان دنوں میں فکر کرنا ہے جن میں خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو بلند کیا ہے اور کسی کو پست کیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے وذکرھم بایام اللہ پس یاد دلا ان کو خدا تعالیٰ کے دن۔ اس بات کی فکر کرنے سے بھی نفس کو دنیا سے تجرد ہوتا ہے اور ازانجملہ موت اور اس کے بعد جو حالات ہونیوالے ہیں ان میں فکر کرنا اس کی دلیل آپ کا یہ قول ہے اذکروا ھادم اللذات۔ لذتوں کی منقطع کرنے والی کو یاد کرو سکا یہ طریقہ ہے کہ نفس کے دنیا سے منقطع ہونے اور نیکی و بدی جو اس نے کی ہے اس کے ساتھ ہونے اور اس کو جو جزا و سزا ملنے والی ہے اس کا تصور کرے تفکر کی یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ تمام چیزوں سے زیادہ نفس کے تشویش دنیا کے قبول نہ کرنے میں مفید ہیں کیونکہ انسان دنیاوی اشغال سے فارغ ہو کر جب ان اشیا میں غور و فکر کرتا ہے اور ان چیزوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کی ذات بہیمی مغلوب اور قوت ملکی غالب ہو جاتی ہے

اور چونکہ تمام لوگوں کو یہ بات دشوار تھی کہ سب اشتغال سے فارغ ہوکر ان چیزوں میں غور و فکر کیا کریں اور ان کو پیش نظر رکھا کریں ۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس ذکر و فکر کے واسطے اشباہ و صور مقرر کئے جائیں اور ان میں فکر کے اقسام مرتب کئے جاویں اور فکر کی روح ان میں پھونکی جاوے تاکہ سب لوگ اس کا قصد کر سکیں اور ان کو سن سکیں اور اپنی قسمت کے موافق اس سے فائدہ اٹھا سکیں اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا کیا گیا کہ تمام ان اقسام کے لئے جامع ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل یعنی حدیث بھی دی گئی اور میرے نزدیک قرآن و حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام وہ چیزیں جمع کر دی گئیں جو امم سابقہ کو عطا کی گئی ہیں واللہ اعلم ۔ حکمت کا مقتضا ہوا کہ قرآن کی تلاوت کے اندر رغبت دلائی جاوے اور قرآن کی فضیلت اور سور و آیات کی عظمت بیان کی جاوے لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آیت سے جو معنوی فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کو ایک ایسے ظاہری فائدہ کے ساتھ مشابہ کیا کہ عرب کے نزدیک اس سے بڑھکر کوئی چیز نہیں ہے یعنی بڑی کوہان والی اونٹنی اور تیار اور حاملہ اونٹنی تاکہ وہ فائدہ معنوی متمثل اور متصور ہو جاوے اور تلاوت کرنے والے کو ملائکہ کے ساتھ آپ نے تشبیہ دی اور قرآن کے ہر حرف کا اجر بیان کیا اور لوگوں کے درجات ترنج اور خرما اور اندرائن کے پھل اور ریحانہ کے ساتھ تشبیہ دیکر بیان کئے اور بیان کیا کہ قیامت کے روز قرآن کی سورتیں اجسام کی صورت میں متمثل ہو جائینگی ۔ جن کو ہاتھوں اور آنکھوں سے دیکھینگے اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرینگی و دراصل یہ عذاب اور نجات کے اسباب کا تعارض اور تلاوت قرآن کا دوسرے اسباب پر رجحان ظاہر کرنا ہے ۔ اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا بیان فرمایا ہے کہ بعض سورتوں کو بعض پر فضیلت ہے ۔ میں کہتا ہوں بعض سورتوں کو اپنے اسوا پر فضیلت ہوتی ہے اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو فضیلت کا یہ سبب ہوتا ہے کہ وہ سورت صفات الہی میں تفکر کرنے کے مفید ہوتی ہے اور اس میں صفات کی جامعیت پائی جاتی ہے مثلاً آیت الکرسی اور سورۂ حشر کے اخیر کی آیات اور قل ہو اللہ احد یہ چیزیں قرآن کے اندر اس درجہ کی ہیں جس طرح تمام اسماے الٰہی میں اسم اعظم کا درجہ ہے ۔ ایک فضیلت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا نزول بندوں کی زبانوں کے موافق ہوتا ہے گویا بندوں کی طرف سے خدا تعالے نے اس کو نازل فرمایا ہے تاکہ ان کو خدا تعالے سے تقرب حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو جاوے جیسے سورۂ فاتحہ اس کا درجہ سورتوں میں ایسا ہے جس طرح تمام عبادات میں فرائض کا درجہ ہے از انجملہ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورت جامع ترین سور کی ہو جیسے سورۂ بقر اور آل عمران ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یٰسین کی فضیلت میں بیان کیا ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اس کا سبب یہ ہے کہ دل میں ایک چیز کے درمیان میں ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور سورۂ یٰسین ان سورتوں سے جو دو سو آیت یا ان سے زیادہ کی ہیں کم ہے اور سور مفصلات سے زیادہ ہے اور نیز اس کے اندر توکل اور تفویض اور توحید کا انطباق کے قسم زبان پر بیان ہے یعنی اس آیت میں ومالی لا اعبد الذی فطرنی الآیۃ ۔ اور مجھے کیا ہوا ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کی نہ پرستش کروں ۔ اور اس کے اندر مقاصد مذکورہ کامل طور سے پائے جاتے ہیں اور تبارک الذی کی فضیلت میں

آپ نے فرمایا ہے کہ اُس شخص کی شفاعت کی حتی کہ خدا تعالےٰ نے اُس کو بخشدیا اور یہ اس شخص کا قصہ ہے جس کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض مکاشفات میں اس کا معائنہ کیا ہے ورنیز حکمت شرعی کا یہ مقتضی ہوا کہ قرآن کے یاد کرنے اور اس میں مشغول رہنے کی طرف رغبت دلائی جانے اور اونٹ کے بھاگنے کے ساتھ اس کے بھول جانے کو تشبیہ دی جاے۔ ورنیز قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور اُس جگہ تلاوت کرنے کا حکم دیاجاے جہاں لوگوں کو اس کی طرف رغبت پائی جاتی ہو اور دلجمعی وشوق زیادہ ہو تاکہ قرآن کے اندر تدبیر کا موقع مل سکے اور نیز خوش الحانی سے پڑھنے اور پڑھتے وقت گریہ کرنے کا حکم کرنا چاہئے نہ تغنی کے قریب ہو اور اس کا بھلانا حرام کیا جاے اور تین روز سے کم میں قرآن ختم کرنے سے ممانعت کی جائے کیونکہ اس وقت میں قرآن کے معنی مفہوم نہیں ہوسکتے اور عرب کی لغت کے موافق قرآن کے پڑھنے کی اجازت دی گئی تاکہ اس میں ان کو آسانی ہو کیونکہ امت میں ہر قسم کے لوگ ان پڑھ و بوڑھے و بچے ہوتے ہیں قرآن کے سوا آنحضرت صلے اللہ کو جو احادیث عطا ہوئی ہیں از انجملہ یہ ہیں۔ یا عبادی انی حرمت الظلم علے نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلا تظالموا یا عبادی کلکم ضال الا من ہدیتہ۔ اے میرے بندوں ظلم کو میں نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے اور تمہارے اندر بھی اسکو حرام کیا ہے اس لئے تم باہم ظلم مت کرو اے میرے بندوں تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے مگر جس کو میں ہدایت دوں۔ اور یہ حدیث کان فی بنی اسرائیل رجل قتل تسعا وتسعین انسانا الحدیث قوم بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا خون کیا تھا اور للہ اشد فرحا بتوبتہ عبدہ۔ الحدیث۔ اور ان عبدا اذنب ذنبا الحدیث۔ اور ان للہ مائۃ رحمۃ انزل منہا واحدۃ الحدیث اور اذا اسلم العبد فحسن اسلامہ الحدیث اور وہ حدیث جن میں دنیا کو اُس پانی کے ساتھ مشابہت دی ہے جو دریا میں سے انگلی کو لگ جاتا ہے اور جنت کے بچہ کے ساتھ جو گوش بریدہ اور مرا پڑا تھا تشبیہ دی ہے۔ اور معلوم کرو کہ عمل کی روح نیت ہے اور عبادت اُس کا بدن ہے اور بغیر روح کے بدن کی حیات نہیں ہوتی اور بعد مفارقت بدن کے بھی روح کو ایک قسم کی حیات رہتی ہے مگر بغیر بدن کے حیات کے آثار پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے اس لئے اللہ پاک فرماتا ہے لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم۔ نہیں پہونچینگے خدا تعالےٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون مگر تمہاری پرہیزگاری اس کے پاس پہونچتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے ان الاعمال بالنیات۔ البتہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے موضع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو لیکن اس کو عمل کرنے سے کوئی چیز مانع ہو اُس عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جیسے مسافر و مریض اگر ان کو صحت واقامت کی حالت میں کسی وظیفہ کا التزام تھا اور اب ان سے نہیں ہوسکتا تو بدستور انکے نامہ اعمال میں وہ وظیفہ لکھا جاتا ہے یا خداے تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا کسی شخص کا مستحکم ارادہ ہے مگر وہ تنگدستی کے سبب سے نہیں کرسکتا وہ شخص خرچ کرنے کے برابر لکھا جاویگا۔ اور نیت سے ہماری مراد وہ معنی ہیں جو عمل کا باعث پڑتے ہیں یعنی خداے تعالےٰ نے رسولوں کی زبان پر اطاعت کرنے والے کا

ثواب اور نافرمان کا عذاب بیان کرتا ہے اس کا سچ سمجھنا یا خدا تعالے کے امر و نہی کی بطیب خاطر بجا آوری
کرنے سے خوش ہوتا ہسی لئے شارع کو ریا و سمعہ سے نہی کرنا اور ان کی برائیوں کا صاف طور پر بیان کرنا ضروری
ہوا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اول الناس یقضی علیہم یوم القیامۃ ثلثۃ رجل قتل فی الجہاد
لیقال لہ ہو جری ورجل تعلم العلم وعلمہ لیقال لہ ہو عالم ورجل انفق فی وجوہ الخیر لیقال ہو جواد فیومر بہم فیسحبون
علی وجوہہم فی النار. لوگوں میں سے اول جن پر قیامت کے دن حکم کیا جاویگا وہ تین شخص ہیں ایک تو وہ
شخص جو جہاد میں اس لئے شہید ہوا تاکہ لوگ اس کو دلیر بتائیں اور دوسرا وہ شخص جس نے پڑھکر علم سکھایا
تاکہ لوگ اس کو عالم بتائیں تیسرا وہ جو طریقوں خیر میں خرچ کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو سخی بتادیں پس ایسے
لوگوں کو حکم کیا جاویگا اور منہوں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جاوینگے ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃ
عن اللہ تعالے فرمایا ہے انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ غیری ترکتہ وشرکہ میں سب شریکوں
سے زیادہ بے پروا ہوں جس شخص نے میرے لئے کسی کو شریک کرکے کوئی کام کیا تو میں نے اسکو
مع اس کے شریک کے چھوڑ دیا اور حضرت ابوذرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
سے کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ اس شخص کے باب میں کیا فرماتے ہیں جو کوئی نیک
کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں آپ نے فرمایا تلک عاجل بشری المومن ۔ ایمان والے کی یہ
بھی بشارت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص صرف بوجہ اللہ کام کرتا ہے اس لئے زمین پر اس کی قبولیت
نازل ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک
مرتبہ آپ سے عرض کیا کہ اپنے مکان میں مصلے پر بیٹھا تھا کہ اس اثنا میں ایک شخص میرے پاس آیا تو مجکو جو
اس نے اس حال میں دیکھا تو میری طبیعت خوش ہوئی آپ نے فرمایا رحمک اللہ یا ابا ہریرہ اجران اجر السر و
اجر العلانیۃ ۔ اے ابوہریرہ اللہ تعالے تجھ پر رحم کرے تیرے لئے دو اجر ہیں ایک اجر پوشیدہ کا اور
ایک اجر ظاہر کا ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ عجب نفسانی مغلوب ہو اور صرف عجب نفسانی عمل پر باعث نہ ہو اور
اجر سر سے اخلاص کا اجر مراد ہے جو ایک پوشیدہ چیز ہے اور اجر علانیہ سے دین الہی کے بلند کرنے اور
سنت راشدہ کے شائع کرنے کا اجر مراد ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیارکم احاسنکم
اخلاقا بہترین تم میں کے وہ لوگ ہیں جن کی عادات عمدہ ہیں ۔ میں کہتا ہوں چونکہ سماحت و عدالت میں
ایک قسم کا تعارض ہے جس پر ہم متنبہ کر چکے ہیں اور انبیاء علیہ السلام کے علوم کی بنا دونوں مصلحتوں کی رعایت
کرنے اور نظام دارین قائم کرنے اور حتی الامکان مصالح کے جمع کرنے پر ہے لہذا شرائع کے اندر ضروری ہوا
کہ سماحت کے علامات اور اشباح جن کو عدالت کے ساتھ التزام ہو اور اس کے موید اور اس پر متنبہ کرنے
والے ہوں مقرر کئے جائیں اس واسطے حسن اخلاق کا حکم دیا گیا اور وہ سماحت اور عدالت کے باب سے بہت
سے امور کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ حسن اخلاق جود اور ظلم کرنے والے سے عفو اور تواضع اور ترک حسد اور کینہ

اور غضب کو شامل ہے اور یہ سب امور سماحت کے قبیلہ سے ہیں اور نیز لوگوں سے محبت اور صلہ رحم اور
حسن صحبت مع الناس اور حاجتمندوں کی غمخواری کو شامل ہے اور یہ سب باتیں عدالت کے باب سے ہیں اور
پہلی قسم کے امور کا مدار دوسری قسم کے امور پر ہے اور دوسری قسم پہلی قسم کے بغیر ناتمام ہے اور یہ ایک بڑی
مہربانی ہے جس کا شرائع الہیہ میں اعتبار کیا گیا ہے اور چونکہ بہ نسبت سب اعضا کے زبان کو خیر و شر کی جانب
جلد سبقت ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہل یکب الناس علے مناخرہم الا حصائد
السنتہم۔ اور لوگوں کو کوئی چیز نتھنوں کے بل اوندھا نہ کریگی مگر جو ان کی زبانوں نے کمایا ہے اور نیز زبان کے
آفات لسانی اور سماحت اور عدالت میں خلل انداز ہوتے ہیں کیونکہ کثرت سے کلام کرنا ذکر الہی سے غافل کرتا ہے
اور غیبت اور بیہودہ باتیں اور ان کے مثل باہم فساد ڈالتی ہیں اور آدمی کی زبان سے جو کلام نکلتا ہے دل اس
کی کیفیت سے متکیف ہو جاتا ہے مثلاً جب غصہ کا کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے دل کے اندر اس کا جوش پیدا
ہو جاتا ہے وعلے ہذا القیاس اور دل کے اندر اس کیفیت کا پیدا ہونا اس کیفیت کے متشکل ہونے اور اس کے نقشہ
کا سبب ہوتا ہے لہذا یہ بات ضروری ہوئی کہ شرع میں بہ نسبت اور اعضا کے آفات کے زبان کی آفات سے
زیادہ تر بحث کی جائے اور آفات لسانی کے بہت سے اقسام ہیں از انجملہ یہ ہے کہ ہر ایک وادی میں خوض کرے
اس کے سبب سے ان چیزوں کی صورتیں آدمی کی حس مشترک میں جمع ہو جاتی ہیں اور جب خدا تعالے کی طرف
متوجہ ہوتا ہے تو ذکر الہی میں اس کو کچھ حلاوت نہیں معلوم ہوتی اور اذکار میں کچھ تدبر نہیں کر سکتا یہی سبب ہے
کہ بیفائدہ باتوں سے ممانعت کی گئی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ لوگوں میں فتنہ کا پیدا کرنا جیسے غیبت اور مجادلہ
اور لوگوں کا بہکانا اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام اس قسم کا ہو جس سے قوت بہیمیہ یا شہویہ کے اثر عظیم سے نفس متاثر
ہوتا ہے جیسے گالیاں بکنا اور عورتوں کے محاسن کا ذکر کرنا اور از انجملہ یہ ہے کہ خدا تعالے کے جلال اور اسکی عظمت
سے غافل ہونا اس کلام کا سبب پڑا ہو جیسے کسی بادشاہ کو شاہنشاہ کہنا اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مصالح دینی میں
خلاف ہو یا منظور کہ دین میں جس چیز کے ترک کرنے کا حکم ہے اس کلام سے اس چیز منہی عنہ کی رغبت پیدا ہو
جیسے شراب کی تعریف کرنا یا انگور کا نام کرم رکھنا یا کتاب الہی میں اس سے تغیر لازم آتا ہو جیسے مغرب کا نام عشاء اور
عشاء کا نام عتمہ رکھنا اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مثلاً بیہودہ ہو جیسے افعال شنیعہ جو شیاطین کی طرف منسوب
ہوتے ہیں جیسے فحش باتیں بکتا ہے اور جماع اور اعضا مستورہ کا صاف صاف الفاظ میں ذکر کرنا یا جیسے اس چیز
کا ذکر کرنا جس سے بدشگونی لیجاتی ہے مثلاً یہ کہنا کہ گھر میں نجاح (کامیابی) نہیں ہے اور نہ برکت پھر ان چیزوں کا
بیان کرنا بھی ضروری ہے جو سماحت کے دلائل ہیں اور بکثرت ان کا وقوع ہوتا ہے اور نیز ان فلاں کا جنکا شارع
نے اعتبار کیا ہے ان سے تمیز کرنا اور شارع نے اعتبار کیا ضروری از انجملہ زہد ہے کیونکہ نفس اسباب اوقات کھانے
پینے کی حرص اور عورتوں کی طرف رغبت کرتا ہے حتے کہ ان باتوں سے اس کے جوہر میں ایک خراب کیفیت
پیدا ہو جاتی ہے اور جب انسان اپنے نفس سے اس بات کو دور کر دیتا ہے تو دنیا کے اعتبار سے وہ زاہد ہو جاتا ہے

اور مقصود بالذات خود ان چیزوں کا چھوڑنا نہیں ہوتا بلکہ اس خصلت کے حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کا ترک مطلوب ہوتا ہے لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الزہادۃ فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا اضاعۃ المال ولکن الزہادۃ فی الدنیا ان لا تکون بما فی یدیک اوثق مما فی یدی اللہ وان تکون فی ثواب المصیبۃ اذا انت اصبت بہا ارغب فیہا لو انہا ابقیت لک دنیا کی زاہدی نہ حلال کے حرام کر لینے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے قبضہ میں ہے اس چیز سے زیادہ تجکو اسپر اعتماد نہ ہو جو خدا تعالےٰ کے قبضہ میں ہے اور جب تجکو کوئی مصیبت پہونچے تو اس مصیبت کے ثواب کی رغبت بہ نسبت اس مصیبت کا باقی رہنا تجکو پسند ہو اور فرمایا ہے لیس لابن آدم حق فی سوی ہذہ الخصال بیت یسکنہ وثوب یواری عورتہ وجلف الخبز والماء بنی آدم کے لئے سوائے ان چیزوں کے کچھ ضروری نہیں ہے گھر رہنے کے لئے کپڑا ستر ڈھانکنے کے لئے اور روٹی اور پانی کے لئے کوئی برتن اور نیز فرمایا ہے بحسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ آدمی کے لئے چند چھوٹے چھوٹے لقمے کافی ہیں جس سے پیٹ کو سیدھا کر سکے اور فرمایا ہے طعام الاثنین کاف الثلاثۃ وطعام الثلاثۃ کاف الاربعۃ - دو کا کھانا تین کو اور تین شخصوں کا چار کو کافی ہے یعنی جس قدر کھانے سے دو شخصوں کا خوب شکم پر ہو سکتا ہے اگر اس کو تین بھی کھا لیں تو او سط درجہ ان کو کافی ہو سکتا ہے اس سے آپ کا مقصود غمخواری میں رغبت دلانا اور شکم پری کی حرص کو مکروہ سمجھنا ہے اور ازانجملہ قناعت ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مال کی حرص بسا اوقات آدمی کے نفس پر غالب ہوتی ہے حتےٰ کہ اس کے جوہر میں داخل ہو جاتی ہے پس جب اس حرص کو اپنے قلب سے دور کر دیتا ہے اور مال کا چھوڑنا اس پر آسان ہوتا ہے تو اس صفت کا نام قناعت ہے اور قناعت اس کا نام نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو انسان کو عطا فرمایا ہے بے رغبتی کی ساتھ اس کا ترک کر دینا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا حکیم ان ہذا المال خضر حلو فمن اخذہ بسخاوۃ نفس بورک لہ فیہ ومن اخذہ باشراف نفس لم یبارک لہ فیہ وکان کالذی یاکل ولا یشبع والید العلیا خیر من السفلی - اے حکیم یہ مال ہرا اور شیرین ہوتا ہے پس جو نفس کی سخاوت کے ساتھ اس کو لے لیتا ہے تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرص نفسانی کے ساتھ لیتا ہے تو اس میں برکت نہیں دیجاتی اور وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا جاءک من ہذا المال شئی وانت غیر مشرف ولا سائل فخذہ فتمولہ وما لا فلا تتبعہ نفسک اس مال میں سے جب تیرے پاس کچھ آوے اور تو نہ حریص ہو اور نہ سائل تب تو اس کو لے لے اور اسودہ ہو ورنہ اپنے پیچھے مت لگا - اور ازانجملہ جود ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مال کی محبت اور اس کے جمع کرنے کی محبت بسا اوقات قلب پر غالب آکر اس کو محیط ہو جاتی ہے اور جب آدمی اس کے خرچ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا اس کا نام جود ہے اور مال کے ضائع کرنے کا نام جود نہیں ہے اور نہ خود مال کوئی مبغوض چیز ہے بلکہ یک بڑی نعمت ہے آپ نے فرمایا ہے اتقوا الشح فان الشح اہلک من قبلکم حملہم علے ان

سفکوا دماءھم واستحلوا محارمھم بخل سے بچتے رہو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اسی نے انکو اس
بات پر برانگیختہ کیا کہ باہم خونریزی کریں اور حرام چیزوں کو حلال سمجھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
لاحسد الا فی اثنین۔ الحدیث سوا دو شخصوں کے کسی سے حسد نہیں ہے۔ اور کسی نے آپ سے عرض کیا کیا
خیر سے شر پیدا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا انہ لایاتی الخیر بالشر۔ البتہ خیر سے تو شر نہیں پیدا ہوتا۔ و ربیع میں بعض
چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو تخمہ پیدا کر کے ہلاک کر دیتی ہیں یا قریب ہلاکت کر دیتی ہیں۔ اور نیز آپ نے فرمایا
من کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ علی من لاظہر لہ۔ جس شخص کے پاس حاجت سے زیادہ سواری ہو تو جس کے
پاس سواری نہیں ہے اس کو وہ سواری دیدے اور جس کے پاس حاجت سے زیادہ توشہ ہو اس کو چاہیے کہ
جس کے پاس توشہ نہیں ہے اس کو دیدے پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مال کے اسقدر اقسام ذکر
کیے جس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم میں سے کسی کو اس مال میں جو حاجت سے زیادہ ہو کچھ حق نہیں ہے
اور اس قدر رغبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس واسطے دلائی کہ وہ جہاد کی حالت میں تھی اور مسلمانوں
کو احتیاج لاحق ہو رہی تھی اور اس میں سماحت بھی پائی جاتی ہے اور نظام ملت کا بھی قائم کرنا ہے اور مسلمانوں
کی جان کا بھی باقی رکھنا ہے۔ اور منجملہ قصر امل یعنے آرزو کا کوتاہ کرنا ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ انسان
پر زندگی کی محبت غالب ہوتی ہے حتی کہ موت کا ذکر اس کو ناگوار ہوتا ہے اور اس قدر زندہ رہنے کی امید
رکھتا ہے کہ اس حد تک وہ زندہ نہیں رہ سکتا پس ایسی حالت میں جب آدمی مر جاتا ہے تو جس چیز کی اسکو
تمنا تھی اس کے پورا نہ ہونے سے اس کو تکلیف و عذاب ہوتا رہتا ہے۔ اور نفس زندگی کوئی مبغوض اور
ایسی چیز نہیں ہے جو خدا تعالے کو ناپسند ہو بلکہ وہ ایک نعمت عظمی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔ دنیا میں ایسا رہ جیسے پردیسی بلکہ راہ کا چلنے والا۔ اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک مربع خط کھینچا اور پھر اس کے وسط میں ایک خط کھینچا اور باہر تک
اس کو نکالا اور پھر اس بیچ والے خط کے ساتھ اور چھوٹے چھوٹے خط ملائے مگر اسی قدر کے ساتھ جتنا وہ
مربع کے اندر اندر تھا اس کی شکل یہ ہے و بیچ کے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ انسان ہے۔ اور
اس مربع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اسکی اجل ہے جو اس کو گھیر رہی ہے اور یہ جو باہر کو نکلا ہوا ہے یہ اس
کی آرزو ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط عوارض ہیں اگر یہ حادثہ اس سے بچ جاتا ہے تو یہ پہنچ جاتا ہے
اور یہ بچ جاتا ہے تو یہ پہنچ جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے طول امل کی بیماری کا علاج موت کے
ذکر اور قبور کی زیارت اور ساتھیوں کی موت سے عبرت حاصل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے لایتمنین احدکم الموت ولا یدع بہ قبل ان یاتیہ انہ اذا مات انقطع عملہ تم
میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب آدمی مر گیا اس کا
عمل منقطع ہو گیا۔ اور منجملہ تواضع ہے۔ تواضع کے یہ معنی ہیں کہ نفس کو تکبر و خود پسندی کے دواعی کی طرف

پیدا ہو وے جس سے آدمی لوگوں کو اپنے اعتبار سے حقیر اور ذلیل جانتا ہے اور اس کے باعث سے اُس کا نفس خراب ہو جاتا ہے اور لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کو ذلیل سمجھنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا ونعلہ حسنۃ فقال ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس۔ جس کے قلب میں ذرہ کے برابر تکبر ہے جنت میں نہ جائیگا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی کا دل چاہتا ہے اچھا کپڑا ہو اور اچھا جوتہ ہو تو آپ نے فرمایا خدا اچھا ہے جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے تکبر تو حق کے نہ ماننے اور لوگوں کے ذلیل سمجھنے کا نام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا اخبرکم باہل النار کل عتل جواظ مستکبر اہل دوزخ کی بیانہ خبر دوں تم کو وہ سب وہ لوگ ہیں کہ سخت ظالم و نہایت تکبر کرنے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بینما رجل یمشی فی حلۃ تعجبہ نفسہ مرجل رأسہ یختال فی مشیتہ اذ خسف اللہ بہ فہو یتجلجل فی الارض الی یوم القیامۃ ایک شخص حلہ سر تک پہنے ہوئے خود پسندی کے ساتھ اتراتا ہوا جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اسکو دھسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھستا چلا جاویگا۔ اور از انجملہ حلم ہے اور سہولت اور نرم دلی ہے۔ اور حاصل اُن کا یہ ہے کہ آدمی کو غصہ کے اسباب کی طرف توجہ نہیں ہوتی تا وقتیکہ اس میں فکر نہ کرے اور مصلحت نہ دیکھ لے اور تمام اوقات میں غضب کی صفت مذموم نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ۔ جو شخص نرمی سے محروم ہے سب نیکیوں سے محروم ہے اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے آپ نے اُس سے فرمایا غصہ مت کر پھر چند مرتبہ اُس نے وہی سوال کیا اور یہی فرمایا کہ غصہ مت کر اور نیز آپ نے فرمایا ہے الا اخبرکم بمن یحرم علی النار کل قریب ہین لین سہل۔ کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتا دوں جو آگ پر حرام کئے جاویں وہ قریب بردبار نرم مزاج اور سہولت والا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب سخت آدمی وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑا کرے سخت تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور از انجملہ صبر ہے اور وہ آرام اور پریشانی اور خواہش نفسانی اور تکبر اور اظہار اور قطع محبت وغیرہ کے اسباب کا تابع نہ ہونا ہے۔ ان اسباب کے لحاظ سے اُس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں اللہ پاک فرماتا ہے انما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب۔ صابر لوگ تو بحساب ہی اپنا اجر دئے جاویںگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما اوتی احد عطاء افضل واوسع من الصبر۔ کوئی شخص کوئی عطا زیادہ افضل و زیادہ فراخ صبر سے زیادہ نہیں دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدالت کے طلبات کے ساتھ حکم دیا ہے اور اُس کے ابواب میں سے عظیم الشان باب پر آگاہ فرمایا اور خلق الہٰی پر رحمت کرنے کی خوبیاں بیان فرمائیں اور لوگوں کو اُس کی رغبت دلائی اور اُس کے اقسام یعنی گھر والوں کی الفت سے رہنا اور کسی قبیلہ کے لوگوں کے باہم معاشرت اور شہر والوں کے معاشرہ اور بزرگان دین کی توقیر اور ہر ایک کے مرتبہ سمجھنے کا بیان فرمایا اُس کے متعلق ہم چند

حدیث ذکر کرنے میں جو اس باب کے لئے بطور نمونہ کے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ۔ ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تاریکیاں ہو جائیگا۔ اور فرمایا ہے ان اللہ حرم علیکم دماءکم واموالکم کحرمۃ یومکم ہذا فی بلدکم ہذا۔ خدا تعالےٰ نے تمہارے اوپر تمہارے خون اور تمہارے مالوں کو حرام کیا ہے جسطرح تمہارے اس دن کی تمہارے اس شہر میں حرمت۔ اور فرمایا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص بغیر حق کی کسی چیز کو نہ لیگا مگر قیامت کے روز جب خدا سے ملیگا وہ چیز اُس پر سوار ہو گی پس البتہ تم میں سے میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اپنے اوپر سوار کئے ہوئے خدا سے ملیگا اور وہ اونٹ بلبلاتا ہوگا یا گائے کو سوار کئے ہوگا اور وہ ڈکرتی ہوگی یا بکری کو سوار کئے ہوگا اور وہ ممیاتی ہوگی اور فرمایا ہے من ظلم قید شبر من الارض طوقہ من سبع ارضین جو بالشت بھر زمین ظلم سے لیگا ساتوں زمینیں طوق کر کے اُس کی گردن میں ڈالی جائینگی۔ باب الزکوۃ میں اس کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں۔ والمومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔ اور ایمان والا ایمان والے کے لئے بنیاد کی طرح ہے کہ اُس کے اجزا ایک دوسرے کے لئے مضبوطی کا سبب ہوتے ہیں مثل المومنین فی توادہم وتراحمہم وتعاطفہم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سایر الجسد بالسہر والحمی۔ مومنین کی مثال باہم کی محبت و ہمدردی اور مہربانی میں ایسی ہے جیسے بدن کہ جب اُس میں سے کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو تمام بدن پر تپ لاحق ہو جاتی ہے اور نیند جاتی رہتی ہے من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ۔ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا تعالےٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔ المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اُس پر زیادتی کرتا ہے نہ اُس کو ہلاکت میں ڈالتا ہے من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ۔ جو شخص اپنے بھائی کے کام میں ہے خدا تعالےٰ اُس کے کام میں ہے ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ بہا کربۃ من کرب یوم القیامۃ ومن ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ۔ جو کوئی شخص مسلمان کی کوئی مصیبت دور کرے خدا تعالےٰ قیامت کے دن مصائب میں سے اُس کی کوئی مصیبت اس کے سبب سے دور فرمائیگا اور جو کوئی شخص کسی کی پردہ پوشی کرے خدا تعالےٰ قیامت کے دن اسکی پردہ پوشی کریگا اشفعوا توجروا ویقضی اللہ علی لسان نبیہ ما احب۔ سفارش کیا کرو ماجور ہو گی اور خدا تعالےٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کی زبان پر جاری کرتا ہے اور فرمایا ہے تعدل بین اثنین صدقۃ وتعین الرجل فی دابتہ فتحملہ او ترفع لہ متاعہ صدقۃ والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ دو شخصوں میں تو جو انصاف کرے تو یہ صدقہ ہے اور کسی کو سواری میں مدد دے کہ اسکو سوار کرا دے یا اُس کے اسباب کو اٹھا کر رکھدے تو یہ صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ اور ضعفاء مہاجرین کے باب میں آپ نے فرمایا ہے لئن کنت اغضبتہم فقد اغضبت ربک۔ اگر تو نے ان کو ناخوش کیا تو خدا تعالےٰ کو تو نے ناخوش کیا۔ اور فرمایا انا وکافل الیتیم فی الجنۃ ہکذا واشار بالسبابۃ والوسطی اور وہ شخص جو یتیم کا بوجھ اٹھاتا ہے جنت میں ہیں اور وہ اس طرح ہونگے اور یہ فرما کر انگشت شہادت اور درمیان کی انگشت سے آپ نے بتلا دیا یعنی جسطرح یہ دونوں انگلیاں پاس پاس ہیں الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاہد فی سبیل اللہ جو شخص اپاہج عورت اور مسکین کا

کان کرتا ہے وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنیوالے کے برابر ہے من ابتلی من ہذہ البنات بشیٔ فاحسن الیہن کن لہ ستراً من النار۔ جو شخص ان لڑکیوں کی طرف سے کچھ مشقت میں مبتلا ہو اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ اس کے لیے آگ کی روک ہو جائینگی استوصوا بالنساء خیراً فان المرأۃ خلقت من ضلع وان اعوج ما فی الضلع اعلاہ فان ذہبت تقیمہ کسرتہ۔ عورتوں کے باب میں وصیت قبول کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی اور پسلی میں زیادہ ترچھی اوپر کے حصہ میں ہے پس اگر تو اس کا سیدھا کرنا چاہیگا تو اس کو توڑ ڈالیگا۔ اور بیوی کے حق میں آپ نے فرمایا ہے ان تطعمہا اذا طعمت وتکسوہا اذا اکتسبت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تہجر الا فی البیت کہ تو کھانا کھائے تو اس کو بھی کھلا اور تو کپڑا پہنے تو اس کو بھی پہنا اور منھ پر مت مار اور اس کی صورت بگڑنے کی دعا مت کر اور بجز خوابگاہ کے اس سے علیحدہ مت ہو۔ اذا دعی الرجل امرأتہ الی فراشہ فلم تأتہ فبات غضبان علیہا لعنتہا الملائکۃ حتی تصبح۔ اگر خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلاوے اور وہ اس کے پاس نہ آوے اور خاوند اس پر غصہ کی حالت میں سو رہے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں لا یحل لامرأۃ ان تصوم وزوجہا شاہد الا باذنہ ولا تاذن فی بیتہ الا باذنہ۔ خاوند کی موجودگی میں کسی عورت کو روزہ رکھنا درست نہیں جبتک وہ اجازت نہ دے اور خاوند کی بلا اجازت کسی کو اس کے گھر میں نہ آنے دے ولو کنت آمر احداً ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا اور اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے خاوند کے سجدہ کرنے کے لئے حکم دیتا ایما امرأۃ ماتت وزوجہا عنہا راض دخلت الجنۃ جو عورت مر جاوے اور اس کا خاوند اس سے خوش ہو جنت میں داخل ہوگی دینار انفقتہ فی رقبۃ ودینار تصدقت بہ علی مسکین ودینار انفقتہ علی اہلک اعظمہا اجراً الذی انفقتہ علی اہلک ایک تو وہ دینار ہے جس کو تو نے خدا کی راہ میں صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی جان کے چھوڑانے میں صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی مسکین پر صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو اپنی بیوی پر صرف کیا ان سب کے اندر ثواب میں زیادہ وہ ہے جو اپنی بیوی پر تو نے صرف کیا اذا انفق الرجل علی اہلہ نفقۃ یحتسبہا فہو لہ صدقۃ۔ جو شخص طلب ثواب کے قصد سے اپنی بیوی کو نفقہ دے تو وہ اس شخص کے لئے صدقہ ہے ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ پڑوسی کے باب میں جبرئیل مجکو ہمیشہ وصیت کیا کرتے تھے یہانتک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ عنقریب اس کو وارث بنا دینگے یا اباذر اذا طبخت مرقاً فاکثر ماءہا وتعاہد جیرانک۔ اے ابوذر جب تو شوربا پکاوے تو اس کا پانی بڑھا دیا کر اور پڑوسیوں کو مت بھولا کر من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ۔ جو شخص خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے واللہ لا یؤمن الذی لا یأمن جارہ بوائقہ خدا کی قسم جس شخص کا پڑوسی اس کے ایذاؤں سے امن میں نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے اور اللہ پاک نے رحمت سے فرمایا ہے الا ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہے کہ جو تجکو جوڑے میں بھی اس سے جوڑوں اور جو تجکو قطع کرے میں بھی اس سے قطع کردوں من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ۔ جو اپنے لئے رزق کی فراخی اور عمر کی درازی چاہے تو صلہ

حلال ہوگا۔ چاہیے من الکبائر عقوق الوالدین ماں باپ کی نافرمانی کبائر میں سے ہے من الکبائر شتم الرجل والدیہ یسب الرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ۔ آدمی کو اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبائر میں سے ہے کسی شخص کے باپ کو کوئی گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ هل بقی من بر ابوی شئ ابرهما به بعد موتهما فقال نعم الصلوة علیهما والاستغفار لهما وانفاذ عهدهما وصلة الرحم التی لا توصل الا بهما واکرام صدیقهما۔ کسی شخص کے ماں باپ مر گئے تھے اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے ماں باپ کے سلوک میں اب بھی کچھ باقی ہے یوں کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ میں کروں تو آپ نے فرمایا ہاں ان پر رحمت کی خواستگاری اور ان کے لئے مغفرت طلب کرنا ۔ ان کے اپنے عہد کو پورا کرنا اور ایسی قرابت کا جو ماں باپ ہی کے رشتہ سے ہے جوڑنا اور ان کے دوست کی توقیر کرنا وان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبة المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیه والجافی عنه واکرام ذی السلطان المقسط۔ خدا تعالےٰ کی تعظیم میں سے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کے جو قرآن کی قرأت کے اندر مبالغہ نہیں کرتا اور نہ نافرمانی کرتا ہے تعظیم اور صاحب سلطنت کی تعظیم ہے جو عادل ہو۔ لیس منا من لم یرحم صغیرنا ومن لم یعرف شرف کبیرنا جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کی بزرگی نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ انزلوا الناس علےٰ منازلهم۔ لوگوں کو ان کے درجے پر رکھو من عاد مریضا او زار اخا له فی اللہ ناداہ منادٍ ان طبت وطاب ممشاک وتبوأت من الجنة منزلا۔ جو شخص مریض کی عیادت کرے یا اپنے کسی برادر کی ملاقات کو جائے تو خدا تعالےٰ کی طرف ایک ندا کرنے والا اس کے لئے یہ ندا کرتا ہے تو بھی اچھا ہے اور تیرا چلنا بھی اچھا ہے اور تو نے اپنے لئے جنت میں جگہ بنائی۔ پس یہ احادیث اور جو ان کی مثل ہیں سب عبادات اور حسن شرائط پر متنبہ کرتی ہیں ؎

مقامات اور احوال کا بیان

معلوم کرو کہ احسان کے لئے بہت سے ثمرات ہیں جو اس کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور انکو مقامات اور احوال کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اس باب کے ساتھ جو احادیث متعلق ہیں انکی شرح دو مقدموں کی تمہید پر موقوف ہے پہلا مقدمہ عقل اور قلب اور نفس کے اثبات اور انکے حقائق کے بیان میں ؛ دوسرا مقدمہ مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی کیفیت کے بیان میں ۔

مقدمۂ اُولےٰ

معلوم کرو کہ انسان کے اندر تین لطائف ہیں جن کا نام قلب نفس عقل ہے ؛ اور نقل و عقل اور تجربہ اور علماء کے اتفاق سے یہ تینوں چیزیں ثابت ہوتی ہیں نقل کا تو بیان یہ ہے کہ قرآن مجید وارد ہوا ہے ان فی ذلک

آیٰت لقوم یعقلون. عقلمندوں کے لئے اس میں بلاشبہ نشانیاں ہیں۔ اور اللہ پاک نے اہل نار سے حکایۃً فرمایا ہے وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر. اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو اصحاب جہنم میں سے نہ ہوتے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اول ما خلق اللہ تعالیٰ العقل فقال لہ اقبل فاقبل وقال لہ ادبر فادبر فقال بک اٰخذ و بک اعطی. اللہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے جو پیدا کیا عقل کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا سامنے آ وہ سامنے آ گئی پھر فرمایا پیٹھ پھیر جا پیچھے ہٹ گئی پھر فرمایا تیرے ہی سبب سے مواخذہ کروں گا اور دوں گا۔ اور آپ نے فرمایا ہے دین المرء عقلہ و من لا عقل لہ لا دین لہ. آدمی کا دین اس کی عقل ہے جس کی عقل نہیں اس کا دین نہیں ہے اور فرمایا ہے: افلح من رزق لبا. جس کو عقل دی گئی ہے اس کو کامیابی ہوئی۔ گرچہ ان احادیث کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے مگر تاہم ان احادیث کے لئے اسانید ہیں جو بعض بعض کی تائید کرتی ہیں اور قرآن پاک میں وارد ہے واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ. اور جان لو کہ خدا تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے مابین حائل ہو جاتا ہے اور وارد ہوا ہے ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید. اس قرآن میں بلاشبہ نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا قلب ہو یا کان ڈالے اور وہ حاضر القلب ہو۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد واذا فسدت فسد الجسد الا وہی القلب. خبردار ہو جاؤ کہ بدن کے اندر ایک گوشت کی بوٹی ہے جب وہ درست ہوتی ہے بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے بدن بگڑ جاتا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وہ قلب ہے اور وارد ہوا ہے مثل القلب کریشۃ فی فلاۃ تقلبھا الریاح ظھرا لبطن. دل کی مثال ایک پر کی سی ہے جو میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہوائیں اس میدان میں اس کو منقلب یعنی لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں۔ اور وارد ہوا ہے النفس تمنی وتشتہی والفرج یصدق ذالک او یکذبہ. کہ نفس آرزو و خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے اور مواضع استعمال میں تتبع و تلاش کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقل اس چیز کا نام ہے جس سے ان چیزوں کا ادراک کرتے ہیں جو غیر محسوس ہوتی ہیں۔

اور قلب اس چیز کا نام ہے جس سے انسان محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کو پسند کرتا ہے یا کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔

اور نفس اس چیز کا نام ہے جس سے انسان لذائذ یعنی کھانے و پینے و جماع کرنے کی خواہش کرتا ہے۔

اور اس بات کا بیان کہ عقل سے بھی ان تین چیزوں کا وجود ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے موقع پر یہ ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے بدن میں تین عضو رئیس ہیں جن سے وہ قویٰ اور افعال جو انسان کی صورت نوعیہ کے مقتضے ہیں تمام ہوتے ہیں پس قوائے ادراکیہ یعنی تخیل اور توہم اور پھر ان تخیلات اور متوہمات کے اندر تصرف اور بوجہ من الوجوہ مجردات سے حکایت کرنے کا محل دماغ ہے۔ اور غضب اور جرأت اور جود اور بخل اور خوشی اور ناخوشی اور اس قسم کی چیزوں کا محل قلب ہے اور اس چیز کے طلب کرنے کا محل جس کے اوپر یا اس کی جنس کے اوپر بدن کا قوام موقوف ہے جگر ہے۔ اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ جب ان تین اعضاء میں سے

ف عقل

ف تعریف عقل

ف تعریف قلب

ف تعریف نفس

سی خاص عضو میں کوئی نقصان آجاتا ہے تو ایک خاص قوت میں فتور پیدا ہوجاتا ہے جس سے اُس قوت کا اختصاص اس عضو کے ساتھ ثابت ہوتا ہے پھر ان تینوں میں سے ہر ایک کا فعل دو باقی کی موافقت کے بغیر تمام نہیں ہوتا دیکھو کہ اگر مثلاً بری بات کی برائی اور اچھی بات کی بھلائی کا ادراک اور نفع و ضرر کا توہم نہ ہو تو غصہ کا ہیجان نہیں ہوتا اور نہ کسی چیز کی محبت پیدا ہوتی ہے اور جبتک قلب کے اندر ثبات نہ ہو کسی متصور چیز کی تصدیق نہیں ہوتی اور اگر کھانے یا جماع کرنے کی معرفت نہ ہو اور اس کے منافع متوہم نہ ہوں تو طبیعت کو ان چیزوں کی طرف میلان نہیں ہوتا اور اگر اطراف بدن میں قلب کا حکم نافذ نہ ہوا کرے تو انسان کو اپنے لذتذ حاصل کرنے کا موقع نہیں ملسکتا اور اگر حواس عقل کی خدمتگزاری نہ کریں تو انسان کو کسی چیز کا ادراک نہیں ہوسکتا کیونکہ نظریات بدیہیات کو اور بدیہیات محسوسات سے فرع ہوتے ہیں اور جن اعضاء پر قلب اور دماغ کی صحت موقوف ہے اگر ان میں سے ہر عضو کی صحت نہ پائی جاے تو قلب و دماغ کی صحت باقی رہ سکتی ہے اور نہ ہر ایک کا فعل پورے طور پر صادر ہوسکتا ہے۔ مگر ان اعضاء میں سے ہر ایک بمنزلہ ایک بادشاہ کے ہے جو کسی عظیم الشان کام کو مثلاً کسی مستحکم قلعہ کا فتح کرنا چاہتا ہے تو وہ بادشاہ اپنے دوستوں سے لشکروں اور درختوں اور ڈھالوں کی مدد مانگتا ہے مگر قلعہ کے فتح کرنے میں وہ خود ہی مدبر ہوتا ہے۔ اور اُسی کے حکم کی فرمانبرداری کرنی پڑتی ہے اور اسی کی راے پر مدد ہوتی ہے اور وہ سب تو خدمتگار ہوتے ہیں جو اس کی راے پر چلتے ہیں۔ پھر جو حوادث پیدا ہوتے ہیں اُن کی صورت اُن صفات کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جو اس بادشاہ میں غالب ہوتے ہیں یعنی اس کی دلیری اور بزدلی اور سخاوت اور بخل اور عدالت اور ظلم کے اعتبار سے اُن کا ظہور ہوتا ہے پس جس طرح سلاطین اور ان کی راے اور صفات کے اختلاف سے حالات مختلف ہوتے ہیں اگرچہ لشکر اور ہتھیار ایک ہی سے ہوں اسی طرح ان روساء ثلثہ میں سے ہر رئیس کا حکم بدن انسان کی مملکت میں مختلف ہوتا ہے ؛

الحاصل جو افعال ان تینوں میں سے ہر ایک سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال یا تو یا تو قریب یا فرط یا تفریط کی طرف مائل یا ان دونوں کے مابین ہوتے ہیں پس جب ہم ان تینوں صورتوں کو مع ان کے افعال متقاربہ اور اُن کے امزجہ کے جو ان افعال کے ہمیشہ خواستگار ہوتے ہیں اعتبار کریں تو ان کا نام لطائف ثلثہ ہے جن سے بحث کی جاتی ہے خود ان قوی کا نام بغیر اُن کے ساتھ کسی چیز کے اعتبار کیے لطائف نہیں ہے قلب کے صفات اور اس کے افعال یہ ہیں غصہ دلیری محبت بزدلی خوشی ناخوشی قدیمی دوستی کی نگہداشت کبھی ایک شخص سے محبت اور کبھی عداوت حب جاہ جود و بخل رجاء خوف وغیرہ ؛

عقل کے صفات و افعال یہ ہیں۔ یقین شک توہم۔ حوادث کے اسباب کی تلاش منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دفع کرنے کے طریقوں میں فکر کرنا وغیرہ ذالک ؛

اور نفس کے صفات کا مشتی لذیذ لذیذ کھانے و پینے کی چیزوں کی حرص اور عورتوں کی محبت وغیرہ ذالک تجربہ سے ان قواے ثلثہ کا ثبوت یہ ہے کہ جو شخص افراد انسانی کے استقراء و تلاش کرے تو لامحالہ اسکو یہ

بات معلوم ہوگی کہ لوگ اپنی سرشت کے اعتبار سے ان امور میں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے
ہیں جن کا قلب نفس کے اوپر حاکم ہوتا ہے اور بعد کے نفوس کو قلب پر غلبہ ہوتا ہے پہلی قسم کے انسان کو جب
غصہ آتا ہے یا اُس کے قلب میں کسی بلند درجہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اُس کے مقابلہ میں بڑی بڑی
لذتوں کو حقیر سمجھتا ہے اور اُن کے چھوڑنے پر صبر کرتا ہے اُن کے چھوڑنے میں وہ شخص اپنے نفس کے
ساتھ مجاہدہ عظیم کرتا ہے اور دوسری قسم کے انسان کو جب کسی لذت کی خواہش ہوتی ہے اُس میں وہ گھس
پڑتا ہے اگرچہ اس جگہ ہزار طرح سے عار ہو۔ اور مناصب عالیہ کی طرف اس کو رغبت دلائی جائے یا لذت وخواری
کا اس کو خوف دلایا جائے تو اُس کی طرف پرواہ نہیں کرتا اور بسا اوقات غیرت دار آدمی کو اس کی خواہش کے
موافق نکاح کرنے کا موقع پیش آتا ہے اور اس کا نفس اس کو سخت رغبت دلاتا ہے مگر اُس کے قلب میں غیرت
کے سبب سے ایک خیال پیدا ہوتا ہے جس کے سبب سے خواہش نفسانی کی طرف اس کو توجہ نہیں ہوتی اور
چونکہ اس کی سرشت میں داخل ہے بسا اوقات بھوکا رہتا ہے پر صبر کرتا ہے لیکن کسی سے سوال نہیں کرتا اور جب
کسی حریص آدمی کو خواہش کے موافق جماع کرنے یا کھانے کا موقع ہوتا ہے اور وہ شخص اس سے پناہ عظیم جانتا ہے
خواہ طلب کے اعتبار سے یا حکمت عملیہ کے لحاظ سے یا بعض لوگوں کی خوف کی وجہ سے تو وہ شخص ڈر جاتا ہے
اور کانپنے لگتا ہے اور اس برائی سے بچ جاتا ہے پھر اس کی خواہش اس کو اندھا کرکے دیدہ و دانستہ ورطہ ہلاکت
میں ڈال دیتی ہے اور بسا اوقات اسی انسان کو دونوں جہت مخالفت کی طرف اپنے نفس کا میلان معلوم ہوتا ہے
پھر ان دونوں میں سے ایک داعیہ کو دوسرے پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس طور پر اس شخص سے ایک قسم کے افعال بار بار صادر
ہونے میں یہاں تک کہ وہ شخص خواہش کی تابعداری اور بے احتیاطی یا خواہش کے روکنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے
ساتھ ضرب المثل ہو جاتا ہے اور تیسرا شخص ایسا ہوتا ہے جس کی عقل اس کے نفس پر غالب ہوتی ہے مثلاً وہ آدمی جو پورا
ایماندار ہے کہ اُس کی محبت اور بغض اور شہوت اور امر شرعی اور ان چیزوں کی طرف کہ شرع سے ان کا جواز بلکہ استحباب
معلوم ہوتا ہے منقلب ہو جاتی ہے ایسا شخص حکم شرعی سے کبھی روگردانی نہیں چاہتا۔ چوتھا شخص ایسا ہوتا ہے جس پر
رشد اور طلب جاہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اپنی ذات سے عار کا دور کرنا چاہتا ہے ایسا شخص باوجود غضبناک ہونے اور
نہایت دلیر ہونے کے اپنے غصہ کو بچاتا ہے اور اگر اس کو کوئی برا کہے تو اُس کی تلخی پر صبر کر لیتا ہے اور باوجود قوت
جسمانی کے اپنے لذائذ کو ترک کر دیتا ہے تاکہ اس کے حق میں لوگ ایسی باتیں نہ کہنے لگیں جو اس کو ناپسند ہیں یا
اس لئے کہ رفعت جاہ وغیرہ جو اس کو مطلوب ہے اس کو مل جائے پہلا شخص درندوں کی مانند ہے اور دوسرا بہائم
کے مانند اور تیسرا ملائکہ کے اور چوتھے شخص کو صاحب مروت و بلند حوصلہ کہتے ہیں پھر استقرا کرنے سے بعض افراد
انسان کے ایسے ملتے ہیں کہ ان کی دو قوتیں متغالب ہوتی ہیں اور ان دونوں کا حال باہم متشابہ رہتا ہے کہ
کبھی اس کو اس پر غلبہ ہوتا ہے اور کبھی اس کو اس پر پس اگر صاحب بصیرت ان کے حال کا انقلاب [illegible] جاتا ہے اور
جس حال پر وہ ہیں اس کو بیان کرنا چاہیں تو لامحالہ لطائف ثلثہ کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑیگی در عقلاء

کے تعلق سے ان تینوں کا وجود اس حق پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام اہل ملت اور اہل ادیان تہذیب نفس ناطقہ کا
جنھوں نے اعتبار کیا ہے ان تین چیزوں کے ثابت کرنے یا ان مقامات اور احوال کے بیان کرنے کی تحقیق میں
جو ان تینوں سے متعلق ہے فلاسفہ اپنی حکمت عملیہ میں ان تینوں کا نام نفس ملکی و نفس سبعی اور نفس بہیمی رکھتے ہیں
اور اس نام رکھنے میں ایک طرح کا تسامح ہے کہ عقل کا نام انہوں نے نفس ملکی رکھا ہے کہ اس کے افراد میں سے
افضل ترین فرد کا یہ نام ہے اور قلب کا نام نفس سبعی بایں طور رکھا ہے کہ اس کے اوصاف میں سے یہ وصف
مشہور ہے۔ اور صوفیائے کرام نے ان لطائف کا بیان اور ہر ایک کی تہذیب کا بیان کیا ہے مگر انہوں نے
ان تین کے سوا دو لطیفہ اور بھی ثابت کیے ہیں اور ان دونوں کا نہایت اہتمام کیا ہے اور وہ دونوں روح اور
سر ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ دل کے دو رخ ہیں ایک رخ کا میلان بدن اور اعضا کی طرف ہے اور ایک رخ کا
میلان تجرد محض کی طرف ہے اور اسی طرح عقل کے دو رخ ہیں ایک رخ کا میلان بدن اور حواس کی طرف
ہے اور دوسرے کا تجرد محض کی طرف پس جس کا میلان سفل کی جانب ہے اس کو قلب و عقل کہتے ہیں اور
جس کو جانب فوق سے اتصال ہے اس کو روح و سر کہتے ہیں قلب کی صفت شوق اور وجد ہے جس سے آدمی
غائب ہو جاتا ہے اور روح کی صفت انس اور انجذاب ہے۔ اور عقل کی صفت ان چیزوں کے ساتھ یقین کرنا ہے
جو معمولی علوم سے قریب المأخذ ہیں جیسے ایمان بالغیب اور توحید افعال؛ اور سر کی صفت ان چیزوں کا مشاہدہ
کرنا ہے جو علوم معمولی سے برتر درجہ وحدت ہیں جس کے لئے نہ زمانہ ہے نہ مکان نہ کوئی وصف اور نہ اشارہ
حکایت کے طور پر ہے اور چونکہ شرع کا نزول صورت انسان کے میزان پر ہوا ہے خصوصیات فردیہ کے اعتبار
سے نہیں ہوا لہذا شرع نے اس تفصیل سے زیادہ بحث نہیں کی اور ان کے مباحث کو اجمال کے خزانہ میں چھوڑ
دیا ہے اور تمام اہل ملل ونحل کے نزدیک بھی اس کے متعلق کچھ بیان ہے استقرا و تتبع سے متین الفہم آدمی
اس کو معلوم کر سکتا ہے۔

مقدمہ ثانیہ

معلوم کرو کہ قوی العقل اور قوی الجسم آدمی جس کے مادہ میں اس کے نوع کے احکام ظاہر ہونے کی پوری اور
کامل قابلیت ہوتی ہے وہ شخص ہوا اور انسانی طبیعت کے نتائج سے نہیں اور ان کے لئے بطور دستور العمل کے
ہوتا ہے جس سے تمام افراد کا اعلیٰ درجے کے حد سے قرب و بعد اس شخص کے عقب سے معلوم ہو سکتا ہے
یہ شخص وہ ہو سکتا ہے جس کی عقل قلب پر غالب ہو اور اس کا قلب قوی ہو اور اس کے قوائے جو ہیں وہ ست
ہوں۔ اور اس کا قلب نفس پر غالب ہو اور بایں ہمہ نفس بھی اس کا شدید ہو اور اس کی خواہشیں بکثرت ہوں جیسے
نفس کے خادم تام ہوتے ہیں اور فطرت قوی ہوتی ہے۔ اور اس سے نیچے بہت سی مختلف قسمیں ہیں
تا آں کہ نتیجہ سے جس کا ظہور ہو سکتا ہے، وہ جانوروں میں بھی یہ خواہشیں پائی جاتی ہیں مگر ان کی عقل قلب

اور نفس کے نیچے نہایت درجہ مغلوب ہوتی ہے اس لئے وہ مکلف ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی اور نہ ملحق
بملاء اعلیٰ ہو سکتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ولقد کرمنا بنی آدم وحملناہم فی البر والبحر ورزقناہم من الطیبات و
فضلناہم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ البتہ ہم نے آدمیوں کو بزرگی دی اور خشکی و دریا میں اُن کو سوار کیا ہم نے اور
پاک چیزیں ہم نے اُن کو دیں رزق اور اکثر اپنی مخلوق پر ہم نے ان کو فضیلت دی فضیلت دینا اور یہ قوی العقل
وقوی الجسم آدمی اگر اُس کی عقل اُن عقائد حقہ کے تابع ہے جو خدا تعالےٰ کے صادق بندوں سے ماخوذ ہیں جنہوں
نے اُن عقائد کو ملاء اعلیٰ سے ماخوذ کیا ہے صلوات اللہ علیہم تو وہ فی الحقیقت مومن صادق ہے اور اگر اس کے
ساتھ ملاء اعلیٰ سے بھی تعلق ہے اُس کے سبب سے بلاواسطہ ملاء اعلیٰ سے فیضان ہوتا ہے تو اُس شخص میں
نبوت کا ایک شعبہ اور اُس کی میراث ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الرویا الصالحۃ جزء
من ستۃ واربعین جزءً من النبوۃ اچھی خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اگر اُس کی عقل عقائد
باطلہ کے جو مضلین ومبطلین سے ماخوذ ہیں تابع ہے تو وہ شخص ملحد و گمراہ ہے اور اگر اُس کی عقل اپنی قوم کی رسوم
اور ان چیزوں کے تابع ہے جو اُس کو تجربہ اور حکمتِ عملیہ سے معلوم ہوئے ہیں تو وہ شخص زمین کا جاہل ہے اور
جب انسان کے افراد مختلف تھے تو حکمت الٰہی میں ضروری ہوا کہ تمام مخلوق میں سے جو شخص زیادہ تر ذکی اور
قوی العقل والجسم اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اُس پر کوئی کتاب نازل کی جائے اور پھر لوگوں کی
سمجھیں اسکی طرف مائل کی جائیں تاکہ اُس کے احکام مشہور ہو جاویں تاکہ جو ہلاک ہو تو حجت سے ہلاک ہو۔ اور یہ بات
ضروری ہوئی کہ وہ نبی صلعم ان لوگوں کے لئے احسان کے طرق ومقامات جو اُس کے ثمرات کے ہیں
پورے طور پر بیان کرے الحاصل جب آدمی خدا تعالےٰ کی کتاب اور ماجاء بہ النبی پر ایسا ایمان لاتا ہے جس سے
اس کے تمام قوی قلبیہ ونفسیہ خدا اور رسول کے تابع ہو جاتے ہیں پھر وہ شخص پورے طور پر عبادت میں مشغول
ہوتا ہے اور زبان سے ذکر اور دل سے فکر کرتا ہے اور اعضا کو ادب دیتا رہتا ہے اور ایک مدت دراز تک
اس کی مداومت کرتا ہے تو ان لطائف ثلثہ میں ہر ایک اس عبادت سے حصہ لیتا ہے اور اس شخص کا حال
یک خشک درخت کا سا ہوتا ہے جس کو بکثرت پانی دیا جائے اور اس کی شاخ شاخ و تنہ تنہ میں تازگی وتری پہنچ
جائے اور اس پر پھل و پھول آنے لگیں اسی طرح عبودیت کا اثر ان لطائف ثلثہ میں پہونچکر صفات سبعیہ رذیلہ کو دور
کرکے صفات ملکیہ فاضلہ پیدا کرتا ہے پھر یہ صفات اگر ملکات راسخہ ہوں جن سے ایک طور یا اطوار متقاربہ سے دوامی
طور پر افعال کا صدور ہو تب تو وہ مقامات ہیں، اور اگر وہ صفات ایسے ہیں کہ مثل بجلی کے کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں کبھی
پوشیدہ ہو جاتے ہیں یعنی دور ہو جاتے ہیں اور متوزان کو قرار نہیں ہے یا وہ صفات اس قسم کے امور ہیں جنکی شان
سے قرار نہیں ہے جیسے رویا اور ہواتف اور مغلوب الحال ہونا تو ان کو احوال و اوقات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور
چونکہ طبیعت بشری کے ہیجان کی حالت میں عقل کا مقتضے اُن امور کی تصدیق کرنا ہے جو طبیعت بشریہ کے مناسب عقل
کو پیش آتے ہیں لہذا عقل کا مقتضے تہذیب کے بعد ان چیزوں کا یقین کرنا ہے جو شرع کے اندر وارد ہیں گویا کہ انکا

معاینہ کرتا ہے جیسے کہ زید بن حارثہ نے بیان کیا ہے جب آنحضرت صلعم نے اُن سے فرمایا کہ ہر حق کی حقیقت ہے پس تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے اُنھوں نے عرض کیا گویا کہ میں خدا تعالے کے عرش کو سامنے دیکھتا ہوں اور اور چونکہ عقل کا مقتضی نعمت اور عذاب کے اسباب کا معلوم کرنا ہے لہذا اُس کا مقتضی تہذیب کے بعد توکل اور شکر اور رضامندی اور توحید ہے اور چونکہ قلب کا مقتضی اصل طبیعت کے اعتبار سے اپنے منعم اور مربی کے ساتھ محبت اور اپنے دشمن کے ساتھ بغض اور ایذا پہونچانیوالی چیزوں سے خوف اور نفع پہونچانیوالی چیزوں کی امید رکھنا ہے لہذا بعد تہذیب کے اُس کا مقتضی خدا تعالے سے محبت اور اُس کے عذاب سے خوف اور ثواب کی امید ہے اور چونکہ نفس کا مقتضی ہیجان طبیعت کے بعد لذات اور آرام میں مستغرق ہوجانا ہے لہذا تہذیب کے بعد اسکی صفت توبہ اور زہد اور مجاہدہ ہے اور یہ کلام ہم نے بطور مثال کے بیان کیا ہے اور مقامات اس کے اندر منحصر نہیں لہذا غیر مذکور کو مذکور پر اور احوال کو مثل سکر اور غلبہ اور مدت مدیدہ تک خورد و نوش سے اعراض رکھنا اور خواب اور حالت کو مقامات پر قیاس کرلینا چاہئے اور جب ہم اُن امور سے فارغ ہوگئے جن پر اس باب کے احادیث کا شرح کرنا موقوف ہے تو اب ہم یہاں سے اصل مقصود شروع کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جسقدر مقامات اور احوال عقل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اُن سب کی اصل یقین ہے اور یقین سے توحید اور اخلاص اور توکل اور شکر اور انس اور ہیبت اور تفرید اور صدیقیت اور محدثیت وغیرذلک پیدا ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا باعث طول ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں الیقین الایمان کلہ۔ یقین بالکل ایمان ہے اور ایک روایت میں یہ حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب مرفوع کی گئی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دعا میں فرمانا من الیقین ماتہون بہ علینا مصائب الدنیا۔ اور ہم کو وہ یقین نصیب کر جس کے سبب سے تو دنیا کے مصائب ہم پر آسان کردے میں کہتا ہوں یقین کے معنی یہ ہیں کہ جو امور شرع کے اندر وارد ہوئے ہیں جیسے قدر و معاد و مسئلہ وغیرہ اُس کے ساتھ مومن کو ایمان ہو اور اس کا ایمان اس کی عقل پر غالب ہوجاے حتی کہ اُس کی عقل ایمان سے لبریز ہوجائے اور پھر عقل سے اس کے قلب اور نفس پر اُس یقین کا ترشح ہو جس کے سبب سے وہ یقینی چیز معائن اور محسوس کے برابر معلوم ہونے لگے اور یقین کے ایمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے مہذب کرنے میں یقین کو پورا پورا دخل ہے۔ اور قلب اور نفس کی تہذیب کا سبب عقل کی تہذیب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب پر یقین کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو اُس سے بہت سے شعبے پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ شخص اُن چیزوں سے خوف نہیں کرتا جن چیزوں سے عادت کے طور پر لوگ ڈرتے ہیں کیونکہ یہ شخص اس بات کو جان لیتا ہے کہ جو مصیبت اُس کو پہونچی ہے وہ اس سے بچنے والی نہتھی اور جو چیز اس سے دور ہوجاتی ہے وہ پہونچنے والی نہتھی اور اس شخص کو ان چیزوں کے ملنے کا اطمینان ہوجاتا ہے جن کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے اس سے دنیا کے مصائب اس پر آسان ہوجاتے ہیں اور اسباب ملکیہ کو وہ شخص حقیر جانتا ہے اس سے کہ اس کو قدرت الٰہی کے عالم میں باختیار وارد و موثر ہونے اور اس بات کا کہ اسباب عادیہ میں یقین ہوتا ہے اس سبب سے اس شخص کو کوشش اُن امور سے حاصل کرلی

یقین

میں ضعیف ہوجاتی ہے جن کے حاصل کرنے میں لوگ بے انتہا کوشش کرتے ہیں اور اپنی جان لڑا دیتے ہیں اس لئے اس شخص کی نظر میں سونا و پتھر برابر معلوم ہونے لگتا ہے بہر تقدیر جب یقین کامل اور قوی اور پائدار ہوجاتا ہے حتی کہ کوئی چیز اس کو نہیں بدل سکتی نہ فقر و نہ غنا نہ عزت نہ ذلت تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہوجاتے ہیں جن میں سے ایک شکر ہے شکر کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص کے اوپر جس قدر ظاہری و باطنی انعامات ہیں سب کو خدا تعالےٰ کی طرف فائز سمجھے پس ہر نعمت کے مقابل میں ایک محبت جداگانہ اپنے پیدا کرنے والے کیساتھ اس کو پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ جھکتا پھرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اول من یدعی الی الجنۃ الحامدون الذین یحمدون اللہ تعالےٰ فی السراء والضراء سب سے پہلے جنت میں حمد کرنے والے بلائے جائینگے جو خدا تعالےٰ کی خوشی و تکلیف میں حمد کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی حمد کرنا عقل و قلب کی حد تک کے یقین کے ساتھ نیازمندی و فرمانبرداری کی دلیل ہے اور اس لئے کہ نعمتوں کے معلوم کرنے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ان کا فیضان معلوم کرنے سے عالم مثال میں ان کے اندر ایک قوت موثر پیدا ہوجاتی ہے جس کا اثر قوائے مثالیہ اور اشکال اخروی پر پڑتا ہے اور ان نعمتوں کی تفصیل اور ان کا فیضان منعم حقیقی جل مجدہ سے معلوم کرنا جو دالی کے دروازہ کو حرکت دینے میں دعائے مستجابہ سے کم درجہ نہیں رکھتا۔ اور کامل شکر جب ہوتا ہے کہ جب آدمی کو خدا تعالےٰ کے اس عجیب برتاؤ پر تنبہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ گذشتہ عمر میں کیا گیا ہے: جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے اخیر حج سے واپس ہوئے تو انہوں نے یہ پڑھا الحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ یعطی من یشاء ما یشاء۔ اور فرمایا میں اس جنگل یعنی ضجنان میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا تھا اور وہ بڑا سنگدل اور سخت آدمی تھا اگر میں کام کرتا تو مجھکو تھکا کر پشت کردیتا تھا اور اگر میں کام میں کوتاہی کرتا تو مجھے مارتا تھا: اب میں صبح و شام ایسی حالت میں رہتا ہوں کہ میرے اور خدا تعالےٰ کے مابین کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جسکا مجھے خوف ہو۔ اور از انجملہ توکل ہے توکل کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص پر یقین کا غلبہ ہو جس کے سبب سے اسباب کی طرف سے منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دور کرنے میں اس کی کوشش سست ہوجائے مگر وہ شخص کسب کے ان طریقوں پر چلتا ہے جو خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کئے ہیں لیکن وہ انپر اعتماد نہیں رکھتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب ہم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون ولا یکتوون وعلی ربہم یتوکلون۔ میری امت سے ستر ہزار بلاحساب جنت میں داخل ہونگے یہ وہ لوگ ہونگے جو نہ منتر کرواتے ہیں اور نہ بدفال نکلواتے ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں: اور پروردگار ہی پر بھروسہ کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہ اوصاف اس لئے بیان فرمائے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ توکل کا سبب ان اسباب کا چھوڑنا ہوتا ہے جن سے شارع نے منع فرمائی ہے نہ ان اسباب کا چھوڑنا جن کو خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ لوگ بلاحساب جنت میں اسلئے

داخل ہونگے کہ جب ان کے دلوں میں توکل کے معنی ثابت ہو گئے تو اس کے سبب سے اُن کے دو نہیں
ایسے معنی پیدا ہوئے جن کے باعث سے اُن اعمال کی سببیت جو اُن کے نفوس کو ایذا رسانی کرتے رہتے ہیں
اُن سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ اُن کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ بجز قدرت واجبی کے تمام جہان میں کوئی موثر
نہیں ہے اور از انجملہ ہیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کو خدا تعالےٰ کے جلال اور اُس کی عظمت کا یقین
ہو جس کے سبب سے خدا تعالےٰ کے سامنے وہ شخص گھبراتا ہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے ایک درخت پر ایک پرند جانور کو دیکھا تو فرمانے لگے خوشنودی ہو تیرے لئے خدا کی قسم میں اس بات کو پسند
کرتا ہوں کہ میں تجھ سا ہوتا تو درخت پر بیٹھتا اور اس کا پھل کھا کر اڑ جاتا اور پھر نہ تجھ سے حساب ہے اور نہ تجھکو عذاب
ہے خدا کی قسم میں اس بات سے خوش ہوں کہ میں کسی سڑک پر ایک درخت ہوتا اور کسی اونٹ کا مجھ پر گذر ہوتا
اور وہ مجھکو اپنے منہ میں رکھ لیتا اور چبا کر نگل جاتا۔ پھر مینگنی کر کے پیٹ کے راستے سے نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا
اور از انجملہ حسن ظن ہے صوفیہ کے اصطلاح میں اس کو انس کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یہ انس خدا تعالےٰ کے
التفات والطاف میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ہیبت خدا تعالےٰ کے انتقامات اور حکومت
میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مومن اپنی نظر اعتقادی کے اعتبار سے خوف و امید کا جامع ہوتا ہے لیکن
اُس کے حال اور مقام کے اعتبار سے لبا اوقات اُس پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے اور لبا اوقات حسن ظن کا اُس
پر غلبہ ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کسی عمیق کنوئیں کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے تو اُس کا بدن تھرانے لگتا ہے اگرچہ
اُس کی عقل خوف کی مقتضی نہیں ہے جیسا کہ خوشگوار نعمتوں کو نفس کا یاد کرنا انسان کو خوش کرتا ہے گو کہ اُسکی عقل
اُس کے مقتضی نہیں لیکن ان دونوں حالتوں میں نفس کے اندر خوف و فرح سرایت کر جاتی ہے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے حسن الظن باللہ من حسن العبادۃ۔ خدا تعالےٰ کے ساتھ حسن ظن حسن عبادت سے ہے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار تبارک وتعالےٰ حکایتہ فرماتے ہیں انا عند ظن عبدی بی میرے
بندے کو جیسا میرے ساتھ اس کو گمان ہے میں اُس کے گمان کے ساتھ ہوں میرے نزدیک اُس کی یہ وجہ ہے
کہ حسن ظن اُس کے نفس کو اس بات کا مستعد کر دیتا ہے کہ اُس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے الطاف
کا فیضان ہو۔ اور از انجملہ ایک تفرید ہے تفرید کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے قوا ہے درا کیہ پر ذکر کا ایسا غلبہ ہو کہ
گویا خدا تعالےٰ کو ظاہر میں دیکھتا ہے پھر اس سبب سے نفس کی تمام باتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اور اُن کی بھڑک
بجھ جاتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سیروا سبق المفردون ہم الذین وضع عنہم الذکر اثقالہم۔ چلو تم
سبقت کر گئے مفرد لوگ ہیں جنسے ذکر نے اُن کے بوجھوں کو کھو دیا۔

میں کہتا ہوں جبکہ اُن کے عقول ذکر کے نور سے منور ہو جاتی ہیں اور اُن کے نفوس میں اطلاع الی الجبروت
صورت منقش ہو جاتی ہے تو قوت بہیمی دیجاتی ہے اور اس کا جوش گل ہو جاتا ہے اور اس کا تقل جاتا رہتا ہے
اور از انجملہ خلاص ہے اور وہ اس بات سے عبارت ہے کہ بسبب قربت ہونے اُس کے نفس کی حق تعالےٰ

کے ساتھ اُس کی عقل میں خدا تعالےٰ کی عبادت کا نقش متشکل ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے
ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔ کہ بلا شک خدا تعالےٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ با بسبب تصدیق کے
کہ خدا تعالےٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر آخرت کے ثواب کا وعدہ کیا ہے پس بواسطہ ایک امر عظیم کے اُس سے
اعمال پیدا ہوتے ہیں کہ اُس میں ریا و سُمعہ کو دخل نہیں ہوتا اور نہ مُوافقت عادت کو اور یہ حال تمام اعمال میں سرایت
کر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اعمال مباح عادیہ بھی بغیر اس حال کے نہیں صادر ہوتے ہیں خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا
لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْن اور وہ اسی بات کے لئے مامور ہیں کہ دین کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی عبادت
کریں۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ انما الاعمال بالنیات کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں اور از انجملہ توحید ہے اور
اس کے تین درجے ہیں پہلا اُن میں کا توحید عبادت ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیاطین کی پرستش نہ کرے
اور اُن کی عبادت کرنے سے وہ اتنا بیزار رہو جیسا کہ وہ آگ میں جانے سے بیزار ہے۔ اور دوسرا درجہ ہے کہ نہ
قوت دیکھے اور نہ طاقت نیکی کی مگر خدا تعالےٰ کی طرف سے۔ اور یقین کرے اس بات کو کہ بلا واسطہ کائنات
میں بجز قدرت وجوبیہ کے کوئی موثر نہیں اور جانے اس بات کو کہ نسبت ان مسببات کے اسباب عادیہ
کی طرف مجازاً ہے اور اس بات کا یقین کرے کہ مخلوق کے ارادہ پر اُس کا حکم غالب ہے۔ اور تیسرے توحید
اس بات کی کہ خدا تعالےٰ مخلوقات میں سے کسی کے ہمشکل نہیں ہے اور نہ اُس کے اوصاف مثل اوصاف
مخلوق کے جانے اور ان باتوں کا سننا اُس کے لئے بمنزلہ مشاہدہ کے ہو جائے اور اُس کا قلب خود مطمئن
ہو جائے کہ اُس کا مثل نہیں اور اُس کے متعلق شرع کے اخبار کو خدا تعالےٰ کی طرف سے بطور سند کے معلوم
کرے جو اُسی کی ذات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی ذات سے اُن کا قیام ہے۔ اور از انجملہ صدیقیت و محدثیت
ہے اور اس کی حقیقت یوں ہے کہ امت میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے
انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جیسے کہ شاگرد ذہین کو شیخ محقق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے پھر اگر اس شخص کو
قوائے عقلیہ کے اعتبار سے تشبیہ ہو تو وہ صدیق یا مُحدَّث ہے اور اگر اُس کو مشابہت قوائے عملیہ کے
اعتبار سے ہے تو وہ شہید اور حواری ہے۔ اور قرآن مجید میں انہیں دونوں گروہوں کی طرف اشارہ ہے
والذین آمنوا باللہ و رسلہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء۔ اور جو لوگ خدا تعالےٰ اور اُس کے رسولوں پر ایمان
لائے وہی تو صدیقین اور شہداء ہیں اور صدیق و محدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کا نفس نبی کے نفس سے
قریبۃ الاخذ ہوتا ہے جیسے گندھک کو آگ کے ساتھ نسبت قریبہ ہے۔ پھر جب وہ شخص آپ سے کوئی خبر سنتا
ہے تو اُس کے نفس میں اس بات کے بے انتہا وقعت ہوتی ہے اور اُس کو دلی شہادت سے قبول کر لیتا
ہے یہاں تک کہ گویا اُس کا علم اُس کے نفس میں بغیر تقلید کے حاصل ہوا ہے اور اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اس میں
جو وارد ہوا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ پر وحی لاتے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اُس کی
آواز کی بھن بھناہٹ سنتے تھے اور صدیق کے دل میں لامحالہ رسول کی محبت اس درجہ پیدا ہوتی ہے کہ

زیادہ سے زیادہ درجہ ہے پس وہ شخص اپنے جان و مال کے ساتھ غمخواری کرنے اور ہر حال میں اُسکے ساتھ موافقت کرنیمیں رہتا ہے یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُسکے حال سے خبر دیتے ہیں اس بات کی کہ اپنے مال اور محبت میں وہ شخص سب سے زیادہ احسان کرنیوالا ہے اور حتے کہ نبی صلعم نے اُسکے لیے گواہی دی تھی کہ اگر آدمیوں میں سے کسی کو خلیل پکڑتا تو صدیق اُس کا اہل تھا اور اُس کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نفس کی طرف سے صدیق کے نفس کی طرف انوارِ وحی کا ورود پے در پے ہوتا تھا پھر جبکہ تاثیر و تاثر و فعل و انفعال مکرر ہوتا ہے اس سے لئے اُس کو فنا اور فدا کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور جب کہ اُس کا کمال جو اُس کا غایت مقصود ہے آپ کی صحبت میں رہنے اور آپ کے کلام کے سننے سے حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ شخص بہ نسبت اور صحابہؓ کے آپ کی خدمت بابرکت میں زیادہ رہتا ہے۔ اور صدیق کی یہ علامت ہے کہ بہ نسبت اوروں کے خواب کی تعبیر میں اُس کو زیادہ مناسبت ہو کہ اُس کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ اول سبب سے امورِ غیبیہ کا اُسپر القا ہوتا ہے اور اسی سبب سے آنحضرت صلعم اکثر واقعات میں حضرت صدیقؓ سے تعبیر دریافت فرماتے تھے اور منجملہ علامات صدیق کے یہی ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا وہی ہو اور بغیر معجزہ دیکھے ایمان لاوے اور محدث کے نفس کو علم کے بعض معادن پر جو ملکوت کے اندر پائے جاتے ہیں بہت جلد رسائی ہوجاتی ہے اور وہاں سے وہ شخص ان چیزوں کے علوم کو اخذ کرلیتا ہے جن کو خدا تعالے نے وہاں نبی صلعم کی شریعت مقرر کرنے اور نظام بنی آدم کے لئے مقرر کیا ہے، اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہنوز اُن علوم کے متعلق وحی نہیں نازل ہوتی جیسے کوئی شخص اپنی خواب میں بہت سے اُن حوادث کا معائنہ کرتا ہے کہ ملکوت میں جن کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے اور محدث کا خاصہ ہوتا ہے کہ بہت سے حوادث میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے: اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خواب میں اس قسم کا معائنہ کرتے ہیں کہ اپنی سیر ہونے کے بعد آپ نے اُسے دودھ دیا ہے۔ اور صدیق سب لوگوں سے زیادہ خلافت کی قابلیت رکھتا ہے کیونکہ صدیق کا نفس اس عنایت الہی کا جو نبی کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور اُس کی نصرت اور تائید کا آشیانہ ہوتا ہے حتے کہ وہ شخص اس درجہ کو پہونچ جاتا ہے کہ نبی کی روح گویا اُس شخص کی زبان سے ناطق ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کے لئے بلایا تو یہ کہا کہ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے اور خدا تعالے نے تم لوگوں میں ایسا نور موجود کردیا ہے جس سے تم رہبری حاصل کرسکتے ہو۔ خدا تعالے نے محمد صلعم کو ہدایت کی اور ابو بکرؓ آپکے صاحب اور ثانی اثنین ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے قابل ہیں کہ تمہارے امور کے مالک ہوں لہذا اُن سے بیعت کرو صدیق کے بعد سب لوگوں سے زیادہ محدث خلافت کے قابل ہوتا ہے اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہیں پیروی کرو ابو بکرؓ و عمرؓ اور اللہ پاک فرماتا ہے والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون۔ اور جو شخص کہ سچ کو لایا اور اُس کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں متقی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقد کان فیما قبلکم محدثون

فان یکن فی امتی احد فعمر" تم میں سے پہلے محدث لوگ ہوا کرتے تھے پس میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے
عقل کے ساتھ جو حالات متعلق ہیں ان میں سے ایک تجلی ہے سہل فرماتے ہیں تجلی تین قسم کی ہوتی ہے تجلی ذات اور
وہ مکاشفہ ہے۔ اور تجلی صفات الذات اور وہ نور کے مواضع ہیں۔ اور تجلی حکم الذات اور وہ آخرت اور اسکی چیزیں ہیں
مکاشفہ کے معنی غلبہ یقین کے ہیں جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوجائے کہ گویا خدا تعالے کو دیکھتا ہے اور ماسوائے
سے اسکو غفلت ہوجائے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ۔ مگر آنکھوں سے مشاہدہ آخرت
ہی میں ہوگا دنیا میں نہیں ممکن ہے" اور یہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ صفات الذات کی تجلی اسمیں دو احتمال ہیں ایک تو
یہ کہ بندہ خدا تعالے کے ان افعال میں فکر کرے جو مخلوقات میں پائے جاتے ہوں اور اسکے صفات کو پیش نظر کرے
اس کی وجہ سے قدرت الہی کا یقین اس پر غالب ہوجاتا ہے اور اسباب سے اسکو غیبت ہوجاتی ہے اور خوف اور
تسبب کی صفت اس سے ساقط ہوجاتی ہے اور خدا تعالے کا علم جو اسکے ساتھ محیط ہے اسکا یقین اس شخص پر
غالب ہوجاتا ہے جسکے سبب سے یہ شخص نہایت خضوع کی حالت میں مدہوش اور مرعوب رہتا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے
فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اور یہ انوار کے مواضع ہیں بایں معنی کہ نفس اس حال میں انوار متعددہ کے ساتھ منور ہوتا
ہے اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ کی طرف اس کو انقلاب رہتا ہے۔ بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں پر
نہ تعدد ہے نہ تغیر" اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت ذات کا اس طرح معائنہ کرے کہ بلا وساطت اسباب خارجیہ کے
صرف امر کن سے ذات واجبی سے تمام چیزیں اور تمام افعال اور تمام مخلوقات پیدا ہوتی ہیں اور مواضع تو ان
اشباح مثالیہ نوریہ کا نام ہے جو عارف کو دنیا سے وقت غیبت حواس کے ظاہر ہوتے ہیں" اور تجلی آخرت کے
یہ معنی ہیں کہ دنیا و آخرت میں جزا و سزا کا بصیرت قلبی سے معائنہ کرے اور ان چیزوں کا ادراک اسکے نفس کے
اندر اس طرح پیدا ہو کہ جس طرح بھوکے کو بھوک کی اور پیاسے کو پیاس کی تکلیف کا ادراک ہوتا ہے" دل کی مثال
یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما طواف کر رہے تھے اس حالت میں ایک شخص نے انکو سلام علیک کی تو
آپ نے اسکے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس شخص نے ان کے بعض احباب سے شکایت کی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا
ہم اس جگہ خدا تعالے کا معائنہ کر رہے تھے۔ اور یہ حالت ایک قسم کی غیبت اور ایک قسم کی فنا ہے کیونکہ لطائف
ستہ میں سے ہر لطیفہ کے لئے ایک غیبت و فنا ہوتی ہے" عقل کی غیبت اور اس کی فنا خدا تعالے کیساتھ
مشغول ہونے کے سبب سے تمام چیزوں کی معرفت کا ساقط ہوجانا ہے اور قلب کی غیبت اور فنا غیر کی محبت
اور غیر سے خوف کا ساقط ہوجانا ہے اور نفس کی غیبت اور فنا شہوات نفسانیہ کا ساقط ہوجانا اور لذتوں کے
حاصل کرنے سے اس کا باز رہنا۔ اور دوسرے کی مثال وہ ہے جو حضرت صدیق اور اور جلیل القدر صحابہؓ نے فرمایا ہے
الطبیب امرضنی طبیب ہی نے تو مجھکو بیمار کیا ہے۔ اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری صحابی نے ایک
سائبان کا معائنہ کیا جسمیں مشعلوں کی صورتیں دکھائی دیتی تھیں۔ اور ایک یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
صحابہ میں سے دو شخص آپ کی خدمت میں سے اٹھکر شب تاریک میں چلے اور ان کے آگے آگے دو مشعلوں کی طور پر

معلوم ہوتی تھیں پھر جب وہ علیحدہ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک شعل ہو گئی حتی کہ اسکے ساتھ ایک ایک گھر
آگیا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس روشنی معلوم ہوا کرتی تھی۔ اور چوتھے کی مثال یہ ہے کہ حضرت
حنظلہ اسیدی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تذکرنا بالنار والجنۃ۔ حنظلہ ربیع اسیدی سے روایت ہے
وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ مجکو ملے انہوں نے فرمایا اے حنظلہ کیا حال ہے میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق
ہو گیا انہوں نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہتے ہو میں نے عرض کیا کہ ہم جب رسول خدا صلعم کے پاس ہوتے ہیں تو
بہشت و دوزخ کا حال آپ ہم سے بیان کرتے ہیں تو گویا ہم انکو آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں اور جب ہم آپکی خدمت
میں سے چلے آتے ہیں تو اہل و عیال و دنیا کے سامان میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں تو
حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ حال تو ہمارا بھی ہوتا ہے پھر میں اور حضرت ابو بکرؓ دونوں چلے آپکی خدمت بابرکت میں
حاضر ہوئے سو میں نے عرض کی کہ اے رسول خدا صلعم حنظلہ تو منافق ہو گیا آپ نے فرمایا کیا بات ہے میں نے عرض کیا کہ
یا رسول اللہ صلعم جب ہم آپکی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ ہم سے جنت و نار کا ذکر کرتے ہیں تو گویا ہم اسکو آنکھوں سے
دیکھتے ہیں اور جب آپ سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو اہل و عیال و سامان دنیا میں مشغول ہو کر بہت کچھ بھول جاتے ہیں تب
آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم کہ جان میری جسکے ہاتھ میں ہے اگر ہمیشہ تم اس حال پر جو میرے پاس ہوتا ہے اور
ذکر ہی میں رہتا ہے تو تمہارے بستروں پر اور تمہارے رستوں میں ملائکہ تم سے مصافحہ کیا کریں مگر اے حنظلہ کبھی کوئی وقت
ہے کبھی کوئی وقت آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ حال
قائم و دائم نہیں رہتے۔ اور ایک مثال اسکی یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی خواب میں جنت و نار کا معائنہ کیا۔ از انجملہ
فراست صادقہ اور خاطر مطابق للواقع ہے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو کسی چیز کی نسبت یہ کہتے
ہوئے نہ سنا ہوگا کہ میرا گمان اس کی نسبت یہ ہے مگر وہ چیز انکے گمان کے مطابق ہوتی تھی۔ اور از انجملہ رویا صالحہ ہے
اور آنحضرت صلعم کو سامعین کے خواب کی تعبیر بیان کرنیکا اہتمام رہتا تھا یہانتک روایت ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپ
بیٹھ جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی نے تم میں سے کوئی خواب دیکھی ہے پس اگر کوئی بیان کرتا تو جو خدا تعالےٰ کو
منظور ہوتا آپ اسکی تعبیر بیان فرماتے۔ رویاء صالحہ سے ہماری مراد خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا جنت و نار یا انبیا
اور انبیا علیہم السلام یا مشاہد متبرکہ مثل بیت اللہ کے یا اگلے واقعات کا دیکھنا ہے۔ اور جسطرح وہ شخص دیکھتا ہے
ویسا ہی اس کا وقوع ہوتا ہے یا وقائع ماضیہ کا جسطرح نفس الامر میں ان کا وقوع ہوا ہے دیکھتا ہے یا اس چیز کا دیکھنا
جو اسکے قصور پر تنبیہ کرنیوالی ہو مثلاً اپنے غصہ کو مثل کتے کی صورت میں دیکھنا جو اسکو کاٹ رہا ہے یا انوار کا دیکھنا
یا کھانے پاکیزہ کا دیکھنا مثلاً دودھ کا پینا اور شہد اور گھی کا کھانا یا ملائکہ کا دیکھنا واللہ اعلم۔ اور از انجملہ نماز وغیرہ میں لذت
و حلاوت کا حاصل ہونا اور وساوس نفسانی کا منقطع ہونا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من صلے رکعتین
لا یحدث فیہما النفس غفر لہ ما تقدم من ذنبہ جسنے دو رکعت نماز اسطرح پڑھی کہ اس کے نفس میں وسوسہ نہ پیدا ہو تو اس
کے سب پچھلے گناہ بخشے گئے۔ اور از انجملہ محاسبہ ہے اور وہ اس عقل کے جو نور ایمانی سے منور ہے وہ اس رو دو کے

ہا ہیں پیدا ہوتا ہے جو قلب کا پہلا مقام ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت
ہوشیار وہ شخص ہے کہ جس کا نفس اُس کے تابع ہوگیا اور بعد موت کے لئے بھی عمل کیا اور حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ
پڑھنے میں لوگوں سے فرمایا حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا وزنوا قبل ان توزنوا وتزینوا للعرض الاکبر علے اللہ تعالے
یومئذ تعرضون لا تخفی منکم خافیۃ۔ اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنے نفسوں سے حساب لے رکھو۔ اور
پہلے اس سے کہ وزن کیا جائے تم اُنکا وزن کر رکھو اور خدا تعالے کے سامنے جو بڑی پیشی ہونیوالی ہے اسکے لئے آراستہ
ہو کر بیٹھ جاؤ جس روز تم پیش کئے جاؤ گے تو کوئی بات تمہاری پوشیدہ نہ رہیگی + اور از انجملہ حیا ہے۔ یہ حیا اُس حیا کے غیر
ہے جو نفس کے مقامات سے ہے اور خدا تعالے کی عزت و جلال اپنے ادائے شکر کے عاجز ہونے اور اپنے سی بشریت کے
ساتھ ملتبس ہونیکے لاحظہ سے پیدا ہوتی ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہے کہ میں تاریک مکان میں غسل کرتا ہوں اور خدا تعالے
سے حیا کے سبب سے سکڑتا جاتا ہوں اور جو مقامات قلب سے متعلق ہیں اُنہیں کا پہلا مقام جمع ہے اُس کے یہ معنی ہیں کہ آخرت
کا امر آدمی کو مقصود بالذات و مہتم بالشان ہو اور دنیا کے معاملات اُسکے روبرو ذلیل و خوار معلوم ہوں اور اُنکی طرف صرف اس
سبب سے قصد و التفات ہو کہ وہ جسکے درپے ہے اس چیز تک اُسکو وہ معاملات پہونچا سکتے ہوں وہ جمع اسی مقام کا نام
ہے جسکو صوفیہ ارادہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من جعل ہمہ ہما واحدا ہم الاخرۃ وکفاہ اللہ ہمہ
ومن تشعبت بہ الہموم لم یبال اللہ فی ای اودیۃ ہلک۔ جو شخص اپنی فکر کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر کرے خدا تعالے کل
فکر کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جس کو طرح طرح کے افکار ہوتے ہیں خدا تعالے اُس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی جنگل میں
ہلاک ہو۔ میں کہتا ہوں انسان کے ارادہ و ہمت کو جو الہی کے دروازہ کو حرکت دینے میں دعا کی سی خاصیت ہے
بلکہ وہ دعا کا مغز اور اُس کا خلاصہ ہے پس جب انسان کی ہمت مرضیات الہی کی طرف خالص ہو کر توجہ ہوتی ہے
خدا تعالے اُسکے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور جب اُس کی ہمت پختہ ہو جاتی ہے اور ظاہر و باطن میں عبودیت پر
مداومت کرتا ہے تو اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں خدا تعالے اور اُس کے رسول کی محبت پیدا ہو جاتی
ہے اور اس محبت سے صرف اس بات کے یقین ہی میں ترقی نہیں ہوتی کہ خدا تعالے مالک الملک ہے اور اُسکا رسول
سچا اور خدا تعالے کیطرف سے اُسکی خلق کیطرف مبعوث ہے بلکہ وہ محبت ایسی حالت کا نام ہے کہ جیسے پیاسے کو پانی کیساتھ
اور بھوکے کو کھانے کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے یہ محبت ذکر الہی اور اُس کے جلال میں تفکر کرنے سے عقل کے
چیز ہو جانے اور پھر عقل سے قلب کی طرف نور ایمانی کے مترشح ہونے اور قلب کے اس نور کو بذریعہ اس قوت کے
جو قلب کے اندر پیدا کی گئی ہے قبول کرنے سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ثلث من کن
فیہ وجد حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما الحدیث۔ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوتی ہیں اُسکو
ایمان کی لذت و حلاوت معلوم ہوتی ہے وہ شخص جس کو خدا اور اُس کا رسول ان دونوں کے سوا سب سے
محبوب ہو الخ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی ہے اللہم اجعل حبک احب الی من نفسی وسمعی وبصری
واہلی ومالی ومن الماء البارد۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا جبتک میں

تیری ذات سے زیادہ تجکو محبوب نہ ہوں اسوقت تک تو مومن نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم
جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے بلاشبہ آپ مجکو اپنی جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے زیادہ تر محبوب
ہیں سو آپ نے فرمایا اے عمر اب تیرا ایمان کامل ہوگیا۔ اور انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوے سنا ہے لایومن احدکم حتی کون احب الیہ من ولدہ والدیہ والناس اجمعین تم میں
سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا جبتک میں اس کو اسکی اولاد اور ماں باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں
میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ محبت فی الحقیقت لذت یقین کی عقل پر
اور پھر قلب و نفس پر غالب ہونیکا نام ہے حتی کہ وہ قلب کی ان خواہشوں کے قائم مقام ہوجاتی ہے جنکے نفس کے اندر
خواہش پیدا ہوتی ہے جیسے پیاسے کو پانی کی خواہش پھر جب یہ حال ہوجاتا ہے تو وہ محبت خاص ہوجاتی ہے
جو مقامات قلب سے شمار کیجاتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ۔ جو شخص
خدا تعالے سے ملنا چاہتا ہے تو خدا تعالے اس سے ملنا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت صلعم نے مومن کے
اس میلان کو جو بارگاہ الٰہی کی طرف اسکو ہوتا ہے اور حجاب بدنی سے تجرد کے مقام کیطرف اسکے اشتیاق اور طبیعت
کی قید سے فضائل قدس کیطرف رہائی کے طالب ہونیکو جہاں وہ ایسی چیزوں سے متصل ہوتا ہے جو بیان میں
نہیں آتیں اپنے پروردگار کیساتھ صدق و محبت کی علامت گردانا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں جو شخص
خدا تعالے کیساتھ خالص محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وہ محبت طلب دنیا سے اسکو مانع ہوجاتی ہے اور تمام لوگوں
سے اس شخص کو وحشت و نفرت ہوتی ہے میں کہتا ہوں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فرمانا آثار محبت کا پورا پورا بیان ہے پس
جب ایماندار کو خدا تعالے سے پوری و کامل محبت ہوجاتی ہے تو اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خدا تعالے کو اس سے محبت
ہوجاتی ہے خدا تعالے کو اس بندہ کے ساتھ محبت کرنے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ خدا تعالے اس بندہ سے متاثر
ہوتا ہے لیکن اس محبت کی حقیقت خدا تعالے کا اس بندہ کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا ہے کہ جسکی وہ بندہ قابلیت رکھتا
ہے پس جس طرح آفتاب سخت جسم کو بہ نسبت اور اجسام کے زیادہ تر گرم کردیتا ہے اور آفتاب کا فعل واقع میں
ایک ہی ہوتا ہے مگر چونکہ اس فعل کے قبول کرنیوالوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں اسلئے اسکا فعل بھی مختلف اور
متعدد ہوجاتا ہے اسی طرح خدا تعالے کو اپنے بندوں کے نفوس کیطرف باعتبار انکے افعال و صفات کی عنایت و توجہ
ہے پس جو شخص انہیں سے صفات رذیلہ کیساتھ متصف ہوکر اپنے آپ کو بہائم کے شمار میں داخل کرلیتا ہے تو آفتاب
احدیت کی روشنی اسمیں وہ کام کرتی ہے جو اسکی استعداد کے مناسب ہوتا ہے اور جو شخص اخلاق و صفات فاضلہ کیساتھ
اپنی ذات کو متصف کرکے ملاء اعلے کے شمار میں داخل ہوجاتا ہے تو آفتاب احدیت کی روشنی اسکو منور اور محل کر دیتی
ہے حتی کہ وہ شخص حظیرۃ القدس کے جواہر میں سے ایک جوہر ہوجاتا ہے۔ ور ملاء اعلے کے احکام اسپر جاری ہوجاتے ہیں
ایسے وقت میں وہ شخص محبوب الٰہی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ خدا تعالے نے اس سے وہ معاملہ کیا ہے جو محب اپنے محبوب سے
کرتا ہے اسوقت میں اس بندہ کا نام ولی ہوجاتا ہے۔ پھر خدا تعالے کو جو اس بندہ کے ساتھ محبت ہوتی ہے اسکے

بوجہ محبت بندہ پر بہت سے حالات طاری ہوتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جنکو پورے طور سے بیان فرمایا ہے
ازانجملہ یہ ہے کہ وہ شخص ملاء اعلیٰ میں پھر زمین پر بھی مقبول ہوجاتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا احب
اللہ عبدا نادی جبرئیل ان اللہ یحب فلانا فاحبہ فیحبہ جبرئیل ثم ینادی جبرئیل فی اہل السماء ان اللہ یحب فلانا
فاحبوہ فیحبہ اہل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض جب خدا تعالے کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو فرماتا
ہے کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ پھر جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں
پھر تمام آسمانوں پر جبرئیل ندا کردیتے ہیں کہ خدا تعالے فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پس
تمام اہل السموات اس کو دوست رکھتے ہیں پھر اس کی قبولیت زمین پر ہوجاتی ہے۔ میں کہتا ہوں جب عنایت الٰہی
اس بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس محبت کا عکس پڑتا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کا عکس صاف آئینہ
میں پڑتا ہے پھر ملاء سافل کے دلوں میں اسکی محبت کا القاء ہوتا ہے پھر اہل ارض میں سے جنمیں اس بات کی قابلیت ہوتی
ہے انکے دل میں اسکی محبت کا القا ہوتا ہے جس طرح نرم زمین پانی کے حوض سے تری کو قبول کرلیتی ہے ازانجملہ اس کے
دشمنوں کا رسوا ہونا ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے حکایۃً عن ربہ تعالے فرمایا ہے من عادی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ جو شخص میرے
ولی سے عداوت کرتا ہے پس میں اسکو اعلان جنگ دیتا ہوں میں کہتا ہوں جب خدا تعالے کی محبت کا عکس ملاء اعلےٰ کے
نفوس پر جو بمنزلہ آئینوں کے ہیں پڑتا ہے پھر اہل ارض میں سے کوئی شخص اسکی مخالفت کرتا ہے تو ملاء اعلےٰ کو وہ مخالفت محسوس ہوتی ہے
جس طرح ہم میں سے کسی کا قدم آگ کی چنگاری پر پڑجائے تو اسکی حرارت ہم کو محسوس ہوجاتی ہے اس مخالفت کے معلوم کرنے کے بعد ملاء اعلےٰ
کے نفوس سے شعاعیں نکلکر نفرت وعداوت کے طور پر اس مخالفت کرنے والے کو محیط ہوجاتی ہیں پس اس وقت میں وہ
شخص خوار و ذلیل ہوجاتا ہے اور زندگی اسپر تنگ ہوجاتی ہے اور ملاء سافل اور اہل زمین کے دل میں اس بات
کا القاء ہوتا ہے کہ اس کیساتھ بری طرح پیش آویں خدا تعالیٰ کی لڑائی کے یہی معنی ہیں۔ اور ازانجملہ یہ ہے کہ اس شخص
کی دعا مقبول ہوتی ہے اور جس چیز سے وہ پناہ مانگتا ہے تو پناہ دیجاتی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
حکایۃً عن اللہ تعالے فرمایا ہے وان سالنی لاعطینہ وان استعاذنی لاعیذنہ۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے میں اسکو
بلاشبہ دیتا ہوں اور اگر پناہ مانگتا ہے تو بلاشبہ پناہ دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ یہ شخص حظیرۃ القدس
میں داخل ہوجاتا ہے جہاں سے حوادث کا حکم دیا جاتا ہے اور اس شخص کی دعا اور پناہ کی خواستگاری حظیرۃ القدس
کی طرف چڑھکر حکم الٰہی کے نازل ہونیکا سبب ہوتا ہے صحابہ کے آثار میں استجابت دعا کے باب میں بہت کچھ مروی
ہے ازانجملہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ نے ابوسعدہ پر یہ بددعا کی کہ بارخدایا اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے۔ اور
ریا وسمعہ کے طور پر کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر بڑھادے اور اس کی محتاجی زیادہ کر اور فتنوں کا اس کو سامنا کر
پس جیسا انہوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور ایک مرتبہ حضرت سعیدؓ نے اروی بنت اوس پر بددعا کی خدایا
اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں اندھی کردے اور اسی کی جگہ اس کو موت دے پس جیسا انہوں نے کہا تھا
ویسا ہی ہوا۔ اور ازانجملہ نفس سے فانی ہونا اور حق کے ساتھ باقی رہنا ہے سو یہ نفس کو غلبہ کون الٰہی علے النفس.

کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن اللہ تبارک وتعالے فرمایا ہے مایزال عبدی
یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یبطش بہا میں کہتا ہوں
جب خدا تعالے کا نور اس بندہ کے نفس کو باعتبار اسکی قوت عملیہ کے جو بدن کے اندر منتشر ہوا ہے ڈھک لیتا
ہے تو اس نور کا ایک شعبہ اسکے تمام قوی میں پہونچ جاتا ہے جسکے سبب سے ان قوا میں [illegible] پیدا
ہوجاتی ہیں جو مجرائے عادت سے بالکل خلاف ہوتی ہیں ایسے وقت میں وہ فعل ایک [illegible]
خدا تعالے کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت
ولکن اللہ رمی پس تم نے ان کو نہیں قتل کیا لیکن خدا تعالے نے انکو قتل کیا اور تو نے جب پھینکا تو وہ تو نے نہیں پھینکا
لیکن اللہ تعالے نے پھینکا۔ اور از انجملہ یہ ہے کہ بعض آداب کے ترک کرنے سے جو بندہ کرے اور آپ کی
طرف بندہ کے رجوع کو قبول فرمانے اسکو متنبہ کر دیتا ہے جس طرح ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے مہمانوں
کو ناخوش کر دیا پھر انکو معلوم ہوا کہ یہ فعل شیطان کی طرف سے ہے پھر بالمعروف کیطرف انہوں نے رجوع کیا تو انکے کھانے
میں برکت ہوئی۔ اور منجملہ مقامات قلب کے دو مقام اور ہیں یہ مقام ان نفوس کے ساتھ مختص ہوتے ہیں جو انبیاء
علیہم السلام کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں ان مقامات کا عکس ان نفوس پر ایسا پڑتا ہے جیسے
چاند کی روشنی کا عکس آئینہ میں عکس پڑتا ہے۔ جو ایک کھلے ہوئے [illegible] کے مقابل
رکھا ہوا ہے پھر اس آئینہ کی روشنی کا عکس دیواروں اور چھت اور زمین پر پڑتا ہے یہ دو مقام بھی [illegible]
اور محدثیت کے ہیں پھر اتنا ضرور فرق ہے کہ صدیقیت ومحدثیت کا محل انکے نفوس کی قوت [illegible]
اور انکا محل قوت عملیہ ہوتی ہے جو قلب سے پیدا ہوتی ہے اور وہ دونوں شہید وحواری کے مقام ہیں
اور دونوں میں یہ فرق ہے کہ شہید کا نفس غضب اور کفار پر شدت و دین الہی کی مدد ملکوت کے مقامات [illegible]
سے قبول کرلیتا ہے جسمیں خدا تعالے نے نافرمانوں سے انتقام لینے کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہاں تو رسول پر اس
ارادہ کا نزول ہوتا ہے تاکہ وہ رسول اس انتقام میں خدا تعالے کے اسباب میں سے ایک سبب ہو پس ان لوگوں کے
نفوس ایسے مقام سے اس ارادہ کو قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ محدثیت میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حواری وہ شخص
ہوتا ہے جس کو رسول سے خاص محبت ہوتی ہے اور مدت دراز تک صحبت میں رہتا ہے انہیں سے فرماتا ہے
یا ایہا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ
اے ایمان والو ہوجاؤ خدا کے مددگار جس طرح عیسی بن مریم نے حواریوں سے کہا کون ہیں میرے مددگار
خدا کی طرف بولے حواری ہم خدا کے مددگار ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو حواری ہونے کی بشارت دی
اور شہید اور حواری کی کئی قسمیں ہیں ایک اعلی ہے اور ایک رفیق اور ایک [illegible]
اور آنحضرت صلعم نے صحابہ کے فضائل میں ان امور میں سے بات کچھ بیان کر کے تعلیم فرمایا [illegible] حضرت علی سے
مروی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ہر نبی کے سات نجیب و رقیب ہوتے ہیں [illegible]

ہیں ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں تو علیؓ نے فرمایا میں اور میرے دونوں بیٹے اور جعفر اور حمزہ اور ابوبکر اور عمر اور مصعب بن عمیر اور بلال اور سلمان اور عمار اور عبداللہ بن مسعود اور ابوذر اور مقداد۔ اور اللہ پاک فرماتا ہے لیکون الرسول علیکم شہیدا وتکونوا شہداء علی الناس۔ تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق اور شہید۔ اے احد ٹھیر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی ہے یا صدیق یا شہید۔ اور منجملہ احوال قلب کے سکر ہے اور اسکے یہ معنی ہیں کہ نور ایمان اور عقل میں اور پھر قلب میں متمثل ہوکر دنیاوی معاملات کو دور کر دے اور اس کے سبب سے انسان اُن چیزوں کو پسند کرنے لگے جن کو انسان بحیثیت طبیعت کے اعتبار سے ناپسند کرتا ہے پس وہ شخص اس شخص کے مشابہ ہوتا ہے جو نشہ کی حالت میں اور عقل و عادت کے طریقوں سے اس کا حال بدلا ہوا ہو جیسا کہ ابوالدرداء نے فرمایا ہے چونکہ مجھکو اپنے رب کا اشتیاق ہے اسلئے موت مجھکو بہتر معلوم ہوتی ہے اور چونکہ مرض کے سبب سے میرے گناہ دور ہو جاتے ہیں اس سے مرض مجھکو اچھا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محتاجگی میں خدا تعالے کیساتھ تواضع ہوتی ہے اسلئے محتاجگی مجھکو اچھی معلوم ہوتی ہے اور حضرت ابوذرؓ کے حالات میں مروی ہے کہ وہ طبیعی مال کو برا جانتے تھے اور غنا و ثروت سے ان کو ایسی نفرت ہوتی تھی جسطرح کسی کو ناپاک چیزوں سے نفرت ہوتی ہے اور مجرا عادت بشریہ کا یہ نہیں ہے کہ ایسی چیزوں سے محبت و ایسی چیزوں سے نفرت ہو مگر ان پر یقین کا ایسا غلبہ تھا کہ مجرائے عادت سے باہر ہو گئے تھے اور منجملہ احوال قلب کے ایک غلبہ ہے اور غلبہ کی دو قسمیں ہیں ایک اُس خواہش کا غلبہ ہے جو نور ایمانی کے قلب میں داخل ہونیکے بعد پیدا ہوتی ہے اس نور اور جبلت قلبی کے ملنے سے جھاگ کے طور پر خواہش پیدا ہوتی ہے جسکے مقتضی سے رکنا اس شخص کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ خواہ وہ خواہش مقصود شرعی کے موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ شرع بہت سے مقاصد پر مشتمل ہے جن کو اس مومن کا قلب احاطہ نہیں کر سکتا پس بسا اوقات اس شخص کے قلب پر مثلاً رحمت کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع نے بعض مواضع میں اس سے نہی فرمائی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے ولا تاخذکم بہما رافۃ فی دین اللہ۔ اور نہ پکڑے تم کو ان دونوں کے ساتھ خدا کے دین میں نرمی۔ اور بسا اوقات اس کے قلب پر حق کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع کو بعض مواضع میں مہربانی کرنی مقصود ہوتی ہے مثلاً اہل ذمہ میں اس غلبہ کی مثال وہ ہے جو حدیث شریف میں ابولبابہ بن منذر سے مروی ہے کہ جب سعد بن معاذ کے حکم سے آنحضرت صلعم نے بنی قریظہ کو اتارنا چاہا تو بنی قریظہ نے ابی لبابہ سے مشورہ کیا ابولبابہ نے اپنے ہاتھ سے حلقوم پر اشارہ کیا جس سے ذبح ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر وہ اس بات سے نادم ہوئے اور انکو یقین ہوگیا کہ میں نے خدا تعالے اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے پھر وہ اسی حال میں چلے اور مسجد میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جبتک خدا تعالے میرے اس فعل کی توبہ نہ قبول کریگا یہاں سے نہ ہٹونگا۔ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ محبت اسلام ان پر اتنی غالب ہوئی کہ رسول خدا صلعم پر اعتراض کر بیٹھے یعنی جب آپ نے حدیبیہ کے سال مشرکین سے مصالحت چاہی تو حضرت عمرؓ گھبرا پڑے حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آکر کہنے لگے کیا خدا کے رسول نہیں ہیں صلعم انہوں نے فرمایا ہاں ہیں پھر حضرت عمرؓ نے کہا ہم مسلمان نہیں ہیں انہوں نے فرمایا ہاں ہیں پھر انہوں نے کہا کیا وہ مشرک نہیں ہیں

انہوں نے فرمایا ہاں ہیں انہوں نے کہا پھر ہم اپنے دین میں دنائت کو کیونکر گوارا کر سکتے ہیں تو حضرت ابو بکر صدیق
نے فرمایا اے عمر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اپنے اوپر لازم پکڑو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا تعالے
کے رسول ہیں پھر اُنپر اس حالت کا غلبہ ہوا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور آپ سے
بھی وہی عرض کیا جو حضرت ابو بکر صدیق سے عرض کیا تھا اور آپ نے وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر صدیق نے دیا
اور آپ نے فرمایا کہ میں خدا تعالے کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اسکے حکم کی مخالفت نکرونگا اور ہرگز وہ مجھ کو
ضائع نکریگا. راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے اُسدن سے میں نے اپنے اُس کلام کے خوف کے سبب سے
برابر روزہ رکھنا اور صدقہ دینا اور آزاد کرنا اور نماز پڑھنا شروع کیا حتی کہ مجھے خیریت کی امید ہوئی۔

اور ابو طیبہ حجام سے مروی ہے کہ جب نبی صلعم کے اُنہوں نے پچھنے لگانے تو آپکا خون مبارک پیگئے حالانکہ شریعت
میں یہ امر ممنوع ہے لیکن ان سے غلبہ کی حالت میں ایسا ہو گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو معذور رکھا اور آگ سے
بہشت روک کر لی. اور ایک غلبہ اور ہے جو اس غلبہ سے زیادہ جلیل القدر اور زیادہ تر کامل ہے اور وہ خواہش الہٰی کا غلبہ
ہے جو انسانکے قلب پر نازل ہوتی ہے اور اُسکے مقتضی کے پورا کرنے سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا اور اس غلبہ کی حقیقت
یہ ہے کہ بعض مقامات قدسیہ سے اُسکے قوت عملیہ پر علم الہی کا فیضان ہوتا ہے نہ قوت عقلیہ پر اسکی تفصیل یہ ہے کہ جو نفس
انبیاء علیہم السلام کے نفس سے مشابہت رکھتا ہے جب اس میں علم الہی کے فیضان کی استعداد ہوتی ہے تو اگر اسکی قوت
عقلیہ کو قوت عملیہ پر سبقت ہوتی ہے تب وہ علم فراست و الہام ہوتا ہے اور اگر قوت عملیہ کو قوت عقلیہ پر سبقت ہوتی
ہے تو وہ علم ارادہ یا نفرت ہوتا ہے اس کی مثال وہ ہے جو بدر کے قصہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے دعا میں مبالغہ کیا حتی کہ آپ نے دعا میں کہا میں تیرے عہد اور وعدہ کا تجھ سے سوال کرتا ہوں بار خدایا اگر تجھکو
اپنی پرستش کروانا منظور نہیں اتنا کہنے پائے تھے کہ حضرت ابو بکر نے آپکا ہاتھ پکڑ کر کہا بس رہنے دیجیے پس رسول
خدا صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے یہ فرماتے ہوئے چلے سیھزم الجمع ویولون الدبر یعنی کفار کی جماعت بھگا دیجائیگی اور پیٹھ پھیر دینگے
اسکے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق کے دلمیں خدا کی طرف سے خواہش پیدا ہوئی کہ آنحضرت صلعم کو دعا میں مبالغہ
کرنے سے روکیں اور اس سے باز رہنے کی رغبت دلائیں اور آنحضرت صلعم نے بھی اپنی فراست سے اس بات کو
معلوم کر لیا کہ یہ خواہش خدا کی ہے اور خدا تعالے کی مدد سے فتح کے طالب ہو کر اس آیت کو پڑھتے ہوئے وہاں سے
چلے آئے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ عبد اللہ بن اُبی کی موت کے بیان میں مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے جب اُسکے
جنازہ کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے کہا کہ میں لوٹ کر آنحضرت صلعم کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا
کہ یا رسول اللہ صلعم آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس دن ایسا کہا تھا اور اس دن ایسا کہا تھا حتی کہ آپ نے فرمایا
کہ تم میرے پاس سے ہٹ جاؤ مجھکو چونکہ اختیار دیا گیا ہے تو میں نے اختیار کر لیا اور آپ نے اس کی نماز پڑھی تو یہ
آیت نازل ہوئی ولا تصل علے احد منہم مات ابدا. انہیں سے کوئی مرجاوے تو کبھی تو اس کی نماز مت پڑھ. حضرت عمر

کہتے ہیں مجھے اپنے اوپر اور رسول خدا صلعم پر اپنی جرأت کرنے سے حالانکہ رسول خدا سب سے زیادہ واقف تھے تعجب آتا
ہے اور حضرت عمرؓ نے ان دونوں قسم کے غلبوں کا فرق خوب انکشاف کے ساتھ بیان کر دیا ہے یعنی غلبہ دل میں
اپنے آپ کو برابر روزے رکھنے اور صدقہ کرنے اور آزاد کرنے اور نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے: اور غلبہ ثانیہ میں یہ فرمایا
کہ مجھے اپنے حال اور اپنی جرأت پر تعجب ہوا ہے دونوں کلمات میں جو کچھ فرق ہے دیکھنا چاہئے اور از انجملہ خدا تعالے
کی طاعت کا ماسوا پر ترجیح کرنا اور اس سے موانع کا دور کرنا اور جو چیزیں اس کو طاعت الہی سے روکتی ہیں ان سے بیزار
ہونا جیسا کہ ابوطلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ناگاہ ایک کبوتر جنگلی اڑا اور ادھر ادھر اڑنے اور نکلنے کا طریق
کیا مگر درختوں کی ٹہنیاں اور پتے اسقدر گنجان تھے کہ اس کو باہر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا یہ بات انکو بہت اچھی معلوم ہوئی
اور اس خیال میں ان کو رکعتوں کی تعداد نہ یاد رہی تو انہوں نے اس باغ کا صدقہ کر دیا اور از انجملہ خوف کا غلبہ ہے جس
کے سبب سے آدمی کو رونا آجائے اور اسکا بدن تھرانے لگے اور آنحضرت صلعم جب شب کو نماز پڑھتے تھے تو ہانڈی کے
جوش کی طرح آپ سے آواز محسوس ہوتی تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سات شخصوں کے بیان میں جنکو خدا تعالے
اپنے سایہ کے نیچے اسدن کہ بجز اسکے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا جگہ دیگا فرمایا ہے ورجل ذکر اللہ تعالے خالیا ففاضت
عیناہ اور وہ شخص جس نے خدا تعالے کو خلوت میں یاد کیا اور اسکی آنکھیں بہ آئیں لایلج النار رجل بکی من خشیۃ اللہ حتے
یعود اللبن فی الضرع۔ جو شخص خدا تعالے کے خوف سے رویا ہے وہ آگ میں نہ جائیگا جبتک کہ دودھ پستان میں لوٹ کر
نہ آئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے رونے والے شخص تھے جب قرآن پڑھتے تھے انکی آنکھیں انکے قابو میں نہ
رہتی تھیں جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلعم کو جب یہ آیت پڑھتے سنا ام خلقوا من غیر شیئ ام ھم الخالقون میں گویا میرا دل
اڑ گیا۔ اور وہ مقامات جو نفس کو نور ایمان کے اسپر غالب ہونے اور اس کی صفات خبیثہ کو صفات فاضلہ کے بدلنے
کے اعتبار سے حاصل ہوتے ہیں انہیں سے پہلا مقام یہ ہے کہ نور ایمانی اس عقل سے منور بحقائق حقہ ہوتے ہیں
نازل ہو کر قلب کیطرف آتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ ازدواج اور اتصال پیدا کر کے اسنے ایک تنبہ پیدا ہوتا ہے
جو نفس پر غالب ہو جاتا ہے اور مخالف چیزوں سے اس کو روکتا ہے۔ پھر ان سے ایک ندامت پیدا ہوتی ہے جو نفس
پر غالب ہو جاتی ہے اور اسپر سوار ہو کر اسکی باگیں پکڑ لیتی ہے پھر ان دونوں سے آئندہ زمانہ میں معاصی چھوڑنے کا عزم
پیدا ہوتا ہے اور وہ عزم نفس پر غالب ہو کر شرع کے اوامر و نواہی سے اس کو مطیع کر دیتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے
واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ اور لیکن جس کسی نے اپنے رب کے سامنے کھڑے
ہونیکا خوف کیا اور نفس کو خواہش سے روکا پس بلاشبہ جنت میں ہی اسکا ٹھکانا ہو گیا میں کہتا ہوں اللہ پاک کا یہ قول
من خاف عقل کے نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر اس نور کے قلب کی طرف نازل ہونے کا بیان ہے اسلئے
کہ خوف کے لئے ایک ابتدا اور انتہا ہے بتحقیق خدا تعالے سے خوف اور اس کے غلبہ کا معلوم کرنا ہے اور اس کا
محل عقل ہے اور اسکا منتہی پریشانی اور اضطراب اور دہشت اور اسکا محل قلب ہے اور نہی النفس سے اس نور سے
جو قوت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو رہا ہے نفس کی طرف نازل ہونے اور اسپر غالب ہونے اور اس کو روکنے اور پھیر دینے کے

باقت نفس کے مغلوب اور مقہور ہوجانیکا بیان ہے پہلی شکل سے دوسری مرتبہ نور ایمانی کا نزول قلب کیطرف ہوتا ہے
وجبلت قلبی کے ساتھ ازدواج و اتصال پیدا کرکے ان دونوں سے خدا تعالیٰ کیطرف التجا پیدا ہوتی ہے اور وہ استغفار
اور توجہ کا باعث ہوتی ہے اور استغفار کے سبب تدریجاً زنگ دور ہوجاتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے ان المومن اذا اذنب الخ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دلمیں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے پھر اگر وہ
توبہ و استغفار کرلیتا ہے تب تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر وہ اور گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ پھیل کر تمام دل پر چھا
جاتا ہے خدا تعالیٰ نے قرآن کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون
میں کہتا ہوں وہ نقطہ سیاہ بہیمیت کی ظلمتوں میں سے ایک ظلمت کا ظاہر ہونا اور انوار ملکیہ میں سے ایک نور کا روشن
ہونا ہے اور اس نقطہ کا صاف ہونا ایک روشنی ہے کہ نور ایمانی سے اس کے نفس پر فائز ہوتی ہے اور ران بہیمیت
کے غالب ہونے اور ملکیت کے بالکل پوشیدہ ہوجانیکا نام ہے پھر بار بار نور ایمانی کا نزول ہوتا رہتا ہے اور بار بار
نفسانی وساوس دور ہوتے رہتے ہیں یعنی جب نفس کے اندر کسی گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابل میں
ایک نور بھی نازل ہوتا ہے جو اس باطل کو دور کرتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ضرب اللہ مثلا
صراطا مستقیما وعن جنبتی الصراط سوران فیہما ابواب مفتحۃ الخ خدا تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک سیدھا
راستہ ہے اور اس راستہ کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں اور ان دونوں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اور ان پر
پردے چھوٹے ہوئے ہیں اور اس راستہ کے شروع میں ایک شخص پکارنیوالا ہے جو کہتا ہے راستے پر سیدھے سیدھے
چلو اور ٹیڑھے مت چلو اور اس کے اوپر ایک اور پکارنیوالا ہے کہ جو کوئی شخص ان دروازوں میں سے آنے کے
لئے کھولنے کا قصد کرتا ہے وہ پکارنیوالا یہ آواز دیتا ہے افسوس اس دروازے کو تو مت کھول اگر اسکو کھولا تو تو
اسمیں جا پڑیگا پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفصیل کی اور بیان کیا کہ وہ راستہ تو اسلام ہے اور وہ کھلے ہوئے
دروازے خدا کے محارم ہیں اور وہ پردے جو چھوٹے ہوئے ہیں وہ حدود الٰہی ہیں اور راستہ کے شروع پر جو پکارنیوالا
ہے وہ قرآن عظیم ہے اور اس کے آگے جو اور پکارنے والا ہے وہ خدا تعالیٰ کا واعظ ہے جو ہر مومن کے دلمیں
موجود ہے میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ اس راستہ میں دو پکارنیوالے ہیں ایک تو راستہ کے شروع پر اور
وہ قرآن اور شریعت ہے کہ ہمیشہ بندہ کو راہ راست کی طرف ایک رفتار و روش سے پکارتے ہیں اور ایک داعی اس
چلنے والے کے سر پر ہے جو ہر وقت اس کی نگرانی رکھتا ہے یعنی جب وہ شخص کسی گناہ کا قصد کرتا ہے تو وہ داعی پکار
اٹھتا ہے اور یہ داعی وہی ہوتا ہے جو قلب سے اٹھتا ہے اور جبلت قلبی اس نور سے جو عقل نور نور ایمانی کی جانب
سے قلب پر فائض ہے پیدا ہوتا ہے اور اس کا حال اس شخص کا سا ہے جو بات تجربہ سے پاتا ہے اور بسا اوقات
خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض بندوں پر یہ مہربانی ہے کہ ایک شیخ غیبی پیدا کردیتا ہے جو اس شخص کے اور اسکی
معصیت کے درمیان وہ حائل ہوجاتا ہے یہ لطیفہ غیبیہ وہی برہان ہے جس کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے
ولقد ہمت بہ وہم بہا لولا ان رأی برہان ربہ اور البتہ زلیخا نے یوسف کا اور یوسف نے زلیخا کا قصد کیا اگر نہ دیکھتا برہان

اپنے رب کی، یہ سب مقام توبہ ہے اور سبب توبہ کا مقام کامل ہو جاتا ہے اور نفس کے اندر وہ ایک ملکہ راسخ ہو جاتا ہے
تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اسکی عظمت کے پیش نظر رکھنے سے اس شخص کے قوائے مضمحل رہتے
ہیں اور کسی چیز سے اسمیں تغیر نہیں آتا اور اس کا نام حیا ہے اور لغت میں حیا کے معنی نفس کے ان چیزوں سے باز رہنے
کے ہیں جن کو عادت کے اعتبار سے لوگ معیوب جانتے ہیں مگر شرع نے لغت سے نقل کرکے حیا اس ملکہ کا نام
رکھا ہے جو نفس کے اندر راسخ ہو جس کے سبب سے آدمی خدا تعالیٰ کے روبرو ایسا گھلتا ہے جیسے نمک پانی
میں گھلتا ہے اور اسکے سبب سے ان خواطر کی جنکو مخالف چیزوں کیطرف میلان ہے تابعداری نہ کرے۔ آنحضرت صلعم
نے فرمایا ہے الحیاء من الایمان پھر آپ نے حیا کی تفسیر فرمائی ہے اور فرمایا جو شخص خدا تعالیٰ سے کامل حیا رکھتا ہے
تو اس کو چاہئے کہ اپنے سر کو اور جو چیزیں سر کے اندر ہیں ان کی حفاظت کرے اور اپنے شکم اور ان چیزوں کی جو اس
میں ہیں حفاظت کرے اور مر جانے اور بوسیدہ ہو جانے کو یاد رکھے اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے دنیا کی زینت
کو چھوڑ دے جس شخص نے ایسا کیا وہ خدا تعالیٰ سے پوری حیا رکھتا ہے میں کہتا ہوں عرف میں کبھی اس انسان کو
حیادار کہدیتے ہیں جو بسبب اپنے ذوق جبلی کے بعض افعال سے اجتناب کرتا ہے اور کبھی صاحب مروت آدمی
کو جو ایسی باتوں کا مرتکب نہ ہو جس سے لوگوں میں اس کا چرچا ہو جیسے مرتکب نہیں ہوتا حیادار کہدیتے ہیں مگر ان دونوں
شخصوں کو اس حیا سے جو مقامات میں شمار کیجاتی ہے کچھ حصہ نہیں ہے پس آنحضرت صلعم نے معنی مقصود کو ان افعال کے
تعیین سے جو حیا سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے جو اسکی حالت ہوتی ہے اور اسکے مجاور سے جو اسکو عادتاً
لازم ہوتا ہے بیان فرما دیا۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ وہ شخص اپنے سر کی حفاظت کرے الخ ان افعال کا بیان ہے جو اس
حیا کے ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں جو مخالف چیزوں کے ترک کرنے کے قبیلہ سے ہے اور یہ فرمانا کہ وہ موت کو یاد کرے
یہ نفس کے اندر حیا کے استقرار کا سبب بیان فرمایا ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اسمیں حیا کے
مجاور یعنی زہد کا بیان ہے کیونکہ حیا زہد سے خالی نہیں ہوتی پس جب حیا انسان کے اندر قرار پا جاتی ہے تو نور ایمان
بھی عقل سے قلب پر نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے بعد ازاں نفس کی طرف نازل ہو کر تمام شبہات
سے اسکو روک دیتا ہے اور اسی کا نام ورع ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الحلال بین والحرام بین الحدیث۔ حلال بھی
ظاہر ہے حرام بھی ظاہر ہے انکے بین بین مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچگیا
اسنے اپنا سامان اور دین بچا لیا اور جو شخص مشتبہات میں پڑگیا وہ حرام میں پڑگیا اور فرمایا ہے دع ما یریبک الی ما لا یریبک
فان الصدق طمانینۃ وان الکذب ریبۃ۔ جو چیز تجکو شک میں ڈالے اسکو چھوڑ کر اسکو اختیار کر جو شک میں نہ ڈالے کیونکہ
سچ طمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔ اور نیز فرمایا ہے لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس بہ حذرا لما بہ باس
بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہونچتا جبتک ان چیزوں کو کہ جنمیں کچھ مضائقہ نہیں ان چیزوں کے خوف سے جنمیں مضائقہ
ہے نہ چھوڑ دے میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں دو وجہ متعارض ہو جاتی ہیں ایک وجہ اباحت کی ہوتی ہے اور
ایک وجہ تحریم کی یا تو یہ تعارض شریعت سے اس مسئلہ کے اصل ماخذ میں ہوتا ہے جیسے دو حدیثیں متعارض یا دو قیاس

مخالف ہوتے ہیں ایسے تعارض حاصل ہونے کی صورت کے اس اباحت و تحریم کے حکم کے ساتھ جو شریعت میں ثابت ہوا
ہے متعلق نہیں ہوتی پس ایسے وقت میں بندہ ورع خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اُسکے ترک کرنے اور ایسی چیز کے
اختیار کرنے سے جسمیں شبہ نہیں ہے صاف ہوتا ہے اور جب ورع کی صفت ثابت ہو جاتی ہے تو نور ایمان کا
بھی ظہور ہوتا ہے اور حیات قلبی کے ساتھ وہ نور مخلوط ہو جاتا ہے اور پھر جو چیزیں حاجت سے زیادہ ہیں انمیں
مشغول ہونے کی قباحت اس کو خود ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ وہ چیزیں اس شخص کو اسکے مطلوب سے روکتی ہیں پھر
اس نور کا نفس کیطرف نزول ہوتا ہے اور ایسی چیزوں کیطرف سے نفس کو روک دیتا ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا
ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ آدمی کے اسلام کی خوبی اسمیں ہے کہ بیفائدہ چیزوں کو چھوڑ دے میں کہتا ہوں کہ ماسوا
کیساتھ مشغول ہونے سے نفس کے آئینہ میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے کہ جب چیزوں سے زندگی میں چارہ
نہیں ہے اگر اس نیت سے کہ وہ چیزیں منزل مقصود تک اس کو پہنچاتی ہیں انمیں مشغول ہو تو اس کے لئے معافی
ہے اور اسکے سوا جتنی چیزیں ہیں تو خدا کا واعظ جو مومن کے قلب میں ہوتا ہے اُنسے باز رہنے کا حکم دیتا ہے۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الزہادۃ فی الدنیا لیس بتحریم الحلال الخ کہ دنیا کا زہد حلال کے حرام کرنے کا
نام ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے کا بلکہ دنیا کا زہد اس سے عبارت ہے کہ جو چیز تیرے پاس ہے اُسکا تجکو اس
چیز سے زیادہ بھروسہ نہو جو خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ کہ جب تجکو کوئی مصیبت پہونچے تو اس مصیبت کے
ثواب کی طرف اگرچہ وہ مصیبت باقی رکھی جاوے تجکو مرغوب ہو میں کہتا ہوں زاہد کو کبھی دنیا میں ایسا غلبہ حاصل ہوتا
ہے جو ایسے عقائد اور افعال پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ عقائد و افعال شرع کے اندر محمود ہیں اُن عقائد و افعال سے جو
محمود نہیں ہیں پھر آنحضرت صلعم نے زہد کے مواضع میں سے بیان کیا انکو جو شرع میں محمود ہیں اور جو غیر محمود ہیں پس
جب کسی شخص پر حاجت سے زیادہ چیزوں میں مشغول ہونے کی قباحت ظاہر ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے
وہ ایسا بیزار ہو جاتا ہے جسطرح اپنے مقتضائے طبع کے اعتبار سے ضرر رسان چیزیں اس کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں اس
کے سبب سے بسا اوقات وہ شخص ان چیزوں میں تعمق کرنے لگتا ہے اور اس کو اس بات کا اعتقاد ہو جاتا ہے
کہ ظاہر شرع کے اعتبار سے خدا اس سے مواخذہ کریگا۔ اور یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ شرع طبائع بشری کے دستور کے
موافق نازل ہوئی ہے ورنہ ایک قسم کا طبیعت بشریہ سے باہر ہو جاتا ہے بلکہ وہ خاص اُسکے نفس کے لئے
بنظر اسکے مقام کی تکمیل کے خدا تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور وہ تکلیف شرعی نہیں ہوتی اور بسا اوقات ایسی حالت میں
وہ شخص اپنے مال کو ضائع کر دیتا ہے یا دریاؤں اور پہاڑوں پر پھینک دیتا ہے اور یہ ایسا غلبہ ہے کہ شرع سے
اس کی صحت نہیں اور نہ شرع نے اس غلبہ کو احکام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے بلکہ شرع نے جسکو احکام
زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جو چیز حاجت سے زیادہ ہے اور اس شخص
کو ہنوز حاصل نہیں ہوئی ہے تو وہ شخص اس کے طلب کرنے کی زحمت نہ اٹھائے بلکہ خدا تعالیٰ کے وعدہ پر
اعتماد کرے جو دنیا میں اس چیز کے پہونچنے اور آخرت میں ثواب کے ملنے کا کیا ہے دوسرے یہ کہ جو چیز اسکو

پاس سے زائل ہو جائے اپنا دل نہ اسکے پیچھے نہ لگائے اور نہ اس کے لئے افسوس کرے بلکہ خدا تعالےٰ نے نمازیوں
اور فقراء کے لئے جو وعدہ فرمایا ہے اسے یقین کرے۔ اور معلوم کرو کہ نفس کی جبلت میں عشقوں کیطرف میلان داخل کیا
گیا ہے جبتک نور ایمانی کا اسمیں ظہور نہ ہو ہمیشہ وہ اپنی فطری حالت پر قائم رہتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام
فرماتے ہیں وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔ اور میں نہیں بری کرتا ہوں اپنے نفس کو بیشک نفس
برائی کا حکم کرتا ہے مگر جو میرا پروردگار رحم کرے پس مومن تمام عمر اپنے نفس کے ساتھ نور الٰہی کے آنے میں مجاہدہ کرتا
رہتا ہے اور جب کوئی نفسانی خواہش پیدا ہوتی ہے تو خدا تعالےٰ کی طرف ملتجی ہو کر اسکے جلال اور عظمت اور فرمانبرداروں کے
لئے ثواب اور نافرمانوں کیلئے جو عذاب مقرر کیا ہے اسکو یاد کرتا ہے اس سبب سے اسکے قلب و عقل میں حق کا خطرہ پیدا ہوتا ہے
اور باطل کے خطرہ کو دور کر کے کالعدم کر دیتا ہے مگر عارف میں اور سرسری توبہ کرنیوالے میں فرق عظیم ہے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے دونوں خطروں کی مدافعت اور خطرہ حق کا خطرہ باطل پر غالب ہونا اگر نفس مطمئنہ اور اس عقل کے ساتھ ہو
جو نور ایمانی سے منور ہو رہی ہے تو اس نفس کا حق کے تابع ہونا اور اگر نفس عاصی اور منکر ہے تو اسکی سرکشی کا بیان بخل اور
جود کے مسئلہ میں دو زرہوں کے ساتھ جو ایک تنگ اور دوسری ٹھیک ہے بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ بخیل اور صدقہ
کرنیوالے کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے جو لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے ہاتھ سینہ اور گردن کی
طرف سکڑے ہوئے ہیں پس صدقہ کرنیوالا جب کوئی صدقہ کرتا ہے تب تو وہ زرہ پھیل جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنیکا
قصد کرتا ہے تو وہ زرہ تنگ ہو جاتی ہے اور ہر کڑی اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے میں کہتا ہوں جس شخص کا نفس جبلت یا کسب کے
اعتبار سے مطمئنہ ہوتا ہے اور حق کا خطرہ ظاہر ہوتے ہی اسکے نفس پر غالب اور اسکا مالک ہو جاتا ہے۔ اور جس شخص کا
نفس نافرمان اور منکر ہوتا ہے تو حق کا خطرہ اسمیں موثر نہیں ہوتا بلکہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے قرآن پاک
میں عقل کے نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر نفس پر اسکے نور کے فیض کا بیان اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے ان
الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون۔ متقی لوگوں کو جب شیطان کیطرف سے پھرنیوالا چھو جاتا ہے
تو ہوشیار ہو جاتے ہیں پھر ناگاہ انکو سوجھ ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں شہوت نفسانی کے روزن سے شیطان کو انسان
کے باطن پر اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں معصیت کی خواہش پیدا کر دیتا ہے پھر اس شخص کو اپنے پروردگار
کا جلال یاد آجاتا ہے اور اپنی گردن اسکے روبرو جھکا دیتا ہے تب تو اس شخص کی عقل میں نور پیدا ہوتا ہے اسکا ایصال
سے پھر وہ نور قلب و نفس کیطرف ہو کر اس خواہش کو دور کر دیتا ہے اور شیطان کو دفع کر دیتا ہے اللہ تبارک و تعالےٰ
فرماتا ہے وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ و
اولئک ہم المہتدون میں کہتا ہوں انا للہ خطرہ حق کیطرف اشارہ ہے اور صلوات من ربہم ورحمۃ میں ان برکات کی
طرف اشارہ ہے جو صبر سے پیدا ہوتے ہیں یعنی نفس کی نورانیت اور اسکو تشبیہ بالملکوت کا حاصل ہونا اور اللہ پاک
فرماتا ہے وما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یومن باللہ یہد قلبہ الایۃ۔ اور نہیں پہونچی کوئی مصیبت مگر خدا کے
حکم سے اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے خدا اسکے قلب کو ہدایت دیتا ہے میں کہتا ہوں باذن اللہ میں تقدیر کیطرف

اشارہ ہے اور یومن باللہ میں عقل سے قلب و نفس کیطرف خطرہ ایمانی کے نازل ہونیکا اشارہ ہے۔ اور منجلہ احوال
نفس کی غیبت ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ نفس کو اپنی خواہشوں سے غیبت ہوجائے جیسا کہ عامر بن عبداللہ کہتے ہیں۔
مجھے پرواہ نہیں ہوتی آیا میں نے عورت کو دیکھا یا دیوار کو اور امام اوزاعی سے کسی نے کہا کہ ہم نے تمہاری باندی زردی
کو بازار میں دیکھا انہوں نے فرمایا کیا وہ زرد تھی اور منجلہ احوال النفس کے محق ہے اور وہ اس حالت کا نام ہے کہ آدمی کو کھانے
اور پینے کا اتنی مدت تک دھیان نہ رہے کہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا اسکا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے نفس پر عقل کیجانب
توجہ ہوتی ہے اور نور الٰہی سے اسکی عقل لبریز ہوجاتی ہے اور اس سے بڑھکر یہ ہوتا ہے کہ نفس کی طرف خدا کے نور کا
نزول ہوتا ہے اور وہ نور اسکے خورد و نوش کے قائم مقام ہوجاتا ہے چنانچہ سرور انام صلعم نے فرمایا ہے میرا حال
تمہارا سا نہیں ہے میں اپنے پروردگار کے پاس شب گذاری کرتا ہوں وہ مجھکو کھلاتا پلاتا ہے اور معلوم کرو کہ قلب عقل و
نفس کے بین ہے اسلئے تسامح کے طور پر تمام مقامات یا اکثر مقامات کو قلب کیطرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ بہت
سی آیات و احادیث میں یہ استعمال میں آیا ہے پس یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور جاننا چاہئے کہ نفس بہیمی اور قلب سبعی کی
خواہشوں میں سے ہر قسم کی خواہش کے ساتھ نور ایمانی کو جو مدافعت ہوتی ہے اسکا نام جدا ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم
نے ان اقسام میں سے ہر ایک کے نام اور اسکے وصف پر مطلع فرمایا ہے پس جب عقل کو خواطر حقہ کے روشن ہونے کا
ملکہ اور نفس کو ان خطرے قبول کرنیکا ملکہ ہوجاتا ہے تو وہ ایک مقام کہلایا جاتا ہے مثلاً اگر پریشانی کے دفع کرنے کا
ملکہ ہوتا ہے تو اسکا نام مصیبت پر صبر کرنا ہوتا ہے اور اسکی جگہ خالی ہے اور آرام اور فراغت کے مدافعت کے ملکہ کا
نام اجتہاد ہے اور صبر بر طاعت ہے اور حدود شرعیہ کی مخالفت کی خواہش کے ساتھ موافقت کرنے کا ملکہ خواہ وہ مخالفت
بطور کاہلی کے ہو یا ان حدود کے اضداد کی طرف میلان کے اعتبار سے ہو بہر حال اس ملکہ کا نام تقوی ہے اور کبھی تقوی
کا اطلاق لطائف ثلثہ کے تمام مقامات بلکہ ان اعمال پر بھی آتا ہے جو ان مقامات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی اخیر استعمال
کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ہدی للمتقین الذین یومنون بالغیب۔ اور حرص کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے
ملکہ کا نام قناعت ہے اور عجلت کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام تانی ہے اور غصہ کی خواہش کیساتھ
مدافعت کے ملکہ کا نام حلم ہے اور اس کا نتیجہ قلب ہے اور شہوت فرج کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام عفت ہے
اور زبان درازی اور بیہودہ کام کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام صمت و رعی ہے اور غلبہ کی خواہش کے
ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام خمول ہے اور محبت و عداوت وغیرہ میں تلون کی خواہش کی مدافعت کے ملکہ کا نام استقامت ہے
اور اسکے علاوہ بہت سی دواعی و خواہشیں ہیں اور انکی مدافعتوں کے نام جدا جدا ہیں کتاب فن اخلاق میں ان سے بحث کیجاتی ہے۔

طلب رزق کے ابواب کا بیان

معلوم کرو کہ جب خدا تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں انکی روزی مقرر کی اور زمین کی پیداوار سے انکے
لئے انتفاع مباح کیا تو اب انمیں حرص و نزاع واقع ہو۔ اسوقت میں خدائے پاک کا حکم یہ ہوا کہ کوئی شخص دوسرے سے

شخص سے اس چیز میں جو اسکے لئے مخصوص کی گئی ہے مزاحمت نکرے خواہ وہ اختصاص اسلئے ہو کہ اوروں سے
پیشتر اس شخص نے یا اسکے مورث نے اس چیز پر قبضہ کیا ہے یا کسی دوسری وجہ سے ہو جیسی لوگوں میں معتبر
ہے بیع تبادلہ یا باہمی رضامندی کے جسکا مدار علم ہو فریب ودھوکہ کا اسمیں دخل نہ ہو اور نیز چونکہ انسان مدنی الطبع
ہے اور اُسکی روزی بغیر باہمی معاونت کے قائم نہیں ہوتی اس لئے خدا کیطرف سے معاونت کے واجب ہونیکا حکم
نازل ہوا کہ کوئی شخص بدوں حاجت ضروری کے اس چیز سے خالی نہو جسکو تمدن میں دخل ہے اور نیز اصل
ذریعہ اموال مباحہ کا جمع کرنا یا اموال مباحہ کی مدد سے اُس مال کا بڑھانا جیسے چرانے سے مویشی کی نسل کا بڑھانا اور
زمین کی اصلاح اور پانی دینے سے زراعت کرنا اور اس میں یہ شرط ہے کہ بعض لوگ بعض پر تنگی نکریں جس سے
تمدن کا فساد لازم آئے لوگوں کے مال کا معاش سے بڑھنا ایک ایسی چیز ہے کہ بدون اسکے شہر کے حال کا قائم رہنا یا تو ناممکن
ہے یا دشوار ہے مثلا ایک شخص ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارت کا مال لاتا ہے اور ایک مدت معین تک اُس
کی حفاظت کرتا ہے اور ایک شخص اپنی کوشش وعمل سے دلالی کرتا ہے اور کوئی شخص مال کے اندر ایک جدید
دل پسندیدہ صفت پیدا کرتا ہے اور لوگوں کے مال کی اصلاح کرتا ہے پس اگر مال کا بڑھانا اس ذریعہ سے ہو کہ اسمیں لوگوں کی
معاونت کو دخل نہو جیسے قمار بازی یا باہمی ایسی رضامندی سے ہو جسمیں مجبور ہونیکے معنی پائے جاتے ہوں جیسے سود
میں کیونکہ آدمی تنگدست ہو کر اپنے اوپر اُس چیز کو لازم کر لیتا ہے جسکا ایفا نہیں کر سکتا اور اسکی رضامندی حقیقت میں
رضامندی نہیں ہے پس یہ عقود اسباب صالحہ اور پسندیدہ عقود کے قبیل سے نہیں ہیں بلکہ اصل حکمت مدنیہ کے اعتبار
سے یہ عقود باطل اور حرام ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من احیی ارضا میتۃ فہی لہ۔ جو شخص کسی بنجر زمین کو بنادے
پس وہ اسی کی ہے میں کہتا ہوں اسکی اصل وہ ہے جسکی طرف ہم اشارہ کر چکے کہ سب خدا تعالے کا مال ہے اور فی الحقیقت
اُس میں کسی کا حق نہیں ہے مگر چونکہ خدا تعالے نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا ہے لہذا
لوگوں میں حرص پیدا ہوئی در اسوقت میں یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ کوئی شخص جس نے بلا کسی ضرر پہونچانے ایک چیز پر قبضہ
کر لیا ہے اس سے وہ چیز نہ چھینی جاے اور جب ایک شخص بنجر زمین کو جو شہروں در نہ شہروں کے گرد ہے آباد کرے تو وہ
شخص سب سے پیشتر اسکا قابض ہوا اور کسی کی ضرر رسانی بھی اسنے نہیں کی پس اس شخص سے اس زمین کو نکال لینا نامناسب
ہے اور تمام زمین فی الحقیقت بمنزلہ مسجد یا رباط کے ہے جو مسافروں کے لئے وقف کیجاتی ہے اور سب مسافر لوگ
رباط میں شریک ہیں اور ہر مقدم کو اپنے موخر پر تقدم ہے اور آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ بہ نسبت دوسرے کے
انتفاع کے ساتھ وہ شخص سزاوار ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے عادی الارض للہ ورسولہ ثم ہی لکم منی۔ عادی زمین
خدا اور اُسکے رسول کے لئے ہے پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے معلوم کرو کہ عادی زمین اُس زمین کو
کہتے ہیں کہ جسکے باشندے ہلاک ہو جاویں اور کوئی شخص دعوے اور مخاصمت اور اپنے مورث کے سبب سے پیشتر
قبضہ کیساتھ حجت کرنیوالا باقی نہ رہا ہو پس ایسی حالت میں اس زمین سے بنی آدم کی ملکیت قطع ہو گئی اور وہ زمین خالص
خدا تعالے کی ملک ہوئی اور اُس کا حکم اس زمین کا سا ہو گیا جو کبھی آباد نہیں ہوئی اس لئے کہ ملک کے معنی ہم بیان کر چکے

ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لا حمی الا للہ و رسولہ کہ چراگاہ محفوظ خدا اور اسکے رسول کے کسی کی نہیں میں کہتا ہوں چونکہ
لوگ اس کے گھاس میں لوگوں پر تنگی و ظلم و ضرر رسانی سبب اس کے ہے اس سے نہی کی گئی اور آپ اس سے اسلئے مستثنیٰ
کئے گئے کہ خدا تعالیٰ نے آپکو میزان عدل عطا فرمائی تھی اور اس بات سے خدا تعالیٰ نے آپکو محفوظ کیا ہے کہ
کوئی ناجائز بات آپ سے صادر ہو اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن امور کا مبنی احتمالات خراب ہوتا ہے ان سے آپکی ذات
مبارک مستثنیٰ ہوتی ہے اور جن امور کا مبنی تہذیب نفس یعنی بحرہ پر ہوتا ہے وہ امور آنحضرت صلعم و دیگر امت پر برابر
لازم ہوتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے سیل مہزور میں یہ حکم دیا کہ جبتک ٹخنوں تک پانی پہونچے روک لیا جاوے پھر اوپر والا
نیچے والے کو چھوڑ دے اور زبیر رضی اللہ عنہ کے مخاصمت کے قصہ میں یہ فیصلہ کیا کہ اے زبیر تو اپنی زمین کو پانی
دے پھر اسکو یہانتک روک رکھ کہ دیوار ونکی جڑ تک آجاوے پھر اپنے ہمسایہ کیلئے چھوڑ دے میں کہتا ہوں کہ اصل
اسمیں یہ ہے جب ایک مباح چیز میں لوگوں کے حقوق بترتیب متعلق ہوتے ہیں لہذا واجب ہے کہ ہر شخص کیلئے جو کم از کم
معتد بہ فائدہ حاصل ہو سکے اسکی مقدار میں بھی ترتیب کی رعایت کی جاوے کیونکہ اگر قریب کو مقدم نہ کیا جاوے تو یہ ظلم و
ضرر رسانی ہے اور اگر درجہ بدرجہ ہر شخص کامل طور سے فائدہ حاصل کرے تو حق نہیں حاصل ہوتا اس اصل کے موافق
اس حد تک پانی کے روکنے کا حکم دیا کہ ٹخنوں تک آجاوے اور ٹخنوں تک اور جڑ دیوار تک قریب ہے کیونکہ
وہ دیوار تک پہونچنے کی شروع حد ہے اور جبتک پانی ٹخنوں سے نیچے ہے اسکو زمین جذب کر سکتی ہے اور دیواروں
تک نہیں پہونچ سکتا۔

اور ایک مرتبہ آپ نے ابیض بن حمال ماربی کو نمک جو مارب میں تھا عطا فرمایا پھر کسی نے آپ سے عرض کیا
آپ نے تو اسکو بے انتہا مال عطا فرمایا راوی کہتا ہے کہ آپ نے پھر اس سے واپس لے لیا میں کہتا ہوں بلاشک جو
ایک کھلی ہوئی کان ہے اور اسمیں بہت محنت کی حاجت نہیں ہے مسلمانوں میں سے ایک شخص کے لئے اسکے
عطا کرنے میں انکو ضرر رسانی اور تنگ کرنا ہے۔ اور آنحضرت صلعم سے کسی نے لقطہ کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا
اسکی ظرف و دوال بند کو شناخت کر پھر ایک برس تک اسکی شناخت کرا پس اگر اسکا مالک آجاوے تب تو بہتر ہے ورنہ تجھے
اسکا اختیار ہے پھر اس نے عرض کیا کہ بھولی گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ تیری ہے یا تیرے بھائی مسلمان
کی ہے یا بھیڑئیے کی ہے پھر اس نے عرض کیا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا اس سے تجھکو کیا مطلب ہے
اسکے ساتھ اسکی مشک یعنی پیٹ اور اسکے قدم ہیں پانی پئیگا اور درختوں کو کھاتا رہیگا یہانتک کہ اس کو اسکا مالک ملجاوے
اور جابر نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہمکو لاٹھی اور کوڑے اور رسی وغیرہ کی اجازت دی ہے کہ کوئی اسکا اٹھا کر
نفع حاصل کر سکتا ہے میں کہتا ہوں کہ معلوم کر لقطہ کا حکم اسی کلیہ مذکورہ سے ماخوذ ہے پس جن چیزوں سے انکا مالک
مستغنی ہو اور انکے گر جانے کے بعد وہ لوٹ کر نہ آوے یعنی حقیر چیز ہو تو اسکا ملک میں داخل کر لینا جائز ہے بشرطیکہ اس
بات کا گمان غالب ہو کہ اسکا مالک وہاں موجود نہیں ہے اور نہ لوٹ کر وہاں واپس آسکتا ہے کیونکہ وہ چیز خدا تعالیٰ کے
ملک میں داخل ہو کر مباح ہو گئی اور اگر کسی قیمتی چیز ہے جسکی انسان جستجو کرتا ہے اور اسکی تلاش کرنے کو واپس جاتا

ہے تو ایسی چیز کا اعلان کرنا ضروری ہے چنانچہ ایسی چیزوں کی شناخت کرانے اور اعلان کرنیکا دستور جاری ہے
سو وقت تک کہ کہتے کہ مالک سے واپس نہ آئیگا غالب ہو جائے اور گم شدہ بکری وغیرہ کا پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اس
نے اگر اسکو نہ پکڑا تو اسکے ضائع ہونیکا احتمال ہے اور اونٹ وغیرہ کا پکڑ لینا مکروہ ہے اور معلوم کرو کہ ہر مبادلہ میں چند باتیں ضرور
ہوتی ہیں ایک تو عاقدین دوسرے عوضین تیسرے وہ چیز جو عاقدین کے اس مبادلہ سے راضی ہونے پر ظاہری دلیل
ہوتی ہے جو منازعت کو قطع کرنیوالی اور عاقدین پر عقد کو لازم کرنیوالی ہوتی ہے عاقدین میں یہ شرط ہے کہ وہ
دونوں آزاد و عاقل و نفع و نقصان کے پہچاننے والے اور اس عقد کو بصیرت اور ثبات کے ساتھ کرنیوالے ہوں
اور عوضین میں شرط ہے کہ وہ دونوں قابل انتفاع اور قابل رغبت ہوں اور لوگ اس قسم کے مال کیطرف حرص کرتے
ہوں اور وہ مال ان چیزوں سے نہ ہو جو ہر شخص کے لیے مباح ہے اور نہ اس قسم کا مال ہو کہ لوگوں کا اسمیں قابل
اعتبار فائدہ نہ ہوتا ورنہ وہ عقد اس قبیلہ سے نہ ہوگا جس کو خدا تعالے نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر فرمایا ہے یا وہ
عقد بیکار ہوگا یا اسمیں کوئی ضمنی فائدہ کی رعایت ہوگی جس کا ظاہر میں ذکر نہیں پایا جاتا اور منجملہ مفاسد کے یہ ایک
فساد ہے کیونکہ اس عقد کا کرنیوالا اس بات کا امیدوار ہوتا ہے کہ جس چیز کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ اسکو نہ ملیگی۔
پس وہ شخص ناامیدی کے ساتھ سکوت کرتا ہے یا لاکسی حق کے جو لوگوں کیساتھ متعلق ہوا ہو وہ شخص جھگڑا کرتا ہے
اور جس چیز سے عاقدین کی رضامندی معلوم ہوتی ہے اسمیں یہ شرط ہے کہ وہ ظاہری امر ہو جس سے لوگوں کو سامنے
مواخذہ کر سکیں اور اس شخص کو بلا حجت قائم کئے زیادتی کرنیکا موقع نہ ہو اور اس باب میں زیادہ ظاہر چیز زبان سے
تعبیر کرنا ہے اور پھر اس وجہ سے لین دین کرنا جسمیں شک باقی نہ رہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے المتبایعان
کل واحد منہما بالخیار علی صاحبہ ما لم یتفرقا الا بیع الخیار۔ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے جبتک
وہ دونوں جدا نہ ہوں بجز بیع الخیار کے میں کہتا ہوں معلوم کرو کہ ایک ایسے امر کا ہونا ضروری ہے جو ہر ایک کے حق کو
دوسرے کے حق سے جدا کر سکے اور بیع کے رد کرنے میں ان دونوں کے اختیار کو دور کر سکے اور اگر ایسا امر قاطع
نہ پایا جاوے تو ہر شخص دوسرے کو ضرر پہونچا سکتا ہے اور نیز وہ شے جسکے قبضہ میں ہے اسمیں اس خوف سے
وہ تصرف نہیں کرتا کہ دوسرا اسکا اقالہ نہ کرے اور اس جگہ ایک دوسرا امر ہے یعنی وہ لفظ جس سے عاقدین کی اس
عقد سے رضامندی اور انکا عزم معلوم ہو ورنہ وہ قاطع یافتہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس قسم کے الفاظ ملاطفت اور قیمت کرتے
وقت مستعمل ہوتے ہیں اسلئے کہ جبتک ایک مقدار کے ساتھ یقین نہ ظاہر کیا جاوے ان دونوں کا راضی ہونا ناممکن
ہے اور نیز لوگوں کی زبان ایسے وقت میں رغبت دلی کی صورت ہوتی ہے اور الفاظ میں باہم فرق کرنے سے حرج عظیم
لازم آتا ہے۔ اور ایسے ہی جانبین سے دو دستہ کرنا ہے کیونکہ ہر شخص کو شے مطلوب کے لینے کی ضرورت ہوتی
ہے اسلئے کہ اس چیز کو دیکھنے اور اسمیں تامل کرنے کے لئے خریدتا ہے اور ایک لینے کو دوسرے لینے سے فرق
کرنا آسان ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ قاطع پوشیدہ شے ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ زیادہ مدت مثلاً ایک روز یا اس سے
زیادہ قاطع مقرر کیجاوے کیونکہ بہت سی چیزوں سے دن کے دن نفع لینا مطلوب ہوتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ وہ قاطع

نہ ان مجالس کو روا جانتے کیونکہ اس بات کا دستور ہو چکا ہے کہ عقد ہوتے وقت عاقدین جمع ہو جاتے ہیں وہ اسکی رونق سے
بعد جدا جدا ہو جاتے ہیں اور ایسا ہی عرب و عجم کے شہروں کے لوگوں کا خصلت ہے جانتے تو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ ان میں اس
تفرق کے بعد جمع ہو کر پھر وہ کوئی ظلم خیال کرتے ہیں اور تفرق سے قبل یہ خیال بھی نہیں کرتے بالجملہ اگر ہر شخص نے اپنی غرض
کو پورا کیا ہے اور شرائع میں بیع کا زوال نہیں یعنی کلام کیا اس قدر ہوا ہے جس کو نفوس عامہ وقت قبول کا گنتے ہیں پھر جو شخص عقد
کے بعد اس خیال سے کہ انکو اس عقد میں نفع ہوا ہے اپنی ضد پر چلا جاتے ہیں اور دوسرے عاقد کے قدر کرنے کو وہ
سمجھتے ہیں اسمیں چونکہ لب موضوع لازم آتا ہے اسلئے آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمائی اور کہا لا یحل لہ ان یفارق صاحبہ خشیۃ
ان یستقیلہ۔ انکو روا نہیں ہے کہ اقالہ کے خوف سے اپنے ساتھی کو چھوڑ کر چلا جاوے پس ان دونوں کو لازم ہے کہ وہ
دونوں اپنے حال پر قائم رہیں اور ہر شخص دوسرے کے سامنے جدا ہو۔ اور جاننا چاہئے کہ جس زمانہ میں بہت انسان ایک شہر میں
جمع ہوں تو سیاست مدینہ کو ان کے پیشوں سے بحث ہوتی ہے پھر اگر وہ لوگ کثرت سے صنائع و سیاست ملیہ میں مشغول
ہوں اور ان میں سے تھوڑے لوگ پیشوں کے چھوڑنے اور زراعت کے پیشہ میں مشغول ہوں تو دنیا کے اعتبار سے انکی
حالت خراب ہو جائیگی اور اگر شراب اور بت بنانے کا پیشہ اختیار کریں تو اسمیں لوگوں کو ان چیزوں کے بطور استعمال کرنیکی
رغبت ہوگی جو ان کے استعمال کا دستور ہے اور اسمیں دین کے اعتبار سے ان لوگوں کی ہلاکت ہے اور اگر پیشوں کے
پیشہ وروں پر اس دستور کے موافق تقسیم کیا جاوے جو حکمت کا مقتضی ہے اور جو لوگ برے پیشے کرتے ہیں انکو اس سے روکا
جاوے تو لوگوں کی حالت درست ہوگی ہے اور اسی طرح شہروں کے خراب ہونیکی یہ صورت ہے کہ رؤسا کو مکان مکلف بنانے
اور لباس و مکانات دکھانے و حسین و جمیل عورتوں کی طرف نسبت ڈالی جاوے اور علی ہذا قیاس جتنی چیزیں ان تدابیر
ضروریہ کے مقتضی ہیں جن کے بغیر آدمی کو چارہ نہیں ہے اور تمام عرب و عجم کا اس پر اتفاق ہے ضروری ہیں پھر اور طبیعیہ
میں تصرف کرکے لوگ ایسے پیشے اختیار کریں جنسے رؤسا کی خواہشیں پوری ہوں مثلاً ایک قوم لڑکیوں کو ناچنا گانا اور
حرکات متناسبہ لذیذہ کے سکھانے کی طرف متوجہ ہو اور کچھ لوگ کپڑوں کے اندر قسم قسم کے نقش و نگار اور طرح طرح کے حیوانات
اور درختوں کی صورتیں اور عجیب عجیب نقش و نگار بنانے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ سونے اور قیمتی جواہرات
میں عجیب و غریب صنعتیں نکالنے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ بلند بلند مکان بنانے اور انکے نقش و نگار کرنیکا پیشہ
اختیار کریں پس جب لوگوں کی ایک جماعت کثیر ان پیشوں کی طرف متوجہ ہوگی تو ضرور ہے کہ اسی قدر زراعت و تجارت
لوگوں سے متروک ہو جاویگی اور جب شہر کے لوگ ان باتوں میں وقت صرف کرینگے تو اسی قدر شہر کی مصلحتوں میں
کوتاہی ہوگی اس کا انجام یہ ہوگا کہ جو لوگ ضروری پیشے کرتے ہیں ان کو اسمیں دقت ہوگی بسبب ٹکس مقرر ہونے
کے یعنی کاشتکار و تجار و اہل صنعت لوگوں کو اور اسمیں شہر کے لئے ضرر ہے جو اس کے ایک جزو سے دوسرے
جزو تک متعدی ہوکر تمام شہر کو وہ ضرر عام ہو جائیگا جس طرح کتے کا ضرر اس شخص کے بدن میں اثر کرجاتا ہے جسکو کتا
کاٹتا ہے۔ یہ جس قدر ہم نے بیان کیا دنیا کے اعتبار سے انکو ضرر پہونچنے کا بیان ہے اور کمال اخروی کی طرف پہونچنے
میں جو انکو ضرر پہونچتا ہے وہ مستغنی عن البیان ہے۔ یہ مرض عجم کے ملک میں کثرت سے پھیلا ہوا تھا لیکن خداتعالےٰ نے

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا فرمایا کہ اس مرض کا مادہ بالکل قطع کر کے اُسکا علاج کیا جائے پھر آنحضرت صلعم نے اُن چیزوں کے غالب منشا کیطرف ملاحظہ فرمایا۔

بیع کے اُن اقسام کا بیان جن سے شرع میں ممانعت کیگئی ہے

معلوم کرو کہ جو شرع میں حرام اور باطل ہے اسلئے کہ وہ فی الحقیقت لوگوں سے مال کا چھین لینا ہے اور اُسکا منشا اتباع جہل و حرص اور ارز و ئے باطل اور فریب پر ہے یہ باتیں ہر شخص کو شرطوں پر آمادہ کرتی ہیں اور اسکو تمدن و تعاون میں کچھ دخل نہیں ہے اور جس شخص کو نقصان پہونچتا ہے اس شخص کا سکوت غفلہ و ناامیدی کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر وہ شخص مخاصمت کرے تو اسکی مخاصمت ایسی چیز میں پائی جاتی ہے جو اس نے خود اپنی ذات پر لازم کی ہے اور قصداً اسمیں پڑا ہے۔ اور دوسرے شخص کو اسکا مزہ پڑ جاتا ہے اور تھوڑے سے بہت کیطرف اسکی خواہش پیدا ہوتی ہے اور بوجہ حرص کے وہ عیب اس سے نہیں ترک ہوتا اور تھوڑی سی دیر میں اسکو بھی ضرر پہنچ جاتا ہے اور جوئے کی عادت ڈالنے میں مال کا خراب کرنا اور جھگڑوں کا پیدا کرنا اور تدابیر مطلوبہ کا ترک کرنا اور معاونت سے جو تمدن کا دار مدار ہے اعراض کرنا ہے اور معائنہ کر نیکے بعد ہمارے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے کہیں تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی نہ دیکھا ہوگا اور اسی طرح سود ہے اور وہ اس سے عبارت ہے کہ مقروض نے جتنا قرض لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام و باطل ہے اس لئے کہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرضہ اپنی حاجت و پریشانی کیوجہ سے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفا کرنے سے دو چند سہ چند ہو تا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اسمیں مناقشات عظیمہ اور خصومات عامہ کا مظنہ ہے اور جبکہ مال کے بڑھانیکا اس طرح طریقہ و رسم ہو جاویگا تو اسکی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جاوینگی جو تمام پیشوں کی جڑ ہیں اور سود سے زیادہ تمام عقود میں کوئی ایسا عقد نہیں ہے جو خصومت اور پروائی میں اس سے زیادہ ہو اور یہ دونوں پیشے بمنزلہ سکہ کے ہیں کہ جو ملانے کے طریقے خدا تعالے نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں انکی بیخ کو قطع کرتے ہیں اور ان دونوں میں برائی اور نزاع ہوتا ہے اور ایسے امور میں شارع کو اختیار ہوتا ہے یا تو ان کے لئے کوئی حد مقرر فرما دے اور اس حد سے کم مقدار میں رخصت عطا فرمائے اور اس حد سے زیادہ میں نہی کی تغلیظ یا بالکل اس سے منع فرما دے اور جوئے و سود کی عرب میں عادت تھی اور انکے سبب بے انتہا فتنے و جھگڑے پیدا ہوتے تھے دوران دونوں میں تھوڑے سے بہت ہو جاتا تھا پس اس سے زیادہ مناسب اور سزاوار کوئی صورت نہ تھی کہ ان میں برائی اور فساد کے حکم کی پورے طور پر رعایت کی جائے اور اسکو برقرار رکھا جائے لہٰذا ان دونوں سے بالکل نہی فرمائی جاوے اور معلوم کرنا چاہئے کہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک تو سود حقیقی دوسرے وہ جو حقیقی پر محمول ہے سود حقیقی تو قرض میں ہوتا ہے اور ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ اس میں معاملات کے موضوع کا بدلنا ہے اور ایام جاہلیت میں لوگ اسکے اندر نہایت منہمک ہو رہے تھے اور اسکے سبب سے بڑی بڑی لڑائیاں پھیل گئی تھیں اور جہاں کسی نے تھوڑا سا سود لے لیا پھر اسکو

بہت کی خواہش ہوتی تھی لہذا اس دروازہ کا بالکل بند کرنا واجبات سے ہوا اسلئے قرآن میں اس کے باب میں جو کچھ نازل ہوا، اور دوسری قسم کا سود یہ ہے کہ خرید و فروخت میں زیادتی کے ساتھ میں لین دین ہو اور اسکی حجت یہ حدیث ہے الذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید فاذا اختلف ہذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید یعنی خرید و فروخت سونے کو ساتھ سونے کے اور چاندی کو چاندی کے ساتھ اور گیہوں کو گیہوں سے اور جو کو جو کے ساتھ اور چھوارے کو چھوارے سے اور نمک کو نمک سے مثل کو مثل کے ساتھ برابر برابر دست بدست اور پھر یہ جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو۔ اسکا نام تغلیظا اور سود حقیقی کے مشابہت کے سبب سے ربوا رکھا ہے جیسا آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے المنجم کاہن نجومی کاہن ہے اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث کے معنی بھی مفہوم ہوسکتے ہیں لا ربوا الا فی النسیئۃ کہ نہیں ہے سود مگر قرض میں پھر شرع کے اندر کثرت سے سود کا استعمال اس معنی میں آیا ہے حتی کہ ربا کا لفظ ان معنی میں بھی حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے مستعمل ہوتا ہے واللہ اعلم اور حرام ہونیکے اندر حکمت یہ ہے کہ خدا کو نہایت زینت کی مثلاً حریر کا لباس پہننا ناپسند ہے اور علی ہذا القیاس وہ ارتفاقات جنہیں طلب دنیا کے اندر منہمک ہونے کی حاجت پڑتی ہے جیسے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا ان زیورات کا پہننا جو بڑے بڑے زیور ہیں وہ گوندھ کر بنائے جاتے ہیں جیسے کنگن اور گوجری اور ہنسلی وغیرہ، اور کھانے پینے میں زیادہ تکلف کرنا کیونکہ یہ امور لوگوں کو اسفل السافلین میں گرا دیتے ہیں اور انکی فکروں کو تاریک رنگوں کیطرف کھینچتے ہیں اور رفاہیت فی الحقیقت یہ ارتفاق میں عمدہ چیز کی آرزو کرنے اور ناقص چیز سے اعراض کرنیکا نام ہے اور نہایت کامل درجہ کی رفاہیت یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں جید و ردی کا لحاظ کیا جاوے اور اسکی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی زندگی کیلئے کسی نہ کسی قسم کی غذا اور کوئی نہ کوئی نقد ہونا ضروری ہے اور تمام اقسام کی قوت اور تمام اقسام کے نقود کیساتھ ایک ہی طرح کی حاجت ہے اور دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے مبادلہ کرنا ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے کہ جنکے بغیر چارہ نہیں ہے اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ جو اسکی جگہ کافی ہو سکے بادلہ کی حاجت نہیں ہے مگر باعتبار لوگوں کے مزاج اور انکی عادات کا اختلاف اس بات کی موجب ہے کہ تعیش میں انکے درجے مختلف و متفاوت ہوں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضہم فوق بعض درجت لیتخذ بعضہم بعضا سخریا ہم نے انکی زندگی میں انکی روزی بانٹ دی ہے اور بعض کے بعض پر درجے بلند کئے تاکہ انمیں بعض بعض پر مسخر کریں پس ان میں سے بعض لوگ چانول و گیہوں کھاتے ہیں اور بعض جو اور جوار اور بعض چاندی کا زیور پہنتے ہیں اور لوگوں کا باہم مثلاً چانول و گیہوں کے مشہور اقسام میں تمیز ہونا اور بعض کی بعض پر فضیلت اور اسیطرح سونے اور انکے دستور کے تمام میں باریک باریک صنعتوں کا لحاظ کرنا اہل اسراف و عجمی لوگوں کا دستور ہے اور ان باتوں کا اہتمام کرنا فی الحقیقت دنیا میں غرق ہو جانا ہے پس مصلحت شرعی کا یہی مقتضی ہوا کہ اس دروازے کو بند کیا جاوے اب فقہا کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ان چھ چیزوں کے سوا جنکی حدیث شریف میں تصریح آئی ہے اور چیزوں میں بھی سود جاری ہوتا ہے

اور جو چیز ان چھ مذکورہ میں سے کسی کے ساتھ ملحق ہے اسکی طرف بھی سود کا حکم جاری ہوتا ہے پھر اسکی علت دریافت
کرنے میں باہم فقہا کے خلاف ہوا اور قوانین شرعیہ کے اعتبار سے زیادہ تر موافق یہ ہے کہ سونے چاندی میں اسکی
علت ثمنیت ہو مگر یہ علت انہیں دونوں کے ساتھ مختص ہے اور باقی چار میں اسکی علت یہ ہے کہ وہ شے اس
قابل ہو کہ قوت کے لئے اس کو جمع کر سکیں اور نمک پر دوا اور مصالحوں کو قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ کھانے کو جسقدر
نمک کیطرف حاجت ہے وہ حاجت کسی چیز کی طرف نہیں ہے بلکہ اس حاجت کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے
پس نمک قوت کا جزو اور بمنزلہ قوت کے ہے بخلاف اور چیزوں کے اور یہ علت بطور اسلئے معلوم ہوئی کہ شرع نے
بہت سے احکام میں ثمنیت کا لحاظ کیا ہے مثلاً مجلس عقد میں تقابض البدلین کا ضروری ہونا وغیرہ اور اس لئے کہ
حدیث شریف میں طعام کا لفظ بھی وارد ہوا ہے اور طعام کے عرف میں دو معنی آتے ہیں ایک تو طعام صرف گیہوں کو
کہتے ہیں اور وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتا اور دوسرے مطلق اس چیز کو طعام کہتے ہیں جو قوت کے لئے جمع کیا جائے
یہی سبب ہے کہ طعام کا لفظ میوہ جات اور مصالحہ کے مقابل آتا ہے اور مجلس عقد میں تقابض کے واجب کرنے کے
دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ طعام و نقد کیطرف سب چیزوں سے زیادہ حاجت ہے اور سب چیزوں سے زیادہ ان کا
لین دین ہے اور ان دونوں سے نفع جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب ان کو موجود سے معدوم اور ہلاک کر د
یا جائے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قبضہ کرتے وقت خصومت پیش ہوتی ہے اور بدل ہو چکتا ہے اور یہ
سب جھگڑوں سے زیادہ قباحت پر مشتمل ہے لہذا ضروری ہوا کہ بالکلیہ اس باب کو مسدود کیا جائے کہ عاقدین اس
وقت جدا ہوں کہ جب دونوں کے پاس ثمن و مبیع پہونچ جائے اور ان دونوں میں کوئی قصہ باقی نہ رہے اور شارع
نے جو قبل از استیفاء غلہ کے بیع سے منع فرمایا ہے اس کی علت بھی یہی ہے اور چاندی کو سونے سے بدلنے میں
جو یہ فرمایا ہے الا تفترقا بینکما شئ اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ جبتک تم دونوں جدا نہ ہو اور تم دونوں میں کچھ بات باقی ہو
اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ایکطرف نقد ہے اور ایکطرف غلہ وغیرہ ہے اسوقت میں تو نقد اس شے کے طلب
کرنیکا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ نقد ہونیکا مقتضی یہی ہے پس مناسب ہے کہ اس چیز کے لینے سے پہلے اسکو دیا جائے
اور جب دونوں طرف نقد یا غلہ ہو تو اسوقت میں ایک کو پہلے دینے کا علتحکم قرار پائیگا اور اگر جانبین میں عوض و
معوض کے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو وہ قرض کے قرض کی ساتھ بیع ہوگی اور بسا اوقات بائع یا مشتری اس شے
کے پہلے دینے سے بخل کرتا ہے لہذا عدل کا یہ مقتضی ہوا کہ ان دونوں اختلاف کو قطع کیا جائے اور ان دونوں کو
اس بات کا حکم دیا جائے کہ جبتک تقابض نہ کرلیں جدا نہ ہوں اور غلہ اور نقد کو اس لئے خاص کیا کہ یہ دونوں تمام اموال
کے اصل الاصول ہیں اور سب سے زیادہ انکا لین دین رہتا ہے اور ان دونوں کے ہلاک کرنے کے بعد ان سے
انتفاع اٹھا سکتا ہے لہذا اگر ان دونوں کی لین دین بغیر قبضہ کرنے کے پہلے جدا ہونیکا حکم دیا جائے تو بیع عظیم لازم آتا ہے اور شدید نزاع پیدا ہوتا
ہے اور دونوں میں اس بات کی منع کرنے سے معاملہ کی دقت پوشیدہ طور پر دفع ہوتی ہے اور معلوم کرو کہ اس قسم کا حکم دینے سے یہ مقصود
ہوتا ہے کہ لوگوں میں اس کا دستور جاری نہ ہو اور اس قسم کے لوگ عادی نہ ہوں یہ مقصود نہیں ہوتا کہ بالکل اس قسم کے

معاملہ کا وقوع نہ پایا جائے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا بع التمر ببیع ثم اشتر بہ
چھواروں کو دوسری بیع سے فروخت کر پھر اس بیع سے خرید لے اور معلوم کرو کہ بیع کے بعض اقسام ایسے ہیں جنمیں قمار
کے معنی پائے جاتے ہیں اور اہل جاہلیت باہم ایسی خرید و فروخت کیا کرتے تھے لہذا آپ نے اس بیع سے منع فرمایا۔
از انجملہ بیع مزابنہ ہے کہ کوئی شخص چھوارے کے سو فرق (۱) پھل کا ایک فرق سے درخت کا پھل خریدے اور ان
میں سے بیع محاقلہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص کھیتی کو سو ٹکروں گیہوں کیساتھ فروخت کرے اور عرایا آپ
نے اندازہ کرکے چھواروں کے ساتھ بشرطیکہ وہ پھل پانچ وسق سے کم ہوں انکی بیع کو درست فرمایا ہے اور عرایا ان
درختوں کا نام ہے کہ جو بعد فروخت ہونے باغ کے رہجاتے ہیں اس لئے آنحضرت صلعم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اتنی مقدار
پر لوگ قمار کا قصد نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ تر چھوارے کھائیں اور پانچ وسق زکوٰۃ کا نصاب ہیں کہ جسکو ایک کنبہ
سال بھر تک کھا سکتا ہے اور از انجملہ یہ صورت بھی کہ مثلاً چھواروں کا ایک انبار ہے جسکا وزن معلوم نہیں ہے وہ ان
چھواروں کے ساتھ فروخت کئے جائیں جنکا وزن معلوم ہے اور از انجملہ بیع ملامسہ ہے اسکی یہ صورت ہو کہ ایک
شخص دوسرے کا کپڑا چھوئے تو بیع ثابت ہوجائے اور ایک منابذہ ہے اسکی یہ صورت ہے کہ بغیر دیکھے بھالے
ایک شخص اپنا کپڑا پھینک دے تو بیع ہوجائے اور از انجملہ بیع الحصاۃ ہے یعنی کنکری کے پھینکنے سے بیع ہوجائے
بیع کے ان سب اقسام میں قمار کے معنی اور موضوع معاملہ کا بالالزام آتا ہے اسلئے کہ معاملہ سے مقصود دیکھ بھالکر اس پر
استقلال کے ساتھ اپنی حاجت کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اور بیع العربان سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے اسکی یہ صورت ہے
کہ مشتری بائع کو کچھ ثمن بیعانہ کے طور پر دیدے اور یہ مقرر ہوجائے کہ اگر میں بیع کو خرید لونگا تب تو یہ اسکی قیمت میں مجرا
ہوجائیگا ورنہ بلاعوض یہ تمہارا رہا اور اسمیں بھی قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے
تازہ چھواروں کو خشک چھواروں کے ساتھ خریدنے کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا خشک ہوجانیکے
بعد یہ کچھ کم ہوجاتے ہیں سائل نے عرض کیا ہاں تو آپ نے اس قسم کی بیع سے منع فرمایا میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے
کہ اسمیں بھی ایک قسم کے قمار اور سود جلی کا احتمال ہے کیونکہ ایک شئے کی تمامی کا حال معتبر ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم نے
فرمایا ہے کہ وہ ہار جسمیں سونا اور خرمہرے ہوں فروخت نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس کو جدا جدا کیا جائے میں کہتا ہوں
اسکی یہ وجہ ہے کہ اسمیں ایک قسم کا جوا ہے اور احد العاقدین کے فریب کھانے کا احتمال ہے یا تو غصہ کھا کر سکوت کریگا
یا غیر حق میں نزاع کریگا؛ اور جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلعم عرب کے اندر ایسے وقت میں مبعوث ہوئے کہ انکے اندر معاملات
اور خرید و فروخت پائی جاتی تھی لہذا خدا تعالے نے آنحضرت صلعم کے پاس بعض معاملات و بیوع کے جواز کے اور
بعض کے مکروہ ہونے کیطرف وحی نازل فرمائی اور کراہت کا مدار چند چیزوں پر ہوتا ہے از انجملہ یہ ہے کہ وہ اس قسم
کی چیز ہے جو عادت کے اعتبار سے وہ چیز معصیت پر مشتمل ہوتی ہے یا لوگوں کو اس چیز سے جس قسم کا نفع حاصل کرنا مقصود
ہے وہ ایک قسم کی معصیت ہوتا ہے مثلاً شراب و بت و طنبورہ وغیرہ ہے پس ان چیزوں سے بیع کا دستور جاری ہونے
اور ان کے بنانے میں ان معاصی کا ظاہر کرنا اور لوگوں کو ان معاصی پر آمادہ کرنا اور مقرب کرنا ہے اور ان چیزوں کے

بیع و شرا کرنا اور انکا گھروں میں رکھنا حرام کیا جاوے تو اُن معاصی کو دور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے
کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب کریں۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام
خدا تعالیٰ نے اور اُسکے رسول نے شراب اور مردار اور سور اور بتوں کا فروخت حرام کیا ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے
ان اللہ اذا حرم شیئا حرم ثمنہ خدا تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا تو اسکے ثمن کو بھی حرام کیا یعنی جب ایک چیز سے نفع
اٹھانے کا طریق متعین ہے مثلاً شراب صرف پینے کے لیے اور بت صرف پرستش کے لیے بنائے جاتے
ہیں پس خدا تعالیٰ نے اس چیز کو حرام کیا ہے اسلئے حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ ان کی بیع بھی حرام کیجاوے اور
نیز آپ نے فرمایا ہے مہر البغی خبیث۔ اجرت زنا کی خبیث ہے اور آنحضرت صلعم نے کاہن کو اجرت دینے سے منع فرمایا
اور آنحضرت صلعم نے مغنیہ کے کسب سے نہی فرمائی ہے میں کہتا ہوں جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش
ہوتی ہے اس مال سے بدو وجہ نفع حاصل کرنا حرام ہے ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع
نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے اور اس قسم کے معاملہ کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور
لوگوں کو اُس گناہ پر آمادہ کرنا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی السنت میں اور انکی سمجھ میں ثمن مبیع سے پیدا ہوتا ہے لہذا ملاء اعلیٰ میں ثمن کیلئے
ایک وجود مثالی ہوتا ہے گویا کہ وہ خود مبیع ہی ہے اور اسی طرح اجرت کیلئے ایک شبح بھی ہوتا ہے پس اس بیع اور اس عمل کی خباثت ان کے
علوم میں اس ثمن اور اس اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس صورت علمیہ کا اثر ہوتا ہے اور
آپ نے شراب کے باب میں اسکے نچوڑنیوالے اور نچڑوانیوالے اور پینے والے اور لیجانیوالے اور جس کے پاس لیجایا جاوے
سب پر لعنت کی ہے میں کہتا ہوں معصیت کی اعانت کرنا اور اسکا پھیلانا اور لوگوں کو اسکی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت
اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثل مردار و خون و گوبر اور پاخانہ
وغیرہ کے نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور اس کے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا
ہوتی ہے اور پاکیزگی اور خباثتوں سے اجتناب کرنا ان اصول میں داخل ہے جنکے قائم کرنے کیلئے آنحضرت صلعم کو
بھیجا گیا ہے اور جسکے سبب سے ملائکہ کیساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور چونکہ
کسی قدر مخالطت مباح کئے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اسلئے کہ بالکل اس باب کے سد کرنے میں لوگوں پر نہایت
دقت ہے لہذا اسیقدر ضروری ہوا کہ ان ناپاک چیزوں کے اختلاط کے ساتھ پیشہ اختیار کرنے اور انکی تجارت
کرنے سے نہی فرمائی جاوے اور جو ایسے لغو و بیہودہ کام ہیں جنمیں حیا کیجاتی ہو انکو بھی نجاست کا حکم ہے جیسے گابھن
کرنا اور اسی لئے آپ نے مردار کی بیع کو حرام کیا اور پچھنے لگانے کے پیشہ سے نہی فرمائی اور ضرورت میں آپ نے یہ
فرمایا ہے اطعمہ ناضحک یعنی اس اجرت سے اپنے اونٹ کی خوراک دیدے اور گابھن کرنیکی اجرت سے نہی فرمائی
ہے اور ایک روایت میں اونٹ کے گابھن کرنے کا لفظ آیا ہے اور اگر بلا شرط کئے اسکو کچھ دیدیا جاوے جسکے
پاس گابھن کرنیکا جانور ہے تو آپ نے اس شخص کو اجازت فرمائی ہے اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقدین کی
عوضین کے اہتمام کے سبب سے قطع منازعت نہ ہو یا دو عقد دو عقدوں میں سے ایک عقد ہو یا بغیر قبضے مبیع کے

رضا کا پایا جانا ممکن نہ ہو اور مبیع کو اس نے نہ دیکھا یا بیع کے اندر کچھ ایسی شرط لگائی جاوے جس سے آئندہ کو حجت و
نزاع کرنیکا موقع ہو اور آنحضرت صلعم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے منع فرمایا ہے مضامین اسکا نام ہے جو نر کی
پشت میں ہو اور ملاقیح جو مادہ کی شکم میں ہو اور بچے کے بچے کی بیع اور قرض کے ساتھ بیع کرنے اور ایک بیع میں دو بیع
کرنے سے منع کیا ہے مثلاً ایک چیز کو یا بطور فروخت کرے کہ اگر نقد لیتا ہے تو ایک ہزار کو اور اگر قرض لیتا ہے تو
دو ہزار کو کیونکہ ایسی صورت میں عقد کیوقت ان دو امر میں سے کسی امر کی تعیین نہیں پائی جاتی ہے و بعض نے
یہ بیان کیا ہے کہ اسکی یہ صورت ہے کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ یہ تمہاری چیز کو بعوض ہزار روپیہ کے
فروخت کرو بشرطیکہ فلاں چیز کو اتنی قیمت سے فروخت کرے اور یہ ایسی شرط ہے کہ شرط کرنیوالا عقد کے بعد اس کے سبب
حجت پڑنے کی مخاصمت کرسکتا ہے اور ازانجملہ ایک صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے شرط کرے کہ اگر تو اس بیع کو
کبھی فروخت کرے تو میں اسکے خریدنے کا حقدار ہوں۔ اور حضرت عمرؓ نے ایسی بیع میں یہ فرمایا ہے لاتحل لک -
یعنی تیرے لئے حلال نہیں ہے اور اگر کسی اور کیلئے یہ شرط کرے تو وہ بھی اسی قبیل سے ہے اور آنحضرت صلعم نے بیع میں
سے کسی چیز کے استثنی کرنے سے جبتک معلوم نہ ہوئی منع فرمائی ہے مثلاً کوئی شخص کسی چیز کے دس ٹکڑے فروخت کرے
اور کہے مگر اسمیں سے کچھ مستثنی ہے کیونکہ اسکے اندر جہالت پائی جاتی ہے جو منازعت کا منشا ہے اور ہر جہالت سے
بیع فاسد نہیں ہوتی ہے کیونکہ بہت سے امور بیع میں مجہول چھوڑ دیے جاتے ہیں اور اگر تمام امور کی تفصیل کی جانے
تو اسمیں حرج عظیم ہے بلکہ وہ جہالت بیع کو فاسد کرتی ہے جسکا انجام منازعت ہو اور ازانجملہ یہ ہے کہ اس بیع سے کوئی
دوسرا معاملہ مقصود ہو کہ وہ بائع یا مشتری بیع کے ضمن میں اسکے ساتھ اس معاملہ کا امیدوار ہو اسلئے کہ اگر وہ مقصود
حاصل نہ ہو تو اسکو وہ نہ طلب کرسکتا ہے نہ سکوت کرسکتا ہے اور ایسی بات خواہ مخواہ ناحق خصومت کا باعث ہوتی ہے
اور قاضی انمیں پورا پورا فیصلہ نہیں کرسکتا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لایحل بیع وسلف ولاشرطان فی بیع مثل ان یقول
بعت ہذا علی ان تقرضنی کذا یہ درست نہیں کہ بیع بھی ہو اور قرض بھی اور نہ دو شرطیں ایک بیع میں درست ہیں مثلاً
بائع کہے کہ اس چیز کو میں نے اس شرط پر فروخت کیا کہ تو مجھے اسقدر قرض دے اور دو شرطوں کے معنی یہ ہیں کہ ایک
تو حق بیع کا شرط کرنا اور ایک کسی خارجی چیز کا شرط کرنا مثلاً یہ شرط لگائی کہ مجکو فلاں چیز ہبہ کردینا یا فلاں شخص سے میری سفارش
کردینا یا اگر تو کبھی اس چیز کو فروخت کرے تو میرے ہی ہاتھ فروخت کرنا وعلی ہذا القیاس پس ان سب صورتوں میں ایک
عقد کے اندر دو شرطیں پائی گئیں اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقد کے ہاتھ سے تسلیم نہ پائی جانے مثلاً بیع ایسی
چیز ہے جو بائع کے پاس موجود نہیں ہے بلکہ وہ کسی دوسرے شخص پر اسکا حق ہے یا وہ ایسی چیز ہے کہ جبتک وہ
شخص اپنے مقدمہ کو قاضی کے ہاں پیش نہ کرے یہ بیع تمام نہ کرے یا سلطنت کے طریق میں کوشش نہ کرے یا جبتک
قبضہ نہ کرے اور اسکی ناپ تول نہ کرے جبتک وہ چیز اسکو نہیں ملسکتی اسلئے کہ اسمیں بیع مبیع کے اندر دوسرے
قبضے کے پیدا ہونے یا قریب کے پلٹ جانے ورنہ مقصود کے حاصل نہ ہونے کا احتمال ہے اور جو چیز مشتری کے پاس
موجود نہیں ہے تو تیکا اس مبیع دوسرے پر رہنا چاہتے کہ بعد کوشش کے تجلو وصول ہو جاویگی اور بسا اوقات مشتری بائع

سے مبیع پر قبضہ کرنیکا مطالبہ کرتا ہے اور وہ مبیع اُسکے پاس موجود نہیں ہوتی تو وہ بائع اُس شخص سے اُس چیز کا مطالبہ کرتا
ہے جس پر اُسکا حق ثابت ہوتا ہے یا جنگل کو شکار کرنے جاتا ہے یا بازار میں خریدنے کا قصد کرتا ہے یا اپنے کسی دوست
سے ہبہ کے طور پر طلب کرنا چاہتا ہے اور اسمیں بڑے جھگڑوں وقصوں کا پیدا کرنا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے
لا تبع ما لیس عندک - جو چیز تیرے پاس موجود نہیں ہے اُسکو فروخت مت کر اور بیع الغرر سے بھی آپ نے نہی فرمائی
ہے اسکی یہ صورت ہے کہ اسمیں مبیع کے موجود ہونے یا نہ ہونے اور ملنے و نہ ملنے کا یقین نہ ہو اور آنحضرت صلعم
نے فرمایا ہے من ابتاع طعاما فلا یبیعہ حتی یستوفیہ - جو شخص غلہ کو خریدے تو جبتک اُسپر قبضہ نہ کرے اُسکو فروخت نہ کرے
بعض کے نزدیک یہ حکم غلہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اموال کے جملہ اقسام میں غلہ کا لین دین اور اسمیں حاجت
زیادہ ہے اور جبتک اُسکو ہلاک نہ کیا جاوے انسان اُس سے منتفع نہیں ہو سکتا اور جبتک مشتری نے اُسپر قبضہ نہیں
کیا ہے تو بسا اوقات بائع کا اُسمیں تصرف کرنے اور قبضہ کے اندر تعنت کے پیدا ہونے کا احتمال ہے اور بعض کے
نزدیک تمام منقولات میں یہ حکم جاری ہے کیونکہ سب میں تغیر ونقصان کے پیدا ہونے اور خصومت کے پائے جانے
کا احتمال ہے اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو مثل غلہ کے سمجھتا ہوں اور ہم نے جو علت بیان کی ہے
اُسکے لحاظ سے یہ قول قریب قیاس ہے اور از انجملہ کراہت کی صورت ایک یہ ہے جسمیں اُن منازعات کے پیدا
ہونے کا احتمال ہے جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں واقع ہو چکے ہیں اور آپ کو اُن میں منازعات کا احتمال غالب معلوم
ہوا ہے جیسے زید بن ثابت نے بیان کیا ہے کہ جب پھلوں کو کسی قسم کی آفت عارض ہوا کرتی تھی تو خریدنے کے بعد
کو نزاع کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ پھل گل گئے اور گر پڑے لہٰذا آنحضرت صلعم نے پھلوں کی بیع سے جبتک
انکا سالم رہنا ظاہر ہو جائے منع فرمایا ہے مگر جس صورت میں فی الحال درختوں سے پھل کا توڑ لینا شرط کر لیا جاوے
اسی طرح غلہ کے بال سے جبتک کہ پختہ ہو کر سفید اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے اُسکی بیع سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے
کہ دیکھو تو اگر خدا تعالیٰ اُس پھل کو روک دے تو تم میں سے کوئی شخص کس چیز کے بدلہ اپنے بھائی کا مال لیگا یعنی اسمیں
دھوکا ہے کیونکہ ایسے وقت میں مبیع کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے پس بائع کو مبیع میسر نہ ہو سکیگا اور ثمن اُس کے ذمہ
لازم ہو جائیگا اور اسی طرح برسوں کے لئے ٹھیکہ دینا منع ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ اسمیں شہر کے انتظام میں نقصان
آتا ہو اور بعض کو بعض سے ضرر پہونچتا ہو ایسی چیز کو دور کرنا اور لوگوں کو اُس سے روکنا واجب ہے آنحضرت صلعم نے
فرمایا ہے لا تلقوا الرکبان للبیع - لا یبع بعضکم علی بیع بعض ولا یسوم الرجل علی سوم اخیہ ولا تناجشوا ولا یبیع حاضر لباد - بیع کے لئے
تلقی رکبان مت کرو اور نہ تم میں سے بیع پر بیع کریں اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی کی قیمت کرتے وقت قیمت کرے
اور نہ نجش کرو اور نہ کوئی شہری قریہ والے کے لئے فروخت کرے میں کہتا ہوں کہ تلقی رکبان کی تو یہ صورت ہے
کہ جب باہر سے سوداگر تجارت کا مال بھر کر لادیں اور شہر میں داخل ہونے اور نرخ معلوم کرنے سے پیشتر کوئی شخص
باہر ہی باہر اُن سے مگر شہر کے نرخ کے اعتبار سے ارزانی کے ساتھ وہ مال اُنسے خریدے اور اسمیں بائع کا بھی ضرر
اور عامہ لوگوں کا بھی ضرر ہے بائع کا تو یہ ضرر ہے کہ اگر وہ بازار میں آتا تو کسیقدر گرانی کے ساتھ فروخت کرتا لہٰذا اس

بیع میں اگر بائع کو اپنے ضرر پر آگاہی ہوجاوے تو اسکو بیع کے رد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور حاضر لوگوں کا یہ ضرر ہے
کہ اس تجارت میں سب شہر والوں کا حق متعلق ہوگیا ہے اور مصلحت مدنیہ کا مقتضی یہ ہے کہ جسکو جسقدر ضرورت ہے اسی
قدر بترتیب اسکو مقدم کیا جاوے اور اگر حاجت میں برابر ہوں تو انمیں برابری کی جاوے یا قرعہ اندازی کیجاوے پس بالا
ہی بالا ایک شخص کو بلا ترجیح اُس مال کے لے لینے میں ایک قسم کا ظلم ہے مگر شہر والوں کو اس بیع کے فسخ کرنے کا
اختیار نہیں ہے کیونکہ اُس شخص نے ان لوگوں کے مال کا کچھ نقصان نہیں کیا اُسنے صرف یہ کیا ہے کہ جس چیز کی ان کو
امید تھی وہ چیز اُسنے اُنسے روک لی اور بیع پر بیع کرنی اپنے ساتھ کے تاجروں کا تنگ کرنا اور انکے ساتھ بدمعاملگی
ہے اور بائع اول کا حق متوجہ ہوچکا ہے اور اُس کے رزق کی صورت نکل آئی ہے اس صورت کا بگاڑنا اور اُسکے
معاملہ میں دخل دینا ایک قسم کا ظلم ہے اور اسی طرح دوسرے شخص کے قیمت لگاتے وقت قیمت لگانے میں خریداروں
کو تنگ کرنا انکے ساتھ بدمعاملگی ہے اور بہت سے مناقشات اور عداوتیں ان دو باتوں سے پیدا ہوتی ہیں اور نجش
اُسکو کہتے ہیں کہ بلا قصد خریدنے مبیع کے مشتریوں کو فریب میں ڈالنے کے لئے قیمت بڑھا دینا۔ اور اسمیں جسقدر ضرر
ہے ظاہر ہے اور بیع شہر والے کی گاؤں والے کے لئے اسکی یہ صورت ہے کہ گاؤں والا اپنے مال کو لاوے شہر کی
طرف اس ارادے سے کہ اُسی دن کے نرخ سے بیچنے لاوے پس اُسکے پاس شہر والا آوے اور یہ کہے کہ اپنے مال کو
میرے پاس چھوڑدے یہانتک کہ اسکو کچھ دنوں روک کر بنرخ گراں فروخت کرونگا اور اگر گاؤں والا خود اسکو فروخت
کرتا تو بنرخ ارزاں فروخت کرتا اور نفع شہر کا اسمیں ظاہر ہے اور اسکو بھی نفع ہوتا اسلئے کہ تاجروں کے نفع اٹھانے
کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ کچھ دنوں روک کے اپنے مال کو بنرخ گراں فروخت کریں ان لوگوں کے
ہاتھ جنکو اُس مال کی نہایت حاجت ہے اور حاجت کے مقابلہ میں جو کچھ قیمت وہ دیتے ہیں وہ انکو معلوم ہوتی ہے
اور ایک صورت یہ ہے کہ تھوڑا سا نفع لیکر اُس مال کو فروخت کریں اور پھر جلدی سے تجارت کا اور مال لاکر اسمیں بھی
نفع اٹھاویں وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ انتفاع شہر کی مصلحت کے ساتھ مناسب تر اور برکت کے اعتبار سے اکثر ہے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من احتکر فہو خاطئ جو تجارت کے مال کو روکے پس وہ گنہگار ہے۔ اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الجالب مرزوق والمحتکر ملعون۔ لانیوالا مرزوق ہے اور روکنے والا ملعون۔
میرے نزدیک اسکی یہ وجہ ہے کہ باُمید نفع کے اور باوجود حاجت اہل شہر کے اُسکی طرف صرف گرانی نرخ اور زیادتی
ثمن کے اعتبار سے روکنا مال کا شہر والوں کے حق میں ضرر اور بدنظمی شہر کا سبب ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ مشتری
کو اُس میں فریب دینا ہو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے لا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلک فهو بخیر النظرین بعد ان
یحلبها ان رضیها امسکها وان سخطها ردها وصاعا من تمر وروی صاعا من طعام لا سمراء اور مصراۃ یہ ہے کہ تھن اونٹ اور
بکری میں پس جو شخص اسکے بعد اسکو خریدے پس وہ اُس کے دوہنے کے بعد بخیر النظرین ہے اگر اس مبیع سے راضی
ہو تو روک لے اسکو اور اگر اُس سے ناخوش ہو تو اسکو واپس کر دے اور ایک صاع تمر بھی دیدے اور روایت
کیا گیا ہے صاعا من طعام لا سمراء میں کہتا ہوں تصریہ کے معنی تھن میں دودھ کے جمع کرنے میں تاکہ مشتری

دودھ کی کثرت کا خیال کرے اس فریب میں پڑ جائیگا اور چونکہ اسکو خیار مجلس اور خیار شرط کے ساتھ زیادہ تر مشابہت تھی
کیونکہ یہاں پر عقد بیع میں گویا دودھ کی کثرت شرط کردی گئی ہے پھر ہرگاہ اندازہ دودھ اور اسکی قیمت کا بعد اسکے ہلاک اور
تلف کرنے کے بالمشافہ متعذر المعرفت تھا خاصکر وقت بداخلاقی شریکوں کی اور بدویت کے اسلئے واجب ہوئی یہ بات
کہ باعتبار احتمال غالب کی ایک حد معتدل بیان کیجائے تاکہ خصومت قطع ہو اور چونکہ اونٹنیوں کے دودھ میں ایک قسم
کی بیک ہوتی ہے اور ارزانی پائی جاتی ہے اور بکریوں کا دودھ عمدہ ہوتا ہے اور گرانی پائی جاتی ہے اسلئے دونوں کا
حکم ایک ہوا لہذا یہ بات متعین ہوئی کہ جو چیز [illegible] جسکا وہ قوت کرتے ہیں اس کا ایک صاع مقرر کیا جائے جیسے
چھوہارے حجاز میں اور جو جوار ہمارے ملک میں گیہوں اور چاول اس لئے کہ یہ قوت کے اعتبار سے ادنی اور
اعلی درجے کی چیزیں ہیں اور بعض ان لوگوں نے کہ جنکو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ہے انہوں نے
اپنی طرف سے ایک قاعدہ مقرر کرلیا اور کہا کہ جس حدیث کی بجز فقیہ کے کوئی اور روایت نکرے جب اس میں قیاس
نچل سکے تو اسمیں عمل متروک ہوجاتا ہے اور اس قاعدہ میں اول تو کلام ہے دوسرے یہ قاعدہ اس صورت پر
نہیں منطبق ہوسکتا ہے کیونکہ اس حدیث کو بخاری نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے حالانکہ وہ افقہ الناس تھے،
اور اسقدر جواب کے لئے کافی ہے اور اسلئے کہ وہ بمنزلہ تمام ان مقادیر شرعیہ کے ہے کہ عقل ان میں مقرر کرنے کی خوبی معلوم
کرسکتی ہے مگر خاصکر اس مقدار کی حکمت معلوم کرنیمیں عقل مستقل نہیں ہے بار خدایا گر ان لوگوں کی عقلیں جو راسخین فی العلم
ہیں اور آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ غلہ کا ڈھیر دیکھا جسکو اس کے مالک نے اندر سے تر کرکے رکھا تھا آپ نے فرمایا تو نے اسکو
اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اسکو دیکھتے اور فرمایا جو شخص فریب کرے وہ مجھ سے نہیں ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ چیز
مباح الاصل ہو جیسے وہ پانی کہ جاری ہو اور کثرت سے ہو اور کوئی شخص ظلم سے غلبہ کرکے اسکو فروخت کیا کرے کیونکہ اس
میں ناحق خدا تعالے کے مال میں تصرف کرنا اور لوگوں کو ضرر پہونچانا ہے لہذا آنحضرت صلعم نے زیادہ پانی کے فروخت
کرنے سے تاکہ اس کے سبب سے گھاس کا فروخت کرنا لازم آئے منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں اسکی تشکیل یہ ہے
کہ کوئی شخص کسی چشمہ یا کسی سبیل پر غلبہ کرے اور کسی مویشی کو بغیر کرایہ لئے نہ پینے دے اور اسمیں گھاس کا جو مباح شئی
ہے فروخت کرنا لازم آتا ہے یعنی ایسے وقت میں مواشی کے چرانے کی قیمت دینی پڑیگی اور یہ باطل ہے اسلئے کہ پانی و
گھاس دونوں مباح چیزیں ہیں چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے فیقول اللہ الیوم امنعک فضلی کما منعت فضل ما لم یعمل
یداک پس خدا تعالے فرمائیگا آج میں تجھ سے اپنے فضل کو روکتا ہوں جسطرح تو نے اس چیز کی فضل کو روکا جو بغیر تیری
محنت کے پیدا ہوئی تھی اور بعض کے نزدیک حاجت سے زیادہ پانی کا اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو خود پینا چاہتا
ہو یا مواشی کو پلانا چاہتا ہو حرام ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار تین
چیزوں میں سب مسلمان شریک ہیں پانی اور گھاس اور آگ میں۔ میں کہتا ہوں اگرچہ یہ چیزیں کسی کی مملوک بھی ہوں تب
بھی ان چیزوں میں ہمدردی نہایت مستحب ہے اور اگر مملوک نہیں ہیں تب تو انکا حال شرکت میں ظاہر ہے۔

بیع کے احکام کا بیان

رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے خدا تعالےٰ سہولیت والے آدمی پر رحم کرے جب وہ کسی چیز کو فروخت کرے اور جب خریدے اور جب وہ تقاضا کرے۔ میں کہتا ہوں سماحت منجملہ ان اصول اخلاق کے ہے جس سے نفس مہذب ہوتا ہے اور گناہوں کی قید سے اسکو سبب سے رہائی ہوتی ہے اور نیز سماحت میں شہر کا انتظام قائم رہتا ہے اور اسپر باہمی معاونت کا دارومدار ہے اور بیع و شرا اور تقاضا ایسی چیزیں ہیں جنمیں سماحت کے خلاف امور کا احتمال ہوتا ہے لہذا آنحضرت صلعم نے ان امور میں سماحت کے ساتھ برتاؤ کرنا مستحب کیا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبركة حلف سودے کا چلانے والا اور برکت کا گھٹانیوالا ہے۔ میں کہتا ہوں بیع کے اندر بہت سی قسمیں کھانا برا ہے بدو وجہ ایک تو یہ کہ اسمیں مشتری لوگوں کے دھوکے میں آنے کا احتمال ہے دوسرے خدا کے نام کے قلب سے تعظیم جاتے رہنے کا احتمال ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے اگرچہ سودا خوب فروخت ہوتا ہے کیونکہ اسکا بھی مشتری پر عیب کے پوشیدہ رکھنے پر ہے مگر برکت کم ہو جاتی ہے کیونکہ برکت کا مدار ملائکہ کی دعا کے متوجہ ہونے پر ہے اور معصیت کے سبب سے انکی دعا کو بُعد ہو جاتا ہے بلکہ ملائکہ ایسے وقت میں اس شخص پر بد دعا کرتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے یا معشر التجار ان البيع يحضره اللغو والحلف فشوبوه بالصدقة۔ اے گروہ تجار بیع کے اندر لغو باتیں اور قسم ہوا کرتی ہیں لہذا تم بیع میں صدقہ ملا لیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ صدقہ کے آمیزش سے گناہ دور ہو جاتے ہیں اور نفس کے غلبہ کے سبب جو اُس شخص سے کچھ قصور ہو جاتا ہے اُس کا تدارک ہو جاتا ہے آنحضرت صلعم نے اُس شخص کے باب میں جس نے کسی چیز کو اشرفیوں سے فروخت کرکے اُنکے عوض میں مشتری سے درہم لے لئے تھے فرمایا ہے لا باس ان تاخذها بسعر يومها ما لم تفترقا وبينكما شيء اگر اسی روز کی قیمت پر دراہم کو لیلے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ ان دونوں کے جدا ہوتے وقت کچھ معاملہ تم میں باقی نہ رہا ہو۔ میں کہتا ہوں اسکا یہ سبب ہے کہ اگر جدا ہوتے وقت ان دونوں میں کچھ معاملہ باقی ہے مثلاً بایں طور وہ دونوں اشرفیوں سے دراہم کے بدلنے کی چنگی کو صرافوں کے بیان کرنے یا وزن کش کے وزن کرنے پر موقوف رکھے اور علیٰ ہذا القیاس تو ایسے وقت میں حجت و نزاع کرنیوالے کو حجت و نزاع کا موقع باقی ہے اور معاملہ صاف نہیں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من ابتاع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع جو شخص چھوارے کے درخت کو گابہ لگنے کے بعد خریدے تو اس درخت کا پھل بائع کا ہے مگر جس صورت میں مشتری شرط کرے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ گابہ لگانا اس درخت سے زائد ایک فعل ہے اور بائع کی ملک میں ثمر کا ظہور ہو گیا پس اُس کا حال اُس شے کا سا ہے جو ایک مکان میں رکھی ہوئی ہو لہذا یہ بات ضرور ہے کہ مستحق اسکو دلایا جاوے مگر جس صورت میں اُسکے خلاف کی تصریح ہو جاوے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ما كان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل۔ جو ایسی شرط لگائی جاوے کہ جسکا کتاب الٰہی میں ذکر نہیں ہے تو وہ باطل ہے میں کہتا ہوں اس سے وہ شرط مراد ہے جس سے خدا تعالےٰ نے منع فرمائی ہے اور حکم الٰہی میں اسکی نفی مذکور ہے

یہ مقصود نہیں ہے کہ اس قسم کا بالکل ذکر ہی نہ ہو اور آنحضرت صلعم نے بیع الولاء اور ہبۃ الولاء سے نہی فرمائی ہے کیونکہ ولاء
کوئی موجود معین مال موجود نہیں ہے بلکہ صرف وہ ایک حق ہے جو نسب کے تابع ہے پس جسطرح نسب کی بیع نہیں ہو سکتی
اسیطرح ولاء کی بیع بھی نہ ہونی چاہیے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الخراج بالضمان آمدنی تاوان کے ساتھ ہے یعنی جو تاوان
دیگا وہی آمدنی لیگا پس مبیع کی آمدنی بیع کے رد کرنے کے بعد مشتری کو ملیگی میں کہتا ہوں منازعت کے قطع کرنے
کے بجز اسکے کوئی صورت نہیں ہے کہ مبیع کے ہلاک ہو جانے کے بعد جو شخص تاوان دیتا ہے اسی کو اسکی آمدنی
دلائی جائے پس اگر عیب کے سبب سے مشتری بیع کو رد کر دے اور اس اثناء میں مبیع سے جو کچھ آمدنی ہوئی ہے
اس خریدار سے اس کا مطالبہ کیا جائے تو آمدنی کی مقدار کے ثابت کرنے میں حرج عظیم ہے پس آنحضرت صلعم نے
اس حکم سے منازعت کو قطع فرمایا جسطرح قضاء میراث کے بارے میں آپ نے منازعت کو باینطور قطع کیا ہے۔ کہ
جاہلیت کی میراث اسی حالت پر رکھی جائے جس حالت پر تقسیم کی گئی ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے البیعان اذا اختلفا و
المبیع قائم لیس بینہما بینۃ فالقول ما قال البائع او یترادان ۔ اور وہ دونوں بیع جنمیں بینہ نہ ہو اگر انمیں اختلاف واقع ہو اور
بیع بھی موجود ہو پس قول بائع کا معتبر ہوگا یا سب دونوں رد کر دینگے میں کہتا ہوں آپ نے قطع منازعت اسلئے کی
کہ اصل بات یہ ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کی ملک سے نہیں نکلتی ہے مگر بواسطہ صحیح بیع کے یا رضامندی سے پھر جب
منازعت واقع ہوئی تو اصل کی طرف رجوع ضروری ہوا اور مبیع کا بائع کا مال ہونا یقینی ہے اور مبیع پر اسکا قبضہ ہے
اسوقت یا قبل اس عقد کے جسکی صحت نہیں ثابت ہوتی ہے اسلئے بائع کا قول معتبر ہے لیکن خریدار کو اختیار ہو
اسلئے کہ بنا بیع کا رضامندی پر ہے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے الشفعۃ فیما لم یقسم فاذا وقعت الحدود و
صرفت الطرق فلا شفعۃ یعنی شفعہ اس چیز میں ہوتا ہے جو تقسیم نہیں ہوئی ہے پھر جب اسمیں حدیں پڑ جاویں اور
راستے ہو جاویں تو اسمیں شفعہ نہیں ہوتا اور نیز آپ نے فرمایا ہے الجار احق بصقبہ کہ جوار اپنے قریب کی وجہ سے
حقدار زیادہ ہے میں کہتا ہوں اصل شفعہ میں ہمسایوں اور شریکوں سے ضرر کا دور کرنا ہے اور میرے نزدیک شفعہ
کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ شفعہ ہے کہ مالک پر فیما بینہ وبین اللہ شفیع کے لیے اس شفعہ کا پیش کرنا اور دوسروں پر اسکا
مقدم کرنا اور عند القاضی وہ مالک اسکے پیش کرنے پر مجبور نہ کیا جائیگا اس قسم کا شفعہ اس جار کے لیے ہوتا ہے
جو شریک نہیں ہے اور ایک وہ شفعہ ہے جس پر مالک عند القاضی مجبور کیا جاتا ہے یہ شفعہ صرف شریک کیلئے ہے
اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں انکی تطبیق کی صورت یہی ہے اور نیز آپ نے یہ فرمایا ہے من اقال
اخاہ المسلم صفقۃ کرہہا اقال اللہ عثرتہ یوم القیامۃ جو شخص اپنے بھائی مسلمان سے اس عقد کو لوٹا دیگا جو اسکے ناپسند
ہے خدا تعالیٰ قیامت کے روز اسکی خطا سے درگذر فرمائیگا۔ میں کہتا ہوں جس شخص کو عقد کرنیکے بعد افسوس ہو
تو اس سے رفع ضرر کے لیے اقالہ کرنا مستحب ہے اور واجب نہیں ہے کیونکہ ہر شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے
اور جو چیز اپنے اوپر لازم کرتا وہ اسکو لازم ہو جاتی ہے جابر نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے اس اونٹ کو فروخت کر دیا
اور اپنے گھر تک سوار ہو کر جانے کو مستثنیٰ کر لیا۔ میں کہتا ہوں اس سے ان چیزوں کے بیع میں استثنا کرنے کا جواز

بت ہوتا ہے جہاں مناقشہ کا موقع نہ ہو اور عاقدین باہم سلوک کرنے والے اور فراخ دل ہوں کیونکہ استثنا کرنے
کی ممانعت اسلئے ہے کہ اسمیں مناقشہ کا احتمال ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللہ
بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ جو شخص ماں اور اسکے بچے میں جدائی ڈالے تو خدا تعالےٰ قیامت کے روز اسمیں اور اسکے
دوستوں میں جدائی ڈالیگا اور ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دو غلاموں میں سے جو بھائی بھائی تھے ایک کو فروخت
کر دیا تو آنحضرت صلعم نے ان سے فرمایا کہ واپس کرو۔ میں کہتا ہوں ماں و بچے میں جدائی ڈالنے سے ضرور ہے کہ دونوں کو
وحشت پیدا ہوگی اور آہ و بکا کرینگے یہی دو بھائیوں کا حال ہے لہذا انسان کو انمیں تفریق ڈالنے سے بچنا چاہئے
اللہ پاک فرماتا ہے اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے
تو خدا تعالےٰ کی یاد کی طرف لپکو اور بیع یعنی خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں یہ حکم اس ندا کے ساتھ متعلق ہے
جو امام کے خطبہ کے لئے جاتے وقت ہوتی ہے اور چونکہ بیع وغیرہ میں مشغول ہونے سے بسا اوقات نماز جاتی رہتی
ہے اور خطبہ کا استماع ترک ہو جاتا ہے اس لئے اس سے نہی فرمائی گئی۔ اور آنحضرت صلعم سے کسی نے عرض کیا کہ
نرخ گراں ہو گیا ہے اسلئے آپ ہمارے لئے نرخ مقرر فرما دیجئے آنحضرت صلعم نے فرمایا نرخ مقرر کرنیوالا خدا تعالےٰ ہے
اسی کی صفت قابض و باسط و رازق ہے اور مجھے اس بات کی آرزو ہے کہ خدا تعالےٰ سے میں ایسی حالت سے ملوں کہ
کوئی شخص مجھ سے کسی ظلم کا مطالبہ نہ کرے میں کہتا ہوں چونکہ مشتری و تاجروں میں ایسا حکم برابر دینا کہ جس سے کسی کو ضرر نہ
پہونچے دونوں کو برابر ضرر پہونچے نہایت دشوار تھا اسلئے آنحضرت صلعم نے اس سے پرہیز کیا تاکہ آپکے بعد جو لوگ اسکو
طریقہ و دستور مقرر کرلیں اور اسکے بعد بھی اگر کوئی سوداگروں سے علانیہ ظلم معلوم ہو جسکا لوگوں کو یقین ہو جائے تو اسکی اصلاح
درست ہے کیونکہ اسمیں ملک کی بربادی ہے اور اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی
فاکتبوہ اے ایمان والو جبکہ تم ایک وقت معین تک قرض کا لین دین کرو تو اسکو لکھ لو معلوم کرو کہ قرض مناقشہ و منازعت
کے اعتبار سے تمام معاملات میں بڑھکر ہے اور وقت حاجت کے بغیر اسکے چارہ بھی نہیں ہے اسلئے اللہ پاک
نے لکھ لینے اور گواہ کرنے کی تاکید فرمائی اور رہن اور کفالت کو مشروع کیا اور گواہی کے چھپانے کا گناہ بیان فرمایا۔ اور
لکھنے اور گواہی دینے کو فرض کفایہ کیا اور وہ عقود ضروریہ سے ہے اور آنحضرت صلعم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو
مدینے کے لوگ پھلوں کے ایک ایک دو دو تین تین برس کے لئے بدنی کیا کرتے تھے لہذا آپ نے فرمایا جب کوئی
کسی چیز میں بدنی کرے تو کیل معین و وزن معین میں مدت معین تک بدنی کرے میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ
حتی الامکان مناقشہ کا ارتفاع ہو جاوے اور فقہاء نے انہیں تینوں پر ان اوصاف کو قیاس کرلیا ہے جنسے بحصول
وقت کسی چیز کا بیان ہو سکتا ہے اور قرض کا مدار ابتداءً تبرع پر ہے اور اسمیں عاریت کے بھی معنی پائے جاتے ہیں
لہذا اسمیں دیر کرنا جائز ہے اور زیادہ لینا حرام ہے اور رہن کا بنا مضبوطی پر ہے اور وہ مضبوطی قبضہ کرنے سے ہوتی
ہے لہذا اسمیں قبضہ شرط کیا گیا۔ اور میرے نزدیک ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے پہلی حدیث تو یہ ہے
لا یغلق الرہن الرہن من صاحبہ الذی رہنہ غنمہ وعلیہ غرمہ رہن گرو نہ ہوگی اسکے مالک سے جس نے اسکو رہن

رکھا ہے نہیں روکتا ہے اسکے لئے اُسکی آمدنی ہے اور اسی پر اُسکا قرض ہے اور دوسری حدیث یہ ہے الظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرہونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقتہ سواری سے اُسکے خرچ اٹھانے کے سبب سے اُس سے سواری کیجاویگی اگر وہ مرہون ہے دودھ دیتے جانور کا دودھ اُسکے خرچ اٹھانے کے سبب سے دیا جائیگا اگر وہ مرہون ہے اور سوار ہونیوالے اور دودھ پینے والے کو اُسکا خرچ اٹھانا پڑیگا۔ اور اختلاف نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ پہلی حدیث میں تو علم عام ہے مگر جسوقت میں راہن اُس مرہون کا خرچ نہ اٹھاوے اور مرہون کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور مرتہن اُسکا خرچ اٹھاوے تو اسوقت میں مرتہن جسقدر روک انصاف کر دیں مرہون سے انتفع حاصل کر سکتا ہے اور آنحضرت صلعم نے ناپنے والوں اور وزن کشوں سے فرمایا ہے تم کو ایسی دو چیزیں سپرد کیگئی ہیں جنمیں تم سے قبل امم سابقہ ہلاک ہوچکی ہیں میں کہتا ہوں ڈنڈی مارنا حرام ہے کیونکہ اسمیں خیانت اور بدمعاملگی ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا حال جو کچھ ہوچکا ہے خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اُسکا ذکر فرمایا ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ایما رجل افلس فادرک رجل مالہ بعینہ فھو احق بہ جو شخص مفلس ہو پھر کوئی شخص بعینہ اُسکے پاس اپنے مال کو پاوے تو وہ محض جھوٹ ہے اور آنحضرت صلعم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ شخص ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا۔ اُسکے یہ معنی ہیں کہ اُسکا مال اُس شخص کا سا ہے جو جھوٹ کی چادر اوڑھ رہا ہے اور اسی کی لنگی باندھ رہا ہے اور تمام بدن اُسکا جھوٹ سے ڈھکا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیرا فقد ابلغ بالثناء جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کرے اور وہ احسان کرنیوالے کے لئے جزاک اللہ خیرا کہدے تو اُسنے کامل طور سے تعریف کردی میں کہتا ہوں آپ نے اس لفظ کو اسلئے متعین فرمایا ہے کہ ایسے مقام میں زیادہ اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ اور الحاح ہے اور کم بیان کرنے میں حق کا چھپانا اور احسان کا کتمان ہے اور بعض مسلمان بعض کو جو ہدیہ پیش کریں اُن سب میں بہتر وہ چیز ہے جو آخرت کو یاد دلاوے اور دعا پر تمام امور کا حوالہ اسمیں پایا جاوے اور یہ لفظ اس تمام کے لئے کافی مقدار ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے تہادوا فان الہدیۃ تذہب الضغائن وفی روایۃ تذہب وحر الصدر باہم تحفہ و تحائف بھیجتے رہا کرو کیونکہ ہدیہ سے رنجشیں دور ہوتی ہیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے دل کا غصہ جاتا رہتا ہے میں کہتا ہوں کہ ہدیہ اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بھیجنے والے کے دل میں اس شخص کی تعظیم وقدر و محبت اور اُس کی جانب محبت ہے اور اُسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے لاتحقرن جارۃ لجارتہا ولو فرسن شاۃ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کھری کیساتھ ہو پس یہ دلوں کی رنجش دور کرنیکے لئے عمدہ طریقہ قرار پایا۔ اور کسی شہر یا قبیلہ میں پوری پوری الفت پیدا ہونے سے رنجش دور ہوسکتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من عرض علیہ ریحان فلا یردہ فانہ خفیف المحمل طیب الریح جس شخص کے سامنے کوئی ریحان کو پیش کرے تو اُسکو واپس نہ کرے کیونکہ اُس کے لینے میں بار کم ہوتا ہے اور وہ خود خوشبودار ہوتا ہے میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ریحان وغیرہ کے واپس کرنے کو اسواسطے ناپسند فرمایا کہ اُسکے قبول کر لینے میں دینے والے کا اس شخص پر زیادہ بار نہیں ہوتا۔ اور

دونوں میں اسکا دستور ہے لہذا اسکے قبول کرنیمیں قبول کرنیوالے کو بھی زیادہ عار نہیں ہوتی اور دینے والیکا بھی اسکو دینے میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا اور اسکا باہم دستور کرنیمیں الفت باہمی کا پیدا کرنا اور واپس کرنیمیں اسکی دلشکنی کرنا اور دلی رنجش کی دلیل ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے العائد فی ہبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء - اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینی اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے کو پھر کھا جاتا ہے ایسی بری مثال ہماری مناسب نہیں ہے - میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہوئی چیز کے واپس لینے کو اسواسطے ناپسند فرمایا کہ جس چیز کو اپنے مال سے علیحدہ کرچکا اور اس سے قطع تعلق کرچکا ہے پھر اسکے واپس لینے کا منشا یا تو اس دی ہوئی چیز کے ساتھ حرص کا پیدا ہونا یا اس شخص سے ناخوشی یا اسکی ضرر رسانی ہے اور یہ سب اخلاق مذمومہ ہیں اور نیز ہبہ کے پورا کردینے اور مضبوط کردینے کے بعد اسکے واپس لینے میں عداوت و رنج کا پیدا کرنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ پہلے ہی سے اسکو کچھ نہ دیا ہوتا لہذا آنحضرت صلعم نے اس چیز کے واپس لینے کو جسکو اپنی ملک سے جدا کرچکا ہے کتے کو اپنی قے کے کھا لینے کیساتھ مشابہت دی تاکہ ظاہر میں انکو اسکی برائی متمثل ہوجائے اور پورے طور پر اس کی قباحت بیان کردی بارخدایا مگر جس صورتمیں ان دونوں کے اندر بےتکلفی ہے جس سے منافشہ پیدا نہیں ہوسکتا تو وہاں واپس لینے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے باپ بیٹے سے واپس لیلے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے الا الوالد لولدہ بجز باپ کے وہ اپنے بیٹے سے واپس لیلے - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نسبت جسنے اپنے بعض بچوں کو کچھ عطا کیا تھا فرمایا ہے کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ نیکی میں وہ سب برابر ہوں اس نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا ایسے وقت میں ایسا نہیں ہوتا - میں کہتا ہوں آنحضرت صلعم نے عطا کے اندر بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے کو اسلئے ناپسند فرمایا کہ اس سے انمیں بھی باہم ملال و رنجش پیدا ہوتی ہے اور باپ کے ساتھ بھی لہذا رسول خدا صلعم نے اس بات کیطرف اشارہ فرمایا کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے سے اس اولاد کے دلمیں ملال و رنج پیدا ہوگا جس کے ساتھ کوتاہی کی گئی ہے اور وہ اسکے سبب سے باپ کے ساتھ کوتاہی کریگا اور اسمیں خانہ ویرانی ہے - (اور منجملہ تبرعات وصیت ہے) وصیت کا وقت موت کے قریب ہوتا ہے اور اسکے مسنون ہونے کی یہ وجہ ہے کہ بنی آدم کے ملک میں منازعت ہوتی ہے پس جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اسکے سبب سے اس شخص موصی کو مال سے استغنا ہو جاتی ہے مستحب ہوئی یہ بات کہ اس موصی نے جو کچھ اسمیں قصور کیا ہے اسکا تدارک ہوجائے اور جو کچھ اسوقت میں اس مال میں جسکا حق ہے اس سے مواسات کرے رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے اوص بالثلث کثیر - ثلث مال کی وصیت کر اور ثلث بھی زیادہ ہے اور جاننا چاہیے کہ تمام عرب و عجم کی قوموں میں بیشمار مصلحتوں کے سبب ایک عادت اور ضروری بات ہوگئی ہے کہ میت کا مال اسکے وارثوں کیطرف منتقل ہوتا ہے پھر جب وہ مریض ہوتا ہے اور موت پر متوجہ ہوتا ہے تو ان وارثوں کے لئے ملکیت حاصل ہونے کا لحاظ نکل آتا ہے پس انکی امید سے انکو ناامید رکھنا انکے حق کا تلف کرنا اور ان کی حق میں کوتاہی کرنا ہے - اور نیز حکمت کا یہ تقاضی ہے کہ میت کے بعد اس کے مال کو وے جو سب لوگوں سے زیادہ

اُس کا دوست و محب اور ہمدرد ہے اور اس بات میں کوئی شخص ماں باپ و اولاد اور جتنے ذو الارحام ہیں اُنکے
درجہ کو نہیں پہونچتا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ - اور ذو الارحام میں سے
بعض لوگ بعض کے ساتھ اولی ہیں کتاب اللہ کے اندر - اور با اینہمہ اوقات ایسے امور پیش آتے ہیں جنسے اور لوگوں
کی بھی غمخواری ضروری ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات خاص خاص حالات میں اور لوگوں کو اختیار کرنا ضروریات سے ہوتا ہے
لہذا ایک حد مقرر کرنا جسکے آگے لوگ نہ بڑھ سکیں لابدی ہوا اور وہ حد ثلث ہے اسلئے کہ ورثہ کی ترجیح ضروری امر ہے
اور وہ بانحصر ہو سکتی ہے کہ انکو نصف سے زیادہ دلایا جاوے اسلئے اُنکے لئے دو ثلث اور غیروں کیلئے ایک ثلث
مقرر ہوا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث - خدا تعالے نے ہر حقدار کو
اُسکا حق عطا فرمایا ہے لہذا کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہے میں کہتا ہوں وصیت کے اندر ایام جاہلیت
میں ضرر رسانی کیا کرتے تھے اور وصیت کرنے میں حکمت واجبہ کا خیال نہ کرتے تھے بعض لوگ حق کو اور اس
شخص کو ترک کرکے جسکی غمخواری واجب ہے اپنی رائے ناقص سے بعید لوگوں کو اختیار کرتے تھے لہذا اس باب
کا مسدود کرنا ضروری ہوا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ قرابتوں کے اعتبار سے قواعد کلیہ کا لحاظ کیا جاوے نہ اشخاص
کے اعتبار سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جاوے پس مواریث کے احکام چونکہ قطع منازعت اور باہمی رنجشوں
کے دور کرنے کیلئے مقرر ہوئے ہیں لہذا یہ حکم بھی ضروری ہوا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہ کیجاوے اس لئے
کہ اسکے جائز کرنے میں اُس حد مقررہ کا توڑنا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے - حق امرء مسلم لہ شئی یوصی فیہ یبیت لیلتان
الا و وصیتہ مکتوبۃ عندہ - کسی مسلمان شخص کو جسکے پاس وصیت کرنیکے لئے کوئی چیز ہے سزاوار نہیں ہے کہ شب
کو بسر کرے اور اُسکی وصیت اُسکے پاس لکھی ہوئی نہ ہو میں کہتا ہوں وصیت میں تعجیل کرنا بہتر ہے اسلئے کہ اگر دفعتاً
موت نے اسکو گھیر لیا ناگاہ کوئی حادثہ پیش آیا اور جس ضروری مصلحت کا قائم کرنا اُسنے اپنے نزدیک ضروری سمجھا
تھا وہ فوت ہو گئی تو بجز حسرت کے کچھ اور نہ ہوگا اور نیز آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ایما رجل اعمر عمری الخ میں کہتا ہوں
آپ کے زمانہ میں بہت سے مناقشے درپیش تھے جنکے قطع ہونیکی امید بھی نہ تھی لہذا انکا قطع کرنا منجملہ ان مصلحتوں کے
ہوا جن کے قائم کرنیکے لئے آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی ہے مثل سود و قتل وغیرہ کے اور کچھ لوگوں نے لوگوں
کو عمر بھر رہنے کیلئے مکان دیدیئے تھے پھر دینے والے اور رہنے والے مر گئے اور دوسرا قرن پیدا ہوا تو اب اس میں
اشتباہ اور باہم مخاصمت و منازعت شروع ہوئی پس آپ نے بیان فرمایا کہ اگر مکان دینے والے نے اس بات کی
تصریح کر دی ہے کہ یہ مکان تیرے لئے اور تیرے وارثوں کے لئے ہے تو یہ ہبہ ہے اسلئے کہ آپ نے خالص
ہبہ کے جو لوازم ہیں بیان فرما دیئے اور اگر اس دینے والے نے اُس شخص سے یہ کہا ہے کہ یہ مکان تا زیست تیرے
لئے ہے تو یہ عاریت ہے کیونکہ اُس نے ایسے قید کے ساتھ مقید کیا ہے جو ہبہ کے منافی ہے اور منجملہ تبرعات
وقف ہے اور اہل جاہلیت اُس سے ناواقف تھے پس نبی صلعم نے اُن مصالح کے اعتبار سے جو اور صدقات میں
نہیں پائے جاتے وقف کا استنباط فرمایا کیونکہ انسان بسا اوقات خدا کی راہ میں بہت سا مال صرف کر دیتا ہے اور

وہ مال فنا ہو جاتا ہے اور وہ فقرا محروم رہ جاتے ہیں اور فقرا لوگ اس مال سے محروم رہتے ہیں پس عام لوگوں کیلئے اس سے عمدہ و نافع صورت کوئی نہیں ہے کہ ایک شے فقرا و مسافروں کیلئے روک دی جاوے جس کے منافع انپر صرف ہوا کریں اور خود وہ شے واقف کی ملک میں رہا کرے چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمر سے فرمایا اگر تو چاہے بیگی اصل کو روک لے اور اس کا صدقہ صدقہ کر دے پس حضرت عمر نے اس کا صدقہ کردیا کہ خود وہ فروخت کیا جاوے اور نہ ہبہ کیا جاوے اور نہ اس سے ورثہ دلایا جاوے اور فقرا و قرابت اور غلاموں کے چھڑانے اور راہ خدا اور مسافر اور مہمان کیلئے صدقہ کر دیا اور کہدیا کہ جو شخص اس کا متولی ہو حسب دستور بافراط آپ کھائے اور غیر متمول لوگوں کو کھلائے ۔

اور معاونت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں از انجملہ مضاربت ہے اور اسکی یہ صورت ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور ایک کی محنت ہو اور نفع باہم جیسے مقرر ہو جائے انمیں مشترک ہو اور ایک مفاوضت ہے اور وہ یہ ہے کہ دو شخص باہم برابر برابر مال سے شریک ہو کر سوداگری کریں اور تمام خرید و فروخت میں شریک ہوں اور باہم نفع تقسیم کر لیا کریں اور ہر ایک دوسرے کا ضامن و وکیل ہو اور ایک عنان ہے اور وہ یہ ہے کہ مال معین میں شریک ہو کر اسطرح اسے سوداگری کریں اور ہر ایک شخص دوسرے کا وکیل ہو نہ کفیل جس سے دوسرے کے بدلے اس سے مطالبہ کر سکے اور از انجملہ شرکۃ الصنائع ہے جیسے دو درزی یا دو رنگریز اسطور سے شرکت کریں کہ دونوں محنت کریں اور اجرت دونوں میں تقسیم ہو جائے اور ایک شرکت وجوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ باہم دو شخص یوں شریک ہوں کہ مال تو کسی کے پاس نہیں ہے مگر اپنے اعتبار سے دونوں ملکر خرید و فروخت کریں اور نفع باہم بالتقسیم ہو جایا کرے اور ایک وکالت ہے کہ اپنے موکل کے لئے وکیل سوداگری کرے اور ایک مساقات ہے اور وہ یہ ہے کہ باغ ایک کا ہو محنت ایک کی پھل دونوں کا اور ایک مزارعت ہے اور وہ اس ہی عبارت ہے کہ زمین و تخم ایک کی اور محنت و بیل ایک کی اور ایک مخابرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین ایک کی اور بیج اور بیل اور محنت دوسرے کی اور ایک صورت یہ ہے کہ ایک کی تو صرف محنت اور باقی جو کچھ ہو وہ دوسرے کے ذمہ ہو اور ایک اجارہ ہے اور اسمیں مبادلہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اور معاونت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں پس اگر صرف منفعت مطلوب ہے تب تو مبادلہ کے معنی غالب ہیں اور اگر چیز کی خصوصیت مطلوب ہے تو معاونت کے معنی غالب ہیں ۔ آنحضرت صلعم سے قبل لوگ ایسے ایسے عقود کیا کرتے تھے پس ان میں سے جسمیں خیانت کا احتمال غالب نہیں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی نہیں فرمائی ہے وہ عقد تو اپنی اباحت پر باقی ہے اور اس حدیث کے تحت میں داخل ہے المسلمون علی شروطھم ۔ اور رافع بن خدیج کی حدیث میں جو راویوں کا اختلاف ہے وہ عیاں ہے اور تابعین میں بڑے بڑے نامی لوگ شرکت مزارعہ کیا کرتے تھے اور اس کے جواز پر اہل خیبر کے معاملہ کی حدیث دلالت کرتی ہے اور جن احادیث میں اس سے نہی پائی جاتی ہے وہ احادیث نہروں کے اوپر پیداوار یا کسی خاص قطعے کی پیداوار کے بدلے کرایہ دینے پر محمول ہے جیسا کہ حضرت رافع نے فرمایا ہے یا وہ نہی بطور تنزیہ اور ارشاد کے ہے چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یا اسوقت کے ساتھ اس معاملہ میں مناقشات کی کثرت کی جہت سے مصلحت خاصہ پر محمول ہے چنانچہ زید فرماتے ہیں ۔

فرائض کا بیان

معلوم کرو کہ حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہے کہ لوگوں کے قبیلہ میں باہم معاونت اور مناصرت اور غمخواری کا طریقہ جاری ہے اور ہر شخص دوسرے کے نفع و نقصان کو بمنزلہ اپنے نفع نقصان کے سمجھے اور یہ طریقہ جب ہی قائم ہو سکتا ہے جب انکی جبلت میں یہ بات داخل ہو اور اسباب عارضہ بھی اسپر معین ہوں اور انکا دینی طریقہ بھی اسکو ثابت کرے جبلت تو وہ محبت و الفت ہے جو ماں باپ و اولاد و بھائی بندوں وغیرہ میں پائی جاتی ہے اور عارضی اسباب وہ لوگوں کی باہمی الفت و ملاقات اور تحفہ و تحائف بھیجنا اور غمخواری کرنا ہیں کیونکہ ان سب باتوں سے ایک دوست کا دوست ہو جاتا ہے اور مصیبتوں کے وقت انہیں اسباب کیوجہ سے ایک کو دوسرے کی مدد و معاونت پر ہمت ہوتی ہے اور دینی طریقہ وہ ہے کہ تمام شرائع میں صلہ رحم کا حکم اور اسکے تارک پر ملامت کا قائم کرنا چلا آتا ہے پھر بعض لوگ اپنی غلط نفس کے تابع ہوتے ہیں اور کما ینبغی صلہ رحم کو قائم نہیں کرتے اور بسا اوقات غیر ضروری چیزوں کو مہتم بالشان سمجھتے ہیں لہذا انپر انہیں سے بعض چیزوں کے واجب کرنے کی حاجت پڑی خواہ وہ اس سے خوش ہوں یا انکار کریں جیسے مریض کی عیادت اور مصیبت زدہ کا چھڑانا اور دیت کا لینا اور جو شخص اپنے ذی رحم کا مالک ہو اسکا آزاد ہو جانا اور علاوہ ان کے اور بہت سے امور ہیں اور سب چیزوں سے زیادہ اس قسم کی ضرورت اس مال میں ہے جس سے قریب موت ہونے کے سبب سے مالک کو تعلق منقطع ہو گیا ہے ایسے وقت میں ضرور ہے کہ اسکا مال اسکے سامنے ایسی چیز میں صرف کیا جاوے جو حادثات خانگی میں نافع ہو یا اسکے بعد اسکے اقارب میں خرچ کیا جاوے معلوم کرو کہ فرائض کی حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب و عجم کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میت کے مال کے مستحق سب لوگوں سے زیادہ اسکے اقارب اور ذوی الارحام ہیں پھر اسکے بعد انمیں بڑا اختلاف ہے اہل جاہلیت تو صرف مردوں ہی کو ورثہ دیتے نہ عورتوں کو وہ سمجھتے تھے کہ اہل مرد ہی ہیں اور یہی وقت مصیبت کے کام آتے ہیں لہذا جو چیز بمنزلہ غنیمت کے ہے اسکے یہی مستحق ہیں ابتداءً آنحضرت صلعم پر جو نازل ہوا ہے وہ بلا تعیین و توقیت اقارب کے لئے وصیت کا وجوب نازل ہوا کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں کسی شخص کا ایک بھائی ناصر و معاون ہوتا ہے اور دوسرا نہیں ہوتا کسی شخص کا باپ مصیبت کیوقت کام آتا ہے اور اولاد کام نہیں آتی اور علیٰ ہذا القیاس پس مصلحت کا مقتضیٰ ہوا کہ اس بات کا اختیار لوگوں کے سپرد کیا جاوے تاکہ ہر شخص جو مصلحت مناسب جانے اس کے موافق حکم دے پھر اگر موصی سے کچھ زیادتی یا گناہ ظاہر ہوتا تھا تو قاضی کو اسکی وصیت کی اصلاح کرنے اور اسکے بدلنے کا اختیار ہوتا تھا ایک مدت تک یہی حکم جاری رہا پھر جب خلافت کبریٰ کے احکام جاری ہوئے اور شرق سے غرب تک محمدی عملداری ہو گئی اور بعثت عامہ کے انوار روشن ہو گئے تو مصلحت کا مقتضیٰ ہوا کہ اس بات کا اختیار نہ تو انکو دیا جاوے اور نہ انکے بعد قضاۃ کو بلکہ اس کا مدار ان مظان غالب پر رکھا جاوے جو عرب و عجم وغیرہم کے عادات کے متعلق علم الٰہی میں ہے اور بمنزلہ طبعی امر کے ہیں اور جو شخص اسکے خلاف ہے وہ بمنزلہ شاذ و نادر اور اس بھیڑ کی مانند جو عادت مستمرہ کے برخلاف بلا ناک کان کے یا لنگڑا پیدا ہوتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے لا تدرون ایہم اقرب

لکم نفعاً تم نہیں جانتے کہ انہیں سے تمہارے لئے نفع میں کون زیادہ تر قریب ہے سو وریث کے مسائل میں چند عقلی
پر ہے ازانجملہ ایک یہ ہے کہ اس باب میں مصاحبت طبعی اور محبت کا اعتبار ہے جو بوجہ مذہب جبلی کے ہے
اتفاقات عارضیہ کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ غیر منضبط ہونیکے سبب سے شرائع کلیہ میں داخل نہیں ہوتے چنانچہ حق تعالیٰ
فرماتا ہے واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ۔ اسی لئے محض اولوا الارحام کے زوجین کے سوا کسی کیلئے
میراث مقرر نہیں کی گئی البتہ زوجین اولوا الارحام کے ساتھ ملحق ہیں اور انکے شمار میں چند وجوہ داخل ہیں ازانجملہ یہ ہے کہ نکاح
میں معاونت کی تاکید اور اسبات پر رغبت دلانا ہے کہ انہیں سے ہر شخص دوسرے کے نفع نقصان کو اپنا
نفع ونقصان سمجھے اور ازانجملہ یہ ہے کہ خاوند عورت کا خرچ اٹھانے اور اپنا مال اسکی سپردگی میں دے اور ہر ایک چیز پر
اسکو امین سمجھے اس خیال سے کہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد چھوڑے وہ کل مال یا اسمیں ایک حصہ اسکا حق ہے وہ یہ
خصوصیت ایسی ہے کہ اسمیں انقطاع کا احتمال نہیں لہذا شرع نے اس مرض کا علاج یوں کیا کہ ربع یا نصف خاوند
کے لئے مقرر کیا تاکہ اسکے دل کو تسکین رہے اور خصومت کو نہ بڑھنے دے ازانجملہ یہ ہے کہ عورت کی بسا اوقات
اپنے خاوند سے اولاد پیدا ہوتی ہے جو اسی مرد کی قوم اور اسکے نسب اور مرتبہ کے ہوتی ہے اور انسان اپنی ماں کی
ساتھ اتصال کبھی منقطع نہیں ہوتا پس اس سبب سے زوجات ان لوگوں کے شمار میں داخل ہے جو اس کے قرابتی قوم سے
علحدہ نہیں ہوتے اور وہ بمنزلہ ذوالارحام کے ہو جاتی ہے ازانجملہ یہ ہے کہ خاوند کی وفات کے بعد چند مصلحتوں کے
سبب سے جو ظاہر ہیں عورت کو اسکے گھر میں عدت پوری کرنا واجب ہے اور اسکے خاوند کے بعد نہیں ہے کہ کوئی
شخص اسکی معاش کا متکفل نہیں ہوتا لہذا ضروری ہوا کہ خاوند کے مال میں سے اسکی معاش مقرر کیجائے اور یہ بات ممکن
تھی کہ اسکی کوئی خاص مقدار مقرر کیجائے کیونکہ یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ خاوند کس قدر مال چھوڑیگا پس ایک حصہ مقرر کرنا
واجب ہوا۔ جو ہر جگہ جاری ہو سکتا ہے مثلاً چوتھائی یا آٹھواں حصہ اور ازانجملہ یہ ہے کہ قرابت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک
تو وہ قرابت جو حسب ونسب میں مشارکت اور اس بات کو چاہتی ہے کہ وہ دونوں شخص ایک ہی قوم ومرتبہ کے ہوں اور
دوسری وہ قرابت جو حسب ونسب اور مرتبہ میں مشارکت کو نہیں چاہتی بلکہ اسمیں صرف محبت وشفقت پائی جاتی ہے۔ اور اگر ترکہ
تقسیم کرنیکا اختیار میت کو ہوتا تو اس قرابت سے آگے نہ بڑھتا یہ بات ضروری ہے کہ پہلی قسم کو دوسری پر فضیلت دیجائے
کیونکہ تمام عرب وعجم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں اور جب کسی شخص کا مال ومنصب اس شخص کو دیا جاوے جو اسکی قوم میں اس کا
قائم مقام ہے تو اس کو انصاف جانتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور یہ بات انکی جبلت میں داخل ہو گئی ہے جو انسے نہیں
جدا ہو سکتی مگر جس صورت میں کہ انکے دلوں میں فرق آجائے بارہا اگر ہمارے زمانہ میں لوگوں کے نسب ضائع ہو گئے
اور نسب کی وجہ سے باہم معاونت باقی نہیں ہے اور یہ بات بھی ناروا ہے کہ دوسری قسم کا حق پہلی قسم کے بعد دیا جائے
یہی سبب ہے کہ ماں کا حصہ بیٹی اور بہن کے حصہ سے کم ہے باوجودیکہ اسکو ماں کے ساتھ بھلائی کرنے اور صلہ رحم کرنے
کی زیادہ تر تاکید ہے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماں نہ تو بیٹے کی قوم کی ہوتی ہے اور نہ اس کے حسب کی اور نہ اسکے
مرتبہ وشرافت کی ہوتی ہے اور نہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جو اس کے قائم مقام ہوتے ہیں دیکھو جیسا اکثر ہاشمی ہوتا ہے

اور ماں حبشیہ ہوتی ہے اور بیٹا قرشی ہوتا ہے اور ماں عجمیہ ہوتی ہے اور بیٹا بیت الخلافت سے ہوتا ہے اور ماں زنا اور ولادت
کے ساتھ متہم ہوتی ہے اور بیٹے و ہمشیر آدمی کی قوم اور اسکے مرتبہ کے ہوتے ہیں اور اسی طرح ماں کی اولاد کو اگر ورثہ ملتا ہے
تو تہائی سے زیادہ کبھی نہیں ملتا دیکھو آدمی کبھی قرشی ہوتا ہے اور اسکا بھائی اخیافی (جو بھائی ماں کی طرف سے ہو) تمیمی ہوتا ہے
اور کبھی دونوں قبیلوں میں نزاع درپیش ہوتا ہے اور ہر شخص دوسرے کی قوم کے مقابلہ میں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے اور لوگ
ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے قائم مقام ہونا انصاف نہیں سمجھتے ہیں اور اسی طرح زوجہ کو جو ذوی الارحام کے ساتھ لحق ہے
اور انکے شمار میں داخل ہے سب سے کم حصہ ملتا ہے اور اگر کئی بیویاں ہوں تو اسی حصہ میں سب شریک ہوتی ہیں اور باقی
ورثہ کے حصہ میں ہرگز کمی نہیں کر سکتے ہیں دیکھو بیوی خاوند کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرلیتی ہے
اور پہلے خاوند سے اسکو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ الحاصل توارث کا مدار تین امور پر ہے ایک تو میت کے بعد اسکی جگہ اسکی عزت
اور مرتبہ اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں انمیں اسکا قائم مقام ہونا کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اسکے
بعد اسکا کوئی قائم مقام رہے دوسرے خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں تیسرے قرابت
جو ان دونوں امر پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اسی تیسرے کا اعتبار مقدم ہے اور پورے طور پر ان سب کا
محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ ورثہ
کے مستحق ہیں۔ مگر وضع طبعی کے اعتبار سے جس پر قرناً بعد قرن عالم کے بنا ہے بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو
تمنا اور امید ہوا کرتی ہے اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے
کی جگہ قائم مقام ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اسکی آرزو اور امید ہوتی ہے اور اگر بالفرض کسی شخص کو اسکے
مال میں اختیار دیا جاوے تو اسکے قلب پر اولاد کی غمخواری باپ کی غمخواری پر غالب ہوگی اسیواسطے تمام لوگوں کا دستور
عام ہے کہ اولاد کو باپ دادا پر مقدم سمجھتے ہیں اور قائم مقام ہونے کا احتمال بیٹے کے بھائیوں میں ہے اور جو ان کے
مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اسکی قوم کے اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہیں۔ باقی رہی خدمت اور شفقت تو یہ
دونوں قرابت قریبہ کے متعلقات ہیں اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اسکی مستحق ہے اور جو ان کے مانند ہے اور نسب کے
عمود میں داخل ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کی قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ اور اس کے بعد وہ ہے جس سے
زوجیت کا علاقہ ہے پھر ماں کی اولاد اور عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے اسواسطے
کہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کرلیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں۔ ہاں خدایا مگر بیٹی اور بہن میں کسیقدر یہ معنی
پائے جاتے ہیں لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اسکا مظنہ سبب قرب
کی قرابت ہے جیسے ماں اور بیٹی میں کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور انکے بعد بھائی اور چچا میں اور دوسرے معنی سب سے
زیادہ باپ میں اور اسکے بعد بیٹے میں پھر عینی بھائی پھر علاتی بھائی میں پائے جاتے ہیں اور قرابت قریبہ کا مظنہ ہے
نہ بعیدہ کا اسیوجہ سے جو چچا کے لئے حکم ہے پھوپھی کیلئے حکم نہیں ہے کیونکہ پھوپھی مصیبت کے وقت کام نہیں آسکتی جسطرح
چچا کام آتا ہے اور پھوپھی قرابت میں ہمشیرہ کے برابر نہیں ہے۔

اور ازانجملہ یہ ہے کہ مرد اور عورت اگر ایک ہی درجہ کے ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دیجاتی ہے کیونکہ عزت کی
حمایت کیلئے مرد ہی مخصوص ہیں اور دوجہ یہ بھی ہے کہ مردوں پر بعض تہمت ہوتے ہیں پس یہ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو وہ
مال جو بمنزلہ صفت کے ہے دیا جاوے بخلاف عورتوں کے کہ اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں پر بار ہو بیٹھتے ہیں
اللہ پاک فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضهم علی بعض وبما انفقوا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں بسبب اس بات
کے کہ خدا تعالے نے بعض آدمیوں کو بعض پر بزرگی دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے خرچ کیا ہے اور ازانجملہ ثلث
باقی کے مسئلہ کے اندر فرماتے ہیں خدا تعالے نے ماں کیلئے باپ پر فضیلت ہونیکا سبب بجز اسکے کوئی اور نہ سوچا یا
ہے کہ جب کہ مرتبہ باعث عصوبت اور فرض کے جمع ہونے کے باپ کی فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے تو دو بار اسکا حصہ
زیادہ کرنیکیلئے اسکی فضیلت کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ اسمیں اور وارثوں کی حق تلفی ہے اور ماں کی اولاد میں سے ذکور کو اس
شخص کی عزت کی حمایت اور اسکی طرف سے مدافعت نہیں ہوتی کیونکہ یہ اولاد دوسری قوم کی ہوتی ہے لہذا ذکور کو انثی پر
فضیلت نہیں دیگئی اور دوسرے انکی قرابت ماں کی قرابت سے پیدا ہوتی ہے اسلئے وہ سب اولاد بمنزلہ ماں کا ثلث کے
ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبہ کے ہیں تب تو اس
ورثہ کی تقسیم انپر ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر انکے درجے مختلف ہیں تو اسکی دو صورتیں ہیں
یا تو وہ سب ایک نام و ایک جہت میں داخل ہیں ور اسمیں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہوکر اسکو محروم کر دیتا ہے
کیونکہ توریث معاونت پر رغبت دلانیکیلئے مقرر کیا گیا ہے اور قرابت اور تعاون سب میں پایا جاتا ہے مثلاً شفقت و محبت
ان سب میں پائی جاتی ہے جنکو ماں کا نام شامل ہے اور جسکو بیٹے کا نام شامل ہے اسمیں تمام رشتہ داری کی اور جسکا نام عصبہ ہے
اسمیں حمایت کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہ مصلحت اسوقت متحقق ہو سکتی ہے جبکہ وہ شخص متعین ہو جائے جو ان باتوں پر اپنے نفس کو
مجبور کرے اور اسکے ترک سے اسپر ملامت کیجاوے اور سب لوگوں میں وہ شخص اس کے ملنے کیساتھ متمیز ہو اور حقوق کی
کمی بیشی ایسی چیز نہیں جسکا زیادہ تر خیال کیا جاوے یا انکے وجہات مختلف ہوں اسکا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص مظان
غالبہ کے اعتبار سے خدا کے نزدیک زیادہ تر قریب اور کام آنیوالا ہے بعید کیلئے حاجب ہوکر اسکے حصہ کو کم کر دیتا ہے
اور ازانجملہ یہ ہے کہ سہام جنسے حصوں کی تعیین ہوتی ہے انکے اجزاء ظاہر ہوں کہ محاسب وغیرہ سب ظاہر میں انکی تمیز
کر سکیں اور آنحضرت صلعم نے اپنے اس قول میں انا امة امية لا نکتب ولا نحسب ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب
کرتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جاتا ہے اسمیں یہ بات ضروری ہے
کہ ایک تو حساب کرنے میں تعمق کرنیکی حاجت نہ ہو اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی بیشی کی ترتیب اسمیں معلوم ہو جائے
لہذا شرع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کئے ایک تو ثلثین اور ثلث اور سدس ہے اور دوسرے نصف
ربع ثمن کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی اول الاعداد ہیں اور انکی تین مرتبہ پائے جاتے ہیں جنمیں سے ہر ایک کو دوسرے کے
ساتھ وہ نسبت ہے جو ایک شے کو اپنے اوپر دو چند کے ساتھ اور اپنے نصف کیساتھ ہوتی ہے کمی بیشی کے
ظاہر اور محسوس ہونیکا یہ ادنے درجہ ہے پھر جب ایک زیادتی کا دوسری زیادتی کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو وہ تنبیہ

بعد ہو جاتی ہیں جو بہ تدریج میں ضروری ہیں مثلاً اگر نصف پر کچھ بڑھایا جائے اور کل سے کم ہے تو دو ثلث ہو گئے اور
نصف سے جب کم کیا جائے اور ربع سے کم رہے تو ثلث ہو گیا اور خمس اور سبع کا اعتبار نہیں کیا گیا اسلئے کہ انکے
تخرج میں بڑی دقت ہے اور اسمیں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے میں تعمق فی الحساب کی ضرورت ہے اللہ پاک فرماتا ہے یوصیکم اللہ
فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف سکھاتا ہے
تمکو خدا بتاتے تمہاری اولاد میں مرد کے لئے برابر حصہ دو عورتوں کے ہے پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہیں پس انکو میت
کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اسکے لئے نصف ہے میں کہتا ہوں مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہوتا ہے اس
لئے کہ خدا بتاتا ہے فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ - اور اکیلی بیٹی کے لئے نصف ترکہ کیونکہ اگر اکیلا بیٹا ہوتا ہے
تو اسکو سارا مال ملتا ہے پس اس حساب سے اکیلی بیٹی نصف کی مستحق ہے - اور دو بیٹیوں کا حکم بالاجماع تین کا ہے
اور دو ثلث انکو اسواسطے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہو تو اس بیٹی کو ثلث ملتا ہے اسلئے دوسری بیٹی کا بطریق
اولیٰ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے اور عصبہ کیلئے ثلث اسلئے زیادہ کیا گیا اسلئے کہ بیٹوں سے بھی معاونت ہوتی ہے
اور عصبات سے بھی ہوتی ہے پس ایک دوسرے کو ساقط نہ کریگا لیکن حکمت کا مقتضیٰ ہے کہ جو شخص نسب کی عمود میں
داخل ہے اسکو ان لوگوں پر جو عمود کے ادھر ادھر ہیں فضیلت دیجائے اور وہ ثلث میں سے دو ثلث کی نسبت ہی
اور ایسا ہی والدین کا بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ حال ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک
ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس - اور اسکی ماں باپ کیلئے دونوں میں سے
ہر ایک کو اسکے ترکہ میں سے سدس ہے اگر اسکے اولاد ہو پس اگر اس کے اولاد نہیں ہے اور اس کے ماں باپ اس
کے وارث ہوتے ہیں تو اسکی ماں کو ثلث ہے پھر اگر اسکے بھائی ہیں تو اس کی ماں کو سدس ہے میں کہتا ہوں تم کو یہ بات
معلوم ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد وراثت کی زیادہ تر مستحق ہوتے ہیں اور اسکی صورت یہ ہے اولاد کو دو ثلث
اور والدین کو ثلث دیا جائے اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے اسلئے زیادہ مقرر نہیں کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام سمجھے
اور انکی معاونت کے اعتبار سے عصبہ کیساتھ باپ کی فضیلت کا اکثر تہ اعتبار ہو چکا ہے اسلئے بعینہ اس فضیلت
کا فی التضعیف میں اعتبار نہ کرینگے اور جس صورت میں بیٹے کے اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ کوئی حقدار نہیں ہے لہذا
سب ترکہ یہیں کو ملیگا اور باپ کو ماں پر فضیلت ہوگی اس بات کو تم معلوم کر چکے کہ ان مسائل کے اندر اکثر جس فضیلت
کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ فضیلت ... سے پھر اگر ماں اور بھائی وارث ہوں یا دو بھائی یک سے زیادہ ہوں تو ماں کو
چھٹا حصہ دیا جائیگا کیونکہ اگر بھائی عصبہ نہیں ہے اور عصبات اس سے بعید ہیں تو عصبیت اور شفقت و محبت
برابر ہے نصف انکو اور نصف انکو ملیگا اور وہ نصف ماں باپ اور انکی اولاد پر تقسیم کیا جائیگا اس حساب سے ماں کو لامحالہ
چھٹا حصہ دلایا جائیگا اور اس سے کم نہ ہوگا اور باقی ان سب کو دلایا جائیگا اور اگر بھائی عصبات ہیں تو انمیں قرابت
قریبہ و حمایت دونوں پائی جاتی ہیں اور بسا اوقات انکے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند پھر
اگر ماں کو سدس نہ دلایا جائے تو انکو تنگی و دقت ہو اور اللہ پاک فرماتا ہے ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد

فان كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها او دين ۚ ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد فان كان لكم ولد فلهن الثمن
مما تركتم من بعد وصية توصون بها او دين ۔ اور تم کو اور تمہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف ہے اگر انکی اولاد نہ ہو پس اگر انکی اولاد ہو
تو انکے ترکہ میں سے تم کو ربع ہے بعد وصیت کے جس چیز کی انہوں نے کی ہو یا دین کے ۔ اور بیبیوں کو تمہارے
ترکہ میں سے اگر تمہاری اولاد نہیں ہے تو ربع ہے پھر اگر تمہارے اولاد ہے تو انکو تمہارے ترکہ میں سے ثمن ہے بعد اس
چیز کے وصیت کے جو تم نے کی ہے یا قرض کے ۔ میں کہتا ہوں خاوند کو دونا اسلئے ملتا ہے کہ اسکو بیوی اور اسکے مال پر
قبضہ ہوتا ہے پس بالکل مال کے اسکے قبضہ سے نکلنے میں اسکی ضرر رسانی اور دوسرے یہ کہ خاوند اپنا مال اسکی
سپرد میں رکھتا ہے اور اپنے مال میں اسکو امین سمجھتا ہے اسی خیال سے کہ بیوی کے مال میں اسکا بڑا حق ہے اور بیوی
خاوند سے خدمت اور ہمدردی اور حق محبت کا لیتی ہے لہذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے
الرجال قوامون علی النساء پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ خاوند بیوی کو زیادہ حصہ لینے سے اور زیادہ تر تنگی نہ ہو اور یہ
بات معلوم ہو چکی ہے کہ اکثر مسائل میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تقسیم ہے اللہ پاک فرماتا ہے
وان كان رجل يورث كلالة او امرأة وله اخ او اخت فلكل واحد منهما السدس فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث اگر وہ
شخص جسکا ورثہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو اور اس مرد کے بھائی یا بہن ہو پس ان دونوں میں سے ہر ایک کو سدس ہے اور
اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ثلث میں شریک ہونگے ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آیت ماں کی اولاد میں وارد ہے
اور یہ اجماع ہو چکا ہے اور چونکہ اس شخص کے نہ باپ ہے نہ اولاد ہے اسلئے شفقت کے لحاظ سے اگر انہیں ماں ہے
تو انکو نصف ہے اور نصف معاونت اور حمایت کے اعتبار سے اور اگر ماں نہیں ہے تو دو ثلث انکا ہے اور ایک
ثلث انکا ہے اللہ پاک فرماتا ہے يستفتونك قل الله يفتيكم في الكلالة ان امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما
ترك وهو يرثها ان لم يكن لها ولد فان كانتا اثنتين فلهما الثلثان مما ترك وان كانوا اخوة رجالا ونساء فللذكر مثل حظ الانثيين ۔
تجھسے مسئلہ دریافت کرتے ہیں کہدے خدا تعالیٰ تم کو بیان کرتا ہے اگر کوئی مرد مر جاوے جسکے کچھ اولاد نہ ہو اور اسکی
ہمشیرہ ہو تو اسکی ہمشیرہ کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ہے اور وہ مرد اسکا وارث ہوگا اگر اسکے اولاد نہیں ہے پھر اگر دو ہمشیر
ہوں تو ان دونوں کو اسکے ترکہ میں سے دو ثلث ہے اور اگر انکے بھائی بہنیں ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ہے
میں کہتا ہوں کہ یہ آیت ماں باپ کی اولاد میں وارد ہے خواہ وہ بھی اعیانی ہوں یا بنی علات ہوں ۔ کلالہ اس
شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے نہ باپ ہو نہ اولاد ہو اور اللہ پاک کا یہ قول ليس له ولد ۔ کلالہ کی بعض حقیقت کو ظاہر کرتا ہے
الحاصل جس شخص کے کوئی ایسا وارث ہو کہ نسب کے عمود میں داخل ہو تو وہ لوگ جو اولاد کے بعد سب سے زیادہ قریب اور
اولاد کے مشابہ ہیں اولاد ہی پر محمول ہوں اور وہ برادر اور ہمشیرہ ہے رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے الحقوا الفرائض باهلها
فما بقي فهو لاولى رجل ذكر ۔ تمام حصہ انکے حقدار کو دیدو پھر جو باقی رہے تو وہ اس مرد ذکر کا ہے جو سب سے زیادہ
قریب ہے میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہو چکی کہ توارث کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے جن کو ہم بیان کر چکے اور محبت و
شفقت کا صرف ان قرابت میں [illegible] جو بہت قریب ہے [illegible] بھائی [illegible] سوا [illegible] سے

بچ ہے تو وارث میت کے قائم مقام ہونے اور اسکی معاونت کرنے کے اعتبار سے متعین ہوگا اور میت کے قوم
اور اُسکے نسب اور اسکے درجہ کے لوگ ہیں الاقرب فالاقرب۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایرث المسلم
الکافر ولا الکافر المسلم۔ نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حکم اسلئے دیا گیا ہے تاکہ کافر و مسلمان
میں ہمدردی نہ ہونے پائے کیونکہ مسلمان کا کافر سے اختلاط رکھنا باعث اُسکے دین کے فساد کا ہوگا چنانچہ اللہ پاک
نکاح کے حکم میں فرماتا ہے اولئک یدعون الی النار۔ وہ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
القاتل لایرث قاتل کو ورثہ نہیں پہونچتا میں کہتا ہوں یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اکثر اوقات وارث مال لینے کی خاطر اپنے
مورث کو مار ڈالتا ہے مثلاً چچازاد بھائی وغیرہ اس وقت میں اس طریقہ کا انہیں مقرر کرنا ضروری ہوا کہ اس فعل کے مرتکب
ہونیوالے نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے وہ ناامید کیا جائے تاکہ یہ مفسدہ رفع ہو اور یہی طریقہ متوارث چلا آتا ہے کہ غلام کو
کسی کا ورثہ ملتا ہے نہ اور کسی کو غلام کا ورثہ ملتا ہے کیونکہ غلام کا مال مولا کا مال ہوتا ہے اور مولیٰ اجنبی شخص ہوتا ہے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی العلات۔ البتہ ماں کی اولاد میں جو
بنی اعیان ہیں تو ورثہ جاری ہوتی ہے بنی علات میں نہیں ہوتی میں کہتا ہوں اس کا سبب ہم بیان کر چکے ہیں کہ
میت کی قائم مقامی کا مبنا خصوصیت پر ہے اور قریب بعید کا حاجب ہو کر اسکو محروم کر دیتا ہے اور خاوند و ماں باپ اور
بیوی اور ماں باپ کی صورت میں اس بات پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ ماں کو باقی کا ثلث ملتا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے
بخوبی بیان کر دیا ہے اور فرمایا ہے ماکان اللہ لیرینی ان افضل اما علی اب اور آنحضرت صلعم نے اکثر تبہ ایک بیٹی ایک پوتی
اور ایک اخت عینی کی صورت میں با ینطور حکم دیا کہ بیٹی کو النصف اور پوتی کو سدس اور ہمشیر کو باقی ہیں کہتا ہوں اسکا سبب
یہ ہے کہ بعید قریب کا اُسکے حصہ میں مزاحم نہیں ہوتا ہے اور جو باقی رہے تو بعید اسکا حقدار ہوتا ہے تاکہ خدا تعالے
نے اس صنف کیلئے جو مقرر کیا ہے اُسکا استیفا کرے پس بیٹی کو پورا النصف ملیگا اور بیٹی پوتی کے حکم ہے پس
حقیقی بیٹی کے مزاحم نہ ہوگی اور بیٹیوں کے حصہ سے باقی اُس کو ملجائیگا پھر ہمشیر عصبہ ہوئی اس لئے کہ اس میں
بیٹی کے قائم مقام ہونیکے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ مورث کے درجہ کی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاوند
اور ایک ماں اور حقیقی بھائیوں اور اخیافی بھائیوں کے باب میں فرمایا کہ باپ نے اُنکی قرابت کو ہی بڑھایا ہے حضرت
ابن مسعود اور زید اور شریح وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اسی حکم کو قبول کیا اور قوانین شرعی کے ساتھ یہ حکم زیادہ مناسب ہے
اور دادی کیلئے سدس کا حکم دیا کیونکہ ماں کے نہ ہونے کی صورت میں دادی ماں کے قائم مقام ہے حضرت ابو بکر اور
حضرت عثمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم دادا کو باپ کا حکم دیتے تھے اور میرے نزدیک یہ قول سب سے بہتر ہے اور
ولا میں یہ راز ہے کہ اسمیں معاونت و نصرت کی محافظت پائی جاتی ہے پس موالفت اُسکا زیادہ مستحق ہے
بعد ازاں اُسکے قوم کے مرد درجہ بدرجہ واللہ اعلم۔

تدبیر منزل کے ابواب کا بیان

معلوم کرو کہ فن تدبیر منزل کے اصول تمام عرب وعجم کے نزدیک مسلم ہیں البتہ انکی صورتوں میں اختلاف ہے۔ و آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا کئے گئے اور حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ تمام دنیا میں بانیطور کلمۃ اللہ کا اعلان ہو کہ عرب کا دین تمام ادیان پر غالب کیا جاوے اور تمام دنیا کے عادات عرب کے عادات سے منسوخ کئے جاویں اور تمام دنیا کی کوئی بات عرب کی بات سے منسوخ کیجاوے لہٰذا یہ بات ضروری ہوئی کہ بغیر عرب کی عادات کے تدبیر منزل کسی صورت سے نہیں ہو سکتی ور نیز خود ان صور و اشباح کا اعتبار ضروری ہوا اور ہم اکثر ضروری باتیں مقدمہ باب میں ارتفاقات وغیرہ کے اندر بیان کر چکے ہیں وہاں دیکھنا چاہیئے۔

نکاح کے متعلق گفتگو اور اسکے متعلقات کا بیان

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ اے گروہ جوانوں کے جو شخص تم میں سے نکاح کی طاقت رکھے تو اسکو نکاح کرنا چاہیئے کیونکہ نکاح کرنے میں نگاہ پست رہتی ہے اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے۔ اور جو کوئی اسکی طاقت نہ رکھے تو اسکو روزہ رکھنا چاہیئے اسلئے کہ روزہ خصی کر دیتا ہے۔ معلوم کرو کہ بدن کے اندر جب کثرت سے منی پیدا ہوتی ہے تو اسکے ابخرہ دماغ کیطرف چڑھتے ہیں تو اسکا دل کسی خوبصورت عورت کے دیکھنے کو چاہتا ہے اور اسکی محبت اسکے قلب پر غالب ہو جاتی ہے اور اس منی کا ایک حصہ پیشاب گاہ کیطرف اترتا ہے جس سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور شدت سے خواہش ہوتی ہے اور اکثر یہ بات جوانی کے زمانہ میں ہوتی ہے اور حجابات طبع میں سے یہ ایک بہت بڑا حجاب ہے جو اسکو احسان کی صفت میں غور کرنے سے مانع ہو جاتا ہے اور زنا کیطرف اسکو رغبت دلا کر اس شخص کی عادت بگاڑ دیتا ہے اور باہمی فساد سے بڑی بڑی بلاؤں میں وہ شخص پڑ جاتا ہے لہٰذا اس حجاب کا دور کرنا ضروری ہوا پس جو شخص جماع کی استطاعت رکھتا ہو اور اسپر قادر ہو بایں طور کہ مقتضائے حکمت کے موافق کوئی عورت اس کو مل جاوے اور اسکا خرچ اٹھا سکے تو اس شخص کیلئے نکاح سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ نکاح کرنے سے نگاہ پست رہتی ہے اور آدمی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے کیونکہ اسکے سبب سے منی کثرت سے خارج ہوتی رہتی ہے اور جس شخص میں اسکی استطاعت نہ ہو تو اسکو روزہ رکھنا چاہیئے کیونکہ روزہ رکھنے کو ہیجان طبعی کے فرو کرنے اور اسکے جوش کم کرنے میں بہت دخل ہے اسلئے کہ اسمیں منی کے مادہ کا کم کرنا ہے پس تمام اخلاق فاسدہ جو کثرت اختلاط سے پیدا ہوتے ہیں وہ روزہ کے سبب سے بدلجاتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم نے اکثر بہ عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کو تبتل سے منع فرمایا اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا تعالےٰ سے خوف کرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ میں اس سے خوف کرتا ہوں مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پھر جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے معلوم کرو کہ نصاریٰ میں سے انبیاء اور رہبان ترک نکاح کو قربت الٰہی کا سبب سمجھتے تھے وہ ان کا خیال غلط تھا

اسلئے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ جسکو خدا تعالے نے لوگوں کے لئے پسند فرمایا ہے وہ صرف اصلاح طبیعت اور اُسکی کجی کا دور کرنا ہے
تمام فواحش سے اُسکا جدا کرنا مقصود نہیں ہے اور ہم پورے طور پر اسکا بیان کر چکے ہیں پھر ایسی عورت کیطرف پھیری ضرور
ہے جسکا نکاح حکمت شرعی کے موافق ہو اور تدبیر منزل کے مقاصد پورے طور پر اُس سے حاصل ہو سکیں اسلئے کہ خاوند بیوی کی
صحبت لازمی ہے اور جانبین سے حق ضروری ہوتے ہیں پس اگر عورت بدطینت ہے تو اسکی سرشت و عادت میں کجی اور زبان میں
اسکی نحوست داخل ہے تو اس شخص پر باوجود فراخ ہونیکے دنیا تنگ ہو جائیگی اور وہ مصلحت فساد کیطرف منقلب ہو جائیگی اور اگر
صالحہ ہے تو اُسکی وجہ سے کامل طور پر گھر کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ہر طرف سے اس شخص کیلئے اسباب خیر مہیا ہو جائینگے۔ چنانچہ
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الدنیا متاع وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة۔ دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی بہتر پونجی صالحہ بیوی ہے اور آپنے
فرمایا ہے تنکح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك۔ چار باتوں کے سبب سے عورت سے نکاح
کیا جاتا ہے اُسکے مال کے سبب سے اور اُسکے حسب کیوجہ سے اور خوبصورتی کیوجہ سے اور دین کے سبب سے پس دیندار پر
ظفر یاب ہو خاک میں مل جاویں تیرے دونوں ہاتھ معلوم کرو کہ بیوی کے پسند کرنے میں لوگ جن مقاصد کا قصد کرتے ہیں وہ
غالبا چار باتیں ہیں ایک تو اُسکے مال کیوجہ سے کہ اس شخص کو اُسکے مال کیطرف رغبت ہوتی ہے اور اُسکو امید ہوتی ہے کہ مال
کے ساتھ وہ عورت اُسکی غمخواری کریگی۔ اور اُسکی اولاد ماں کے مالدار ہونے کیوجہ سے غنی ہو جائیگی کیونکہ ماں کے ترکہ میں اُنکو یہ
مال ملیگا اور ایک عورت کے حسب کیوجہ سے یعنی اس عورت کے باپ دادا خاندانی ہوتے ہیں تو اسکے ساتھ نکاح کرنے
میں وہ اپنی عزت سمجھتا ہے کیونکہ عزت داروں میں نکاح کرنا شرف و عزت کا سبب ہوتا ہے اور ایک خوبصورتی کیوجہ سے کیونکہ طبیعت
بشری کو جمال کیطرف رغبت ہوتی ہے اور بہت سے لوگ شہوت کے مغلوب ہوتے ہیں اور ایک اُسکے دین کے سبب سے یعنی وہ
عورت صاحب عفت اور صاحب ایمان ہوتی ہے اور خدا کے نزدیک وہ مقرب ہوتی ہے۔ مال و عزت تو ایسی چیزیں ہیں
کہ جن لوگوں پر رسم دنیا کا حجاب غالب ہے وہ اُنکا قصد کرتے ہیں اور جمال و شباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ جنپر حجاب طبعی کا غلبہ ہے
اُنکو مقصود ہوتی ہیں اور دین اُس شخص کا مقصود ہوتا ہے جو فطرت کے اعتبار سے مہذب ہو گیا ہے اور اس بات کو
چاہتا ہے کہ دین میں اُسکی بیوی اُسکی معاونت کرے اور اہل خیر کیساتھ صحبت کی اُسکو رغبت ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے
خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناه على ولد في صغره وارعاه على زوج في ذات يده جتنی عورتیں اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں۔
انہیں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں سب آدمیوں سے زیادہ اُنکو اپنے بچے کے ساتھ اُسکے بچپن میں محبت ہوتی ہے
اور سب سے زیادہ اپنے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ بات پسندیدہ ہے کہ بیوی اُس قبیلہ و خاندان
کی ہو جسکی عورتیں خوش اخلاق ہوتی ہیں کیونکہ سونے و چاندی کی کانوں کی طرح آدمیوں کی بھی کانیں ہیں اور ہر انسان پر اُسکی
قوم کی رسوم و عادات اسپر اسقدر غالب ہوتی ہیں کہ گویا اُسکی سرشت میں داخل ہیں اور آنحضرت صلعم نے اس بات کا بیان
فرمایا کہ سب عورتوں سے بہتر قریش کی عورتیں ہوتی ہیں اسلئے کہ سب سے زیادہ اپنی چھوٹی چھوٹی اولاد کو اُنکو شفقت ہوتی ہے
اور اپنے خاوند کے مال و غلام وغیرہ کی حفاظت سب سے زیادہ کرتی ہیں۔ اور نکاح کے جو مقاصد ہوتے ہیں ان سب میں
یہ دو بڑے بڑے مقصد ہیں اور انہیں سے تدبیر منزل کا انتظام ہوتا ہے اور اگر تم آجکل ہمارے ملک کے مادر و الشہر وغیرہ کی تفتیش

کردیگی تو عادات صالحہ میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور مستقل ان باتوں میں قریش کی بیویاں ہیں دیکھو۔ علاوہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے
تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ کہ نکاح کرو تم ایسی عورتوں سے جو زیادہ بچے والی اور زیادہ محبت والی ہوں کیونکہ میں تمہارے
سبب کثرت میں مقابلہ کرنیوالا ہوں میں کہتا ہوں کہ خاوند بیوی کی باہم محبت کیوجہ سے مصلحت خانگی پورے طور سے
قائم رہیگی اور بسبب کثرت اولاد کے مصلحت مدنیہ اور ملیہ کے خوب تکمیل تمیم ہوگی اور عورت کو خاوند کے ساتھ محبت کا ہونا اسکے
صحت مزاج اور قوت طبیعت کی دلیل ہے اور غیروں کیطرف نظر کرنے سے مانع اور کنگھی وغیرہ سے سنگار کرنے کے باعث سے
اور ہمیں خاوند کی شرمگاہ اور اسکی نظر کی حفاظت ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ
ان لا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض۔ جب کوئی شخص تمہارے پاس پیام نکاح کا دے جسکی دینداری و عادت سے
تم راضی ہو اسکے ساتھ تم نکاح کردو اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات
ثابت نہیں ہوتی کہ نکاح کے اندر کفویت کا اعتبار نہیں ہے اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ ہر قوم کے لوگوں کی سرشت میں
کفویت کا اعتبار ہے اور کبھی تو کفویت کا نقصان تنگی سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں اور شریعت ایسی باتوں کو
مہمل نہیں چھوڑتی اسی لئے حضرت عمر نے فرمایا ہے کہ میں عورتوں کو بجز انکے کفو کے لوگوں کے سب سے ممانعت کرونگا بلکہ آنحضرت صلعم
کی مراد یہ ہے کہ جب اس شخص کے دین و عادت پسندیدہ ہوں تو اسکے بعد حقیر چیزوں پر مثل قلت مال اور بیئت حال اور بدصورتی یا ام ولد
کے اولاد وغیرہ ہونے پر نظر نہ چاہیئے کیونکہ تدبیر منزل کا مقصود اعظم خوش خلقی کیساتھ صحبت میں رہنا اور اسکے سبب سے دین کی اصلاح کا
ہونا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الشوم فی المرأۃ والدار والفرس۔ نحوست عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی ہے میں
کہتا ہوں اس حدیث کی طرح تفسیر جسکو حدیث کا مورد چاہتا ہے کہ ان چیزوں میں کوئی سبب اکثر سے پسندیدہ پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے
عورت برکت سے برطرف اور شوم ہوا کرتی ہے۔

اور سبب یہ ہے مرد کو یہ بات خوش کرتے اپنے نفس کو ساتھ ترک کرنے نکاح کے اس عورت کیساتھ جسکی نحوست پر
کوئی تجربہ پایا جائے اگرچہ وہ خوبصورت ہو اگرچہ وہ صاحب مال ہو اور حکمت کا مقتضی ہے کہ باکرہ کو اختیار کرے بشرطیکہ بالغہ
ہو کیونکہ اسکا اندر وار و فریب کے معنی کم ہوتے ہیں اسلئے وہ ادنیٰ وجہ سے راضی ہو جاتی ہے اور بسبب قوی ہونے کی جوانی
کے بیچ کثرت عمل کیلئے اور ادب کی صلاحیت بھی اقرب ہے جیسے حکمت کا مقتضی ہے اور نیز حفظ شرمگاہ اور نظر کو محفوظ رکھیگی
بخلاف ثیبات کے (ثیبہ بیوہ عورت کو کہتے ہیں) کہ وہ داؤ و فریب سے خوب آگاہ ہوتی ہیں اور بداخلاق و قلیل الاولاد ہوتی ہیں
اور وہ مثل اول منقوش کے ہوتی ہیں کوئی ادب انمیں اثر نہیں کرتا ہے بارہا ایک جگہ اس شخص کو تدبیر خانگی مقصود ہو کیونکہ بغیر
تجربہ کار عورت کے انتظام نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ جابر نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل۔ جب کوئی تم میں سے کسی عورت سے پیام نکاح
کا دے پس اگر وہ شخص اس چیز کو جو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے اور فرمایا ہے
فانہ احری ان یودم بینکما کیونکہ یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لئے انسب ہے اور آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ
فرمایا ہل رأیتھا فان فی عین الانصار شیئا تو نے اسکو دیکھ بھی لیا ہے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے میں

کہتا ہوں مخطوبہ کو دیکھ لینا اسواسطے مستحب کیا گیا ہے کہ دیکھ لینے کے بعد جو نکاح واقع ہوگا ہوشمندی کیساتھ ہوگا اور وہ ندامت جو بلا دیکھے بھالے نکاح کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور پھر اسکے رد کرنے سے پیدا ہوتی ہے ایسے وقت میں پیش نہیں آتی۔ اور دیکھنے کے بعد اسکو رد کرنا آسان ہوتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں نکاح شوق اور نشاط کیساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اسکی طبیعت کے موافق ہوتا ہے۔ وہ عقلمند آدمی جبتک کسی چیز کی برائی بھلائی پہلے معلوم نہ کرے اسکا اقدام نہیں کرتا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان اذا احدکم اعجبته المرأة فوقعت فی قلبه فلیعمد الی امرأته فلیواقعها فان ذلک یرد ما فی نفسه۔ عورت شیطان ہی کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی سی صورت میں پشت کرتی ہے تم سے جب کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو اور اسکے دلمیں وسوسہ پیدا ہو تو اسکو چاہیئے کہ اپنی بیوی کیطرف قصد کرے اور اس سے صحبت کرے اسلئے کہ اس سے اسکے دل کا وسوسہ جاتا رہتا ہے۔ معلوم کرو کہ شہوت فرج سب شہوتوں سے بڑھکر شہوت ہے اور سب سے زیادہ قلب پر اسکا غلبہ ہوتا ہے اور یہ شہوت انسان کو بڑی بڑی ہلاکت میں ڈالتی ہے اور عورتوں کی طرف دیکھنے سے یہ شہوت پیدا ہوتی ہے اس حدیث سے یہی مراد ہے المرأة تقبل فی صورة شیطان الخ پس جب کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور اسکے قلب میں اسکا شوق اور بیقراری پیدا ہو تو حکمت کا مقتضی ہے کہ اس شوق کو یوں حالہ نہ چھوڑا جائے کیونکہ ایسی صورتمیں وہ شوق آہستہ آہستہ زیادہ ہو ہوکر اسکے قلب پر غالب آجائیگا اور قلب کے اندر اسکا تصرف جاری ہو جائیگا اور ہر چیز کی ایک مد ہوتی ہے جس سے وہ چیز قوی ہو جاتی ہے اور ایک تدبیر ایسی ہوتی ہے جس سے وہ چیز کم ہو جاتی ہے پس عورتوں کیطرف رغبت کی مد منی کے ظروف کا پر ہونا اور اس سے دماغ کیجانب بخارات کا صعود کرنا ہے اور اسکے کم کرنے کی تدبیر ان ظروف کا منی سے خالی کر دینا ہے اور نیز جب اس کا قلب جماع کرنے کیطرف مشغول ہوگا تو وہ وسوسہ اسکے دل سے نکل جائیگا اور جس چیز کیطرف اسکی توجہ تھی وہ توجہ اسکو نہ رہیگی اور جب ایک چیز کے استحکام سے پہلے اسکا علاج کر لیا جاتا ہے تو ادنی کوشش سے وہ چیز رفع ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یخطب الرجل علی خطبة اخیه حتی ینکح او یترک کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے جبتک وہ نکاح نہ کر لے یا ترک نہ کر دے۔ میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے کہ جب ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کی گفتگو کی اور عورت کو بھی اسکی طرف میلان ہو گیا تو اس شخص کے گھر آباد ہونے کی صورت ظاہر ہو گئی پس اب اس شخص کی امید کو توڑنا اور جس چیز کے وہ درپے ہے اس سے اسکو نا امید کر دینا اسکے ساتھ بدخواہی اور ظلم کرنا اور اسکو تنگ کرنا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تسأل المرأة طلاق اختها لتستفرغ صحفتها ولتنکح فان لها ما قدر لها کوئی عورت اپنی مسلمان بہن کی طلاق کی خواستگاری اسلئے نہ کرے تاکہ اسکے برتن کو خالی کر کے اپنا نکاح اس شخص سے کرے کیونکہ اسکو وہی ملیگا جو اسکے تقدیر میں ہے۔ میں کہتا ہوں اسمیں یہ حکمت ہے کہ اسکی طلاق کا چاہنا اسکے ساتھ کاٹ کرنا اور اسکی روزی کے خراب کرنے میں کوشش کرنا ہے اور شہر کے فساد کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے روزگار کی کاٹ کرے بلکہ خدا تعالے کی مرضی تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی روزی اس طریقہ سے جو خدا تعالے نے اسکے لئے آسان کیا ہے حاصل کرے اور دوسرے کی روزی کا ازالہ نہ چاہے۔

ستر کا بیان

معلوم کرو کہ جب عورتوں کو دیکھنے سے مردوں کے دل میں انکا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور اسیطرح عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ اس بات کا سبب ہو جاتا ہے کہ بغیر سنت راشدہ کے اُنسے قضاء شہوت کیا جاوے مثلاً اُس عورت کیطرف توجہ کرنا جو دوسرے کا ناموس ہے یا بلا نکاح کسی عورت سے توجہ کرنا یا بلا اعتبار کفو کے کسی کیساتھ نکاح کرنا اور اس باب میں جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے وہ اس بیان سے مستغنی ہے جو دفتروں میں مذکور ہے پس حکمت کا مقتضی یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جاوے اور چونکہ بنی آدم کی حاجات مختلف ہیں اور انکا اختلاط بضرورت ہے لہذا ضروری ہوا کہ حاجات کے اعتبار سے ممانعت نظر کے کئی درجے مقرر کئے جائیں اسواسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقے مسنون اور مشروع فرمائے ایک تو یہ کہ عورت اپنے گھر سے بلا ایسی ضرورت کے جسکے بغیر چارہ ہی نہ ہو باہر نہ جاوے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان۔ عورت ستر کی چیز ہے پس جب گھر سے باہر ہوتی ہے شیطان نگاہ اٹھا کر اسکی طرف دیکھتا ہے میں کہتا ہوں اسکے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا گروہ اسکو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے یا اسمیں فتنہ کے اسباب مہیا کرنے سے کنایہ ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے وقرن فی بیوتکن اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ اور حضرت عمرؓ کو چونکہ اسرار دین کا علم دیا گیا تھا اسلئے آپکی تمنا تھی کہ خدا تعالے کیطرف سے اس پردہ کا حکم نازل ہو حتیٰ کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سودہ کو آواز دی یا سودة انک لاتخفین علینا اے سودہ آپ ہم سے چھپ نہیں سکتی لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب معلوم کیا کہ بالکل اس باب کے سد و در کرنے میں حرج عظیم ہے اسلئے آپنے گھر میں بیٹھنا انکے لیے مستحب کیا واجب نہیں کیا اور فرمایا اذن لکن ان تخرجن الی حوائجکن۔ تمکو اپنی حاجات کیلئے باہر نکلنے کیلئے اجازت دیگئی دوسرے یہ کہ عورت اپنے اوپر پردہ ڈالے رہے اور بجز خاوند یا ذی رحم محرم کے کسی کے سامنے مواضع زینت کو نہ کھولے اللہ پاک فرماتا ہے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم ویحفظوا فروجہم ذالک ازکی لہم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارہن الی قولہ تفلحون۔ ایمان والوں سے کہدے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے فرجوں کی حفاظت کریں یہ اُنکے لئے زیادہ پاکیزہ ہے بیشک خدا اُنکے کاموں سے خبردار ہے اور مسلمان عورتوں سے کہدے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگھار بجز ظاہری سنگھار کے کسی کے سامنے نہ کھولیں مگر اپنے خاوندوں کیلئے یا اپنے آبا کیلئے یا خاوندوں کے باپوں کیلئے یا اپنے بیٹوں کیلئے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کیلئے یا اپنے بھائیوں کیلئے اخیر آیات تک۔ پس خدا تعالے نے ان اعضا کے کھولنے کی اجازت دی ہے جنسے شناخت ہوسکتی ہے یعنی منہ اور اکثر جن اعضا سے کام کاج ہوتا ہے اور وہ دونوں ہاتھ ہیں اور انکے سوا سب اعضا کا ستر واجب ہے مگر خاوند و ذو ذی رحم محرم اور اپنے غلاموں کے سوا۔ اور جو عورتیں گھر کی بیٹھنے والی ہیں نکاح کا قصد نہیں رکھتی ہیں انکو اس بات کی اجازت دی کہ اپنے کپڑے اتار رکھا کریں تیسرے یہ کہ کوئی مرد کسی عورت کیساتھ تنہائی میں نہ رہے جبتک کوئی تیسرا وہاں ایسا موجود نہ ہو جسکا وہ دونوں لحاظ کرتے ہوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا لا یبیتن رجل عند امرأة ثیب

الا ان یکون ناکحا او ذا محرم۔ آگاہ ہو جاؤ کہ کوئی مرد کسی خاوند دیدہ عورت کے پاس شب باشی نہ کرے بجز اسکے خاوند کے یا محرم کے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یخلون رجل بامرأۃ فان الشیطان ثالثہما۔ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کیونکہ تیسرا انمیں شیطان ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم جن عورتوں کے خاوند گھر میں نہیں انکے پاس مت جاؤ اسلئے کہ شیطان انسان کے اندر خون کے مانند جاری رہتا ہے چوتھے یہ کہ کوئی شخص عورت ہو یا مرد دوسرے شخص کے ستر کو نہ دیکھے عام ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ نہ مرد مرد کا ستر دیکھے نہ عورت عورت کا ستر دیکھے میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت کو ہیجان ہوتا ہے اور عورتوں میں باہم معاشقہ ہو جاتا ہے اور اسیطرح مردوں میں اور ستر کے نہ دیکھنے میں لوگوں پر کچھ دقت بھی نہیں ہے اور نیز ستر عورت ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے جنکے بغیر چارہ نہیں ہے پانچویں یہ ہے کہ ایک کپڑے میں کوئی کسی کے ساتھ نہ سوئے اور علی ہذا القیاس ایک چارپائی پر بھی لوگ نہ سوئیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی ثوب واحد۔ نہ مرد مرد کے پاس ایک کپڑے میں جا کر لیٹے اور نہ عورت عورت کے پاس اسطرح لیٹے اور فرمایا ہے لا تباشر المرأۃ المرأۃ لتنعتہا لزوجہا کانہ ینظر الیہا۔ کوئی عورت کسی عورت سے ملکر نہ بیٹھے تاکہ اپنے خاوند سے اُسکا حال بیان کرے گویا وہ اُسے دیکھ رہا ہے میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے کہ عورتوں کا پاس پاس لیٹنا باہم شہوت کو ہیجان میں لاتا ہے جسنے انمیں سحاق اور سوطت کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ گویا اسکی طرف دیکھ رہا ہے اُس سے یہ مراد ہے کہ عورت عورت کیساتھ مباشرت کرنے سے بسا اوقات انمیں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ اُس لذت کا ذکر اپنے خاوند یا کسی قوم سے کہدیتی ہیں اُسکے باعث سے ان لوگوں کو اُس عورت کا اشتیاق ہو جائیگا اور سب سے بڑا مفسدہ یہ ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند نہیں ہے اُسکے کسی مرد کے سامنے اوصاف بیان کئے جاویں۔ آنحضرت صلعم نے جو ہیت مخنث کو ازواج مطہرات کے مکانوں سے نکلوایا تھا اُسکا یہی سبب تھا اور جاننا چاہئے کہ ستر عورت یعنی وہ اعضا کہ جنکے کھولنے سے لوگ نہیں عادات متوسطہ کے اعتبار سے عار آتی ہے جسطرح قریش کے اندر اُس زمانہ میں تھا اُن ارتفاقات کے اصول میں سے ہے جنکو ان تمام لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے جنکا نام بشر ہے اور اسی کے سبب سے انسان تمام حیوانات میں ممتاز ہے پس اسلئے شارع نے ستر کو واجب کیا اور بول و براز کا مقام اور خصیتیں اور زیر ناف اور جو اعضا انکے قریب میں یعنی زانوں سے ان اعضا کا ستر ہونا دین کے روشن بدیہات میں سے ہے جسپر دلیل کی حاجت نہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا زوج احدکم عبدہ امتہ فلا ینظر الی عورتہا وفی روایۃ فلا ینظر الی ما دون السرۃ وفوق الرکبۃ جب کوئی تم میں سے اپنے غلام کا اپنی چھوکری سے نکاح کر دے تو پھر اُسکا ستر نہ دیکھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر نہ دیکھے اور نیز آپ نے فرمایا ہے اما علمت ان الفخذ عورۃ۔ کیا تو نہیں جانتا کہ ران ستر ہے ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتی کہ دونوں رانیں ستر ہیں اور اس مسئلہ میں احادیث متعارضہ آئی ہیں مگر اس قول میں احتیاط زیادہ

اور قوانین شرعی سے بھی بہت ملتا ہوا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ایاکم والتعری فان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط و
حین یفضی الرجل الی اہلہ فاستحیوہم و اکرموہم یعنی ننگا ہونے سے پرہیز کرو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہیں کہ نہیں مفارقت کرتا ہے
تمسے مگر وقت پاخانے کے یا اسوقت جب کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کیلئے جاتا ہے پس ان سے حیا کرو اور انکی
تعظیم کرو اور نیز فرمایا اللہ احق ان یستحیی منہ کہ اللہ پاک اسکا مستحق زیادہ ہے کہ اس سے حیا کی جائے میں کہتا ہوں کہ برہنہ
ہونا بغیر ایسی ضرورت کے جسکے بغیر چارہ نہ ہو منع ہے اگرچہ مکان خالی ہو کیونکہ بسا اوقات انسان اسپر اقدام کرتا ہے اور اعمال کا
اعتبار کرتا ان اخلاق کے ساتھ ہوا کرتا ہے جن سے وہ پیدا ہوتے ہیں اور ستر کا منشا حیا اور نفس پر تہذیب کی کیفیت کا غالب
کرنا اور بیحیائی کو ترک کرنا اور اسکا عادی نہ ہونا ہے اور جب شارع نے کسی شخص کو ایک چیز کا حکم دیا تو اسکا مقتضی ہوا کہ دوسرے
کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اس حکم کے موافق اس شخص کے ساتھ معاملہ کرے پس عورتوں کو ستر کا حکم دیا گیا ہے تو ضروری ہوا
کہ مردوں کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور مردوں کا نفس جب ہی مہذب ہو سکتا ہے جب وہ اپنی نگاہوں کو پست
کریں اور اپنے نفس کو اسپر مجبور کریں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لک الاولی و لیست لک الآخرۃ پہلی نگاہ تیرے لئے ہے
اور دوسری تیرے لئے نہیں ہے میں کہتا ہوں اسمیں اسطرف اشارہ ہے کہ نگاہ کا اتفاق معاف ہے دوسری مرتبہ نظر کرنے کے سبب
اور ایکمرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک نابینا شخص حاضر ہوئے اور آپنے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو پردہ
کرنیکا حکم دیا اور انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو نابینا ہیں ہمکو نہیں دیکھتا تو حضرت صلعم نے فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو تم بھی اسکو نہیں دیکھ سکتی ہو
میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ جسطرح مردوں کو عورتوں کیطرف رغبت ہوتی ہے ایسی ہی عورتوں کو مردوں کی طرف ہوتی ہے آنحضرت صلعم
نے حضرت فاطمہ زہرا سے فرمایا انہ لیس علیک باس انما ہو ابوک و غلامک یعنی تجھکو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ تیرا باپ اور غلام ہے
میں کہتا ہوں کہ غلام کو محارم کا حکم اسلئے دیا گیا کہ اسکو اپنی سیدہ کیطرف رغبت نہیں ہوتی کیونکہ اسکی نظر میں وہ معزز ہوتی ہے ورنہ سیدہ
کو غلام کیطرف رغبت ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اسکی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے اور باہمی انکے پردہ کا حکم دینے میں سخت دشواری ہے اور یہ
مستثنیات محارم کے اندر معتبر ہیں کیونکہ قرابت قریبہ محرمیں رغبت کے کم ہونیکا باعث ہے اور نا امیدی طمع کے منقطع ہونیکے سبب
میں سے ایک سبب ہے اور مدت دراز تک یکجائی رہنا بھی قلت نشاط اور پردہ کے دشوار ہونے اور کم اتفاق کا سبب ہے پس
اسواسطے قدیمی سنت ہوگئی کہ محارم سے جو پردہ ہو وہ اور قسم کا ہوا اور غیروں سے جو پردہ ہو وہ اور قسم کا ہو۔

نکاح کا بیان

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا نکاح الا بولی یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا معلوم کرو کہ خصوصاً نکاح میں
عورتوں کو حاکم کرنا روا نہیں ہے کیونکہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور انکی فکر ضعیف ہوتی ہے اسلئے بسا اوقات مصلحت
کیطرف انکو رہبری نہ ہو سکیگی دوسرے خاندانی حسب کی حفاظت نہ کریگی اور بسا اوقات غیر کفو کیطرف انکو رغبت پیدا ہو سکتی ہے
اور اسمیں انکی قوم کی عار ہے پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جائے تاکہ یہ مفسدہ بند ہو اور نیز ضروری ہے کہ تمام
سے لوگوں کا عام طریقہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام [illegible] اُنہیں کے متعلق ہوتا ہے اور تمام خرچ مردوں کا

متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں انکی مقید ہوتی ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم الایۃ
اور نیز نکاح کے اندر ولی کی شرط لگانے میں اولیاء کی عزت ہے اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں انکی بیحیائی ہے جسکا مدار
بیحیائی پر ہے اور اولیاء کی مخالفت اور انکی بیقدری ہے۔ اور نیز مصلحت واجبات سے ہے کہ نکاح کو زنا سے شہرت کیساتھ
امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیا نکاح میں موجود ہوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
لاتنکح الثیب حتی تستامر ولا البکر حتی تستاذن الا دفی روایۃ اسکی اسکا ذنہا اوہا۔ شوہر دیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جبتک کہ
اسکا امر نہ لیا جائے اور نہ باکرہ کا جبتک کہ اس سے اذن نہ لیا جاوے اور اسکا اذن خاموشی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جبتک باپ اس سے اذن نہ لے میں
کہتا ہوں یہ بھی روا ہے کہ صرف اولیاء کو نکاح کا اختیار رہ جائے کیونکہ اپنا نفع وضرر جو عورت جانتی ہے وہ اس سے
ناواقف ہیں اور وہ نفع ونقصان اسی کی طرف عاید ہونیوالا ہے اور استیمار صراحۃً اسکی زبان سے اجازت دینے کو کہتے ہیں اور
استیذان اجازت طلب کرنیکو اور اسکے منع نہ کرنے کو کہتے ہیں اور ادنی مرتبہ اسکا سکوت ہے اور حدیث شریف میں بالغہ
باکرہ سے استیذان مراد ہے نہ صغیرہ کیونکہ ہنوز وہ نا سمجھ ہے اور حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہؓ کا نکاح بلا استیذان
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے اور انکی عمر اسوقت میں چھ برس کی تھی اور آپ نے فرمایا ہے ایما عبد تزوج بغیر اذن سیدہ فہو
عاہر۔ جو غلام اپنے مولا کے بغیر اجازت نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔ میں کہتا ہوں چونکہ غلام اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہا کرتا
ہے اور نکاح اور اسکے فرومات یعنی اسکے ساتھ غمخواری کرنا اور اسکے پاس رہنا ایسی چیزیں ہیں کہ جنکی وجہ سے مولا کی
خدمتگزاری میں نقصان آتا تھا اسلئے ضرور ہے کہ غلام کا نکاح اسکے مولا کی اجازت پر موقوف رکھا ہے اور چھوکری کا نکاح بطریق
اولے مولا کی اجازت پر موقوف ہونا چاہئے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فانکحوہن باذن اہلہن۔ پس انکے انکے مولا کی اجازت
سے نکاح کرو حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے ہمکو حاجت (یعنی نکاح وغیرہ کے) وقت یہ تشہد تعلیم فرمایا ہے
الحمد للہ نستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ہادی لہ واشہد ان لا الہ الا اللہ
واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ اور اسکے بعد یہ تین آیتیں پڑھے یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون
واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم
ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔ میں کہتا ہوں اہل جاہلیت قبل از نکاح خطبہ پڑھا کرتے تھے اور انہیں اپنی
قوم کے فخر بیان کرتے تھے اور اسکو ذکر مقصود کا وسیلہ کیا کرتے تھے اور اسکا اعلان چاہتے تھے اور اس رسم کے جاری ہونے میں
مصلحت تھی اسواسطے کہ خطبہ کا جز اعلان اور ایک شے کے نیز ابتدائی ہوئی اور دیکھی ہوئی کے گردانے پر ہے اور نکاح میں
اعلان کرنے میں یہ حکمت ہے تاکہ نکاح اور زنا میں تمیز ہوجاوے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ کا استعمال مہتم بالشان امور
میں کیا جاتا ہے اور نکاح کا اہتمام اور اسکا ایک عظیم الشان امر گردانا اعظم مقاصد سے ہے لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے اسکے اصل کو باقی رکھا اور اسکی صورتیں تغیر فرما دیا ہے باینطور کہ اسکے ساتھ مصلحت کیساتھ مصلحت کلیہ کو شامل کردیا ہے
اسطرح کہ ہر اتفاق کیوقت میں جو ذکر اسکے مناسب ہے بولا جاوے اور ہر جگہ پر شعار الہی کی عظمت کیجاوے تاکہ دین حق کے
نشانات پھیل جائیں اور اسکے شعائر وعلامات ظاہر ہوجائیں پس آنحضرت صلعم نے انہیں کچھ اذکار مسنون فرمائے مثل حمد و

استعانت اور استغفار اور تعوذ اور توکل اور تشہد کے اور کچھ آیات قرآنی اسمیں شامل کیں اور اس مصلحت کیطرف اپنے اس قول سے
اشارہ فرمایا کل خطبۃ لیس فیہا تشہد فہو کالید الجذماء جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ دست بریدہ کی مانند ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح حلال و حرام میں یہی فرق ہے کہ نکاح میں آواز
اور دف ہوتی ہے اور نیز آپنے فرمایا ہے اعلنوا ہذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ الدفوف۔ اس نکاح کو اعلان کر دیا
کرو اور مساجد میں اسکو کیا کرو اور اسپر دفیں بجا دیا کرو میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ نکاح میں دف اور آواز کا استعمال کیا کرتے تھے
اور انمیں اسکی ایسی عادت جاری ہو گئی تھی اس نکاح میں جسکو چار قسم کے نکاحوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا
ہے متروک ہونیکا احتمال نہ تھا حضرت عائشہؓ نے ان چاروں قسم کا بیان کیا ہے اور اسمیں ایک صنعت یہ ہے کہ نکاح اور
زنا دونوں قضاء شہوت اور مرد و عورت کی رضامندی میں متفق ہیں لہذا ایک ایسی شے کا علم دینا ضروری ہوا جس سے
بادی الرائے میں وہ دونوں ایسے تمیز ہو جائیں کہ کسی کو اسمیں کلام یا خفا باقی نہ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ روز کیلئے
لئے متعہ کی اجازت دیدی تھی پھر اس سے ممانعت فرمادی اور اولاً ضرورت کے سبب آپنے اجازت دی تھی چنانچہ
حضرت ابن عباسؓ نے اس شخص کے باب میں جو ایک شہر میں آئے اور وہاں اسکی بیوی نہ ہو ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ
نے اس بات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ ان دنوں میں صرف جماع کیلئے اجرت نہ دیتے تھے بلکہ تدبیر خانہ کے متعلق منجملہ
اور حوائج کے جماع بھی شامل ہوتا تھا اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا اسلئے کہ صرف جماع کی اجرت دینا طبیعت انسانی سے
بالکل باہر ہو جانا اور بیحیائی ہے اسکو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا اور متعہ سے نہی کرنیکا سبب اکثر اوقات میں اس حاجت کا
مرتفع ہو جانا ہوا اور نیز متعہ کی رسم کے جاری ہونے میں نسب کا اختلاط لازم آتا ہے کیونکہ اس مدت کے گذرتے ہی
وہ عورت خاوند کے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے اور اسکو اپنے نفس کا اختیار ہو جاتا ہے اب نہیں معلوم کہ وہ کیا کریگی۔ اور
مدت کا انضباط نکاح صحیح میں بھی جسکی بنا دوام پر ہوتی ہے نہایت دشواری سے ہوتا ہے تو پھر متعہ کا ذکر ہی کیا ہے
دوسرے اس رسم کے جاری ہونے میں نکاح صحیح کا جو شرع میں بہتر ہے اہمال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنیوالوں کی
خواہش غالباً شہوت فرج کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اور نیز منجملہ ان امور کے جنسے نکاح اور زنا میں امتیاز ہوتی ہے ہمیشہ کیلئے
معاونت پر استقرار ہے۔ اگرچہ اصل اسمیں لوگوں کے سلف سے قطع منازعت ہوتا ہے۔ اور نکاح بغیر مہر کے نہیں کرتے تھے۔
اور اسکی چند باعث و علتیں تھیں۔ ان منجملہ یہ ہے کہ نکاح کا فائدہ بدون اس بات کے تمام نہیں ہوتا کہ ہر شخص معاونت
دائمی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور عورت کیطرف سے اسکی صورت یہ ہے کہ اسکو اپنا اختیار نہ رہے اور یہ بات روا نہ
تھی کہ مرد کا بھی اختیار اس سے نکال لیا جاتا ورنہ طلاق کا باب مسدود ہو جاتا اور مرد کے ہاتھ میں جسطرح عورت مقید ہے
اسی طرح وہ عورت کا مقید ہو جاتا اور اصل یہ بات ہے کہ مرد عورت پر حاکم ہے اور یہ بات بھی ناممکن تھی کہ قاضی کو انکا اختیار
دیا جاتا کیونکہ قاضی کیطرف مقدمہ کے پیش کرنے میں لوگوں کو دقت ہوتی اور جو ہر شخص اپنا نفع و نقصان جانتا ہے قاضی اس
سے ناواقف ہے پھر یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تاکہ خاوند کو اس قطع کے توڑنے میں مال کے نقصان
کا خطرہ لگا رہے اور بلا ایسی ضرورت کے جسکے بغیر اسکو چارہ نہ ہو اسپر جرأت نہ کر سکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی

پائیداری ہے اور نیز نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو بضعہ کے یعنی شرمگاہ کے بدلہ ہوتا ہے نہیں ظاہر ہوتی کیونکہ لوگوں کو مال کی
جسقدر حرص ہے کسی چیز کی نہیں ہے لہذا اسی کے صرف کرنے سے ایک چیز کا تمام باشان ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور
اسیلئے تمام باشان ہونے سے اولیا کی آنکھیں اس شخص کو اپنے لخت جگر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہوتی
ہیں اور نیز اسکے سبب سے نکاح و زنا میں امتیاز ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین۔ یہ کہ
ذریعہ اپنے مالوں کے تلاش کرو تم خواہش ترویج کی نہ شہوت رانی کرنے کی اور اسلئے آنحضرت صلعم نے وجوب مہر کی بہت تاکید کی اور
کسی ایسی حد سے جسمیں کمی و بیشی ہو سکے منضبط نہیں فرمایا اسلئے کہ رغبتہا اہتمام میں عادات ادنیٰ مختلف ہیں اور حرص کے
درجات اور طبقات جدا جدا ہیں پس انکے لئے ایک حد کا مقرر کرنا ناممکن ہے جسطرح اشیاء مرغوبہ کا ثمن ایک حد معین کے
ساتھ منضبط کرنا ناممکن ہے اسلئے آنحضرت صلعم نے ایک شخص سے فرمایا التمس ولو خاتما من حدید۔ تلاش کر اگرچہ لوہے کی ایک
انگشتری ہو۔ اور فرمایا من اعطی فی صداق امراته ملیٔ کفه سویقا او تمرا فقد استحل جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں لپ بھر
ستو یا چھوہارے دیدئے پس اسنے حلال کر لیا۔ مگر آنحضرت صلعم نے ازواج و بنات مطہرات کے مہر میں ساڑھے بارہ
اوقیہ معین کر رکھے تھے اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ تم عورتوں کے مہر بھاری بھاری مقرر مت کرو اسلئے کہ زیادہ مہر مقرر کرنے
میں اگر دنیا کی عزت یا خدا کے نزدیک پرہیزگاری ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تم سب سے زیادہ بطریق اولیٰ اس بات کا لحاظ
فرماتے الحدیث میں کہتا ہوں مہر مسنون میں حکمت یہ ہے کہ وہ اسقدر تعداد کا ہوا چاہئے کہ جس کا کچھ بار بھی نہ ہو اور عادتاً انکے
قوم کے اعتبار سے اسکا وافر زیادہ شمار بھی نہ ہو اور اسقدر اس حالت کے اعتبار سے جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں لوگوں کے تھے
کافی تعداد ہے اور اسیطرح آپکے بعد بھی لوگوں کی یہی عادت چلی بار تعداد آیا کہ وہ لوگ جنکے اغنیا امیر اور بادشاہ ہونگے ہیں۔ اور اہل جاہلیت
عورتوں کو مہر دینے میں ظلم کیا کرتے تھے یا تو تاخیر بہت کرتے تھے یا کمی کے ساتھ دیا کرتے تھے اسلئے اللہ پاک نے یہ آیت نازل
فرمائی آتوا النساء صدقاتھن نحلة۔ اور دیا کرو عورتوں کو انکے مہر بے مانگے۔ اور اللہ پاک فرماتا ہے لاجناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن
او تفرضوا لھن فریضة۔ تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو بدوں ہاتھ لگائے یا بدوں کچھ مقرر کئے طلاق دیدو۔ میں کہتا ہوں اصل
اسمیں یہ ہے کہ نکاح ملک کا سبب ہے اور دخول اسکا اثر ہے اور ایک شے سے اسکا اثر مراد ہوا کرتا ہے اور حکم اسکے سبب پر
مرتب ہوتا ہے اسلئے نکاح اور دخول اس بات کے مستحق ہوئے کہ وہ انکے اوپر تقسیم کیا جائے اور مرنے کیوجہ سے نکاح کا اثر ثابت
و تمام ہو جاتا ہے کیونکہ مرنے کیوجہ تک اسنے نکاح کو رد نہیں کیا اور اس سے روگردانی نہیں کی حتیٰ کہ اسکے اور نکاح کے
مابین موت حائل ہو گئی اور طلاق سے نکاح کا رفع اور فسخ ہو جاتا ہے اور وہ بمنزلہ رد و انکار کے ہے جب یہ بات ثابت ہو گئی
تو ہم کہتے ہیں مہر کے باب میں ایام جاہلیت میں بہت سے مناقشے اور نزاع درپیش رہتے تھے اور وہاں کے لوگ انکو حرص بخل اور
بہت سے صورت حجت کیا کرتے تھے لہذا خدا تعالیٰ نے اس اصل کے موافق ان مناقشات کا فیصلہ کلیۃً منحی کر دیا پس
اگر عورت کے لئے کچھ مقرر کیا ہے اور اسکے ساتھ دخول کیا تو اسکو کامل مہر دینا پڑیگا خواہ مر جاوے یا طلاق دے کیونکہ اسکے
ملک کا سبب اور اثر تمام ہو گیا اور خاوند نے اس سے دخول کر لیا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم
میثاقا غلیظا۔ اور البتہ تم میں سے بعض کیطرف پہونچ گیا ہے اور ان بیویوں نے تم سے نہایت پختہ عہد لیلیا ہے اور اگر

اسکا مہر مقرر کر دیا ہے اور بغیر دخول کئے مر گیا تو عورتوں کو کامل مہر دیا جائیگا کیونکہ مرنے سے نکاح متقرر و ثابت ہو گیا اور ایسی حالت میں عدم دخول کچھ مضر نہیں ہے کیونکہ وہ تمامی حکم ہے اور اگر قبل از دخول اسکو طلاق دے تو اسکو نصف مہر دلایا جائیگا موافق اس آیت کریمہ کے کیونکہ یہاں احد السببین میں سے ایک سبب پایا جاتا ہے نہ دوسرا پس اسمیں دو مشابہتیں پائی جاتی ہیں یک تو صرف منگنی کیساتھ اور دوسری نکاح تام کے ساتھ اور اگر کچھ مہر بھی مقرر نہیں کیا اسکو اسکے کنبہ کی سی عورتوں کا مہر دلایا جائیگا نہ اس سے کم و بیش اور اسپر عدت واجب ہوگی اور میراث پائیگی کیونکہ عقد اسوقت میں بسبب وارثہ تام ہو چکا پس ضروری ہوا کہ اسکو مہر دلایا جائے اور ہر چیز کا اندازہ اسکی نظیر اور مثل سے ہوتا ہے اور کنبہ کی عورتوں کا مہر اس اندازہ کیلئے بہت مناسب ہے اور اگر اسکا نہ مہر مقرر کیا اور نہ اس سے دخول کیا تو اسکو متاع یعنی جوڑہ وغیرہ دینا پڑیگا کیونکہ عقد نکاح بغیر مہر کے ہونا ناممکن ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ان تبتغوا باموالکم الآیہ اور اس صورت میں مہر کے واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ یہاں نہ مہر کی تعین ہے نہ ملکیت کا تقرر ہے۔

اور ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے چند سور قرآنی مہر مقرر کیا کیونکہ انکا سکھانا بھی ایک مہتم بالشان کام ہے اور مثل مال کی مرغوب اور مطلوب ہے اور آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قبل از دخول ولیمہ کرنے کا دستور تھا اور اسمیں بہت سے مصالح تھے اور از انجملہ اسمیں بہت خوبی کیساتھ نکاح اور اس بات کی اشاعت ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے اور یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو دم کرنے کی بھی گنجایش نہ ہو اور نکاح و زنا کی تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس عورت کیساتھ تعلق ہو جائے اور از انجملہ یہ ہے کہ بیوی اور اس کے کنبہ کیساتھ بھلائی و سلوک پایا جاتا ہے کیونکہ اسکے لئے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کا اسکے باب میں جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت و عزت ہے اور میاں بیوی کے مابین الفت قائم کرنیمیں اس قسم کے امور خاصکر انکے اول اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں از انجملہ یہ ہے کہ ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا یعنی جو چیز غیر مملوک تھی اسکا ملک میں داخل ہو جانا سرور و خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کے اتباع میں سخاوت کی عادت اور خواہش بخل کی نافرمانی پیدا ہوتی ہے اور اسکے علاوہ بہت سے فوائد اور مصالح ہیں پس چونکہ سیاست مدنیہ اور منزلیہ اور تہذیب نفس اور احسان کے متعلق کافی فوائد پائے جاتے ہیں پس آنحضرت صلعم کا اسکو باقی رکھنا اور اسکی طرف رغبت و حرص دلانا اور خود بھی اسکو عمل میں لانا ضروری ہوا اور آنحضرت صلعم نے جس طرح ہم مہر کے متعلق بیان کر چکے ہیں اسی طرح اسکی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے اور آپ نے حضرت صفیہ کے ولیمہ میں لوگوں کو مالیدہ کھلایا تھا اور آپنے بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے کیا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا دعی احدکم الی الولیمۃ فلیاتہا فی روایۃ فان شاء طعم وان شاء ترک تم میں سے جب کوئی شخص ولیمہ کیلئے بلایا جائے تو چلا آئے اور ایک روایت میں آیا ہے اگر چاہے کھالے چاہے نہ کھائے میں کہتا ہوں جب اصول شرعیہ سے یہ بات تھی کہ جب کسی شخص کو کسی مصلحت سے لوگوں کیلئے کچھ تیار کرنیکا حکم دیا گیا تو ضرور ہوا کہ لوگوں کو بھی اسکی اطاعت اور فرمانبرداری اور کیا آدمی کے لئے بطور رغبت دلائی جائے ورنہ وہ مصلحت جو اس امر سے مقصود ہے متحقق نہ ہوگی پس جب خاوند کو لوگوں کیلئے کھانا تیار کرکے شادمانی کرنیکا حکم دیا گیا تو ان لوگوں کیلئے اس حکم کا دینا ضروری ہوا کہ اسکی دعوت کو قبول کریں اور اگر کار روزہ ہو تب بھی آجائے اور کھانا نہ کھانے تو کچھ

مضائقہ نہیں ہے اسلئے کہ وہ اشاعت مقصود حاصل ہوگئی اور نیز میل جول کا مقتضی یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان بلائے تو اسکو ضرور قبول کرے اور اس رسم کے جاری ہونے میں شہر اور قبیلہ کا انتظام ہے اور فرمایا رسول خدا صلعم نے انہ لیس لی او لنبی ان یدخل بیتا مزوقا۔ نہ میرے لئے اور نہ کسی اور نبی کیلئے مناسب ہے کہ کسی مزین و منقش گھر میں جائے میں کہتا ہوں چونکہ صور کا بنانا اور اس کپڑے کا استعمال کرنا جسمیں صورتیں بنی ہوئی ہوں حرام ہے پس اسکا مقتضا ہوا کہ جس گھر میں وہ صورتیں موجود ہوں اس گھر کو چھوڑ دینا چاہئے اور اسپر ملامت کرنا چاہئے خاصکر انبیاء علیہم السلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے ہی مبعوث کئے گئے ہیں اور علاوہ بریں زینت بالغ کا عمدہ جاننا دنیا کی طلب میں نہایت استغراق کا سبب ہے اور عجمیوں پر ایسی آفت پڑی کہ اسکی وجہ سے ذکر آخرت کا بھی بھول گئے لہذا یہ بات واجب ہوئی کہ شرع میں اس سے نہی اور اظہار نفرت چاہئے اور آنحضرت صلعم نے تفاخر کرنے والوں کے کھانا کھانے سے نہی فرمائی۔ میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت باہم فخر کیا کرتے تھے اور ہر ایک کا دوسرے پر غلبہ مقصود تھا تو وہ مال کو صرف اس غرض سے خرچ کیا کرتے تھے اور کوئی نیت اسمیں نہیں ہوتی تھی اور اسمیں عداوت اور باہمی فساد اور بلا کسی دینی اور مدنی مصلحت کے مال کا ضائع کرنا تھا اور صرف اسمیں خواہش نفسانی کا اتباع ہوتا تھا اور اسلئے ضروری ہوا کہ اسکے بلانے کی تعمیل نہ کیجائے اور اسکی اہانت کیجائے اور اس باب کو بند کیا جائے اور عمدہ صورت اسکے باز رکھنے کی یہ ہے کہ اسکا کھانا نہ کھایا جائے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا اذا اجتمع داعیان فاجب اقربہما بابا وان سبق احدہما فاجب الذی سبق۔ اور جبکہ دو شخص ساتھ دعوت کریں تو ان دونوں میں سے جسکا دروازہ قریب ہے اسکی دعوت قبول کر اور اگر ان دونوں سے ایک پہلے کرے تو جو پہلے کرے اسکی قبول کریں کہتا ہوں جب دونوں کا تعارض ہوا تو ترجیح کی حاجت ہوئی اور اسکی دو صورتیں ہیں یا دعوت میں سبقت کرنے سے یا مکان کے قریب ہونے سے۔

ان عورتوں کا بیان جنسے نکاح کرنا حرام ہے

اصل اسمیں خدا تعالے کا ارشاد ہے ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم واللہ غفور الرحیم تک اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے امسک اربعا وفارق سائرہن۔ چار کو رہنے دے اور باقی کو چھوڑ دے اور فرمایا ہے لا تنکح المراۃ علی عمتہا الخ کے عورت سے اسکی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے اور اللہ پاک فرماتا ہے الزانی لا ینکح الا الزانیۃ الایہ۔ زانی زانیہ ہی سے نکاح کرے۔ معلوم کرو کہ محرمات مذکورہ فی الایہ کی حرمت اہل جاہلیت میں مشہور و مسلم تھی کہ جسکو وہ نہیں چھوڑ سکتے تھے بار عدا یا مگر تھوڑی سی باتیں جو انہوں نے بطور سرکشی اور فسق کے اپنی طرف سے ایجاد کر لی تھیں مثلاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور دو ہمشیروں کو جمع کرنا اور ان محرمات کی تحریم برابر قرنا بعد قرن ان میں چلی آتی تھی جس کا ان کے دلوں سے نکلنے کا احتمال نہ تھا بجز اس صورت کے کہ کوئی شخص غضبناک ہونے کے سبب سے باہر ہو جائے اور ان کی تحریم میں بڑی بڑی مصلحتیں تھیں لہذا خدا تعالے نے محرمات کا حکم برقرار رکھا اور جس میں ان کو کاہلی و سستی ہو گئی تھی اس کی حرمت کو خوب مستحکم کر دیا۔ اور تحریم کے اندر چند کلی امر ہیں۔ از انجملہ صحبت اور ارتباط کی عادت کا جاری ہونا اور ان میں باہم پردے کا التزام ناممکن ہونا اور جانبین سے طبعی طور پر حاجات کا ارتباط نہ مصنوعی طور پر پس اگر ان عورتوں سے طمع کے قطع ہونے

اور انکی طرف رغبت سے اعراض کا طریقہ جاری نہو تو بہت انتہا مفاسد پیدا ہوں۔ اور دیکھتے ہو کہ جب کسی شخص کی نگاہ ایک اجنبی عورت
کے محاسن پر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی خاطر اپنی جان کو ہلاک کر دیتا ہے پس جب عورت پر رات
دن نگاہ پڑتی رہتی ہے اور تنہائی میں بھی اُسکے ساتھ رہتا ہے تو اسکا تو ذکر ہی کیا ہے اور نیز اگر ان عورتوں کی طرف رغبت
کا دروازہ مفتوح کیا جائے اور اسکو مسدود نہ کیا جاوے اور مردوں پر ان کی طرف سے ملامت نہ کیجاوے تو اس میں عورتوں کو
ضرر عظیم لازم آتا ہے اسواسطے کہ ایسے وقت میں وہ لوگ عورتوں کو اپنے پاس رکھا کریں اور عورتوں کو جن سے نکاح کرنے کی
رغبت ہو وہ اُنکے ساتھ نکاح سے مانع ہوا کریں کیونکہ ان کا اور ان کے نکاح کا اختیار انہیں اقارب کو ہوا کرتا ہے اور دوسرے
جب یہ اقارب خود ان عورتوں سے نکاح کر لیا کریں تو کوئی شخص عورتوں کی طرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ
کرنیوالا نہو باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص انکی طرف سے حقوق زوجیت کا خاوند سے
مطالبہ کرنیوالا ہو اور اسکی نظیر وہ ہے جو یتیم لڑکیوں میں ہو چکی ہے کہ اولیاء کو انکے مال اور جمال کی طرف رغبت ہوتی تھی اور
حقوق زوجیت کو پورے طور پر ادا نہ کرتے تھے تو آیت نازل ہوئی ان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء
اگر تم کو یتیموں میں انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں میں جو تمہارے پسند آئیں ان سے نکاح کر لو حضرت عائشہؓ نے اس کو
بیان کیا ہے اور یہ ارتباط طبعی طور پر مرد اور اسکی ماں اور بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی میں جمع ہوتا ہے
اور از انجملہ رضاعت ہے کیونکہ دودھ پلانیوالی عورت مثل ماں کے ہو جاتی ہے اسلئے کہ وہ اخلاط بدن کے اجتماع اور اس کی
صورت کے قائم ہونے کا سبب ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ ماں نے اپنے شکم میں اُسکے وجود کو جمع کیا ہے اور اس نے ابتداء
نشو میں بقدر سد رمق کے اسکو دودھ پلایا ہے پس وہ فی الحقیقت بعد ماں کے ماں ہے اور دودھ پلانیوالی کی اولاد بہن بھائیوں
کے بعد اسکے بہن بھائی ہیں اور اسکی پرورش میں جو جو تکلیف اٹھائی ہے اور بچے کے ذمہ جو جو حقوق اس کے ثابت
ہوئے ہیں اور طفولیت میں جو جو باتیں اس شیر خوار کیطرف سے اسکو پیش آئی ہیں وہ ظاہر ہیں پس اسکا مالک ہو جانا اور اسکو
اپنی جورو بنا لینا اور اس کے ساتھ جماع کرنا ایسی چیز ہے جس سے فطرت سلیم نفرت کرتی ہے اور بے زبان جانور بہت
ایسے ہیں جو اپنی ماں یا دودھ پلانیوالی کی طرف اسقدر التفات نہیں کرتے جسقدر اجنبی مادہ کیطرف اُن کو توجہ ہوتی ہے
اور آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے اور نیز عرب کے لوگ اپنی اولاد کو مختلف قبیلوں میں سے کسی قبیلہ میں دودھ پلانے کو دی
دیتے ہیں اور وہ شیر خوار وہیں پرورش پا کر جوان ہو جاتا تھا اور محارم کے مثل ان لوگوں کے ساتھ اس کا اختلاط ہوتا ہے
اور عرب کے نزدیک نسب کے علاقہ کے مانند شیر خوری کا بھی علاقہ ہے پس نسب پر اس کا محمول کرنا ضروری ہے
چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة۔ جو چیز ولادت سے حرام ہو جاتی ہے وہی چیز دودھ کے
ذریعے سے بھی حرام ہوتی ہے اور چونکہ رضاع کے سبب تحریم ہونے کی وجہ ماں کے ساتھ جزء مولود اور اسکی صورت
کی ترکیب کا سبب ہونے میں مشابہت ہے لہذا رضاع میں دو چیزوں کا اعتبار ضروری ہوا ایک تو وہ مقدار جس
سے تحریم کے معنی متحقق ہوتے ہیں پس قرآن عظیم کے اندر دس گھونٹ معین جنکی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے
نازل ہوئے پھر پانچ معین سے وہ منسوخ ہو گئے اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے قرآن پاک میں انکی

قلادت کیجاتی تھی اور معین کیے گئے کیونکہ یہ ہے کہ حرمت کے معنی چونکہ کثیر میں پائے جاتے تھے نہ قلیل میں اسلئے اس حکم کے
مقرر کرتے وقت ایک حد کا مقرر کرنا بھی ضروری ہوا جسکی طرف وقت اشتباہ کے رجوع کیا جاوے اور دس کے ساتھ اندازہ
کرنے کا سبب یہ ہے کہ عدد میں لحاظ سے تجاوز کرنے کی وہ پہلی حد ہے اور دودھ پلانیوالی عشرات کے اعتبار سے دودھ پلاتی
ہے یعنی دس بیس جرعہ سے کم نہیں پلاتی ہے اور نیز وہ جمع کثرت کی حد اولیٰ ہے اور جمع قلت کا اسمیں احتمال نہیں ہوتا پس
کثرت معتد بہا کے انضباط کیلئے جس کا بدن انسانی میں اثر ہوتا ہے یہ کافی مقدار ہے اور پانچ سے منسوخ ہونے کی وجہ یہ ہے
کہ اسمیں احتیاط ہے اسلئے کہ جب بچے کو پانچ بڑے بڑے گھونٹ پلائے جاویں تو اسکے چہرہ و بدن پر رونق و تازگی ظاہر
ہوجاتی ہے اور جب یہ گھونٹ چھوٹے چھوٹے ہوں اور دودھ پلانیوالی کے دودھ کم ہو تو اس کے بدن پر لاغری اور
کمزوری اور یبوست ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ گھونٹوں سے اس کا نشو و نما ہو سکتا ہے
اور اس کا بدن قائم رہ سکتا ہے اور اس سے کم کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لاتحرم الرضعۃ والرضعتان
ولاتحرم المصۃ والمصتان ولاتحرم الاملاجۃ ولا الاملاجتان . نہ ایک گھونٹ و دو گھونٹ حرام کرتے ہیں نہ ایک چسکی دو چسکیاں
اور نہ ایک دھار اور نہ دو دھار۔ اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ کثیر و قلیل دونوں اثبات حرمت میں برابر ہیں
تو اسکا سبب امر رضاع کی تعظیم اور اس کا بالخاصیۃ موثر گردینا ہے جیسے تمام ان چیزوں میں جن کے حکم کا مدار معلوم
نہیں ہوتا خدا تعالےٰ کا دستور جاری ہے دوسرے یہ ہے کہ رضاع بچے کی شکل و صورت کے قائم ہونے کی
ابتدائی حالت میں پائی جائے ورنہ وہ دودھ اور اغذیہ کے مانند ہوگا جو صورت و شکل قائم ہونے کے بعد کھائی جاتی
ہیں جیسے جوان آدمی روٹی کھاتا ہے ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الرضاعۃ من المجاعۃ۔ کہ البتہ دودھ
پلانا بھوک کے وقت ہے اور فرمایا ہے لایحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء فی الثدی وکان قبل الفطام۔ وہی دودھ پلانا
حرام کرتا ہے جو پستان میں سے نکل کر آنتوں کو بڑھاوے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔ اور ازانجملہ اقارب میں
قطع رحم ہونے سے احتراز ہے کیونکہ دو سوکنوں میں ہمیشہ حسد رہتا ہے اور ان کا باہمی بغض انکے اقارب کیساتھ بغض
کا سبب ہوتا ہے اور اقارب میں حسد کا ہونا نہایت قبیح اور شنیع امر ہے اور اسی لئے سلف کے چند گروہوں نے دو
چچا کی بیٹیوں کا جمع کرنا ناپسند کیا ہے ان دو عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک مرد فرض کی جاوے. تو
دوسری اس پر حرام ہے جیسے دو بہنیں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی اور اسی اصل کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
اعتبار فرمایا ہے اور اپنی بیٹی اور غیر کی بیٹی میں جمع کرنا حرام فرمایا کیونکہ سوکن کا حسد اور خاوند کا اس کو اختیار کرنا اکثر اوقات
سوکن اور اس کے کنبہ کی ناخوشی کا سبب ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا اگرچہ امور معاشیہ کے اعتبار
سے ہو مفضی الی الکفر ہے اور اصل اس میں دو بہنوں کا جمع کرنا ہے اور مسئلہ کے طور پر آنحضرت صلعم نے متنبہ فرما دیا ہے
اور فرمایا ہے لایجمع بین المراۃ وعمتہا ولا بین المراۃ وخالتہا۔ نہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرے نہ ایک عورت
اور اس کی خالہ کو جمع کرے اور ازانجملہ مصاہرہ ہے اس لئے کہ اگر لوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کہ ماں کو اپنی
بیٹی کے خاوند کے ساتھ اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کی طرف اور اپنی بیویوں کی بیٹیوں کی طرف

رغبت ہو تو اس تعلق کے توڑنے یا اس شخص کے قتل کرنے میں جسکی طرف سے خواہش پائی جاتی ہے کوشش کیا کریں اور
اگر تو تدبار فارس کے قصے سنے اور اپنے زمانہ کے ان لوگوں کے حال کی تتبع کرے جو اس سنت راشدہ کے پابند نہیں ہیں
تو تو بڑے بڑے امور اور بے انتہا ظلم اور ہلاکت دیکھیگا اور نیز اس قرابت میں صحبت لازم ہے اور پردہ کرنا متعذر ہے اور
حسد ایک امر شنیع ہے اور جانبین سے مختلف حوائج پیش آتے رہتے ہیں پس اسکا حال بمنزلہ ماں اور بیٹی یا بمنزلہ دو بہنوں کا ہے
اور از انجملہ وہ عدد ہے کہ معاشرت زوجیہ میں اس عدد کے ساتھ حسن معاشرت نہیں ہو سکتی کیونکہ لوگ بسا اوقات عورتوں کی
جمال کی طرف رغبت کر کے بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں اور سب میں سے ایک کو جو انکے دل کو پسند ہوتی ہے اختیار
کرتے ہیں اور باقی کو ادھر میں چھوڑ دیتے ہیں پس نہ تو وہ پورے طور سے بیوی ہے جس کی طرف رغبت ہو اور نہ بیوہ ہے جو
اپنا اختیار رکھتی ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ پوری زیادہ تنگی کیجاوے اسلئے کہ بعض لوگوں کو ایک بیوی زنا سے محفوظ نہیں رکھ
سکتی اور نکاح کی غایت مقصود تناسل ہے اور ایک مرد سے بہت سی عورتوں کے اولاد ہو سکتی ہے اور نیز چند بیویاں کرنا
مردوں کی خصلت ہے اور بسا اوقات انکی وجہ سے فخر حاصل ہوتا ہے لہذا شارع نے چار کے ساتھ اس کا اندازہ کیا اس
لئے کہ چار ایسا عدد ہے کہ تین شبوں کے بعد ہر ایک کی طرف وہ شخص رجوع کر سکتا ہے اور ایک شب سے کم میں نوبت کا
فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور ایسے وقت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کسی کے پاس شب باشی کی اور تین کثرت کی اول حد
ہے اور چار سے اسکی زیادتی ہے اور آنحضرت صلعم کو اختیار تھا کہ جسقدر چاہیں اپنا نکاح کریں اس لئے کہ اس حد کا مقرر کرنا
اس مفسدہ کے دفع کرنے کیلئے ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے اور اس کا مدار صرف احتمال غالب پر ہے مفسدہ حقیقی کے دفع کرنے
کے لئے نہیں ہے اور آنحضرت صلعم کو اسکی حقیقت معلوم تھی اسلئے آپ کو مظنہ کی حاجت نہ تھی اور طاعت الٰہی اور اسکے
حکم کی بجا آوری میں بخلاف اور لوگوں کے آپ امین تھے اور از انجملہ اختلاف دین ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ لا تنکحوا
المشرکین حتی یومنوا مت نکاح کرو مشرکوں سے جبتک ایمان نہ لائیں اور خدا تعالے نے اس مصلحت کا جو اس حکم میں
رعایت کی گئی ہے اس آیت میں بیان فرمایا اسطرح کہ مسلمانوں کے کافروں کے ساتھ صحبت اور ہمیں انکے میل جول غمخواری
کا جاری ہونا خصوصاً نکاح کے باب میں انکے دین کی مفسدہ ہے اور انکے قلب میں کفر کی طرف حرکت پیدا ہونے کا سبب
ہے خواہ وہ اس کو معلوم ہو یا نہ ہو اور یہود و نصارے آسمانی شریعت کے مقید ہیں اور قوانین تشریع کے اصول اور کلیات
کے قائل ہیں بخلاف مجوس و مشرکین کے پس ان کی صحبت کا مفسدہ بہ نسبت اوروں کے خفیف ہے کیونکہ خاوند کا بیوی
پر دباؤ ہوتا ہے اور وہ اس پر حاکم ہوتا ہے اور بیوی خاوند کی قیدی ہوتی ہے پس اگر مسلمان کتابیہ سے نکاح کرے تو
زیادہ فساد کا خطرہ نہیں ہے سبب سے اس کی اجازت دینا اور اسمیں ایسا تشدد نہ کرنا چاہیئے جیسے اور اس قسم کے مسائل میں تشدد
ہے از انجملہ عورت کا دوسری کی چھوکری ہونا ہے ایسے وقت میں بہ نسبت اپنے مولا کے اس کو اپنی شرمگاہ کا محفوظ
رکھنا ناممکن ہے۔

اور یہ بات نا روا ہے کہ اس سے خدمت لینے اور اسکے ساتھ خلوت کرنے سے اسکے مولی کو ممانعت کیجاوے کیونکہ یہیں
ملک ضعیف کو ملک قوی پر ترجیح دینا ہے کیونکہ ملک دو قسم کی ہوتی ہیں ملک رقبہ اور ملک بضعہ اور اپنی ملک قوی ہے اور دوسری ضعیف

مشتمل ہے اور دوسری اُس کی تابع ہے اور دوسری ملک ضعیف ہے اور اُس میں مندرج ہے اور ایسا ہے اور بڑ کو
بڑھنے میں قلب موضوع ہے اور اُس کے ساتھ اختصاص کا نہ ہونا اور جو شخص اُسکی طمع کرے اُسکی مدافعت کا ممکن نہ ہونا
زنا کی اصل ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن نکاحوں کی تحریم میں جنکو اہل جاہلیت باہم کیا کرتے تھے مثل استبضاع وغیرہ کے
چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے اسی اصل کا اعتبار فرمایا ہے پس جب ایک چھوکری خدا پر ایمان رکھتی ہے اور اپنی
شرمگاہ کو محفوظ رکھتی ہے اور اُس کے ساتھ نکاح کی حاجت ہے اسلئے کہ زنا کا خوف ہے اور حرہ سے نکاح کرنیکی استطاعت
نہیں ہے تو وہ فسد خفیف ہو گیا اور ضرورت پائی گئی اور ضرورتوں کی وجہ سے ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں۔ اور ازانجملہ کسی
عورت کا کسی مسلمان یا کافر کے زیر نکاح ہونا ہے کیونکہ زنا کی اصل ایک موطوءہ پر با کسی ایک خصوصیت کے اور دوسرے
کی طمع منقطع ہونے کے جمع ہونا ہے اسلئے زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالے نے زنا کو تو حرام
کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ کچھ چھوکریاں لگیں اور اُن کے ساتھ صحبت کرنے سے صحابہؓ نے حرج سمجھا اس لئے کہ اُن کے
خاوند مشرکین موجود تھے پس خدا تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی والمحصنات من النساء الا ماملکت ایمانکم اور عورتوں
میں سے جو خاوند والیاں ہیں وہ حرام ہیں مگر جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں یعنی وہ تمہارے لئے حرام نہیں اس لئے کہ قید
کے سبب سے طمع منقطع ہو جاتی ہے اور اختلاف دارین اُس پر کئی شخصوں کے ازدحام سے مانع ہے اور ایک شخص کے
حصہ میں ایک چھوکری کا آنا محقق ہے۔ اور ازانجملہ عورت کا زانیہ اور کسبی ہونا ہے کہ جب تک وہ اپنے اس فعل سے
توبہ نہ کرے اور بالکل اسکو ترک نہ کردے اُس کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے الزانیۃ لاینکحہا الا
زان او مشرک۔ زانیہ عورت سے وہی شخص نکاح کرتا ہے جو زانی یا مشرک ہے اور اُس میں راز یہ ہے کہ زانیہ کا خاوند کی
عصمت اور قبضہ میں ہونا اور زنا کی حالت پر باقی رہنا دیوثیت اور فطرت سلیمہ سے باہر آ جانا ہے۔ اور نیز اس میں اختلاط
نسب کا اندیشہ ہے اور چونکہ تحریم محرمات کی مصلحت بغیر اس بات کے تمام نہیں ہوتی کہ تحریم کو ایک امر لازم اور عادت جبلی
اور بمنزلہ اُن اشیاء کے گردانا جائے جن سے بالطبع انسان کو نفرت ہوتی ہے لہذا ضروری ہوا کہ پورے طور پر اس کی
شہرت اور شیوع کیا جائے اور لوگ اس کو اس طرح پر قبول کریں کہ اگر محرمات کی تحریم میں کوئی شخص اہمال کرے تو اُس
پر سخت ملامت کی جائے اور اُس کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنے محرم سے صحبت کرے خواہ نکاح سے ہو یا بغیر نکاح
تو وہ شخص جان سے مار دیا جائے لہذا آنحضرت صلعم نے اُس شخص کے سر منگانے کے لئے جس نے اپنے باپ کی
منکوحہ سے نکاح کیا تھا ایک شخص کو بھیجا۔

آداب مباشرت کا بیان

معلوم کرو کہ خدا تعالے نے جب انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا اور تناسل سے اُس کی نوع کا بقا چاہا لابدی ہوا کہ
شرع میں تناسل کی کامل طور سے ترغیب دلائی جائے اور قطع نسل اور اُس کے اسباب سے نہی شدید فرمائی جائے
اور نسل کا سبب عظیم جو کثرت پایا جاتا ہے اور جو نسل کی طرف رغبت دلاتا ہے وہ شہوت شرمگاہ ہے یا ایسی چیز ہے کہ

گویا انہیں کی ذات میں سے انہیں پر جلوہ گر ہوگئی ہے اور خواہ مخواہ تکونسل کی جستجو پر مجبور کرتی ہے اور اگر لونڈے بنانے اغلام
کرنے اور عورتوں سے دُبر میں صحبت کرنیکا طریقہ جاری ہو تو خلق اسی کی تغییر لازم آتی ہے بلکہ یہ طریقہ اُس شہوت سے
جو انسان پر مسلط کی گئی ہے مقصود حاصل ہونیکا مانع ہے اور ان دونوں میں بڑھکر لونڈوں سے اغلام کرنا ہے کیونکہ اسمیں
جانبین سے خلق اللہ کی تغییر ہے اور مردوں کو عورت بنانا بدترین خصائل میں سے ہے اور اسیطرح اعضاء تناسل کے
قطع کرنیکا طریقہ جاری ہونا اور ان ادویہ کا استعمال کرنا جو باہ کو قطع کرتی ہیں اور ترک دنیا وغیرہ سب میں خلق اللہ کی تغییر اور
طلب نسل کا اہمال ہے لہذا رسول خدا صلعم نے ان سب امور سے نہی فرمائی ہے اور فرمایا لا تاتوا النساء فی ادبارھن ملعون
من اتی امراۃ فی دبرھا - عورتوں سے اُنکی دُبر میں صحبت مت کرو جو شخص کسی عورت کی دُبر میں صحبت کرے وہ ملعون ہے ،
اور اسیطرح خصی بننے اور تبتل سے بہت احادیث میں نہی فرمائی ہے اللہ پاک فرماتا ہے نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم
تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس جیسے چاہو اپنی کھیتیوں پر آؤ - میں کہتا ہوں مباشرت کی ہیئت میں یہود بلا کسی
آسمانی حکم کے تنگی کرتے تھے اور انصار اور اُنکے ساتھی بھی اُن کے دستور کو اختیار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے جب
کوئی شخص پیچھے کیجانب سے اپنی بیوی کی فرج میں صحبت کرتا ہے تو بچہ احول پیدا ہوتا ہے پس یہ آیت نازل ہوئی یعنی اگر
ایک ہی مقام میں صحبت ہو تو اختیار ہے کہ آگے سے کرے یا پیچھے سے اسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جسکے ساتھ
مصلحت مدنیہ وملیہ متعلق ہو اور ہر شخص اپنی ذات کی مصلحت خود خوب جانتا ہے اور یہ بات یہود کے تکلفات میں سے تھی
لہذا اُسکا منسوخ ہونا مناسب ہوا اور آنحضرت صلعم سے کسی شخص نے عزل (یعنی قبل انزال آلہ نکالکر آب منی کو باہر ڈالنا) کے
بابمیں پوچھا آپ نے فرمایا اسلئے کہ نہیں تمپر کوئی مضائقہ نہیں ہے اسلئے کہ کوئی جان قیامت تک موجود ہونیوالی نہیں مگر
وہ ہو کر رہیگی - میں کہتا ہوں اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عزل اگرچہ حرام نہیں ہے مگر مکروہ
ہے اور اُسکا سبب یہ ہے کہ مصالح مختلف ہوتے ہیں پس چھوکریوں میں مثلاً سو لا عرض اپنی ذات کے اعتبار سے یہ ہوتی ہے
کہ عزل کرے اور مصلحت نوعیہ یہ ہوتی ہے کہ عزل نہ کرے تاکہ اولاد و کثرت سے ہو اور نسل قائم رہے اور مصلحت نوعیہ کا اعتبار کرنا
خدا تعالے کی عام احکام تشریعیہ اور تکوینیہ میں مصلحت شخصیہ کے اعتبار کرنے سے اولیٰ ہوتا ہے علاوہ بریں جس قدر دُبر میں
صحبت کرنے سے تغییر خلق اللہ کے اور بقاء نسل سے عراض ہے اسقدر عزل میں نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ما علیکم ان لا تفعلوا اسلئے کہ نہیں تم کو کچھ مضائقہ نہیں اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام حوادث اپنے موجود ہونے سے پہلے
مقدر ہوا کرتے ہیں جب کوئی چیز مقدر ہوا کرتی ہے اور زمین میں اُسکا صرف ضعیف سا سبب پایا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ
کی عادت جاری ہے کہ وہ اُس سبب ضعیف کو فراخ کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہی سبب ضعیف فائدہ تامہ کا مفید ہو جاتا ہے پس جب
انسان انزال کے قریب ہوتا ہے اور اپنے ذکر کو باہر کرنا چاہتا ہے تو بسا اوقات چند قطرے اُسکے احلیل سے ٹپک پڑتے ہیں
جو بچے کے ہونے کو کافی ہو جاتے ہیں اور اُس شخص کو اسکا علم بھی نہیں ہوتا یہی راز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کو
اُس شخص کے ساتھ ملحق کیا جس نے اُس عورت کیساتھ مس کرنے کا اقرار کیا تھا اور فرمایا عزل اُسکا مانع نہیں ہے
اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے - لقد ہممت ان انہی عن الغیلۃ فنظرت فی الروم وفارس فاذا ہم یغیلون اولادہم

لا تضر اولادہم وقال لا تقتلوا اولادکم سرا فان الغیل یدرک الفارس فیدعثرہ میں نے قصد کیا تھا کہ غیلہ یعنی دودھ پلانے کی
حالت میں عورت سے صحبت کرنے کو منع کردوں پھر میں نے روم وفارس میں نظر کی تو ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنی اولاد
کے دودھ پینے کے زمانہ میں اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں اور اس سے انکی اولاد کو کچھ ضرر نہیں پہونچتا اور فرمایا کہ خفیہ طور
پر اپنی اولاد کو قتل مت کرو کیونکہ صحبت کی ہوئی دودھ گھوڑے کے سوار کو ملجاے تو اُسکو گرا دیتا ہے میں کہتا ہوں اسمیں اس
بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیلہ اگرچہ حرام نہیں مکروہ ہے اور اُسکا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانیوالی سے صحبت کرنیمیں دودھ
بگڑ جاتا ہے اور بچہ کمزور ہو جاتا ہے اور جب اُسکی ابتدا انمیں ضعف رہا تو وہ اُسکے مزاج اصلی میں داخل ہوگیا اور آنحضرت صلعم
نے اس بات کو بیان فرمادیا کہ آپ کا قصد ضرر کے احتمال غالب ہونے سے اُسکے حرام کرنے کا تھا مگر جب کہ آپنے استقرار
فرمایا تو معلوم ہوا کہ عام طور پر اُسکا ضرر نہیں ہوتا اور اسمیں احتمال غالب ہونے کی صلاحیت نہیں ہے تاکہ اُسپر حرمت کا مدار
کیا جاے اور یہ حدیث اُس بات جسکو ہم ثابت کر چکے ہیں منجملہ دلائل کے ایک دلیل ہے کہ آنحضرت صلعم اجتہاد فرمایا کرتے
تھے اور آپ کا اجتہاد مصالح اور مظنات کو معلوم کر کے حرمت اور کراہیت کا تعین دائر کرنا ہوتا تھا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے
ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ الرجل یفضی الی امراتہ وتفضی الیہ ثم ینشر سرہا۔ خدا تعالے کے نزدیک سب لوگوں سے
بدتر اُس شخص کا درجہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اُس کے پاس آتی ہے پھر وہ شخص اُس کا راز کھولتا ہے
میں کہتا ہوں چونکہ پردہ کرنا واجب ہے اور جس چیز کا پردہ کیا گیا ہے اُسکا افشاے راز کرنا پردہ کے مقصود کا بدلدینا اور اُس
کی مخالفت کرنا ہے لہذا اُس کے اظہار سے نہی ضروری ہوئی اور نیز ایسی باتوں کا اظہار کرنا بیہودگی اور بیحیائی ہر خواہشوں
کے اتباع سے نفس میں تاریکیوں کے متشکل ہونے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اب اس بات میں اہل ملت کا اختلاف تھا
کہ حائض کے ساتھ کیا کرنا چاہیے یہودیوں نے تو یہانتک تعمق کیا تھا کہ اُن کے ساتھ کھانے اور لیٹنے سے منع کرتے
تھے اور مجوسی اسقدر اسمیں تہاون کرتے تھے کہ جماع کو بھی تجویز کرتے تھے اور حیض کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے غرض سب
میں افراط و تفریط تھی پس ملت مصطفویہ نے توسط کی رعایت فرمائی اور یہ فرمایا کہ سواے جماع کے سب کچھ کیا کرو اور اسکی کئی
وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ حائضہ سے جماع کرنا خاصکر جب حیض کی ترقی ہو نہایت مضر ہے تمام اطبا کا اسپر اتفاق ہے اور
دوسرے یہ کہ نجاست میں متلطخ ہونا صفت ذمیمہ ہے جس سے طبیعت سلیم نفرت کرتی ہے اور اسکی وجہ سے شیاطین کے ساتھ
قریب ہوتا ہے اور استنجا میں اول تو یہ بات ہے کہ وہ ایک ضروری چیز ہے دوسرے یہ کہ استنجا میں نجاست کا ازالہ مقصود ہوتا
ہے اور حائض سے جماع کرنے سے نجاست کے اندر داخل ہونا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے قل ہو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض
کہدے وہ ناپاکی ہے پس حیض کی حالت میں عورتوں سے بچتے رہو اور مادون جماع میں روایت مختلف ہے بعض یہ کہتے
ہیں کہ جہانتک خون کا اثر ہے وہاں سے بچنا چاہیے اور بعض کے نزدیک جو کچھ ماتحت الازار ہے اُس سے پرہیز کرنا چاہیے
اور بہر تقدیر اُسمیں دواعی جماع کا بند کرنا ہے اور جو شخص خدا تعالے کی نافرمانی کر کے حائض سے جماع کر بیٹھے تو اُس کو دینار یا نصف دینار
کے صدقہ کرنے کا حکم ہے اور یہ مسئلہ مجمع علیہ نہیں ہے اور کفارہ کی حکمت وہی ہے جو ہم چند مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

زوجیت کے حقوق کا بیان

معلوم کرو کہ مابین خاوند اور بیوی کے جو میل جول ہوتا ہے وہ تمام ارتباطات منزلیہ سے بڑھکر ہے اور ان کا نفع بھی زیادہ
اور حاجت بھی بہت ہے اسلئے کہ تمام عرب و عجم کے قبائل کا یہی دستور ہے کہ ارتفاقات پورا اور کامل کریں یعنی بیوی خاوند کی معاونت
کرے اور اسکے کھانے و پینے و لباس کے مہیا و تیار کرنے کی متکفل ہو اور اسکے مال کو محفوظ اور اسکی اولاد کو حفاظت رکھے
اور بعد اسکے چلے جانیکے اس مکان میں اسکی قائم مقام رہے اور علاوہ انکے بہت سے امور ہیں جن کی شرح و بیان کی
ہم کو حاجت نہیں اور اسی لئے اکثر توجہ شرائع کی اسی طرف ہوئی کہ حتی الامکان اسکا باقی رکھنا اور اسکے مقاصد کا بڑھانا اور
اسکے ملمع کرنے اور باطل کرنے سے بیزاری چاہنا اور کسی ارتباط کے مقاصد کا پورا کرنا بدون الفت کے ممکن نہیں ہو سکتا
اور الفت بغیر اس خصلت کے جس پر وہ خاوند و بیوی اپنے آپ کو مجبور کریں نہیں حاصل ہو سکتی اسلئے حکمت کا مقتضیٰ ہوا کہ اس
خصلت کیطرف توجہ و رغبت کیجائے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے استوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع فان ذهبت تقیمه کسرته
وان ترکته لم یزل اعوج۔ عورتوں کے معاملہ میں بھلائی کی وصیت قبول کرو تم اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں پھر اگر
تو اسکے سیدھا کرنیکا قصد کریگا تو اسکو توڑ دیگا اور اگر اسی حالت پر اسے چھوڑ دے تو ہمیشہ وہ پسلی کجی کی حالت پر رہتی
ہیگی میں کہتا ہوں اس کے معنی میں کہ میری وصیت کو قبول کرو اور عورتوں کے باب میں اس پر عمل کرو اور انکی پیدائش
میں کجی و ٹیڑھ ہے اور یہ بات مثل امر لازم کے ہوکر بمنزلہ اس چیز کے ہو گئی ہے جو ایک شے کے جوہر میں ہمیشہ
سے چلی آتی ہے اور انسان جب مقاصد منزلی کے پورا کرنے کا اس عورت سے قصد کرے تو اسکو یہ بات ابدی ہے
کہ دقیق اور قلیل امور سے درگذر کرے اور جو بات اپنے خلاف مرضی کے دیکھے اس پر اپنے غصہ کو دبائے مگر ان جو ایک غیرت کے
قبیلہ سے ہو یا کسی ظلم وغیرہ کا بدلہ لینا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یفرک مؤمن مؤمنة ان کرہ
منها خلقا رضی منها الآخر کسی مسلمان مرد کو مسلمان عورت سے بغض رکھنا نہیں چاہئے اگر اسکی ایک عادت ناپسند ہے تو وہ
دوسری سے راضی ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ جب خاوند کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند آئے تو اسکو یہ نہیں کہ فوراً
طلاق پر دلیری کرے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اسکی دوسری عادت سے خوش ہو جاتا ہے اور اسکی بدخلقی سے
تحمل کیا جاتا ہے اور اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بامان اللہ واستحللتم فروجهن
بکلمة اللہ ولکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرهونه فان فعلن فاضربوهن ضربا غیر مبرح ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف
عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو کیونکہ خدا کی امان پر تم نے ان کو اپنے قبضہ میں لیا ہے اور خدا کے حکم سے تم نے
ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر حق ہے کہ تمہارے فرشوں پر کسی ایسے کو جگہ نہ دیں
جس سے تم بیزار ہو پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو مگر تھوڑا اور تم پر انکا کھانا اور پہننا حسب دستور ہے۔ اللہ پاک فرماتا
ہے وعاشروهن بالمعروف۔ اور معلوم کرو کہ واجب اصلی وہ معاشرت بالمعروف ہے جس کی تفصیل آنحضرت صلعم نے کھانا
کھلانے اور لباس دینے اور پچھاڑ نہ کرنے کے ساتھ بیان کی ہے اور جو شرائط مستند الی الوحی ہیں ان میں ممکن نہیں

کہ قوت کی صنف اور اسکی تعداد معین کردیجائے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ تمام جہان کے لوگ ایک ہی چیز پر اتفاق کرلیں اسلئے مطلق علم کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه فابت فبات غضبان لعنتها الملائکة حتی تصبح۔ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو اپنے بچھونے پر بلائے پس اس نے آنے سے انکار کیا پھر وہ غصہ ہی کی حالت پر سوگیا تو صبح تک فرشتے اس کو لعنت کرتے رہتے ہیں میں کہتا ہوں نکاح کے اندر جس مصلحت کی رعایت کی گئی ہے وہ شرمگاہ کی حفاظت ہے تو اس مصلحت کا تحقق ضروری ہوا پھر اصول شرع سے یہ بات ہے کہ جب کسی شے کے لئے مظنہ مقرر کیا جائے تو ایک ایسا حکم دیا جاتا ہے جس سے اس مظنہ کے ساتھ مصلحت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اور اسکی یہ صورت ہے کہ جسوقت خاوند اپنی بیوی سے فرمانبرداری کا قصد کرے تو عورت کو اسکی فرمانبرداری کا حکم دیا جائے اور اگر اسکی فرمانبرداری اس نے نہیں کی تو شرمگاہ کی حفاظت ثابت ہوئی پھر اگر اس نے انکار کیا تو اس عورت نے اس مصلحت کے رد کرنے میں سعی کی جسکو خداتعالے نے اپنے بندوں کے اندر قائم کیا تھا پس ملائکہ کی دعاء لعنت اسکی طرف متوجہ ہوئی جو ہر شخص رائے کے فساد کے اندر کوشش کرنے پر متوجہ ہوا کرتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان من الغیرة ما یحب الله ومنها ما یبغض الله فاما التی یحبها الله فالغیرة فی الریبة واما التی یبغضها الله فالغیرة فی غیر ریبة۔ بعض غیرت تو ایسی ہے جو خداتعالے کو پسند ہے اور بعض ایسی ہے جس سے خدا کو نفرت ہے پھر جو غیرت عند اللہ پسندیدہ ہے وہ زنا کی غیرت ہے اور جو ناپسند ہے وہ غیر زنا کی غیرت ہے میں کہتا ہوں آنحضرت صلعم نے مصلحت اور سیاست کے بارہ میں جس کے بدون چارہ نہیں ہے اور بدخلقی اور بلاسبب تنگ کرنے میں اور ظلم کرنے میں فرق کیا ہے اللہ پاک فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله سے ان الله کان علیا کبیرا تک میں کہتا ہوں یہ بات ضروری ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر حاکم بنایا جائے اور جبلت کے اعتبار سے خاوند کا اسپر دباؤ ہو کیونکہ خاوند میں عقل کامل ہوتی ہے اور اس میں کامل طور سے سیاست اور حمایت اور عار کے دفع کرنے کا بخوبی مادہ ہوتا ہے اور نیز اسلئے کہ وہ اس کا خرچ اٹھاتا ہے اور تمام انتظام اسی کے متعلق ہے لہذا اگر عورت سرکشی کرے تو اسکی تعزیر اور تادیب خاوند کے متعلق ہونی چاہئے اور اسکو بتدریج تادیب کے طریقہ کا اختیار کرنا چاہیے الاسہل فالاسہل یعنی اولا صرف زبان سے کہکر اسکو نصیحت کرے بعد ازاں اسکے پاس لیٹنا ترک کردے مگر گھر سے اس کو نہ نکالے اگر اس سے بھی باز نہ آئے تو اس کو مار لگانی چاہیئے مگر سخت مار نہ لگائے اور اگر اصلاح کی صورت نہ ہو اور ہر ایک دوسرے کی نافرمانی اور ظلم پر کمر باندھے تو اس وقت میں قطع منازعت کی شکل ہے کہ دو حکم مقرر کئے جائیں ایک خاوند کے کنبے میں سے اور ایک بیوی کے کنبے میں سے اور وہ دونوں نفقہ وغیرہ کے متعلق خاوند بیوی میں جو کچھ مناسب صورت دیکھیں فیصلہ کردیں اس واسطے کہ خاوند بیوی کے معاملات میں بینہ کا قائم کرنا ناممکن ہے پس اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ فیصلہ ان لوگوں کے متعلق کیا جاوے جو سب سے زیادہ ان دونوں کے قریب اور ان کے شفیق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس منا من خبب امرأة علی زوجها او عبدا علی سیده جو شخص خاوند سے کسی بیوی کو بگاڑے یا مولی سے غلام کو بگاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے میں کہتا ہوں تدبیر منزل کے بگڑنے کے جس قدر اسباب ہیں ایک سبب اس کا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیوی یا غلام کو اسکے خاوند اور مولی سے برگشتہ کرے

اور یہ اس انتظام کے توڑنے اور اسکے بگاڑنے میں کوشش کرنا اور اس مصلحت کی مخالفت کرنا ہے جس کا قائم کرنا ضروریات
سے ہے معلوم کرو کہ تدبیر منزل کے بگاڑنے کی لوگوں میں بہت سی خصلتیں ہیں جن میں کثرت سے لوگ مبتلا ہیں پس شرع کو اسکا
ذکر کرنا اور اس سے بحث کرنا ضروری ہوا از انجملہ یہ ہے کہ کسی مرد کے پاس کئی عورتیں ہوں اور باری وغیرہ میں انمیں سے
بعض کو بعض پر ترجیح دے اور دوسرے پر ظلم کرکے اسکو ادھر میں چھوڑ دے۔ اللہ پاک فرماتا ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین
النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما۔ اور تم ہرگز عورتوں کے بیچ برابری نہ رکھ
سکوگے اگرچہ تم اس کی تمنا کرو پس بالکل جھک مت پڑو کہ اسکو ایسے چھوڑ دو جیسے ادھر میں اور اگر صلاح کرو اور ڈرو تو خدا
غفور رحیم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا کانت عند رجل امرأتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیامۃ وشقہ ساقط۔
جب کسی مرد کے پاس دو عورتیں ہوں اور ان دونوں میں وہ برابری نہ کرے تو قیامت کے روز جب آئیگا اُسکے ایک
طرف جھکی ہوئی ہوگی۔ میں کہتا ہوں یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کی جزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے پس اب
انکا اعادہ نہیں کرتے۔ اور از انجملہ کہ عورتوں کے ولی ان کو ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنے سے روکیں جو انکے
نفوس میں ان کی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اسکا منشا ان کی خواہش نفسانی مثل حسد اور بغض وغیرہ کے ہوتا ہے
اور اسمیں جو فساد ہے وہ عیاں ہے پس یہ آیت نازل ہوئی واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ پہنچیں مدت کو پس تو انکو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت
روکو اور از انجملہ یہ ہے کہ کوئی شخص یتیم لڑکیوں سے جو اسکی پرورش میں ہیں انکے مال اجمال کیوجہ سے نکاح کر لے اور
حقوق زوجیت ادا نہ کرے جیسے باپ والی عورتوں کے حق ادا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ یتیم لڑکیاں ایسی نہیں ہیں تو
ان سے واسطہ نہ رکھے پس یہ آیت نازل ہوئی وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع فان
خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔ اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم عورتوں میں انصاف نہ کروگے پس نکاح کرو عورتوں میں
اس کے ساتھ جو تمہاری پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار پس اگر تم کو خوف ہو کہ تم برابری نہ کر سکوگے تو ایک سے
یا جس پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ کیا ہے۔ پس اگر ظلم کرنے کا اندیشہ ہو تو یتیم لڑکیوں یا کسی عورتوں سے نکاح منع ہے
اور ایک شخص کے ایک بیوی موجود ہو اور پھر ایک کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے واسطے سنت مقرر کی
کہ سات دن تک اس کے پاس رہے بعد ازاں حسب دستور نوبت بنوبت رہا کرے۔ اور اگر ثیبہ سے نکاح کرے
تو تین روز اس کے پاس رہکر پھر باری باری سے رہا کرے میں کہتا ہوں تین سبب سے اس باب میں زیادہ تر
تنگی نہ کی جائے کیونکہ اکثر لوگوں کا اسمیں بس نہیں۔ جیسا کہ خدا پاک فرماتا ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم۔
اسمیں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب خالص عدل کا قائم کرنا ناممکن تھا لہذا ضروری ہوا کہ جب ظلم ہو اس حکم کا مدار رکھا جائے
پس جب کسی مرد کو کسی عورت کی طرف رغبت ہو اور اس کے حسن و جمال پر اسکا دل فریفتہ ہو جائے اور اس کا کثرت سے
اسکو اشتیاق ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص اس سے بالکل روک دیا جائے اسواسطے کہ تکلیف بالمحال ناقابل ہے اسکے
لئے اسکے ترجیح دینے کی ایک حد مقرر کر دی تاکہ وہ اس سے آگے بڑھکر دوسرے پر ظلم و جور کرنے پائے نیز شرع نے

اس مصلحت کی رعایت کی ہے کہ جدید کے قلب کی تالیف، اور اسکی قدر دانی کرنی چاہئے اور یہ بات ایسے طرح حاصل ہو سکتی ہے
کہ اسکو ترجیح دیجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے جو یہ فرمایا لیس بک علیٰ اہلک ہوان ان شئت سبعت
الحدیث اسمیں اسی کیطرف اشارہ ہے یعنی تو اپنے خاوند کے نزدیک بیقدر نہیں ہے اگر تیری مرضی ہو تو میں سات
سات روز رہا کروں اور پہلی بیوی کے دل شکستہ ہونیکا شارع نے بایں طور علاج کیا کہ نئی کیلئے ہمیشہ کے واسطے زیادتی
کا طریقہ مقرر کر دیا اسلئے کہ جب ایک چیز کا ہمیشہ کے لئے دستور مقرر ہو جاتا ہے اور اسمیں کسی کی ایذا رسانی منظور
نہیں ہوتی اور وہ جبکہ کسی کے لئے خاص نہیں ہوتا بلکہ ایک عام حکم ہوتا ہے تو کسی کے دل کو چنداں ناگوار نہیں گذرتا۔ اس
آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے ذلک ادنیٰ ان تقر اعینھن ولا یحزن ویرضین بما آتیتھن کلھن یعنی اسمیں امید ہے کہ انکی
آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور جو تو نے انکو دیا ہے اس سے وہ سب کی سب راضی ہوجائیں یعنی جب قرآن میں انکو
اختیار دیدیا گیا تو اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ناخوش نہ ہونگی۔ اور کنواری عورت کی طرف مرد کو زیادہ ترغیبت
ہوتی ہے اور نیز اس کو تالیف قلب کی زیادہ ضرورت ہے لہذا اس ترجیح کی مقدار سات روز مقرر کیگئی اور شوہر رسیدہ کی
مقدار تین روز مقرر کیگئی اور حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم کے پاس باری باری سے رہا کرتے تھے
اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا قصد کرتے تھے انمیں قرعہ ڈال لیا کرتے تھے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو
ملال نہ گذرے اور یہ جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے بطور تبرع اور احسان کے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پر باری فرض نہ تھی اسواسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء ان میں سے جس کو
تو چاہے موخر کرے اور جسکو انمیں سے چاہے اپنے پاس جگہ دے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اوروں میں تامل
اور اجتہاد کا موقع ہے مگر جمہور فقہا نے نوبت کو واجب کیا ہے اور قرعہ اندازی میں انکا خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے فلم یعدل وہ مجمل ہے اور نہ معلوم اس سے کونسا عدل مراد ہے اور یہ آیت
اسکے بارہ میں ہے فتذروھا کالمعلقۃ کہ صریح ظلم کرنا اور بالکل اس سے کنارہ کشی کرلینا اور بد اخلاقی کے ساتھ اس سے
برتاؤ کرنا مراد ہے۔ اور بریرہ کا خاوند غلام تھا جب وہ آزاد ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا کہ
چاہے اس کے نکاح میں رہے چاہے نہ رہے تو اسنے غلام کے نکاح میں رہنا پسند نہ کیا اور اپنا اختیار لیلیا میں کہتا ہوں
اسکا سبب یہ ہے کہ حرہ کا غلام کے نیچے رہنا اسکے لئے عار کا باعث ہے پس اس عار کا دفع کرنا اس سے ضروری ہے
الا اگر وہ خود ہی راضی ہو تو وہ جدی بات ہے اور نیز جبتک باندی اپنے مولیٰ کے ملک میں ہے تو اسکی رضامندی
فی الحقیقت رضامندی نہیں ہے اور نکاح رضامندی سے ہوا کرتا ہے پھر جب وہ آزاد ہوگئی اور اس کو اپنی جان کا اختیار
ہوگیا تو اس نکاح میں اسکی رضامندی کا اعتبار ضروری ہوا اور اسی میں ایک روایت کے اندر یہی آیا ہے ان قربک
فلا خیار لک کہ اگر وہ تجھ سے صحبت کرے تو تجھکو پھر اختیار نہ ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اختیار کیلئے ایک مدت کا مقرر
کرنا ضروری ہے کہ اسکے بعد پھر کچھ اختیار نہ رہے ورنہ اسکو مدت العمر اختیار رہیگا اور اسمیں مقصود نکاح کا بدل دینا ہے
اور اس اختیار کی مدت کلام کیساتھ مقرر نہیں ہو سکتی اسواسطے کہ بسا اوقات وہ اپنے کنبے سے مشورہ کرتی ہے۔ اور نیز

اپنے آپ ہی وہ اس بات کا ذکر فکر کرتی رہتی ہے اور اکثر اسکی زبان سے اختیار کا کلمہ بلا قصد نکل جایا کرتا ہے اور اگر اسکے
اس بات کی تاکید کیجاوے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکالے تو اسمیں اسکے لئے دقت ہے پس حد مقرر کرنے کیلئے صحبت سے
زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں ہے اسواسطے کہ صحبت کرنا ملکیت کا فائدہ حاصل کرنا ہے اور ملک سے وہ مقصود ہے وہ
ایسی چیز ہے جو ملک سے پوری ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

طلاق کا بیان

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایما امراۃ سألت زوجہا طلاقا من غیر باس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ جو عورت
بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق چاہے تو جنت کی بو اسپر حرام ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے ابغض الحلال الی اللہ الطلاق
حلال چیزوں سے خدا تعالے کو زیادہ تر مبغوض طلاق ہے۔ معلوم کرو کہ طلاق کی کثرت اور بے پروائی کے ساتھ
طلاق کا طریقہ جاری ہونے میں بہت سے مفاسد ہیں اسلئے کہ بہت سے لوگ شہوت نفسانی کے تابع ہوتے ہیں
اور تدبیر منزل کے قائم کرنے اور التزامات ضروریہ میں معاونت انکو مقصود نہیں ہوتی ورنہ انکا مقصود شرمگاہ کی
حفاظت ہوتی ہے بلکہ عورتوں کے ساتھ تلذذ اور ہر عورت سے لذت کا حاصل کرنا انکو مقصود ہوتا ہے یہ بات ان کو
کثرت سے نکاح کرنے اور طلاق دینے پر آمادہ کرتی ہے اور انکے نفوس کیطرف ضرر کے عائد ہونیمیں زناکار لوگوں میں اور
انمیں کچھ فرق نہیں ہے اگرچہ سنت نکاح کے قائم کرنے اور سیاست مدنیہ کے موافقت میں زناکاروں سے متمیز معلوم ہوتے ہیں
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لعن اللہ الذواقین والذواقات کہ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں پر خدا کی لعنت اور نیز اس
دستور کے جاری ہونیمیں اس معاونت دائمی یا قربت دائمی کا ترک کرنا ہے جن پر نفس کا قائم کرنا نکاح کے اندر مقصود ہوتا ہے
اور نیز اسباب کے کشادہ کرنیمیں اس بات کا احتمال غالب ہے کہ ادنی ادنی امور میں خاوند اور بیوی کا دل تنگ ہو کر
اور جدائی کا قصد کیا کرے اور یہ بات صحبت کی ناگوار باتوں سے برداشت کرنے اور انتظام خانگی ہمیشہ قائم رکھنے پر اتفاق کرنے
سے نہایت بعید ہے اور نیز عورتوں کا ان باتوں کے ساتھ عادی ہو جانا اور لوگوں کو ان باتوں کی کچھ پروا و افسوس نہ کرنا بیحیائی کے
باب کے مفتوح ہونیکا سبب ہے اور نیز ایسے وقت میں ان دونوں میں سے ہر واحد دوسرے کا مثل اپنے ضرر کے خیال نہ کریگا
اور ہر ایک دوسرے کی چیز میں خیانت کریگا اس خیال سے کہ اگر جدائی ہو جاوے تو یہ چیز ہمارے کام آوے اور جس میں جو
قباحت ہے ظاہر ہے اور با ایں ہمہ اس باب کا بالکل بند کر دینا اور وقت میں ڈالدینا بھی ناممکن ہے اسلئے کہ کبھی میاں بیوی
کے مخالفت ہوتی ہے اور اسکا منشا یا تو ان دونوں کی بدخلقی ہوتی ہے یا ان دونوں میں سے کسی اجنبی کے حسن کیطرف رغبت
ہوتی ہے یا رزق کی تنگی کے سبب سے یا دونوں میں کسی کی حماقت کیوجہ سے وعلی ہذا القیاس پس باوجود ان قبائح کے اس نظم کا
قائم رکھنا ضرر عظیم اور حرج کا سبب ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ و
عن المعتوہ حتی یعقل۔ تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا ہے سونیوالے سے جبتک بیدار ہو اور لڑکے سے جبتک بالغ ہو اور مجنون
جو مصالح کے سمجھنے سے بالکل عاری ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق۔

یعنی اکراہ میں نہ طلاق ہے نہ عتاق ہے معلوم کرو کہ مکرہ کے طلاق کے باطل ہونے کی دو وجہ ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ اس
طلاق سے راضی نہیں ہے اور اُسنے کسی مصلحت منزلیہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ لاچار ہوکر اس سے یہ امر وقوع میں آیا ہے پس
اُسکا حال نائم کا سا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر اس شخص کی طلاق طلاق سمجھی جائے تو اسمیں باب اکراہ کا مفتوح کرنا ہے پس
ایسے وقت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی ظالم شخص کسی ناتوان دکھیں کو خفیہ طور پر پکڑ کر لیجائے اور تلوار سے اُس کو خوف دلا کر طلاق
پر اُس کو مجبور کرے اور اُس کی بیوی کی طرف رغبت اُس کا منشا ہو پھر جب ہم نے اُس کی امید کو منقطع کر دیا اور اس کی
مراد کو اسپر منقلب کر دیا تو اب لوگ باہم اس قسم کا ظلم نہیں کر سکتے اور اُسکی نظیر وہ ہے جو ہم اُس حدیث میں بیان کر چکے ہیں
القاتل لا یرث - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا طلاق فیما لا یملک - جس چیز کا انسان مالک نہیں
اسمیں طلاق نہیں جاری ہو سکتی ہے اور فرمایا ہے لا طلاق قبل النکاح - کہ طلاق نکاح کے قبل نہیں ہوتی ہیں کتابوں
بظاہر یہ حدیث طلاق منجز اور معلق کو خواہ وہ نکاح کے ساتھ معلق ہو یا اور کسی چیز کے ساتھ عام ہے اور اُسکا سبب یہ ہے کہ طلاق
کا جواز مصلحت کے سبب سے ہے اور مالک ہونے اور اس عورت کی سیرت کے دیکھنے سے پیشتر مصلحت اُس کو متمثل
نہیں ہو سکتی پس یہ طلاق قبل نہ بلکہ ایسی ہے جیسے کوئی مسافر کسی بیابان میں اقامت کی نیت کرے یا کوئی
مجاہد دار حرب میں کہ قرآن حالیہ خود اسکے مکذب ہیں اور اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دے دیکر رجوع
کر لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اسمیں عورت پر کسقدر ظلم تھا لہذا یہ آیت کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرتان الآیہ - طلاق
دو مرتبہ ہے یعنی جس طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے وہ دو مرتبہ ہے پھر اگر تیسری طلاق دے تو اسکے بعد جبتک
وہ عورت کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے اُس کے لئے حلال نہیں ہوتی اور آنحضرت صلعم نے نکاح کے ساتھ صحبت کرنے
کو بھی زیادہ کیا ہے اور طلاق کو صرف تین کے اندر محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے اور نیز اسمیں [illegible]
کرنا اور سمجھنا ضروری ہے اور سب سے لوگوں کو اسکی کچھ مصلحت نہیں معلوم ہوئی جبتک وہ عورت کے ہاتھ سے نکلنے کا
مزہ نہیں چکھتی اور تجربہ کے لئے پہلی مرتبہ ایک چیز کا عمل میں لانا ہے اور دوسرے تجربہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور تیسری
طلاق کے بعد نکاح شرط کرنا تمدید اور امتناع کے معنی ثابت کرنے کیلئے ہے اسلئے کہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اُس سے رجوع
درست ہوتا تو اُسکا حال رجعت کا سا تھا اسلئے کہ مطلقہ سے نکاح کرنا بھی ایک قسم کی رجعت ہے اور عورت جبتک خاوند
کے گھر میں اور اُس کے قبضہ میں اور اُس کے اقارب کے سامنے ہے تب تو ہو سکتا ہے کہ خاوند اسکی رائے پر غالب ہے
اور خواہ مخواہ اُس چیز کو پسند کرے جسکی خوبی اُس عورت کے سامنے وہ لوگ بیان کریں اور پھر جب اُسنے بالکل جدا
ہو گئی اور زمانہ کی سردی و گرمی کا مزہ چکھ لیا اور اسکے بعد اس شخص سے راضی ہوئی تو وہ رضامندی فی الواقع رضامندی ہے
اور نیز اسمیں مفارقت کا مزہ چکھانا اور بلا کسی ضروری مصلحت کے معلوم کے خواہش نفسانی کے تابع ہونیکا عذاب دینا ہے
اور نیز اسمیں مطلقہ ثلث کا انکی آنکھوں میں عزت دینا ہے اور اس بات کا جتلانا ہے کہ تین طلاقوں پر وہی شخص دلیری
کر سکتا ہے جو بغیر ذلت اور حد سے زیادہ بیزاری کے بعد اپنے نفس کو اسکی جانب سے امید کے قطع کرنے پر قائم کرلے -
اور جب ثابت نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور پھر اسکو مغلظ کر دیا اور اسنے دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا اور آنحضرت صلعم سے

دوسرے خاوند کا کچھ ذکر کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا پھر تیرا قصد رفاعہ کی جانب رجوع ہونیکا ہے تو اُس نے عرض کیا ہاں
آپ نے فرمایا نہیں جبتک تو اس کی لذت اور وہ تیری لذت حاصل نہ کرے میں کہتا ہوں آنحضرت صلعم نے نکاح کا مزہ لینے
کو مدت کرنے کے ساتھ اسلئے مشروط کیا تاکہ اس تحدید کے معنی جسکو خدا نے انکے لئے مقرر کیا ہے متحقق ہو جاویں اسلئے
کہ اگر یہ بات نہ ہو تو کوئی شخص یہ حیلہ کرسکتا ہے کہ اُس سے زبانی نکاح کر لے اسکو دوسرے خاوند سے اسی جلسہ میں
دلوالے اور اسمیں تحدید کے قاعدہ کی مخالفت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنیوالے اور اس شخص پر جسکے لئے
حلالہ کیا ہے لعنت کی ہے میں کہتا ہوں چونکہ بعض لوگ محض حلالہ کی غرض سے نکاح کرتے ہیں اور انکا مقصود اس نکاح سے
زندگانی کی معاونت نہیں ہوتی اور نکاح سے جو صحبت مقصود ہے وہ صحبت اس نکاح سے پوری نہیں ہوتی اور نیز اسمیں بیحیائی اور
بیغیرتی اور ایک عورت پر کئی مردوں کو جمع ہونا تجویز کرنا ہے اور معاونت کے قبیلہ سے نہیں ہے لہذا آپ نے اس
سے منع فرمایا ہے اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ اور
آنحضرت صلعم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ کو غصہ آگیا اور فرمایا کہ تجکو چاہئے کہ تو اسکو رجوع کرے پھر جبتک پاک ہو اور پھر حیض
آوے اور پھر پاک ہو تو اسکو روکنا چاہئے پھر اگر اسکو طلاق دینا مناسب سمجھے تو پاکی کی حالت میں اس کو ہاتھ لگانے
سے قبل طلاق دیدے میں کہتا ہوں اصلی وجہ یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنی بیوی سے تقاضا طبیعت کے اعتبار سے نفرت
کرتا ہے اور وہ نفرت اس قابل نہیں ہوتی کہ اسکو مانا جائے مثلاً اس کا حالت حیض ہونا اور گرد و غبار میں آلودہ رہنا اور کبھی اس مصلحت
کے سبب سے اپنی بیوی سے نفرت کرتا ہے جس کے قائم کرنیکا عقل سلیم حکم کرتی ہے اگرچہ رغبت طبعی وہاں موجود ہوتی ہے
اور یہ نفرت اتباع کے قابل ہے اور ندامت اکثر پہلی قسم کی نفرت میں ہوتی ہے اور اسمیں رجعت واقع ہوتی ہے
اور یہ ایسی خواہش ہے جسکے ترک کرنے پر تہذیب نفسانی کا مدار ہے اور یہ دونوں قسم کی نفرتیں بہت سے لوگوں پر مشتبہ
ہوتی ہیں لہذا ایسے حد کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس سے فرق ثابت ہوجائے پس طہر کو رغبت طبعی کا مظنہ اور حیض کو نفرت
طبعی کا مظنہ اور باوجود رغبت طبعی کے طلاق پر اقدام کرنا مصلحت عقلیہ کا مظنہ اور اسی حالت پر باوجود حالت کے
بدلنے کے یعنی حیض سے طہر کیطرف اور نفرت سے رغبت کیطرف اور انقباض سے انبساط کیطرف خاص عقل اور
تدبیر خالص کا مظنہ ہے لہذا حیض میں طلاق مکروہ کی گئی اور مراجعت اور حیض جدید کے درمیان میں ٹھہرنیکا حکم دیا اور
نیز اگر اسکو حیض میں طلاق دے تو یہ حیض اگر عدت میں شمار کیا جاوے تو عدت کی مدت کم ہوتی ہے اور اگر شمار نہ کیا جائے
تو عورت کو مدت کے زیادہ ہوجانے سے ضرر پہنچتا ہے خواہ قروء کے معنے طہر مراد لئے جاویں یا حیض بہرصورت
اس حد کی مخالفت لازم آتی ہے جسکو خدا نے اپنی کتاب محکم میں ثلاثۃ قروء کے ساتھ معین کیا ہے اور طہر کے اندر صحبت
کرنے سے قبل طلاق دینے کا حکم بدو وجہ ہے ایک تو یہ کہ اسمیں رغبت طبعی کا بقا ہے کیونکہ صحبت کے سبب سے
رغبت کے غلبہ کو کمی ہوجاتی ہے دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں نسب مشتبہ نہیں ہوسکتا تو خدا تعالی نے طلاق
پر دو گواہ کر دینے کا حکم اسلئے دیا کہ ایک تو اسمیں شہادتوں کا اہتمام بہ شان ہو تاکہ تدبیر منزل کا قائم ہونا اور نیز
اسکا انقطاع لوگوں کے روبرو ہو جاوے اور دوسرے یہ کہ [illegible] لازم نہ آوے [illegible] طلاق [illegible]

بیوی اپنے طور پر راضی ہو جاویں اور طلاق کی پروا نکریں - واللہ اعلم اور ایک طہر میں تین طلاق کے جمع کرنے کبھی کروہ کیا اس
واسطے کہ اُس میں اُس حکمت کا ترک لازم آتا ہے طلاقوں کے متفرق متفرق واقع کرنے میں جس کی رعایت کی گئی ہے۔
کیونکہ تفریق طلقات اسی لئے مقرر کی گئی ہے کہ اگر کسی سے کوتاہی ہو جائے تو اُس کا تدارک ہو سکے اور نیز جمع کرنے
میں اپنے اوپر وقت کا لازم کرنا اور ندامت کا پیش کرنا ہے اور تین طہر و نہیں بھی تین طلاقیں دینے میں وقت اور ندامت
کا مظنہ ہے گر صورت اولی سے کم ہے اسواسطے کہ اسمیں فکر کرنے کا موقع اور اتنی مدت ملجاتی ہے جسمیں احوال متغیر
ہوتے رہتے ہیں اور بہت سے لوگوں کی مصلحت حرمت مغلظہ کے ثابت کرنیمیں ہوا کرتی ہے۔

خلع ورا ظہار اور لعان اور ایلاء کا بیان

معلوم کرو کہ خلع کے اندر ایک قسم کی قباحت پائی جاتی ہے اسلئے کہ خاوند نے عورت کو جو کچھ دیا ہے وہ صحبت
کے بدلہ ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وکیف تاخذونہ وقد افضے بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقا غلیظا - اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے لعان کے اندر اسی معنے کا اعتبار کرکے فرمایا ہے ان صدقت علیہا فہو بما استحللت من فرجہا اگر تو نے
اسکو کچھ دیا ہے تو یہ اُس کے بدلہ ہے جو تو نے اُس کی شرمگاہ کو حلال کیا ہے اور باینہمہ خلع کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ اللہ پاک
فرماتا ہے فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ - پس نہیں ہے اُن دونوں پر کچھ مضائقہ جس چیز کا عورت بدلہ دے اور اہل جاہلیت
اپنی اہلیوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے اور اُن کو اپنی ماں کی پشت کے مثل گردان لیا کرتے تھے اور پھر کبھی
اُن کے پاس نہ جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر قباحت تھی کیونکہ وہ عورت نہ تو مرغوب ہوتی تھی - کہ
خاوند سے وہ تمتع حاصل کر سکتی جس طرح عورتیں اپنے خاوندوں سے تمتع حاصل کرتی ہیں اور نہ وہ بیوہ ہوتی تھی - جو
اُس کو اپنی جان کا اختیار ہوتا آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ایسا واقعہ پیش آیا اور آپ سے اُس کے بارہ میں دریافت
کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا - بلاشک اللہ پاک نے اُس عورت کی گفتگو سن لی جو
اپنے خاوند کے بارہ میں تجھ سے جھگڑا کرتی ہے عذاب الیم تک اور اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے
اُنکے اس قول کو بالکل لغو بھی نہیں کہا کیونکہ وہ ایک امر ہے جس کو خاوند نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اور پختگی کے
ساتھ اُس نے وہ بات کہی ہے جس طرح اور قسموں میں ہوا کرتا ہے - اور اُس کو ہمیشہ کے لئے بھی نہیں گردانا جسطرح
اہل جاہلیت کیا کرتے تھے تاکہ وہ دقت اُنسے دفع ہو جائے - اور کفارہ کے ساتھ اُس کو موقوف کیا اسواسطے
کہ کفارہ گناہوں کے دور کرنے اور مکلف کو اُس چیز سے روکنے کے لئے جو اُسکے دل میں پیدا ہوتی ہے وضع کیا گیا ہے
اور خدا تعالے نے یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں اسکی یہ وجہ ہے کہ زوجہ نہ تو فی الحقیقت ماں ہوتی ہے اور نہ
اُنمیں کچھ مشابہت یا مجاورت ہوتی ہے جسکی وجہ سے ایک کا اطلاق دوسرے پر صحیح ہو یہ تو اُس تقدیر پر ہے کہ جب
اُس کو جنس کے قبیلے سے کہا جائے اور اگر وہ انشاء ہے تو ایک ایسا عقد ہے کہ جو مصلحت کے موافق نہیں ہے اور نہ
خدا تعالیٰ نے اپنے شرائع میں اُس کو بطریق وحی کے بیان فرمایا ہے اور نہ روئے زمین کے عقلا نے اسکو مقرر کیا ہے

اور اسکو جو فرمایا ہے کہ وہ منکر بات کہتے ہیں تو اسکے منکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک حق کا ظلم اور جور اور جسکے ساتھ احسان کرنیکا حکم ہے تنگ کرنا ہے اور ظہار کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا یا پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنا اسلئے مقرر کیا گیا کہ منجملہ مقاصد کفارہ کے ایک یہ بات ہے کہ مکلف کے نزدیک وہ ایک ایسی چیز ہونی چاہیے جس کے لازم ہونیکا اس فعل کے مرتکب ہونے سے مکلف کو باز رکھے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ کفارہ ایک عبادت شاقہ ہو اور نفس پر اس کا غلبہ ہوا تو اس لئے کہ اسمیں اتنے قدر مال کا صرف کرنا مقرر ہو جس کا صرف کرنا نفس پر کسی قدر شاق گذرے یا اسمیں بھوک و پیاس کی تکلیف زیادہ اٹھانی پڑتی ہو اللہ پاک فرماتا ہے للذین یؤلون من نسائہم تربص اربعۃ اشہر جو لوگ اپنی بیبیوں سے ایلا کرتے ہیں انکو چار مہینہ رکنا ہے معلوم کرو کہ اہل جاہلیت اس بات کا حلف کیا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک صحبت نہ کرینگے اور اسمیں عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے چار مہینہ تک رکنے کا حکم دیا پھر اگر وہ رجوع کریں تو خدا تعالیٰ غفور الرحیم ہے اور رجوع کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں چار مہینے گذرنے کے بعد ایلا کرنے والے کو روک دیا جائے لیکن اسکو مجبور کیا جائے کہ یا تو بھلائی کے ساتھ اسکو چھوڑ دے یا حسب دستور اسکو نکاح میں رکھے اور بعض کے نزدیک چار مہینے گذرتے ہی اسپر طلاق پڑ جاویگی اور اسکو روکا نہ جائیگا اور اس مدت کے معین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اسکے چھوڑنے سے ضرر پہنچتا ہے جبکہ انسان ادنیٰ نہ ہو دوسرے یہ کہ یہ مدت سال کا ایک ثلث ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کیساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف مدت کثیر شمار کیا جاتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے والذین یرمون ازواجہم ولم یکن لہم شہداء الآیہ جو لوگ اپنی بیویوں کیطرف زنا کی نسبت کرتے ہیں اور انکے لئے گواہ نہیں ہوتے اور حضرت عویمر عجلانی اور ہلال بن امیہ کے اس باب میں حدیث مروی ہے معلوم کرو کہ اہل جاہلیت میں سے جب کوئی مرد کسی عورت کی طرف منسوب کرتا تھا اور ان دونوں میں باہم یہ منازعت ہوتی تھی تو کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے جیسا کہ ہند بنت عتبہ کے قصہ میں ہوا تھا پھر جب اسلام آیا تو یہ بات ناممکن ہوئی کہ انکے لئے کاہنوں کے پاس جانے کی اجازت دیجائے اسلئے کہ ملت حنیفہ کا مبنی ان منافقات کے چھوڑنے اور انکو دور کرنے پر ہے اور نیز کاہنوں کے پاس اسکا سچ جھوٹ معلوم کرنے جانے میں ضرر عظیم ہے اور یہ بات ناممکن تھی کہ خاوند کو چار گواہ سنانے ورنہ حد لگانے کا حکم دیا جاتا اسواسطے کہ زنا تنہائی میں ہوا کرتا ہے اور خاوند اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے اور جو جو قرائن وغیرہ اسکو معلوم ہیں وہ دوسروں کو نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ بات بھی ناممکن ہے کہ خاوند تمام ان لوگوں کے مانند کیا جائے جنپر حد جاری کیجاتی ہے اسواسطے کہ خاوند شرفاء اور نیز عقلاء اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرنیکا امور ہے اور اسکی جبلت میں یہ بات ہے کہ غیرت کرنا داخل ہو کہ اسکے ناموس پر دوسرا شخص مداخلت کر سکے اور خاوند شک کے رفع کرنے اور عورت کی شرمگاہ کے محفوظ رکھنے میں حریص ہے یا وہ مناسب تر اور اولیٰ ہے پس اگر خاوند عورت کیساتھ کسی امر کا مواخذہ کرنے میں غیر لوگوں کے برابر کیا جائے تو اس میں مشقت ہوتی ہے اور مصلحت کا فساد کیطرف انقلاب لازم آتا ہے اور جب یہ واقعہ پیش آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت میں متعدد دفعہ تھے کبھی تو ان حادثات کیوجہ سے کچھ حکم نہیں دیتے تھے اور کبھی اسکے حکم کا ان قواعد سے استنباط کر لیتے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا تھا تو آپ نے ہلال بن امیہ سے فرمایا البینۃ او حد فی ظہرک یا تو بینہ لا ورنہ تیری پشت پر حد ہے۔

بیان شک مرد نے کہا اس ذات کی قسم جسنے آپکو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بلاشک سچا ہوں اور بلاشبہ خدا تعالیٰ ایسا کوئی حکم نازل فرمائیگا جس سے میری پشت حد سے بری ہو جائیگی پس خدا تعالیٰ نے آیت لعان نازل فرمائی اور اصل اسمیں یہ ہے کہ دو قسمیں ہوتی ہیں جنکے سبب سے خاوند حد قذف سے محفوظ رہتا ہے اور عورت پر حد لگتی ہے اور پھر وہ قید میں رکھی جاتی ہے اور اسکو تنگ کیا جاتا ہے اور اگر خاوند قسم کے کھانے سے انکار کرے تو اسپر حد قذف لگائی جاتی ہے اور اگر عورت بھی قسمیں کھالے تو بری ہو جاتی ہے اور انکار کرے تو اسپر حد لگائی جاتی ہے۔ اور اصل جس چیز میں بینہ نہیں ہوتی اور نہ وہ چیز ایسی ہوتی ہے کہ بالکل لغو جھوٹ سمجھی جائے اور اسکی سماعت نہ کیجائے اس چیز میں مؤکد قسموں سے زیادہ مناسب اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ قدیمی طریقہ جاری ہے کہ عورت سے کو بیان کرنے تاکید قسموں سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو اور یہ بھی قدیمی طریقہ جاری ہے کہ وہ عورت پھر کبھی اس خاوند کیطرف عود نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں جب ایسا نزاع ہو چکا اور ان دونوں کے دلمیں سخت پیچ پڑ گیا اور خاوند نے اسکی بدکاری مشہور کر دی تو غالباً کسی صورت سے انکے باہم محبت پیدا نہیں ہو سکتی اور نکاح انہیں مصلحتوں کے لئے وضع کیا گیا ہے جو محبت و موافقت پر مبنی ہیں اور نیز اسمیں دونوں کو ایسے معاملہ پر اقدام کرنے سے روکنا ہے ۔

عدت کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء الآیہ۔ مطلقہ عورتیں تین قروء تک اپنی جانوں کو روکیں معلوم کرو کہ عدت منجملہ ان امور کے ہے جو زمانہ جاہلیت میں مسلم و مشہور تھی اور عدت ایسی چیز تھی جسکی ان سے متروک ہونے کا احتمال نہ تھا اور اسمیں بہت سے مصالح ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے کہ اس کے سبب سے رحم کا خاوند کے نطفہ سے پاک ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور نسب میں اختلاط نہیں لازم آتا کیونکہ نسب بھی ایک چیز ہے جسکی لوگوں کو خواہش ہوتی ہے اور عقلمند لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں اور نسب نوع انسانی کے خواص میں سے ہے اور منجملہ ان چیزوں کے ہے جسکے سبب سے انسان اور حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے استبراء کے باب میں بھی اسی مصلحت کی رعایت کی گئی ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ عدت سے لوگوں کو نکاح کی عظمت پر آگاہ کرنا منظور ہوتا ہے اور انکو معلوم ہو جاتا ہے کہ نکاح ایسا امر نہیں ہے کہ جو بغیر لوگوں کے اجتماع کے قائم ہو سکے یا بغیر انتظار دراز کے وہ منقطع ہو سکے اگر یہ بات نہ ہوتی تو نکاح مثل بچوں کے کھیل کے ہوتا ایک ہی ساعت میں قائم ہو کر اسی ساعت میں منقطع ہو جایا کرتا اور ازانجملہ یہ ہے کہ نکاح کی مصلحتیں اسوقت پوری ہو سکتی ہیں جب خاوند بیوی اس عقد کے ثابت رکھنے پر بظاہر اپنے آپکو قائم رکھیں پھر اگر کوئی حادثہ پیدا ہو جائے جسکے سبب سے اس عقد کا انقطاع ضروری ہو تو فی الجملہ اس دوام کی صورت کا باقی رکھنا جب بھی ضروری ہے باینطور کہ عورت کچھ مدت تک اپنے آپکو روکے رہے اور اسکو اسمیں کچھ تکلیف و دقت اٹھانی پڑے۔ اب مطلقہ کی عدت تین قروء ہیں بعض کے نزدیک قرء سے طہر مراد ہے اور بعض کے نزدیک حیض اور اگر اس سے طہر مراد ہے تب تو اسمیں یہ راز ہے کہ طہر رغبت کا زمانہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور اس کی تکرار عدت لازم مقرر کی گئی تاکہ فکر کرنے والا ان طہروں میں فکر کر سکے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے طلاق کے بیان میں فرمایا ہے فتلک العدة التی امر اللہ بالطلاق فیہا۔ پس وہ زمانہ ہے کہ جسمیں خدا تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے اور اگر اس

حیض مراد ہے تو اسمیں حکمت ہے کہ حمل کے نہ ہونے کی صورت میں تین حیض ہی سے معلوم ہوتا ہے پھر اگر وہ عورت ایسی
ہے کہ اسکو حیض نہیں آتا خواہ بچپن کے سبب سے یا بڑھاپے کے سبب سے تو اسکے لئے تین مہینے تین حیض کے قائم مقام ہیں کیونکہ ایک مہینہ
حیض کا نقشہ ہوتا ہے اور اسلئے کہ تین مہینہ میں رحم کا خالی ہونا ظاہر طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور تمام مصلحتیں اس مدت میں
متحقق ہو سکتی ہیں اور حاملہ کی مدت وضع حمل ہے اسلئے کہ اس سے رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور بیوہ کی مدت چار مہینے
دس روز ہیں اور اس مدت میں اسکو سوگ کرنا واجب ہے اور اسکے لئے سبب میں ایک تو یہ کہ جب اس پر یہ بات واجب
ہوئی کہ اپنے آپکو اس مدت تک روکے رہے اور نکاح اور نکاح کی بات چیت کسی سے نہ کرے تاکہ اسکے خاوند کا نسب محفوظ
رہے پس حکمت وسیاست کا مقتضیٰ ہوا کہ عورت کو ترک زینت کا بھی حکم دیا جاوے اسلئے کہ زینت کیوجہ سے جانبین میں شہوت
کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی ہی حالت کے اندر شہوت کے غلبہ میں فساد عظیم ہے اور یہ خیر وفاداری کا مقتضیٰ ہے کہ خاوند کی مفارقت
پر غم کرے اور خوشبو وزینت وغیرہ کا شوق نہ کرے اور اسپر سوگ کرے کہ اسمیں وفاداری اور ظاہر میں عدت کے معنی کا
ثبوت کرنا ہے اور مطلقہ کو سوگ کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ اسکو زینت کرنے کی حاجت ہے تاکہ خاوند کو اس کی طرف رغبت ہو
اور ان کے اجتماع میں جو فرق پڑا ہے پھر نشت ہو جو نیکا سبب ہو اسی لئے مطلقہ ثلث میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ سوگ
کرے یا نہیں پس کسی نے تو اصل حکمت کا خیال کیا ہے اور کسی نے لفظ مطلقہ کے عام ہونے کا خیال کیا ہے اور شارع نے
بیوہ کی مدت چار مہینے اور دس روز اسلئے مقرر کی کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور اس مدت میں جنین کے اندر جان
پڑ جاتی ہے اور غالباً جنین اس مدت کے اندر حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اسپر اور زیادہ کئے گئے تاکہ وہ حرکت پورے
طور پر ظاہر ہو جاوے اور نیز یہ مدت حمل متعارف کی نصف مدت ہے جسمیں حمل پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر شخص
اسکو پہچان سکتا ہے اور مطلقہ کی مدت طہر یا حیض کے ساتھ اور بیوہ کی چار مہینہ دس روز کے ساتھ اسلئے مقرر کی گئی کہ مطلقہ
میں حقدار یعنی خاوند اپنے خفیہ پر قائم ہوتا ہے جو نسب کی مصلحت اور قرائن کو جانتا ہے پس ممکن ہے کہ عورت کو اس
چیز کا حکم دیا جائے جو اس کے لئے خاص ہے اور خاوند پر وہ امین سمجھی جاوے اور اور لوگ اس عورت کا حال معلوم
نہیں کر سکتے جبتک کہ وہ خود نہ بیان کرے اور بیوہ کے اندر خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اسکا باطنی حال اور
اسکا فریب نہیں پہچان سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا ہے پس ضروری ہوا کہ اسکی مدت ایسا امر ظاہری مقرر کیا جائے
جس کے معلوم کرنے میں سب قریب وبعید برابر ہوں اور حیض کو بھی وہ ثابت کرے کیونکہ غالباً دا اسقدر بڑا نہیں ہوتا
اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لا توطئی حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضة۔ حاملہ عورت سے صحبت نہ کی جائے
جبتک اسکا وضع حمل نہ ہو اور نہ غیر حاملہ سے جبتک کہ اسکو ایک حیض نہ آجاوے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کیف یستخدمہ
وہو لا یحل لہ ام کیف یورثہ وہو لا یحل لہ، باوجودیکہ اسکے لئے وہ حلال نہیں ہے پھر کس طرح اس سے خدمت لیتا ہے
یا باوجودیکہ اس کے لئے حلال نہیں ہے کس طرح اسکو وارث بناتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ استبراء کے اندر یہ راز ہے
کہ رحم کا خالی ہونا اس سے معلوم ہو جاتا ہے اور نسب کا اختلاط بھی نہیں ہوتا ہاں جب عورت حاملہ ہو تو تجربہ سے یہ بات
ثابت ہوئی ہے کہ ایسی ہی صورت میں وہ بچہ دونوں کے مشابہ ہوتا ہے جس کے نطفہ سے بنے اس لئے شارع نے اسکو

مشابہت ہوتی ہے دوسرے شخص نے ایام حمل میں اُسکی ماں کے ساتھ صحبت کی ہے اُسکے ساتھ اُس کو مشابہت ہے
حضرت عمرؓ کے قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت صلعم نے بھی اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے لایحل لامرء یؤمن
باللہ والیوم الآخر ان یسقی ماءہ زرع غیرہ یعنی کسی کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یہ بات حلال نہیں ہے کہ دوسرے
کی کھیتی اپنے پانی سے سیراب کرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کیف یستخدمہ اُس کے معنی یہ ہیں
کہ مالک کے ساتھ جو جماع کرنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اُسکو دونوں شخصوں کی مشابہت ہوتی ہے اور ہر مشابہت کا حکم
دوسری مشابہت کے خلاف ہوتا ہے پہلی کے ساتھ مشابہت کا منشاء یہ ہے کہ وہ بچہ غلام ہو اور دوسری کی مشابہت
چاہتی ہے کہ وہ اُس کا بیٹا ہو اور پہلی مشابہت کا حکم غلام ہونا اور مولا کے لئے اُسپر خدمت کا واجب ہونا ہے اور دوسرے
کا حکم ربیت اور استحقاق میراث ہے پس جماع کے سبب سے اس بچہ کے اندر احکام شرعیہ کا التباس لازم آتا ہے اسلئے جماع کرنے
سے ممانعت کیگئی واللہ اعلم۔

اولاد اور غلام ولونڈی کی پرورش کے بیانمیں

معلوم کرو کہ نسب منجملہ اُن امور کے ہے جنکی محافظت آدمی کی سرشت میں داخل ہے پس اقالیم صالحہ میں سے کسی اقلیم
کے اندر جہاں آدمی پیدا ہوتے ہیں کسی انسان کو کبھی نہ دیکھو گے مگر یہ بات اُس کو محبوب ہوگی کہ اُس کے باپ دادا کیطرف
اُسکو منسوب کریں اور یہ بات اُسکو ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ اُنکو انکی طرف نسبت کرنے میں کوئی عیب لگایا جائے بار خدایا
مگر نسب کی دناءت یا ضرر کے دفع کرنے یا نفع کے حاصل کرنے وغیرہ کی غرض سے اور نیز اُسکو یہ بات بھی محبوب ہوتی ہے
کہ اُسکی اولاد کو اُسکی طرف منسوب کریں اور اُس کے بعد اُسکی قائم مقام ہو پھر بسا اوقات اولاد کے طلب کرنے میں بے انتہا
کوشش کیا کرتے ہیں اور اپنی تمام طاقت اُسکے حاصل کرنے میں خرچ کرتے ہیں پس تمام لوگوں کا اتفاق اس خصلت پر ایک
ہی معنی کے سبب سے ہے جو اُنکی خلقت میں داخل ہیں اور شرائع الٰہی کا بناء اُن مقاصد کے باقی رکھنے پر ہے کہ جو قائم
مقام جبلت کے ہوتے ہیں اور جنکے اندر نزاع و حرص جاری ہوتی ہے اور نیز حقدار کے اُن مقاصد سے حق دلانے اور باہمی
ظلم سے روکنے پر انکا مبنیٰ ہے پس اسلئے شارع کو نسب سے بحث کرنا ضروری ہوا آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الولد للفراش
وللعاہر الحجر۔ لڑکا عورت کے لئے اور مرد زناکار کو پتھر بعض نے اس سے سنگساری مراد لی ہے اور بعض نے نامرادی
میں کہتا ہوں اہل جاہلیت بہت سے طریقوں سے جنکو قوانین شرعی ثابت نہیں کرتے اولاد طلب کیا کرتے تھے اور بعض اُن
طریقوں کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان فرمایا ہے پس جب آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے تو یہ باب بند کر دیا گیا اور زناکار کی
امید منقطع کیگئی اسلئے منجملہ اُن مصالح ضروریہ کے جنپر نوع انسانی کا بقا موقوف ہے مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ مختص ہونا بھی
ہے تاکہ ایک عورت پر کئی مردوں کے جمع ہونے کا باب مسدود کیا جائے لہذا مناسب ہوا کہ جو شخص اس سنت راشدہ کے
خلاف کرے اور بغیر اس خصوصیت کے اولاد طلب کرے اُسکو نامراد کیا جائے تاکہ اُسکی ذلت اور اُس کا کچھ بس نہ چلنا دیدہ
کو کبھی ایسا قصد نکرے وللعاہر الحجر سے اگر نامرادی کے معنی مقصود ہیں جیسے بیدہ التراب اور بیدہ الحجر کہا کرتے ہیں تو

سمیں اسکی طرف اشارہ ہے اور نیز جب حقوق کا مقابلہ ہوا اور ہر شخص اپنے لئے اُس حق کا مدعی ہے تو ضرور ہو کہ جسکے پاس
ایسی ظاہری حجت ہے جسکو تمام لوگ سمجھ سکتے ہیں اسکو ترجیح دیجائے اور جسکے پاس ایسی حجت ہے جو سیہ ملامت کے زیادہ ہونے
کے سبب سے اور وہ حد کے مارنیکا باب مفتوح کرتا ہے یا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اُس نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور یا جیسا
وہ ایک پوشیدہ امر ہے جو اُس کے صرف کہنے سے معلوم ہوتا ہے پس اُس شخص کے نزدیک یہ بات مناسب ہے کہ اسکو محروم
اور کالعدم کیا جائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی حق کا لحاظ فرما کر لعان کے قصہ میں فرمایا ہے ان کذبت علیہا
فہو ابعد لک - اگر تو اُس پر جھوٹ بولتا ہے تو وہ (یعنی مہر کا تیری طرف عود کرنا) تجھسے بہت دور ہے اور دولت سے بچو ہے اگر
سنگساری مراد ہے تو اسمیں اسی کیطرف اشارہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ نے فرمایا ہے من ادعی الی غیر ابیہ وہو یعلم انہ غیر ابیہ
فالجنۃ علیہ حرام - جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کیطرف اپنی نسبت کرے اور اسکو یہ بات معلوم ہو کہ وہ اسکا باپ نہیں ہے
جنت اُس پر حرام ہے میں کہتا ہوں کہ بعض لوگ مقاصد دینیہ کا خیال کر کے اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے شخص کیطرف اپنی نسبت
کر لیتے ہیں اور یہ بڑا ظلم اور نافرمانی ہے کیونکہ اسمیں باپ کی امید کا قطع کرنا ہے اسلئے کہ اُسنے اپنی نسل کا بقا جو اُس کی طرف
منسوب ہو اُس سے پہلے سے چاہا ہے اور اسمیں باپ کی نعمت کی ناشکری اور اسکے ساتھ بدسلوکی ہے اور نیز نصرت اور حمایت
قبائل اور شہروں کے انتظام کیلئے ضروری چیز ہے اور اگر باپ سے انتقال نسبت کا باب مفتوح کر دیا جاتے تو یہ مصلحت متروک
ہوتی ہے اور تمام قبائل کے انساب مخلوط ہوے جاتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ایما امرأۃ ادخلت علی قوم من لیس
منہم فلیست من اللہ فی شیء ولن یدخلہا اللہ الجنۃ وایما رجل جحد ولدہ وہو ینظر الیہ احتجب اللہ منہ وفضحہ علی رؤس الخلائق - جو کسی
عورت کسی قوم میں اُس شخص کو داخل کرے کہ وہ اسمیں نہیں ہے تو خدا کے ہاں اُس کا کچھ نصیبہ نہیں اور کبھی خدا تعالے
اُس کو جنت میں داخل کریگا اور جو شخص اپنے ولد کا انکار کرے حالانکہ وہ اُس کی طرف نظر کرتا ہے تو خدا تعالے اپنے
دیدار سے اُس کو محروم کریگا اور تمام خلائق کے روبرو اسکو فضیحت کریگا میں کہتا ہوں جبکہ عورت عدت وغیرہ کے اندر
امانتدار اور اس بات پر مامور ہے کہ انکے انساب کو اُنپر مشتبہ ہونے نہ دے تو یہ بات ضروری ہے کہ وہ اس سے ڈرائی جاوے
اور اس امر میں اُسپر عذاب کیے جانے کی یہ وجہ ہے کہ اسمیں جہان کی مصلحت کے باطل کرنے میں سعی اور جبلت نوع کے
ساتھ مخالفت ہے اور یہ بغض ملاء اعلے کی جانب سے ہے کیونکہ وہ اصلاح نوع کے دعا کرنے پر مامور ہیں اور علاوہ بریں اسمیں
اُسکے ولد کے لئے نامرادی اور تنگی ہے اور دوسروں پر اپنی اولاد کا بار ڈالنا ہے اور جب کوئی شخص اپنے بچہ کا انکار کرے
تو البتہ اسکو ذلت دائمی اور بے انتہا عار کے لئے پیش کیا اس لئے کہ اُس نے نسب کو ضائع کر دیا اور اسکی جان کو گم کر دیا -
کیونکہ کوئی اسکا خرچ اٹھانیوالا نہیں اور یہ صورت مروجہ قتل اولاد کی مشابہ ہو گئی اور اُس کی ماں کو بھی مدت العمر کیلئے ذلت اور
عار میں ڈالدیا۔

عقیقہ کے بیانمیں

عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ

کیطرف تھا تو آنحضرت صلعم نے اسکو برقرار رکھا اور آپ نے بھی اسپر عمل کیا اور اوروں کو بھی اسکی ترغیب دی منجملہ ان مصلحتوں کے یہ ہے کہ عقیقہ میں نہایت خوبی کیساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعت نسب ایک ضروری امر ہے تاکہ کوئی شخص اسکی نسبت کوئی ناپسندیدہ بات نکہے اور یہ بات نامناسب تھی کہ اسکا باپ گلی کوچوں میں پکارتا پھرتا کہ میرے اولاد ہوئی ہے پس اشاعت کیلئے یہی طریقہ بہت مناسب ہوا اور منجملہ عقیقہ کے اندر سخاوت کے معنی کا اتباع اور بخل کی صفت کا عصیان پایا جاتا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ نصاری میں جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسکو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اسکو عمودیہ کہتے تھے اور انکا قول تھا کہ اسکے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہوجاتا ہے اسی نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر آیہ کریمہ صبغة الله ومن احسن من الله صبغة مناسب ہوا کہ حنیفیہ یعنی دین محمدی میں بھی انکے اس فعل کے مقابل میں بھی کوئی ایسا فعل پایا جائے جس سے اس فرزند کا حنیفی اور ملت ابراہیمی و اسمعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہم السلام کے ساتھ مختص تھے اور برابر انکی اولاد میں چلے آتے ہیں انمیں سے سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالے کا اسکے فدیہ میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرنا ہے اور ان دونوں شرائع میں سے زیادہ مشہور حج ہے جسکے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان باتوں میں انکے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنیفی پر آگاہ کرنا اور اس بات پر متنبہ کر دینا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ اس ملت کا برتاؤ کیا گیا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ اسکے شروع ولادت میں اسکے ساتھ یہ فعل کرنے سے اسکے خیال میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ گویا اس نے اپنے فرزند کو خدا کی راہ میں دیدیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور اسمیں سلسلہ احسان اور نیازمندی و فرمانبرداری کو حرکت دینا ہے جیسا کہ صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے میں ہم نے بیان کیا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے مع الغلام عقيقة فاهريقوا عنه دما واميطوا عنه الاذى ـ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اسکی طرف سے خون بہاؤ اور اسکی طرف سے اسکے آزار کو دفع کرو۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق۔ لڑکا اپنے عقیقہ میں مرہون ہوتا ہے اسلئے اسکے بدلہ ساتویں دن ذبح کیجائے اور نام رکھا جائے اور سر منڈایا جائے میں کہتا ہوں عقیقہ کے حکم دینے کا سبب وہی ہے جو مذکور ہوا۔ پھر ساتویں روز کی تخصیص اسلئے ہے کہ ولادت و عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب گھر اس زچہ اور بچہ کی خبر گیری میں اول اول مصروف رہتا ہے پس ایسے وقت میں مناسب نہیں ہے کہ ان کو عقیقہ کا حکم دیکر انکا شغل اور زیادہ کیا جائے اور نیز بہت سے لوگوں کو اسیوقت بکری دستیاب نہیں ہوسکتی بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے پس اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جاتا تو لوگوں کو دقت ہوتی لہذا سات روز کا فاصلہ ایک کافی و معتدبہ مدت ہے اور زیادہ نہیں ہے ولیکن اماطة الاذى میں حج کے ساتھ مشابہت ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں اور ساتویں دن نام رکھنے کی یہ وجہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کے نام رکھنے کی کیا حاجت ہے اور آنحضرت صلعم نے حضرت حسنؓ کی طرف سے ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ انکے سر کو منڈوا دو اور ہموزن ان کے بالوں کے چاندی خیرات کردو میں کہتا ہوں کہ چاندی کے خیرات کرنے کا یہ سبب ہے کہ بچہ کی حالت جنینیہ سے منتقل ہوکر طفلیت کی طرف خدا تعالے کی نعمت ہے تو اسپر شکر واجب ہے اور بہترین شکریہ ہے کہ اسکے بدلہ کچھ دیا جائے اور جنین کے بال نشانات

جنینیہ کے بقیہ تھے انکا دور ہونا نشانات طفلیت کے استقلال کی نشانی ہے اسلئے مامور ہوا واجب ہوا کہ انکے بال پانی یا چاندی
اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے سوائے امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا اور چیزیں علاوہ اسکے ایسی نہیں
ہیں کہ مولود کے بالوں کے برابر دیکھیں۔ اور آنحضرت صلعم نے حضرت حسن بن علی کے کان میں نماز کی سی اذان جب حضرت فاطمہ نے
جنی تھی پڑھی تھی میں کہتا ہوں اس میں یہی راز ہے جو عقیقہ کے اندر مصلحت لیے ہم بیان کر چکے ہیں اسلئے کہ اذان شعائر
اسلام و علامات دین محمدی سے ہے پھر ضروری ہے خصوصیت مولود کی اس اذان کے ساتھ اور وہ بھی بایں طور کہ مولود کے
کان میں آواز سے اسکو کہا جاوے اور علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس اذان کی یہ خصوصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے
اور اول اسکے پیدا ہوتے ہی شیطان اسکو ایذا دیتا ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ مولود کا چلانا اسی سبب سے ہوتا ہے
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے عن الغلام شاتان وعن الجاریة شاة کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک
بکری ہے میں کہتا ہوں کہ جو شخص دو بکریوں کو پاوے اسکو مستحب ہے کہ لڑکے کی طرف سے ذبح کرے اور اسکا سبب یہ ہے
کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ تر ہے لہذا دو کا ذبح کرنا زیادتی شکر اور اسکی عظمت کی مناسب ہے
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے احب الاسماء عند اللہ عبد اللہ وعبد الرحمن کہ خدا تعالے کے نزدیک محبوب ترین ناموں کے
عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں معلوم کرو کہ مقاصد شرعیہ میں سب سے بڑی بھاری بات یہ ہے کہ انکے ارتفاقات ضروریہ میں خدا کا ذکر
داخل ہو تاکہ یہ ایک زبان ہو کر ملت برحق کیطرف بلائیں اور مولود کے اس قسم کے نام رکھنے میں توحید کیطرف اشارہ ہے
اور نیز عرب وغیرہ اپنی اولاد کے وہی نام رکھتے تھے جسکی وہ عبادت کرتے تھے اور آنحضرت صلعم جب مبعوث کئے گئے
مراسم توحید کے تمام کرنے کیلئے لہذا یہ بات واجب ہوئی کہ نام رکھنے میں بھی مثل اسکے مسنون کیا جائے اور انہیں دونوں کا
محبوب ہونا بہ نسبت اور تمام ناموں کا جنمیں لفظ عبد کا خدا کے ناموں میں سے کسی نام کیطرف منسوب ہو کیوں ہوا اسلئے کہ یہ دونوں
نام سب ناموں سے زیادہ مشہور ہیں اور نیز یہ دونوں نام سوائے ذات خدا تعالے کے کسی پر نہیں بولے جاتے ہیں بخلاف اور
ناموں کے اور ہمارے اس بیان سے لڑکے کا نام احمد و محمد رکھنے کے استحباب کی حکمت کو معلوم کر سکتے ہو اسلئے کہ تمام لوگ
ہمیشہ سے اپنی اولاد کا نام ان گذشتہ لوگوں کے نام پر رکھتے چلے آئے ہیں جو انکے نزدیک بزرگ تھے اور اسمیں ان کا ذکر ہے
اور گویا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ وہ فرزند دین کا اہل ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اخنی الاسماء یوم القیمة عند اللہ رجل
یسمی ملک الاملاک بدترین ناموں کا خدا تعالے کے نزدیک قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو میں
کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ دین کا اصل اصول خدا تعالے کی تعظیم ہے اور اس کے ساتھ کسی کو برابر نہ کرنا ہے۔ اور کسی چیز کی
تعظیم کرنا اس کے نام کی تعظیم کو مستلزم ہے لہذا واجب ہوا کہ خدا کے نام پر کسی کا نام نہ رکھا جاوے خاصکر یہ نام جو بے انتہا درجہ
کی تعظیم پر دلالت کرتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے والوالدات یرضعن اولادہن حولین کاملین اور مائیں اپنی اولاد کو پورے
دو برس دودھ پلائیں میں کہتا ہوں جب خدا تعالے نے توالد و تناسل کے نوع انسانی کا باقی رکھنا منظور ہوا اور اسکا حکم
بقا کے اندر جاری ہوگیا اور عادت کے اعتبار سے بچہ بغیر ماں کے اسکی زندگی کے اسباب میں معاونت نہ
کریں زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ ایک جبلی امر ہے جو لوگوں کی سرشت میں داخل ہے کہ اسکی مخالفت خلق اللہ کی تغییر اور

اس چیز کے بگاڑنے میں کوشش کرتا ہے جیسا کہ حکمت الٰہی مقتضی ہے لہذا شرع کو اس سے بحث کرنا ضروری ہوا کہ ان دونوں
خاوند بیوی پر بحسب رسدی ان چیزوں کو مقرر کرے جو ان دونوں سے بسہولت ادا ہو سکیں اور ماں سے یہ بات ہو سکتی ہے کہ اسکو دودھ
پلائے اور اس کی تربیت کرے پس یہ اس پر واجب کیا اور باپ سے ہو سکتا ہے کہ اپنے مقدور کے موافق بچہ کا خرچ اٹھائے
کیونکہ خاوند نے اسکو تمام مشاغل اور مکاسب سے روک کر بچہ اسکی پرورش میں دیا ہے اور وہ اسکی پرورش میں محنت کرتی
ہے پس انصاف کا مقتضی ہے کہ خاوند اس کا خرچ اٹھائے اور چونکہ بہت سے لوگ جلد دودھ چھڑاتے ہیں اور اکثر اوقات بچے
کو اس سے ضرر پہنچتا ہے لہذا خدا تعالیٰ نے اسکی ایک ایسی حد مقرر فرمادی جسکے بعد دودھ چھڑانے سے غالباً بچہ صحیح سالم رہسکتا ہے
اور وہ پورے دو سال ہیں اور اس سے کم میں بھی دودھ چھڑانے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ دونوں مصلحت سمجھکر اس بات کو
تجویز کریں کیونکہ بسا اوقات اس مدت سے پہلے بچہ کھانے پینے کے قابل ہو جاتا ہے اور یہ بات سوچنے اور فکر کرنے سے معلوم
ہو سکتی ہے اور اس کے اندر فکر کرنے کیلئے ماں باپ ہی زیادہ تر مناسب ہیں اور اس بچے کی خصلت سے وہی خوب واقف ہیں
پھر خدا تعالیٰ نے جانبین سے ضرر رسانی کو بھی حرام کیا اسلئے کہ اسمیں دقت تھی جیسے کہ عادت میں نقصان لازم آتا تھا پس اگر
لوگوں کو بچے کی ماں کے ضعیف یا مریض ہونے کے سبب سے دودھ پلانے کی حاجت پڑے یا خاوند و بیوی میں فرقت ہو گئی
ہو اور اس کو دودھ پلانے کی خوشی نہ ہو یا اور کوئی سبب ہو تو کسی اور سے دودھ پلوانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور ایسے
وقت میں جانبین سے ایفاء حق کا ضروری ہے اور کسی شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ حق رضاع سے کس چیز کو دیکر
بری ہو سکتا ہوں آپ نے فرمایا غرۃ عبد او امۃ ایک غلام یا ایک باندی معلوم کرو کہ دایہ حقیقی ماں کے بعد ایک ماں ہوتی ہے اور
ماں کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد اسکے ساتھ سلوک کرنا واجب ہے حتی کہ آنحضرت صلعم نے اپنی رضاعی دایہ کیلئے اپنی چادر
مبارک کو اسکی عزت کے سبب سے بچھا دیا اور بسا اوقات وہ اس چیز سے راضی نہیں ہو سکتی جو بطور ہدیہ کے اسکو دیجائے اگرچہ
وہ بہت ہو اور اکثر اوقات دودھ پلانے والا دیتے وقت تھوڑی سی چیز کو بہت سمجھ سکتا ہے اور اسمیں ایک قسم کا اشتباہ تھا
لہذا آنحضرت صلعم سے اسکی حد مقرر کرنیکا سوال کیا گیا تو آپ نے ایک باندی یا غلام کے ساتھ اسکی حد معین فرمادی اسوجہ سے
کہ مرضعہ حق اسکے ذمہ ثابت ہونے کی وجہ اسکے جثہ کا قائم کرنا اور اس کا انسان کامل بنانا اور اسکی پرورش کرنا اور اسکی محنت
اٹھانا ہے اسکی پوری پوری جزا یہ ہے کہ رضیع او دودھ پلانے والا اسکو آدمی عطا کرے جو اسکے لئے تدابیر ضروریہ کے
ارادہ کرنے میں بمنزلہ اعضاء کے ہو اور اس مرضعہ کے کام دکاج کا بار اٹھائے اور یہ ایک حد استحبابی ہے نہ ضروری اور
ہند نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابو سفیان ایک بخیل شخص ہے اسکے مال سے بغیر اسکی اجازت کے جو کچھ میں لیلوں
وہ لیتی ہوں ورنہ وہ مجھے کچھ نہیں دیتا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا جسقدر تیرے اور تیری اولاد کیلئے کافی ہو سکے اس سے
حسب دستور اسقدر لیلیا کر میں کہتا ہوں چونکہ اولاد اور بیوی کا نفقہ منضبط ہونا ایک دشوار امر تھا اسلئے آنحضرت صلعم نے اسکی
بابت اسکو چھوڑ دیا اور اس کے لینے میں دستور کی قید لگادی اور قاضی کیطرف رجوع کرنے کی حاجت باقی نہیں رہی کیونکہ
ایسے وقت میں اسمیں دقت تھی اور نبی صلعم نے فرمایا ہے۔ مروا اولادکم بالصلوۃ وہم ابناء سبع سنین۔ الحدیث۔ جب
تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو ان سے نماز کیلئے کہو اسکے اسرار پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اس باب میں

آنحضرت صلعم نے لڑکے کی پرورش کرنے میں مختلف حکم دیئے ہیں جیسے کہ آپ نے اس بات کا خیال کیا ہے جو اولاد و ماں باپ کے مناسب
و دلسوزی ہے اور جو شخص ضرر رسانی کا قصد کرے وہ مصلحت کا لحاظ نہ کرے اسکو دخل نہیں دیا کیونکہ حسد و ضد کی اتباع سے قابل
نہیں ہوتی چنانچہ آنحضرت کی خدمت میں ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میرا یہ بیٹا میرے ہی تو پیٹ میں
رہا اور میرے ہی پستان کا اسنے دودھ پیا اور میری ہی گود میں رہا اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور مجھ سے ہی
چھیننا چاہتا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا انت احق بہ ما لم تنکحی تو جبتک نکاح نہ کرے تو ہی اسکی مستحق ہے میں کہتا ہوں اسکا یہ
سبب ہے کہ ماں پرورش کرنا خوب جانتی ہے اور بچے پر شفیق ہوتی ہے اور نکاح کرنے کے بعد وہ دوسرے خاوند کی تابع ہوتی
ہے اور وہ ایک اجنبی شخص ہے اور بھلائی کرنے کی اس سے امید نہیں اور ایک لڑکے کو آپ نے اختیار دیا کہ خواہ باپ کے
پاس رہے یا ماں کے پاس اور یہ سبب ہے کہ جب وہ برائی بھلائی کی تمیز کرنے لگے معلوم کرو کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے
اور باہمی معاونت کے بغیر اسکی زندگی قائم نہیں ہو سکتی اور معاونت بغیر باہمی الفت اور شفقت کے نہیں ہو سکتی اور الفت
بغیر غمخواری و ہمدردی کے جانبین سے خاطرداری کے بغیر نہیں ہو سکتی اور معاونت کا کوئی مرتبہ مقرر نہیں بلکہ اسکے مختلف
مرتبے ہیں جنکے اختلاف سے بھلائی اور صلہ بھی مختلف ہوا کرتا ہے اور سب سے ادنے مرتبہ اسکا ارتباط ہے جو باہم مسلمانوں کے ہوتا ہے
اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی باہم بھلائی کو پانچ چیزوں میں محدود کیا ہے اور فرمایا حق المسلم علی المسلم خمس
رد السلام وعیادة المریض واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتشمیت العاطس وفی روایة ستة السادسة اذا استنصحک
فانصح له مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا اور بیمار کی عیادت اور جنازہ کے پیچھے چلنا اور چھینکنے والے
کے لئے دعا دینا اور ایک روایت میں چھ ہیں چھٹا یہ ہے کہ جب تجھ سے خیرخواہی چاہے تو تو اسکی خیرخواہی کرے۔ اور
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اطعموا الجائع وفکوا العانی۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو چھڑاؤ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان
پانچ یا چھ چیزوں میں لوگوں کو کچھ ایسی دقت نہیں ہوتی اور ان سے باہمی الفت ہو جاتی ہے اور اسکے بعد وہ ارتباط ہے جو
ایک قبیلہ یا ہمجوار کے اندر یا اقارب میں ہوتا ہے پس ان لوگوں میں یہ چیزیں بھی ضرور ہوتی ہیں اور تعزیت و تہنیت اور
آمدورفت اور باہمی تحفہ و تحائف بھی ضروری ہے اور آنحضرت صلعم نے انکے لئے ایسے امور واجب کئے جس کے وہ پابند
ہوں خواہ انکے وہ طالب ہوں یا منکر جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ملک ذا رحم محرم فهو حر جو شخص اپنے
ذی رحم محرم کا مالک ہو پس وہ حر ہے اور جیسے کہ دیتوں کے باب میں پھر وہ میل جول ہے جو کنبے کے ہوتا ہے جیسے بیوی
و غلام و لونڈی لیکن بیوی کے متعلق بھلائی تو ہم اسکو بیان کر چکے لیکن غلام و لونڈی کے متعلق بھلائی تو اسکے اپنے مرتبے
کرو میں ایک واجب جس کا کرنا انکو ضروری ہو خواہ چاہیں یا نہ چاہیں اور دوسرے درجہ کی بھلائی یہ ہے کہ اس کا کرنا انکو
بہتر ہے ضروری نہیں لیکن پہلا مرتبہ وہ ہے جو آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے للمملوک طعامه وکسوته ولا یکلف من العمل الا
ما یطیق غلام کے لئے اس کا کھانا اور کپڑا ہے اور جو کام اس کی مقدور سے باہر ہو وہ اس سے نہ لیا جاوے اور اسکا
کپڑا کھانا اسلئے ہے کہ وہ سید کی خدمت کے سبب سے اپنے کسب کرنے سے مجبور ہے لہذا ضروری ہوا کہ غلام کا لباس
و طعام اسپر واجب ہو اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من قذف مملوکه وهو بری مما قال جلد یوم القیمة جو شخص اپنے غلام پر

تہمت لگائے حالانکہ وہ اسکے فعل سے بری ہے قیامت کے دن اسپر کوڑے لگائے جاینگے اور نیز آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من جدع عبدہ فالعبد حر علیہ جو شخص اپنے غلام کے ناک کان کاٹے پس اسپر اسکا غلام آزاد ہے۔ میں کہتا ہوں یہیں یہ بات ہے کہ ہمیں اسکے اور پرکیت جانے سے اس ہوائے اس فعل سے جو اسنے کیا ہے زجر و توبیخ ہے اور رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ دس سے زیادہ کوڑے نہ مارا جائیگا بجز کسی حد حدود خدا تعالے سے میں کہتا ہوں اسمیں دروازہ ظلم کا مسدود کر دینا ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس ذات کے متعلق دس کوڑوں سے زیادہ عذاب دینے سے نہی ہے جیسے کہ مامور بہ کو ترک کرنے وغیرہ کے اور مراد حد سے وہ گناہ ہے جس کی شرع کے حق میں نہی آئی ہے اور جیسا کہ کسی قائل کا یہ قول ہے کہ تو حد کو پہنچ گیا اور میرے گمان میں یہ وجہ قریب تر الفہم ہے اس لئے کہ خلفائے راشدین حقوق شرع کے اندر دس سے زیادہ تعزیر کیا کرتے تھے اور دوسرا مرتبہ جبلی کا وہ ہے جو آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا صنع لاحدکم خادمہ طعامہ ثم جاء بہ وقد ولی حرہ ودخانہ فلیقعدہ معہ فلیأکل فان کان الطعام مشفوها قلیلا فلیضع فی یدہ منہ اکلۃ او اکلتین۔ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا پکائے پھر وہ اس کے پاس کھانا ایسی حالت میں لاوے کہ اس کو اس کا دھواں و حرارت لگا ہے پس اس کو مناسب ہے کہ اس کو اپنے پاس بٹھاوے اور اس کے ساتھ ملکر کھاوے اور اگر تھوڑا سا ہے تو ایک یا دو لقمے اس کھانے میں سے اسکے ہاتھ پر رکھدے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من ضرب غلاما لہ حدا لم یاتہ او لطمہ فان کفارتہ ان یعتقہ۔ جو شخص اپنے غلام کو بلا کسی حد کے جس کا وہ مرتکب ہوا مارے یا اس کے طمانچہ لگائے تو اس کا یہ کفارہ ہے کہ اس کو آزاد کردے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا ضرب احدکم خادمہ فذکر اللہ فلیمسک۔ تم میں سے جب کوئی شخص اپنے خدمتگار کو مارے اور وہ خدا تعالے کا نام زبان پر لاوے تو اس کو رک جانا چاہئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اعتق رقبۃ مسلمۃ اعتق اللہ بکل عضو منہ عضوا من النار۔ جو شخص کسی مسلمان باندی غلام کو آزاد کریگا تو خدا تعالے اس کے ہر عضو کے مقابل میں اس کے عضو کو آگ سے آزاد کردیگا۔ میں کہتا ہوں آزاد کرنے کے اندر مسلمانوں کی جماعت کا اکٹھا کرنا اور قیدی کو قید سے رہا کر دینا ہے پس اس کی پوری پوری جزا دیا جائیگا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من اعتق شقصا فی عبد اعتق کلہ ان کان لہ مال۔ جس شخص کا ایک غلام میں کچھ حصہ ہو اور وہ اسے آزاد کردے تو اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ سب آزاد ہو جائیگا۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جسکی نقش حدیث میں تصریح واقع ہوئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالے کا کوئی شریک نہیں ہے اس سے مراد یہی ہے کہ آزاد کر دینا فی الواقع خدا تعالے کی ملک میں اس کا دے دینا ہے اور یہ بات خلاف ادب ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کی ملک باقی رہے۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من ملک ذا رحم محرم فہو حر۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب صلہ رحم ہے پس خدا نے صلہ رحم کی ایک قسم کو ان پر واجب کر دیا خواہ ان کی مرضی ہو یا نہ ہو اور واجب کرنے کے لیے اس قسم کے صلہ رحم کو اس لئے خاص کیا کہ اپنے قریب کا مالک ہو جانا اور اس پر تصرف کرنا اور غلاموں کی سی اس سے خدمت لینا اس پر بڑا ظلم ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا ورث الرجل ...

نفی معتق عن دبر منہ جب ایک شخص کی لونڈی کی اسی شخص سے بچہ پیدا ہو تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی میں کہتا ہوں اس کا بھید یہ ہے کہ ولادت کے ساتھ سلوک کرنا ہے تاکہ کوئی عزیز شخص بچہ جسکے باپ نے اسکی ماں کا مالک رہو جسکے سبب سے اسکو عار لاحق ہو اور شارع نے غلام پر مولا کی خدمت واجب کی اور بھاگنا اس پر حرام کیا اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ایما عبد ابق فقد بری من الذمۃ حتی یرجع - جو غلام بھاگ گیا پس البتہ وہ اسلام کے عہد سے الگ ہو گیا جبتک واپس نہ آوے اور آزاد کئے ہوئے پر شارع نے اس بات کو حرام کیا کہ بجز اپنے مولا کے کسی اور کو اپنا والی نہ بناوے اور سب سے بڑھا ہوا رحم والدین کے حقوق کی حرمت و عزت ہے رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من اکبر الکبائر عقوق الوالدین سب کبائر میں بڑھکر گناہ کبیرہ والدین کی نافرمانی ہے - اور والدین کے ساتھ سلوک کرنا چند امور سے پورا ہوتا ہے ان کو کھانا اور لباس دینا اور اگر ان کو خدمت کی حاجت ہو تو خدمت کرنا اور جب وہ بلائیں تو انکا جواب دینا اور جب کسی بات کا حکم دیں بشرطیکہ وہ تبدیل معصیت سے نہ ہو تو انکی اطاعت کرنا اور کثرت سے ان کے پاس آمد و رفت رکھنا اور نرمی کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا اور انکے سامنے ہوں تک نہ کہنا اور ان کو نام لیکر نہ پکارنا اور انکے پیچھے پیچھے چلنا اور اگر انکو کوئی عیب کرے یا کوئی دکھ پہونچاوے اسکی مدافعت کرنا اور شفقت درخواست میں انکا ذکر کرنا اور انکے لئے مغفرت کی دعا کرنا - واللہ اعلم

یہ باب سیاست شہروں کے اندر ہے

معلوم کرو کہ مسلمانوں کی جماعت کے اندر مصلحتوں کیلئے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے اسلئے کہ مصالح بغیر اس کے پورے نہیں ہو سکتے اور وہ مصلحتیں اگرچہ کثرت سے ہوتی ہیں مگر دو قسموں میں منحصر ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس کا نتیجہ سیاست مدنیہ ہے یعنی ان لشکروں سے مدافعت کرنا جو ان سے لڑتے ہیں اور انکو مقہور کرنا اور ظالم کو مظلوم سے روکنا اور قضیے جھگڑوں کو فیصل کرنا اور علاوہ ان کے اور بہت امور ہیں جن کی مبسوط ہم تشریح کر چکے ہیں اور دوسری قسم جسے مقصود ملت کی اصلاح کرنی ہوتی ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ دین اسلام کی عظمت تمام ادیان پر جب ہی ہو سکتی ہے کہ جب باہم مسلمانوں کے کوئی خلیفہ ہو جو دین سے خارج ہونیوالے اور اس چیز کے مرتکب ہونے والے کو جسکی حرمت منصوص ہے یا اس چیز کے ترک کرنیوالے کو جسکی فرضیت نص سے ثابت ہے سخت طور پر ممانعت و انکار کرے اور باقی تمام ادیان کے لوگوں کو مطیع کرے اور ان سب پر دباؤ ڈالکر سب سے جزیہ لیا کرے ورنہ وہ مرتبہ میں برابر ہونگے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ پر ترجیح ظاہر نہ ہوگی اور کوئی چیز سرکشی سے انکو روکنے والی نہ ہوگی رسول خدا صلعم نے تمام ان حوائج کو چار باب کے اندر منحصر کیا ہے باب مظالم باب حدود باب قضا باب جہاد پھر ان ابواب کے کلیات منضبط کرنے اور جزئیات کے اندر کی علت پر چھوڑ دینے تاکہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ پھیلانے کی نصیحت کرنے کی ضرورت ہوئی اور اسکے کئی باب ہیں انجملہ یہ ہے کہ جو شخص خلیفہ بنتا ہے وہ اکثر خاندان تنگ اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہوتا ہے اور حق کی تابعداری نہیں کرتا اسلئے رعایا میں فساد ہو جاتا ہے اور اس کا فساد پھیلتا ہے

بدرجہا زیادہ ہوتا ہے جسکے سبب خلافت ہوتی ہے اور وہ خلیفہ اپنے افعال میں حجت پیش کرتا ہے کہ وہ حق کے تابع ہے
اور اسی بات میں سے مصلحت بھی ہے پس ایسے کلیات کا ہونا ضروری ہے کہ جو شخص انکی مخالفت کرے اسکو روکا جائے
اور ان کلیات کے ساتھ اس سے مواخذہ کیا جاوے اور ان کلیات کے ذریعہ سے لوگ اس خلیفہ پر حجت قائم کرسکیں اور
ازانجملہ یہ ہے کہ خلیفہ پر یہ بات واجب ہے کہ لوگوں کے سامنے ظالم کے ظلم کو ثابت کرے اور نیز یہ بات ثابت کیے کہ
سزا حاجت سے زیادہ نہیں دی اور قضیوں کے فیصلہ کرنے میں اس بات کو ثابت کردے کہ اس نے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا
ہے اور اگر یہ بات نہ ہوگی تو لوگ اسکی خلافت میں اختلاف کرینگے اور جس کو ضرر پہنچا ہے اسکے اور نیز اسکے اقارب کے دلمیں خلیفہ
کی طرف سے غیظ و جوش پیدا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غدر کر بیٹھینگے اور انکے دلوں میں خلیفہ کیطرف سے بغض پیدا ہو
جائیگا اور یہ سمجھینگے کہ حق انکی جانب ہے اور فساد و فتنہ کا سبب ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس بات کو نہیں
جانتے کہ سیاست مدن میں حق کیا ہوتا ہے پس وہ اجتہاد کرتے ہیں اور یقین ویسا حق کے رستہ سے پھر جاتے ہیں بعض
آدمی تو نہایت سخت ہوتا ہے کہ وہ نہایت درجہ کی زجر و توبیخ ادنی خیال کرتا ہے اور بعض آدمی ایسا نرم ہوتا ہے کہ ادنی
کو بھی بہت سمجھتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے کانوں کے کچے ہوتے ہیں کہ جیسا مدعی نے کہا اسکو سچ سمجھنے لگتے ہیں اور
بعض ایسے بہت وہمی ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی نسبت بدظنی کرتے رہتے ہیں اور اسکا احاطہ ناممکن تھا کیونکہ بمنزلہ
تکلیف بالمحال کے ہے پس ضروری ہوا کہ اصول منضبط کئے جاویں اسلئے کہ اصول کے اندر اتنا خلاف نہیں ہے کہ جسقدر
فروعات میں ہوتا ہے۔ اور ازانجملہ یہ ہے کہ جب وہ قوانین شرع سے پیدا ہوئے ہیں تو وہ قربت الٰہی کے پیدا کرنے
اور لوگوں کے اندر حق کا ذکر پائے جانے میں نماز روزہ کے مثل ہیں۔ الحاصل جو لوگ قوت شہوانیہ یا سبعیہ کے تابع ہوتے
ہیں بالکل انکو اختیار دیدینا ناممکن ہے اور خلفاء میں عصمت اور غلطی سے محفوظ رہنا متیقن نہیں ہوسکتا اور جن مصلحتوں
کا ہم نے تشریع اور ضبط مقدار کے اندر بیان کیا ہے سب وہ یہاں موجود ہے واللہ اعلم۔

خلافت کا بیان

معلوم کرو کہ خلیفہ میں عاقل بالغ آزاد مرد شجاع ذی ہوش اور گویا ہونا اور ان لوگوں میں سے ہونا شرط ہے کہ لوگ
اسکی اور اسکی قوم کی شرافت مانتے ہوں اور اسکی فرمانبرداری سے عار نہ کرتے ہوں اور یہ بات جانتے ہوں کہ سیاست ملی
میں یہ حق کا اتباع کریگا یہ سب باتیں عقل سے معلوم ہوسکتی ہیں اور یہ ایسے امور ہیں کہ تمام مختلف ملکوں اور مختلف ادیان
کے لوگوں کا خلیفہ کے اندر ان باتوں کی شرط ہونے کا اتفاق ہے اس لئے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ
خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہوسکتی اور ان امور میں سے کوئی امر بھی
اگر رہجاوے تو لوگ اسکو نامناسب خیال کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا خلیفہ ہونا ناگوار گذرتا ہے اور اگرچہ
بظاہر سکوت کر لیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں ناخوشی ہوتی ہے چنانچہ ملک فارس میں جب لوگوں نے ایک عورت کو
اپنا بادشاہ بنایا تو رسول خدا صلعم نے فرمایا جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا وہ ہرگز فلاح کو نہ پہنچیگی اور ملت محمدیہ نے

علاوہ ان امور کے جو نبی کے خلیفہ ہونے میں چند اور امور کا بھی اعتبار کیا جنمیں اسلام اور علم و عدالت بھی ہے اسلئے کہ دینی مصالح
بدون ان امور کے تمام نہیں ہوتے اسلئے کہ تمام مسلمانوں نے اسی پر اتفاق کیا ہے اور اسکی حجت یہ آیت ہے وعد اللہ الذین
امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم سے فاولئک ھم الفاسقون تک تم میں سے جو لوگ
ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں ان سے خدا تعالے نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ بالضرور انکو زمین میں خلیفہ بنائیگا اور
از انجملہ اسکا قریشی ہونا چاہئے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے الائمہ من قریش ائمہ قریش میں سے ہونگے اور اس کا
سبب یہ ہے کہ حق جسکو خدا تعالے نے اپنے نبی صلعم کی زبان پر ظاہر کیا ہے وہ قریش کی زبان میں اور انہیں کی عادت
کے موافق نازل ہوا ہے اور اکثر مقادیر اور حدود کی تعیین انہیں چیزوں کیساتھ کیگئی ہے جو انہیں میں موجود تھیں اور بہت
سے احکام انہیں کے معاملات کے متعلق نازل ہوئے ہیں پس سب سے زیادہ ان احکام کو قائم کرنیوالے اور انسے دلیل پکڑنیوالے
وہی لوگ ہیں اور نیز قریش آنحضرت صلعم کی قوم اور آپ کا گروہ ہیں اور ان کا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے
پس انکی غیرت دینی و نسبی دونوں پائی جاتی ہیں پس وہی لوگ شرائع کے قائم کرنے اور انسے استدلال کرنیکے قابل ہیں اور
نیز خلیفہ کو ایسا شریف النسب والحسب ہونا چاہئے جسکی خونریزی سے لوگ عار نہ کر سکیں اسلئے کہ جس شخص کا نسب
عمدہ نہیں ہوتا ہے اسکو حقیر و ذلیل جانتے ہیں اور نیز خلیفہ ان لوگوں میں سے ہونا چاہئے جنمیں قدیم سے ریاست اور شرافت اور
لوگوں کے جمع کرنے اور قتال کے قائم کرنے کا مادہ اور ملکہ چلا آیا ہے اور نیز اسکی قوم کے لوگ قوی ہونے چاہئے جو اسکی
حمایت و مدد کر سکیں اور اسکی خاطر اپنی جانیں دے سکیں اور یہ سب امور بجز قریش کے کسی قوم کے نہیں پائے جاتے خاصکر جب
رسول خدا صلعم مبعوث ہوئے اور قریش کا درجہ اور بڑے انتہا بلند ہو گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا
خلافت کا امر بجز قریش کے ہرگز کسی کیلئے نہیں معلوم ہوتا وہ تمام عرب میں خاندان کے معتبر رہے درمیان میں واقع ہوئے ہیں اور
خلیفہ کا مثلاً ہاشمی ہونا بدو وجہ شرط نہیں کیا گیا ایک تو یہ کہ لوگوں کو اس سے شک واقع نہ ہو اور یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ نبی کو
انکی مراد اور شاہت مقصود ہے جسطرح بادشاہ ہونکو ہوتی ہے اور یہ بات انکے ارتداد کا سبب ہو اور یہی وجہ تھی کہ رسول خدا صلعم
نے عباس بن عبدالمطلب کو بیت اللہ کی کنجی عطا نہیں فرمائی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خلافت کے اندر نہایت ضروری امر خلیفہ
سے لوگوں کا راضی ہونا اور اسپر اتفاق کرنا اور اسکی توقیر کرنا اور خلیفہ کا لوگوں پر حدود کا قائم کرنا اور دین کی خاطر قتال کرنا اور احکام
نافذ کرنا ہے اور یہ سب امور کسی ایک شخص میں جمع ہو سکتے ہیں اس بات کی شرط کرنیمیں کہ خلیفہ ایک خاص قبیلہ سے ہو لوگوں کو
دقت اور حرج ہے کیونکہ بسا اوقات ہو سکتا ہے کہ اس قبیلہ میں کوئی شخص ان اوصاف کا جامع نہ پایا جائے اور دوسرے
قبیلہ میں ایسا شخص موجود ہو اسیوجہ سے فقہاء کہتے ہیں کہ چھوٹی سی بستی کا حاکم ہونے کیلئے اس شخص کی سب سے نزدیک مسلم
ہونا شرط نہیں ہے اور بڑی بستی ہی شرط ہے اور خلافت کے انعقاد کی کئی صورتیں ہیں ایک تو اہل حل وعقد یعنے علماء
اور رؤساء اور لشکر کے افسروں کا علی ہذا القیاس ان لوگوں کا بیعت کرنا جنکی عقل کو مسلمانوں کی خیرخواہی میں دخل ہے
جسطرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی دوسری صورت یہ ہے کہ خود خلیفہ ہی لوگوں کو دوسرے
کے خلیفہ کرنے کی وصیت کرے جس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت ہوئی یا خلافت کی بابت قوم کے اندر کسی خاص شخص کیلئے

مشورہ کیا جائے جس طرح حضرت عثمان بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انعقاد ہوا یا کوئی شخص جو ان اوصاف کا جامع ہو لوگوں پر استیلاء اور تسلط کر کے خلیفہ ہو جائے جس طرح خلافت نبوت کے بعد اور خلفاء کی خلافت ہے پھر اگر کوئی ایسا شخص جو ان اوصاف کا جامع نہ ہو تو یہ غلبہ حاصل کرے تو اسکی مخالفت پر بھی جرأت نہ کرنی چاہئے اسلئے کہ غالبا یہ وہ شخص بغیر لڑائیوں اور جھگڑوں کے خلافت سے معزول نہیں ہو سکتا ہے اور یہ فساد بنسبت اس مصلحت کے بہت بڑا ہے جو خلافت سے مقصود ہوتی ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا ہم ان ائمہ سے قتال نہ کریں آپ نے فرمایا نہیں جبتک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم رکھیں اور فرمایا مگر جس صورت میں تم صریح کفر دیکھو اور خدا کی طرف سے تمہارے پاس اسکی دلیل موجود ہو۔ الحاصل جب خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری حکم کا منکر ہو کر کافر ہو جائے تو اس کے ساتھ قتال کرنا درست بلکہ واجب ہے ورنہ نہیں اس واسطے کہ اس کے وقت میں اسکو خلیفہ کرنے سے جو مصلحت مقصود تھی وہ فوت ہوگئی بلکہ لوگوں میں اسکے فتنہ پھیلانے کا اندیشہ ہے پس اس کے ساتھ قتال کرنا خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکره ما لم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة بات اور بجا آوری کرنا مرد مسلمان پر ان چیزوں میں جنکو وہ پسند کرے اور ناپسند کرے جبتک ہے کہ اسکو معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ ماننا چاہئے نہ سننا چاہئے میں کہتا ہوں امام دو قسم کی مصلحتوں کے لئے ہے جن سے دین اور ملک کا انتظام مقرر ہوتا ہے اور رسول خدا صلعم بھی انہیں دونوں مصلحتوں کی غرض سے مبعوث ہوئے تھے اور امام آنحضرت صلعم کا نائب اور آپ کے حکم نافذ کرنیوالا ہے لہذا اسکی فرمانبرداری رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے مگر جب امام معصیت کا حکم دے تو یہ بات ظاہر ہے کہ اسکی فرمانبرداری خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں ہے اور وہ شخص آپ کا نائب نہیں ہے اسی لئے رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی۔ اور جو شخص امیر کی اطاعت کرے اس نے میری اطاعت کی اور جو اسکی نافرمانی کرے اس نے میری نافرمانی کی اور فرمایا ہے انما الامام جنة یقاتل من ورائه ویتقی به فان امر بتقوی الله وعدل فان له بذلک اجرا وان قال بغیره فان علیه منه۔ امام تو ایک ڈھال ہے جسکی پناہ لیکر قتال کیا جاتا ہے اور جس کے سبب سے لوگوں کو بچاؤ ہوتا ہے پھر اگر امام خدا کے خوف اور ہدایت کا حکم کرے تب تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اگر کچھ کہے تو اسپر جو کچھ ہے اس کی طرف سے ہے میں کہتا ہوں کہ امام کو بمنزلہ ڈھال کے اسلئے فرمایا کہ امام کے سبب سے سب مسلمان ایک زبان ہو جاتے ہیں اور انپر کوئی آفت نہیں آسکتی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من رای من امیره شیئا یکرهه فلیصبر فانه لیس احد یفارق الجماعة شبرا فیموت الا مات میتة جاهلیة۔ جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند بات دیکھے تو اسکو اسپر صبر کرنا چاہئے کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہو کر مر جاوے مگر جاہلیت کی موت مریگا میں کہتا ہوں اسلام جاہلیت سے انہیں دو وجہ سے ممتاز ہے اور خلیفہ ان دونوں مصلحتوں میں نائب رسول ہوتا ہے پس جب کسی شخص نے ان مصلحتوں کے نافذ کرنے اور ان کے قائم کرنیوالے سے مخالفت کی تو وہ جاہلیت کے مشابہ ہو گیا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ما من عبد یسترعیه الله رعیة فلم یحطها بنصیحة الا لم یجد رائحة الجنة

کوئی بندہ ایسا نہیں جسکو خدا تعالیٰ کسی رعیت کا اسکو محافظ بنائے وہ خیر خواہی کے ساتھ وہ اسکی حفاظت نہ کرے مگر جنت
کی بو اسکو نہ ملیگی میں کہتا ہوں چونکہ خلیفہ کا مقرر کرنا مصلحتوں کے قائم کرنے کے لئے تھا لہذا ضروری ہوا کہ جب کوئی
خلیفہ کی فرمانبرداری کا حکم کیا گیا ہے اسیطرح خلیفہ کو بھی ان مصلحتوں کے لائق کا حکم کیا جائے تاکہ جانبین سے مصلحتیں
پوری ہو سکیں پھر چونکہ امام سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ خود صدقات کو بھی وصول کرے اور عشر بھی لے اور تمام اطراف
کے مقدمات فیصل کرے لہذا اعمال و قضاۃ کا بھیجنا ضروری ہوا اور چونکہ وہ سب کام چھوڑ کر مصالح عامہ میں سے
ایک کام میں مشغول ہوئے لہذا بیت المال میں انکا روزینہ مقرر کرنا ضروری ہوا چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق جب خلیفہ
ہوئے تو انہوں نے اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میری تجارت میرے کنبہ کا خرچ اٹھانے
سے عاجز نہ تھی و میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا لہذا اب ابو بکر کی اولاد اس مال سے یعنی بیت المال سے کھائیگی-
اور وہ یعنی ابو بکر مسلمانوں کے لئے محنت کریگا پھر ضروری ہوا کہ عامل کو سہولت سے کام لینے کا حکم دیا جائے اور
فریب و رشوت سے اسکو منع کیا جائے اور لوگوں کو اسکی فرمانبرداری کا حکم کیا جائے تاکہ مصلحت پورے طور سے
حاصل ہو چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان رجالا یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق فلھم النار یوم القیمۃ-
بعد لوگ خدا تعالیٰ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں پس قیامت کے دن انکے لئے آگ ہے اور فرمایا ہے
من استعملناہ علی عمل فرزقناہ رزقا فما اخذ بعد ذلک فہو غلول جس کسی کو ہم کسی کام کے لئے مقرر کریں اور اسکو کچھ
قوت دیں پھر بعد اسکے بھی اگر وہ لے تو خیانت ہے اور آنحضرت صلعم نے راشی اور مرتشی پر لعنت کی ہے اور اسکی
وجہ یہ ہے کہ رشوت کا لین دین مصلحت مقصودہ کے منافی اور باب مفاسد کے مفتوح ہونے کا سبب ہے اور
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا نستعمل من طلب العمل- جو شخص عامل ہونا چاہے ہم اسکو عامل نہ کرینگے
میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ عامل ہونے کی خواستگاری اکثر خواہش نفسانی سے خالی نہ ہوگی اور آنحضرت صلعم نے
فرمایا ہے اذا جاءکم العامل فلیصدر وہو عنکم راض- جب تمہارے پاس عامل آئے تو مناسب ہے کہ وہ تم سے خوش ہو کر
واپس ہو پھر یہ ضرور ہوا کہ عمال کو انکے عمل کے بدلے میں جو کچھ دیا جائے اس کا اندازہ ہونا چاہئے تاکہ امام اسمیں کمی و بیشی
نہ کریں اور نہ عامل خود اس میں کچھ زیادتی کر سکے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان لنا عاملا فلیکتسب
زوجۃ فان لم یکن لہ خادم فلیکتسب خادما فان لم یکن لہ مسکن فلیکتسب مسکنا- جو شخص ہمارا عامل ہو اسکو چاہیے کہ
ایک بیوی کرے پھر اگر اس کے پاس خدمتگار نہ ہو تو ایک خدمتگار رکھے پھر اگر اسکے پاس گھر نہ ہو تو ایک گھر لیلے
پس جب امام عامل کو سال بھر کے صدقات تحصیل کرنے کو بھیجے تو اسکو مناسب ہے کہ ان صدقات میں سے اسکو بقدر
مقرر کردے کہ جو اسکے خرچ کو بھی کافی ہو جائے اور اسقدر بچت کہ ان حوائج میں سے کسی حاجت کو پورا کر سکے کیونکہ زیادہ
کی کوئی حد نہیں ہے اور بدون زیادتی کے صرف خرچ کیلئے کافی ہوجانے کی خاطر عامل عمل کی محنت گوارا نہ کر سکیگا
اور نہ اسکی طرف توجہ کر سکیگا۔

مظالم کا بیان

معلوم ہو کہ جن مقاصد کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے گئے ہیں انمیں سے ایک مقصود اعظم یہ ہے کہ لوگوں میں سے
باہمی مظالم دور ہوجاویں کیونکہ انمیں باہم ظلم کا ہونا ان کی حالت کے خراب ہونے اور وقت کے واقع ہونے کا سبب ہے اور یہ
بات مستغنی عن البیان ہے: اور مظالم کی تین قسمیں ہیں: جان پر تعدی کرنا: اور لوگوں کے اعضاء پر تعدی کرنا: اور انکی مالوں پر
تعدی کرنا پس حکمت الٰہی کا مقتضے ہوا کہ ان اقسام میں سے ہر قسم کی نہایت تاکید کے ساتھ پوری سزا کی جاوے جسکی سبب سے
دوبارہ ان کے مرتکب ہونے سے باز رہیں: اور یہ بات نامناسب تھی کہ سب سزائیں ایک درجہ کی ہوتیں اسلئے کہ قتل کرنا
ہاتھ یا پیر کے کاٹنے کے برابر نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہاتھ و پیر وغیرہ مال کے ہلاک کرنے کے برابر ہوسکتا ہے اور جن
خواہشوں سے یہ مظالم پیدا ہوتے ہیں انکے مراتب مختلف ہوں پس یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کا عمداً قتل کرنا ایسا نہیں
ہے جیسے تساہل جو کوئی خطا کا سبب ہوجائے پس سب سے بڑھکر ظلم قتل ہے اور تمام اہل ادیان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ
قتل سب گناہوں میں بڑھکر گناہ ہے کیونکہ اسمیں خواہش غضب میں نفس کی اطاعت ہے اور لوگوں میں فساد ڈالنے کا
بڑا سبب ہے اور اسمیں خلق الٰہی کے تغیر اور بنیاد الٰہی کا منہدم کرنا ہے: اور خدا تعالے نے اپنے بندوں سے جو نوع انسانی
کا پھیلانا چاہا ہے اسمیں اسکی مخالفت پائی جاتی ہے اور قتل کے تین قسم ہیں قصداً خطاً: مشابہ قصد: قتل عمد اُس قتل کا
نام ہے جس ایسی چیز سے جان کا نکالنا قاتل کا مقصود ہو جو اکثر خواہ اپنی تیزی سے خواہ اپنے بوجھ سے مار ڈالنے والی ہو۔
اور قتل خطا اس قتل کا نام ہے جسمیں اس انسان کا مارنا مقصود نہیں ہوتا مگر اتفاق سے وہ چیز اُس تک پہونچکر اُس کو قتل
کردے مثلاً کوئی شخص دوسرے شخص پر گر پڑے اور وہ مرجائے یا کسی درخت کیطرف کوئی تیر وغیرہ چلاوے اور کسی انسان
کے وہ تیر لگکر اُسکو ہلاک کردے: اور شبہ بالعمد کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز سے مارے جو غالباً ہلاک نہیں
کرتی مگر وہ شخص اُس سے ہلاک ہوجائے جیسے کوئی شخص کسی کے کوڑا یا لاٹھی مارے اور وہ مرگیا اور قتل کی تین قسمیں اسلئے
کی گئیں کہ ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں کہ سزا ایسی ہونی چاہئے جو داعیہ نفسانی اور مفسدہ کی مقاومت کرسکے اور داعیہ اور
فساد کی مراتب مختلف ہیں پس چونکہ قتل عمد میں فساد زیادہ ہے اور اُس کا داعیہ بھی قوی ہے لہٰذا اُس میں سخت سزا کا
دینا مناسب ہوا تاکہ پورے طور پر اُسکے ارتکاب سے روکے اور قتل خطا میں چونکہ فساد بھی کم ہے اور داعیہ
بھی خفیف ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ اُسکی سزا میں تخفیف کی جائے اور رسول خدا صلعم نے عمد اور خطا کے مابین ایک اور
قسم کا استنباط فرمایا ہے اس لئے کہ وہ دونوں کے مابین واسطہ ہے اور دونوں کے ساتھ اُسکو مشابہت ہے
پس ان دونوں میں سے ایک میں اُسکا داخل ہونا نامناسب ہے قتل عمد کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ومن
یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ واعدلہ عذابا عظیما۔ اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کرڈالے
تو اُس کی جزا جہنم ہے درانحالیکہ وہ اُس میں ہمیشہ رہیگا اور اُس پر خدا تعالےٰ کا غضب اور اُس کی لعنت ہوگی اور
خدا تعالےٰ نے اُس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے خاص اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاتل کی کبھی مغفرت

نہ ہوگی اور حضرت ابن عباس کا مذہب یہی ہے مگر جو سنت سے معلوم ہوتا ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ ایسا قاتل
بھی اور گناہوں کا سا ہے اور یہ تشدیدات زجر کے طور پر ہیں ورنہ ایسے جہنم میں مدت دراز تک رہنے کو خلود کہا جاتا ہے یہ تشبیہ
پائی جاتی ہے اور اسکے کفارہ میں اختلاف ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے قتل عمد کے مسئلہ میں کفارہ کی تصریح نہیں فرمائی وہ
اللہ پاک نے فرمایا ہے یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ یعنی اے
اے ایمان والو مقتولوں میں تم پر قصاص لکھا گیا حر کے بدلہ میں حر غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں
عورت اخیر تک۔ یہ آیت عرب کے قبائل میں سے دو قبیلوں کے باب میں نازل ہوئی ہے ایک قبیلہ جس کو فضیلت
دوسرے کے شرافت تھا ایسی کچھ قبیلہ کے لوگوں نے ان شریف قبیلہ کے کچھ لوگوں کو قتل کر ڈالا تو شریف قبیلہ والے
کہا کہ ہم اپنے غلام کے بدلے حر اور عورت کے بدلے مرد ہلاک کرینگے اور ہم میں سے جو زخمی ہوا ہے انکے بدلہ میں دو چند زخمی کرینگے اور
آیت کے معنی واللہ اعلم یہ ہیں کہ مقتولین میں صفت خاصہ کا مثل عقل اور جمال اور صغیر و کبیر اور شریف یا مالدار ہونیکا اعتبار نہیں بنسبت
و علیٰ ہذا القیاس بلکہ صرف نام اور مظان کلیہ کا اعتبار ہے اسلئے ہر عورت دوسری عورت کے برابر ہے بہ حیثیت مذہب عورتوں کی
دیت ایک سی مقرر کی گئی ہے گو اوصاف میں تفاوت ہو اور اسی طرح ہر حر دوسرے حر کا مثل اور ہر غلام دوسرے غلام کا
اسلئے جب قصاص کے حق برابری اور اس بات کے ہیں کہ دو شخص ایک ہی وصف میں شریک ہوں اور ایک کو دوسرے
پر فضیلت نہ ہو تب قصاص لیا جائے لیکن ایک کے بدلہ میں دوسرے کو قتل کرنا منظور ہرگز نہیں ہے پس سنت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
مسلمان کافر کے عوض میں قتل نہ کیا جائیگا اور نہ حر غلام کے بدلہ مگر مرد عورت کے بدلے قتل کیا جائیگا اسلئے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی کے بدلے یہودی کو قتل کیا اور آنحضرت صلعم نے یمن کے حکام کی طرف جو نامہ روانہ فرمایا اس میں یہ حکم لکھا ہوا
تھا کہ عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے اور اسکا سبب یہ ہے کہ قیاس اس صورت میں مختلف ہے کیونکہ مردوں کا عورتوں پر زبردست اور
حاکم ہونے کا تو یہ مقتضی ہے کہ عورتوں کے بدلے مردوں سے قصاص نہ لیا جائے اور دونوں کی جنس ایک ہی ہے صرف فرق صغیر و کبیر
اور قوی الجثہ اور ضعیف کا سا ہے اور اس قسم کی رعایت کرنا ایک دشوار بات ہے اور بہت سی عورتیں باعتبار عمدہ عادات
کے مردوں سے بہتر ہوتی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ عورتوں کے بدلے ان سے قصاص لیا جائے پس ضروری ہوا کہ
دونوں قیاسوں پر عمل کیا جائے اور عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قتل میں قصاص کا اعتبار کیا گیا نہ دیت میں اور یہ اسلئے
کیا گیا کہ عمداً قتل کرنیوالے نے اسکی جان کا قصد کیا اور سراسر تعدی کا قصد کیا اور جو شخص قصد التعدی کرنیوالا ہو تو اس
تعدی کو اس سے پورے طور پر دفع کرنا چاہئے عورت صاحب شوکت نہیں ہے اور اسکے قتل کرنے میں کوئی دقت واقع
نہیں ہوتی بخلاف مردوں کے قتل کرنے کے کہ ایک مرد دوسرے سے قتال کرتا ہے لہذا یہ صورت قصاص واجب کرنے کے
لئے زیادہ مناسب ہوئی تاکہ پھر دوبارہ ایسے کام سے باز رہے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ لا یقتل مسلم بکافر کہ کافر کے
بدلے مسلمان قتل کیا جائے میں کہتا ہوں کہ اسکی یہ وجہ ہے کہ شرع کا مقصود اعظم ملت محمدی کا بلند کرنا ہے اور یہ بات اسوقت حاصل
ہو سکتی ہے کہ مسلمان کو کافر پر فضیلت دیجائے اور دونوں باہم برابر نہ کیجائیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لا یقاد الوالد بالولد
بیٹے کے بدلہ ماں باپ سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ کا سبب یہ ہے کہ والدین کی شفقت اور [illegible]

پس والدین کا قتل پر اقدام کرنیمیں ایسی بات کا ظن غالب ہوتا ہے کہ انہوں نے قتل کا قصد نہیں کیا اگرچہ قصد کرنے کی
علامات پائی جائیں یا وہ قتل کسی ایسے سبب سے ہوا ہے جس نے قتل کو مباح کر دیا اور جیسے ایسے آلہ کا استعمال کرنا جو غالباً قتل
نہیں کرتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل نے جان سے مار ڈالنے کا قصد نہیں کیا والدین کا مارنا بھی اس بات پر
اس سے کم دلالت نہیں کرتا اور اس قتل میں جو شابہ بالعمد آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من قتل فی عمیۃ فی رمی یکون بینہم بالحجارۃ
او جلد بالسیاط او ضرب بعصا فہو خطاء وعقلہ عقل الخطاء۔ جو شخص کسی فتنہ میں مارا جائے جسکے اندر لوگوں میں پتھر یا کوڑہ
یا لٹھ چلے تو وہ قتل خطا ہے اور اسکی دیت وہی ہے جو قتل خطاء کی ہوتی ہے میں کہتا ہوں اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ خطاء
کے مشابہ ہے اور وہ قصداً نہیں ہے اور اسکی دیت فی الحقیقت اسی کی دیت ہے اور امتیاز صرف صفت کی اعتبار سے ہے
یا یہ معنی ہیں کہ قتل خطاء اور اسمیں سونا و چاندی کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں اور دیت مغلظ میں روایتیں مختلف ہیں ابن مسعودؓ
فرماتے ہیں کہ دیت مغلظ میں چار قسم کے اونٹ دینے چاہئیں پچیس جذعہ اور پچیس حقہ اور پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض
اور آنحضرت صلعم سے ایک روایت ہے کہ اگر کوڑے یا لاٹھی سے بقصد خطاء سے قتل ہو جائے تو سو اونٹ آتے ہیں جنمیں سے
چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں اور ایک روایت میں تیس حقے اور تیس جذعے اور چالیس گابھن اونٹنیاں آئی ہیں اور اگر
اپنے طور پر رضامندی سے جو کچھ کم و بیشی کرے تو جائز ہے اور قتل خطاء میں دیت خفیفہ آئی ہے جسمیں پانچ قسم کے اونٹ دینے
آتے ہیں ۲۰ بنت مخاض ۲۰ ابن مخاض ۲۰ بنت لبون ۲۰ حقے ۲۰ جذعے ان دونوں قسموں میں عاقلہ پر تین برس کی اندر
دیت دینی واجب ہوتی ہے اور چونکہ ان اقسام کے مراتب مختلف ہیں اسلئے کئی وجہ سے تخفیف و تغلیظ کا قتل کے اندر لحاظ کیا گیا
ایک تو یہ کہ قاتل کو مار ڈالنے کا حکم صرف قتل عمد میں دیا گیا اور باقی دو قسموں میں دیت کا حکم دیا گیا اور یہود کی شریعت میں بجز
قصاص کے کچھ اور نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کی لئے تخفیف کی پس قتل عمد کا بدلہ دو باتوں میں سے ایک مقرر کیا قتل یا مال
کیونکہ بسا اوقات مال وارثوں کیلئے انتقام لینے سے زیادہ تر مفید ہوتا ہے اور نیز اسمیں ایک مسلمان کی جان بچتی ہے اور ایک
قتل عمد میں خود قاتل سے دیت لیجاتی ہے اور ان دو قسموں میں عاقلہ سے دیت لیجاتی ہے تاکہ اسمیں سخت ممانعت پائی جائے
اور قاتل کیلئے ابتلاء عظیم ہو جس سے پورے طور پر اسکے مال پر صدمہ پہنچے اور غیر عمد میں عاقلہ (محلہ والوں) سے اسلئے
دیت لیجاتی ہے کہ کسی کا خون کرنا نہایت فساد عظیم ہے اور مصیبت زدوں کے قلوب کی تسلی شرع کو مقصود ہے ایسے وقت
میں قاتل سے تساہل کرنا گناہ عظیم ہے جسمیں اسکو تنگ کرنا ضروری ہے پھر چونکہ ذوی الارحام پر صلہ رحم واجب ہے اس سے
خلقت الہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ انمیں سے کچھ خواہ مخواہ انپر واجب کیا جائے اور دو سبب سے یہ بات متعین ہوئی ایک تو یہ کہ خطا پر اگرچہ
تساہل کیوجہ سے مواخذہ کرنا چاہئے مگر انتہا درجہ کا مواخذہ کرنا نامناسب ہو پس ہو نیز انکو ذی رحم کیطرف سے جو چیز واجب کیجائے
وہ ایسی چیز ہونی چاہئے جسمیں اسپر تخفیف ضروری ہے اور دوسری یہ کہ عرب کے لوگ مصیبت کیوقت جان و مال سے اپنے ساتھ
کے آدمی کی مدد کرنیکو مستعد ہو جاتے تھے اور اسکو ایک صلہ ضروری اور لازمی حق سمجھتے تھے اور اسکے ترک کو بڑی نافرمانی و
قطع رحم خیال کرتے تھے پس انکی اس عادات کا مقتضے ہوا کہ یہ امر انکے لئے مقرر کیا جائے اور از انجملہ یہ ہے کہ قتل عمد کی
دیت سال بھر کے اندر اندر واجب کرنی اور غیر عمد کی تین برس تک مہلت دینے میں ایک قسم کی تخفیف پائی جاتی ہے

جسکو ہم بیان کر چکے ہیں اور دیت میں اصل یہ ہے کہ اسمیں بہت سا مال واجب ہونا چاہئے جسکا لوگوں پر بار گذرے اور انکے
کی پڑے اور لوگوں کے نزدیک اسکی قدر ہو اور اسقدر مال ہونا چاہئے کہ جسکو بہت محنت اٹھا کر ادا کر سکیں تاکہ زجر کے معنی
پائے جاویں اور یہ مقدار اشخاص کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے اور اہل جاہلیت نے دیت میں دس اونٹ مقرر کر رکھے
تھے پس عبدالمطلب نے جب یہ دیکھا کہ اسقدر مال ادا کرنے سے لوگ قتل سے باز نہیں رہتے تو سو اونٹ دیت میں مقرر کر دیئے
اور آنحضرت صلعم نے بھی اسکو برقرار رکھا اسواسطے کہ ان دنوں عرب میں اونٹوں کی کثرت تھی مگر آنحضرت صلعم نے جب یہ بات کو معلوم
کیا کہ آپکی شریعت تمام عرب اور عجم بلکہ تمام دنیا پر لازم ہے اور تمام ملکوں میں اونٹوں کی کثرت نہیں ہوتی لہذا آپ نے سونے سے
ہزار دینار اور چاندی سے بارہ ہزار درہم دیت کے لیئے مقرر فرمائے اور گائے بیل سے دوسو اور بکریوں سے دو ہزار دیت لیئے
مقرر فرمائے اور اسکا سبب یہ ہے کہ تین برس کے اندر سو مردوں پر اگر ہزار دینار تقسیم کئے جاویں تو ایک سال میں فی آدمی تین
دینار سے کچھ زیادہ ہوتے ہیں اور دراہم سے کچھ اگلے تیس درہم ہوتے ہیں اور یہ اتنی مقدار ہے کہ اس سے کم کے ادا کرنے میں لوگوں کو
کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور قبائل متفاوت ہوتے ہیں کوئی بڑا کوئی چھوٹا۔ پس چھوٹے کا اندازہ پچاس آدمیوں سے کیا گیا ہے
اسلئے کہ کم از کم اتنے آدمیوں سے قریہ آباد ہوتا ہے اسلئے کہ قسامت میں پچاس قسمیں مقرر ہوئیں جو پچاس شخصوں پر منقسم ہوتی
ہیں اور بڑے قبیلہ کا اندازہ پچاس سے دوچند کیا گیا اسلئے دیت میں سو اونٹ مقرر کئے گئے تاکہ ہر شخص ایک اونٹ یا دو اونٹ
یا ایک سے کچھ زیادہ اکثر قبائل میں اگر وہ مستوی الحال ہوں ادا کریں اور جن احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب
اونٹوں کی ارزانی ہوتی تھی تو دیت میں کمی فرماتے تھے اور اگر انکی گرانی ہوتی تھی تو آپ بڑھا دیا کرتے تھے میرے نزدیک اُنکے
یہ معنی ہیں کہ آپکا یہ ارشاد انہیں لوگوں کے ساتھ خاص تھا جہاں اونٹوں کی پیداواری ہوتی تھی اور اگر تم اکثر شہروں کی تفتیش کرو گے
تو لوگوں کی یہ قسمیں نکلینگی ایک اہل تجارت واموال اور یہ لوگ شہری ہوتے ہیں اور ایک اہل مویشی اور وہ دیہاتی ہوتے ہیں
اور اکثر لوگوں کا حال اس سے خالی نہیں ہوتا اللہ پاک فرماتا ہے۔ ومن قتل مومنا خطاء فتحریر رقبۃ مومنۃ۔ جو شخص خطاءً
مومن کو قتل کر ڈالے تو اسکو ایک بردہ مومن کا آزاد کرنا چاہیئے میں کہتا ہوں کفارہ میں مسلمان بردہ کا آزاد کرنا یا ساٹھ
مساکین کو کھانا کھلانا اسلئے واجب ہوا تاکہ فیما بینہ وبین اللہ قربت کا سبب ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص
مسلمان ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بجز خدا تعالے کے کوئی معبود نہیں اور میں اسکا رسول ہوں تو اس شخص کا
خون کرنا حلال نہیں ہوتا مگر تین باتوں میں سے ایک بات کیساتھ جان کے بدلے جان اور بیوی والا زناکار اور تارک
دین جماعت کا میں کہتا ہوں تمام ادیان میں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ قتل اسی مصلحت کلیہ کے سبب درست ہوتا ہے جو بغیر
قتل کے حاصل نہیں ہوتی اور اس مصلحت کا ترک قتل سے بھی زیادہ خرابی کا سبب ہوتا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے الفتنۃ اشد
من القتل فتنہ قتل سے بڑھکر ہے اور رسول خدا صلعم نے جب احکام مقرر فرمائے اور حدود کی تفتیش کی تو ضروری ہوا کہ اس
مصلحت کلیہ کا جو قتل کو جائز کر دیتی ہے انضباط کیا جائے اور اگر اسکا انضباط نہ کیا جاتا اور مہمل چھوڑ دیئے جاتے تو قتل کرنیوالا
ایسے شخص کو مصلحت کلیہ سمجھکر قتل کر سکتا تھا کہ جس کے قتل میں مصلحت کلیہ نہ ہوتی لہذا رسول خدا صلعم نے تین چیزوں سے اسکا انضباط
فرمایا۔ ایک تو قصاص کہ وہ زجر کا سبب ہوتا ہے اور اسمیں بہت اسباب ہیں اللہ پاک نے بھی ان کی طرف اس آیت میں

اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب۔ اور تمہارے لئے اے عقلمندوں قصاص کے اندر زندگی ہے اور وہ شخص جو بیوی والا ہو کر زنا کرے اسلئے کہ زنا تمام ادیان میں اکبر الکبائر سے ہے اور یہی جبلت انسانی کا اصل مقتضی ہے کیونکہ انسان بشرطیکہ اسکا مزاج سالم ہو اسکی خلقت میں اس بات سے غیرت داخل ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کی موطوءہ پر دخالت کرے جیسے اور بہائم میں ہوتا ہے مگر انسان کے لئے یہ بات ضروری تھی کہ جس سے باہمی انتظام قائم ہو سکے وہ بات اسکو معلوم ہو لہذا اسپر یہ بات واجب کی گئی تھی ہے مرتد کہ اسنے خدا تعالیٰ سے اور اسکے دین پر جرأت کی اور دین کے قائم کرنے اور رسولوں کے بھیجنے کی جو مصلحت ملحوظ تھی اس شخص نے اسکی مخالفت کی اور ان تین کے ماسوا جسکی نسبت قائل ہے اور محاربہ کرنیوالا بلا اس بات کے کہ کسی کو قتل کرے جو شخص محارب کی سزا میں تخییر کا قائل ہے تو اسکا رجوع ان اصول میں سے کسی کیطرف ممکن ہے اور معلوم کرو کہ اہل جاہلیت بھی قسامت کا حکم کرتے تھے اور اول جس نے قسامت کا حکم دیا ہو وہ ابوطالب ہیں چنانچہ ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے اسلئے کہ قتل بسا اوقات ایسے پوشیدہ مقامات اور تاریک شب میں ہوتا ہے کہ جہاں پر بینہ نہیں قائم ہو سکتی پھر اگر اس قسم کے قتل کی کچھ باز پرس نہ کیجاتی تو لوگوں کو اسپہ جرأت ہو اور فساد زیادہ ہو اور اگر بلا دلیل مقتول کے وارثوں کا دعوے مسموع ہو تو لوگ تمام اپنے دشمنوں کا نام لے دیا کریں لہذا رسول خدا صلعم نے اسکا حکم کر کے ثابت و برقرار رکھا اب فقہا میں اس علت کے اندر اختلاف ہوا جس پر قسامت کا مدار ہے بعض کے نزدیک اسکی علت ایک مقتول کا جسمیں زخم یعنی چوٹ یا گلا گھوٹنے کا اثر موجود ہو کسی ایسے مقام میں پایا جانا جو ایک قوم کی حفاظت میں ہے جیسے محلہ اور مسجد اور مکان اور یہ علت عبد اللہ بن سہل کے قصہ سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے ایک مقتول کو خیبر کے اندر تڑپتا ہوا دیکھا اور بعض کے نزدیک اسکی علت ایک مقتول کا پایا جانا اور کسی پر قتل کے شبہ کا قائم ہونا خواہ مقتول کے بیان کرنے سے یا نصاب کم کسی کی گواہی دینے سے وعلی ہذا القیاس اور یہ اس قسامت کے قصہ سے ماخوذ ہے جس کا ابوطالب نے حکم دیا تھا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے دیۃ الکافر نصف دیۃ المسلم۔ کہ کافر کا خونبہا مسلمان کے خونبہا سے نصف ہے میں کہتا ہوں کہ اسکا سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ ملت اسلامیہ کی عظمت اور مسلمان کو کافر پر فضیلت دینا ضروری ہے اور نیز کافر کے قتل کرنے سے مسلمانوں کے اندر چنداں فساد نہیں پڑتا اور کافر کے قتل کرنیکا گناہ بھی کم ہے اسلئے کہ وہ کافر اور مباح الاصل ہے اور اسکے قتل کرنے سے کفر کا ایک شعبہ دور ہوتا ہے مگر یا اینہمہ اسکا قتل کرنا گناہ اور خطا اور ملک میں فساد پھیلانے سے خالی نہیں لہذا مناسب ہوا کہ اسکی دیت میں تخفیف کیجائے اور اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل گرا دے تو رسول خدا صلعم نے ایک بردہ غلام یا باندی کے ادا کرنیکا حکم دیا ہے معلوم کرو کہ جنین کے اندر دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ وہ نفوس بشریہ میں سے ایک نفس ہے اور اسکا مقتضے یہ ہے کہ اسکے بدلے میں بھی ایک نفس واجب ہو اور ایک یہ کہ وہ اپنی ماں کا ایک ٹکڑا اور ایک عضو ہے جو بغیر اسکے قائم نہیں رہ سکتا اور اسکا مقتضے یہ ہے کہ مال کا حکم دینے میں اسکا حال اور زخموں کا سا ہو۔ پس دونوں باتوں کا لحاظ کر کے اسکی دیت ایک مال جو آدمی ہے گردانی گئی اور یہ نہایت انصاف ہے اور انسان کے بعض پر تعدی کرنے کا حکم کئی اصول پر مبنی ہے ایک تو یہ اسمیں سے جو عمداً ہو تو اسمیں برابر بدلا لیا جائے مگر جس صورت میں برابر بدلہ لینے سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اس میں برابر بدلہ لینے سے مانع ہوگا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے

النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص۔ جان کے بدلے جان اور
آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور ناک کے بدلے ناک اور دانت کے بدلے دانت اور زخم برابر ہیں پس آنکھ
کے بدلے میں آنکھ گرم آئینہ سے زائل کرنی چاہئے اور دانت کے بدلے دانت ریتی سے تراشنا چاہئے اور اکھاڑنا نہیں چاہیے
اسلئے کہ اکھاڑنے میں زیادہ تکلیف کا اندیشہ ہے اور زخم اگر اسقدر ہو کہ جس سے ہڈی نظر آنے لگے تو بقدر اسکی گہرائی کی چھری سے ناپ کر
اسی جگہ سے زخم کریں اور اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو اسکا بدلہ نہیں ہے اسلئے کہ اسکے عوض لینے میں ہلاکت کا خوف ہے اور بعض
تابعین سے طمانچہ کے بدلے میں طمانچہ اور چٹکی کے بدلے چٹکی لینا مروی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس چیز میں انسان کی کسی نفع پہنچانے والی
قوت کا ازالہ ہو جیسے پکڑنا اور چلنا اور دیکھنا اور سننا اور سمجھنا اور جماع کرنا اور جسکے سبب سے انسان لوگوں کی دربار ہو جائے اور اپنی
معاش بلا دوسرے کی استعانت کے حاصل نہ کر سکے اور لوگوں میں اسکی سبب سے عار لاحق ہو اور اسکا ازالہ مثلہ کرنا ہو جس سے
خلق الٰہی کی تغییر لازم آتی ہے اور مدت العمر تک اسکا اثر جسم میں باقی رہے تو اسمیں پوری دیت واجب ہوتی ہے اسلئے کہ اسمیں
ظلم عظیم اور خلق اللہ کی تغییر اور مثلہ کرنا اور عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے اور چونکہ لوگ اس قسم کے مظلوم کی مدد کیلئے ایسے نہیں ہوتے
جیسے قتل کے بارے میں اسکی مدد کرتے ہیں اور خود وہ ظالم اور بعض حکام اور بعض ظالم اور مظلوم کا گروہ ان باتوں کو کوئی بڑا امر نہیں سمجھتے
لہذا ضروری ہوا کہ شارع اسمیں تاکید کرے اور انتہا درجہ اسمیں زجر کرے اور اصل اسمیں یہ حدیث ہے کہ جب حضور
نبوی صلعم نے اہل یمن کو نامہ روانہ فرمایا تو اسمیں یہ بھی لکھا تھا فی الانف اذا اوعب ناک جب جڑ سے کاٹ لیجائے تو
اسمیں دیت ہے اور دونوں دونوں لبوں و خصیتین و ذکر و پشت و پستانوں میں دیت ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے
فی العقل الدیۃ کہ عقل میں دیت ہے پھر جسمیں اس منفعت میں سے نصف منفعت کا تلف کرنا ہو تو اسمیں نصف دیت ہے
پھر ایک پیر میں نصف دیت اور ایسے ہی ایک ہاتھ میں نصف دیت ہے۔ و جسمیں اس منفعت کے دسویں حصہ کا تلف ہونا
پایا جائے مثلاً ہاتھ یا پیر کی انگلیوں میں ایک انگلی کا کاٹ ڈالنا ہو تو اسمیں دسواں حصہ ہے اور ہر دانت میں بیسواں حصہ ہے
اسلئے کہ دانت اٹھائیس یا چھتیس ہوتے ہیں اور کسر کا اس عدد کے اعتبار سے ایک کے مقابل نکالنا پوشیدہ امر ہے
جسمیں حساب کے اندر تعمق کی ضرورت ہے لہذا ہم نے بیس کا عدد مقرر کر لیا اور دیت کا بیسواں حصہ بدلا ہر دانت کے مقرر کر دیا
اور تیسرے یہ کہ جن زخموں میں نہ کسی پوری قوت کا باطل کرنا ہو اور نہ انکا اور نہ اسمیں مثلہ ہو بلکہ وہ صرف زخم ہو جو
چند روز میں بھر سکتا ہے تو مثل زخم کا بمنزلہ جان یا بمنزلہ ہاتھ پیر کے گردانکر نصف دیت کا واجب کرنا مناسب نہیں ہے
اور نہ یہ مناسب ہے کہ اس سے کوئی چیز نہ واجب کیجائے پس زخم کا درجہ کمتر از کم موضحہ ہو اسلئے کہ جو اس سے کم ہے اسکو خراش
وغیرہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں زخم نہیں کہتے اور موضحہ اس زخم کو کہتے ہیں جسمیں ہڈی نظر آنے لگے اور اسمیں دیت کا بیسواں
حصہ ہے اسلئے کہ بیسواں حصہ ان حصوں میں سے کمتر حصہ ہے جو بلا غور کئے حساب میں معلوم ہو جاتا ہے اور شرائع کا مبنیٰ
ان حصص پر ہے جن کی مقدار محاسب وغیر محاسب سب جانتے ہیں اور جس زخم میں ہڈی ٹوٹ جائے اور اپنی جگہ سے
جدا ہو جائے تو اسمیں پندرہ اونٹ آتے ہیں اسلئے کہ ایک تو اسمیں ہڈی تک زخم ہو چکا دوسرے ہڈی ٹوٹ گئی تیسرے
وہ ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی پس وہ زخم بمنزلہ تین موضحہ زخموں کے ہے اور جائفہ اور آمہ یعنی وہ زخم جو سر یا پیٹ کے

اندر تک پہنچ جائے اور وہ زخم جو یافوخ تک ہو یہ دونوں بہت بڑے زخم ہیں پس انمیں سے ہر ایک میں تہائی دیت واجب ہونی
چاہئے اسلئے کہ نصف سے کم کا اندازہ ثلث سے ہو سکتا ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہذہ وہذہ سواء
یا اور یعنی خنصر و انگشت برابر ہیں اور فرمایا ہے الثنیۃ والضرس سواء یعنی اگلا دانت اور داڑھ برابر ہیں میں کہتا ہوں اسکا
سبب یہ ہے کہ ہر ہر عضو کیساتھ جو منافع مقصود ہیں انکا انضباط دشوار ہے لہذا نام اور ہیئت پر حکم کا مدار کرنا ضروری ہوا معلوم
کرو کہ بعض دفع قتل اور زخم ہدر ہوتا ہے یعنی وہ ضائع ہوتا ہے اسکا بدلہ کچھ نہیں کیا جاتا اور اسکی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قتل
و زخم کسی شر کے دفع کرنے سے ہو جو انسان کو لاحق ہوتا ہے اور اسکی دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلعم سے
عرض کیا کہ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے کے قصد سے آئے تو آپ اسمیں کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اسکو اپنا مال مت دے
اس نے عرض کیا اور جو وہ مجھ سے مقاتلہ کرنے لگے تو آپ کیا فرماتے ہیں آپنے فرمایا تو اس سے مقاتلہ کر پھر اسنے عرض کیا اگر وہ
مجھے قتل کر ڈالے آپنے فرمایا تو شہید ہے اسنے عرض کیا کہ اگر میں اسکو قتل کر ڈالوں تو آپ کیا فرماتے ہیں آپنے فرمایا تو وہ دوزخ میں جائیگا
اور ایک آدمی نے ایک آدمی کے کاٹا اور جس کے کاٹا تھا اسنے کاٹنے والے کے منہ میں سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اسکا ایک دانت
بھی اسکے ساتھ کھینچ لیا تو آپنے اس دانت کا قصاص نہ دلایا۔ الحاصل اگر کوئی شخص کسی کی جان یا اسکے عضو یا مال پر حملہ کرے
تو جس طرح سے ممکن ہو اسکا دفع کرنا درست ہے حتیٰ کہ اگر قتل کی بھی نوبت پہونچے تو کچھ گناہ نہیں اسلئے کہ درندہ صفت
لوگ اکثر ملک میں تغلب کرتے ہیں پھر اگر انکی مدافعت نہ کیجائے تو لوگوں کی حالت بہت تنگ ہو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے
لو اطلع فی بیتک احد ولم تاذن لہ فخذفتہ بحصاۃ ففقات عینہ ما کان علیک من جناح۔ اگر تیرے گھر میں کوئی جھانکے
اور تو نے اسکو اجازت نہ دی ہو اور تو اسکی طرف کنکر پھینک کر اسکی آنکھ پھوڑ دے تو تجھپر کوئی گناہ نہیں ہے اور
دوسری صورت قصاص نہ لینے کی یہ ہے کہ وہ قتل یا زخم ایسے سبب سے ہو جسمیں کسی طرف سے تعدی نہیں پائی جاتی بلکہ
وہ بمنزلہ آفت سماوی کے ہو اور اسکی دلیل یہ حدیث ہے العجماء جبار والمعدن جبار والبیر جبار۔ بہیمہ ہدر ہے اور معدن
ہدر ہے اور کنواں ہدر ہے میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے کہ بہائم چرنے کیلئے چھوڑ دیئے جاتے ہیں اگر کسی کو زخمی کر دیں تو
وہ انکے مالک کا فعل نہ سمجھا جائیگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کنوئیں میں گر پڑے یا کان کے نیچے دب جائے تو وہ بھی انکے مالک کا
فعل نہیں ہے پھر رسول خدا صلعم نے اسپر احتیاط کرنا لازم کر دیا تا کہ کسی کو انمیں سے خطا سے ضرر نہ لاحق ہو کہ مرض کے قریب
ہونے سے جان کے تلف ہونیکا خطرہ ہے اور اسی لئے رسول خدا صلعم نے اینٹ پتھر پھینکنے سے نہی فرمائی اور فرمایا ہے
لا یصاد بہ صید ولا ینکأ بہ عدو ولکنہا قد تکسر السن وتفقأ العین۔ اس سے شکار نہ کیا جائے اور نہ اس سے کسی دشمن کو زخمی
کیا جائے لیکن اس سے دانت ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے اذا مر احدکم فی مسجدنا او فی سوقنا ومعہ نبل فلیمسک علی نصالہا ان یصیب احدا من المسلمین منہا شیء۔ تم میں سے
جس کسی کا ہماری مسجد یا بازار میں گذر ہو اور اسکے پاس تیر ہو تو انکو پرکی طرف سے تھامے رہے تا کہ مسلمانوں میں سے
کسیکو اس سے ضرر نہ پہونچے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے لا یشیر احدکم الی اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل الشیطان
ینزع من یدہ فیقع فی حفرۃ من النار۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کیطرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اسلئے کہ اسکو

معلوم نہیں کہ شاید شیطان اُسکے ہاتھ سے چھین لے پھر وہ شخص آگ کے گڑھے میں جا پڑے۔ اور آپؐ نے فرمایا ہے من حمل علینا السلاح فلیس منا۔ جو کوئی ہم پر ہتھیار اُٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور فرمایا ہے کہ ننگی تلوار رکھی جائے اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ دو انگلیوں سے تسمہ کو پکڑ کر تراشے۔ اور لوگوں کے مال پر تعدی کرنے کی چند قسمیں ہیں غصب کرنا اور ہلاک کرنا اور چرانا اور لوٹنا چوری اور لوٹ کا حال تو تم کو عنقریب معلوم ہوگا اور غصب کے معنی غیر کے مال پر ایک واہی شبہہ پر بھروسہ کرکے جسکو شرع ثابت نہیں کرتی یا اس بھروسہ پر کہ حکام کو حقیقت حال ظاہر نہ ہوگی یا اسیطرح کسی اور اعتماد پر تسلط کرنا ہیں غصب اس قابل ہے کہ اسکو معاملات میں شمار کیا جائے اور حدود اسپر مبنی نہ کیجائیں اسی لئے ہزار درہم کے غصب کرلینے سے تو ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوتا اور تین درہم کی چوری سے واجب ہوجاتا ہے اور مال کے تلف کرنے کی تین صورتیں ہیں عمداً اور خطاءً اور مشابہ بالعمد مگر چونکہ اموال کا درجہ جان سے کم ہے اسلئے ہر مال کا جداگانہ حکم مقرر نہیں کیا گیا اور تاوان سب مالوں کا بدلہ زجر کیلئے کافی ہوگیا اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من اخذ شبراً من الارض ظلماً طوقہ یوم القیمۃ من سبع ارضین۔ جو شخص ظلم سے بقدر ایک بالشت کے زمین لیلیگا قیامت کے دن ساتوں زمین طوق کرکے اسکی ڈالی جائیگی میں کہتا ہوں چند مرتبہ تم کو یہ بات معلوم ہوچکی کہ جس فعل میں مصلحت مدنیہ کی مخالفت اور ایذا و تعدی پائی جائے وہ فعل ملاء اعلے کی لعنت کا مستوجب ہوتا ہے اور عذاب عمل کی صورت یا اسکے قریب قریب صورت میں متمثل ہوتا ہے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے علی الید ما اخذت۔ ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اُس نے لی میں کہتا ہوں۔ غصب اور عاریت کے باب میں یہ حدیث اصل ہے پس بعینہ اس چیز کا واجب رہتا ہے اگر بعینہ اسکا واپس کرنا متعذر ہو تو اُسکے مثل کا دینا واجب ہوتا ہے اور کسی شخص کی ایک رکابی ٹوٹ گئی تو آپؐ نے اسکے بدلے ایک رکابی دیدی اور ٹوٹی ہوئی کو رہنے دیا۔ میں کہتا ہوں تلفات کے باب میں یہ حدیث اصل ہے اور ظاہر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولات میں تاوان لینا جسکو عام و خاص کہدیں کہ یہ اُسکا مثل ہے درست ہے جیسے رکابی کے بدلے رکابی اور حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے سامنے مغرور پر اس بات کا حکم دیا کہ اپنی اولاد کے مثل فدیہ دے اور مغرور وہ شخص ہے جسکو کوئی عورت یہ دھوکہ دیکر کہ میں حرہ ہوں اُس سے نکاح کرے اور فی الحقیقت وہ کسی کی باندی ہو اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من وجد عین مالہ عند رجل فھو احق بہ ویتبع البیع من باعہ۔ جو شخص بعینہ اپنا مال کسی کے پاس پائے تو وہ اُسکا حقدار ہے اور خریدنیوالا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اُسکے ہاتھ فروخت کیا ہے میں کہتا ہوں اس حکم کا سبب اور مقتضی یہ ہے کہ جب یہ صورت واقع ہو تو ہر جانب میں ضرر اور ظلم کا اعتبار ہے پس جب کوئی شخص اپنا مال کسی کے پاس دیکھے ایسے وقت میں اگر یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا کہ جبتک اُسکا بائع نہ ملے اسوقت تک یہ شخص اسکے مال کو نہ لیگا تو اصل مالک کا اسمیں ضرر عظیم تھا اس لئے کہ غاصب یا سارق کی جب خیانت معلوم ہوتی ہے تو غالباً اپنی جان بچانے کی غرض سے وہ یہ حجت پیش کرسکتا تھا کہ میں نے ایک شخص سے اسکو خریدا تھا اور اکثر ایسا ہوتا کہ سارق و غاصب اپنے اور نیز بائع کے بچاؤ کیلئے کسی شخص کو بیچ کا وکیل کردیا کرتا اور اسمیں لوگوں کی حق تلفی کا دروازہ کھلتا تھا اور اکثر اوقات بائع اسوقت ملتا کہ جب وہ مشتری موجود نہ ہوتا پس مالک اُس سے مطالبہ کرتا اور اُسکے پاس کچھ نہ پاتا اور ناامید ہوکر سکوت کرلیتا اور اگر یہ حکم ہوتا تو اسیوقت اپنی چیز پر

قبضہ کر لیتا تو اُسمیں مشتری کا ضرر تھا کیونکہ بسا اوقات خریدنے والا بازار میں سے کوئی چیز خریدتا ہے اور نہیں جانتا کہ بائع کا
نام ونشان کیا ہے پھر اُسکے مال میں کسی کا حق نکلتا ہے اور بائع کا اُسکو پتہ نہیں لگتا اور ناامید ہو کر سکوت کر لیتا ہے
اور بسا اوقات اُسکو اُس چیز کی حاجت ہوتی ہے اور حقدار نے اُسپر قبضہ کرنے اور بائع کے اُسپر حوالہ کر دینے میں وہ حاجت
فوت ہو جاتی ہے پس جبکہ امر درمیان دو ضرر کے دائر ہوا اور ایک کا پایا جانا اُن دونوں میں خواہ مخواہ ضروری ہوا تو ایسے
ضروری امر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا جسکو بلاشبہ لوگوں کی عقل قبول کرے اور وہ یہ ہے کہ حق اس چیز کیساتھ متعلق
ہو گیا اور عین اس عین کے معاوضہ جسکے متعلق ہے روک لیا جائے جبکہ بینہ قائم ہو اور اشکال زائل ہو جائے اور قضیوں کا
اسیطرح اعتبار کرنا مناسب ہے اور رسول خدا صلعم نے مالیوں پر حکم دیا کہ دن میں باغوں کی نگہبانی کریں اور مویشی جو نقصان
کریں اُسکا تاوان مویشی والوں پر ہے میں کہتا ہوں اس حکم دینے کا سبب یہ ہے کہ جب مویشی نے لوگوں کے باغ کا نقصان کیا
تو ہر ایک کے ساتھ ظلم و عذر ہے مویشی والا تو یہ حجت کر سکتا ہے کہ اُسکو چرنے کیلئے مویشی کا چھوڑنا ضروری ہے ورنہ
مویشی بھوکے مر جاوینگے اور ہر مویشی کے ساتھ ساتھ رہنا اور اُسکی حفاظت کرنا اُسکی تدبیر معیشت میں خلل انداز ہوتا ہے اور
اور مویشی نے جو نقصان کیا ہے اُس میں اُسکا کچھ بس نہیں ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ مالی نے خود اپنے مال کی حفاظت
میں کوتاہی کی اور اُسکو بلا نگرانی کے چھوڑ دیا اور مالی یہ حجت پیش کر سکتا ہے کہ باغ شہر سے باہر ہو کرنے میں اُسکی نگرانی
اور اُسمیں کسی کو نہ آنے دینا اور اُسکے نظام میں رہنا اُسکی حالت کے خراب ہونے کا سبب ہے اور مالک مویشی نے یا تو
خود اُسکو باغ میں چھوڑا ہے یا خود اُسکی نگرانی میں کوتاہی کی ہے پس جب یہ امر باہم دونوں کے دائر ہوا اور ہر ایک کیطرف سے
جور و عذر ممکن ہو تو ضرور ہوا کہ اُس دستور پر نظر کیجائے جو ہمیشہ سے اُن سب میں جاری ہے اور اس دستور سے تجاوز کرنے پر
جور کی بناء کی جائے اور دستور یہ ہے کہ دن میں ہر باغ میں کوئی شخص باغ کے کاروبار اور اُسکی درستی و حفاظت کے لئے
رہتا ہے اور شب میں باغات کو خالی چھوڑ کر قریوں و شہروں میں شب باشی کرتے ہیں اور مالکان مویشی شب میں گھروں
میں مویشی کو جمع کر لیتے ہیں اور پھر دن کو چرنے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں پس اُن کے اس دستور عام سے تجاوز کرنا ظلم سمجھا
گیا اور آنحضرت صلعم سے کسی شخص نے اس پھل کی نسبت جو محفوظ نہ ہو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص محتاج
اُسکو منہ سے کھالے اور جھولی نہ بنائے تو اُسپر کچھ مضائقہ نہیں معلوم کر کہ لوگوں میں باہمی نزاع کے دفع کرنے کی یہی صورت
ہے کہ جو کوئی کسی کو ضرر پہونچائے اور تعدی کرے اُس کا ہاتھ پکڑا جائے نہ یہ کہ آنکے حرص و کینہ کی اقتدا کیجائے پس
اس پھل کھانے میں جو حلق اور غیر محفوظ درختوں پر تھوڑا سا پھل ہے اگر کوئی محتاج آدمی اُسکو پیٹ بھر کے کھالے تو اُس سے
مالک کو ملال نہیں گذرتا بشرطیکہ وہ آدمی دستور کی حد سے تجاوز نہ کرے اور جھولی نہ باندھے اور نہ اینٹ پتھر سے پھلوں کو جھاڑے
کیونکہ عرف کا مقتضی ایسے امور میں مسامحت کرنا ہے اور ایسی باتوں کا جو شخص دعوے کرے تو یہ اُسکا بخل اور حرص لوگوں کو
تکلیف دیتی ہے لہذا اُسکے دعوے کی پروا نہ کیجائے اور اگر وہ پھل کوئی شخص کھا جائے جو محفوظ رکھا ہوا ہے یا جھولی بھر لے
یا اینٹ پتھر سے پھل جھاڑے یا اور کسی طرح سے حد سے تجاوز کرے تو اُسمیں تعزیر اور تاوان آتا ہے اور مویشی کا دودھ
لینے میں قیاسات متعارض ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکا بیان فرمایا ہے پس کبھی حضور نبوی صلعم سے

اسکو اُس مال پر قیاس کیا جو گھر میں حفاظت سے رکھا ہوا ہو اسواسطے اُسکے دوہنے سے منع فرمایا اور کبھی ثمر معلق اور غیر محفوظ چیز پر
اسکو قیاس فرما کر اسکو بقدر حاجت مباح فرمایا ہے اگر مالک نہ ملے جس سے اجازت لیجاسکے اور احادیث کے اندر جو جو اختلاف
ہے اور علتیں اُنکی ظاہر ہوگئی ہیں اُنمیں اصل یہی ہے کہ اُن علتوں کے اعتبار سے اُنکی تطبیق دیجائے پس اگر ایسی چیز کے
خرچ کرنے اور اُسکی کچھ پروا نکرنے کا دستور ہو اور اسمیں لوگوں کو کچھ دقت نہ ہو اور حاجت ہو تو اُسکا کام میں لانا درست
ہے ورنہ درست نہیں ہے اور علی ہذا القیاس بیوی کا خاوند کے مال میں اور غلام کا سیدہ کے مال میں تصرف کرنا ہے۔

حدود کا بیان

معلوم کرو کہ بعض معاصی میں خدا تعالے نے حد مقرر فرمائی ہے اور وہ ایسے معاصی ہیں جنمیں فساد کی کئی صورتیں
پائی جاتی ہیں ایک تو انمیں ملک کا فساد اور لوگوں کی آسایش کا قطع کرنا ہوتا ہے دوسرے انکے لئے بنی آدم کے نفوس کے
اندر داعیہ ہوتا ہے ہمیشہ اُس کا ہیجان ہوتا رہتا ہے اور اُنکے لئے عادت ہوجاتی ہے جبکہ اُس سے اُنکے قلوب پر چھا جاتے
ہیں تو اُس سے باز رہنا اُنکے بس میں نہیں رہتا ہے اور اسمیں اکثر اوقات ایسا ضرور ہوتا ہے کہ مظلوم اپنی طرف سے اسکے
دفع کرنے میں بے بس ہوجاتا ہے اور یہ آدمیوں کے مابین اکثر واقع ہوتا رہتا ہے تو اس قسم کے معاصی میں صرف آخرت
کا ڈرانا کافی نہیں ہوسکتا ہے بلکہ آدمیوں کے سامنے اس قسم کے معاصی پر نہایت ملامت اور رنج کا پہونچانا چاہئے تاکہ
جس گناہ کا وہ ارادہ کرتے تھے اُس سے باز رہیں جیسے زنا ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کیطرف رغبت و حرص کی خواہش
دلاتا ہے اور اُسکے حل کیلئے اُنکے اندر نہایت درجہ کی عار ہے اور ایک موطوءہ پر آدمیوں کے جمع ہونے سے جبلت انسانیہ
کی تغیر ہے اور اُسکے سبب سے انکے مابین لڑائیوں اور کشت خون کا مظنہ ہے اور زنا اکثر زانیہ اور زانی کی رضامندی سے
ہوا کرتا ہے اور تنہائی کیوجہ سے صرف بعض لوگ ہی اسپر مطلع ہوتے ہیں پھر اگر حد نہ مشروع کیجاتی تو روک ٹوک کیونکر
حاصل ہوسکتی تھی اور جیسے سرقہ اسلئے کہ انسان اکثر اوقات کسب صالح نہیں پاتا ہے تو چوری کیطرف میل کرتا ہے اور
سرقہ کیلئے انکے نفسوں کے اندر عادت ہوتی ہے اور سرقہ بدوں دیکھے آدمیوں کے ہوتا ہے بخلاف غصب کے کہ
اُس میں ایک ایسی دلیل اور شبہہ ہوتا ہے کہ جسکو شرع نہیں ثابت کرتی ہے اور مابین آدمیوں کے اور انکے درمیان اس قسم کے
معاملات ہوتے رہتے ہیں اسی لئے غصب منجملہ اور معاملات کے ایک معاملہ ہے اور جیسے رہزنی اسلئے کہ مظلوم اپنی
جان اور مال بچانے کی کسی سے طاقت نہیں رکھتا ہے اور رہزنی مسلمانوں کے بلاد میں نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ وہ
اپنی حکومت اور قوت کیوجہ سے اسکی مدافعت کرسکتے ہیں تو ایسے افعال کی جزا و سزا زیادہ مقرر ہونا چاہئے اور جیسے
شراب کا پینا اسلئے کہ اسمیں بھی نہایت حرص ہوتی ہے اور اسکی وجہ سے ملک میں فساد اور انکی عقول کا زوال ہوتا ہے
جنکے سبب سے انکی معاش و معاد کی اصلاح ہوتی ہے اور جیسے قذف (تہمت زنا کی لگانا) کیونکہ جسکو تہمت لگائی جاتی ہے
وہ نہایت درجہ کی تکلیف و رنج پاتا ہے اور اُسکے دفع کرنے پر قتل وغیرہ کے ساتھ بے بس ہوجاتا ہے کیونکہ اگر وہ مار ڈالے
تو خود بھی اُسکے سبب سے مارا جاوے اور اگر پیٹے تو اسکی وجہ سے پٹا جاوے لہذا ایسے جرم کے لئے زجر عظیم ہونا چاہئے پھر حد

قتل ہے اور یہ ایسی سزا ہے کہ اسکے اوپر کوئی اور سزا نہیں ہے۔ دوسرے کسی عضو کا کاٹ ڈالنا ہے اسمیں نہایت درجہ کی تکلیف پہونچانا اور اسکی قوت کا زائل کر دینا ہے کہ جس کے بغیر مدت العمر تک معاش حاصل کرنیکے لائق بلا مدد دوسرے کے نہیں ہو سکتا اور نیز یہ مثلہ اور عار ہے جس کا اثر آدمیوں کے سامنے ظاہر ہو کر ختم نہیں ہوتا اسلئے کہ نفس دو سبب سے متاثر ہوتا ہے ایک تو وہ نفس ہے جو قوت بہیمیہ کے اندر منہمک ہو اسکو الم پہونچانا بری چیز سے باز رکھتا ہے مثل بیل و اونٹ اور جس نفس کے اندر حب جاہ ہوتی ہے اسکو تکلیف جسمانی سے بھی زیادہ عار ایک کام سے روکدیتی ہے عار سزائے جسمانی سے زیادہ اسکو روکتی ہے پھر ان دونوں وجہوں کا حدود کے اندر اکٹھا ہونا لازم ہوا اور ایک حد کی صورت یہ ہے جو قطع سے کم ہو جیسے صرف پیٹ سے ہی تکلیف کا پہونچانا مقصود ہے جسمیں عار ہو اور اسکا اثر ظاہر ہو مثلاً جلاوطن کرنا اور شہادت کا قبول نہ کرنا اور طمانچہ وغیرہ مار دینا اور معلوم کرو کہ شرائع سابقہ میں قتل کی سزا قصاص اور زنا کی سنگسار کرنا اور سرقہ کے عضو کا کاٹنا تھی پس یہ سزائیں شرائع سماویہ میں متوارث چلی آتی تھیں اور تمام انبیاء اور انکی امتیں اسپر متفق تھیں تو ضرور ہوا کہ انکو خوب مضبوطی سے پکڑنا چاہئے اور کبھی انکو ترک نہ کرنا چاہئے مگر شریعت مصطفویہ نے اسمیں ایک اور قسم کا تصرف کیا ہے اور ہر ایک کی سزا کی دو قسمیں کی ہیں ایک تو بڑی بھاری سزا ہے کہ اس سے زیادہ اور متصور نہیں اور یہ سزا وہاں دینی چاہئے جہاں گناہ بھی بڑا بھاری ہو اور دوسری وہ ہے جو پہلی سے کم ہے اور یہ وہاں ہوگی جہاں معصیت بھی پہلی معصیت سے کم ہو پس قتل کی سزا قصاص اور دیت ہے اور اسکی دلیل یہ آیت ہے ذلك تخفيف من ربكم کہ اسمیں تمہارے پروردگار کیطرف سے تخفیف ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت میں قتل کی سزا صرف قصاص تھی نہ دیت۔ اور زنا میں کوڑے مارنا تھا اور یہودیوں کی جب شوکت جاتی رہی اور سنگساری پر انکا بس نہ چلا تو انھوں نے تجبیہ و تسخیم کرنا ایجاد کیا اور تجبیہ کے یہ معنی ہیں کہ زانی کو و زانیہ کو گدھے پر الٹا سوار کر کے لوگوں کے سامنے پھرادیں اور تسخیم منہ کالا کر دینے کو کہتے ہیں۔ تو اسمیں شرائع سابقہ کی تحریف ہوئی مگر ہمارے ہاں دونوں شرائع کا لحاظ کیا گیا شرائع سماویہ و ابتداعیہ کا اور اسمیں ہمارے لئے نہایت رحمت ہے اور سرقہ میں عذاب دینا اور اس سے دو چند تاوان لینا چاہئے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور نیز اس شریعت میں ظلم کے چند اقسام کو مثل قذف اور شرب خمر کو اضافہ کیا اور انکے لئے بھی حد مقرر کی کیونکہ یہ بھی بمنزلہ انہیں معاصی کے ہیں اور ہر زانی کی سزا زیادہ مقرر کی اور معلوم کرو کہ لوگوں کے دو درجے اور ہر درجہ کی سیاست کا خاص طریقہ ہے ایک وہ لوگ ہیں جو بذات خود مستقل اور مختار ہیں اور انکی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ لوگوں کے سامنے گرفتار کئے جائیں اور ان کو تکلیف پہونچائی جاوے جس سے انکو نہایت سخت عار لاحق ہو اور ان کی اہانت اور ذلت پائی جاوے اور ایک وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے قبضہ میں ہیں اور ان کے پاس بمنزلہ قیدیوں کے ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مالکوں کو حکم کیا جاوے کہ بری باتوں سے انکی نگرانی رکھیں اس میں ان کے لئے ایسا طریقہ ظاہر ہوگا جو ان کو ان کے ان افعال سے باز رکھیگا چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا زنت امة احدكم فليضرب الحديث۔ تم میں سے جب کسی کی باندی زنا کرے تو اس کو مارنا چاہئے اور فرمایا ہے اذا سرق عبد احدكم بيعوه ولو بنش۔ پس یہ دونوں درجہ کے لوگ ایک ظاہری وصف سے منضبط کئے گئے پہلے درجہ کے لوگ حر اور دوسرے درجے کے غلام ہیں پھر یہ بھی احتمال تھا

کہ سید اپنے غلام پر ظلم کرتا اور کہدیتا کہ اسنے زنا یا چوری وغیرہ کی ہے پس ضرور ہوا کہ غلام کی سزا حر سے کم مقرر کی جائے
تاکہ جور رفع ہو جائے اور نیز یہ ضرور ہوا کہ قتل کرنے اور قطع کرنے کا انکو اختیار نہ دیا جائے اور اس سے کم سزا کا اختیار
انکو دیا جائے اور حدود وجہ سے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ماعز بن مالک کی نسبت ارشاد ہے لقد
تاب توبۃ لو قسمت علی امۃ محمد لوسعتہم- اُسنے وہ توبہ کی ہے کہ اگر محمد صلعم کی تمام امت پر تقسیم کی جائے تو انکو کافی ہے اور
دوسری وجہ یہ ہے کہ اسمیں تکلیف پہونچانا اور انکو اس فعل سے روکنا مقصود ہوتا ہے اور اسمیں یہ راز ہے کہ حکمت الہی
کا مقتضے ہے کہ اس شخص کی جان یا مال سے اس عمل کی سزا دیجائے پس حد کا قائم کرنا جزا دینے میں خدا تعالے کا نائب ہے
قدیر- اللہ پاک فرماتا ہے الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ- زانیہ اور زانی کو ہر ایک کے دونوں میں سو کوڑے
مارو- اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالے نے محمد صلعم کو حق دیکر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی جسمیں آیت رجم بھی تھی-
چنانچہ رسول خدا صلعم نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اور جو شخص زنا کرے اور محصن ہو خواہ مرد ہو یا عورت
کتاب الہی میں انکا سنگسار کرنا حق ہے میں کہتا ہوں محصن کی حد سنگسار کرنا اور غیر محصن کے درے لگانا اس لئے مقرر
کئے گئے کہ جس طرح پندرہ برس کی عمر وغیرہ سے آدمی بالغ ہو کر پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس سے قبل پورا پورا مکلف
نہیں ہوتا اسلئے کہ اسکی عقل اور جسم اور جولیت کا کمال اس سے پہلے نہیں ہوتا ہے اسیطرح اس عقوبت میں بھی تفاوت ہونا
چاہئے جو کمال عقل اور مرد کامل اور استقلال سمجھ اور خود مختاری کے سبب پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اسلئے کہ محصن کامل
ہے اور غیر محصن ناقص ہے پس غیر محصن حر کامل اور غلام کے مابین واسطہ ہوا اور صرف سنگسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار
کیا گیا اسلئے کہ وہ حق الہی کے اندر جو سزا مقرر کی گئی ہے ان سب میں سخت ہے اور قصاص چونکہ حق العباد میں سے ہے
اور انکو اپنے حقوق لینے کی حاجت ہے اسلئے انکی حق تلفی نہ کی جائیگی اور حد سرقہ وغیرہ بمنزلہ سنگساری کے نہیں ہے اور نیز
اس شخص سے گناہ صادر ہونا جس پر خدا تعالے نے انعام کیا ہے اور بہت سی مخلوقات پر اسکو فضیلت دی ہے زیادہ تر
قبیح وشنیع ہے اسلئے کہ وہ نہایت نافرمانی ہے پس اسمیں سزا کا بڑھانا مناسب ہوا اور کنوارے اور کنواری کی حد سو درے
مقرر کئے گئے اسلئے کہ عدد سو کا بڑی اور منضبط مقدار ہے جس سے زجر وتکلیف بخوبی حاصل ہو سکتی ہے اور جلاوطن کی
سزا اسلئے دی گئی کہ سزا کا اثر دو طرح پر ہوتا ہے ایک تو جسمانی تکلیف کے اعتبار سے اور ایک حیا وشرمندگی اور عار کے لاحق
کرنے اور مالوف چیز کے علحدہ کرنے سے پہلی سزائے جسمانی اور دوسری نفسانی ہے اور پوری پوری سزا یہی ہے- کہ
دونوں جمع کئے جائیں اللہ پاک فرماتا ہے فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب-
جب احصان کے بعد اون سے فحش ظاہر ہو تو محصنات سے انکو نصف عذاب دیا جائیگا میں کہتا ہوں کہ غلاموں پر
نصف سزا کے مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ غلاموں کا حال سید کے اختیار میں ہوتا ہے پس اگر کامل درجہ کی زجر انکے
لئے مقرر کیجائے تو اس سے باب الظلم مفتوح ہوتا ہے بایں طور کہ سید اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اور یہ کہدے کہ وہ زنا کار تھا
اور پھر اس سے مواخذہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہو اسلئے کہ باندی وغلام کی حد اسقدر کم مقرر کی گئی کہ جسمیں ہلاکت کی نوبت
نہیں آتی اور محصن وغیر محصن کا فرق جو ہم نے بیان کیا ہے وہ یہاں بھی پایا جاتا ہے و رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے

خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللہ لہن سبیلا البکر بالبکر جلد مائۃ وتغریب عام والثیب بالثیب جلد مائۃ والرجم۔ مجھ سے سیکھو مجھ سے سیکھو
خدا تعالیٰ نے عورتوں کے لئے رستہ مقرر کیا ہے کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اسکا حکم سو دُرّے لگانا اور سال بھر
کے لئے جلاوطن کرنا ہے اور بیاہا ہوا بیاہی کے ساتھ اگر زنا کرے تو اسکا حکم سو دُرّے لگانا اور سنگسار کرنا ہے حضرت علیؓ نے
اس حدیث پر عمل کیا ہے میں کہتا ہوں لوگوں کو اس حدیث میں اشتباہ ہوا اور اس حدیث کو رسول خدا صلعم کے ثیب کو
سنگسار کرنے اور اسکے دُرّے نہ لگانے کیساتھ مخالف سمجھا میرے نزدیک یہ حدیث آپکے فعل کے متناقض نہیں ہے
اور بات عام ہے کہ امام کو رجم اور سو دُرّوں کے واجب ہونے کی صورت میں صرف رجم پر اقتصار کرنا مسنون ہے اور اسکا حال
ایسا ہے جیسا سفر میں قصر کرنا کہ اگر پوری نماز پڑھے تو بھی جائز ہے مگر قصر کرنا سنت ہے اور یہ اسواسطے مقرر کیا گیا کہ رجم بڑی
پوری سزا ہے اور اس سے جو کم سزا ہے وہ اسمیں شامل ہے اور اس بیان سے اس حدیث اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے
اسپر عمل کرنے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اکثر آپکے خلفاء کے فعل میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ انہوں نے رجم پر اقتصار کیا ہے
اور حضرت جابرؓ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپنے دُرّے لگانے کا حکم دیا پھر کسی نے اسکا محصن ہونا بیان کیا تو
آپنے سنگسار کرنیکا حکم دیا اور سنگسار کر دیا گیا کیونکہ دُرّے لگانے پر اقدام کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ زانی کے دُرّے لگانا درست
ہے اور میرے نزدیک جلاوطن کرنے میں عفو کا احتمال ہے اور آثار میں تطبیق کی یہی صورت ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے
کہ جب ماعز بن مالک نے آنحضرت صلعم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا میں نے زنا کیا ہے آپ مجھے پاک کر دیجئے تو حضور نبوی
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ سے اسکو پکڑا ہوگا یا اسکی طرف دیکھا ہوگا تو ماعز نے عرض کیا یا رسول اللہ
نہیں تو آپ نے فرمایا کیا تو نے اسکے ساتھ دخول کیا تو ماعز نے جواب دیا ہاں پس آپ نے ماعز کے سنگسار کرنے کا حکم کیا۔
میں کہتا ہوں حد مارنے میں احتیاط کا تقاضا ہے اور زنا کا اطلاق شرمگاہ کے سوا پر بھی آیا کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ زبان کا زنا ہے اور پیر کا زنا ہے لہذا ایسی صورت میں مسئلہ ثابت کرنا اور اسکی تحقیق ضروری ہوئی معلوم
کرو کہ جو شخص زنا کا اقرار کرتا ہے اور حد قائم کرنے کیلئے اپنی جان کو سپرد کرتا ہے اور گناہوں سے توبہ کرنے والا اس بیگناہ
کی طرح ہے اسکو چھوڑ دینا مناسب تھی مگر یہاں دو سبب اسپر حد قائم کرنے کے مقتضی ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر توبہ کے ظاہر کرنے اور اقرار
لینے سے حد دفع ہو جاتی ہے تو ہر زانی امام کے مواخذہ کی خبر پاکر اقرار کے حیلہ سے حد کو دفع کر سکتا تھا اور اس میں مصلحت کا
مناقضہ ہے دوسرے یہ ہے کہ توبہ کامل طور سے جبوقت ہوتی ہے جو ایک فعل ایسا جو نہایت شاق ہو کہ بجز مخلص کے
کسی سے عمل میں نہ آسکے اس توبہ کی تقویت پائی جاتی ہے لہذا جب ماعز نے اپنی جان کو سنگسار کرنے کے لئے حوالہ کر دیا تو
تو رسول خدا صلعم نے فرمایا لقد تاب توبۃ لو قسمت بین امۃ محمد لوسعتہم اور غامدیہ کے ایک قبیلہ کی نسبت آپ نے فرمایا لقد تابت
توبۃ لو تابہا صاحب مکس لغفر لہ اسنے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر صاحب مکس بھی توبہ کرتا تو بخشا جاتا اور بایں ہمہ گناہ کا پردہ
کرنا مناسب ہے چنانچہ آپ نے ہزال سے فرمایا لو سترتہ بثوبک لکان خیرا لک۔ کہ اگر اپنے کپڑے سے اسکو چھپاتا
تو تیرے لئے بہتر ہوتا اور نیز یہ بات مناسب ہے کہ اسکو فی الجملہ بتا دیں اسقدر توبہ کرنے اور حد کے دفع کرنے کیلئے
حیلہ کرنے کا علم دیا جاوے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا زنت امۃ احدکم فتبین زناہا فلیجلدہا الحد ولا یثرب علیہا

ثم ان زنت فلیجلدہا الحد ولا یثرب علیہا۔ تم میں سے جب کسی کی کنیز زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جاوے تو اسکو باندی پر حد
لگانا چاہئے اور صرف اسکی توبیخ نہ کرے پھر اگر زنا کرے تو اسپر حد لگاتے اور توبیخ پر اکتفا کرے میں کہتا ہوں اسکا سبب یہ ہے
کہ انسان کو شرم اپنے حرم پر معاصی کرکے دور کرنے کا حکم ہے اور یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے اور اگر امام ہی کے سامنے
حد مقرر ہوتی تو بہت سی صورتوں میں سید حد کو قائم نہ کرسکتا اور مال و اسباب کی حفاظت نہ ہوسکتی اور اگر حد کی کوئی مقدار مقرر نہ ہوتی تو ظالم
ہلاکت تک نوبت پہونچا سکتا تھا یا حد سے زیادہ تکلیف دیسکتا تھا اسلئے رسول خدا صلعم نے فرمایا لا یثرب اور آنحضرت صلعم نے
فرمایا ہے اقیلو ذوالہیات عثراتہم الا الحدود۔ ذوالہیات سے حدود کے سوا اور لغزشیں معاف کردیا کرو۔ میں کہتا ہوں ذوالہیات
سے صاحب مروت لوگ مراد ہیں یا تو باینطور کہ کسی شخص سے صلاح دین کی امید ہوتی ہے اور اس شخص سے عادت کے خلاف
لغزش کے طور پر کسی امر میں کوتاہی ہو جاتی ہے پھر اسکو ندامت ہوتی ہے پس ایسی صورت میں اس سے درگذر کرنا مناسب ہے
یا وہ شخص خاندانی اور لوگوں میں معزز اور صاحب رعب ہوتا ہے پس اگر ہر چھوٹے بڑے گناہ میں اسکو سزا دیجاوے تو ہمیں عادت
اور لوگوں کی بغاوت اور امام میں اختلاف کرنیکا دروازہ مفتوح کرنا ہے کیونکہ بہت سے لوگ اسکے متحمل نہیں ہوتے مگر اس قابل
نہیں ہیں کہ انکی بازپرس کیجاوے بجز اس صورت کے کہ کوئی سبب شرعی جس سے حد مندفع ہوتی ہے پائی جاتی ہے اور اگر
حدود کے اندر ہی درگذر کیجاوے تو مصلحت فوت ہوتی ہے۔ و حدود کا فائدہ فوت ہوتا ہے اور رسول خدا صلعم نے اس شخص کے
باب میں جو پیدایش کے اعتبار سے ضعیف الجثہ ہو اور زنا کرے فرمایا ہے خذوا عثکالا فیہ مائۃ شمراخ فاضربوہ بہ حضرت اسکے لئے ایک
بڑی سی ڈالی جسمیں سو ٹہنیاں ہوں لیکر ایک مرتبہ اسکو مارو۔ معلوم کرو کہ جو کوئی ضعیف الجثہ ہونے کے سبب سے اتنی طاقت
نہیں رکھتا کہ اسپر حد قائم کی جاوے اگر ایسے شخص سے بالکل بازپرس نہ کی جاوے تو حدود کے استحکام میں نقص لازم آتا ہے
اسلئے کہ شرائع الٰہی جنکو خدا تعالیٰ نے بندوں کے متعلق امور کے مقرر کیا ہے ان کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ موثر بالخاصیت
کی طرح سمجھی جاویں اور لوگ نہایت مضبوطی سے انکو مانیں اور نیز جس چیز میں تھوڑی سی تکلیف اور آسانی ہے اسکے چھوڑنے
کی ضرورت نہیں ہے۔ لواطت کی حد میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ زنا کی قسم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسکی سزا قتل
ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم لوط کی قوم کا کام کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول بہ کو قتل کرو اللہ پاک فرماتا ہے
والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا واولئک ہم الفسقون الا
الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔ جو لوگ کہ بیاہی عورتوں کو تہمت زنا کی کرتے ہیں پھر وہ اس پر لوگ چار
گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان کے اسی کوڑے مارو اور آئندہ کو کبھی ان کی گواہی مت قبول کرو اور وہی تو فاسق لوگ ہیں
مگر ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اچھی باتیں اختیار کیں تو بلاشک خدا بخشنے والا غفور اور رحیم ہے اور اس پر
اجماع ہے کہ محصن مردوں کو بھی محصنات کا حکم ہے اور محصن کی تعریف یہ ہے کہ حر ہو اور مکلف اور مسلمان اور ایسے جماع
سے پاک ہو جس پر حد قائم کی جاتی ہے۔ معلوم کرو کہ یہاں دو باتیں متعارض پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ زنا ایک عظیم
گناہ ہے جس کا مشاہدہ اور اس پر حد قائم کرنا اور اس پر مواخذہ کرنا ضروریات سے ہے اور اسی طرح زنا کی طرف نسبت
کرنا بھی ایک بڑا گناہ ہے اور اس کے اندر ایک بڑی عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے جس سے حد کا قائم کرنا ضروری ہے۔۔

چونکہ قذف کو زنا پر شہادت دینے کیساتھ مشابہت ہے پس اگر کسی قاذفؒ کو قائم کرنے کے لئے گرفتار کیا جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں زناہ کا گواہ ہوں اور اس میں قذف کا بطلان لازم آتا ہے اور جو شخص زنا کا گواہ ہے شہودؓ علیہ یہ کہکر اس سے بچ جا سکتا ہے کہ یہ زنا کی تہمت لگاتا ہے اور خود یہ حد کا مستحق ہے پس جب سیاست امت کے وقت ان دونوں حدوں میں سے انکا تعارض ہوا تو ایک ظاہری امر سے ان دونوں کی تمیز ضروری ہوئی اور وہ امر مخبرین کی کثرت کہ جب مخبرین کی کثرت ہوئی تو گواہی اور راست گوئی کا گمان قوی ہوا اور تہمت کا گمان ضعیف ہو گیا اسلئے کہ تہمت میں دو باتوں کا اجتماع ہوتا ہے ایک تو دین کے اندر ضعف اور دوسرے مقذوفؓ کے ساتھ عداوت کا ہونا اور ان دونوں صفتوں کا مسلمانوں کی ایک جماعت میں جمع ہونا بعید ہے اور شاید یہی عادل پر اکتفا نہ کیا گیا اس لئے کہ عدالت تمام حقوق میں معتبر ہے پس تعارض کا کوئی اثر ظاہر ہو تو اور کثرت کا نصاب شہادت سے دو چند کے ساتھ انضباط کیا گیا اور حد قذف اسی درّے مقرر کئے گئے اس لئے کہ زنا سے ہر حال اس کی معصیت کم ہے اسلئے کہ ایک گناہ کا مشہور کرنا بمنزلہ اس کے کرنے کے نہیں ہے اور حد زنا میں ایک تعداد ظاہری سے کمی کا انضباط کیا گیا یعنی بیس سے کیونکہ وہ عدد سو کا پانچواں حصہ ہے اور اس حد کا تتمہ ہمیشہ کے لئے گواہی قبول نہ کرنا اسلئے مقرر کیا کہ سابقاً بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ تکلیف کی دو قسمیں جسمانی اور نفسانی اور شرع نے جملہ حدود میں انکے جمع کرنیکا لحاظ کیا مگر حد زنا کے ساتھ جلاوطن کرنے کا اعتبار کیا گیا اس لئے کہ زنا حکام کی حکومت اور اولیاء کی غیرت کیوقت میں اسیوقت متصور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں باہم میل جول اور اتحاد اور الفت ہو تو اس کے مناسب سزا یہی ہے کہ اس فتنہ کے مقام سے زانی کو نکالدیا جاوے اور حد قذف کے ساتھ عدم قبول شہادت کو جمع کیا گیا اسلئے کہ قذف میں بھی ایک جزو زیادہ ہوتا ہے پس قاذف کو اسی عار سے سزا دی گئی جو اس کی معصیت کے قبیلہ سے ہے اسلئے کہ قاذف کی شہادت نہ قبول کرنا اسکے لئے ایک سزا ہے اور باقی گنہگاروں سے بسبب عدالت اور رضامندی کے فوت ہونے کے سبب سے نہیں قبول ہوتی اور نیز ہم بیان کر چکے ہیں کہ قاذف کہہ سکتا ہے کہ میں گواہ ہوں پس تہمت کا باب اسیطرح مسدود ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے اسنے حجت کی تھی ایسی ہی چیز سے اسکو سزا دینی چاہئے، اور حد خمر میں تو بیخ بھی مقرر کی گئی ہے اور آیت الا الذین میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء عدم قبول شہادت کیطرف راجع ہے یا نہیں اور ہمارے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب فسق کی انتہا ہوئی تو اس کا اثر اور اس کی سزا بھی منتہی ہونی چاہئے اور غلاموں کے حد زنا کے اندر غلاموں کے لئے نصف سزا دینے میں اس کا اعتبار کیا ہے اللہ پاک فرماتا ہے السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ چرانے والے اور چرانے والی کا ہاتھ کاٹ دو یہی جزا ہے ان کے کئے کی عذاب خدا تعالیٰ کی طرف سے اور خدا تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے، معلوم کرو کہ رسول خدا صلعم وحی کے بیان کرنے کے لئے مبعوث کئے گئے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے لتبین للناس۔ البتہ بیان کر دو گے تم اسکو لوگوں کے لئے اور مال غیر کے لینے کی کئی صورتیں ہیں چوری۔ رہزنی۔ اچکنا۔ خیانت۔ کسی کی پڑی ہوئی چیز اٹھا لینا۔ غصب۔ اور ایک وہ جسکو قلتؓ مبالات اور کم احتیاطی کہتے ہیں پس ضرور ہوا کہ رسول خدا صلعم چوری کی حقیقت کا بیان فرمائیں تاکہ ان امور سے تمیز حاصل ہو پس تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی ذاتیات کیطرف نظر کی جاوے جو چوری میں نہیں پائی جاتیں اور لوگوں کے عرف میں

ن سے امتیاز حاصل ہوتی ہے پھر چند امور منضبط معلوم کیے تا کہ چوری کی حقیقت کا انضباط کیا جائے جسکے سبب سے اسکو
تمیز ہو جائے پس رہزنی اور غارتگری اور محاربہ کرنا یہ سب ایسے امور ہیں جو بہ نسبت مظلوم کے ظالم کو اپنی قوت پر اعتماد اور
ایسے مکان یا زمانہ کے اختیار کرنے کی خبر دیتے ہیں جنہیں وہ مظلوم مسلمانوں کی جماعت سے فریاد نہیں کر سکتے اور اُچکنا لوگوں کو
روبرو اور اُنکے دیکھتے سنتے کسی چیز کے لیجانے کی خبر دیتا ہے اور خیانت میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں میں
پہلے شرکت یا بے تکلفی اور باہمی ایک دوسرے کے مال میں بھی تصرف وغیرہ رہا ہے اور بڑی چیز کے اٹھا لینے سے
ایسی چیز کا اٹھا لینا معلوم ہوتا ہے جو کسی کی حفاظت میں نہ تھی اور غصب میں مظلوم پر ظالم کا ایسا غلبہ معلوم ہوتا ہے جس کا مدار
بھاگنے یا لڑنے پر نہیں ہوتا بلکہ زبان زوری اور اس بات کے گمان پر اسکا مدار ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ حکام تک پہونچیگا
اور حقیقت حال اُنپر ظاہر نہ ہوگی اور قلت مبالات اور بے احتیاطی کا اطلاق اُن ادنے چیزوں کے استعمال پر ہوتا ہے
عرف میں جن کے برتنے اور باہمی معاونت کا اُن چیزوں میں دستور جاری ہے جیسے پانی وایندھن وغیرہ لہذا رسول خدا صلعم نے
اُن سب کے ذاتیات سے امتیاز کا انضباط فرمایا ہے اور فرمایا لا تقطع ید السارق الا فی ربع دینار کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے
مگر ربع دینار میں اور ایک روایت میں آیا ہے اقطع فیما بلغ ثمن المجن یعنی مال مسروقہ اتنا ہو جو ڈھال کا ثمن ہو سکے تو ہاتھ
کا قطع کرنا چاہیے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول خدا صلعم نے ایک ڈھال کے چرانے میں جس کا ثمن تین درہم تھا چور کا
ہاتھ قطع کیا اور حضرت عثمان نے ایک اترج میں جسکی قیمت تین درہم تھی ہاتھ قطع کروایا تھا اور حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں
مقداریں آپکے زمانہ میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں پھر آپ کے بعد انمیں اختلاف ہوا اور ڈھال غیر منضبط ہونیکے سبب سے کوئی
قابل اعتبار چیز نہیں ہے پس باقی دونوں حدیثوں میں امت میں اختلاف ہوئی بعض ربع دینار کے قائل ہوے اور بعض تین
درہم کے اور بعض نے اُس مقدار کا حصر و انضباط کیا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار تک مال پہنچ جاوے اور میرے
نزدیک یہی زیادہ تر ظاہر ہے اور اس مقدار کو رسول خدا صلعم نے ادنے و اعلے چیز میں فرق کرکے مقرر فرمایا ہے اسلئے کہ کوئی جنس
خاص اندازہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی کیونکہ مختلف بلاد میں ایک چیز کا نرخ مختلف ہوتا ہے اور نیز اختلاف بلاد کے لحاظ سے
نفاست وخساست میں مختلف ہوتی ہیں پس جو چیز ایک قوم کے نزدیک مباح وادنے چیز ہے دوسروں کے نزدیک وہی چیز ایک
قابل قدر مال ہوتا ہے لہذا ثمن کے اعتبار سے اندازہ کا لحاظ کرنا ضروری ہوا اور بعض کہتے ہیں دونوں کے اندر اندازہ کا
اعتبار کرنا چاہیے اور لکڑی میں چور کا ہاتھ قطع کرنا چاہیے اگرچہ لکڑیوں کی قیمت دس درہم ہو اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے لا قطع فی
ثمر معلق ولا حریسة جبل فاذا آواہ المراح والجرین فالقطع فیما بلغ ثمن المجن ۔ جو ثمار معلق ہیں اُس میں قطع نہیں ہے اور نہ
اُن مویشی میں جو پہاڑ کے اندر رہتی ہیں پس جب مویشی باڑے میں آجاویں اور جب ثمار کا ڈھیر لگا دیا جاوے تو اگر اُن کی قیمت
ڈھال کے ثمن کو پہونچ جاوے تو اُنمیں بھی قطع ہے میں کہتا ہوں آنحضرت صلعم نے اس بات کو جتلا دیا کہ قطع کرنے میں حفاظت
شرط ہے اور جو اُسکا یہ سبب ہے کہ جو چیز غیر محفوظ ہے اُسکے لینے کو التقاط کہتے ہیں پس اُس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے
اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لیس علی خائن ولا منتہب ولا مختلس قطع ۔ خائن پر قطع نہیں ہے اور نہ لوٹنے والے کے
اور نہ اُچکنے والے پر میں کہتا ہوں رسول خدا صلعم نے اس بات کو سمجھا دیا کہ چوری کے اندر پوشیدہ طور پر مال لینا شرط ہے

ورنہ نوٹ کرنا یا اُچکنا ہوتا ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ پہلے سے نہیں شرکت یا کوئی اور حق لازم نہ ہو ورنہ وہ خیانت یا اپنے
حق کا استیفا ہوگا۔ اور صحابہ سے مروی ہے کہ اگر غلام اپنے مولا کا مال چرائے تو وہ فرماتے ہیں انما ہو مالک بعضہ فی بعض کہ وہ
تیرا ہی مال ہے بعض بعض کے اندر۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے چور کے باب میں فرمایا ہے اقطعوہ ثم احسموہ کہ اسکا
ہاتھ قطع کرو پھر اسکو تیل میں داغ دیدو۔ میں کہتا ہوں داغ دینے کا حکم اسلئے ہے کہ قطع کرنے کا حکم اثر نہ کرے اور وہ شخص ہلاک
نہ ہو اسلئے کہ داغ دینے سے زخم سرایت نہیں کرتا اور رسول خدا صلعم نے چور کے لئے حکم کیا کہ اسکا ہاتھ اُس کی گردن میں لٹکا دیا
جائے چنانچہ ایسا ہی کیا۔ میں کہتا ہوں یہ شہرت دینے کے لئے کیا گیا تاکہ لوگ اسکا چور ہونا معلوم کر لیں اور ظلم اور حد کے قطع
کرنیں فرق ہو جاوے اور رسول خدا صلعم نے اُس چوری میں جو نصاب سے کم ہو اسکو سزا دینے اور دوچند تاوان دینے کا حکم
فرمایا ہے میں کہتا ہوں دوچند تاوان دینے کا حکم اسلئے دیا کہ چور کو اُس کے اس فعل سے باز رکھنا اور اسکو مالی و بدنی سزا دینا
ضرور ہے اسلئے کہ انسان کو بسا اوقات جسمانی تکلیف سے مالی تکلیف زیادہ تر باز رکھتی ہے اور بسا اوقات اسکے عکس ہوتا ہے
اسلئے دونوں تکلیفیں جمع کی گئیں پھر اگر مال مسروقہ کے برابر تاوان کا حکم ہوتا تو چوری کرنا وہ کرنا برابر ہوتا اور کچھ سزا نہ ہوتی اس
لئے دوچند تاوان دینے کا حکم کیا گیا تاکہ آیندہ کو کبھی چوری کا قصد نہ کرے اور رسول خدا صلعم کے پاس ایک چور پکڑا ہوا
آیا اور اُس نے چورانے کا اقرار کیا مگر اُس کے پاس مال مسروقہ برآمد نہ ہوا تو رسول خدا صلعم نے اُس سے فرمایا کہ میرے خیال
میں تو نے چوری نہیں کی ہے اُسنے کہا کیوں نہیں تو آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اُس سے یہی ارشاد فرمایا تب آپ نے
اُسکے ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک مرتبہ ایک مجرم گرفتار ہو کر آیا تو آپ نے فرمایا کہو کہ میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اور
اُسکی طرف توبہ کرتا ہوں اُسنے کہا میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اور اُس سے توبہ چاہتا ہوں تو آپنے تین مرتبہ خدا تعالے
سے یہ دعا کی اللہم تب علیہ۔ میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور وہ اُسپر نادم ہے تو
مناسب ہے کہ کسی حیلہ سے حد اُسپر دور کر دیجائے اور ہم اسکا حال پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے انما جزاء الذین
یحاربون اللہ ورسولہ۔ الآیہ۔ میں کہتا ہوں محاربت کا مدار ایک جماعت منظومہ سے قتال کرنے پر ہوتا ہے اور چوری
کی حد سے اس حد کے مقرر کرنے کا سبب زیادہ تر قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ بنی آدم کے مجمع میں خواہ مخواہ کچھ ایسے لوگ
ہوتے ہیں جنمیں خصلت سبعی کا غلبہ ہوتا ہے اور اُن لوگوں میں سخت جرات اور قتال اور اجتماع کا مادہ ہوتا ہے اور قتل کرنے
اور غارتگری میں بیباک ہوتے ہیں اور اُس کا فساد چوری کے فساد سے زیادہ ہے کیونکہ لوگ چوروں سے اپنے مالوں کو
محفوظ رکھ بھی سکتے ہیں مگر رستوں کے چلنے والے رہزنوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور نہ حکام لوگ اور مسلمانوں کی
جماعت اس مکان اور اُسوقت میں اُنکی مدد بآسانی کر سکتی ہے اور نیز قطاع الطریق کو جو ارادہ اُن کے فعل پر آمادہ
کرتا ہے وہ زیادہ تر سخت و مستحکم ہوتا ہے اسلئے کہ رہزن وہی شخص ہوتا ہے جو بڑا دلیر اور قوی الجثہ شخص ہو اور نیز
اُن لوگوں کا باہم اجتماع و اتفاق رہتا ہے بخلاف چوروں کے لہذا ضروری ہوا کہ رہزن کی سزا چور کی سزا سے زیادہ تر
سخت مقرر کیجائے اور اکثر کے نزدیک سزا میں ترتیب کرنی چاہئے اور وہ قول اس حدیث کے موافق ہے لا یقتل
المومن الا باحدی ثلث۔ الحدیث۔ اور بعض کے نزدیک سزا کے اندر اختیار ہے اور یہ قول لفظ آو کے مناسب ہے اور میرے

نزدیک جو آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے المارق للجماعۃ۔ اسمیں دو علتوں کے جمع کر دینے کا احتمال پایا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ
ان دونوں میں سے ہر علت حکم کے مفید ہے جس طرح رسول خدا صلعم نے اس حدیث میں دو علتوں کو جمع کیا ہے لایخرج الرجلان یضربان
الغائط کاشفین عن عورتہما یتحدثان۔ دو شخص پاخانہ کے لئے اپنا ستر کھولے ہوئے باتیں کرتے ہوئے باہر نہ جائیں۔ پس ستر کا
کھولنا لعنت کا سبب ہے اور باتیں کرنا بھی ایسی حالت میں اللہ پاک فرماتا ہے یاایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب
والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر و
یصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فہل انتم منتہون۔ اے ایمان والوں شراب و جوا اور بت اور تیر ناپاک چیزیں ہیں
شیطان کے کام سے پس اس سے پرہیز کرو شاید کہ تم فلاح پا جاؤ شیطان کا یہی ارادہ ہے کہ تم میں شراب اور جوے کے
اندر عداوت و بغض ڈالے اور خدا تعالٰے کے ذکر اور نماز سے باز رکھے پھر کیا تم باز رہنے والے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ
خدا تعالٰے نے اس بات کو بیان فرما دیا کہ شراب میں دو قسم کی برائی ہے ایک تو لوگوں کے لئے برائی ہے کہ شارب الخمر
لوگوں سے لڑتا جھگڑتا اور انکو ستاتا ہے اور ایک برائی کا انجام اسکی تہذیب نفس کیطرف رجوع کرتا ہے کیونکہ شارب الخمر حالت بہیمی
کے اندر غرق ہو جاتا ہے اور اسکی عقل جو نیکی کا مدار ہے زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ تھوڑی شراب بہت سی شراب کا شوق دلاتی
ہے لہذا سیاست امت کے لحاظ سے ضرور ہوا کہ حرمت کا مدار اسکے نشہ آور ہونے پر کیا جائے اور فی الحال نشہ کے موجود
ہونے کا لحاظ نہ کیا جاوے۔ پھر آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ شراب کیا چیز ہے اور فرمایا کل مسکر خمر وکل مسکر حرام۔ ہر چیز نشہ آور
شراب ہے اور ہر چیز نشہ آور حرام ہے اور فرمایا کہ شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے چھوارہ و انگور اور ان دونوں کی
اس ملک کی حالت کے اعتبار سے ہے اور رسول خدا صلعم سے مزر اور تبع کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ
آور چیز حرام ہے (مزر اہل یمن کی شراب ہے جو جوار سے بنتی ہے اور تبع اس شراب کو کہتے ہیں کہ جو شہد سے تیار کیجاتی ہے)
اور آپ نے فرمایا ہے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ جو چیز بہت سی نشہ آور ہو وہ تھوڑی بھی حرام ہے۔ میں کہتا ہوں یہ سب
احادیث مستفیضہ ہیں اور میں اس بات کو نہیں جانتا کہ شراب انگوری اور کسی اور شراب میں کیا فرق ہے کیونکہ شراب کی
حرمت ان مفاسد کے سبب سے نازل ہوئی ہے جنکی قرآن پاک میں تصریح کی ہے اور وہ مفاسد سب قسم کے شرابوں میں بتوفر
پائی جاتی ہیں اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من شرب الخمر فی الدنیا فمات وہو یدمنہا لم یتب لم یشربہا فی الاخرۃ جس کسی نے
دنیا میں شراب پی اور شراب کا عادی ہو کر بغیر توبہ مر گیا تو آخرت میں شراب نہ پئے گا میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے
کہ جو کوئی صفت بہیمی میں غرق ہو گیا اور صفت احسان سے اسنے بالکل پشت پھیر لی جنت کے لذائذ سے وہ شخص محروم
رہیگا پس شراب کا پینا اور اسکا عادی ہو جانا اور اس سے تائب نہ ہونا قوت بہیمی میں مستغرق ہونے کا سبب گردان کر اسپر
حکم دائر کر دیا گیا اور جنت کے لذائذ میں سے شراب کو مخصوص کیا گیا تاکہ ظاہر میں دونوں لذتوں کی مخالفت محسوس ہو جائے
اور نیز جب نفس کو لذت بہیمی کے اندر کسی فعل کے ضمن میں انہماک ہوتا ہے تو وہی فعل اس لذت کا اس شخص کے نزدیک
صورت مثالیہ ہو جاتا ہے جس کے یاد کرنے سے اسکو یاد کر لیتا ہے پس وہ شخص اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ جہان کی
لذت اسکے لئے ظاہر ہو اور نیز فعل کی سزا اسکے مناسب ہوا کرتی ہے پس جس شخص نے ایک چیز پر اقدام کیا ہے اسکی سزا یہ ہے کہ اسکی

خواہش اور امید کیوقت اُس لذت کے معدوم کرنے سے اُسکو تکلیف دیجاوے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ان علی اللہ عہدا لمن
شرب المسکران یسقیہ من طینۃ الخبال عصارۃ اہل النار - خدا تعالے نے پر اس بات کا عہد ہے کہ جو شخص نشہ پئے گا اُس کو خدا
طینۃ الخبال یعنی دوزخیوں کا نچوڑ سے میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ پیپ اور خون اشیا بہنی والوں میں سے بدترین
اور حقیرترین اور سخت ترین اشیا میں باعتبار نفرت طبیعت سلیمہ کے اور شراب بہنے والی چیز ہے اور مشابہ پیپ کے ہے صورت
خیالیہ میں جیسا کہ منکر نکیر کے باب میں علماء نے فرمایا ہے کہ انکی رنگتیں نیلگوں ہوتی ہیں اسلئے کہ عرب اس رنگت سے بیزار ہیں جیسا
کہ خواب میں بعض چیزیں انسان کو دکھائی دیتی ہیں اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من شرب الخمر لم یقبل اللہ لہ صلوٰۃ اربعین صباحا
فان تاب تاب اللہ علیہ - شارب الخمر کی چالیس دن کی صبح کی نماز خدا تعالے انہیں قبول کرتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے
تو اللہ پاک بھی اسکی توبہ قبول کرتا ہے میں کہتا ہوں کہ اسکی نماز قبول نہ ہونے میں یہ راز ہے کہ صفت بہیمیہ کا ظاہر ہو جانا
اور ملکیہ پر معصیت الہی کے مرتکب ہونے سے اُسکا غالب ہو جانا خدا تعالے پر جرأت کرنا اور اپنے نفس کا ایک حالت خواریمیں
جو صفت احسان کے بالکل منافی اور مخالف ہے مستغرق کر دینا ہے جس کے سبب سے نماز کا نفع اُس کے حق میں جاتا رہتا
ہے اور جب شراب پینے والا آنحضرت صلعم کے پاس گرفتار ہو کر آتا تھا تو آپ اس کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور جوتیوں اور
کپڑہ اور ہاتھ سے اُسکو مار پیٹ کیجاتی تھی یہانتک کہ چالیس ضرب اُسکے لگتے تھے پھر آپ فرماتے تھے کہ اسکو ڈانٹ بتاؤ تو
لوگ اسکی طرف متوجہ ہوتے تھے تو ایسی ایسی باتیں کہتے تھے کہ تو نے خدا کا خوف نہیں کیا تو تو خدا سے نڈر ہو گیا اور تو
نے رسول خدا سے کچھ حیا نہ کی اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے زمین سے خاک اُٹھا کر اُسکے منہ پر ماری - میں
کہتا ہوں بہ نسبت اور حدود کے اس حد کے کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اور معاصی میں اسیوقت فوراً خرابی موجود ہوتی ہے
مثلاً وہ شخص کسی کا مال چراتا ہے یا زہر لی کرتا ہے یا چوری کرتا ہے یا کسی کو زنا کی طرف منسوب کرتا ہے اور شراب پینے میں
فساد کا احتمال ہے گو بالفعل فساد موجود نہیں ہوتا اسواسطے سو سے کم شراب کی حد مقرر کی گئی اور آنحضرت صلعم چالیس دُرہ
اسواسطے مارتے تھے کہ اسمیں قذف کا احتمال ہے اور جو ایک چیز کا مظنہ ہوتا ہے وہ اس شئے سے بمنزلہ الضعف کے ہوتا ہے
پھر جب فساد زیادہ ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسّی دُرہ شراب کی حد مقرر کئے یا تو اسواسطے کہ کتاب الہی میں جسقدر حدود
مذکور ہیں اسّی کی مقدار ان سب میں ادنیٰ درجہ کی ہے پس جس حد کی قرآن کے اندر تصریح نہیں کی گئی اُسکے درجہ کی حد سے
وہ حد کم نہ ہونی چاہئے یا اسواسطے کہ شراب پینے والا اگر خود زنا یا قتل نہیں کرتا ہے تو اوروں کو اکثر زنا کی طرف منسوب کرتا
ہے اور اکثر کو حکم یقین کا ہوتا ہے اور توبیخ کرنے کا بھید ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے تم سے پیشتر
لوگ اسیواسطے ہلاک ہو گئے کہ جب انہیں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیتے اور اگر ناتوان آدمی چوری
کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور خدا کی قسم اگر فاطمہ محمد صلعم کی بیٹی چوری کرے تو بلا شبہ میں اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں - اور
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے جس شخص کی سفارش حدود الٰہی میں سے کسی حد کی نسبت پائی گئی اُس شخص نے خدا تعالے
کی مخالفت کی میں کہتا ہوں آنحضرت صلعم کو یہ بات معلوم تھی کہ خاندانی لوگوں کی عزت کا محفوظ رکھنا اور ان کے ساتھ
درگذر کرنا اور ان کو بچانا اور ان کے معاملہ میں سفارش کرنا ہمیشہ سے امتوں میں چلا آتا ہے اور تمام اولین اور آخرین

اس بات کے پیرو ہیں لہذا آنحضرت صلعم نے اسکی نسبت بہت تاکید اور اہتمام کیا اسواسطے کہ شرفا کی سفارش اور اسے
درگذر کرنا ان حدود کی مخالفت کرنا ہے جنکو خدا تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور آنحضرت صلعم نے محدود پر لعنت کرنی اور اسمیں
واقع ہونے سے نہی فرمائی ہے تاکہ اس سبب سے حد کے قائم کرنے سے لوگ باز نہ رہیں اور اسواسطے کہ حد گناہ کا کفارہ ہے اور
جب ایک شے کا کفارہ تدارک ہوگیا تو وہ شے کالعدم ہوگئی چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے والذی نفسی بیدہ انہ لفی انہار
الجنۃ ینغمس بہا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ جنت کی نہروں میں ڈوبا ہوا ہے اور حدود کے
ساتھ دو قسم کی زجر اور بھی ہوتی ہیں ایک تو دین کی ہتک عزت کی سزا اور ایک امامت سے روکنا پہلے کی دلیل یہ حدیث
ہے من بدل دینہ فاقتلوہ۔ جو شخص اپنا دین بدل دے اسکو قتل کر ڈالو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین سے باہر ہونے کی سزا
میں سخت ملامت کا قائم کرنا ضروری ہے ورنہ دین کی ہتک کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور خدا کو یہ منظور ہے کہ ملت آسمانی
بمنزلہ جبلی امر کے ہوجائے جو جدا نہیں ہوسکتا اور ارتداد اسی بات سے ثابت ہوتا ہے جسمیں خدا تعالیٰ یا رسول کی نفی یا کسی رسول
کی تکذیب پر دلالت ہو یا ایسا فعل جس سے دین کے ساتھ صراحتاً استہزا مقصود ہو اور ایسے ہی ضروریات دین کے انکار سے ارتداد
ثابت ہوتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے وطعنوا فی الدین۔ اور انہوں نے دین کے اندر عیب نکالا۔ اور ایک یہودیہ رسول خدا صلعم
کو کچھ برا بھلا کہا کرتی تھی تو ایک شخص نے اسکا گلا دبا دیا حتی کہ وہ مر گئی آپ نے یہ خبر سنکر اسکے خون کو ہدر کردیا اسلئے کہ دین
اسلام میں عیب جوئی اور مسلمانوں کی ظاہری ایذا رسانی سے عہد منقطع ہوجاتا ہے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے انا بری
من کل مسلم مقیم بین ظہرانی المشرکین لاتتراءی ناراہما۔ جو مسلمان مشرکین کے اندر بسے میں اس سے بیزار ہوں۔ وہ دونوں
ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھنے پائیں میرے نزدیک اسکا سبب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اختلاط کرنا اور انکے گروہ کو
بڑھانا بھی ایک قسم کی مدد ہے پھر آنحضرت صلعم نے کفار کی بستیوں سے دور رہنے کو اسطرح منضبط فرمایا کہ اگر ایک فریق کے
شہر یا محلہ میں اگر کسی بلند جگہ پر آگ روشن کی جائے تو دوسرے فریق کو ظاہر نہ ہو اور دوسرے کی دلیل یہ آیت ہے فان
بغت احدہما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ۔ پھر ایک گروہ نے دوسرے پر بغاوت کی پھر جسنے بغاوت کی
ہے اس پر قتال کرو اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا بویع الی الخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما۔ اگر دو خلیفوں کی بیعت کی جائے
تو ان دونوں میں سے دوسرے خلیفہ کو مار ڈالو۔ میں کہتا ہوں اسکا یہ سبب ہے کہ امامت ایسی چیز ہے کہ انسان کی طبیعت
کا میلان اسکی طرف ہوتا ہے اور مختلف ولایتوں میں لوگوں کے اندر کوئی نہ کوئی ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جو امامت
کی خاطر قتال پر اسکو جرأت ہوتی ہے اور کچھ لوگ اسکے بھی مددگار ہوتے ہیں پس اگر اسکو اسی حال چھوڑ دیا جائے اور قتل نہ
کیا جائے تو وہ ضرور خلیفہ کو قتل کرے پھر کوئی اور اس سے قتال کرے اور وہ اسکو قتل کرے وعلی ہذا القیاس مسلمانوں
میں فساد عظیم برپا ہو پس اس مفسدہ کے انسداد کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں میں اسکے متعلق ایک طریقہ مقرر کیا جائے کہ جب ایک
شخص خلیفہ مقرر ہوجائے پھر دوسرا شخص اسمیں جھگڑا کرنے کیلئے آمادہ ہو تو اس کا قتل روا ہے اور اسکے مقابل میں خلیفہ کی
مدد کرنا مسلمانوں کو ضروری ہے پھر اسکے بعد وہ شخص ہے جو اپنی ذات یا قبیلہ سے کسی ظلم کے دفع کرنے کے ارادہ سے
بتاویل شرعی خلیفہ پر خروج کرے یا خلیفہ کے اندرونی نقصان ثابت کرے اور دلیل شرعی سے اسپر حجت کرے اور جمہور مسلمانو

نزدیک وہ دلیل مسلم نہ ہو اور نہ وہ خدا کا ایسا حکم ہو جو برہان قطعی سے ثابت ہو جسکا انکار نہ کر سکیں پس اس شخص کا حال اس شخص سے کم درجہ پر ہے جو ملک میں فساد پھیلانے کی غرض سے خروج کرے اور شرع کو چھوڑ کر تلوار کو حکم قرار دیوے یہ دونوں شخص ایک مرتبے کے نہ ہونے چاہئیں اسلئے امام کو لازم ہے کہ اس مفسد کیطرف کسی دانا عالم کو نصیحت کے لئے بھیجے تاکہ اس شبہ کو دور کرے یا اس سے ظلم کو دفع کرے جسطرح امیر المومنین حضرت علی نے عبداللہ بن عباس کو حروریہ کو روانہ کیا۔ پس اگر وہ شخص مسلمانوں کی جماعت کیطرف رجوع کرے فبہا ورنہ امام کو اس سے قتال کرنا چاہئے مگر ان میں سے جو شخص بھاگ جائے اسکا تعاقب کر کے قتل نکرنا چاہئے اور نہ انکے قیدی قتل کرنے چاہئیں اور جو شخص زخمی ہو جائے اس کو بھی پھر قتل نکرنا چاہئے اسلئے کہ مقصود دفع شر اور انکی جماعت کا پراگندہ کرنا تھا وہ حاصل ہو گیا اور دوسرا شخص محاربین میں سے ہے اور اسکا حکم محارب کا حکم ہے۔

قضاء کا بیان

معلوم کرو کہ جن حاجات کا کثرت وقوع ہوتا ہے اور جن کا فساد سخت ہوتا ہے وہ لوگوں کے باہمی مناقشات ہیں وہی مناقشات عداوت اور بغض اور باہمی فساد کے باعث ہوتے ہیں اور انہیں سے حق تلف کرنے اور دلیل کے نہ ماننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے پس ضرور ہوا کہ ہر طرف میں ایک ایسا شخص مقرر کیا جائے جو شرع کے موافق انکی مقدمات کو فیصل کرے اور اس فیصلہ پر عمل کرنے پر خواہ مخواہ انکو مجبور کرے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو قضات کے بھیجنے کا نہایت اہتمام رہا پھر آپ کے بعد آپکے خلفاء اور تمام مسلمانوں میں اس بات کا اہتمام رہا پھر چونکہ لوگوں کے فیصلہ کرنے میں ظلم اور جور کا احتمال ہے لہذا ضروری ہوا کہ لوگوں کو فیصلہ کے اندر ناانصافی کرنے سے خوف دلایا جائے جن کلیات کیطرف احکام کا رجوع ہوتا ہے وہ منضبط کئے جائیں اور رسول خدا صلعم نے فرمایا من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین جو شخص لوگوں کے اندر قاضی مقرر کیا گیا بلاشبہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا میں کہتا ہوں اس سے رسول خدا صلعم نے اس بات کو بیان کیا کہ قضاء نہایت بھاری بوجھ ہے اور اس پر اقدام کرنے میں ہلاکت کا خطرہ ہے الا ماشاء اللہ اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من ابتغی القضاء وسئل وکل الی نفسہ ومن اکرہ علیہ انزل الیہ ملکا یسددہ۔ جو شخص قضاء کا طالب ہو اور اس کی درخواست کرے تو وہ شخص اپنی ذات پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور جو شخص زبردستی قاضی بنایا جاتا ہے تو خدا تعالے اس پر ایک فرشتہ نازل کرتا ہے کہ جو اس کی اصلاح کرتا رہتا ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جو شخص حکومت کا طالب ہوتا ہے غالباً مال یا جاہ کی خواہش یا کسی دشمن سے بدلہ لینے کی قدرت کا حاصل ہونا وغیرہ اس کا منشاء پڑتا ہے پس اس شخص سے خلوص نیت جو نزول برکات کا سبب ہے نہیں پائی جاتی اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے القضاۃ ثلثۃ احد فی الجنۃ واثنان فی النار۔ الحدیث۔ قاضیوں کی تین قسم ہیں ایک جنتی اور دو دوزخی ہیں۔ جنتی وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے اور اسی کے موافق حکم دے اور جو شخص حق کو پہچان کر حکم دینے میں ظلم کرے وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جو جاہل ہو کر حکم دے وہ بھی دوزخی ہے۔ میں کہتا ہوں اس

حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قاضی ہونے کے قابل وہ شخص ہے جو عادل ہو اور حلیم ہو اور کسی کیطرف میلان سے پاک ہو
اور اسکی یہ بات لوگوں میں مشہور ہو اور نیز وہ شخص عالم ہو جو احکام فقہ خاصکر مسائل قضاء سے واقف ہو اور اس کا سبب
ظاہر ہے اور وہ یہی سبب ہے کہ قاضی کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان باتوں کے غیر متصور ہے اور رسول خدا صلعم
نے فرمایا ہے لا یقضین حکم بین اثنین وھو غضبان۔ کوئی حاکم غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے مابین فیصلہ نہ کرے
میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ جب ایک شخص کا دل غصہ کی حالت میں مشغول ہے تو وہ شخص دلائل اور قرائن کے
معلوم کرنے میں پورے طور پر غور نہ کر سکیگا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب
فلہ اجران واذا حکم فاجتہد فاخطأ فلہ اجر واحد۔ جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اسمیں اجتہاد کرے پس اس کا اجتہاد ٹھیک
جا پڑے تب تو اس کے لیئے دو اجر ہیں اور اگر فیصلہ کرے اور اجتہاد کرنے میں وہ چوک جائے تو اسکی لئے ایک اجر ہے
اور اجتہاد کے معنی حتی الوسع دلیل کی تلاش کرنے میں کوشش کرنے کے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ تکلیف بقدر وسع کے ہے
اور انسان کی وسع میں صرف اسقدر ہے کہ حتی المقدور دلیل تلاش کرے باقی رہا حق کو پہونچ جانا سو یہ ہرگز اسکے بس
میں نہیں ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا ہے اذا تقاضی الیک رجلان فلا
تقض للاول حتی تسمع کلام الآخر فانہ احری ان یتبین لک القضاء۔ جب دو شخص تیرے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو جبتک تو
دوسرے کی بات نہ سن لے اسوقت تک پہلے کے موافق فیصلہ مت کر کیونکہ دونوں کی بات سننے سے حکم اچھی طرح
ظاہر ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اسواسطے کہ دونوں کی دلیل کو ملاحظہ کرنے سے ترجیح ظاہر ہو سکتی ہے اور معلوم کرو کہ
قضاء کے دو درجہ ہیں اول تو مدعی و مدعا علیہ کے مقدمہ کی حقیقت حال کا معلوم کرنا اسکے بعد اس مقدمہ میں انصاف سے
حکم دینا اور قاضی کو کبھی تو دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی صرف ایک کی مثلاً اگر دو شخص ہیں اور ہر ایک اس بات کا
دعوے کرتا ہے کہ یہ جانور میری ملک ہے اور میری ہی ملک میں پیدا ہوا ہے یا یہ تھیر میں نے پہاڑ سے اٹھا لیا ہے
تو یہاں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے اور حضرت علی اور زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کے مابین حضرت حمزہ کی لڑکی
کی پرورش کے باب میں جو مقدمہ پیش تھا وہاں وہ مقدمہ ظاہر تھا صرف حکم دینا باقی تھا اور اگر ایک شخص دوسرے پر
غصب کا دعوے کرے اور مال کی صورت متغیر ہو اور دوسرا انکار کرے تو اولاً حقیقت حال معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی
کہ وہاں غصب ہے یا نہیں اور اسکے بعد حکم دینے کی ضرورت ہوگی کہ بعینہٖ اس شے کے واپس کرنیکا حکم دیا جائے یا اس
کی قیمت دینے کا اور رسول خدا صلعم نے قضاء کے دونوں مقام کو قواعد کلیہ سے منضبط فرمایا ہے مقام اول میں تو گواہی اور
قسم سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ حقیقت الحال بجز اس صورت کے نہیں معلوم ہو سکتی کہ یا تو کوئی شخص
جو اس واقع میں موجود تھا اس کی خبر دے یا خود وہی مقدمہ والا ایسی تاکید سے اس کو بیان کرے کہ جس کے ساتھ
کذب ہونیکا ظن نہ پایا جاوے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے لو یعطی الناس بدعوٰھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن
البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔ اگر لوگوں کو صرف دعوے کرنے سے دلایا جاوے تو بلا شبہ لوگ بہتیں خون و
مال کا دعوے کرنے لگیں مگر مدعی کے لئے بینہ اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے پس مدعی وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہر کے

خلاف دعویٰ کرنے ایک نئی بات ثابت کرتا ہے اور مدعا علیہ اصل کا پابند اور ظاہر سے دلیل پکڑتا ہے پس ایسی صورت میں
بجز ایک بات کے کوئی صورت انصاف کی نہیں ہے کہ مدعی سے بینہ کا اعتبار کیا جائے اور جو ظاہر سے استدلال کرتا ہے
اور اپنے آپ کو بچاتا ہے درصورت مدعی کے پاس بینہ نہ ہونے کے اس شخص سے قسم لیجائے اور رسول خدا صلعم نے اس قاعدہ کے
مقرر ہونیکا سبب اشارۃً اس حدیث میں بیان فرمایا ہے لو یعطی الناس بدعوٰہم الخ یعنی یہ تظلم کا سبب ہے تو ایسی صورت میں
حجت کا ہونا ضروری ہے پھر گواہ میں اس صفت کا ہونا معتبر ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو چنانچہ اللہ پاک فرماتا
ہے ممن ترضون من الشہداء۔ گواہوں میں سے جس کو تم پسند کرو۔ اور یہ صفت عقل اور بلوغ اور اس معاملہ کے ضبط اور گویائی
اور اسلام اور عدالت اور مروت اور عدم تہمت سے ہوتی ہے۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے لا یجوز شہادۃ خائن ولا
خائنۃ ولا زان ولا زانیۃ۔ ولا ذی غمر علے اخیہ ویرد شہادۃ القانع لاہل البیت۔ کہ نہیں درست ہے گواہی خیانت
کرنے والے کی۔ اور نہ خیانت کرنے والی کی نہ زانی اور زانیہ کی اور نہ اس شخص کی جو اپنے بھائی سے بغض رکھتا ہو اور
جو شخص کسی کے گھر کا نوکر ہو اس کی گواہی رد کی جائیگی اور اللہ جل جلالہ نے قذف کرنے والے کی نسبت فرمایا ہے ولا
تقبلوا لہم شہادۃ ابداً واولئک ہم الفاسقون الا الذین تابوا الآیہ۔ اور باقی کبائر کو بھی زنا اور قذف کا ہی حکم ہے اس
واسطے کہ خبر میں فی نفسہ صدق اور کذب کا احتمال ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کو کسی قرینہ سے ترجیح ہوتی
ہے اور وہ قرینہ یا تو مخبر میں ہوتا ہے یا اس میں جس سے خبر دیجاتی ہے یا کسی اور میں۔ اور ان قرائن میں سے انضباط
کے قابل جس پر حکم کا مدار کیا جائے بجز صفات مخبر کے کوئی چیز نہیں ہے البتہ ظاہر حال ملکیت اور ابقاء ما کان علے
ما کان قابل انضباط ہے مگر مدعی کے لئے بینہ اور مدعا علیہ کے لئے قسم مقرر ہونے میں اس کا اعتبار ہو چکا ہے اب
رہی گواہوں کی تعداد ان اطوار مختلفہ کے اعتبار سے مقرر کی گئی جنکو شارع نے مختلف حقوق کے اندر رکھا ہے پس
زنا کا ثبوت چار گواہوں سے ہو سکتا ہے یہ آیت اسکی دلیل ہے والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء الآیہ
اور ہم سابق میں اسکی مشروعیت کا سبب بیان کر چکے ہیں اور قصاص و حدود میں صرف مردوں کی گواہی کا اعتبار کیا جاتا
ہے اور اس کی دلیل زہری رحمۃ اللہ کا یہ قول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے برابر یہ دستور جاری ہے
کہ حدود میں صرف مردوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے اور حقوق مالیہ میں ایک مرد اور دو عورت کی گواہی کا بھی اعتبار ہوتا ہے
بحکم آیہ فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان پس اگر دو مرد نہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں اور جناب
باری تعالے نے بجائے ایک مرد کے دو عورتوں کے مقرر کرنے کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ ان تضل احدٰہما فتذکر احدٰہما الاخریٰ
ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلادے یعنی عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں
پس عدد بڑھا کر اس کمی کا پورا کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک شاہد اور ایک قسم سے حکم دیا اسواسطے
کہ شاہد عدل کے ساتھ اگر قسم بھی پائی جائے تو وہ امر ثابت ہوجاتا ہے اور گواہوں کے امر میں تو سختی ضروری ہے اور برابر
سنت جاری ہے کہ اگر شاہدین میں قاضی کو کسی قسم کا تردد ہو تو بطور خود تحقیق کرے اسواسطے کہ انکی گواہی کا اعتبار
انکی صفات کیوجہ سے ہے باعث انکے صدق کو کذب پر ترجیح ہے پس انکے صفات کا ظاہر ہونا ضروری ہے

اور یہ بھی برابر سنت جاری ہے کہ اگر شک ہو تو قسم کو زمانہ اور مکان اور لفظ سے خوب مضبوط کیا جاتا ہے اسواسطے کہ صدق خبر کی دلیل اسی قرینہ کی وجہ سے ہوتی ہے جسکے ساتھ خبر دینے والا کذب پر اقدام نہیں کرسکتا پس مناسب ہوا کہ جب زیادہ شک ہو تو قرائن کو قوی کیا جاے لفظ کے معتبر رہنے مضبوط کرنے کی یہ صورت ہے کہ اسماء و صفات زیادہ بیان کئے جائیں اسکی دلیل یہ حدیث ہے احلف باللہ الذی لا الہ الا ہو عالم الغیب والشہادۃ - اور زمانہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ بعد العصر حلف کرے بحکم آیہ تحبسونہما من بعد الصلوۃ - اور جگہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں ہو تو رکن اور مقام کے درمیان میں کھڑا کرکے اس سے قسم لیں اور اگر مدینہ منورہ میں ہو تو حضور نبوی کے منبر کے پاس کھڑا کرکے اس سے گواہی لیں اور اور شہروں میں مساجد کے منبر کے پاس کھڑا کریں کیونکہ ان مقامات کی فضیلت شرع سے ثابت ہے اور خصوصاً ان مقامات میں جھوٹ کہنے کا سخت گناہ ہے پھر اس بات کی حاجت پڑی کہ لوگوں کو اس بات سے نہایت خوف دلایا جاے کہ خدا تعالے کے ان احکام کی مخالفت کریں جنکو خدا تعالے نے ان کے مقدمات کے فیصل کرنے اور حقیقت حال کے معلوم ہونے کیلئے مقرر فرمایا ہے اور ان تدبیرات میں اصل تین چیزیں ہیں ایک تو یہ جس فعل سے خدا تعالے نے نہایت شدت سے نہی فرمائی ہے اس پر اقدام کرنا قلت ورع اور خدا تعالے کے روبرو جرات کرنے کی دلیل ہے پس ان اشیاء پر جرات کرنے کا علم وارد کیا گیا اور جرات کا اثر مثل وجوب دخول نار اور تحریم جنت وغیرہ کے اس پر وارد کیا گیا دوسرے یہ کہ اسمیں ظلم کی کوشش پائی جاتی ہے اور اس کا مال سرقہ اور رہزنی یا چور کو چوری کیطرف رہبری کرنے یا رہزن کو رہزنی پر آمادہ کرنے کے مثل ہے لہذا خدا تعالے اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت جو زمین میں فساد ڈالنے والوں کے متعلق ہوا کرتی ہے اس عاصی کی طرف متوجہ ہوئی اسلئے دوزخ کا مستحق ہوا اور تیسرے یہ کہ اسمیں ان احکام کی جنکو خدا تعالی نے اپنے عباد کیلئے مشروع کیا ہے مخالفت اور مرضی الہی کے موافق انکے نہ جاری ہونے میں کوشش کرنا ہے کیونکہ قسم حق ظاہر کرنے کیلئے اور بینہ حقیقت حال بیان کرنے کیلئے مشروع کیا گیا ہے پس اگر جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں کا دستور جاری ہو جائے تو مصلحت مقصود کا دروازہ بند ہوتا ہے پس از انجملہ گواہی کا چھپانا ہے اسکی نسبت اللہ تعالے فرماتا ہے ومن یکتمہا فانہ آثم قلبہ - اور جو شخص اسکو چھپاوے تو اس کا دل گنہگار ہے - اور از انجملہ جھوٹی گواہی ہے - آنحضرت صلعم نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے اور از انجملہ جھوٹی قسم ہے حدیث شریف میں آیا ہے من حلف علی یمین صبر وہو فیہا فاجر لیقتطع بہا حق امرء مسلم لقی اللہ تعالے یوم القیمۃ وہو علیہ غضبان - جو شخص حبس کی قسم پر حلف کرے اور وہ اس میں جھوٹا ہو اور اس کا مقصود اس سے کسی مسلمان کا حق تلف کرنا ہو تو وہ خدا تعالے سے قیامت کے دن ایسی حالت پر ملیگا کہ خدا تعالے اس پر غضبناک ہوگا - اور از انجملہ جھوٹا دعوے ہے حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص ایسی چیز کا دعوے کرے جو اسکی نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اسکو دوزخ میں اپنے لئے جگہ ڈھونڈ لینی چاہئے اور از انجملہ بلا حق بحکم قاضی کسی چیز کا لے لینا ہے حدیث شریف میں آیا ہے انما بشر مثلکم وانکم تختصمون - الحدیث - اور از انجملہ مقدمہ بازی کی عادت ڈال لینا ہے یہ بھی باہم فساد ڈالنے سے خالی نہیں ہے - حدیث شریف میں آیا ہے ان ابغض الرجال الی اللہ الالد الخصم - مبغوض ترین لوگوں کا عنداللہ وہ شخص ہے جو بڑا جھگڑالو ہے - اور جو شخص حق اور باطل میں دخل

مخاصمت نہ کرے تو وہ شخص صفت سماحت کا پابند ہے اور آنحضرت صلعم نے ترک مخاصمت کی رغبت دلائی ہے اور
نیز لب اوقات حقیقت میں ایک شخص کا حق نہیں ہوتا اور اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا حق ہے پس یقیناً عہدہ سے اسی
وقت باہر ہو سکتا ہے کہ مخاصمت کو بالکل ترک کر دے خواہ حق سے ہو یا ناحق ہو اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ
دو شخصوں نے ایک حیوان میں دعوے کیا اور ہر ایک نے اس بات پر بینہ قائم کر دی کہ وہ جانور اسی کے ہاں پیدا ہوا
ہے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ جانور اس شخص کو دلایا جس کے قبضہ میں تھا۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ راز
ہے کہ جب دونوں حجتوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط ہو گئیں اور جس کا قبضہ ہے اس کے پاس وہ شے باقی
رہی کیونکہ اس کے رد کرنے کا کوئی سبب نہیں پایا گیا یا ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک دلیل کو قرینہ ظاہری
یعنی قبضہ سے مدد ملگئی لہذا اسکو ترجیح دیگئی۔ اب رہا قضا کا مقام ثانی پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چند اصول
فرمائے ہیں جن کی طرف اس مقام کا رجوع ہوتا ہے اور مجملاً اسکا بیان یہ ہے کہ حقیقت حال معلوم ہوگئی تو اب نزاع ایسی
شے میں جو اصل میں مباح ہے اور ہر شخص اس کا دعوے کرتا ہے ایسے وقت میں اس کا حکم ترجیح کا ظاہر کرنا ہے خواہ
وہ ترجیح کسی ایسی صفت سے ہو جس میں مسلمانوں کو اور نیز اس شے کو نفع ہو یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ ان دونوں میں سے ایک کا
قبضہ بہ نسبت دوسرے کے پیشتر ہو یا قرعہ اندازی سے وہ ترجیح حاصل ہو جائے اس کی مثال ایک تو زید و علیؓ و جعفر
رضی اللہ عنہم کا قصہ ہے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کی پرورش کے متعلق کہ آنحضرت صلعم نے جعفر رضی اللہ عنہ کے واسطے پرورش کا
حکم دیا اور فرمایا الخالۃ ام خالہ ماں ہے۔ دوسرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اذان کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو اذان
اور صف اول کا ثواب معلوم ہو اور اس ثواب کو قرعہ اندازی کے بغیر حاصل نہ کر سکیں تو قرعہ اندازی کیا کریں اور نیز رسول
خدا صلعم جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تھے ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے اور ایک ترجیح کی صورت یہ ہے
کہ بطور عقد یا غصب کے کسی کا قبضہ چلا آتا ہو اور ہر ایک اس بات کا دعوے کرے کہ میں اس کا حقدار ہوں اور اس میں
ہر ایک کو شبہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ لوگوں میں جو دستور و عرف جاری ہے اس کا اتباع کیا جاوے اور اقرار اور عقود کے
الفاظ کی تفسیر انہیں معنی سے کیجاتی ہے جو جمہور کے نزدیک اس کے معنی ہیں اور ضرر رسانی وغیرہ انہیں کے دستور سے
معلوم ہو سکتی ہے اسکی مثال براء بن عازب کا قضیہ ہے کہ انکی اونٹنی کسی باغ میں جا پڑی اور اس نے باغ کا کچھ نقصان
کر دیا اور ہر شخص اس بات کا مدعی ہوا کہ میں معذور ہوں پس رسول خدا صلعم نے ان کی عادت کے موافق اس مقدمہ میں
حکم دیا اور عادت و دستور یہ ہے کہ مالی دن میں اپنے مال کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور مویشی کے پالنے والے شب
میں مواشی کی حفاظت رکھتے ہیں اور جن قواعد پر بہت سے احکام مبنی ہیں ان میں سے ایک یہی قاعدہ ہے کہ
نفع تاوان کے ساتھ ہوتا ہے اور اسکی اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا ہے کہ آمدنی تاوان کے ساتھ ہے اس
لئے کہ منافع کا انضباط دشوار ہے اور جاہلیت کے قسامات اور خون اور جو کچھ زمانہ جاہلیت میں اس سے کچھ تعرض
نہ کیا جاوے گا اور جاہلیت کے بعد از سر نو احکام قائم کئے جاوینگے اور قبضہ بلا کسی دوسری دلیل کے نہ توڑا جاویگا
اور استصحاب یعنی ابقاء ما کان علیٰ ما کان کی اصل یہی ہے اور یہ کہ اگر تفتیش کا طریقہ مسدود ہو جاوے

تو حکم وہ ہوگا جو مال والا چاہیگا یا دونوں واپس لیلینگے اور اسکی اصل یہ حدیث ہے البیعان ان اختلفا والسلعۃ قائمۃ الحدیث اور ہر عقد میں اصل یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے پورا پورا حق دلایا جاوے اور عقد سے جو شخص جس چیز کا التزام کرے وہ اس پر لازم ہے بجز اس عقد کے جس سے شارع نے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے المسلمون علی شروطہم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا۔

یہ قدر ہے ان احکام کا بیان ہوا جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ثانی کے متعلق مشروع فرمایا ہے اور وہ قضایا جنہیں حضور نبوی صلعم نے حکم فرمائے ہیں یہ ہیں منجملہ ان ایک قضیہ بنت حمزہ کی پرورش کے باب میں ہے جیسا کہ حضرت علی نے فرمایا بنت اخی رانا اخذتہا۔ اور جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بنت عمی وخالتہا تحتی۔ اور زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے بنت اخی اور کہا کہ خالہ تو بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اور ایک قضیہ ابن ولیدہ زمعہ کا دعوت کے باب میں ہے جیسا کہ سعد نے کہا ہے کہ میرے بھائی نے اس میں البتہ میرے ساتھ عہد کیا ہے اور عبد ابن زمعہ ابن ولیدہ نے کہا کہ میرا باپ تو اسکے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ پس آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اے زمعہ وہ تیرے لئے ہے الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ اور از انجملہ زبیر اور ایک انصاری کا قضیہ پانی کے نحول کے باب میں ہے پس آپ نے ایسا حکم دیا کہ جس میں دونوں کے لئے وسعت تھی کہ اے زبیر اول تم اس میں پانی لیلو پھر اپنے ہمسایہ کو چھوڑ دو پھر انصاری غصہ ہوگیا پھر زبیر کے لئے اسکا حق پورا کر دیا فرمایا کہ اتنا پانی لے کہ دیواروں کی جڑ تک پہونچے۔ اور از انجملہ براء بن عازب کی اونٹنی کا قضیہ ہے کہ وہ ایک باغ میں گھس گئی اور اس کا نقصان کیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ باغ والے لوگ دن میں اپنے باغ کی حفاظت کریں اور مواشی پالنے والے رات میں اپنے مواشی کی حفاظت کریں اور آپنے شفعہ کا جب اس شے کی تقسیم نہ ہوئی ہو حکم دیا اور حدود پڑ جاویں اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اسمیں شفعہ نہیں ہے اور ان عقدات کے وجوہ ہم قبل بیان کر چکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا اختلفتم فی الطریق جعل عرضہ سبعۃ اذرع۔ جب تم راستے میں اختلاف کرو تو اس کی چوڑائی سات ذرعہ کیجائے میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ جب لوگ کسی مباح زمین کو آباد کرتے ہیں اور وہ شہر ہو جاتا ہے اور راستے میں جھگڑا واقع ہوتا ہے بعض تو چاہتے ہیں کہ راستہ کو تنگ کریں اور اسمیں اپنے مکانات بنائیں اور بعض اس بات سے مانع ہوتے ہیں رستے میں لوگوں کے لئے فراخی ہونا چاہئے لہذا حکم دیا گیا کہ رستہ کا عرض سات درعہ کا ہونا چاہئے اور اسکی یہ وجہ ہے کہ اونٹوں کی دو قطاریں ضرور اس رستہ سے گذر سکیں بایں طور کہ ایک ایک جانب سے اور دوسری دوسری جانب سے تو ایسی صورت میں اس بات کی ضرورت ہے کہ انکے واسطے بخوبی نکلنے کا راستہ ہو ورنہ دقت لازم آتی ہے اور اسکا اندازہ سات درعہ ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے جو کوئی شخص کسی کی زمین بلا اسکی اجازت کے کھیتی کرے تو اسکو بجز اسکی حق محنت کے اور کچھ نہ ملیگا پس آنحضرت صلعم نے اسکو سبزہ گیری کے گروانا کہ مالک زمین کیلئے اسنے محنت کردی۔ واللہ اعلم۔

جہاد کا بیان

معلوم کرو کہ تمام شرائع میں زیادت کامل اور تمام وہ شریعت ہے جسمیں جہاد کا حکم پایا جاوے اس واسطے کہ خدا تعالے نے کو

اپنے بندوں کا امر و نواہی کے ساتھ مکلف کرنا ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص کے غلام مریض ہو رہے ہیں اور اُس نے اپنے خاص نوکروں میں سے ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ اُنکو کوئی دوا پلا دے پھر اگر وہ شخص اُنکو مجبور کر کے اُنکے منہ میں دوا ڈالے تو یہ بات نامناسب ہوگی مگر رحمت کا مقتضے ہے کہ اول اُن غلاموں سے اُس دوا کے فوائد بیان کر دے تاکہ خوشی کے ساتھ اُس دوا کو پی لیں اور نیز اُس دوا میں کوئی شیریں چیز مثلاً شہد شامل کر دے تاکہ رغبت طبعی اور نیز رغبت عقلی اُس کی معین ہو جائے پھر اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ریاستوں کی محبت اور اُن کا شوق اور شہوات دنیہ اور اخلاق سبعی اور وساوس شیطانی اُنپر غالب ہوتے ہیں اور اُنکے آباواجداد کے رسوم اُنکے قلوب میں مرتکز ہو جاتے ہیں تو اُن فوائد پر وہ کان نہیں دھرتے اور جس چیز کا حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اسمیں وہ فکر نہیں کرتے اور نہ اُسکی خوبی میں اُنکو غور ہوتا ہے تو اُن لوگوں کے حق میں رحمت کا مقتضے یہ نہیں ہے کہ صرف اثبات حجت کا اُنپر اقتصار کیا جائے بلکہ رحمت اُن کے حق میں یہی ہے کہ اُنپر جبر کیا جائے تاکہ خواہ مخواہ ایمان اُنپر ڈالا جائے جس طرح تلخ دوا کے پلانے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مغلوب کرنے کی یہی صورت ہے کہ جن لوگوں کی زیادہ تر ایذا رسانی اور اُنکو زیادہ تر قوت ہے قتل کیا جائے یا اُن کی قوت کو متفرق کیا جائے اور اُن کے مال چھین لئے جائیں تاکہ وہ بالکل بے بس ہو جاویں ایسے وقت اُن کے اتباع اور ذریات خوشی اور اطاعت کے ساتھ ایمان میں داخل ہو سکتے ہیں لہذا رسول خدا صلعم نے قیصر کو لکھ بھیجا کہ تجھ پر خادموں کا وبال ہے اور بسا اوقات اُن کا مقید و مغلوب کرنا اُن کے ایمان کا سبب ہوتا ہے اسی کی طرف آپ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے عجب اللہ من قوم یدخلون الجنۃ فی السلاسل۔ جو لوگ جنت میں زنجیروں سے بندھے ہوئے داخل ہونگے خدا کو وہ اچھے معلوم ہونگے اور نیز انسان کی رحمت بہ نسبت بشر کی رحمت تامہ کا یہی ہے کہ خدا تعالے اُن کو احسان کی طرف ہدایت کرے اور اُن کو ظالموں سے چھڑائے اور اُن کے ارتفاقات اور اُن کی تدبیر منزلی اور اُن کی سیاست مدنی کی اصلاح فرمائے پس اُن کے مدن فاسدہ وہی ہیں جن پر نفوس سبعیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اُن کے لئے نہایت درجہ کی قوت ہوئی ہے اور یہ بمنزلہ مرض آکلہ کے ہوتی ہے جو بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے کہ بغیر اُس کے قطع کئے اُسکی صحت ہی ممکن نہیں تو جو شخص اُسکے مزاج کی اصلاح اور اُسکی طبیعت کے قائم کرنے کی طرف توجہ کرے تو اُسپر لازم ہے کہ اُسکو قطع کرے اور تھوڑی سی قباحت جس سے خیر کثیر حاصل ہو اُسکا کرنا ضروری ہے اور تمکو غیرت حاصل کرنا چاہئے قریش کے حال سے اور جو عرب ہیں کہ تمام خدائی میں احسان کے اعتبار سے سب سے بعید ترین تھے اور ضعیفوں پر ظالم ترین تھے اور باہم اُن کے شدید مقاتلے ہوتے تھے اور بعض بعض کو قیدی بناتے تھے اور اکثر ایسے تھے کہ حجت میں تامل نہیں کرتے تھے صرف دلیل کو دیکھ لیا کرتے تھے تو حضور نبوی صلعم نے اُنسے جہاد کیا اور اُنکے سرکشوں کو جو نہایت مضبوط اور شریر تھے قتل کیا حتیٰ کہ امر الٰہی ظاہر ہو گیا اور آپ کے لوگ فرمانبردار ہو گئے اور بعد ازاں وہ اہل احسان ہو گئے اور اُنکے تمام کام بن گئے پس اگر ان لوگوں پر شریعت کے اندر جہاد نہ ہوتا تو یہ رحمت اُنکے حق میں کیونکر حاصل ہوتی اور نیز خدا تعالے نے جب عرب و عجم سے ناخوش ہو گیا اور اُنکی دولت اور ملک زائل کرنے کا حکم دیدیا پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب پر بالذات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب پر

آپکے واسطہ سے یہ بات القا فرمائی کہ اسکی راہ میں لڑیں تاکہ جو مقصود ہے حاصل ہو پس وہ اس بات [illegible]
کہ خدا تعالے کے احکام پورا کرنیمیں کوشش کرتے رہتے ہیں اتنا فرق ہے کہ ملائکہ بلا تکلیف [illegible]
کرتے ہیں اور مسلمان بندے ایک قاعدہ کلیہ کے موافق جسکو خدا تعالے نے ان کے لئے مقرر فرمایا ہے [illegible]
انکا یہ عمل سب اعمال سے بڑھکر ہے اور قتل ان کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ اسکی نسبت خدا کی طرف [illegible]
کے قتل کی نسبت امیر کیطرف کیجاتی ہے نہ جلاد کی طرف چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم یعنی تم نے ان کو
قتل نہیں کیا اور لیکن خدا تعالے نے انکو قتل کیا۔ اور اسی راز کی طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے
[illegible] الحدیث۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا کسری ولا قیصر۔ نہ کسری ہے نہ قیصر ہے
یعنی وہ لوگ دین جاہلیت پر تھے اور جہاد کے فضائل کا مرجع چند اصول کیطرف ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ [illegible]
الٰہی اور اسکے الہام کے ساتھ اتفاق ہے پس اسکے تمام کرنے میں کوشش کرنا شمول رحمت کا باعث [illegible]
ابعمل میں کوشش کرنا شمول رحمت کا باعث ہو اور اس زمانہ میں جہاد کا ترک کرنا خیر کثیر کا ہاتھ سے فوت کرنا ہے اور
از انجملہ یہ ہے کہ جہاد ایک شاق عمل ہے کہ اسمیں سخت تکلیف کے گوارا کرنے اور جان و مال کے خرچ کرنے اور وطن اور
ضروریات سے علیحدہ ہونے کی ضرورت ہوتی ہے پس ایسی عبادت شاقہ پر وہی شخص ہمیشگی کر سکتا ہے جو خدا تعالے کے
کے دین پر خلوص کے ساتھ یقین رکھتا ہے اور آخرت کو دنیا کے مقابلہ میں پسند کرتا ہے اور خدا تعالے پر اعتماد
ٹھیک ٹھیک بھروسا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ نفسانی خواہش کا قلب میں دفع ہونا اسیوقت ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو
تشبیہ بالملائکہ حاصل ہو اور اس کمال سے اسکو پورا حصہ ہو۔ اور شہوت بہیمیہ سے اسکو بعد ہو اور دل سے رسوخ دین کیطرف اسکو پورا
پورا میلان ہو ایسا شخص اپنی سلامتی قلب پر خود دلیل ہوگا۔

یہ تمام باتیں اسیوقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ جہاد شرائط کے ساتھ پایا جاوے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
جب سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی شجاعت سے مقاتلہ کرتا ہے اور کوئی شخص حمیت کے اعتبار سے مقاتلہ کرتا ہے پس ان
دونوں میں سے خدا تعالے کی راہ میں قتال کرنیوالا کونسا ہے تو حضور نبوی صلعم نے فرمایا جو شخص خدا تعالے کی راہ میں
لڑے جس سے خدا تعالے کی بات اسکو اونچی رکھنی مقصود ہو پس یہی شخص خدا کی راہ میں قتال کرنیوالا ہے۔ اور از انجملہ
یہ ہے کہ قیامت کے روز جزا اعمال کی صورت میں متمثل ہوگی چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یکلم احد
فی سبیل اللہ واللہ اعلم بمن یکلم فی سبیلہ الا جاء یوم القیامة وجرحہ یثعب واللون لون الدم والریح ریح المسک۔ کوئی
شخص ایسا نہ ہوگا جو خدا تعالے کی راہ میں زخمی ہو اور یہ بات خدا تعالے خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی
ہوتا ہے مگر قیامت کے روز جب وہ آئیگا اس کے زخم سے خون جاری ہوگا رنگ تو اس کا خون کا رنگ اور اسکی بو
مشک کی بو ہوگی اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد خدا تعالے کے نزدیک ایک پسندیدہ امر ہے اور دستور کے اعتبار سے بغیر خرچ
کرنے اور گھوڑوں کے جمع کرنے اور تیر اندازی [illegible] کے پورا نہیں ہوتا پس جو امر خدا تعالے کی رضامندی [illegible] ان
چیزوں کی طرف بھی چونکہ اصل جہاد کے اسباب ہیں [illegible] اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد [illegible]

اور لوگوں کیلئے جہاد ایک لازمی چیز کیلئے مقرر کیا گیا ہے جب تم نے یہ اصول دریافت کر لئے تو اب تم کو ان احادیث کی حقیقت جو فضائل جہاد میں وارد ہیں منکشف ہو جائیگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان فی الجنۃ مائۃ درجۃ اعدا اللہ للمجاہدین۔ الحدیث جنت کے اندر سو درجے ہیں جنکو خدا تعالے نے مجاہدین کے لئے تیار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الجزا میں مکان کا بلند ہونا خدا تعالےٰ کے نزدیک بلندی مرتبہ کی صورت مثالیہ ہے اس واسطے کہ حیر وتیت پر اطلاع پانی وغیرہ سے نفس کو سعادت حاصل ہوتی ہے اور نیز اس کا یہ سبب ہے کہ جہاد شعائر الٰہی اور اس کے دین اور تمام ان چیزوں کی جنکی مشہور ہونے میں خدا تعالیٰ کی رضامندی ہے شہرت دین کا سبب ہے اور اسی لئے وہ اعمال جنمیں ان دونوں صفت کا مظنہ ہے انکی جزائے جنت میں درجات کا حاصل ہونا ہے چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنیوالے کے حق میں وارد ہوا ہے کہ اس سے کہا اقرا وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا۔ اور جہاد کی بارہ میں وارد ہوا ہے کہ یہ درجات کی بلند ہونیکا سبب ہے اسلئے کہ اسکو عملیں لانے سے دین میں رفعت حاصل ہوتی ہے تو اسکی جزا بھی مثل عمل کے ہوگی پھر درجہ کے بلند ہونے کی بھی بہت سی وجہیں ہیں اور ہر ایک وجہ جنت میں درجہ کے اعتبار سے متمثل ہوگی اور ہر درجہ مثل مابین السماء والارض ہوگا کہ یہ بعد فوقانی باعتبار شرف علوم کے اندر غایت بعد ہے تو جیسا کہ ان کے علوم میں یہ تمکن تھا ویسا ہی دار الجزا میں بھی متمثل ہوگا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے المجاہد فی سبیل اللہ کمثل القانت الصائم۔ کہ خدا تعالےٰ کے راستہ پر جہاد کرنیوالا ایسا ہے۔ جیسے قائم اللیل صائم الدہر میں کہتا ہوں اسمیں یہ راز ہے کہ قائم اللیل صائم الدہر کو اپنے غیر پر اسلئے فضیلت ہوئی کہ وہ خدا تعالےٰ کی مرضی کی غرض سے اس فعل دشوار کو عمل میں لایا اور یہ شخص اس فعل کی وجہ سے بمنزلہ ملائک کے ہو گئے اور ان کے ساتھ اس نے تشبہ حاصل کر لیا اور مجاہدہ جبکہ موافق شرع کے جہاد کرے تو اسکو ہر طرح سے قانت اور صائم کے ساتھ مشابہت ہے سوائے اسکے کہ طاعتوں میں کوشش کرنے سے اُسکے فضل کو سب لوگ مان لیتے ہیں اور اس کو خاص خاص لوگ جانتے ہیں لہذا قانت و صائم کے ساتھ اس کو مشابہت دی تاکہ اسکا حال منکشف ہو جائے پھر ترغیب دینے میں ان مقدمات جہاد کی طرف حاجت پڑی کہ جہاد عادت درہم میں بغیر ان کے ممکن نہیں کہ حاصل ہو مثل رباط اور رمی وغیرہ کے اس لئے کہ خدا تعالےٰ جبکہ کسی چیز کا حکم دے اور اسکے کرنے سے راضی ہوا۔ اور اس بات کو جانتا ہے کہ وہ چیز بغیر ان مقامات کے حاصل نہ ہوگی تو ضروری ہے کہ انکا بھی حکم فرما دے اور انسے راضی ہو رباط کے باب میں آیا ہے کہ یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور نیز ایک مہینہ کے روزے اور اسکے قیام سے بھی بہتر ہے اور جو شخص مر جاوے تو جو عمل کرتے ہوئے مرا ہے وہی اسپر جاری کیا جائیگا اور اسپر اس کا رزق جاری کیا جائیگا اور قتال سے محفوظ رہیگا۔ میں کہتا ہوں اس کا دنیا مافیہا سے بہتر ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس میں ثمرہ ہے کہ قیامت میں باقی رہیگا اور دنیا کی جو نعمت ہے اس کو خواہ مخواہ زوال ہوتا ہے اور ایک مہینے کے روزے اور اس کے قیام سے بہتر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ ایک نہایت شاق عمل ہے جو قوت بہیمی پر نہایت گراں ہوتا ہے اور یہ عمل صرف خدا تعالےٰ کے لئے اور اس کی راہ میں ہوتا ہے جس طرح صیام وقیام اور اس کا عمل جاری رکھنے میں یہ راز ہے کہ جہاد کا ایک جزو دوسرے جز پر مبنی ہوتا ہے جس طرح عمارت میں دیوار کا قیام بنیاد پر اور چھت کا دیوار پر ہوتا ہے اس لئے کہ اولاً مہاجرین اور انصار قریش وغیرہ کے اسلام میں داخل

ہونے کا سبب پڑے پھر خدا تعالیٰ نے قریش کے ہاتھ پر عراق و شام کو فتح کیا پھر ان کے ہاتھ پر فارس و روم کو پھر
فارس و روم کے ہاتھ پر ہند اور ترکستان اور سوڈان کو فتح کیا پس جہاد پر جو نفع مترتب ہوتا ہے وہ وقتاً فوقتاً بڑھتا رہتا
ہے اور اس کا اوقاف اور رباطات اور صدقات جاریہ کا سا ہوتا ہے اور فتان یعنی منکر و نکیر سے اس میں بچنے کی یہ
وجہ ہے کہ منکر نکیر سے وہی شخص ہلاکت کی جگہ میں ہوتا ہے کہ جس کے قلب کو دین محمدی پر اطمینان نہیں ہے اور نہ وہ
کبھی دین کی مدد کے لئے اٹھا ہے اور جو شخص جہاد کے لئے شرائط پورا کرنے کا التزام رکھتا ہے وہ شخص دل سے
دین کی تصدیق کرتا ہے اور نور الٰہی کے ساتھ ساتھ چلنے میں اس کا ارادہ پختہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے من
جهز غازیا فی سبیل اللہ فقد غزا۔ جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کو سامان دیدے تو اس کو ثواب جہاد کے مثل ہوگا اور جو مجاہد
کے پیچھے اس کے گھر کی خبرگیری کرتا رہا تو اس نے بھی جہاد کیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بہترین صدقہ
خدا کی راہ میں سایہ کے لئے خیمہ دینا ہے اور علی ہذا القیاس میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے نفع
کا ہے جس کا انجام ان کی مدد ہے اور جہاد اور صدقہ میں مسلمانوں کا نفع ہی مقصود ہوتا ہے اور حدیث شریف میں
آیا ہے لا یکلم اللہ احد فی سبیل اللہ۔ الحدیث۔ میں کہتا ہوں عمل کا نفس کے ساتھ ہیئۃ وصورۃ اتصال ہوا کرتا ہے
اور اس عمل کے اعتبار سے زیادتی کے معنی نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جزا وسزا کا مبنی نعمت و راحت کی صورت
قریبہ میں متمثل ہونے پر ہوتا ہے پس قیامت کے دن جب شہید پیش ہوگا اس کا عمل اس پر ظاہر ہوگا اور عمل کی صورت
سے اس پر انعام کیا جائیگا۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ
امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون۔ الآیہ۔ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردے مت سمجھ بلکہ وہ زندہ
ہیں اپنے خدا کے ہاں رزق حاصل کرتے رہتے ہیں فرمایا ہے ارواحہم فی جوف طیر خضر لہا قنادیل معلقۃ بالعرش
تسرح فی الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل۔ ان کی ارواح سبز جانوروں کے جوف میں ہیں جن کے لئے
عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں جہاں چاہتے ہیں جنت میں چگتے ہیں پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں۔ میں کہتا
ہوں جو شخص خدا کی راہ میں مارا جاتا ہے اس میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کی جان کامل اور وافر ہوتی
ہے اور اس کے علوم جن سے اندر دنیاوی زندگانی میں جان مستغرق رہتی ہے ان علوم میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا
بلکہ اس شخص کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے کاروبار میں مصروف ہو اور اسی اثنا میں وہ سو جائے بخلاف اس
میت کے جس نے بہت سے مرض کی تکلیف اٹھائی اور اس کا مزاج صحت کی حالت سے بدل گیا اور بہت سے علوم
سے اس کو نسیان ہو گیا دوسرے یہ کہ وہ رحمت الٰہی جس سے حظیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کے قلوب لبریز ہو رہے ہیں جو
انتظام عالم کی طرف متوجہ رہتی ہے پھر اس شخص کو شامل ہو جاتی ہے پس جب اس شخص کی روح نکلتی ہے اور دین الٰہی
کے قائم کرنے کا شوق اس میں بھرا ہوتا ہے تو ایک نہایت وسیع راستہ اس شخص میں اور حظیرۃ القدس میں مفتوح
ہو جاتا ہے اور وہاں سے انس اور راحت اور نعمت کا نزول اس شخص پر ہوتا رہتا ہے اور حظیرۃ القدس کو اس بندہ
کی طرف ایک توجہ شامل ہوتی ہے اور اس کے عمل کے موافق اس کی جزا متمثل ہو جاتی ہے پھر ان دونوں صلتوں

کے اتفاق سے عجیب وغریب امور پیدا ہوتے ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے کہ اُس کا نفس کسی وجہ سے عرش میں معلق ہوکر متمثل
ہوتا ہے اس لئے کہ وہ شخص حاملین عرش سے ہو جاتا ہے اور اُس کی ہمت اُسی طرف متوجہ رہتی ہے اور ازانجملہ یہ
ہے کہ اُس کے لئے سبز جانور کا جسم متمثل ہوتا ہے۔ سبز پرندہ ہونے کے بعد یہ ہے کہ وہ شخص ملائکہ کے اندر اجمالاً احکام
جنسی کے ظاہر ہو نہیں ایسا رہتا ہے جیسے چارپایوں میں یا پرند اور سبز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سبزی نگاہ کو اچھی معلوم
ہوتی ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ اُس کی نعمت اور راحت رزق کی صورت میں ظاہر اور متمثل ہوتی ہے جس طرح دنیا
میں نعمت میوہ جات وغیرہ کی صورت میں متمثل ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جو چیز نفس کو شائستہ کرتی
ہے وہ چیز اُس چیز سے جو نفس کو شائستہ نہیں کرتی تمیز کی جائے اور اسمیں اشتباہ ہے اسلئے کہ شرع کے نزدیک دو باتیں
ہیں ایک تو قبائل اور شہروں اور دین کا انتظام اور ایک نفوس کی تکمیل کسی شخص نے آپ سے عرض کیا کہ کوئی شخص
غنیمت کی خاطر لڑتا ہے اور کوئی شہرت کی خاطر اور کوئی اظہار شجاعت کے خاطر پس ان میں سے خدا کی راہ میں کون
شخص لڑتا ہے تو حضور نبوی صلعم نے فرمایا جو شخص خدا تعالےٰ کی بات ہی بلند کرنے کی خاطر لڑے وہ خدا تعالےٰ کی راہ
میں لڑتا ہے میں کہتا ہوں اس کی وہی وجہ ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اعمال اجساد ہیں اور اُن کی روح نیت ہے اور اعمال کا
مدار نیت پر ہے اور جسم کا بغیر روح کے اعتبار نہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صرف نیت ہی عمل کا فائدہ دیجاتی ہے اگرچہ
اُس کے ساتھ عمل کا اقتران نہ ہو یہ جب ہوتا ہے کہ اُس عمل کا فوت ہونا اُسکی کوتاہی سے نہ ہو بلکہ کسی آسمانی عارضہ کے
پیش ہونے سے ہو چنانچہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ان بالمدینۃ اقواما ما سرتم مسیرا ولا قطعتم وادیا الا کانوا معکم حبسہم العذر
مدینہ میں ایسے ایسے گروہ ہیں کہ تم کسی جگہ کو نہ چلے ہوگے اور کوئی جنگل تم نے نہ قطع کیا ہوگا جو وہ تمہارے ساتھ نہ رہے
ہوں عذر کے سبب وہ اب رک گئے ہیں۔ اور اگر وہ عمل ایسے شخص کی کوتاہی سے فوت ہوا ہو تو اُس کی نیت ہی
ناتمام رہی جس پر اجر مترتب ہوتا ہے اور فرمایا ہے البرکۃ فی نواصی الخیل۔ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں ہے اور
فرمایا ہے الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیمۃ الاجر والغنیمۃ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک بھلائی برقرار ہے
اجر اور غنیمت۔ معلوم کرو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے خلافت عامہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے
اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر جہاد کرنے اور سامان جنگ تیار رکھنے سے غلبہ ہو سکتا ہے اور جب جہاد چھوڑ دیا
اور بیلوں کی دم کے پیچھے ہو لئے تو لامحالہ ہر طرف سے اُن کو ذلت احاطہ کریگی اور تمام اہل ادیان اُن پر غالب
آجائینگے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من احتبس فرسا فی سبیل اللہ ایمانا باللہ وتصدیقا بوعدہ فان شبعہ وریہ وروثہ
وبولہ فی میزانہ یوم القیمۃ۔ جو شخص خدا پر یقین رکھکر اور اُس کے وعدہ کو سچا سمجھکر اُس کی راہ میں ایک گھوڑا باندھے
پس البتہ اُس کا پیٹ بھرنا اور پانی پلانا اور اُس کی لید و پیشاب کی تکلیف گوارہ کرے گا۔ تو اُس کا یہ عمل اُسی چیز کی
صورت میں ظاہر ہوگا جس کی تکلیف گوارا کی ہے پس قیامت کے دن یہ سب چیزیں اپنی اپنی صورت میں ظاہر
ہونگی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ یدخل بالسہم الواحد ثلثۃ نفر الجنۃ صانعہ یحتسب فی صنعتہ
والرامی بہ ومنبلہ کہ خدا تعالےٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل کریگا ایک جس نے ثواب

کی نیت سے اس کو بنایا ہے اور ایک چلانے والے کو اور ایک تیر کے دینے والے کو اور آپ نے فرمایا من رمی بسہم
فی سبیل اللہ فہو لہ عدل محرر۔ کہ جو شخص خدا کی راہ میں ایک تیر پھینکیگا تو یہ مثل غلام کے آزاد کرنے کے ہوگا میں کہتا ہوں
جبکہ خدا تعالے کے علم میں یہ بات تھی کہ کفار کا سرنگون و مغلوب ہونا بغیر ان چیزوں کے نہیں پورا ہو سکتا لہذا خدا تعالے
کی رضامندی کفر و ظلم کے دور کرنے میں ان چیزوں کی طرف بھی منتقل ہوئی اللہ پاک فرماتا ہے لیس علے الاعمی حرج ولا
علے الاعرج حرج ولا علے المریض حرج کہ نابینا پر کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے و مریض پر کچھ مضائقہ ہے۔ اور نیز
اللہ پاک فرماتا ہے لیس علے الضعفاء ولا علے المرضی ولا علے الذین لا یجدون ما ینفقون حرج کہ ضعیف اور مریضوں
پر کچھ حرج نہیں ہے اور نہ ان لوگوں پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے کسی سے فرمایا الک
والدان قال نعم قال ففیہما فجاہد کیا تیرے ماں باپ ہیں اس نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا ان میں ہی جہاد کر میں
کہتا ہوں چونکہ سب لوگوں کا جہاد کرنا انکی تدابیر ضروریہ کی خرابی کا سبب تھا لہذا ضرور ہوا کہ ان سب میں سے بعض لوگ
جہاد کو قائم کریں اور وہ بعض وہ لوگ ہیں جو ان علتوں سے خالی ہیں اس لئے کہ جن میں یہ علتیں پائی جاتی ہیں انہیں
جہاد کرنے میں دقت ہیں اور نہ اسلام کو ان کے جہاد کرنے سے قابل اعتبار نفع ہے بلکہ بسا اوقات ان سے ضرر کا
خطرہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے الان خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا۔ اب تم سے خدا تعالے نے تخفیف کر دی اور
جان لیا کہ تم میں ناتوانی ہے۔ میں کہتا ہوں اعلاء کلمۃ اللہ اسی طرح ممکن ہے کہ مسلمان لوگ اپنی جانوں کو ثبات اور
دلیری اور قتال کی مشقتوں پر صبر کرنے پر قرار دیں اور اگر یہ دستور جاری ہوتا کہ اگر مشقت معلوم کریں تو بھاگ جائیں تو
مقصود نہ حاصل ہوتا بلکہ بسا اوقات ذلت کی نوبت پہونچتی اور نیز بھاگنا بزدلی اور کمزوری کی دلیل ہے اور یہ بدترین
اخلاق میں سے ہے پھر ضرور ہوا کہ اس کی حد بیان کی جائے جس سے واجب اور غیر واجب میں فرق ہو جائے
اور دلیری و شجاعت اسی وقت پائی جاتی ہے کہ شکست کے اسباب غلبہ کے اسباب سے زیادہ ہوں لہذا اول اس
مثل سے اس کا اندازہ کیا گیا ہے اس واسطے کہ کفر اس وقت کثرت سے تھا اور مسلمان بہت تھوڑے سے تھے
پس اگر گریز کرنے کی انکو اجازت دیجاتی تو جہاد کبھی نہ ہوتا پھر مسلمانوں پر تخفیف کی گئی دو چند کی اس لئے کہ ثبات و
دلیری اس سے کم میں نہیں ممکن ہے پھر جہاد چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ کی وجہ سے واجب کیا گیا تو وہ چیز بھی واجب ہوئی
کہ جس کے بغیر اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو سکے اور اسی وجہ سے قلعوں کا بنانا اور مقاتلہ کے لئے آمادہ رہنا اور تمام اطراف و
قلعوں میں افسروں کا مقرر کرنا امام پر ضروری اور دستور قدیمی مقرر ہوا اور رسول خدا صلعم اور آپ کے خلفاء نے
اس باب میں بہت سے طریقے مقرر فرمائے اور رسول خدا صلعم جب کسی لشکر یا فوج پر کسی کو سردار مقرر کرتے تھے
تو خاص اس شخص کو خدا تعالے سے خوف کرنے اور ساتھ کے مسلمانوں کو بھلائی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور
فرماتے تھے خدا کی راہ میں خدا تعالے کے نام سے جہاد کرو اور منکرین خدا تعالے سے مقاتلہ کرو اور جہاد کرو اور
خیانت مت کرو الحدیث۔ خیانت کرنے سے آپ نے اس لئے منع فرمایا کہ خیانت کرنے سے مسلمانوں کے دل شکستہ ہونگے
اور باہم ایک اختلاف واقع ہوگا اور قتال چھوڑ کے لوٹ میں لگ جائینگے اور اس سے بسا اوقات شکست ہوگی اور غدر کرنے سے آپ نے

منع فرمایا کہ امن و امان انکے عہد و ذمہ سے مرتفع نہ ہو اور اگر امن جاتی رہے تو سب سے بڑی اور اقرب فتح یعنی ذمہ انکے ہاتھوں سے جاتا رہا اور مثلہ سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ اسمیں خلق اللہ کی تغیر ہے اور بچوں کو قتل سے منع فرمایا اسلئے کہ اسمیں مسلمانوں کا ہرج اور ان کا ضرر ہے اسلئے کہ اگر زندہ رہے تو مسلمانوں کے قبضہ میں آکر انکے غلام بنینگے اور جب مسلمانوں کے پاس رہینگے اسلام میں انکے تابع رہینگے اور نیز بچے اپنے دشمن کو نہ خود ضرر پہونچا سکتے ہیں اور نہ اپنے گروہ کی مدد کر سکتے ہیں اور حدیث شریف میں جو تین خصلتوں کی طرف ترتیب وار بلانے کا حکم ہے ان میں سے پہلی خصلت اسلام ہے ہجرت و جہاد کے ساتھ اور اس وقت میں اس شخص کے لئے مجاہدین کے برابر فی اور غنیمت میں حصہ ہے دوسری خصلت اسلام ہے بلا ہجرت و جہاد کے سوائے اس صورت کے کہ جہاں نفیر عام ہو اور اس وقت غنیمت اور فی میں اس شخص کا حصہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فی کے صرف کرنیکا وہاں موقع ہے جہاں نہایت ضرورت ہو اور عادت اس بات پر حکم کرتی ہے کہ بیت المال میں اسقدر گنجائش نہیں ہوتی کہ جو لوگ سوائے مجاہدین کے شہروں میں رہتے ہیں ان کا خرچ اٹھائے پس اس میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کچھ مخالفت نہیں ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو بلا شبہ چرانیوالے کو بھی غنیمت میں سے حصہ پہونچیگا اگرچہ وہ حمیر کے کسی ٹیلہ پر رہتا ہو اور جسکی پیشانی پر اس غنیمت کے حاصل کرنے میں پسینہ تک نہ آیا ہو انتہیٰ - یعنی جب بادشاہوں کے خزانے فتح کیے جاوینگے اور کثرت سے خراج آئے اور مقاتلین وغیرہ کے حصہ کے بعد باقی رہ جائے تو پھر اور لوگوں کا حصہ ہے تیسرے یہ ہے کہ وہ لوگ اہل ذمہ ہوں اور سب کے سب ذلیل ہو کر جزیہ عطا کریں پس پہلی خصلت میں دو مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک تو ملک کا انتظام اور باہمی نظام کا رفع دفع اور دوسرے تہذیب نفس کہ وہ دوزخ سے نجات پائیں اور علم الٰہی کی پیروی میں کوشش کریں اور دوسری خصلت میں دوزخ سے نجات کا حاصل ہونا ہے مگر مجاہدین کے درجہ سے وہ لوگ محروم ہیں - اور تیسری خصلت میں کفار کی شوکت کا زائل ہونا اور مسلمانوں کی شوکت کا ظاہر ہونا ہے اور آنحضرت صلعم انہیں مصالح کے قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے اور امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہونے اور کفار کے بے بس کرنے کے اسباب میں غور اور اجتہاد اور تامل کرے اور جو اسکا اجتہاد حکم کرے اسپر عمل کرے بشرطیکہ وہ یا اس کی نظیر رسول خدا صلعم یا آپ کے خلفاء سے ثابت ہو اسلئے کہ امام مصلحتوں کے قائم کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے اور وہ اسکے بغیر تمام نہیں ہوتیں اور اصل اس باب میں رسول خدا صلعم کی سیرت ہے اور ہم اب ان احادیث کا حاصل بیان کرتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں - پس ہم کہتے ہیں کہ امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کی قلعوں کو اسقدر فوج سے جو ان کے گرد کے دشمنوں کو کافی ہو سکے درست رکھیں اور کسی ایسے شخص کو انپر حاکم مقرر کر دے - جو مسلمانوں کا خیر خواہ اور دانشمند اور بہادر شخص ہو اور خندق کے کھودنے یا قلعہ کے بنانے کی حاجت ہو تو اسکو بنا دے یا کھودے چنانچہ آنحضرت صلعم نے خندق کے دن ایسا کیا ہے اور جب کسی پلٹن کو روانہ کر دے تو ایک شخص کو انپر سپہ سالار کر دے جو ان سب میں افضل اور مسلمانوں کے حق میں نفع رسان ہو اور اس کو خود اسکے حق میں اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرے چنانچہ آنحضرت صلعم ایسا ہی کیا کرتے تھے اور جب جہاد کو

نے خروج کا ارادہ کرے تو اپنی فوج کا معائنہ کرے اور پیادہ و سوار کو درست کرے اور چند رجال کم عمر کا آدمی فوج میں بھرتی کرے
جب چہ رسول خدا صلعم کا یہی دستور تھا اور نہ اس شخص کو فوج میں بھرتی کرے جو مخذل ہو یعنی اوروں کو بھی جہاد سے تھکائے اور نہ
اس شخص کو جو مرجف ہو یعنی کفار کی قوت کا ذکر کرتا رہے اسکی دلیل یہ آیت ہے کرہ اللہ انبعاثهم فثبطهم وقيل اقعدوا مع القاعدين
لو خرجوا فيكم ما زادوكم الا خبالا۔ ناگوار ہوا خدا تعالیٰ کو ان کا اٹھنا پس انکو روک دیا کہدیا گیا کہ تم بیٹھ جاؤ بیٹھنے والوں کے
ساتھ اگر وہ تمہارے ساتھ خروج کرتے تو بجز فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور نہ مشرک کو فوج میں بھرتی کرے اس لئے
کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے انا لا نستعین بمشرک کہ ہم بلاشبہ کسی مشرک سے مدد نہیں چاہتے الا جبکہ ضرورت میں
ضرورت ہو اور اس پر اعتماد ہو اور نہ جوان عورت کو جس سے فتنہ کا خوف ہو فوج میں بھرتی کرے کھنچی ہوئی عمر کی عورت
کو اجازت دیدی کیونکہ رسول خدا صلعم ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے اور یہ عورتیں فوج کو پانی پلاتی
تھیں اور زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور امام کو چاہئے کہ فوج کے دو حصے میمنہ و میسرہ کرے اور ہر گروہ کا ایک
جھنڈا اور ہر ایک لشکر کے لئے ایک سردار اور جھنڈا والا مقرر کرے جیسا کہ آنحضرت صلعم نے فتح کے دن کیا تھا کیونکہ اس میں
دشمنوں پر بھی زیادہ خوف ہوتا ہے اور فوج پر بھی قابو رہتا ہے اور نیز اسکو چاہئے کہ ان کیلئے کچھ نشانات مقرر کرے کہ
شبخون کرتے وقت باہم انکو بولا کریں تا کہ کوئی کسی کو آپس میں قتل نہ کر ڈالے آپ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور جمعرات کے روز
جہاد کے لئے خروج کرے کیونکہ ان دونوں میں اعمال پیش ہوتے ہیں اور پہلے اسکو ہم بیان کر چکے ہیں اور انکو اس قدر آہستہ
چلنے کا حکم دے کہ ناتوان لوگ بھی اسکی طاقت رکھتے ہوں البتہ اگر ضرورت ہو تو اسکے موافق حکم دے اور انکے لئے وہ قیام
تجویز کرے جو سب مقامات میں عمدہ و بہتر ہو اور پانی کی وہاں کثرت ہو اور اگر دشمن کا خوف ہو تو اسکو چاہئے کہ پہرہ مقرر
کرے اور کسی بلند جگہ پر کچھ لوگوں کو مقرر کرے جو دشمن کو دور سے دیکھتے رہیں اور حتی الامکان اپنے حال پوشیدہ رکھیں مگر
جو لوگ خیرخواہ و عقلمند ہیں انسے پوشیدہ نہ رکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تقطع الایدی فی الغزو جہاد میں ہاتھ نہ
قطع کئے جاویں (حدیث) اور اسمیں وہی راز ہے جو حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ اسمیں اس شخص کو غیرت شیطانی
کے لاحق ہونے اور کفر میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اسی لئے کہ اس سے بسا اوقات لوگوں میں نزاع واقع ہو جاتا ہے
اور اس سے عقلمند میں خلل پڑ جاتا ہے اور امام کو اہل کتاب و مجوس سے مقابلہ کرنا چاہئے کہ یا تو وہ اسلام لائیں یا دار قبول
کر کے سب کے سب جزیہ قبول کریں اور کسی بچے یا عورت یا بہت بوڑھے آدمی کو قتل نہ کریں مگر ضرورت کے وقت مثل
شبخون کے اور درخت نہ کاٹیں اور آگ نہ لگادیں اور نہ اشیاء کو ہلاک نہ کریں مگر جسوقت کہ مصلحت اسمیں ہو جیسے بنی
نضیر کے قریظہ میں کیا گیا اور امام کو چاہئے کہ نقض عہد نہ کرے اور غنیمت کو قید نہ کرے کیونکہ اسمیں ایمی عہد و کتابت کا انقطاع
کرنا ہے اور چاہئے کہ لڑائی میں دھوکہ دیا کرے کیونکہ لڑائی دھوکہ کا کام ہے اور پچھلی رات میں ہجوم کرے اور گوپھن کی طرف
پھینکے اور ان کا محاصرہ کرے اور انکو تنگ کرے آنحضرت صلعم سے یہ سب باتیں ثابت ہیں اسلئے کہ مقصد [illegible] بغیر ان باتوں کے
بغیر قتال نہیں ہوتا اور جس شخص کو اپنی ذات پر اعتماد ہو امام کے حکم سے انکو اجازت ہے جیسے کہ حضرت علی اور حضرت حمزہ
نے کیا اور مسلمانوں کو وہاں سے چارہ و ناچار ہونا تھا لہٰذا اسمیں تصرف کرنا درست ہے اور اسمیں سے خمس نہ دیا جاوے بلاشبہ کہ [illegible]

اجازت دیجائے تو لوگوں کو دقت ہو اور جب کفار قید ہو کر آئیں تو چار باتوں میں سے امام کو ہر بات کا اختیار ہے چاہے قتل کرے
چاہے فدیہ لے لیا ہے احسان رکھکر چھوڑ دے، چاہے آزاد کر دے، انہیں سے جس بات میں نفع زیادہ دیکھے وہی
عمل میں لائے اور امام کو جائز ہے کہ انہیں سے کسی کسی کو امن دیدے اور اس کی دلیل آیت ہے وان احد من المشرکین
استجارک فاجرہ۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسکو پناہ دے اور یہ اسلئے کہ انکا اسلام میں داخل ہونا مسلمانوں کے
ساتھ اختلاط کرنے اور ان کے دلائل اور ان کی سیرت معلوم کرنے سے ہوتا ہے اور نیز بسا اوقات تجار وغیرہ کی آمد و رفت
کی حاجت ہوتی ہے اور امام کو جائز ہے کہ اگر ضرورت ہو تو انسے صلح کرے خواہ مال لیکر خواہ بغیر مال کے کیونکہ مسلمانوں کو بسا اوقات
کفار کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہوتی اور صلح کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات قوت حاصل کرنے کے لئے مال
کی ضرورت ہے اور بسا اوقات اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک قوم کے شر سے بچکر دوسری قوم سے لڑنے کی
حاجت ہوتی ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا الا الفین احدکم یجی یوم القیامۃ علی رقبتہ بعیر لہ رغاء یقول یا رسول اللہ اغثنی
فاقول لا املک لک شیئا قد بلغتک۔ میں تم میں سے کسی کو ہرگز ایسا نہ پاؤں کہ قیامت کے دن آئے کہ اس کی گردن پر
اونٹ ہو اور وہ اونٹ چلاتا ہو اور وہ شخص کہتا ہو کہ یا رسول اللہ میری خبر لیجئے تو میں اس سے کہوں مجھے تیرے لئے کسی
بات کا اختیار نہیں ہے میں تجھ پر تبلیغ کر چکا اور اسی کے مثل حدیث شریف میں آیا ہے علی رقبتہ فرس لہ حمحمۃ وشاۃ لہا ثغاء
ونفس لہا صیاح ورقاع تخفق کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہنہناتا ہوا ہوگا اور بکری ممیاتی ہوئی اور کوئی شخص چلاتا ہوا ہوگا اور
کپڑوں کے پارچے اڑتے ہوئے ہونگے میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ جس چیز میں گناہ واقع ہوا ہے اسی کی صورت
میں وہ متمثل ہوگا اور اس کا اٹھانا اسکا بار اور اسکے ساتھ تکلیف پانا ہے اور اس کا آواز دینا لوگوں پر اس گناہ کو مشہور
کرکے اسکو سزا دینا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعہ کلہ واضربوہ جب تم کسی شخص کو
دیکھو کہ اس نے خیانت کی تو اس کا سب اسباب جلا دو اور مارو۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل کیا
میں کہتا ہوں اسمیں اس خائن کو زجر کرنا اور لوگوں کو ایسے فعل سے باز رکھنا ہے اور معلوم کرو کہ کفار سے جو مال لئے جاتے ہیں
ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مال ہے جو گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے اور قتال کے صدمات اٹھانے سے حاصل ہوتا
ہے اس کا نام غنیمت ہے اور ایک وہ مال جو بغیر قتال کے انسے حاصل ہوتا ہے مثلاً جزیہ و خراج و عشور جو ان کے تجار
سے لئے جاتے ہیں اور وہ مال جو صلح کرنے میں وہ خرچ کرتے ہیں یا وہ پریشان ہو کر اسکو چھوڑ بھاگتے ہیں غنیمت میں خمس
نکالا جاتا ہے اور وہ خمس ان مواضع میں صرف کرنا چاہئے جن کا خدا تعالے نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔ واعلموا
انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل۔ اور اس بات کو جان لو کہ تم نے جو
کچھ مال غنیمت حاصل کیا ہے پس خدا تعالے اور رسول اور اقارب اور یتیموں اور مساکین اور مسافر کے لئے ہے پس
آنحضرت صلعم کے بعد آپ کا حصہ مسلمانوں کے مصالح میں بہ ترتیب خرچ کرنا چاہئے اور ذو القربی کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب پر
خواہ محتاج ہوں یا غنی مرد ہوں یا عورت خرچ کرنا چاہئے اور میرے نزدیک مقادیر کے تعین کرنے میں امام کو اختیار ہے
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آل رسول کیلئے بیت المال سے زیادہ حصہ دیا کرتے تھے اور انہیں سے جو لوگ قرضدار اور فقیر اور حاجتمند ہوا کرتے

کی اعانت کیا کرتے تھے اور یتیموں کا حصہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جن کا باپ نہ ہو دیا جاتا ہے اور فقراء و مساکین کا حصہ فقراء و مساکین کو دینا چاہیے مگر امام کو اسکا اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد و رائے کے موافق اسکی تعیین کرے اور اہم فالاہم کو مقدم کرے اور اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرے اور پانچ حصوں میں سے باقی چار حصے غانمین میں تقسیم کرے اور امام لشکر کے مال دینے میں بھی اجتہاد کرنا چاہیے پس جسکو زیادہ دینا مسلمانوں کی مصلحت کے مناسب ہو اسکو زیادہ دے اور اسکی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مثلاً امام دار الحرب میں داخل ہوا اور اسنے کسی قریہ کے لوٹنے کو کچھ فوج روانہ کی تو خمس کے بعد ربع یا ثلث اسکو نذر کردے پس وہ فوج جسقدر مال لیکر آئے اسکا خمس تو علیحدہ کرلے اور باقی کا ربع یا ثلث اس فوج کو دیکر اس سے جو باقی رہے وہ غنیمت میں شامل کرلے دوسری یہ صورت ہے کہ امام اس شخص کے لئے ایسے کام کے بدلے جسمیں مسلمانوں کا نفع ہو کچھ مقرر کردے ۔ مثلاً امام کہدے کہ جو شخص اس قلعہ پر چڑھ جاوے تو اسکے لئے اسقدر مال دیا جاویگا یا جو کسی کو قید کر لاوے تو اسکو اسقدر مال دیا جاویگا یا جو کسی کو قتل کرے تو اسکا اسباب اسکو دیا جاویگا پس اگر مسلمانوں کے مال میں سے یہ مقرر کیا ہے تب تو اسمیں دے اور اگر غنیمت میں سے مشروط کیا ہے تو خمس نکالنے کے بعد جو باقی رہا ہے تو اسمیں سے دے اور تیسری صورت یہ ہے کہ امام فتح کے بعد غانمین کو کچھ مال دیدے اسلئے کہ دشمنوں کو اس سے خوف زیادہ ہو اور مسلمانوں کا اس سے نفع زیادہ ہو جسطرح آنحضرت صلعم نے سلمہ بن اکوع کو جنگ ذی قرد میں سوار و پیدل کا حصہ عطا فرمایا اسلئے کہ انکی ذات سے مسلمانوں کو بہت نفع پہونچا تھا اور میرے نزدیک اصح یہ بات ہے کہ مقتول کے اسباب کا قاتل مستحق ہوتا ہے خواہ قبل از قتل امام نے مقرر کردیا ہو خواہ بعد کو نفل کے طور پر دینے سے اور امام کو چاہیے کہ خمس سے اسقدر مال ان عورتوں کو دے جو مریضوں کی دوا دارو کرتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں اور مجاہدین کا کام کرتی ہیں اور غلاموں اور بچوں اور اہل ذمہ کیلئے جنکو امام نے اجازت دیدی ہے جدا کردیں اگر مجاہدین کو انسے نفع پہونچا ہو اگر امام کو معلوم ہو کہ مال غنیمت میں سے کچھ مال کسی مسلمان کا ہے جسکو کفار ظفر یاب ہوکر لیگئے تھے تو جسکا ہے وہ مال اسکو دیدے اور باقی مال کو تمام ان لوگوں پر تقسیم کرے جو لڑائی میں موجود تھے اس طرح کہ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ اور میرے نزدیک اگر مناسب سمجھے اور شتر سوار یا تیر انداز کو کچھ زیادہ حصہ دے یا گھوڑے کے سوار کو بیل وغیرہ کے سوار پر ترجیح دے تو اسکو یہ اختیار حاصل ہے مگر اہل رائے سے اسکو ایسے امر میں مشورہ کرلینا چاہیے تاکہ اسکی وجہ سے لوگ اسکی امارت میں مختلف نہ ہو جائیں ۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی سیرت میں اس باب کے اندر جو کچھ اختلاف ہے اسمیں تطبیق کی وجہ یہی ہے اور جس شخص کو امام لشکر کی کسی مصلحت سے روانہ کرے اسکو بھی حصہ دے اگرچہ وہ لڑائی میں موجود نہ ہو مثلاً قاصد طلیعہ یا جاسوس جس طرح جنگ بدر میں حضرت عثمانؓ کو غنیمت میں حصہ دیا گیا ۔ اور جو مال بطور فی کے حاصل ہو اسکو ان مواضع میں صرف کرنا چاہیے جس کا خدا تعالے نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے ما افاء اللہ علے رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل الی قولہ رؤف رحیم ۔ اور جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا فرمایا ۔ اسنے تمام مسلمانوں کا احاطہ کرلیا آپ اہم فالاہم کیطرف صرف کرتے تھے اور فی صرف کرنے کے اندر مسلمانوں کی مصلحتوں کی طرف غور فرماتے تھے نہ اپنی کسی خاص مصلحت کی طرف اور فی کی تقسیم کرنے کی کیفیت میں مختلف طریقہ ہیں آنحضرت صلعم

توجس روز فئی آتی اسی روز اسکو تقسیم کر دیتے تھے بیوی والے کو دو حصے اور غیر اہل والے کو ایک حصہ اور حضرت ابوبکر صدیق حر اور غلام دونوں میں تقسیم کرتے تھے اور انکو کفایت حاجت کا لحاظ تھا اور حضرت عمرؓ نے سوابق اور حاجتوں پر دیوان مقرر کیا تھا۔

اور اصل سبیں یہ ہے کہ باہم انکے یہ اختلافات جو واقع ہوئے وہ اس بات پر محمول ہیں کہ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق ایسا کیا تو موافق اپنی مصلحت وقت کے ہر ایک نے کوشش کی اور جن اراضیات پر مسلمان غالب آ گئے انمیں امام کو اختیار ہے چاہے باہم غانمین کے انکو تقسیم کر دے چاہے مجاہدین پر انکو وقف کر دے جیسا کہ آنحضرت صلعم نے خیبر میں کیا کہ نصف اسمیں کی تقسیم کر کے نصف کو وقف کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض سواد کو وقف کیا تھا اور اگر امام چاہے تو اراضیات کو ہمارے کفار ذمیوں کے لئے روک رکھے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے دینار یا اسکے برابر یمنی کپڑا اخذ کریں اور حضرت عمرؓ نے متمولین پر اڑتالیس درہم اور متوسطین پر چوبیس درہم اور غریب پر جو مزدوری کرتا ہو بارہ درہم مقرر کئے۔ اور اسی جگہ سے معلوم کرنا چاہئے کہ اس کا اندازہ امام کی رائے پر ہے جو اس کی مصلحت کا مقتضیٰ ہو عمل میں لائے اور اسی لئے انکی سیرتوں اور عادتوں میں اختلاف ہے اور میرے نزدیک خراج کے مقادیر میں بھی یہی حکم ہے اور تمام ان امور میں جنمیں رسول خدا صلعم اور آپکے تمام خلفاء کی عادات مختلف ہیں اور خدا تعالےٰ اُسے ہم پر غنیمت اور فئی کے مباح کرنے کی یہی وجہ ہے جو آنحضرت صلعم نے بیان فرمائی ہے جیسا کہ آپنے فرمایا ہے کہ ہم سے پہلے کسی کیلئے غنیمت نہیں حلال کی گئی کیونکہ جب خدا تعالےٰ نے ہمارے اندر ضعف اور عجز دیکھا تو غنائم کو ہمارے لئے حلال کیا اور آپنے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے میری امت کو سب امتوں پر فضیلت عطا فرمائی اور ہمارے لئے غنیمتوں کو حلال گردانا اور قسم اول میں ہم نے اسکی تشریح کر دی ہے پس یہاں اسکے اعادہ کی حاجت نہیں۔ اور مصارف کی اصل یہ ہے کہ بلاشبہ اصول مقاصد کے چند امور ہیں۔ ازانجملہ ان آدمیوں کا باقی رکھنا جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں خواہ اپاہج ہونے کیوجہ سے خواہ تنگدست ہونے کی وجہ سے خواہ اس سبب سے کہ انکو اپنے مال سے بعد ہو گیا ہے اور ازانجملہ شہر کی سرحدیں قائم کرنے اور لشکر اور ہتھیاروں اور گھوڑوں کا خرچ اٹھا کر کفار سے محفوظ رکھنا ہے اور ازانجملہ شہر کا انتظام اور بندوبست کرنا اور پاسبانوں اور قضات اور محتسبوں کا مقرر کرنا اور حدود کا قائم کرنا۔ اور ازانجملہ دین کی حفاظت کیلئے خطبا اور واعظین اور ائمہ اور مدرسین کا مقرر کرنا اور ازانجملہ منافع مشترکہ میں مثلاً نہروں کا نکالنا اور پل بنانا وغیرہ دوسرے یہ کہ شہر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شہر ہیں۔ جنکے باشندے صرف مسلمان ہیں مانند ملک حجاز کے یا مسلمان انمیں اور قوموں کی نسبت زیادہ رہتے ہیں دوسرے وہ شہر ہیں جنکے اکثر باشندے کفار لوگ ہیں اور بزور تلوار یا صلح کر کے مسلمانوں نے ان شہروں پر قبضہ کیا ہے دوسری قسم کے شہروں کیلئے فوج اور ہتھیاروں اور پاسبانوں اور قضات اور عمال کی ضرورت ہے اور پہلی قسم کے شہروں میں ان چیزوں کی زیادہ حاجت نہیں ہے اور شرع کو یہ منظور ہے کہ بیت المال میں جو مال مجتمع ہے وہ ان شہروں پر مناسب طریقہ سے تقسیم کیا جائے پس زکوۃ اور عشر کا مصرف وہ مقرر کیا گیا جسمیں اوروں کی نسبت محتاجوں کی زیادہ تر رفع ضرورت ہے اور غنیمت کا مصرف وہ لوگ مقرر کئے گئے جنسے لڑائی کا انتظام اور دین کی حفاظت اور شہر کا انتظام زیادہ تر ہے

لہذا غنیمت میں سے یتیم اور مسکین اور فقیر کا حصہ بہ نسبت صدقات کے حصہ کے کم مقرر کیا گیا اور مجاہدین کا حصہ بہ نسبت مستحق
کے غنیمت میں سے زیادہ مقرر کیا گیا۔ اور چونکہ غنیمت گھوڑے اور اونٹ اور لشکر کی مشقت سے حاصل ہوتی ہے پس جب تک
لوگوں کو غنیمت سے حصہ نہ دیا جائے وہ راضی نہیں ہو سکتے اور شرائع کلیہ میں جو لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں انکے اندر اکثر خلقت
کے حال کا ملحوظ رکھنا اور رغبت عقلی کے ساتھ رغبت طبعی کا جمع کرنا ضروریات سے ہے اور انکی رغبت طبعی اسی طریقہ سے
حاصل ہو سکتی ہے کہ قتال کے عوض میں انکو کچھ مال دیا جائے لہذا پانچ حصوں میں چار حصے مال غنیمت میں غانمین کیلئے
مقرر کئے گئے اور فی یعنی وہ غنیمت جو بلا مشقت قتال کے صرف رعب کیوجہ سے حاصل ہوتی ہے چونکہ وہ بلا مشقت حاصل
ہوتی ہے لہذا اسکا خاص قسم کے لوگوں میں تقسیم کرنا ضروری نہ ہوا اور اہم فالاہم کی تقدیم کی گئی اور خمس کی اصل یہ ہے کہ
ایام جاہلیت میں ربع کا قدیمی دستور تھا جو شخص قوم کا رئیس اور انکا پشت پناہ ہوتا تھا وہ اس ربع کو لیلیا کرتا تھا یہ بات
انکے دلوں میں قرار پا چکی تھی اور یہ احتمال نہ تھا کہ اس کے نکالنے سے انکے دل میں ناگواری پیدا ہو اسی کے بیان میں ایک
شاعر کہتا ہے **شعر**

وان لنا المرباع من کل غارۃ   تکون بنجد او بارض التہائم

ہر لوٹ میں ہمارا چہارم حصہ ہے خواہ وہ نجد میں ہو خواہ تہامہ کے ملک میں۔ پس خدا تعالے نے خمس کو انکے قدیمی دستور کے
قریب قریب شہر اور دین کی ضروریات کے لئے مقرر فرمایا جس طرح خدا تعالے نے انبیاء پر انکے دستور کے موافق آیات
نازل فرمائی ہیں اور وہ ربع اس شخص کو ملا کرتا تھا جو ان کا سردار اور پشت پناہ ہوتا تھا تاکہ اسمیں اسکی عظمت اور عزت
ثابت ہو اور علاوہ بریں وہ شخص سب کے کام میں مصروف ہوتا ہے اور اسکو بہت خرچ کی حاجت رہتی ہے پس خدا تعالے
نے وہ خمس آنحضرت صلعم کیلئے مقرر فرمائی اسواسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے کام میں مشغول ہونے کیوجہ سے اتنی
کہاں فرصت تھی جو اپنے اہل وعیال کے لئے کسب کرتے لہذا ضرور ہوا کہ آپکا نفقہ مسلمانوں کے مال میں مقرر ہو اور علاوہ بریں
نصرت اور مدد الہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور آپ کے رعب کیوجہ سے جو آپکو اللہ پاک نے عنایت فرمایا تھا
حاصل ہوتی ہے پس آپکا حال ایسا ہوا کہ گویا آپ ہر جنگ کے اندر موجود ہے اور دوسرے یہ خمس ذوی القربی کے لئے
خدا تعالے نے مقرر فرمائی کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ آنحضرت کے ذوی القربی کو حمایت اسلامی ہے اسواسطے کہ انمیں
حمایت دینی اور حمایت نسبی دونوں موجود ہیں کیونکہ انکا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے۔ اور نیز اسمیں اہل بیت نبی صلعم
کی تعظیم پائی جاتی ہے اور اس مصلحت کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اور جبکہ علماء اور قراء کی تعظیم میں دین کی تعظیم ہے تو
ذوی القربی کی تعظیم میں بطریق اولی دین کی تعظیم ہوگی۔ اور ایک محتاجوں کے لئے مقرر کیا گیا اور خدا تعالے نے محتاجوں کا
انضباط مساکین اور فقراء اور یتیموں کے ساتھ فرمایا اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خمس میں
سے مولفۃ القلوب وغیرہم کو بھی عطا فرماتے تھے اس تقدیر پر آیت کے اندر پانچ مصارف خاص کا ذکر کرنا ان مصارف
کے مہتم بالشان ہونے کیوجہ سے اور اس بات کی تاکید کرنے کے لئے ہے کہ خمس اور فی کو یکے بعد دیگرے اغنیا لوگ
محتاجوں کی پرواہ نہ کرکے نہ لیلیا کریں اور تاکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اقارب کیطرف کسی کو بدگمانی کرنے

کا موقع نہ مل سکے۔ اور انفال اور انعامات اسواسطے مقرر کئے گئے کہ اب اتفاقات انسان بغیر طمع کے جان جوکھوں کی جگہ میں
پڑنے اکو نہیں دیتا ہے اور یہ ایسی خصلت اور پیدایشی بات ہے جس کی رعایت ضروریات سے ہے اور گھوڑے کے سوار کو
پیدل کے حصہ سے سہ چند اسواسطے مقرر کیا گیا کہ سوار سے مسلمانوں کو زیادہ تر قوت اور نفع پہونچتا ہے اور اسکو زیادہ تر مشقت
کرنی پڑتی ہے اگر تم لشکروں کا حال دیکھو تو اس بات کا تم کو یقین ہو سکتا ہے کہ اگر سوار کو پیدل کے حصے سے سہ چند نہ دیا جائے
اور کچھ کمی کی جائے تو وہ راضی نہیں ہو سکتا اور اُسکی محنت کے اعتبار سے وہ ناکافی ہوتا ہے تمام عرب و عجم باوجود اختلاف احوال و
عادات کے اس بات پر متفق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لئن عشت ان شاء اللہ لاخرجن الیھود والنصاری من
جزیرۃ العرب واوصی باخراج المشرکین منہا۔ اگر انشاءاللہ تعالے میں زندہ رہا تو بلاشبہ یہود و نصاری کو جزیرہ عرب سے نکالدونگا
اور مشرکوں کو وہاں سے نکالدینے کی میں وصیت کرتا ہوں میں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم تھی کہ زمانہ کا
حال ایک سا نہیں رہتا پس ایک وقت ایسا ہوگا کہ اسلام میں ضعف آجائیگا۔ اور اُسکی جمعیت منتشر ہو جائیگی پس اگر ایسے وقت میں
دشمنان دین کا جزیرہ عرب میں جو اسلام کا اصل اصول ہے قیام رہا تو ضرور حرمات الٰہی کا ہتک اور قطع ہوگا لہٰذا آپنے دار العلم کے حوالی
اور محل بیت اللہ سے نکالنے کا حکم دیا اور نیز کفار کے ساتھ اختلاط کرنے میں دین کے بگڑنے اور قلوب کے بدلنے کا اندیشہ ہے
اور چونکہ یہ بات محال تھی کہ تمام ملکوں سے بخوف مخالطت انکو نکالدیا جاتا لہٰذا صرف حرمین شریفین کو انسے پاک کرنیکا حکم فرمایا
اور نیز آخر زمانہ میں جو دین کا حال ہونیوالا تھا آپ پر وہ ظاہر کردیا گیا چنانچہ آپنے فرمایا ہے ان الدین لیارز الی المدینۃ الخ
اور پوری پوری حفاظت کی یہی صورت ہے کہ وہاں مسلمانوں کے سوا کوئی قوم نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

معیشت کا بیان

معلوم کرو کہ تمام اقالیم صالحہ کے باشندوں کا کھانے پینے اور پہننے اور قیام اور نشست اور تمام ہیات اور احوال میں
آداب کے ملحوظ رکھنے پر اتفاق ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ بشرط سلامت مزاج اور ظہور مقتضاء نوعی کے باہمی اجتماع اور دیکھا دیکھی
کے لحاظ سے گویا ہر ایک جبلت میں داخل ہے اور ان آداب کی رعایت میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں بعض فرقے حکمت
طبیعی کے قواعد کے موافق ان آداب کی رعایت کرتے ہیں اور تمام احوال و افعال میں اُن آداب کا بیان کرتے ہیں کہ طب
اور تجربہ کے اعتبار سے انمیں نفع ہی کی امید ہوتی ہے اور ضرر کا خوف نہیں ہوتا۔ اور بعض فرقے قوانین احسان کے
موافق یعنی جس طرح انکا دین انکو حکم کرتا ہے اُن آداب کو عمل میں لاتے ہیں اور بعض فرقوں کو اپنے بادشاہوں اور حکماء اور
درویشوں کے سے آداب عمل میں لانے مقصود ہوتے ہیں اور بعض لوگ اور طریقوں کے موافق انکا برتاؤ کرتے ہیں۔
چونکہ انمیں سے بعض آداب میں منافع مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا انپر آگاہ کرنا اور اُن منافع کے لحاظ سے انکا حکم دینا ضروری
ہوا اور بعض آداب میں مفاسد پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ اُن سے منع کی جاے اور لوگوں کو اُن آداب پر
آگاہ کیا جاے اور بعض آداب میں دونوں باتوں سے ایک بات بھی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اُن کو مباح
چھوڑا جاے اور انکی اجازت دیجاے پس آداب کی تنقیح و تفتیش بھی منجملہ اُن مصالح کے ٹھہری جن کے پورا کرنے کے لئے

آنحضرت صلعم کو مبعوث کیا ہے اور اصل اسکے اندر چند باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان اشغال میں مصروف ہونے سے ذکر الہیٰ نسیان
ہوتا ہے اور قلب کی صفائی میں کدورت پیدا ہوتی ہے پس ضروری ہوا کہ اس سم قاتل کی تریاق سے علاج کیا جائے اور وہ
تریاق یہ ہے کہ ان اشغال میں مشغول ہونے سے قبل اور بعد اور حالت اشتغال میں کچھ اذکار مقرر کئے جائیں تا کہ قلب
کو ان اشغال کے اندر پورا پورا انہماک نہ ہو جانے اور ان اذکار میں منعم حقیقی کا ذکر اور جانب قدس کی طرف میلان فکر نہ
پایا جاوے۔ اور ایک یہ ہے کہ بعض افعال و ہیئات کو مزاج شیطانی سے مناسبت ہوتی ہے اسطور پر کہ اگر کسی کے
خواب یا بیداری میں شیطان متمثل ہو کر نظر آویں لا محالہ ان افعال میں سے کسی نہ کسی فعل کے ساتھ وہ متلبس ہوتے ہیں
پس انسان کو ایسے افعال کے ساتھ متلبس ہونا شیاطین کے ساتھ نفرت اور شیاطین کے اوصاف قبیحہ کے اس شخص
کے دل میں منقش ہونیکا سبب ہیں پس ضروری ہوا کہ ان افعال سے خواہ کراہتہً خواہ تحریماً مقتضائے مصلحت کے موافق
نہی کی جاوے اور وہ افعال یہ ہیں کہ مثلاً ایک جوتہ پہنکر چلنا اور بائیں ہاتھ سے کھانا وغیر ذالک۔ اور بعض افعال صفات
انسان کو شیاطین سے دور اور ملائکہ سے قریب ہونیکا سبب ہوتے ہیں۔ مثلاً گھر میں داخل ہونے اور نکلنے وقت خدا تعالےٰ
کا ذکر کرنا اس قسم کے افعال پر رغبت دلانا ضروری ہوا اور ایک ان ہیات سے اجتناب کرنا جنسے بحکم تجربہ لوگوں کی ایذا رسانی
ہوتی ہے مثلاً مکان کی چھت پر بغیر پردہ کے سونا۔ اور سوتے وقت چراغ کا گل نہ کرنا چنانچہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے
کہ چوہا گھر کو جلا دیتا ہے۔ اور از انجملہ عجمیوں کے ساتھ ان عادات میں مخالفت کرنا ہے جنکے وہ لوگ عادی ہیں جیسا بہ چیز
میں نہایت درجہ کا تکلف کرنا اور نہایت بیفکری سے دنیا کے اندر منہمک ہونا کیونکہ یہ امور یاد الہی سے بھلاتے ہیں اور
کثرت سے دنیا کے طلب کرنے اور قلوب کے اندر دنیا کے لذت متمثل ہونے کا سبب ہے پس ضروری ہوا کہ ان
سب میں سے ان امور کو خاصکر حرام کیا جائے جو سبب تکلفات میں بڑھکر ہے۔ مثلاً حریر اور قسی اور میاثر اور ارجوان
اور وہ کپڑے جنمیں حیوانات کی صورتیں بنی ہوئی ہوں اور سونے چاندی کے برتن اور معصفر یعنی کسم کے رنگے
ہوئے کپڑے اور طوق وغیرہ اور زنی اور عادات کو عام طور پر مکروہ کیا ہے اور اور عیش کی کثر چیزیں انکا ترک کرنا
مستحب ہے اور از انجملہ ان ہیات سے اجتناب چاہئے جو منافی وقار کے ہیں اور نیز ان ہیات سے جو انسان کو
دیہاتیوں میں لاحق کر دیتی ہے ان لوگوں میں سے جو احکام نوع کے لئے ہیں فارغ ہوتے ہیں تا کہ افراط اور تفریط میں
میانہ روی حاصل ہو۔

کھانے اور پینے کی چیزوں کا بیان

معلوم کرو جبکہ انسان کی سعادت انہیں اخلاق اربعہ کے اندر ہے جنکو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس کی شقاوت ان
کے اضداد کے اندر ہے لہذا حفظ صحت انسانیہ اور دفع ہونے امراض نفسانیہ کے لئے واجب ہوا کہ ان اسباب سے
جو مزاج انسانی کو دو جانبوں میں سے کسی ایک کی طرف بدل دیتے ہیں بیان کئے ہیں از انجملہ وہ افعال ہیں جنکے ساتھ نفس متصف
ہو جاتا ہے اور اسکی نفس ذات میں داخل ہو جاتے ہیں ان افعال کا ہم کافی بیان کر چکے ہیں اور ایک وہ امور ہیں جنسے نفس میں

صفات ردیہ جو شیاطین کے ساتھ مشابہت اور ملائکہ سے بُعد پیدا ہونے کا سبب ہوتے ہیں اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرتے ہیں خواہ اُس شخص کو اس بات کی حس ہو یا نہ ہو پس جو نفوس ملحق بملاء اعلے اور الوث بہیمیہ سے جدا ہیں حظیرۃ القدس سے ان امور کی بدمزگی کا ادراک اس طرح سے ہوتا ہے جس طرح طبیعت کو تلخی اور بدمزگی ناگوار ہونیکا درک ہوتا ہے۔ ایسے امور کی نسبت خدا تعالےٰ کے الطاف اور اُسکی رحمت کا مقتضےٰ ہوتا ہے کہ ان امور کے حصول اور چیزوں کے ساتھ جننے وہ امور منضبط ہیں اور ان کا اثر ظاہر ہے کسی پوشیدہ نہیں ہے لوگوں کو مکلف کیا جاوے اور چونکہ تغیر بدن اور اخلاق کے تغیر کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے، لہذا ضروری ہوا کہ وہ حصول غذا کے لحاظ سے ہوں۔ پس ان سب سے زیادہ تر قوی الاثر ایسے جانور کا کھانا ہے جسکی صورت میں کوئی قوم مسخ کی گئی ہے اسلئے کہ جب خدا تعالےٰ کی لعنت اور اس کا غضب کسی انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے سبب سے انسان کے اندر ایک ایسا مزاج پیدا ہوجاتا ہے جو صحت انسانی سے اسقدر بعید ہوتا ہے کہ وہ شخص انسان کی صورت نوعیہ سے بالکل خارج ہوجاتا ہے بدن انسانی کے عذاب دینے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور ایسے وقت میں اس کا مزاج انسانی صورت سے نکلکر کسی خبیث جانور کی صورت پکڑ جاتا ہے جس سے طبیعت سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے ایسے وقت میں کہا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اس شخص کو مسخ کرکے بندر یا خنزیر بنا دیا پس حظیرۃ القدس میں اسکے متعلق یہ علم متمثل ہوجاتا ہے کہ اس قسم کے جانور اور انسان کے مغضوب علیہ اور رحمت الٰہی سے بعید ہوتے ہیں ایک مناسبت خفیہ ہے اسمیں اور اُس طبیعت سلیمہ میں جو اپنی فطرت پر باقی ہے نہایت درجہ کا بعد ہے پس لامحالہ ایسے جانور کا کھانا اور اسکو اپنے بدن کا جزو گردانا نجاست کیساتھ اختلاط کرنے اور اُن افعال کے عمل میں لانے سے جو غضب کو ہیجان میں لاتے ہیں زیادہ تر برا ٹھہریگا۔ لہذا ہمیشہ سے حظیرۃ القدس کے ترجمان یعنی حضرت نوح کیوقت سے تمام انبیاء علیہم السلام خنزیر کو حرام کرتے اور لوگوں کو اس سے بعید رہنے کا حکم کرتے چلے آئے ہیں، حتی کہ عیسیٰ علیہ السلام اسکو نازل ہوکر قتل کریں گے۔ لیکن اور غالباً خنزیر کو کوئی فرقہ کھایا کرتا تھا لہذا شرائع میں نہایت شدت کیساتھ نہی کی گئی اور اُس کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور بندر وغیرہ ایسے جانور ہیں کہ انکو ہرگز کوئی قوم نہیں کھاتی اسلئے ان سے نہی کرنیمیں تاکید شدید کی ضرورت نہ ہوئی جناب رسول خدا صلعم نے گوہ کی نسبت فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ نے بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ پر جب غصہ ہوگیا تو انکو چارپایوں کی صورت میں جو زمین پر چلتے ہیں مسخ کردیا نہیں معلوم کہ شاید گوہ بھی انہیں میں سے ہو اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے جعل منہم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت کردیا انمیں سے بندر اور خنزیر اور پرستش کرنے والے شیطان کے اور اسی کی مثل یہ ہے کہ جس زمین میں خسف یا عذاب نازل ہوا ہو اس زمین میں ٹھہرنا مکروہ ہے اور مغضوب علیہم کے بیات جانا مکروہ ہے کیونکہ ان اشیاء کے ساتھ اختلاط کرنا نجاسات کے ساتھ اختلاط کرنے سے کم نہیں ہے اور ان اشیاء کے ساتھ ملتبس ہونیکا اثر اُن بیات کے ساتھ ملتبس ہونے کے اثر سے کم نہیں ہے جو مزاج شیطانی کا مقتضے ہے اور اُنکے بعد اُس جانور کا کھانا ہے جس کی سرشت میں ایسے افعال داخل ہیں جو اُن اخلاق کے متضاد ہیں جو انسان سے مطلوب ہیں حتیٰ کہ وہ صورت کیوجہ سے انکی طرف طبیعت بڑھتی ہے اور وہ ضرب المثل ہوگیا ہے اور طبائع سلیمہ اُس کو خبیث جانتی ہیں

اور اس کے کھانے سے اعراض کرتی ہیں مگر بادیہ نشین اور وہ گروہ جو قابل اعتبار کے نہیں ہیں اور وہ جانور جسمیں اس معنی کا احتمال ہو یہ
اور اس کا ظہور بین ہو گیا اور تمام عرب و عجم نے اسکو مان لیا وہ چند ہیں ازانجملہ ایک وہ حیوان ہیں جن کی خلقت میں تشدد
یعنی چھیلنا پنجوں وغیرہ سے اور زخم اور درد اور قساوت قلبی ہے اسی لئے رسول خدا صلعم نے بھیڑئے کے باب
میں فرمایا ہے او یاکلہ احد۔ کیا اس کو کوئی کھاتا ہے۔ اور ازانجملہ وہ حیوانات ہیں جن کی خلقت میں دوسروں کو تکلیف
پہونچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لینا اور اسپر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور ان میں الہام
شیطانی کا قبول کرنا ہے جیسے کوا اور چیل اور چھپکلی اور مکھی اور سانپ اور بچھو وغیرہ اور ازانجملہ وہ حیوانات ہیں جن
کی خلقت میں ذلت اور گڑھوں میں چھپا رہنا ہے مثل چوہے اور حشرات الارض کے اور ازانجملہ وہ حیوانات ہیں جو
نجاستوں اور پاخانوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور اسمیں رہتے ہیں اور وہی کھاتے پیتے ہیں یہانتک کہ ان کے بدن
اسمیں بھرے رہتے ہیں۔ اور ازانجملہ گدھا ہے اور وہ باشبہ ذلت اور حماقت میں ضرب المثل ہے اور اکثر اہل عرب جنکی طبائع
سلیم تھیں اس کو حرام سمجھتے تھے اور شیاطین کے ساتھ اسکو مشابہت دیتے تھے جیسا کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے اذا
سمعتم نهیق الحمار فتعوذوا باللہ من الشیطان فانہ رای شیطانا۔ جبکہ تم گدھے کا رینکنا سنو تو خدا تعالے کی مدد سے شیطان سے
پناہ مانگو اس لئے کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔ اور تمام اطبا نے اتفاق کرلیا ہے کہ یہ سب جانور باشبہ نوع انسان کے
مخالف ہیں لہذا طب کے اعتبار سے بھی انکا کھانا نہ چاہئے اور معلوم کرو کہ اس جگہ چند امور پوشیدہ ہیں انکے حدود و
قیود ذکر کرنے اور تفصیل کی تمیز کرنے کی حاجت پڑی ازانجملہ یہ ہے کہ مشرکین باشبہ اپنے معبودوں اور تھانوں کیلئے ان کو ذبح
کرکے ان کی طرف اسکا تقرب کیا کرتے تھے اور اسمیں ایک نوع کا شرک تھا۔ لہذا حکمت الہیہ کا مقتضی ہوا کہ اس شرک سے
منع کیا جائے پھر اس تحریم کی اسطرح پر تاکید کیجائے کہ اطاعت کیلئے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے کھانے سے لوگوں کو ممانعت
کر دیجائے تاکہ اس فعل سے باز رہیں اور نیز ذبح کرنے کی قباحت اس مذبوح میں بھی سرایت کر جاتی ہے اسکی وجہ ہم صدقہ میں
بیان کر چکے ہیں پھر ذبیحہ للطواغیت ہونا ایک امر مبہم تھا اسلئے شارع نے ما اہل لغیر اللہ بہ اور ما ذبح علی النصب۔ اور اس جانور
کے ساتھ جسکو مسلمان اور اہل کتاب کے سوا کسی ملت کا کوئی شخص جسکے دین میں خدا تعالے کے نام کے سوا ذبح کرنیکی حرمت
نہیں ہے ذبح کرے انضباط فرمایا اسلئے لازم ہوا کہ ذبح کے وقت خدا کے نام کا ذکر کرنا واجب ہو کیونکہ حلال و حرام میں ظاہر
تمیز کی یہی صورت ہے اور نیز جب حکمت الہیہ نے انسان کے لئے ان حیوانات کو جو حیات میں اسی کے مثل ہیں مباح
کر دیا اور ان حیوانات پر اسکو قدرت عطا فرمائی لہذا واجب ہوا کہ ان حیوانات کی جان نکالتے وقت اس نعمت سے غافل
نہوں اور غافل نہونے کی یہی صورت ہے کہ خدا کا نام انپر ذکر کریں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقهم
من بهیمة الانعام۔ تاکہ خدا کا نام ذکر کریں زبان سے اس چیز پر جو خدا تعالے نے انہیں عطا فرمائی ہے بہیمہ چارپاؤں
سے ورازانجملہ یہ ہے کہ تمام اہل حق و باطل میں مردار جانور حرام ہیں اہل حق کا اس بات پر اس واسطے اتفاق ہے کہ
حظیرۃ القدس سے ان ملت والوں کو اس بات پر تلقی ہوئی ہے کہ وہ چیزیں خبیث ہیں اور مذاہب باطلہ کا اس واسطے
اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں زہر بھی ہوتا ہے مردار جانور کے بدن میں [illegible] پھیل جاتے ہیں

جسکو نفس کی مزاج سے منافات ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مردار کو غیرہ وارے جدا کیا جائے پس اس کا انضباط بایں طور کیا
گیا کہ غیر مذبوح وہ ہے جسکی جان کھانے کی غرض سے نہ نکالی جائے اس باعث سے اُس جانور کا کھانا حرام ہو گیا جو سینگ لگ کر یا
اونچے سے گر کر مر جائے یا کوئی درندہ اسکو کھائے کیونکہ یہ سب خبائث اور موذی چیزیں ہیں اور از انجملہ یہ ہے کہ عرب ہمیشہ ذبح
ذبح اور نحر کیا کرتے تھے اور مجوس گلا مروڑ کر یا پیٹ پھاڑ کر کھایا کرتے تھے اور ذبح اور نحر انبیا علیہ السلام کا ہمیشہ سے طریقہ چلا آتا
تھا اور اسکے اندر بہت سی مصلحتیں تھیں ایک تو یہ کہ اسمیں ذبیحہ کو زیادہ تر تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ جان نکالنے کا سب سے آسان
طریقہ یہی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فلیرح ذبیحتہ. پس چاہئے کہ اپنے ذبیحہ کو آرام دیوے - اور
شریطہ شیطان یعنی نیم بسمل کر کے چھوڑ دینے سے جو آپ نے منع فرمائی اسمیں یہی راز ہے اور ایک یہ ہے کہ خون منجملہ نجاسات
کے ہے جن کے لگ جانے سے کپڑے کو دھو ڈالتے ہیں اور ان سے بچتے رہتے ہیں اور ذبح کرنے میں ذبیحہ کا اس نجاست
سے پاک کرنا ہوتا ہے بخلاف گلا مروڑنے اور پیٹ چاک کرنے کہ اسمیں وہ جانور ملطخ بالنجاست ہو جاتا ہے اور ایک یہ
بات ہے کہ ذبح کرنا ملت ابراہیمی کے شعائر میں ہے جس کی وجہ سے اس دین کا آدمی اور دین والوں سے متمیز ہو سکتا ہے
پس ذبح کرنا ختنہ اور خصال فطرت کے مانند ٹھہرا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو چونکہ خدا تعالے نے ملت ابراہیمی کے قائم
کرنے کیلئے مبعوث فرمایا ہے اس واسطے آپ کے اوپر اس کا محفوظ رکھنا ضرور ہوا پھر گلا مروڑنے اور پیٹ چاک کرنے
سے تمیز ضروری ہوئی اور اسکی یہی صورت ہے کہ کسی تیز چیز سے کاٹنا اور وہ بھی حلق اور گردن کی جڑ میں یہ وہ چیزیں ہیں جنکے
صحت نفسانی کے محفوظ رکھنے اور مصلحت دینی کے قائم کرنے کیلئے منع کیا اور وہ چیزیں جنسے صحت بدنی کو نقصان پہونچتا
ہے مثل سموم وغیرہ ان سے ممانعت کرنیکا حال ظاہر ہے اور جب یہ اصول ممہد ہو چکے تو اب ہم مفصل طور پر بیان کرتے ہیں
پس ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو ماکولات سے خدا تعالے نے منع فرمایا ہے اسکی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ قسم ہے کہ خدا تعالے نے کسی قسم کے
جانور کو کسی صفت کی وجہ سے جو اس قسم میں پائی جاتی ہے حرام فرمایا ہے اور دوسری وہ قسم ہے جس کو ذبح کی شرط نہ پائے جانے سے
حرام کیا ہے اب حیوانات کی کئی قسمیں ہیں ایک تو گھریلو جانوروں میں سے اونٹ گائے بیل بھیڑ بکری مباح کئے گئے چنانچہ اللہ پاک
فرماتا ہے احلت لکم بہیمۃ الانعام. اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ جانور پاک اور معتدل المزاج اور مزاج انسانی کے موافق ہوتے ہیں
و خیبر کے دن گھوڑے کے کھانے کی اجازت دیدی اور گدھے کے کھانے سے منع کی گئی اسلئے کہ تمام عرب و عجم گھوڑے
کو پسند کرتے ہیں اور تمام حیوانات میں گھوڑے کو فضیلت دیتے ہیں اور انسان کے ساتھ اسکو مشابہت ہے اور گدھا اپنی
حماقت اور ذلت میں ضرب المثل ہے اور اسکی خاصیت ہے کہ شیطان کو دیکھکر رینگتا ہے اور عرب کے پاکیزہ اور ذکی الفطرت لوگ
اسکو حرام جانتے تھے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے اور مرغابی اور بط بھی مرغی کے مثل
ہے اسلئے کہ یہ بھی پاک چیزیں ہیں اور مرغ کی خاصیت ہے کہ فرشتہ کو دیکھکر بانگ کہتا ہے اور کتا اور بلی حرام کئے گئے ہیں
اسلئے کہ یہ دونوں درندوں میں داخل ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں اور کتا شیطان ہوتا ہے اور دوسری قسم وحشی یعنی
جنگلی جانور ہیں ان جانوروں میں سے جو جانور نام و صفت میں بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں مثلاً ہرن اور نیل گائے اور
شتر مرغ اور ایکبار رسول خدا صلعم کو کسی نے بطور ہدیہ کے گورخر کا گوشت بھیجا تو آپ نے اسکو تناول فرمایا اور کسی شخص نے

خرگوش کا گوشت آپ کو بھیجا تب بھی آپ نے اسکو قبول فرمایا۔ اور ایک مرتبہ آپ کے دسترخوان پر گوہ [illegible]
کھایا اسلئے کہ عرب لوگ ان چیزوں کو پاک طیب جانتے تھے اور ایکمرتبہ آنحضرت صلعم نے گوہ کے نکھانے کی نسبت یہ عذر کیا کہ
یہ ہماری قوم کے ملک میں پیدا نہیں ہوتی اسلئے مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی اور ایک مرتبہ احتمال مسخ کے ساتھ معذرت فرمائی اور
ایک مرتبہ اس سے نہی فرمائی اور میرے نزدیک انمیں کچھ تناقض نہیں ہے کیونکہ اسمیں دونوں وجہیں پائی جاتی ہیں کہ ان دونوں
میں ہر ایک کافی ہے کہ مشتبہ چیز کا ترک کرنا تحرج میں داخل ہے پر وہ چیز حرام نہیں ہوتی اور نہی سے آپکی مراد کراہت تنزیہی ہے
اور آپ نے تمام درندوں کے کھانے سے نہی فرمائی ہے اسلئے کہ انکی طبیعت اعتدال سے خارج اور انکی عادات بد اور انکے
دلمیں رحمت نہیں ہوتی اور پرندوں میں کبوتر اور چڑیا کو مباح کیا اسلئے کہ یہ پاک جانور ہیں۔ اور ہر شکاری پرند کے کھانے
سے نہی فرمائی اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق سے تعبیر فرمائی لہذا اسکا کھانا بھی ناجائز ہے اور جو جانور مردار اور نجاست
کھاتا ہے یا عرب کے لوگ اسکو خبیث جانتے ہیں اسکا کھانا مکروہ ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے ویحرم علیہم الخبائث اور حرام
کیں اُن پر خبیث چیزیں اور آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ٹڈی کو کھایا کرتے تھے کیونکہ عرب اس کو پاک جانتے تھے اور
ایک قسم دریائی جانوروں میں انہیں سے جن کو عرب پاک جانتے ہیں انکا کھانا مباح کیا گیا ہے مثلاً مچھلی اور عنبر۔ اور جس کو وہ
ناپاک سمجھتے ہیں اور حرام جانوروں سے جنکا نام لیتے ہیں مثلاً خنزیر یہ تو انمیں دو متعارض ہیں مگر اجتناب اولیٰ ہے۔ اور
ایک مرتبہ آنحضرت صلعم سے کسی نے گھی کی نسبت جسمیں چوہا مر گیا تھا سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس چوہے اور اس کے آس
پاس کے گھی کو نکال ڈالو اور باقی کو کھالو اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر گھی میں چوہا گر پڑے پس اگر وہ گھی جما ہوا
ہے تب تو اس چوہے اور اسکے آس پاس کے گھی کو نکال ڈالیں اور اگر پگھلا ہوا ہو تو اس کے گرد نہ پھٹکو۔ میں کہتا ہوں مردار
اور وہ چیز جسمیں مردار کا اثر ہو جائے تمام ملتوں اور مذہبوں میں خبیث ہو جاتی ہے پس اگر وہ خبیث دوسری پاک چیز سے
تمیز ہو تو اس پاک کو کھا لیا جائے اور ناپاک کو پھینک دیا جائے اور اگر تمیز نہ ہو تو وہ سب حرام ہو جاتی ہے اور حدیث
سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نجاست اور ہر وہ چیز جسمیں نجاست پڑی ہو حرام ہو جاتی ہے اور رسول خدا صلعم نے اس
جانور کے کھانے اور اسکے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ اس
کے اعضا نے نجاست کو جذب کر لیا اور اسکے اجزا میں پھیل گئی تو انکا حکم مثل نجاست یا اس جانور کے ہو گیا جو نجاست
میں ہی زندگی بسر کرتا ہے۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان الحوت والجراد والدمان
الکبد والطحال۔ ہمارے لئے دو میتت اور دو خون حلال کئے گئے ہیں لیکن دو میت تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور
اور تلی ہیں میں کہتا ہوں کبد اور طحال دو عضو ہیں اعضاء و بدن بہیمہ سے مگر یہ دونوں خون کے مشابہ ہیں تو آپ
نے ان کے اندر جو شبہ تھا اسکو دور کر دیا اور مچھلی و ٹڈی میں دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون ہی نہیں ہے لہذا ان کے
اندر ذبح مشروع نہیں کیا گیا۔ اور آنحضرت صلعم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور آپ نے اس کا نام فاسق رکھا
اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پھونک مارتا تھا اور آپ نے فرمایا ہے من قتل وزغا فی اول ضربۃ
کتب لہ کذا وکذا و فی الثانیۃ دون ذلک و فی الثالثۃ دون ذلک جو شخص گرگٹ کو پہلے ہی ضرب میں ا۔

وست تو اُسکے لئے ایسا اور ایسا لکھا جاویگا یعنی سو نیکیاں لکھی جاوینگی اور دوسری مرتبہ میں اس سے کم اور تیسری مرتبہ میں اُس سے کم میں کہتا ہوں بعض حیوان کی خلقت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ ان سے افعال اور ہیات شیطانیہ صادر ہوتی ہیں اور وہ حیوانات میں قریب تر شیطان کے ہوتے ہیں اور وسوسہ کے اعتبار سے وہ اُسکے تابع ہوتے ہیں اور رسول خدا صلعم نے معلوم کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی انہیں حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو پھونکتی تھا اُسکے کرنے کے لئے یہ اُسکا مقتضای طبعی تھا شیطان کے وسوسے کے سبب اگرچہ اُس کے پھونکنے کا آگ کے اندر کچھ اثر نہ تھا اور اُس کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی ایک تو یہ کہ اس میں نوع انسانی کی ایذا کا رفع ہے تو اُس کا حال ایسا ہو گیا جیسے شہروں سے درختوں سمی کو قطع کرتے ہیں اور سوائے اُسکے جسمیں یہ خصلت پائی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اسمیں لشکر شیطانی کا توڑنا ہے اور اس کے وسوسہ کا دور کرنا ہے اور یہ بات اللہ تعالے اور ملائکہ مقربین کے نزدیک پسندیدہ ہے اُس کا مارڈالنا اول ضربہ میں دوسری مرتبہ مارنے سے اس لئے افضل ہے کہ اسمیں حذاقت اور سرعت الی الخیر پائی جاتی ہے واللہ اعلم اللہ پاک نے فرمایا ہے حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب و ان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق میں کہتا ہوں کہ میتۃ یعنی مردار اور خون کے مردار ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں نجس ہیں اور خنزیر کی یہ وجہ ہے کہ یہ ایسا جانور ہے کہ اس کی صورت میں ایک قوم مسخ ہو چکی ہے وما اہل لغیر اللہ بہ اور جو اصنام کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اسمیں قطعی شرک ہے اور اس لئے کہ فعل کی برائی مفعول بہ میں سرایت کرتی ہے اور منخنقۃ وہ جانور ہے کہ جسکا گلا مروڑا جاوے اور وہ مر جاوے اور موقوذۃ وہ جانور ہے جو بغیر چھری کے مارا جاوے مثل لکڑی اور پتھر سے اور متردیۃ وہ جانور ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گر پڑے اور نطیحۃ وہ جانور ہے جو سینگ کھا کر مر جاوے وما اکل السبع یعنی درندے کے کھانے سے جو بچ رہے یہ سب حرام ہیں اسواسطے کہ ذبیحہ طیبہ کا انضباط شارع نے اس صفت کے ساتھ فرمایا ہے کہ جس کے حلق یا گردن پر کسی تیز چیز کا جان نکالنے کے قصد سے استعمال کیا جاوے پس اس سے لازم ہو کہ ان سب صورتوں میں جو اس کے سوا ہیں وہ جانور حرام ہو اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں اس جانور کا بہتا ہوا خون اُس کے تمام بدن میں پھیل جاتا ہے اور اُس کی وجہ سے اُس کا تمام گوشت ناپاک ہو جاتا ہے الا ما ذکیتم یعنی مگر وہ جانور کہ جس کو اس طرح چوٹ لگے یا زخم پہنچ جائے اور ہنوز وہ زندہ ہو اور پھر تم اُس کو ذبح کرلو اور ریحان کا نکلنا ذبح کرنے کی وجہ سے ہو تو وہ حلال ہے۔ وان تستقسموا بالازلام یعنی تمہاری قسمت میں جو برائی یا بھلائی ہے جوئے کے تیروں سے تم اسکا معلوم کرنا چاہو جاہلیت میں ایسا کیا کرتے تھے کہ کسی بات کے معلوم کرنے کو وہ تیر پھینکا کرتے تھے ایک تیر میں افعل یعنی کر اور ایک میں لا تفعل یعنی مت کر اور ایک میں غفل یعنی خالی لکھا ہوتا تھا۔ اور اس کے اندر خدا تعالے پر افترا اور اپنے جہل پر اعتماد پایا جاتا تھا اس واسطے خدا تعالے نے اُس سے نہی فرمائی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے نہی فرمائی ہے کہ نشانہ بازی کے لئے کسی جانور کو زندہ باندھ دیا جائے اور پھر نشانے لگا کر اُس کو مار ڈالیں اور اُس کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں اہل جاہلیت

جانوروں کو باندھ کر اُس سے نشانہ بازی کیا کرتے تھے اور اس میں بلا ضرورت اس جانور کو ستانا تھا اور ذبح
کے لئے قربانی یا کسی نعمت کا شکریہ ہوتا تھا اس واسطے اس سے نہی کی گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور تم
میں سے کوئی جو اس کو چاہئے کہ اپنی چھری کو تیز کر لیا کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دینے دیا کرے میں کہتا ہوں قریب تر
طریقہ جان کے نکلنے کے اختیار کرنے میں داعیہ رحمت کا اتباع ہے اور یہ وہ خصلت ہے جس سے پروردگار عالم راضی ہوتا ہے
اور بہت سے مصالح منزلیہ اور مدنیہ موقوف ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ کسی جانور کا عضو کاٹا جائے اور حالانکہ وہ
زندہ ہو تو اس کا مردہ کا حکم ہے میں کہتا ہوں وہ لوگ اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکیاں کاٹ لیا کرتے تھے اور
اس میں عذاب دینا تھا اور جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا مشروع کیا تھا اس کے خلاف تھا تو آپ نے اس سے نہی فرمائی۔
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے جو شخص چڑیا یا اس سے بڑے جانور کو ناحق مار ڈالے تو اللہ عزوجل اس کے قتل سے استفسار فرمائیگا
آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلعم اور اُس کا حق کیا ہے آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اسکو ذبح کر لے اور اسکو کھا لے
اور یہ نہ کرے کہ اسکے سر کو قطع کر دے پھر اسکو پھینک دے میں کہتا ہوں کہ اس جگہ دو چیزیں مشتبہ ہیں پس امتیاز ضروری ہے
ایک تو یہ کہ ذبح کرنا حاجت کی وجہ سے ہو اور مصلحت نوع انسانی کے داعیہ کا اتباع ہو اور دوسرا یہ ہے کہ کسی جاندار کی
حیوانی کے فاسد کرنے میں سعی ہو اور قساوت قلبی جیسی بری چیز کے داعیہ کا اتباع ہو اور معلوم کرو کہ شکار بازی عرب کی عادت
اور ان کی عورت عادت تھی حتیٰ کہ شکار بازی منجملہ ان کے ان پیشوں کے جن پر ان کی معاش موقوف ہے ایک پیشہ تھا پس
آنحضرت صلعم نے اسکو مباح کر دیا اور اس کی کثرت میں جو برائی تھی اس کو اپنے اس قول کے ساتھ ظاہر کر دیا من اتبع الصید لہی
جس شخص نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لہو کا کام کیا۔ اور شکار کے احکام اس بات پر مبنی ہیں کہ تمام شروط میں شکار کرنا ذبح
کرنے پر محمول ہے بجز اس شرط کے کہ جس کا بجالانا دشوار ہے اور اس کے لگانے میں انتہا وحشت شکار کرنے میں
بیکار جاتی ہے لہذا شکاری جانور کے چھوڑتے یا تیر پھینکتے وقت خدا کا نام لینا مشروع کیا گیا اور شکار کرنے والے کی نیت
شرط کی گئی اور ذبح کرنا اور حلق یا لبہ ان شرط نہ کیا گیا اور ایک اس بات پر مبنی ہے کہ شکار کرنے کی ذاتیات اس میں پائی
جاویں شکار سکھائے ہوئے جانور کا قصداً شکار پر چھوڑنا اور اگر یہ بات نہ ہوئی تو تعلق سے اس شکار کا دبا لینا ہوگا۔
اور شکار کرنا نہ ہوگا اور ایک یہ کہ اس شکاری جانور نے اس شکار کو کھا نہ لیا ہو اور کچھ کھا لیا ہے تو اس کی دو صورتیں
ہیں یا تو وہ زندہ ملگیا ہو اور اس نے اس کو ذبح کر لیا ہو تب تو وہ حلال ہے ورنہ حرام ہے تاکہ معلم کے معنی پائے جائیں
اور ما اکل السبع سے جدا ہو جاوے اور آنحضرت صلعم سے جب شکار اور ذبح کے احکام دریافت کئے گئے تو آپ نے
انہیں اصول کے موافق جواب ارشاد فرمائے کسی نے عرض کیا کہ ہم اہل کتاب کے ملک کے باشندے ہیں کیا ہم ان
کے برتنوں میں کھا لیا کریں اور ہم شکار کے ملک میں رہتے ہیں اپنی کمان اور اپنے کتے معلم غیر معلم سے شکار کرتے ہیں
تو ہم کو کیا بات مناسب ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اہل کتاب کے برتنوں کا جو تو نے سوال بیان کیا پس اگر تم کو اور برتن
میسر ہوں تب تو ان برتنوں میں کھاؤ اور اگر میسر نہ ہوں تو انہیں کو دھو کر کھا لیا کرو اور خدا تعالیٰ کا نام لے کر اپنی کمان سے

جو تو شکار کرے تو اُسے کھا لیا کر اور خدا کا نام لیکر اپنے سدھائے ہوئے کتے سے جو تو شکار کرے اسکو کھا لیا کر اور جو بغیر سدھے
کتے سے شکار کرے اور اُس شکار کو زندہ پائے اُسکو ذبح کرکے کھالے رسول خدا صلعم نے یہ جو فرمایا ہے کہ اگر تو کو اور برتن
ہم پہونچیں تو ان میں مت کھایا کر میں کہتا ہوں اسمیں پسندیدہ بات کا قصد کرنا اور وسواس سے دل کا مطمئن کرنا ہے
اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم ہم سدھے ہوئے کتوں کو چھوڑا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو
چھوڑے تو خدا کا نام لیلیا کر پس اگر وہ کتا شکار کو تیرے لئے پکڑ رکھے اور تو پہونچکر اُس شکار کو زندہ پائے تب تو اس کو
ذبح کرلے اور اگر تو اُسکو مارا ہوا پائے اور کتے نے اسکو نہ کھایا ہو تو اسکو کھالے اور اگر کتے نے اس کو کھا لیا ہو تو مت
کھا کیونکہ کتے نے وہ شکار اپنے لئے پکڑا تھا اور اگر تو اپنے کتے کے پاس جاکر اور کوئی کتا دیکھے اور شکار مر گیا ہو تو اسکو مت
کھا کیونکہ تجکو اس بات کی خبر نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اسکو مارا ہے۔ اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میں شکار
کیطرف تیر پھینکتا ہوں اور پھر کل کو وہ تیر اس شکار میں گھسا ہوا مجکو ملتا ہے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تجکو یقین ہو کہ
تیرے تیر سے وہ مرا ہے اور کسی درندہ کا اثر تجھے اسمیں نہ معلوم ہو تو اسکو کھالے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جب تو
اپنے تیر کو پھینکے تو خدا کا نام لیلیا کر پھر اگر ایک دن تک وہ شکار تجکو نہ ملے اور پھر اسکے بعد ملے اور صرف تو اپنے ہی تیر کا اثر
دیکھے تو اگر تو چاہے تو اسکو کھالے اور اگر شکار کو پانی میں ڈوبا ہوا دیکھے تو اُس کو مت کھا۔ اور کسی نے عرض کیا کہ ہم معراض
(وہ تیر ہے جسمیں پھال اور پر نہوں) مارتے ہیں تو آپنے فرمایا کہ جو جانور زخمی ہو جائے اسکو کھالے اور جو جانور تیر کی چوڑائی سے
چوٹ لگ کر مرجائے تو وہ جانور موقوذہ ہے اُس کو مت کھا اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم یہاں چند قومیں نو مسلم ہیں
وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہم کو نہیں معلوم کہ آیا اسپر وہ خدا کا نام لیتے ہیں یا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم خود خدا
کا نام لیکر اسکو کھا لیا کرو میں کہتا ہوں اسکی اصل یہ ہے کہ حکم ظاہر پر ہوتا ہے اور کسی نے آپ سے عرض کیا کہ ہم
کل دشمن سے مقابلہ کرنیوالے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے کیا ہم بانس سے ذبح کرلیا کریں فرمایا جو چیز خون کو
بہا دے اور اس پر خدا نام لیا جاوے اسکو کھالے بجز دانت و ناخون کے اور ان کا حال میں ابھی تجھسے بیان کرتا ہوں
دانت تو ایک ہڈی ہے اور ناخون حبشہ کی چھری ہے۔ اور ایک مرتبہ ایک اونٹ بھاگ گیا اور ایک شخص نے تیر مار کر
اُس کو روک لیا تو آپ نے فرمایا اس اونٹ کو وحشی جانوروں کی طرح آدمیوں سے نفرت ہوتی ہے پس اگر ان کی کوئی
بات تم کو مجبور کرے تو اُس کے ساتھ ایسا ہی کرو۔ میں کہتا ہوں چونکہ وہ وحشی ہو گیا تو اُس کا حکم مثل حکم شکار کے ہو گیا
اور ایک کسی کی بکری کے باب میں آپ سے سوال کیا گیا کہ جس کو ایک چھوکرے نے دیکھا کہ اُس پر آثار موت کے طاری
ہو رہے ہیں تو اُس نے ایک پتھر توڑ کر اسکو ذبح کیا آپ نے اُس کے کھانے کا حکم فرمایا کہا گیا ہے کہ کھانوں میں سے
بعض کھانے ایسے ہوتے ہیں کہ جس سے آپ حرج سمجھتے ہیں فرمایا کہ اپنے دل میں کسی بات کا اختلاج نکر جسمیں نصرانیت
کی مشابہت ہو اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلعم اونٹ کو نحر اور گاو بکری کو ذبح کرتے ہیں ہم اور ان کے پیٹوں میں ہم
بچہ پاتے ہیں آیا اسکو پھینکدیں یا کھالیں آپ نے فرمایا اگر تمہارا دل چاہے تو اسکو کھالو اُس کا ذبح وہی ہے جو اس کی
ماں کا ذبح ہے۔

کھانے کے آداب کا بیان

معلوم کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے اندر آداب کھانے میں جنکو امت کے لوگ عمل میں لاویں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ کھانے کی برکت کھانے سے پہلے کلی
کرنی اور اس کے بعد کلی کرنی ہے اور نیز آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کیلوا طعامکم یبارک لکم اپنے غلہ کو ناپ لیا کرو تمہارے
لئے برکت دیجائیگی۔ اور فرمایا ہے اذا اکل احدکم طعاما فلا یاکل من اعلی الصحفۃ ولکن یاکل من اسفلہا فان البرکۃ تنزل
من اعلاہا۔ تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو رکابی کے اوپر سے نہ کھائے بلکہ اسکے نیچے سے کھائے کیونکہ برکت اس
کے اوپر سے نازل ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں برکت کے یہ معنی ہیں کہ نفس سیر ہوجائے اور آنکھوں کو سرور ہو اور دل کو تسلی
ہو اور زیادہ حریص نہ ہو جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اس کا مفصل بیان یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے
کہ دو شخص ہیں اور انمیں سے ہر ایک کے پاس سو درہم ہیں مگر ان میں سے ایک کو تو اپنے تنگدست ہوجانیکا اندیشہ
لگا رہتا ہے اور لوگوں کے مال میں اسکو طمع رہتی ہے اور اپنے مال کے خرچ کرنے میں موقع محل نہیں دیکھتا تاکہ اسکو دین
یا دنیا کا کچھ نفع ہو اور دوسرا ایک کشادہ آدمی ہے اور جاہل لوگ جانتے ہیں یہ دولتمند آدمی ہے اور میانہ روی سے
زندگی بسر کرتا ہے اور اسکا دل مطمئن رہتا ہے پس دوسرے شخص کے مال میں برکت دیگئی اور پہلے کے مال میں برکت نہ دیگئی اور برکت کے یہ معنی
ہیں کہ ایک شخص اپنی کسی چیز کو اپنی ضرورت میں صرف کرے تو وہ شے اسکے لئے بہ نسبت اپنے مثل کے زیادہ وافی
ہوگی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو شخص ہیں اور ہر ایک انمیں سے ایک مثل کھانا کھاتا ہے مگر ایک کی
طبیعت غذا کو جزو بدن کرلیتی ہے اور دوسرے کے معدہ میں کچھ آفت ہوتی ہے اور اسکا کھانا اسکے لئے مفید نہیں ہوتا
بلکہ مضر ہوتا ہے اور بسا اوقات دو شخصوں کے پاس مال ہوتا ہے مگر ایک شخص اس مال کو ایسے اسباب کے خریدنے
میں صرف کرتا ہے جسمیں اسکا زیادہ تر نفع ہے اور تدبیر زندگانی میں موقع محل کا لحاظ رکھتا ہے اور دوسرا شخص اپنے
مال کو فضول صرف کرتا ہے اور اسکی ضرورت میں وہ مال کچھ کام نہیں آتا اور ہیات نفسانیہ اور عقائد نفسیہ کو برکت کے
ظاہر ہونے میں ایک قسم کا اثر ہوتا ہے چنانچہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے فمن اخذہ باشراف نفس لم یبارک لہ فیہ و
کان کالذی یاکل ولا یشبع پس جس شخص نے اسکو حرص نفسانی کے ساتھ لیا اس میں اسکو برکت نہ دیجائیگی اور وہ ایسا
ہوگا کہ جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہوا میں کسی لکڑی کو ٹیک لگاکر رکھدیا جائے تو اس پر کو
چلنے والے کا پیر پھسل جاتا ہے اور اگر اسی لکڑی کو زمین پر رکھدیا جائے تو نہیں پھسلتا۔ پس جب ایک شخص کسی چیز کی
طرف قصد کرتا ہے اور اسکو یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ چیز اس کے لئے کافی ہوجائے اور اس بات پر اپنے نفس کو مطمئن
کردیتا ہے تو یہ اسکی خوشی اور اطمینان خاطر اور قناعت کا سبب ہوجاتا ہے اور بسا اوقات یہ امر طبیعت کے اندر
سرایت کرتا ہے اور وہ طبیعت ضروریات میں اس کو صرف کرتی ہے پس جب ایک شخص نے کھانے سے پہلے
اپنے ہاتھ دھوئے اور جوتے پیر سے اتار کر علیحدہ کردیا اور اطمینان خاطر حاصل کیا تو ان باتوں کا اس نے خوب لحاظ کیا اور غذا کا

زبان سے نام لیا تو اس پر برکت کا فیضان ہو جاتا ہے اور جب کوئی شخص غلہ ناپ کر اسکی مقدار اسکو معلوم ہوتی ہے اور
میانہ روی کیساتھ اسکو اپنی ذات پر صرف کرتا ہے تو کم از کم اسکو مقدار غلہ کافی ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لئے کافی نہیں
ہو سکتا۔ اور جب غلہ کو بے حد بازی کیساتھ ڈالدیتا ہے اس سے ویسی ہی بیقدری ہو جاتی ہے اور اسکے سبب سے وہ ایک بیقدر
چیز ہو جاتا ہے اور کم از کم غلہ جو اسکے لئے کافی ہو سکتا ہے وہ اس غلہ سے جو اوروں کے لئے کافی ہو سکتا ہو زیادہ ہونا چاہئے
اور میرے گمان میں یہ بات ضروری ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان بسا اوقات ایک روٹی حاجت سے زیادہ کھا جاتا
ہے یعنی چلتے پھرتے اور باتیں کرتے اسکو کھا لیتا ہے تو اس کے کھانے کا کچھ اثر نہیں ہوتا ہے اور نہ وہ اسکے بدن میں جزو بدن ہوتا
معلوم ہوتا ہے اور نہ اس سے اسکی نیت سیر ہوتی ہے اگرچہ معدہ بھر جائے اور بسا اوقات ایک رطل کے قدر اندازہ سے لیا
جاتا ہے پس حقیقت میں جو ایک رطل سے زیادہ ہے انکے وجود و عدم یکسان ہوا اور وہ کسی کام میں نہ آیا مگر کچھ مدت کے بعد جب
اس غلہ کو دیکھا تو اسکو معلوم ہوئی الحاصل برکت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے اندر اسباب طبعی ہیں جنکے ضمن میں
کوئی فرشتہ بزرگ یا شیطان مردود مددگار رہتا ہے اور ان اسباب کی صورتیں روح ملکی یا شیطانی پھونک دیجاتی ہے
واللہ اعلم اور کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ کے دھونے کی یہ وجہ ہے کہ اسمیں میل دور ہوجاتا ہے۔ اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے
سے کھانے کی بو اور سومت زائل ہو جاتی ہے اور اس بات کا اندیشہ جاتا رہتا ہے کہ ہاتھوں سے اسکے کپڑے خراب
ہوں یا کوئی درندہ اس کے ہاتھ کو چاب ڈالے یا سانپ بچھو وغیرہ کاٹ لے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے من بات و
فی یدہ غمر لم یغسلہ فاصابہ شیئ فلا یلومن الا نفسہ۔ جس شخص کا ہاتھ کھانے میں سنا ہوا ہو اور اسکو بغیر دھوئے ہوئے سو جائے اور
پھر اسکو کچھ تکلیف پہونچے تو اس کو چاہئے کہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے اذا اکل احدکم
فلیاکل بیمینہ واذا شرب فلیشرب بیمینہ۔ تم میں سے جب کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پئے تو داہنے
ہاتھ سے پئے اور حدیث شریف میں آیا ہے لا یاکل احدکم بشمالہ فلا یشرب بشمالہ فان الشیطان یاکل بشمالہ ویشرب بشمالہ۔
تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور بائیں ہاتھ سے نہ پئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور
پیتا ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے ان الشیطان یستحل الطعام ان لا یذکر اسم اللہ علیہ کھانے پر خدا کا نام لینے سے
شیطان اسکو حلال کر لیتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں سے جب کوئی کھانے پر خدا کا نام لینا بھول جائے
اور کھائے تو اسکو یہ کہنا چاہئے بسم اللہ اولہ و آخرہ اور آنحضرت صلعم نے ایسے شخص کے لئے فرمایا ہے کہ شیطان برابر اس
کے ساتھ کھاتا رہتا ہے اور جب یہ خدا کا نام لیتا ہے تو جو کچھ اسکے پیٹ میں ہوتا ہے قے کر دیتا ہے اور آنحضرت صلعم نے
فرمایا ہے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے تمام حالات میں شیطان ساتھ رہتا ہے حتی کہ کھانے کیوقت بھی اسکے
پاس آکر موجود ہوتا ہے پس جب تم میں سے کسی کے پاس لقمہ گر پڑے تو شیطان کے لئے اسکو نہ چھوڑے اور اس لقمہ کو
خاک سے صاف کر کے کھائے۔ میں کہتا ہوں منجملہ ان علوم کے جو خدا تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے
ہیں ملائکہ اور شیاطین اور انکے زمین کے اوپر منتشر رہنے کا علم بھی انہیں میں سے ہے انکا کام ہے کہ ملا اعلیٰ سے عمدہ باتوں کا فیضان
الہام کے طور پر حاصل کر لیتے ہیں اور بعض بنی آدم سے ان الہامات کو بیان کر دیتے ہیں اور شیاطین کے مزاج میں آرا فاسدہ

پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا میلان انتظامات فاضلہ کے بگاڑنے اور حکمت وقار اور طبیعت سلیمہ کا مقتضی کی خلاف ہونے
ہوتا ہے وہ ان الہامات کو حاصل کر کے بنی آدم کی طرف جو انکے سر ہیں بیان کر دیتے ہیں منجملہ شیاطین کے حالات کے
یہی ہے کہ خواب یا بیداری میں جب وہ کسی کو متشکل ہوتے ہیں تو ایسی ہیئت میں انکا ظہور ہوتا ہے جس سے طبیعت
سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانے یا ننگے وغیرہ کی صورت میں۔ اور منجملہ ان احوال کے یہ ہے کہ کبھی شیاطین
کے نفس میں ان صفات دنیہ کا تنقش ہوتا ہے جو بنی آدم کے اندر قوت بہیمیہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً بھوک پیاس شہوت
جماع وغیرہ جب یہ صفات انکے اندر پیدا ہوتے ہیں پھر ان صفات کے پیدا ہونیکے بعد ان کو ان حوائج کے دفع کرنے کا اختلاط و تلبس
انسان کو ان حوائج کے وقت جو کام کرنا پڑتا ہے اسی کام کے نقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اپنے خیال میں ان
افعال کیساتھ وہ شیاطین اپنی قضائے حاجت کرتے ہیں اس عقب سے جو اولاد ایسے جماع سے پیدا ہوتی ہے جس میں
شیاطین کی شرکت ہوتی ہے اور اسمیں وہ شیاطین بھی قضائے شہوت کرتے ہیں قلیل البرکت ہوتی ہے اور شیطنت کی
طرف اس کو میلان ہوتا ہے اور اسی طرح جس کھانے میں شیاطین کا اشتراک اور انکی ضرورت کا پورا کرنا ہوتا ہے اس کھانے
میں بھی برکت کم ہوتی ہے اس کھانے سے لوگوں کو نفع نہیں حاصل ہوتا بلکہ بسا اوقات وہ مضر ہو جاتا ہے اور خدا کا نام
لینا اور پناہ مانگنا بالطبع انکی مخالفت کرتا ہے یہی سبب ہے کہ جو شخص خدا کو یاد کرے اور اسکی پناہ مانگے شیاطین اس سے
ہٹ جاتے ہیں۔ اور ہمکو ایکروز ایسا اتفاق ہوا کہ ہمارا ایک دوست ملاقات کے لئے آیا اور جو کھانا اس کے سامنے
پیش کیا گیا تھا اس کا ایک ٹکڑا اسکے ہاتھ میں سے گر پڑا اور زمین میں ڈھلک گیا وہ شخص اسکے اٹھانے کو چلا
وہ چلتا تھا وہ اس سے دور ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ حاضرین کو سخت تعجب ہوا اور اسکو بھی اسکے پکڑنے میں
کسی قدر محنت کرنی پڑی مگر وہ اسکو اٹھا کر کھا گیا۔ پھر چند روز کے بعد ایک شخص پر شیطان یعنی جن آگیا اور وہ جن اس
شخص کی زبان سے کلام کرنے لگا اثناء کلام میں اس نے یہ بھی بیان کیا کہ فلاں شخص پر میرا گذر ہوا وہ کھانا کھا رہا تھا تو مجکو وہ
کھانا اچھا معلوم ہوا اور اس نے مجکو کچھ نہیں کھلایا تو اس کے ہاتھ میں سے میں نے اسکو جھپٹ لیا تو اس نے مجھ سے جھگڑا
کیا آخر کو وہ مجھ سے چھین لیا۔ اور ایک دفعہ ہمارے گھر کے آدمی گاجریں کھا رہے تھے ناگاہ کوئی گاجر ان میں سے گر کر
ڈھلک گئی جھٹ پٹ ایک شخص اسکو اٹھا کر کھا گیا پھر اسکے سینہ و پیٹ میں درد شروع ہوا اور اسپر جن آکر بولنے لگا۔
اور اس نے بیان کیا کہ میں نے وہ گری ہوئی گاجر لی تھی۔ اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہمارے کان میں پڑی ہیں جن سے ہم کو
یقین ہو گیا کہ یہ احادیث اپنے معنی حقیقی پر محمول ہیں ان احادیث کے قبیلہ سے نہیں جنہیں معنی مجازی مراد ہیں واللہ اعلم
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسہ کلہ ثم لیطرحہ فان فی احد جناحیہ شفاء وفی الآخر
داء وفی روایۃ وانہ یتقی بجناحہ الذی فیہ الداء۔ جبکہ تمہارے کسی کے برتن میں مکھی گر پڑے تو سب مکھی کو ڈبا کر پھر اسکو پھینکدے
کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مکھی اس پر سے
بچتی ہے جسمیں بیماری ہے معلوم کرو کہ خدا تعالے نے حیوان کے اندر اسکی طبیعت کو تدبیر بدن کیلئے پیدا کیا ہے
طبیعت بسا اوقات مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونیکی قابلیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے طرف بدن کیطرف دفع کرتی ہیں

یہی سبب ہے کہ جب جانوروں کی دم کھینچنے سے منع کرتے ہیں اور کبھی بسا اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت
نہیں رکھتی کھائی جاتی ہے تو اسکی طبیعت اس مادہ فاسد کو اُسکے عضو خسیس کے یعنی پر کی طرف پھینکتی ہے پھر وہ عضو جب
میں یہ مادہ مجتمع ہوتا ہے اُسکی طرف دفع ہوتا ہے اور یہی عضو وقت ہجوم بیماریوں کے مقدم ترین اعضا کا ہوتا ہے اور خدا کی
یہ حکمت ہے کہ جس چیز میں سم رکھا ہے تو اسمیں مادہ تریاقیہ بھی رکھا ہے تاکہ اُسکے سبب سے وجود انسان کا ہلاکت سے محفوظ
رہے اور اگر ہم اس بحث طبی کو بیان کریں تو کلام دراز ہو جائیگا اور حاصل کلام کا یہ ہے کہ مکھی کے کاٹنے کا زہر بعض ماکول
و بعض غذاؤں کے کھانے کے وقت محسوس و معلوم ہوتا ہے اور جس عضو کیطرف یہ مادہ لذعہ دفع ہوتا ہے اُس کا حرکت کرنا
معلوم ہوتا ہے اور خاصیت جسکے اندر وہ چیز جو ان مواد موذیہ کی مقاومت و مقابلہ کرے پوشیدہ ہوتی ہے معلوم ہوتی ہے پس
کون سی چیز ہے جو اس بحث سے مستبعد ہے اور آنحضرت صلعم نے خوان پر تناول نہیں فرمایا اور نہ پیالے کے اندر اور کبھی باریک
چپاتی آپ کیلئے پکائی گئی اور نہ کبھی سالم بکری بھنی ہوئی کو دیکھا اور نہ کبھی تکیہ لگا کر آپنے کھایا اور نہ کبھی چھلنی دیکھی بلا بھوسی اور
بغیر چھنے ہوئے جو نوش فرماتے تھے معلوم کرو کہ رسول خدا صلعم عرب میں مبعوث کئے گئے اور ان کی عادات دیہاتی عادات
تھی و بکھیوں کے یہ تکلفات نہیں کرتے تھے اور ان کا اختیار کرنا عمدہ بات ہے اور ادنیٰ اسکا یہ ہے کہ دنیا میں یہ تعمق
کریں اور خدا تعالیٰ کی یاد سے نہ اعراض کریں اور نیز صاحبان ملت کیلئے یہ بات پسندیدہ نہیں کہ اپنے امام کے کم اور
زیادہ میں پیروی کریں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ان المومن یاکل فی معاء واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء بلا شک مومن
ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کہتا ہوں اسکے یہ معنی ہیں کہ کافر کا قصد تو پیٹ کا بھر لینا ہے اور
مومن کا قصد اپنی آخرت ہے تو مومن کو یہی سزاوار ہے کہ کھانے میں کمی کرے اور اس کا کھانے میں کمی کرنا منجملہ خصال
ایمان کے ایک خصلت ہے اور کھانے میں شدید الحرص ہونا منجملہ خصال کفر کے ایک خصلت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے نہی فرمائی ہے کہ ایک شخص دو چھواروں کو کھانے میں جمع نہ کرے میں کہتا ہوں نہی دو چھواروں کو جمع کرنے
کی کئی معنی کی محتمل ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ دو چھواروں کے جمع کرنے میں مضغ یعنی چبانا اچھی طرح سے نہ ہوگا اور یہ صورت
سب سے کم ہے کہ خوب ضبط نہ ہونے کیوجہ سے وہ گٹھلیاں اُسکو تکلیف دینگی بخلاف اس کے جب ایک ہی گٹھلی ہو اور
ایک یہ ہے کہ یہ ہیئت منجملہ ہیئت شدت و حرص کے ہے اور ایک یہ ہے کہ اسمیں اپنے آپکو دوستوں پر اختیار کر لینا ہے
اور اس بات کا احتمال ہے کہ اُسکے مصاحب اس بات کو برا سمجھیں گراں جبکہ وہ اپنے مصاحبوں سے اس بات میں اجازت
لیلے تو کچھ مضائقہ نہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایجوع اہل بیت عندہم التمر جنکے ہاں چھوہارے ہیں انکے گھر کے
لوگ بھوکے نہ رہینگے اور نیز فرمایا ہے بیت لا تمر جیاع اہلہ جس گھر میں چھوارے نہیں اُسکے گھر والے بھوکے رہینگے اور
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے نعم الادام الخل کہ بہتر سالنوں کا سرکہ ہے میں کہتا ہوں کہ تدبیر منزل اسمیں ہے کہ اپنے گھر میں
کچھ چیز جمع کرے جو بازار میں ارزاں ہو جیسے مدینہ میں چھوارے اور ہمارے ملک کے دیہات میں گاجروں کی بڑی وغیرہ پس
اگر کھانا اسکی طرف طبیعت رغبت کرتی ہے پائے فبہا ورنہ جو چیز اُس کے پاس ہو وہی اسکی روزی اور ستر ہو جائیگا پھر اگر وہ
ایسا نہ کرینگے تو بھوک کیوقت تکلیف اٹھاینگے اور یہی حال سالنوں کا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من اکل ثوما

او لیقعدا لیعتزلنا - جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے جدا رہے اور ایک ہانڈی آپ کے سامنے پیش کی گئی جس میں ترکاریاں تھیں جنہیں بو آتی تھی تو آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں سرگوشیاں کرتا ہوں جس کو تم نہیں کرتے یعنی فرشتوں سے۔ فرشتے لطافت اور پاکیزگی کو محبوب جانتے ہیں اور ہر ایک اس چیز کو جو عادت پاکیزہ کو برانگیختہ کرے اور اس کے خلاف سے نفرت کرتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے درمیان شریعت محسنین کے جنہیں انوار ملکیت لے جھکتے ہیں اور درمیان ان کے غیر کے فرق کر دیا ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ اس بندہ سے جو ایک لقمہ کھائے اور اس پر خدا کا شکر کرے اور ایک گھونٹ پانی پیے اور اس پر خدا کا شکر کرے راضی ہوتا ہے اس کا راز سابق گذر چکا ہے۔ اور حمد کے باب میں چند طریقے مروی ہیں جو ان بجالایا اس نے سنت کو ادا کر دیا از انجملہ یہ ہے الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا اور از انجملہ یہ ہے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین اور از انجملہ یہ ہے الحمد للہ الذی اطعم وسقی وسوغہ وجعل لہ مخرجا۔ اور مہمانی کرنا منجملہ اسباب جوانمردی کے ایک باب ہے اور عادات نیک کے جمع کرنے کیلئے ایک سبب ہے اس کی وجہ سے باہمی آدمیوں کے دوستی ہوتی ہے اور مسافر لوگ کچھ نہیں پاتے ہیں تو اس کا باب زکوٰۃ میں شمار کرنا ضروری ہوا اور ضروری ہے کہ اسمیں رغبت دلائی جائے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جو شخص خدا تعالیٰ اور دن آخرت پر ایمان لائے تو چاہئے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے اب یہ حاجت لاحق ہوئی کہ مہمان نوازی کی مدت معین کی جائے تاکہ مہمان کے سبب سے میزبان کو دقت نہ واقع ہو یا مہمان بھوکا رہے کو جہت نہ شمار کرے لہذا ایک رات دن اسکی خاطرداری کی مدت مقرر کی گئی اور وہ بطور صلہ کے ہے اور نہایت مدت تین روز مقرر کئے گئے۔

منکرات کا بیان

معلوم کرو کہ کسی نشہ آور چیز کے کھانے سے عقل کا زائل کرنا لامحالہ عند العقل ایک قبیح فعل ہے اسلئے کہ اسمیں نفس درطہ بہیمیت میں ڈالدینا اور ملکیت سے نہایت درجہ بعید ہو جاتا ہے اور نیز اسمیں خلق الٰہی کی تغییر ہے اسلئے کہ اس شخص نے اپنی عقل کو جس کیساتھ خدا تعالیٰ نے نوع انسان کو مخصوص و ممنون کیا ہے بگاڑ دیا اور نیز اسمیں مصلحت منزلیہ اور مدنیہ کا بگاڑنا اور مال کا ضائع کرنا اور ہیبات قبیحہ کا اپنے اوپر طاری کرنا اور مضحکہ اطفال بننا ہے خدا تعالیٰ نے ان سب باتوں کو صراحتا اور اشارتا اس آیت کریمہ میں جمع فرمایا ہے انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ الآیۃ یہی سبب ہے کہ تمام ملل ونحل کا یقیناً اس کی قباحت پر اتفاق ہے اور بعض فاقد البصیرت لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حکمت عملیہ کے عتبار سے وہ ایک عمدہ چیز ہے کیونکہ طبیعت کی تقویت ہوتی ہے ان کا یہ گمان حکمت طب کی حکمت عملیہ کیساتھ اشتباہ کے قبیل سے ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ دونوں متغائر ہیں اور اکثر اوقات ان دونوں میں کشاکشی اور تنازع ہو جاتا ہے مثلاً قتال ایسی چیز ہے کہ طب کے اعتبار سے منع ہے کیونکہ اسمیں بدن ... کا قطع کرنا ہے طب کے اعتبار سے جسکی حفاظت واجب اور ضروری ہے اور حکمت ایک عارضہ بدلے دور کرنے کی غرض سے حکمت عملیہ بسا اوقات ...

ضروری جانتی ہے اسی طرح جماع ایک ایسی چیز ہے کہ غلبۂ شہوت اور اسکے چھوڑنے سے ضرر کے اندیشہ کی صورت میں
حکمت طبیہ اسکو واجب کرتی ہے اور بسا اوقات عار کے لاحق ہونے یا سنت راشدہ کی مخالفت پائے جانے سے حکمت
عملیہ اسکو حرام سمجھتی ہے اور ہر فرقہ اور ہر قرن کے دانشمند لوگوں کے نزدیک مصلحت کو طب پر ترجیح ہے اور یہ عقلاء لوگ اس
شخص کو جو مصلحت سے نفع نہ حاصل کرے اور صحت جسمانی حاصل کرنے کے لئے اسکی پابندی چھوڑدے بالاتفاق
فاسق و فاجر اور بدکردار جانتے ہیں۔ خدا تعالے نے ہم کو اس آیت میں اس بات کی تعلیم فرمائی ہے فیہما اثم کبیر و منافع
للناس و اثمھما اکبر من نفعھما۔ اون دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں اور انکا گناہ انکے نفع سے زیادہ بڑا
ہے البتہ نشہ آور چیز کے استعمال کرنے میں جس صورت کے اندر حد سکر کو نہ پہنچے اور اس پر مفاسد مترتب نہ ہوں عقلاء کا
اختلاف ہے اور شریعت مستحکمہ محمدیہ جو سیاست امت و فساد کے اسباب بند کرنے اور احتمال تحریف کے قطع کرنے میں
درجہ کمال کا رکھتی ہے اُس نے اس بات کا لحاظ فرمایا کہ تھوڑی شراب بہت سی کیطرف پہنچاتی ہے اور جبتک نفس کو
شراب سے نہی نہ کیجائے مفاسد سے نہی کرنا کچھ موثر نہیں ہے اس کے لئے مجوس وغیرہ کا پورا حال شاہد ہے اور نیز اگر
بعض شراب کی اجازت کا دروازہ مفتوح کردیا جائے تو سیاست ملیہ کا انتظام ہرگز نہیں ہوسکتا لہذا مطلق شراب کے
ساتھ حرمت متعلق کی گئی خواہ قلیل ہو یا کثیر حدیث شریف میں آیا ہے لعن اللہ الخمر و شاربھا و ساقیھا و بائعھا و مبتاعھا
و عاصرھا و معتصرھا و حاملھا و المحمولۃ الیہ۔ شراب پر اور اسکے پینیوالے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنیوالے اور
نچوڑنیوالے اور نچڑوانیوالے اور منگوانیوالے پر خدا تعالے کی لعنت ہے میں کہتا ہوں جب ایک چیز کے حرام کرنے
اور اسکے نیست و نابود کرنے میں مصلحت قرار پاگئی اور اسکی بابت حکم الٰہی نازل ہوگیا تو ضرور ہوا کہ تمام ان چیزوں سے
نہی کی جائے جنسے اسکی قدر اور لوگوں میں دستور اور رغبت پائی جاے کیونکہ اس میں اس مصلحت کی مخالفت اور شرع
کے ساتھ عداوت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے بہت سی احادیث بیشمار طریقوں اور مختلف
عبارتوں سے منقول ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا ہے الخمر من ہاتین الشجرتین النخلۃ والعنبۃ۔ شراب ان دو درختوں سے
بنتی ہے چھوارے کا درخت اور انگور کا درخت اور ایک شخص نے اپنے تبع اور مزر وغیرہ کی بابت دریافت کیا تو آپ
نے فرمایا جو نشہ لائے وہ حرام ہے اور آپ نے فرمایا ہے ہر نشہ آور شراب ہے اور نشہ آور حرام ہے۔ اور جو چیز بہت ساری
نشہ لائے وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے اور جس کا ایک پیالہ نشہ لائے اُس کا ایک چلو بھی حرام ہے اور جن لوگوں نے
نزول آیت کا مشاہدہ کیا ہے انکا قول ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی ہے اُسوقت میں شراب پانچ چیزوں سے
بنا کرتی تھی انگور۔ چھوارہ۔ گیہوں۔ جو۔ شہد۔ اور خمر یعنی شراب اُس چیز کا نام ہے جو عقل کو مخمور کرے اور نیز انہیں کا
قول ہے کہ جب شراب حرام کی گئی ہے تو شراب انگوری بہت کم میسر ہوتی تھی اور اکثر شراب گدر چھواروں یا خشک
چھواروں کی ہوا کرتی تھی اور جب آیت کا نزول ہوا ہے تو لوگوں نے شراب کے مٹکے جو گدر چھواروں کے بنی ہوئی تھی پھوڑ
ڈالے اور قوانین شرع کا یہی مقتضیٰ ہے کہ مطلق شراب حرام ہو اسلئے کہ شراب انگوری کے خاص ہونیکے کیا معنی ہو سکتے ہیں
حرام ہونے کی وجہ صرف عقل کا زائل کرنا اور قلیل کا کثیر کیطرف داعی ہونا ہے لہذا مطلق شراب کی حرمت کا قائل ہونا

ضروری ہوا اور اس زمانہ میں کسی شخص کو جائز نہیں کہ جو شراب انگور سے نہ بنائی جاوے یا مد سکار ہے استعمال کیجاوے
اسکی حلت کا قائل ہوا البتہ چند صحابہؓ اور تابعین کو شروع شروع میں یہ حدیث نہ پہنچی تھی اسلئے وہ معذور تھے اور جب حدیث
تمام میں پہونچگئی اور نصف النہار کے مانند یہ بات ظاہر اور عیاں ہوگئی اور یہ حدیث صحت کے درجہ کو پہونچ گئی لیشربن ناس
من امتی الخمر یسمونہا بغیر اسمہا۔ بالتحقیق میری امت کے لوگ شراب پیا کرینگے اور شراب کے سوا اور کچھ اس کا نام رکھینگے تو
اب کوئی عذر باقی نہیں رہا اعاذنا اللہ تعالے والمسلمین من ذلک اور آنحضرت صلعم سے کسی شخص نے شراب سے
سرکہ بنانے کی نسبت سوال کیا تو آپ نے اسکو منع فرمایا اس سائل نے کہا میں دوا کے لئے اسکو بناتا ہوں تو آپنے
فرمایا وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے میں کہتا ہوں چونکہ لوگ شراب کے حریص تھے اور اسکے پینے کے لئے حیلے کیا
کرتے تھے اسلئے مصلحت تامہ اسمیں ٹھہری کہ بہرحال اس سے نہی کیجاوے تاکہ کسی کو کوئی حیلہ اور عذر باقی نہ رہے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے نبیذ تمر اور زبیب یعنی گدرچھوارے اور نبیذ کشمش اور چھوارے اور نبیذ زہو اور رطب سے منع فرمایا ہے اور
زہو ان گدرچھواروں کو کہتے ہیں جنمیں سرخی نمودار ہوجاتے اور رطب تازہ پکے ہوے چھواروں کو کہتے ہیں میں کہتا ہوں اسکی
وجہ یہ ہے کہ ملانے کے سبب سے مزہ بدلنے سے پہلے ہی ان چیزوں میں نشا پیدا ہوجاتا ہے جسکے سبب سے پینے والے کو گمان ہوتا ہے
کہ وہ مسکر نہیں ہے حالانکہ وہ مسکر ہوتا ہے اور رسول اللہ صلعم جب کسی چیز کو پیا کرتے تھے تو تین سانسوں سے پیا کرتے ہیں
اور فرماتے تھے کہ اس سے سیرابی خوب ہوتی ہے اور کچھ تکلیف نہیں ہوتی اور طبیعت کو خوب گوارہ ہوتا ہے میں کہتا ہوں
اسکی یہ وجہ ہے کہ معدہ میں جب تھوڑا تھوڑا پانی پہونچتا ہے تو طبیعت جہاں اسکو ضروری سمجھتی ہے اچھی طرح صرف کرتی ہے
اور جب دفعتاً بہت سا پانی اسپر غلبہ کرتا ہے تو اسکے اندر صرف کرنے میں متحیر ہوجاتی ہے بارد المزاج آدمی کے معدہ میں جب بہت سا
پانی دفعتاً پہونچتا ہے تو معدہ اسکی مزاحمت واقع ہونے سے اسکی قوت ضعیف ہوجاتی ہے اور اس شخص کی برودت اور
زیادہ ہوجاتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ تدریج سے اسقدر پانی پہونچے اور حار المزاج آدمی کے معدہ میں جب دفعتاً پانی پہونچتا
ہے تو ان دونوں میں مدافعت ہوتی ہے اور برودت پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی تاکہ عمدہ طور پر اسکی سیرابی ہو اور جبکہ
بتدریج پانی پیتا ہے تو اول مزاحمت ہوتی ہے اور بعد کو پھر برودت کو غلبہ ہوجاتا ہے اور آنحضرت صلعم پانی کے برتن
سے منھ لگا کر پانی پینے سے اور مشک وغیرہ کے دہانے اور ٹوٹنے کے پانی پینے سے منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ
وجہ ہے کہ جب مشک کا منہ دہرا کرے کوئی شخص اس سے پانی پئے تو پانی اسمیں سے چھلکر دفعتاً اس کی حلق میں پہونچیگا
اور اس سے درد جگر پیدا ہوجاتا ہے اور معدہ کو ضرر پہنچتا ہے اور نیز پانی کے دفعتاً منہ میں آنے سے نکا وغیرہ متغیر نہیں ہوتا
اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشک کو منہ لگا کر پانی پیا تھا تو ایک سانپ اس کے حلق میں پانی کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور
رسول اللہ صلعم نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہوکر پانی پیا۔
میں کہتا ہوں کہ یہ نہی ندب اور ارشاد کے لئے ہے کیونکہ بہتر یہی صورت بیٹھکر پینا ہے اور سیرابی اور نفس کو سیری اسی عمدہ طرح
حاصل ہوتی ہے اور طبیعت کی اس پانی کو محل پر صرف کرنے کی بہتر یہی صورت یہی ہے اور آنحضرت صلعم کا فعل بیان جواز کیلئے اور
آپ نے فرمایا ہے الایمن فالایمن۔ داہنی طرف کا پس داہنی طرف کا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے آپکی مراد قطع منازعت ہے

سلئے کہ اگر فضل کا مقدم کرنا مقرر کیا جاتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ ایک شخص کی فضیلت کو سب لوگ نہ مانتے اور بسا اوقات ایک
کے مقدم کرنے سے دوسرے کو ملال پہونچتا اور آنحضرت صلعم نے برتن میں سانس لینے یا اسمیں پھونک مارنے سے منع
فرمایا ہے میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ پھونکنے یا سانس لینے سے منہ یا ناک سے کسی ناگوار چیز کے گرنے کا خیال ہوتا ہے
جسکے سبب سے ایک حیثیت قبیحہ پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سموا اذا انتم شربتم واحمدوا اذا
انتم رفعتم جب کوئی چیز پیو تو بسم اللہ پڑھا کرو اور جب تم کھانا اٹھایا کرو تو خدا تعالےٰ کا شکر کیا کرو اس کا راز ہم بیان
کر چکے ہیں*

لباس اور زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان

معلوم کرو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کی عادات اور لذاید دنیاوی کے اندر منہمک ہونیں انکے تکلفات پر
نظر ڈالی تو انمیں سے جو سب کی جڑ اور سب کی اصل ہیں انکو حرام کیا اور جو انسے کم درجہ کے تکلفات ہیں انکو مکروہ کیا اسلئے
کہ آپ جانتے تھے کہ یہ چیزیں دار آخرت کی بھلانیوالی اور طلب دنیا کی کثرت کے مستلزم ہیں منجملہ ان اصول کے لباس
فاخرہ ہے کیونکہ سب سے زیادہ انکو اسی کا اہتمام ہوتا ہے اور اسی سے انکو بڑا فخر ہوتا ہے اور اس سے کئی طرح پر بحث
کی گئی ہے ازانجملہ کرتے اور ازار کا بہت نیچا کرنا ہے کیونکہ اس سے ستر اور زیبائش جو لباس سے مقصود ہوتی ہے انکو
مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف فخر اور اپنی تونگری وغیرہ دکھانا مقصود ہوتا ہے اور زیبائش صرف اسی قدر میں ہے۔ جو
بدن کے برابر ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاینظر اللہ یوم القیمۃ الی من جر ازارہ بطرا۔ جو شخص اترانے
کی غرض سے اپنی ازار کو کھینچتا چلے تو قیامت کے دن اللہ پاک اسکی طرف نظر نہ کریگا۔ اور نیز فرمایا ہے ازرۃ المومن
الی انصاف ساقیہ لاجناح علیہ فیما بینہ وبین الکعبین وما اسفل من ذلک ففی النار۔ مومن کی ازار اسکی پنڈلیوں کے
نصف نصف تک ہوتی ہے نصف اور ٹخنوں کے مابین جو کچھ ہو اسپر مضائقہ نہیں ہے اور جو اس سے نیچی ہے
تو وہ آگ میں ہے اور ازانجملہ ریشم اور نازک قسم کے کپڑے ہیں اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من لبس الحریر فی الدنیا
لم یلبسہ یوم القیمۃ۔ جس نے دنیا میں حریر پہن لیا تو وہ قیامت کے اسکو نہ پہنے گا اسکی وجہ وہی ہے جو ہم شراب میں بیان کر
چکے حریر و دیبا کے پہننے اور قسی اور میاثر اور ارجوان کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور بقدر دو انگشت یا تین کے اجازت
دی ہے کیونکہ اسقدر استعمال کرنا پہننے میں داخل نہیں ہے قسی وہ کپڑا ہے جو کتان و حریر سے بنا جاتا ہے میاثر میثرہ
کی جمع ہے میثرہ ایک چھوٹا تکیہ ہوتا ہے جسکو سوار اپنے نیچے رکھ لیتا ہے شاید اس سے یہاں وہ تکیہ مراد ہے جو حریر سے
بنا ہوا ہو یا کسی تکلف سے ہے۔ ارجوان ایک سرخ رنگ ہے اور یہاں سرخ کپڑا مراد ہے اور آنحضرت صلعم نے حضرت زبیر
و حضرت عبدالرحمن بن عوف کو حریر کے پہننے کی اجازت عطا فرمائی اسلئے کہ انکے بدن میں خارش ہو گئی تھی وہاں کپڑے پہننے
سے ترفع مقصود نہ تھا بلکہ خارش کا جاتا رہنا مقصود تھا۔ اور ازانجملہ وہ کپڑا ہے جو کسی ایسے رنگ سے رنگا ہوا ہو جس سے
سرور و فخر پیدا ہوتا ہے اور انمیں دکھاوا پایا جاتا ہے اسلئے آنحضرت صلعم نے کسم کا رنگے ہوئے اور زعفرانی کپڑے سے

سختی فرمائی اور خبر دی کہ یہ دوزخیوں کے لباس میں سے ہے اور آپ نے فرمایا الا طیب الرجال ریح لا لون له وطیب النساء لون لا ریح له۔ خبردار رہو کہ مردوں کی خوشبو وہ بو ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ رنگ ہے جسمیں خوشبو نہ ہو اور رسول خدا صلعم کے ان ارشادات میں کہ ان البذاذة من الایمان۔ زینت کا ترک کرنا ایمان سے ہے اور من لبس ثوب شهرة فی الدنیا البسه الله ثوب مذلة یوم القیامة۔ جس نے شہرت کے لئے دنیا میں کپڑا پہنا قیامت کے دن خدا تعالیٰ اُس کو ذلت کا کپڑا پہنائیگا اور ان ارشادات میں کچھ منافات نہیں ہے کہ ان الله یحب ان یری اثر نعمته علی عبده خدا تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اسکی نعمت کا اثر اُس کے بندہ پر نظر آئے اور آنحضرت صلعم نے ایک شخص کے سر کو منتشر دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اسکو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے کہ بالوں کو درست کرے اور اور ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اسکو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے کو دھوئے اور آپ نے فرمایا ہے کہ جب خدا تعالیٰ تجکو مال دے تو مناسب ہے کہ اسکا انعام و اکرام تجھ پر نظر آئے۔ ان احادیث میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو امر ہیں اور وہ فی الحقیقت مختلف ہیں مگر بظاہر ان میں اشتباہ ہوتا ہے انہیں سے ایک تو صفت مذموم ہے اور ایک شارع کو مطلوب ہے مقصود یہ ہے مطلوب تو تجمل کا ترک کرنا ہے اور لوگوں کے درجات مختلف ہونے سے اسمیں بھی اختلاف ہوتا ہے مثلاً جو چیز لوگوں کے اعتبار سے تجمل میں داخل ہوتی ہے فقرا کے اعتبار سے وہ اسراف میں داخل ہوتی ہے اور نیز شارع کو بخل اور تعمق یا عجم کی عادات کا ترک کرنا اور پاکیزگی اور پسندیدہ اخلاق کا اختیار کرنا مطلوب ہے اور مذموم تکلفات اور دکھاوے کیلئے کپڑا پہننا اور کپڑوں سے تفاخر کرنا اور فقراء کی دلشکنی کرنا وغیرہ امور ہیں اور الفاظ حدیث میں ان معانی کیطرف اشارے واقع ہوئے ہیں جیسا کہ تامل پر واضح ہے اور جزا کا مدار واعیہ کبر اور فخر کے اتباع سے نفس کے باز رکھنے پر ہے اور آنحضرت صلعم جب کوئی جدید لباس پہنتے تھے اسکا نام عمامہ یا کرتہ یا چادر لیکر فرماتے تھے اللهم لک الحمد کما کسوتنیه اسالک خیره وخیر ما صنع له واعوذ بک من شره وشر ما صنع له۔ اسکی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ومنجملہ ان اصول کے اعلیٰ درجہ کا زیور ہے اور یہاں دو اصل ہیں ایک تو یہ ہے کہ سونا ایک ایسی چیز ہے جسپر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اور اگر سونے کے زیور پہننے کا دستور جاری ہو تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے بخلاف چاندی کے اسلئے آنحضرت صلعم نے سونے کی بابت تشدد فرمایا اور فرمایا ولیکن علیکم بالفضة فالعبوا بها۔ مگر تم چاندی کو اختیار کرو پس اُس سے کھیلا کرو۔ دوسری اصل یہ ہے کہ عورتوں کو آراستگی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ انکے خاوند انکو رغبت ہو یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں بنسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی کا زیادہ تر دستور ہے اسلئے ضروری ہوا کہ عورتوں کو بنسبت مردوں کے زیادہ تر زینت کی اجازت دیجائے لہذا حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ احل الذهب والحریر لاناث من امتی وحرم علی ذکورها۔ سونا اور حریر میری امت کی عورتوں کو حلال اور مردوں کو حرام کیا گیا۔ ایک شخص کے ہاتھ میں حضرت صلعم نے سونے کی انگوٹھی دیکھکر فرمایا تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارہ کا ارادہ کرکے اسکو اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ چاندی کی انگوٹھی کو مردوں کے لئے بھی آپ نے اجازت عطا فرمائی ہے خاصکر صاحب حکومت کیلئے اور فرمایا کہ برابر ایک مثقال کے اس کو مت پورا کر

اور آنحضرت صلعم نے عورتوں کو سونے غیر مقطع سے منع فرمایا اور غیر مقطع وہ ہے جو ایک ہی ٹکڑے سے بنی ہو اور آنحضرت صلعم نے فرمایا اور جو کوئی اپنے دوست کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہئے تو وہ اسکو سونے کا حلقہ پہنائے من احب ان یحلق حبیبہ حلقۃ من النار فلیحلقہ حلقۃ من ذہب ۔ اور اسی قاعدہ پر ہنسلی اور کنگن کو ذکر کیا اور اسی طرح سونے کے ہار اور نیز سونے کی کان کی بالیوں اور سونے کے توڑے کے باب میں تصریح آئی ہے اور آنحضرت صلعم نے اس حکم کی وجہ بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ تم میں سے کوئی عورت دکھانے کے لئے زیور نہیں پہنتی مگر اسکی زیور سے وہ عذاب دیجاویگی حضرت ام سلمہؓ کے پاس سونے ایک ہیکل تھی اور ظاہر یہ ہے کہ وہ مقطع کے قبیلہ سے تھی اور آنحضرت صلعم نے جو فرمایا ہے کہ عورتوں کے لئے سونا حلال ہے اُس کے یہی معنی ہیں کہ فی الجملہ حلال ہے یہ جو کچھ کہ ہم نے بیان کیا ان احادیث کا مفہوم ہے اور مجکو ان احادیث کا کوئی معارض نہیں ملا اور فقہاء کا جو اسمیں مذہب ہے وہ معلوم و مشہور ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔

اور از انجملہ بالوں کی زینت ہے اسکے اندر لوگوں کے مختلف طریقے تھے ۔ مجوس تو اپنی داڑھیوں کو منڈواتے اور موچھوں کو بڑھاتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اسکے خلاف تھا اسلئے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب ۔ مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور موچھوں کو خوب ترشواؤ ۔ اور کچھ لوگ پراگندہ حال رہنے اور ذلت اور ہیئت رہنے کو پسند کرتے تھے اور آرائش و زینت سے ان کو نفرت تھی اور کچھ لوگ آرائش میں نہایت تکلف کرتے تھے اور اُس کو ایک فخر کی بات سمجھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے پس ان سب کے طریقوں کا نیست و نابود کرنا منجملہ مقاصد شریعہ کے ٹھہرا کیونکہ شرائع کا مبنی افراط اور تفریط کے مابین حالت پر اور ان دونوں مصلحتوں کے جمع کرنے پر ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الفطرۃ خمس الختان والاستحداد وقص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط فطرۃ ۔ پانچ چیزیں ہیں ختنہ کرنا اور موئے زیر ناف لینا اور موچھ کا ترشوانا اور ناخنوں کا ترشوانا اور بغل کے بالوں کا اکھاڑنا ؛ پھر اس کے معین کرنے کی ضرورت پڑی تاکہ اُس طریقے کے مخالف انکار متوجہ ہو سکے اور ایسا نہ ہو کہ تورع لوگ ہر روز بال مونڈا کریں اور اکھیڑا کریں اور متہاون لوگ سال سال بھر تک خبر نہ ہوا کریں لہذا موچھوں کے اور ناخنوں کے ترشوانے اور بغل کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف کے بال مونڈنے کی یہ مدت مقرر کی گئی کہ چالیس روز سے زیادہ دیر نہ کرے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ۔ ان الیہود والنصاریٰ لایصبغون فخالفوہم ۔ یہود و نصاریٰ نہیں رنگتے ہیں پس تم ان کی مخالفت کرو یعنی تم حنا سے رنگا کرو اور اہل کتاب سدل کیا کرتے تھے اور مشرک لوگ فرق کیا کرتے تھے پس آنحضرت صلعم نے اول سدل کیا اور بعد کو فرق کیا سدل کے معنی پیشانی کے بالوں کا منہ پر چھٹا رکھنا ہے اور یہ ایک بیکلی کی صورت ہے اور فرق بالوں کے دو حصے کرکے ہر حصہ کو کنپٹی کی طرف پہونچا دینے کو کہتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے چھے رکھنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہیئت شیطانی اور ایک قسم کا شلہ ہے جسکو تمام نفوس بجز انکے جو اسکے عادی ہوکر مانوس ہو گئے ہیں کروہ جانتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من کان لہ شعر فلیکرمہ جس کسی کے بال ہوں تو انکی عزت کرنی چاہئے اور آنحضرت صلعم نے کنگھی کرنے سے بجز تیسرے روز کے

منع فرمایا ہے اس سے آپکی مراد افراط و تفریط میں توسط ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے لعن اللہ الواشمات والمستوشمات
والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ۔ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال اکھڑوانے والیوں
اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کے ریتوانے والیوں پر جو خلق الٰہی کو بدلتی ہیں خدائے تعالیٰ کی لعنت ہے اور اسی طرح
آنحضرت صلعم نے زنانے مردوں اور مردانی عورتوں پر لعنت کی ہے میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے
نوع اور ہر صنف کو اُس کے بدن میں ظہور احکام کا مقتضی بنایا ہے مثلاً مردوں کے اندر دلیری وغیرہ کا شوق اور عورتوں کے
اندر خوشی اور سرور کی باتیں سننے کی رغبت پیدا کی ہے پس اپنی استعداد کے اعتبار سے جو حالت ہو وہ بدل جاتی ہے
کچھ احکام کا مقتضی ہونا بعینہ اُن احکام کی اضداد سے نفرت کرنا ہوتا ہے لہذا ہر نوع اور ہر صنف کا اسکے مقتضائے
فطرت کے موافق باقی رہنا پسندیدہ ہوا اور تغییر خلق اللہ لعنت کا سبب ٹھہرا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
خچر پیدا ہونے کیلئے گھوڑے کو گدھے سے گابن کرانے سے نہی فرمائی ہے اگر بعض قسم کی آرائش تو ایسی ہوتی ہے جو
طبیعت کے فعل کی تقویت اور اُسکی تائید اور اُس کی پیروی ہوتی ہے مثلاً سر میں تیل ڈالنا اور کنگھی کرنا اور یہ آرائش پسندیدہ
چیز ہے اور بعض قسم کی آرائش فعل طبیعت کے مخالف ہوتی ہے جیسے انسان کو حیوانات کی ہیئت بنانا اور بعض قسم کی
زینت ہے جسمیں تکلف کر کے نئی نئی چیزوں کا ایجاد پایا جانے طبیعت جسکی مقتضی نہیں ہے اس قسم کی آرائش بھی ناپسندیدہ
ہے اگر انسان کو اُس کی فطرت کے ساتھ چھوڑ دیا جاے تو انسان ضرور اُسکو برا خیال کرے اور از انجملہ کپڑوں اور
دیواروں اور فرش میں تصاویر کا بنانا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے نہی فرمائی ہے اور اس نہی کا مدار
دو باتوں پر ہے ایک تو یہ کہ اسمیں زینت اور آرائش کی صورت ہے اسواسطے کہ وہ لوگ نقوش و رہنے فخر کیا کرتے تھے اور بالکل
اُنمیں صرف کیا کرتے تھے پس اسکا حال بھی حریر کے مانند ہوا اور یہ امر درخت وغیرہ کی تصویر میں بھی موجود ہے۔ دوسری بات
یہ ہے کہ تصاویر میں مشغول رہنا اور انکا بنانا اور ان کی طرف رغبت کرنے کا دستور جاری ہونا یہ امر سبب ہوا اس سے
بت پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور اسمیں بتوں کی عظمت اور بت پرستوں کیلئے انکی یاد دہانی اور اکثر امتوں میں بت پرستی
کے جاری ہونے کا منشا یہی واقع ہوا ہے اور یہ بات صرف حیوانات کی تصویر میں پائی جاتی ہے اسی واسطے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے مورتوں کے سر کاٹنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ درخت کی صورت پر ہو جائیں اور درختوں کی تصویر میں
اسقدر قباحت نہیں لازم آتی اور فرمایا ہے ان بیت الذی فیہ الصورۃ لا تدخلہ الملائکۃ۔ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس
میں فرشتے نہیں آتے اور فرمایا ہے کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسا فیعذبہ فی جہنم۔ ہر مصور آگ میں
ہے جو جو تصویر اُس نے بنائی ہے ہر ایک کے بدلے میں اسکے لئے ایک نفس مقرر کیا جائیگا وہ نفس اُسکو جہنم کے اندر
عذاب دیگا۔ اور فرمایا ہے من صور صورۃ عذب وکلف ان ینفخ فیہ ولیس بنافخ۔ جس نے کوئی مورت بنائی ہے
اُسکو عذاب دیے جائینگے اور کہتے جائینگے کہ اسمیں جان ڈال اور وہ جان نہ ڈال سکیگا میں کہتا ہوں چونکہ تصاویر کے
اندر بتوں کے معنی پائے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں بتوں اور بت پرستوں پر لعنت اور غضب کا مقتضا پایا جاتا ہے تو
ضرور ہے کہ ملائکہ کو ان سے نفرت ہو اور جب تمام لوگ قیامت کے روز اپنے اپنے اعمال کے ساتھ متمثل ہونگے تو ان

مصور کا عمل اُن نفوس کی صورت میں متمثل ہوجائیگا تصویر بناتے وقت جنکا اُسنے تصور کیا تھا اور اُسنے نقل بنانی چاہی تھی
اسواسطے کہ انہیں نفوس کی صورتمیں ظاہر ہونا نہایت مناسب ہے اور اِس مصور نے اُن حیوانات کی نقل بنانے پر جو اقدام
کیا ہے اور اس بات میں کوشش کی ہے کہ نقل بنانے میں کمال کے مرتبے کو پہنچاوے قیامت کے روز اسکا ظہور اس
شکل پر ہوگا کہ اُس سے کہا جائیگا اس تصویر میں جان ڈال اور وہ نہ ڈال سکیگا اور ازانجملہ غم غلط کرنیوالی چیزونمیں مشغول ہونا ہے
ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنکی وجہ سے نفس کو دنیا و آخرت سے بیخبری ہوجاتی ہے اور اوقات ضائع ہوتی ہے مثلاً معرف اور
شطرنج اور کبوتر بازی اور جانوروں کا لڑوانا وعلی ہذالقیاس کیونکہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوتا ہے پھر اسکو کھانے
اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات پیشاب پاخانہ روکے بیٹھا رہتا ہے اور وہاں سے نہیں اٹھتا پھر اگر
ایسی چیزونمیں مشغول رہنے کا دستور عام ہوجاوے تو تمام شہر والے شہر پر بھاری پڑجائیں اور اپنی جان کی درستی کی انکو خبر نہ
رہے معلوم کرو کہ راگ اور رقص ولیمہ وغیرہ کے اندر تمام عرب و عجم کی عادات اور خصلت میں داخل ہے اسواسطے کہ یہ سرور
اور خوشی کے حال کا مقتضی ہے اور اُن چیزوں میں سے نہیں ہے جس سے دین و دنیا خراب ہوجائے اور ان چیزونمیں
مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام ملک حجاز اور تمام آبادیوں بستیوں میں فرح اور سرور سے
جو ایک مطلوب چیز ہے زائد ہوں وہ چیزیں شنیع اور دنیا و عاقبت کی خراب کرنے والی ہیں مثلاً مزامیر۔ اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے من لعب بالنرد فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ۔ جس نے شطرنج کھیلا گویا اُس نے اپنا ہاتھ خنزیر
کے گوشت اور اس کے خون میں رنگا اور حدیث شریف میں آیا ہے لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر
والمعازف۔ میری امت میں بلاشبہ کچھ گروہ ایسے ہونگے جو فرج اور حریر اور شراب اور کھیل کی چیزوں کو حلال
سمجھینگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اعلنوا النکاح واضربوا علیہ بالدف۔ نکاح کا اعلان کرو اور اس
پر دف بجاؤ۔ پس لاہی دو قسم کی ہیں ایک حرام یہ وہ کھیل کی چیزیں ہیں جو طرب اور سرور پیدا کرنے کے لئے استعمال
کی جاتی ہیں مثلاً مزامیر اور ایک مباح وہ ولیمہ وغیرہ میں اظہار سرور کی غرض سے دف بجانا اور گانا ہے۔ اور
حدی اصل میں تو وہ ہوتی ہے جو اونٹوں کے اندر جولانی کرنے کی غرض سے پڑھی جاتی ہے مگر یہاں مطلق خوش الحانی
اور گھٹاؤ بڑھاؤ کے ساتھ کسی چیز کا پڑھنا مراد ہے وہ بھی مباح ہے اسواسطے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے
دنیا و آخرت سے بیفکری ہوجائے بلکہ وہ ملال دور کرنے والی چیز ہے اور آلات جنگ سے بازی کرنا مثلاً تیر بازی
کرنا یا گھوڑے کا پلٹنا یا نیزہ بازی کرنا تو فی الحقیقت یہ چیزیں کھیل میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے مقصود شرعی
حاصل ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم کے روبرو آپ کے ہی مسجد شریف میں ایک مرتبہ حبشیوں نے پٹا کھیلا ہے۔ اور
ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو کبوتر کے پیچھے پیچھے جاتا دیکھا تو آپ نے فرمایا ایک شیطان ہے جو اپنے شیطان کے
پیچھے جارہا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمائی ہے وازانجملہ حاجت سے زیادہ
ثروت دکھانے اور فخر کرنے کے لئے سواریوں اور فرش فروش کا اکٹھا کرنا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے فرش للرجل وفراش لامرأتہ والثالث للضیف والرابع للشیطان۔ ایک بستر تو مرد کے لئے ہوتا ہے اور ایک اسکی

بیوی کے لئے اور تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یکون ابل للشیاطین و
بیوت للشیاطین یعنی اونٹ شیاطین کے لئے اور بعضے گھر شیاطین کے لئے ہوتے ہیں ابوہریرہ فرماتے ہیں شیاطین کے لئے
اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں تم میں سے کوئی شخص عمدہ عمدہ اونٹنیوں کو فربہ کر کے اپنے ساتھ لیکر نکلتا ہے اور ان میں سے کسی
پر سوار نہیں ہوتا اور راستہ میں اسکو کوئی بھائی مسلمان ملتا ہے جسکے پاس سواری وغیرہ نہیں ہوتی تو وہ اسکو بھی نہیں سوار
کرتا۔ اور اہل جاہلیت کو کتے پالنے کا بھی بڑا شوق تھا اور کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے ملائکہ مقربین کو تکلیف پہنچتی ہے
کیونکہ اسکو شیاطین کے ساتھ مشابہت ہے جیسا کہ چھپکلی کے اندر ہم نے بیان کیا ہے لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
اس کے گھر میں رکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا من اتخذ کلبا الا کلب ماشیة او صید او زرع انتقص من اجرہ کل یوم
قیراط وفی روایة قیراطان۔ جو شخص کتا رکھے بجز اس کتے کے جو مواشی یا شکار یا کھیتی کے لئے ہو ہر روز اس کے اجر میں
سے ایک قیراط گھٹتا رہتا ہے اور ایک روایت میں دو قیراط آیا ہے اور بندر اور خنزیر کے پالنے کا بھی حکم کتے کے
پالنے کے مانند ہے۔ میں کہتا ہوں اجر کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قوت بہیمی کو مدد پہونچتی ہے اور ملکیت
مغلوب ہوتی رہتی ہے اور قیراط کی مقدار کو تمثیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور اس سے جزء قلیل مراد ہے لہذا آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک قیراط اور دو قیراط کے ساتھ بیان کرنے میں کچھ منافات نہ ہوئی۔ اور از انجملہ سونے چاندی
کے ظروف کا استعمال کرنا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الذی یشرب فی اناء الفضة انما یجرجر فی بطنہ
نار جہنم جو شخص چاندی کے برتن سے پیتا ہے بلاشبہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاتشربوا فی اٰنیة الذہب والفضة ولا تاکلوا فی صحافہا فانہا لہم فی الدنیا ولکم فی الآخرة۔ سونے
اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ اس کی رکابیوں میں کھاؤ کیونکہ ان کے لئے تو وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے
لئے وہ آخرت میں ہیں۔ اور سابقا ہم جو بیان کر چکے ہیں اس سے اسکی وجہ صاف صاف معلوم ہو سکتی ہے اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خمروا الاٰنیة واوکوا الاسقیة واجیفوا الابواب واکفتوا صبیانکم عند المساء فان للجن
انتشارا وخطفة واطفئوا المصابیح عند الرقاد فان الفویسقة ربما اجترت الفتیلة فاحرقت اہل البیت۔ شام کے
ہوتے ہی برتنوں کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزوں کے دہانے باندھ دیا کرو۔ اور دروازوں کو بند کر دیا کرو اور
اپنے بچوں کو اکٹھا کر لیا کرو کیونکہ جن پھیلے رہتے ہیں اور اچکتے پھرتے ہیں اور سوتے وقت چراغوں کو گل کر دیا کرو
اس واسطے کہ فویسقہ یعنی چوہا اکثر فتیلے کو کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو پھونک دیتا ہے اور ایک روایت میں اس
کے ساتھ یہ بھی آیا ہے فان الشیطان لا یحل سقاء ولا یفتح بابا ولا یکشف اناء کیونکہ شیطان مشک کو نہیں کھولتا اور
نہ دروازہ کو کھولتا ہے اور نہ برتن کو کھولتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے فان فی السنة لیلة ینزل
فیہا وباء لا یمر باناء لیس علیہ غطاء او سقاء لیس علیہ وکاء الا نزل فیہ من ذلک الوباء۔ کیونکہ سال بھر میں ایک رات
ایسی ہوتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے پھر اس وبا کا جس کسی برتن بغیر ڈھکنے پر یا بغیر بندھی ہوئی مشک
پر گذر ہوتا ہے ضرور اس میں اس وبا میں سے کچھ نازل ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شام کے وقت جنات کے

چھپ جانے کا یہ سبب ہے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے ظلمانی ہیں پس جہان میں تاریکی پھیلنے سے اُن کو جمعیت اور
سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ جہان میں منتشر ہو جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ شیطان بند
چیز کو نہیں کھولتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ہم نے دیکھا ہے کہ شیاطین کا اثر افعال طبیعہ کے ضمن میں ہوا کرتا ہے
مثلاً کسی گھر میں ہوا گندہ ہوتا ہے تو جنات اکثر اُسکے ساتھ گھر میں گھس جاتے ہیں یا کسی پتھر کو اوپر سے دھکیلا جائے
اور اُس کے لڑھکانے میں کوشش کی جائے تو مقتضائے عادت سے زیادہ وہ جنات کے اثر سے لڑھک جاتا
ہے وعلی ہذا القیاس اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ سال بھر میں ایک شب ایسی ہوتی ہے جسمیں وبا
کا نزول ہوتا ہے اُس کے یہ معنی ہیں کہ مدت دراز کے بعد ایک ایسا وقت پیدا ہو جاتا ہے جسمیں ہوا بگڑ جاتی ہے اور
میں نے ایک مرتبہ اُس کا مشاہدہ کیا ہے جسکی یہ صورت ہوئی کہ مجھے ایک خراب ہوا چلتی ہوئی معلوم ہوئی جس سے
اسی وقت میرے سر میں درد پیدا ہو گیا اور از انجملہ بلند بلند مکان بنانا اور اُنکی زیب و زینت کرنا ہے اس بات
میں بھی لوگ نہایت تکلف کرتے تھے اور مال کثیر اُنمیں صرف کر ڈالتے تھے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت
سخت حکم سنا کر اُسکا علاج کیا اور فرمایا ما انفق المومن من نفقة الا اوجر فیہا الا نفقتہ فی ہذا التراب - مومن کوئی خرچ ایسا
نہیں کرتا جس میں اُسکو اجر نہ دیا جائیگا بجز اُس خرچ کے جو اس مٹی میں کرتا ہے - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ان کل بناء وبال علی صاحبہا الا ما لا الا ما لا یعنی الا ما لا بد منہ ہر عمارت اپنے بنانے والے پر وبال ہے مگر ہاں مگر ہاں
یعنی جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس لی اولنبی ان یدخل بیتا مزوقا میرے
لئے جائز نہیں یا کسی نبی کیلئے جائز نہیں ہر کسی آراستہ گھر میں داخل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ لم یامرنا ان
نکسو الحجارة والطین - خدا تعالے نے ہم کو اس بات کا حکم نہیں دیا ہے کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنا دیں اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر لوگوں کا دستور تھا کہ اپنے امراض اور مصائب میں طب اور منتر سے کام لیا کرتے
تھے اور کسی آئندہ چیز کے معلوم کرنے میں فال اور شگون اور خطوط سے کام لیا کرتے تھے اُس کا نام رمل ہے اور
نیز کہانت اور نجوم اور تعبیر خواب سے کام لیتے تھے اور انکے اندر بعض ناسزاوار امور تھے لہذا اُن سے تو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور باقی کو مباح کیا - پس طب کی حقیقت ادویہ حیوانیہ یا نباتیہ یا معدنیہ کے طبائع
کے موافق عمل کرنا اور اخلاط کے اندر تصرف کر کے ان میں کمی بیشی کرنا ہے اور قواعد شرعیہ سے اُنکا ثبوت ہوتا ہے
اس واسطے کہ ان میں شرک کی آمیزش نہیں ہے اور نہ اُن میں دین و دنیا کا کچھ نقصان ہے بلکہ اُنمیں بہت
منفعت اور لوگوں کی جماعت کا مجمع کرنا ہے مگر شراب سے علاج کرنا ممنوع کیا گیا ہے اس واسطے کہ شراب کی جس
کو چاٹ لگجاتی ہے پھر اس کا جانا دشوار ہوتا ہے اسی طرح خبیث ادویہ یعنی سمیات سے حتی الامکان علاج کرنا منع ہے
کیونکہ بسا اوقات اُن سے جان جاتی رہتی ہے اور حتی الامکان داغ دینا بھی منع ہے کیونکہ آگ سے جلانا ایسی
چیز ہے جس سے ملائکہ کو نفرت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جو معالجات مروی ہیں اُنکی اصل وہی تجربات
ہیں جو عرب کے نزدیک تھے اور منتر کی حقیقت اُن کلمات کا استعمال کرنا ہے عالم مثال میں جن کے لئے تحقق اور اثر

نکلتا ہے اگر وہ کلمات شرک سے خالی ہوں تو قواعد شرعیہ انکو رد نہیں کرتی خصوصاً جب کہ وہ کلمات قرآن حدیث سے ہوں جنمیں تضرع الی اللہ تعالیٰ کے معنی پائے جاتے ہیں اور نظر حق ہے . . . . . اور نظر حقیقت میں اس شر اور صدمہ کا نام ہے جو دیکھنے والے کی تاثیر نفس سے اسکو صدمہ پہنچتا ہے جسکو نظر لگائی جائے کسی چیز کے اندر پیدا ہوتا ہے اور یہی جنات کے نظر کا حال ہے اور جن احادیث میں منتر اور تعویذ اور حُب کے عمل وغیرہ سے نہی وارد ہوئی ہے وہ انہیں صورتوں کے ساتھ متعلق ہے جنمیں شرک یا سبب کے اندر استقدر انہماک کے معنی پائے جاتے ہوں جسکی وجہ سے باری تعالیٰ سے غفلت ہو جائے اور شگون بد یا شگون نیک کی حقیقت یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ میں جب کسی امر کا حکم دیدیا جاتا ہے تو بسا اوقات وہ واقعات جو اپنی جبلت کے اعتبار سے ہر چیز کا عکس سرعت کیساتھ قبول کر لیتے ہیں اُس امر کا رنگ پکڑ لیتے ہیں وہ واقعات ایک تو دلوں کے خواطر اور خیالات ہیں اور ایک الفاظ ہیں جو مقصود الیہ بالذات ہوتے ہیں اور ایک وقائع جوئیہ یعنی وہ واقعات جو زمین و آسمان کے مابین فضا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں کیونکہ طبیعت کے اعتبار سے ان واقعات کے اسباب بہت ضعیف ہوا کرتے ہیں اور انکا ایک صورت کے ساتھ خاص ہونا اور دوسری کے ساتھ نہ ہونا اسباب فلکیہ یا ملاء اعلیٰ میں کسی امر کے ثابت ہو جانے کیوجہ سے ہوتا ہے اور عرب کے لوگ ان باتوں سے واقعات آیندہ پر استدلال کیا کرتے تھے چونکہ اسبات میں صرف تخمین کو دخل ہوتا تھا اور وہم کا انگیختہ کرنا بلکہ بسا اوقات کفر اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے اُن کی توجہ ہٹ جائے لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی سے بالکل منع فرما دیا اور خیرھا الفال بہتر انمیں فال ہے یعنی کوئی نیک کلمہ جو نیک آدمی کی زبان سے نکلے کیونکہ وہ ان قباحات سے پاک ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عدویٰ یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگجانے سے انکار فرمایا ہے نہ بایں معنی کہ وہ بالکل ایک بے اصل چیز ہے بلکہ عرب کے لوگ اُسکو ایک سبب مستقل خیال کرتے تھے اور توکل کو بالکل بھول جاتے تھے اور حق بات یہ ہے کہ ان اسباب کی سببیت اسیوقت تک ثابت رہتی ہے جبتک انکے خلاف خدا تعالیٰ کا حکم ثابت نہ ہو اسواسطے کہ حکم الٰہی کے منعقد ہو جانے کے بعد خدا تعالیٰ اُسکو پورا کر دیتا ہے اور نظام بھی بدستور قائم رہتا ہے زبان شرع سے اس نکتہ کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ یہ اسباب عقلیہ نہیں ہیں بلکہ اسباب عادیہ ہیں اور ہامہ (جانور جو قبر میں پیدا ہو جاتا ہے زمانہ جاہلیت کے اوہام کے موافق ہے) اور غول سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے اس واسطے ان امور کے اندر مشغول ہونے سے انکو منع کیا گیا نہ اسواسطے کہ یہ بالکل بے حقیقت چیزیں ہیں یہ نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ احادیث متظاہرہ سے جنات اور جہان میں اُنکے منتشر ہونے اور صدی کا ثبوت ہوتا ہے اور نیز احادیث سے عورت اور گھوڑے اور مکان کے اندر نحوست کی اصل کا ثبوت ہوتا ہے پس لا محالہ انکی نفی باینمعنی ہوگی کہ انکے اندر کا خون رہنا منع ہے اور نہیں مخاصمت نہیں ہو سکتی پس اگر کوئی شخص کسی پر دعوے کرے کہ اسنے اپنا بیمار اونٹ میرے اونٹ کے پاس کر کے اسکو بیمار کر دیا یا مار ڈالا و علیٰ ہذا القیاس اُس کا دعوے مسموع نہ ہوگا اور یہ چیزیں بالکل بے اصل ہو بھی نہیں سکتیں تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہانت یعنی جنات کی خبر بیان کرنے سے نہایت سختی سے نہی فرمائی ہے اور جو شخص کاہن کے پاس جائے اُس سے آپ نے بری الذمہ ہونا بیان فرمایا

پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو آپ نے بیان فرمایا کہ ہوا کے جو میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ اس امر کا باہم ذکر کرتے ہیں آسمان میں جس کا حکم دیا جاتا ہے تو شیاطین خفیہ طور پر وہاں سننے کیلئے جا پہنچتے ہیں اور اسکو سن آتے ہیں۔ اور کاہنوں کو آ کر کہہ دیتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ ایک میں سو جھوٹ ملا لیتے ہیں یعنی اسلئے ہیں جب کوئی قرابت ہوجاتا ہے تو ملائکہ ساتھ پر جو الہام کی قابلیت رکھتے ہیں اسکا القا ہوتا ہے۔ پھر بعض بعض جنات جو ہوشیار اور ذکی ہوتے ہیں ملائکہ سے اسکو معلوم کر لیتے ہیں پس اس بات کا یقین کر لو کہ ان امور کے ساتھ جو کچھ متعلق ہے اس کا مدار اس بات پر نہیں ہے کہ نفس الامر میں وہ چیزیں نہیں پائی جاتیں بلکہ اسواسطے انسے نہی کیگئی ہے کہ ان سب میں خطا اور شرک اور فساد کا اندیشہ ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما۔ کہدے کہ ان دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لئے منفعتیں ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے باقی رہے تنات تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ انکی بھی کچھ اصل ہو کیونکہ شرع نے صرف انکے اندر مشغول رہنے سے منع فرمائی ہے ان کی حقیقت کی نفی بالکلیہ نہیں کی ہے اور اسی طرح سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول رہونا اور مشتغلین کی مذمت اور ان تاثیرات کا قبول نہ کرنا تو برابر چلا آیا ہے مگر ان سے ان چیزوں کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوتا علاوہ بریں ان میں سے بعض اشیا ایسی ہیں جو یقین کے درجہ میں بدیہیات اولیٰ کے درجے کو پہنچ گئی ہیں مثلاً شمس وقمر کے حالات مختلف ہونے سے فصول کا مختلف ہونا وعلیٰ ہذا القیاس اور بعض باتیں فکر یا تجربہ یا رصد سے ثابت ہوتی ہیں جسطرح تجربہ وغیرہ سے مثلاً سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور غالباً انکی تاثیر دو طریقہ سے ہوتی ہے ایک طریقہ تو طبیعت کے قریب قریب ہے یعنی جسطرح ہر نوع کے لئے طبائع مختلف ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ مختص ہوا کرتی ہیں یعنی حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست اور امراض کے دفع کرنے میں ہمیں طبائع سے کام لیا جاتا ہے اسیطرح افلاک اور کواکب کے لئے بھی طبائع خاص اور جدا جدا خواص ہیں مثلاً آفتاب کیلئے حرارت اور اور چاند کیلئے رطوبت اور جب ان کواکب کا اپنے اپنے محل میں گذر ہوتا ہے زمین پر انکی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھو کہ عورتوں کیلئے جو عادات اور اخلاق مخصوص ہیں انکا منشا عورتوں کی طبیعت ہی ہوا کرتی ہے اگرچہ اسکا ادراک ظاہر طور پر نہ ہوسکے اور مرد کیساتھ جو اوصاف مختص ہیں مثلاً جرأت آواز کا بھاری ہونا اسکا منشا بھی اسکی کیفیت مزاجی ہوا کرتی ہے پس تم اس بات سے انکار مت کرو کہ جس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے اسی طرح زہرہ اور مریخ وغیرہ کے قوا سے زمین میں حلول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ جسطرح جنین کے اندر ماں اور باپ کیطرف سے قوت نفسانی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کیساتھ ان عناصر ثلاثہ کا حال ایسا ہی ہے جو ماں باپ کے ساتھ جنین کا حال ہوا کرتا ہے پس یہی قوت جہان کو اولاً صورت نوعیہ اور بعد ازاں صورت انسانیہ کے قبول کرنے کے قابل بناتی ہے اور اتصالات فلکی کے اعتبار سے ان قویٰ کا حال کئی طرح ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں جب کچھ لوگوں نے اسکے اندر غور کرنا شروع کیا تو ان کو ستاروں کا علم یعنی علم نجوم حاصل ہوا اور اسکے ذریعہ سے آئندہ واقعات انکو معلوم ہونے لگے مگر جب مقتضائے الٰہی

آسمانی خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت ایک دوسری صورت میں جو اسی صورت کے قریب ہوتی ہے متصور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے اور کواکب کے خواص کا تمام بھی دادہ رہتا ہے اور شریعت میں نجوم کو اسطرح پر تعبیر کیا جاتا ہے کہ کواکب کے خواص میں لزوم عقلی نہیں ہے بلکہ عادت الٰہی اسطرح جاری ہے اور یہ خواص بمنزلہ امارات اور علامت کے ہیں مگر جب کثرت سے لوگوں کو اس علم میں توغل ہو گیا اور بہت سے اسمیں مشغول ہو گئے تو اس واسطے اسمیں کفر اور خدا تعالیٰ پر ایمان کے قائم نہ رہنے کا احتمال پیدا ہوا کیونکہ جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ تہ دل سے کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کی جہت سے یہ مینہ برسا ہے بلکہ وہ تو خواہ مخواہ یہی کہیگا کہ فلاں تارے کی وجہ سے برسا ہے لہٰذا یہ امر اُس کو اس ایمان سے جو نجات کا دار و مدار ہے ضرر رساں ہوگا اور اگر کسی شخص کو اس علم سے ناواقفیت ہو تو اُسکی یہ ناواقفیت کچھ مضر نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ خود تمام عالم کا منتظم ہے سلطنت کی جو نسق انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو پس ضرور ہوا کہ شرع میں اسکا علم وقعت نہ پائے اور لوگوں کو اس کے سیکھنے سے ممانعت کر دی جاوے اور یہ بات ظاہر کر دی جاوے کہ جتنا نجوم سیکھا اُتنا ہی جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے اسیقدر اسکا وبال ہوگا اس کا حال تورات و انجیل کا سا حال ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ سختی تشدد کیا ہے جو انکے دیکھنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں میں تحریف ہوگئی ہے اور انکے دیکھنے میں احتمال ہے کہ آدمی انکو دیکھکر قرآن عظیم کی ذمہ برداری یک رخے اس واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہی فرمایا ہے جو کچھ بیان کیا ہماری طرف سے اور جماعت فقہا کا ذمہ ہے پس اگر سنت سے اسکے خلاف کچھ ثابت ہو تو جو سنت سے ثابت ہو وہی بات ٹھیک ہے۔

خواب کا بیان

خواب کی پانچ قسم ہیں ایک خواب بشارت الٰہی ہوتی ہے اور ایک اُن ملائکہ اور [illegible] کے متمثل ہونے کی صورت ہے جو ملکی طریقہ پر نفس کے اندر منطبع ہوتے ہیں۔ اور ایک صرف تخویف شیطانی ہوتی ہے اور ایک صرف تخیلات نفسانی ہوتے ہیں حالت بیداری میں جن کا نفس عادی ہوتا ہے قوت متخیلہ میں وہ خیالات محفوظ رہتے ہیں اور وہ خیالات مجتمعہ حس مشترک میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایک خیالات طبیعیہ جو غلبہ اخلاط و نفس کو ان اخلاط سے ایذا پہونچنے پر تنبیہ حاصل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کی خواب یعنی بشارت الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو جو بات [illegible] سے بذریعہ اسباب خفیہ کے جو بالکل معلوم نہیں ہو سکتے جب فرصت حاصل ہوتی ہے تو تجرد اس بات کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جس قسم کے علوم اسکے پاس مخزون اور مجتمع ہوتے ہیں اور یہ خواب تعلیم الٰہی ہوا کرتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں معراج ہوئی اور خدا تعالیٰ کو ایک بہت عمدہ صورت میں آپ نے دیکھا اور خدا تعالیٰ نے آپ کو کفارات اور درجات تعلیم فرمائے اور ایک مرتبہ اور آپ کو خواب میں معراج ہوئی اور دنیاوی زندگی سے علیحدہ ہونیکے بعد مردوں کا جو کچھ حال ہوتا ہے وہ آپ پر ظاہر ہوا چنانچہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے [illegible]

خواب میں معراج ہوئی

کو دنیا کے واقعات آئندہ کا جو کچھ علم ہوا وہ بھی اسی قبیلہ سے تھا اور خواب ملکی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر دو قسم
کے ملکات ہیں حسنہ اور قبیحہ مگر ان ملکات کے حسن و قبح سے وہی شخص واقف ہوتا ہے جسکو صورت ملکی کیطرف تجرد حاصل
ہوتا ہے پس تجرد حاصل ہونے کے بعد اسکو اپنے حسنات اور سیئات صورت مثالیہ میں ظاہر ہو جاتے ہیں ایسا شخص کبھی
خدا یتعالے کے دیدار سے خواب میں مشرف ہوتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص خدا یتعالے کا فرمانبردار ہوتا
ہے ۔ اور کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور اسکی وجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع
اور فرمانبرداری ہوتی ہے اور وہ فرمانبرداری اُس کے دل میں مرکوز ہوتی ہے ۔ اور کبھی وہ شخص خواب میں انوار کا
مشاہدہ کرتا ہے اور اسکی اصل وہ عبادات مکتسبہ ہوتی ہیں جو اُس کے سینہ اور اعضا میں مرکوز ہو رہی ہیں یہی عبادات
نوار اور پاکیزہ پاکیزہ چیزوں کی صورت میں مثل شہد اور گھی اور دودھ کے ظاہر ہوتی ہیں پس جو شخص خواب کے اندر
خدا یتعالے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا ملائکہ علیہم السلام کو بُری صورت یا غضب کی حالت میں دیکھے تو اُس کو سمجھنا
چاہئے کہ اسکا عقیدہ ناقص اور ضعیف ہے اور اُس کا نفس کامل نہیں ہوا اسیطرح طہارت کیوجہ سے جو انوار حاصل
ہوتے ہیں کبھی وہ شمس و قمر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو خواب تخویف شیطانی ہوتی ہے اُسکی اصل حیوانات
ملعونہ سے اس شخص کا ڈرانا ہوتا ہے مثلاً بندر اور ہاتھی اور کتے یا کالے کالے آدمیوں کا خواب میں دیکھنا انسان کو چاہئے
کہ جب خواب میں ایسی چیزیں دیکھے تو خدا کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ پڑھے اور اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے
اور جس کروٹ سے وہ لیٹا ہے وہ کروٹ بدل دے ۔ اور جو خواب بشارت الٰہی کے قبیلہ سے ہوتی ہے اُسکے لئے تعبیر
ہوا کرتی ہے اور تعبیر کا بہتر طریقہ خیالات کا معلوم کرنا ہے کہ کس چیز میں کس چیز کا منفذ ہوتا ہے اور اُس سے کیا مقصود
ہوا کرتا ہے پس کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مسمّیٰ سے اسم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے جس طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے خواب میں اپنے آپکو عقبہ بن رافع کے گھر میں دیکھا اور اُسی خواب میں آپ کے پاس کوئی ابن طاب کے
تر و تازہ چھوارے لایا (ابن طاب ایک قسم کے خاص چھوارے ہوتے ہیں) پس آنحضرت صلعم نے فرمایا میں نے اس خواب
کی یہ تعبیر لی ہے کہ ہم دنیا میں رفعت یعنی سرفرازی اور آخرت میں عاقبت کے ساتھ رہینگے اور ہمارا دین طیب یعنی پاکیزہ
ہو گیا ۔ اور کبھی دو چیزوں میں التزام ہوتا ہے اور ملزوم سے لازم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص خواب
میں تلوار کو دیکھے تو اُس کی تعبیر قتال ہوگی اور کبھی ایک صفت سے ایک ذات کی طرف جو اُس وصف کے مناسب
ہوتی ہے ذہن منتقل ہوتا ہے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو شخص کو جن پر مال کی محبت غالب تھی خواب
میں سونے کے دو کنگن کی صورت میں دیکھا ۔ الحاصل ایک چیز سے دوسری چیز کیطرف ذہن کے منتقل ہونے کی
مختلف صورتیں ہیں ۔ اور یہ خواب نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اسواسطے کہ وہ ایک قسم کا فیضان غیبی اور
خدا یتعالے کی خلق کے ساتھ ایک خاص تقرب کا اثر ہے اور نبوت کی اصل یہی ہے ۔ اور خواب کے اقسام باقیہ کی
کچھ تعبیر نہیں ہوا کرتی ۔

آداب صحبت کا بیان

معلوم کرو کہ منجملہ اُن امور کے جنکو فطرت سلیمہ اور اشخاص انسانی میں باہم حاجات کا واقع ہونا اور ارتفاقات جیسے
کرتے ہیں ایک آداب ہیں جنکا بنی آدم کے افراد باہم برتاؤ کریں۔ اکثر آداب تو ایسے ہیں کہ تمام عرب و عجم نے اتفاق
کر دہ اُن کے اصول پر متفق ہیں اگرچہ صرف صورتوں اور اشباح میں اُن کے اندر اختلاف ہے لہذا اُن آداب سے بحث
کرنا اور اُن آداب میں سے آداب صالحہ اور آداب فاسدہ کو تمیز کرنا اُن علمتوں میں داخل ہوا جن کو پورا کرنے کو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم خلق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ ازانجملہ ایک تحیہ ہے کہ بعض بعض کیلئے اسکو عمل میں لایا کریں کیونکہ
لوگوں کو باہم خوشی اور بشاشت کے اظہار اور اس بات کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ بعض بعض کے ساتھ ملاقات اور
موانست کریں اور چھوٹے بڑوں کو اپنا بزرگ سمجھیں اور بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں اور آپس میں بھائی اور
دوست ہو کر رہیں اس واسطے کہ اگر یہ بات نہیں تو صحبت اور دوستی کا فائدہ اور نتیجہ حاصل نہ ہو اور اگر اس خوشی کے
اظہار کیلئے کوئی لفظ مقرر نہ کیا جائے تو وہ ایک اندرونی چیز ہے جو بدون قرائن سے استنباط کئے معلوم نہ ہو سکے لہذا
ہمیشہ سے ہر گروہ کے سلف کا طریقہ اپنی اپنی رائے کے موافق باہم تحیہ کے برتاؤ کا چلا آتا ہے پھر ہوتے ہوتے انکی
ملت کا شعار اور اپنی ملت کے آدمیوں کے پہچاننے کا طریقہ ہو گیا تھا مشرکین وقت الملاقات ایک دوسرے سے کہا
کرتے تھے انعم اللہ بک عینا اور انعم اللہ بک صباحا اور مجوس کہا کرتے تھے ہزار سال بزی اور تالیف شرعی کا
مقتضے تھا کہ اس بارہ میں اس طریقہ کو اختیار کیا جائے جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور انہوں نے ملائکہ سے اس طریقہ
کو سیکھا ہے اور وہ طریقہ دعا اور ذکر الہی کے قبیلہ سے ہے دنیاوی زندگانی میں دل لگانے کے قبیلہ سے نہیں ہے
مثلاً درازی عمر اور دولت کی تمنا کرنا اور نہ اسمیں تنزل سے تعظیم ہے جو آدمی کو شرک کے قریب کر دے جیسے سجدہ کرنے
اور زمین بوسی میں اور وہ سلام ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خلق اللہ آدم قال اذہب فسلم علے
اولئک النفر وہم نفر من الملائکۃ۔ الحدیث۔ خدا تعالے نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا فرمایا جاؤ پس سلام کرو ان پر گروہ کے
اور وہ ملائکہ کا گروہ بیٹھا ہوا تھا پس تو سن کہ کس چیز سے تیرا تحیہ کرتے ہیں پس آدم علیہ السلام نے جا کر کہا السلام علیکم پس
فرشتوں نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ فرمایا آپ نے پس زیادہ کیا فرشتوں نے ورحمۃ اللہ۔ اللہ پاک نے جو یہ
فرمایا کہ انپر سلام کرو واللہ اعلم اس کے یہ معنی ہیں کہ تحیہ کرو انکے ساتھ اپنی رائے کے موافق پس یہی اُنکی رائے ہوا جی کی
اور انہوں نے کہا السلام علیکم اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ یہ تحیہ تیرا ہے یعنی دیو یا اسواسطے کہ انہوں نے معلوم کیا کہ
حظیرۃ القدس سے اسکا القا ہوا ہے اور خدا تعالے نے جنت کے بیان میں فرمایا ہے سلام علیکم طبتم فادخلوہا خالدین
سلام تمہارے اوپر خوش ہو تم اور ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
لا تدخلون الجنۃ الحدیث۔ نہ داخل ہو گے تم جنت میں جبتک ایمان نہ لاؤ گے اور ایمان والے نہ ہو گے جبتک باہم محبت نہ کرو کیا میں
تمکو ایسی چیز نہ بتلا دوں کہ جب تم اس کو عمل میں لاؤ تو آپس میں دوست ہو جاؤ باہم سلام کا رواج ڈالو اپنے درمیان

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے سلام کا فائدہ اور اسکی مشروعیت کا سبب بیان فرمایا کیونکہ باہم محبت پیدا ہونا
ایسی خصلت ہے جس سے خدا تعالےٰ کی رضامندی ہے پس سلام کا افشا محبت پیدا کرنے کو کافی ذریعہ ہے۔ اور
اسیطرح مصافحہ اور دست بوسی وغیرہ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یسلم الصغیر علی الکبیر الخ چھوٹا بڑے کو
سلام کرے اور گذرنیوالا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ بہت سے لوگوں کو سلام کریں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ سوار پیادہ چلنے والے کو سلام کرے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ لوگوں کا دستور ہے کہ جو کوئی کسی کے گھر آتا ہے
تو وہ گھر والے کو سلام کرتا ہے ورادنے درجہ کا اعلیٰ درجہ والے کو سلام کرتا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایکمرتبہ لڑکوں
پر گذر ہوا اور انکو سلام کیا اور عورتوں پر آپ کا گذر ہوا تو آپ نے انکو سلام کیا اس واسطے کہ آپ نے معلوم کیا کہ انسان کا
اس شخص کو بزرگ سمجھنا جو اس سے بڑا اور اشرف ہو جماعات ملک کا جمع کرتا ہے اور اس میں ایک طرح کی خود پسندی ہے
لہذا آپ نے بڑوں کا طریقہ تواضع اور خوردوں کا طریقہ یہ مقرر کیا کہ بزرگوں کی توقیر کریں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے من لم یرحم صغیرنا الخ۔ جو شخص خوردوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عظمت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور
سوار کے لئے یہ طریقہ کہ پیادہ پا کو سلام کرے اس واسطے مقرر فرمایا کہ سوار عند الناس باہیبت اور اپنی ذات کے اعتبار سے
بڑا ہے اسواسطے اس کے لئے تواضع کا طریقہ مقرر فرمایا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تبدؤا الیہود والنصاریٰ
بالسلام الخ۔ تم یہود ونصاریٰ کو سلام مت کرو اور جب انیں سے تم کو کوئی راستہ میں ملجائے تو انکو تنگ راستہ کیطرف
مجبور کرو۔ میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ منجملہ مصلحتوں کے جن کے اتمام کے لئے حضور نبوی کی بعثت ہوئی ہے ملت اسلامیہ
کی عظمت اور تمام ملل سے اسکو اعلیٰ اور اعظم گرداننا ہے اور یہ بات اسی طرح پائی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کو تمام ملت
والوں پر قدرت اور فضیلت ہو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے السلام علیکم عشر الخ السلام علیکم کی دس
نیکیاں ہیں اور جو شخص ورحمۃ اللہ کہے بیس نیکیاں اور جو شخص وبرکاتہ بھی کہے تیس نیکیاں ہیں اور جو شخص ومغفرتہ بھی زیادہ
کرے تو چالیس درجہ ثواب ہے۔ اور فرمایا اسی طرح فضیلتیں ہوا کرتی ہیں یعنی جس قدر الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اسیقدر ثواب
زیادہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں زیادتی ثواب کیوجہ اور اسکا مدار یہ ہے کہ اسمیں اس چیز کا تمام کرنا ہے جسکو خدا تعالےٰ
نے مشروع کیا ہے اور وہ بشاشت والفت اور درستی اور دعا اور ذکر اور خدا تعالےٰ پر کام کا حوالہ کرنا ہے۔ اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یجزی عن الجماعۃ الخ جماعت کے لئے جب وہ ہو کر گذریں اسقدر کافی ہے
کہ انیں ایک شخص سلام کرے اور بیٹھے ہوئے لوگوں کو اسقدر کافی ہے کہ ان میں سے ایک شخص سلام کا جواب دے
میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ جماعت حقیقت کے اعتبار سے ایک چیز ہے اور انمیں ایک کا سلام کرنا باہمی نفرت کو
دور کر دیتا ہے اور باہم الفت پیدا کر دیتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا انتہی احدکم الی مجلس الخ
تم میں سے جب کوئی شخص کسی جلسہ کیطرف پہونچے تو اگر اس کے دل میں بیٹھنے کا قصد ہے تو بیٹھ جائے اور
جب کھڑا ہو تو اسکو چاہئے کہ سلام کرے پس پہلا سلام کرنا دوسری مرتبہ سلام کرنے سے زیادہ تر سزاوار اور اولیٰ
نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں رخصت کیوقت سلام کرنے میں چند فوائد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اسکی وجہ سے کراہت

ور دل سے کھڑے ہونے نہ ہونے میں تمیز ہوجاتی ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ ضرورت کیوجہ سے قیام کیا ہے اور پھر جو کوئی
بات کہنے کو باقی رہجاتی ہے اسکو پورا کرے اور منجملہ ان فوائد کے یہ ہے کہ اس کا جانا خفیہ طور پر نہ ہو اور [illegible]
مرحبا کہنے اور معانقہ وغیرہ کرنے میں یہ راز ہے کہ مصافحہ وغیرہ سے محبت بڑھتی ہے اور خوشی پیدا ہوتی اور باہمی وحشت
اور نفرت دور ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا التقی المسلمان الخ جب دو مسلمان ملیں اور
مصافحہ کریں اور خدا تعالے کی حمد کریں اور خدا تعالے سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگیں تو ان دونوں کی مغفرت
ہوجاتی ہے میں کہتا ہوں یہ اسواسطے ہے کہ مسلمانوں میں خوشی پیدا ہونا اور باہمی محبت اور مہربانی کا پایا جانا اور
خدا تعالے کے ذکر کا انمیں جاری ہونا خدا تعالے کی رضامندی کا سبب ہے اور قیام میں احادیث مختلف
ہیں پس آپ نے فرمایا من سرہ ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوأ مقعده من النار جسکو یہ بات پسند ہو کہ اسکی خدمت میں
کوئی شخص کھڑا رہے تو اسکو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاتقوموا
کما یقوم الاعاجم یعظم بعضهم بعضا مت کھڑے ہو جسطرح کھڑے ہوتے ہیں عجمی بعض بعض کی تعظیم کے لئے اور
فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے حق میں قوموا الی سیدکم کھڑے ہو طرف سردار اپنے کے
اور حضرت فاطمہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہوجایا
کرتے تھے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ انکو بٹھاتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے
پاس جاتے تھے تو حضرت فاطمہ کھڑی ہوجایا کرتی تھیں اور آپکا دست مبارک پکڑ کر چومتی تھیں اور اپنی جگہ آپ کو بٹھاتی تھیں
میں کہتا ہوں ان میں فی الحقیقت اختلاف نہیں ہے اور جس معنی پر امر ونہی کا مدار ہے وہ مختلف ہے اسواسطے کہ عجمی لوگوں کا قاعدہ تھا
کہ انکے خدمتگار انکے سامنے کھڑے رہا کرتے تھے اور رعایا بادشاہوں کے روبرو کھڑی رہا کرتی تھی اور وہ ان کی تعظیم میں
افراط تھی یہانتک کہ شرک میں واقع ہونیکا احتمال تھا ان امور سے ممانعت کی گئی اور اسی بات کی طرف اس حدیث میں اشارہ
واقع ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کما یقوم الاعاجم اور من سرہ ان یتمثل کہا اور نیز جس شکل میں ہو یہ مثلاً جب خدمت کے
لئے سید کھڑا ہوتا ہے اور جو کھڑا ہوتا واسطے خوشی مومن کے اور اسکا اکرام اور اس کے دل کی خوشنودی منظور ہو
تو یہ بات کہ اسکے سامنے خدمت کیلئے کھڑا ہو تو کچھ مضایقہ نہیں اور ایسی باتوں میں شرک کی آمیزش نہیں ہے
اور کسی نے عرض کیا اے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب کوئی شخص ہم میں سے اپنے بھائی سے ملے آیا اسکے واسطے
جھک جائے فرمایا نہیں اور اسکا سبب یہ ہے کہ یہ جھکنا رکوع نماز کے مشابہ ہے پس وہ بمنزلہ سجدہ تحیہ کے ہے اللہ پاک
فرماتا ہے یا ایها الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم الخ اے ایمان والو غیر اپنے گھروں کے داخل مت ہو یہانتک
کہ اجازت لو اور سلام کرو ان گھر والوں پر اور اللہ پاک فرماتا ہے یا ایها الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم الخ اے
ایمان والو چاہئے کہ وہ لوگ جو تمہارے ہاتھوں کے مملوک ہوتے ہیں تم سے اجازت لیں اور وہ لوگ جو تم میں سے
بلوغ کو نہیں پہونچے اور قولہ کما استاذن الذین من قبلکم پس خدا تعالے کا قول تستانسوا تستاذنوا کے معنی میں ہے میں کہتا
ہوں استیذان اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ بات [illegible]

اور وہ چیز جو انکو گوارا نہ ہو دیکھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ استیذان بینائی کے لئے مقرر کیا
گیا ہے پس مناسب ہے کہ لوگوں کے مختلف ہونے سے وہ بھی مختلف ہو پس بعض ان میں سے اجنبی ہیں کہ اس سے اور
ان سے میل جول نہیں ہے ان کے لئے مناسب ہے کہ جبتک آواز دیکر اجازت نہ مانگے اور آواز سے انکو اجازت
نہ مل جاوے داخل نہ ہو اسی واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کلدہ بن حنبل اور بنی عامر کے ایک شخص کو تعلیم فرمایا کہ یہ
کہے السلام علیکم ادخل اور فرمایا کہ استیذان تین مرتبہ ہے پس اگر تجکو اذن دیا جاوے فبہا ورنہ لوٹ آ اور بعض ان میں
حرم ہیں اگرچہ محارم نہیں ہیں مگر انسے میل جول اور دوستی ہے پس انکا اجازت لینا ان کے استیذان سے کمتر ہے اسی
واسطے آپ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا تیرا اذن میرے اوپر یہ ہے کہ تو پردہ کو اٹھا دے اور یہ کہ سنے تو میرے
کلام کی آواز یہانتک کہ میں تجکو منع کروں اور بعض انہیں سے لڑکے اور غلام ہیں کہ ان سے پردہ فرض نہیں ہے
لہذا ان کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں ہے مگر ان اوقات میں کہ عادتاً کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور خدا تعالے
نے ان تین اوقات کو اس واسطے خاص کیا ہے کہ وہ اوقات لڑکوں اور غلاموں کے آنے کے ہیں بخلاف آدھی رات
کے مثلاً اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رسول الرجل الی الرجل اذنہ آدمی کی طرف آدمی کا قاصد اسکا اذن
ہے اسواسطے کہ اس نے معلوم کر لیا اس چیز کو جسکی طرف وہ بھی بھیجا گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب
کسی قوم کے دروازے پر تشریف لاتے تھے تو دروازے کے سامنے سے نہ آتے تھے پس فرماتے تھے السلام علیکم
اور یہ اسواسطے تھا کہ ان لوگوں کے گھروں کے سامنے پردے نہ تھے اور منجملہ آداب کے بیٹھنے اور سونے اور سفر کرنے
کے آداب ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایقیم الرجل الرجل من مجلسہ الخ کوئی شخص کسی کو اسکی جگہ سے
اٹھا کر نہ بیٹھے بلکہ کشادہ ہو کر اور کھل کر بیٹھو میں کہتا ہوں یہ اسواسطے ہے کہ کسی کو اٹھا کر بیٹھنا غرور اور خودپسندی
کی بات ہے اور دوسرے کے دل میں اس سے رنج اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
من قام من مجلسہ الخ جو شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور پھر وہیں آیا تو اسکا وہ سزاوار زیادہ ہے میں کہتا ہوں جو شخص پہلے
بیٹھ گیا اور وہ جگہ اسکے لئے مباح تھی خواہ مسجد ہو یا خانقاہ یا گھر پس اسکا حق اس سے متعلق ہو گیا پس جبتک اسکو اس
جگہ کی حاجت ہو اسوقت تک اسکو گوشہ نہ کیا جائے اور مثال اسکی زمین کا سا ہے کہ جو کوئی بنجر کو توڑ کر کھیتی کرے
وہی اسکا مستحق ہے اور پہلے اسکا حال گذر چکا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایحل لرجل ان یفرق بین اثنین
الا باذنہما کسی شخص کو روا نہیں کہ دو شخصوں کے بیچ میں انکو علیحدہ کرکے بیٹھے مگر انکی اجازت سے میں کہتا ہوں اسکی وجہ یہ
ہے کہ دو شخص اکثر اوقات باہم خوشنودی اور مسرت کی باتیں کرنے کے لئے پاس پاس بیٹھ جاتے ہیں پس ان دونوں
کے بیچ میں بیٹھ جانا ان کے دل کو مکدر کرنا اور کبھی وہ باہم محبت کرنے کی باتیں کرتے ہیں پس ان کے درمیان میں بیٹھنا
ناگوار کرنا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایستلقین احدکم الخ تم میں سے چت لیٹ کر ایک پیر کو دوسرے
پیر پر نہ رکھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے چت لیٹے ہوئے اور ایک قدم کو دوسرے پر رکھے ہوئے دیکھا ہے
میں کہتا ہوں لوگ لنگی باندھا کرتے تھے اور لنگی باندھنے والا جب ایک پیر کو دوسرے پر رکھتا ہے تو وہ شرمگاہ کو کھلنے

سے مامون نہیں ہوتا پس اگر پاجامہ پہنے ہوئے ہو یا ستر کے کھلنے سے مامون ہو تو اسطرح لیٹنے میں مضائقہ نہیں ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جو پیٹ کے بل پڑا تھا فرمایا یہ ایسا لیٹنا ہے جو خدا تعالے کو ناگوار ہے میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ یہ لیٹنا ایک منکر اور قبیح ہیئت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من بات علی ظہر بیت الخ جو شخص گھر کی چھت پر رات کو سوئے اور اس چھت پر کوئی آڑ نہ ہو تو اس سے ذمہ بری ہے میں کہتا ہوں اسکی یہ وجہ ہے کہ اس نے اپنی جان کے ہلاک کرنیکا سامان کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور خدا تعالے فرماتا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ملعون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جو شخص حلقہ کے بیچ میں بیٹھے ملعون ہے بعض کے نزدیک اس سے ماجن مراد ہے جو اپنے آپ کو بیچ میں ڈالتا ہے تاکہ اس سے مسخراپن کریں اور شیطان کا کام ہے اور ممکن ہے کہ یہ معنی ہوں کہ ایک گروہ کیطرف پشت اور دوسرے کیطرف منہ کرے اور اس سے لوگوں کے دل کو ناگوار گذرے اور ایک مرتبہ مرد و عورت مل بیٹھے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا استاخرن الخ پیچھے کو ہٹو تمکو روا نہیں ہے کہ رستہ کے درمیان میں چلو تم کو لازم ہے کہ راستے سے ادھر ادھر چلو پس عورتیں دیواروں کو چپٹنے لگیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد دو عورتوں کے بیچ میں ہو کر گذرے میں کہتا ہوں اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ مرد عورت سے ملجائے اور وہ عورت غیر محرم ہو یا کسی طرف دیکھے اور فرمایا ہے اذا عطس احدکم الخ تم میں سے جب کوئی چھینکے تو اسکو الحمد للہ کہنا چاہئے اور اسکے بھائی کو یا اسکے صاحب کو یرحمک اللہ کہنا چاہئے اور پھر اسکو یہدیکم اللہ ویصلح بالکم کہنا چاہئے اور ایک روایت میں ہے اور وہ اگر الحمد للہ نہ کہے تو اسکو جواب مت دو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شمت اخاک ثلاثا الخ اپنے بھائی کی چھینک کا تین مرتبہ جواب دو اور جو زیادہ ہو تو وہ زکام ہے میں کہتا ہوں چھینکتے وقت حمد اسواسطے مقرر کی گئی ہے کہ ایک تو وہ دلیل شفا ہے اور اس سے دماغ کی ابخرہ غلیظہ نکل جاتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور حمد کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ شخص تابع سنن انبیا علیہم السلام ہے اور ملل انبیا پر وہ پابند ہے اور اسیواسطے جواب دینا واجب ہوا اور وہ حقوق اسلام سے ہوا اور جواب دینے والے کیلئے جواب دینا اسواسطے مقرر کیا گیا کہ یہ بھی مبادلۃ الاحسان بالاحسان سے ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے التثاؤب من الشیطان الخ جماہی لینا تو شیطان کے ہی طرف سے ہے پس تم میں سے جب کوئی جماہی لے تو جہانتک اس سے ہوسکے اسکو روکے اور تم میں سے جب کوئی جماہی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے میں کہتا ہوں جماہی تو تنج اور غلبہ حال سے پیدا ہوتی ہے اور شیطان کو اسمیں موقع ملتا ہے اور منہ کھولے اور آہ آہ کی آواز سے شیطان ہنستا ہے اسواسطے کہ وہ ایک قبیح ہیئت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا تثاوب احدکم الخ تم میں سے جب کوئی جماہی لے تو اسکو چاہئے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اسواسطے کہ شیطان گھس جاتا ہے میں کہتا ہوں شیطان مکھیوں اور مچھروں جانوروں کو اسکے منہ میں گھسا دیتا ہے اور اکثر اوقات منہ کے [illegible] ہوجاتے ہیں وجہ نے ایسا دیکھا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یطلع الناس انی [illegible]

معلوم ہو کہ وحدت میں بیابات ہے جو میں جانتا ہوں تو سوار رات کو تنہا نہ چلے۔ میں کہتا ہوں اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ ہلاکات میں پڑ جانا اور آنکی دلیری کرنا بلا ضرورت ایک ناپسندیدہ امر ہے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت زبیر کو مقدمۃ الجیش کرکے تنہا بھیجا تھا تو اسکی ضرورت تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تصحب الملائکۃ الخ نہیں ساتھ ہوتے فرشتے اُن رفیقوں کے جنمیں کتا اور گھنٹہ ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الجرس مزامیر الشیطان گھنٹہ شیطان کے مزامیر ہیں۔ میں کہتا ہوں جو آواز تیز اور سخت ہو شیطان اور اُس کے ذریات کے موافق ہے اور ملائکہ کو اُس سے نفرت ہے اور اُن دونوں کے جبلی مزاج کا مقتضے ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا سافرتم فی الخصب الخ جب تم ارزانی میں سفر کیا کرو تو اونٹ کو اُسکا حق ادا کیا کرو جو زمین میں ہے اور جب تم قحط میں سفر کرو تو اسکو جلد جلد چلاؤ اور جب اخیر رات میں آؤ تو راستے سے بچو کیونکہ وہ رات کیوقت دواب کا رہگذر ہے اور حشرات کا ماوا ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ سب ظاہر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے السفر قطعۃ من العذاب۔ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تم میں سے ایک کو نیند اور کھانے و پینے سے باز رکھتا ہے پس جب کہ پورا کر چکے اپنی حاجت کو جو اُس کے سامنے ہے تو اُس کو چاہئے کہ اپنے اہل کو جلدی سے چلا آئے میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ آدمی حقیر چیزوں کے پیچھے پڑا رہے اور اُن کی وجہ سے اسکو زیادہ روز تک سفر کرنا پڑے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا اطال احدکم الغیبۃ الخ جب تم میں سے کوئی غیبت کو دراز کرے تو اسکو چاہئے کہ رات کو اپنے گھر نہ آوے میں کہتا ہوں بسا اوقات انسان کو بسبب پراگندہ ہونے بالوں وغیرہ کے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ ان دونوں کے تکدر حال کا باعث ہوتی ہے۔

از انجملہ کلام کرنے کے آداب ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخنی الاسماء یوم القیمۃ عند اللہ رجل الخ یعنی بدترین ناموں کا خدا تعالے کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک ہو اور فرمایا آپ نے کہ نہیں بادشاہ مگر خدا تعالے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوالحکم کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے ان اللہ ہو الحکم کہ حکم خدا تعالے ہی ہے اور اُسی کی طرف حکم ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت سے اسواسطے منع فرمایا کہ اسمیں تعظیم کثرت پائی جاتی ہے اور وہ شرک کے قریب آتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تسمین غلامک یسارا الخ اپنے لڑکے کا نام یسار ہرگز مت رکھو اور نہ رباح اور نہ نجیح اور نہ افلح پس تو کہے کہ یہ ہے وہاں پس نہیں ہوتا پس کہا جاتا ہے نہیں۔ اور جابرؓ نے فرمایا ہے آنحضرت صلے اللہ کا مقصود اس بات سے منع کرنا تھا کہ نام رکھا جاوے ساتھ یعلے اور برکت اور نافع وغیرہ کے پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ اُس منع کرنے سے خاموش ہو رہے پھر آپ کی وفات ہو گئی اور اُس سے منع نہیں کیا میں کہتا ہوں ان ناموں کا مکروہ ہونا اسواسطے ہے کہ وہ ایک ہیئت منکرہ کی طرف پہونچاتے ہیں کہ وہ ہیئت اقوال میں ایسی ہے جیسے اجدع وغیرہ افعال میں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الاجدع شیطان نکما شیطان سے۔ اور احادیث میں تطبیق بایں طور ہے کہ آپ نے نہی میں تاکید نہیں کی مگر ارشاد کے طور پر یعنی مشورہ کے اس سے

منع فرمایا یا نہی کے علامات آپکو ظاہر ہوئے پس رو سے وحی کے یا ازروے اجتہاد کے منع کیا جسنے اسکو محفوظ کیا حجت
ہے اس شخص پر جسنے محفوظ نہیں کیا۔ اور میرے نزدیک یہ وجہ صحابہؓ کے فعل کے موافق ہے اسواسطے کہ وہ اسی
قسم کے نام رکھا کرتے تھے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سموا باسمی الخ میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت
پر کنیت مت کرو اور فرمایا آپ نے نہیں گردانا گیا میں قاسم مگر اسوجہ سے کہ تم میں تقسیم کرتا ہوں کہتا ہوں اگر کسی کا
نام نبی کے نام پر ہوتا تو اس گمان کا موقع تھا کہ احکام میں اشتباہ واقع ہوتا اور ان احکام کی نسبت اور رفع کرنے میں
تلبیس واقع ہوتی اور جب کہا جاتا کہ یا ابا القاسم تو یہ گمان ہوتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا علم ہے اور بسا اوقات
مراد کوئی اور ہوتا اور بسا اوقات آدمی کو نام لیکر کوئی گالی دیتا ہے اور بڑائی جھگڑوں میں اس کے لقب سے ذم
کیجاتی ہے پس اگر نبی کے نام پر نام ہو تو اسمیں ایک ہیئت منکرہ پائی جاتی ہے پھر یہ بات کنیت کے اعتبار سے کثیر
پائی جاتی ہے بہ نسبت علم کے بدو وجہ ایک تو یہ وجہ ہے کہ لوگونکو شرعاً اس بات سے ممانعت تھی اور عادت کے
اعتبار سے اس بات سے پرہیز رکھتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نام لیکر ندا کریں اور مسلمان یا رسول اللہ کہکر ندا
کرتے تھے اور یہودی لوگ کہتے تھے یا ابا القاسم۔ دوسرے یہ کہ عرب نام لیکر بزرگی یا حقارت کا قصد نہ کیا کرتے تھے بلکہ
کنیت سے بزرگی یا حقارت کا قصد کیا کرتے تھے جیسے ابو الحکم اور ابو جہل کہ اول میں تشریف اور دوسری میں تحقیر
مقصود ہے و علی ہذا القیاس اور آپ کی کنیت ابو القاسم اسواسطے ہوئی کہ آپ قاسم تھے پس دوسرے کی یہ کنیت
رکھنا ایسا ہے جیسے آپ سے برابری کرنا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس بات کی رخصت کہ آپکے بعد اپنے لڑکے کا نام آپ
کے نام پر رکھیں اور آپکی کنیت پر اسکی کنیت کریں اسیواسطے دی کہ التباس رفع ہوگیا کیونکہ آپ کا زمانہ گذر گیا۔ اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یقولن احدکم عبدی و امتی الخ چاہیے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے عبد میرا
و امت میری بلکہ تم سب خدا ہی کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں خدا تعالے کی بندیاں ہیں بلکہ اسکو یہ کہنا چاہیے
غلام میرا اور لونڈی میری اور جوان میرا اور جوان میری اور غلام کو چاہیے کہ یہ نہ کہے رب میرا بلکہ اسکو یہ کہنا چاہیے کہ میرا
آقا میں کہتا ہوں کلام میں درازی کرنی اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا سبب کبر اور خود پسندی ہے اور اسمیں لوگوں کی دلشکنی
ہے اور نیز چونکہ کتب آسمانی میں اس نسبت کو جو خالق اور مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے عبدیت اور ربوبیت کیساتھ
ساتھ تعبیر فرمایا ہے لہذا لوگونکو باہم اسکا استعمال کرنا بے ادبی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انگور کی نسبت
فرمایا ہے کہ کرم مت کہا کرو بلکہ عنب اور حبلہ کہا کرو اور یہ مت کہو یا خیبۃ الدہر یعنی اے زمانہ کی بے نصیبی کیونکہ خدا ہی
تو دہر ہے اور اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ دہر کو برا کہکر ابن آدم مجھکو ایذا دیتا ہے دہر تو میں ہی ہوں میرے ہاتھ
میں ہی امر میں ہی رات و دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ جب خدائے پاک نے شراب سے نہی فرما
دی اور وہ ایک آزردہ ہوئی چیز ہوگئی تو مناسب ہوا کہ جس بات میں اسکی عظمت پائی جائے اور جس بات سے
اسکی عمدگی کا خیال ہو سکے اس سے بھی ممانعت فرمائی جائے اور انگور شراب کی اصل اور مادہ ہے اور عرب کا دستور
تھا کہ اکثر اوقات شراب کو بنت کرم کہکر تعبیر کیا کرتے تھے اور اسی نام سے اسکو مشہور کرتے تھے اور اہل جاہلیت کا

قاعدہ تھا کہ واقعات کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور یہ ایک قسم کا شرک تھا دریں اکثر دہر سے
مقلب دہر انکو مراد ہوا کرتا تھا بہرحال دہر کے برا کہنے کا مآل خدا تعالیٰ سے ناخوشی کیطرف تھا اگرچہ انکی عنوان
میں وہ خطا کرتے تھے غلط تھا اور حدیث شریف میں آیا ہے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا بلکہ اسکو
یہ کہنا چاہیے کہ میرا نفس بگڑ گیا میں کہتا ہوں کہ اکثر خباثت کا استعمال کتب آسمانی میں خباثت باطنی اور بد طینتی پر آیا
ہے لہذا یہ کلمہ بمنزلہ ہیات شیطانیہ کے ٹھہرا۔ اور اگر کوئی شخص کسی بات کو اس طرح پر بیان کرے کہ لوگ یہ گمان کرتے
ہیں کہ یہ بات اسطرح ہے تو اسکی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بئس مطیۃ الرجل۔ برا ذریعہ آدمی
کا ہے یعنے صرف لوگوں کے گمان کرنے سے کسی بات کا بیان کر دینا برا ہے میں کہتا ہوں اس حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کی یہ مراد ہے کہ آپکو یہ بات ناگوار ہے کہ کوئی شخص بلا ثبوت کسی بات کو ذکر کرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء فلان الخ یہ بات مت کہو کہ جو خدا نے چاہا اور فلان نے چاہا اور یہ کہو کہ جو خدا
نے چاہا پھر فلان نے چاہا میں کہتا ہوں برابر برابر ذکر کرنے سے رتبہ کے اندر برابری کا وہم ہوتا ہے لہذا اس قسم
کے لفظ کا زبان سے نکالنا سوء ادبی ٹھہرا اور معلوم کرو کہ بے فائدہ باتوں میں غور کرنا اور کلہ درازی اور فصاحت
وبلاغت میں انہماک اور اشعار اور مزاح کی کثرت اور قصہ کہانیوں میں وقت کا گذارنا یہ سب امور منجملہ اُن امور کے
ہیں جو انسان کو دنیا و دین سے بیخبر کرتے ہیں اور جن کا مدار باہمی تفاخر اور نمود پر ہوتا ہے لہذا انکا حال عادت اہل
عجم کا سا حال ہوا اسواسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو ناپسند فرمایا اور انکے نقصانات بیان فرمائے مگر جس قدر
میں کراہت کے معنی نہیں پائے جاتے اُسقدر کی اجازت عطا فرمائی اگرچہ بادی الرائے میں انکے اندر اشتباہ پایا
جاوے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہلک المتنطعون۔ فضول باتوں میں غور کرنے والے برباد
ہو گئے تین مرتبہ اس کلمہ کو ارشاد فرمایا اور فرمایا ہے الحیاء والعی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان شعبتان من
النفاق۔ حیا اور ترک کرنا باتیں کرنا ایمان کے دو شعبے ہیں اور بیحیائی اور بیان بیدھڑک تقریر کرنا چاہیے زبان
سے کچھ نکل جائے نفاق کے دو شعبے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے آپکی مراد بیحیائی اور تحقق اور تطاول کلام کا
ترک کرنا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان احبکم الی واقربکم منی یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقا الحدیث
تم میں سے مجکو زیادہ تر پسندیدہ اور بروز قیامت تم میں سے مجھ سے زیادہ تر قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق
عمدہ ہیں اور تم میں سے مجکو زیادہ تر مبغوض اور مجھ سے زیادہ تر دور تم میں سے وہ لوگ ہیں جو بد اخلاق اور
بڑے باتونی اور کلہ دراز اور متکبر ہیں۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں نے جانا یا حکم دیا کہ گفتگو
میں اعتدال اور اختصار بقدر کفایت کرنا بہتر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا شکم ریم سے
پر ہو جس کو تم دیکھتے ہو اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھرا ہوا ہو۔ حضرت حسان سے آنحضرت صلعم نے
فرمایا کہ جب تک تو مشرکین کے مقابلہ میں خدا اور رسول کی جانب سے مخاصمت کریگا (کفار کا مقابلہ) تو روح القدس
ہمیشہ تیری مدد کریگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کیا کرتا ہے

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارے اشعار مشرکین کی ہجو میں تیر مارنے کا حکم رکھتے ہیں احیاء کے باب میں جہاں ہم نے آفت زبان کے اصول و قواعد بیان کئے ہیں وہاں وہ حدیثیں جمع کر دی ہیں جن سے حفظ لسان ہوتا ہے جیسے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جو کوئی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو چاہئے کہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے اور آنحضرت نے فرمایا مسلمانوں کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا فسق ہے اور حضرت نے فرمایا تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے غیبت اس بات کا بیان کرنا ہے جو تیرے بھائی کو ناگوار ہو۔ پس آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں کیا یہ بھی غیبت ہے فرمایا وہ بات کہنا جو اس میں ہے یہی تو غیبت ہے اور اگر تو نے وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان کیا۔

علما کا قول ہے کہ چند غیبتیں چھ امور مستثنیٰ ہیں اول اپنا ظلم ظاہر کرنا خدا فرماتا ہے خدا بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر جو شخص مظلوم ہے۔ دوسرے کسی ایسی حالت میں کہ برائی ظاہر کرنے سے کسی منکر کا بدل دینا منظور ہو اور عاصی کو بہتری کی طرف لوٹانے کا قصد کیا جائے۔ جیسے زید بن ارقمؓ نے عبد اللہ بن ابی کا قول آنحضرت صلعم سے نقل کر دیا تھا اور عبد اللہ بن مسعودؓ نے حنین کی غنیمتوں کے متعلق انصار کا قول بیان کر دیا تھا۔ تیسری فتویٰ لینے میں جیسے ہندہ نے کہا کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہے چوتھی مسلمانوں کو کسی شر سے محفوظ کرنا جیسے آنحضرت نے فرمایا۔ اس خاندان کا بھی برا ہے یا جیسے حدیث میں زخمیوں کا زخمی کرنا آیا ہے۔ اور جیسے آنحضرت نے فرمایا کہ معاویہ تنگدست ہیں اور ابوجہم کندھے سے عصا نہیں اتارتا پانچویں فاسق کے شر سے متنفر کرنا۔ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میں فلاں فلاں شخصوں کو نہیں جانتا ہوں کہ ہمارے حال سے کچھ بھی واقف ہیں چھٹی کسی کی حالت بیان کرنا جیسے فلاں شخص اعمش ہے یا لنگڑا ہے۔

اور علما نے یہ بھی کہا ہے کہ جب کوئی مقصود شے بغیر کذب کے حاصل ہی نہ ہو سکتی ہو تو وہاں کذب جائز ہے آنحضرت نے فرمایا ہے وہ شخص کذاب نہیں ہے جو لوگوں میں اصلاح کرنے کیلئے کسی نیک کو ظاہر کرے یا کوئی نیک بات کہدے۔

اسی مبحث کے متعلق نذروں اور قسموں کے احکام ہیں

اسمیں مختصر امر یہ ہے کہ نذریں مقرر کرنا اور قسمیں کھانا لوگوں کی عادات میں سے ہے عرب ہوں یا عجم کسی فرقہ اور امت کو تم نہ پاؤ گے کہ اپنے موقعوں پر انکا استعمال نہ کرتے ہوں اسواسطے انکے مباحث کی ضرورت ہوئی یہ نذریں اور قسمیں نیکی کے اصول سے نہیں ہیں لیکن جب کسی نے اپنے اوپر ایک شے لازم قرار دے لی اور خدا کا نام اس کے ساتھ ذکر کیا تو یہ ضرور ہے کہ خدا کی عظمت میں وہ اس شے میں جس پر خدا کا نام ذکر کیا گیا ہے کوتاہی نہ کی جائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نذر سے منع فرمایا ہے نذر بہت مقرر کیا کرو اس لئے کہ نذر سے کوئی امر مقدر نہیں دور ہو سکتا ہے اُن کے سبب سے بخیل کی جانب سے کوئی شے نکل جایا کرتی ہے یعنی انسان جب کسی حالت میں گھر جاتا ہے تو اسوقت اس کو کسی قدر خرچ کرنا آسان معلوم ہوتا ہے جب خدا اس کو ہلاکت سے نجات دیدیتا ہے تو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تکلیف نہ تھی

تھا اس نے نذر دی ہے کہ جس شے کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اُسکو دل سے باہر کر دے اس سے قصد اور نیت کی پختگی ہیجت کا ثبوت ہوتا ہے۔

قسم کی چار قسمیں ہیں اول یمین منعقدہ یعنی قسم کا نام ہے جو کسی آئندہ شے کے لئے کھائی جائے وہ شے ممکن بھی ہو۔ وہ دل میں اس کے متعلق فیصلہ کر لیا ہو اس کو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا تم سے ان قسموں کا مواخذہ کریگا جو تم نے منعقد کی ہونگی دوسرے لغو الیمین جیسے کہ لوگ بلا قصد کہدیا کرتے ہیں۔ واللہ باللہ بلے واللہ یا ایسی شے پر قسم کھا بیٹھیں جسکے ہونے کا گمان ہو اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو۔ اسمیں خدا تعالےٰ کا قول ہے کہ خدا لغو قسموں میں مواخذہ نہیں کرتا۔ تیسری یمین غموس کہ قصداً جھوٹی قسم اس لئے کھائی جائے کہ اس سے ناحق کسی مسلمان کا مال ہضم کر لیا جائے۔ یہ قسم کبائر میں سے ہے۔ چوتھی وہ قسم جو کسی محال عقلی سے کھائی جائے۔ جیسے یہ کہنا کہ گذشتہ کل کا روزہ رکھونگا یا ضدین کا جمع کر دینا یا کسی محال عادی پر قسم کھائی جائے مثلاً مردہ کو زندہ کرنا یا اشیاء کی حقیقت بالکل بدل دینا اور ان دونوں قسموں میں جب تک پختگی وارد نہیں ہے یہ اختلاف ہے کہ ان میں قسم کا کفارہ آتا ہے یا نہیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے باپ دادوں کی قسمیں نہ کھایا کرو جس کو قسم کھانی ہو وہ خدا کی قسم کھائے یا خاموش رہے اور نیز آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے جس نے خدا کے سوا دوسرے کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

میں کہتا ہوں کہ کسی کے نام کی قسم جب ہی کھائی جاتی ہے کہ اسمیں عظمت اور بزرگی کا اعتقاد ہو اس کے نام میں برکت خیال کی جائے اسمیں کوتاہی اور جس امر کے لئے وہ نام ذکر کیا گیا ہے اس کو فروگذاشت کرنا گناہ تصور کیا جائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص قسم کھائے اور قسم میں یا للات والعزیٰ کہے تو اُسکو چاہئے کہ اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ کہے اور جو اپنے رفیق سے کہے آؤ قمار بازی کریں تو اس کو چاہئے کہ صدقہ کرے میں کہتا ہوں کہ زبان دل کی ترجمان ہوا کرتی ہے اور اس کی مقدمہ ہوتی ہے دل تہذیب جبتک حاصل نہیں ہو سکتی کہ زبان کی محافظت کا لحاظ کیا جائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص قسم کھائے اس کے بعد دوسرے سے اس کو بہتر معلوم ہو تو قسم کا کفارہ دیکر اسی بہتر شے کو عمل میں لانا چاہئے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے تم قسم کھا کر اپنے اہل میں اس کے اصرار کا اصرار کیا کرتے ہو اسمیں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ ہے کہ اس کا کفارہ جو خدا نے اس پر فرض کیا ہے ادا کیا جائے میں کہتا ہوں اکثر لوگ کسی بات پر قسم کھا بیٹھتے ہیں پھر اپنے نفس پر اور لوگوں پر سختی اور تنگی سے اُنکو پورا کرتے ہیں اور یہ امر مصلحت کے خلاف ہے اور کفارہ صرف اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ مکلف کی نفسانی حالت کو روک دے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تیری قسم اسی حالت پر رہیگی کہ تیرا مقابل یعنی مدعی اُسکی تصدیق کرے میں کہتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال ہضم کرنے کے لئے حیلہ کیا جاتا ہے اور قسم میں تاویل کی جاتی ہے۔ مثلاً یوں قسم کھاتا ہے کہ واللہ میرے ہاتھ میں تیرے مال کا کوئی حصہ نہیں ہے اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خاص میرے ہاتھ میں نہیں ہے اگرچہ میرے قبض و تصرف میں ہو ظلم اس پر زیادہ کرتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص قسم کھائے اور انشاء اللہ کہدے تو وہ حانث نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اس وقت میں دل کا قطعی فیصلہ اور قصد مصمم نہیں ہو کرتا اور کفارہ کے لئے اسی کی ضرورت

ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا لغو قسموں میں تم سے مواخذہ نہیں کرتا ہے لیکن جن قسموں کا تم نے مستحکم عہد کر لیا ہے ان کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلایا جائے جو تم اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا انکا پوشاک دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا اور جس کو اس کی قدرت نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ تمہاری قسموں کا یہ کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ کفارہ کے واجب ہونے کا راز پہلے گذر چکا ہے۔ فراجع۔

نذر کی چند قسمیں ہیں (۱) نذر مبہم۔ اسمیں آنحضرت کا ارشاد ہے کہ اگر نذر معین نہ ہو تو اس کا کفارہ وہ قسم کا کفارہ ہی ہے (۲) نذر مباح اس کے متعلق آپ نے فرمایا نذر کو پورا کر لیکن پورا کرنا واجب نہیں ہے البتہ اہل کا قصد اس سے متعلق ہو گیا ہو تو لازم ہے (۳) کسی خاص جگہ اور خاص صورت میں کسی طاعت ادا کرنے کے لئے نذر کی جائے اس کے متعلق ابو اسرائیل کا قصہ ہے اس نے نذر کی تھی کہ میں کھڑا رہونگا نہ بیٹھونگا نہ سایہ کی آڑ لونگا نہ بولونگا اور روزہ رکھونگا اس پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو حکم کرو کہ بات کرے اور سایہ میں رہے اور اپنا روزہ پورا کرے اور ایک شخص نے نذر کی تھی کہ مقام بوانہ میں جہاں کوئی بت تھا اہل جاہلیت کا عید وغیرہ ایک اونٹ ذبح کرونگا تو آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر لے (۴) معصیت آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے جو شخص کسی معصیت کی نذر کریگا اس کا کفارہ وہی ہے جو یمین کا ہے (۵) نذر محال آنحضرت نے فرمایا ہے جو شخص ایسی چیز کی نذر کرے جس کو ادا نہ کر سکے اسکا کفارہ بھی یمین کا سا ہے۔ نذر کے باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کفارہ اس لئے مشروع ہوا ہے کہ گناہ کا کھوٹ اس سے جاتا رہے اس کے سینہ میں جو چیز کھٹکتی ہے وہ دور ہو جاوے اس لئے جو شخص کسی طاعت کی نذر کرے وہ پورا کرے اور جو غیر طاعت کی نذر کرے اور دل میں تنگی دیکھے تو کفارہ واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

مختلف ابواب

جن امور کے بیان کرنے کا ہم نے اس کتاب میں قصد کیا تھا اس سے ہم فارغ ہو گئے والحمد للہ رب العالمین جو اس میں ذکر کیا گیا ہے اس سے ان تمام اسرار شریعت کا استیعاب نہیں ہوا ہے جو ہمارے دلوں میں مخفی ہیں بات یہ ہے کہ دل میں ہر وقت یہ فیاضی نہیں ہوتی کہ اسرار کا انکشاف کر دیا کرے زبان ہمیشہ دلی راز کا اظہار نہیں کر سکتی ہے اور عوام اس قابل ہی نہیں ہوتے کہ ہر ایک نکتہ کا ان کو مخاطب کریں اور ہر شے اس قابل نہیں ہوتی کہ بغیر تمہید اور مقدمات کے اسکو معرض بیان میں لائیں اور یہ امر بھی نہیں ہے کہ جو راز ہمارے دلوں میں ہیں وہ ان علوم کے برابر ہو سکیں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل کئے گئے ہیں۔ اس درجہ والے کو جس پر وحی اور قرآن نازل ہوتا تھا اپنی امت کے ایک شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ہیہات ذلک ان دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ جن علوم کو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے دل میں مکمل طور پر جمع کیا تھا وہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا پورا مجموعہ ہوں جو احکام الہی میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اس نسبت کو خضر علیہ السلام نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ میں نے

اور تیرہ حضرت موسیٰ، علم کو خدا کے علم سے ایسی نسبت ہے جیسے اس سمندر کے ساتھ اس نمی کو جو چڑیا کی چونچ میں ہے ان مرتبوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان مصلحتوں کا کتنا پایہ بلند ہے جنکا احکام شریعت میں لحاظ کیا گیا ہے یقیناً انکی کوئی نہایت نہیں ہے جتنا ان کا ذکر کیا جائے ان مصلحتوں کا حق پورا ادا نہیں ہو سکتا ہے، ورنہ انکی پوری واقفیت کے لئے کافی ہو سکتا ہے لکن ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ ۔

اب ہم کسیقدر اجمالی طور پر ایک حصہ سیرت و فضیلتوں اور مناقب کا بیان کرتے ہیں۔ استیعاب سے بیان کرنا ہم کو مقصود نہیں ہے واللہ الموفق و المعین والیہ المرجع والمآب۔

رسالت مآب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصے آپ تمام عرب میں بزرگ خاندان اور نسب کے پیدا ہونے شجاعت اور بردلی میں سب سے زیادہ توانا، سب سے زیادہ فیاض۔ سب سے زیادہ خوش بیان۔ سب سے زیادہ آپ کا دل صاف اور پاک تھا ایسے ہی تمام انبیا اپنے خاندان میں عالی نسب ہوا کرتے ہیں اسلئے کہ آدمی ایسے ہوتے ہیں جیسے کانیں سونے اور چاندی کی اور اخلاق کی خوبی آدمی کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا کرتی ہے اور نبوت کا تحقق انہیں لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے جنکے اخلاق کامل ہوں۔ انبیا کی بعثت سے خدا کی مراد یہ ہوتی ہے کہ سچائی اور حق ظاہر ہو جائے اور کوئی فرقہ کجرو درست ہو جائے۔ خدا انکو لوگوں کا پیشوا بناتا ہے، اور ان مناصب کے لئے زیادہ موزوں وہی ہوا کرتے ہیں جو منتخب خاندان سے ہوں۔ خدا انکی لئے فرماتا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھتا ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ آپ کے خلق اور خلق میں اعتدال تھا میانہ قد تھے نہ زیادہ دراز قد، نہ کوتاہ۔ موئے مبارک نہ بالکل گھونگروالے تھے نہ چھوٹے ہوئے بلکہ بین بین چہرہ مبارک میں گولائی تھی۔ سر بڑا۔ ریش مبارک دراز۔ شانے اور قدم پر گوشت چہرہ کا رنگ سرخی مائل تھا۔ اعضا میں فربہی تھی سب سے زیادہ طبیعت میں نرم دلی تھی لب و لہجہ میں سب سے زیادہ صداقت جو شخص فوراً آپ کو دیکھتا آپ کی عزت کرتا اور جانکر جو آپ سے ملتا جلتا تو آپ پر فدا ہو جاتا۔ بزرگ نفسی کے ساتھ نہایت خاکسار۔ اپنے اہل بیت پر نہایت نرم دل تھے۔ حضرت انسؓ نے دس سال تک آپکی خدمت کی لیکن کبھی انکو اف تک نہ کہا اور کبھی نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا۔ اہل مدینہ کی کوئی کنیز کی خدمت میں حاضر ہوتی اور جہاں چاہتی لے جاتی اپنے اہل کی خدمت خود کر دیا کرتے تھے۔ فحش امر یا لعنت کرنا یا بدگوئی کرنا آپ کی عادت نہ تھی۔ اپنی کفش کو خود سی لیا کرتے کپڑا خود سی لیتے بکری کو خود دوہ لیا کرتے حالانکہ بڑے اولوالعزم تھے کوئی شئے آپکو مغلوب نہ کر سکتی تھی اور کوئی مصلحت آپ سے فوت نہ ہوتی تھی۔ سب سے زیادہ فراخ دل تھے تکلیف برداشت کرنے میں سب سے زیادہ مستقل و ثابت قدم لوگوں پر نہایت ہی مہربان کسی کو آپکی ذات سے برائی نہیں پہنچی تھی نہ ہاتھ سے نہ زبان سے۔ ہمیشہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ تدبیر منزلی کی درستی کا بڑا اہتمام کرنیوالے اپنے اصحاب کا بڑا لحاظ کرتے بہت سے دن کے بڑے نگران کہ جس سے زیادہ تصور نہیں ہو سکتا ہے ہر شئے کے اندازہ سے واقف عالم ملکوت کی جانب ہمیشہ

متوجہ ذکر الٰہی ہے فریفتہ آپ کی گفتگو اور تمام حالات سے ذکر الٰہی کے آثار نمایاں رہتے تھے ہمیشہ غیب سے آپ کی اعانت او
تائید ہوتی ۔ دعا آپ کی قبول ہوتی ۔ حظیرۃ القدس سے علوم کا فیضان ہوتا رہتا تھا ۔ معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے شفا ، دعاؤں
کی قبولیت آیندہ واقعات کی پیشین گوئی جس شے میں برکت کی درخواست کرتے اسمیں برکت ہوتی ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام
کی سرشت میں یہ اوصاف ہوا کرتے ہیں ۔ ان کی فطرت ہی ان امور کی جانب کھنچتی چلی جاتی ہے اپنی دعا میں حضرت ابراہیم
نے آپ کا ذکر کیا تھا اور آپ کے جلالت رتبہ کی بشارت دی تھی ۔

حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے آپکے وجود باجود کی پیشین گوئی کی تھی اور باقی انبیائے کرام صلوات
اللہ علیہم نے آپ کی اطلاع دی تھی ۔ آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے اندر سے روشنی نکلی اور تمام زمین اس سے
نورانی ہو گئی ۔ اس کی تعبیر دی گئی کہ ایک پر برکت لڑکا پیدا ہوگا جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائیگا جنوں نے آپکے
پیدائش کی خبریں دیں ۔ کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی پیدائش اور ترقیات کی خبر دی ۔ ور ایسے واقعات ہوئے جو آپ کی اعزاز و
سربلندی کی جانب رہنمائی کی جیسے ایوان کسریٰ کے کنگرے ریزہ ریزہ ہو گئے نبوت کی دلیلیں آپ میں مجتمع ہو گئیں
جیسے کہ ہرقل قیصر روم نے کی خبر دی آپ کی پیدائش اور شیر خوارگی کے زمانے میں لوگوں نے برکت کے آثار مشاہدہ کئے
فرشتوں نے ظاہر ہو کر آپ کے قلب میں چیرہ دیا اور ایمان حکمت سے اسکو بھر دیا عالم مثال اور عالم شہود کے بین بین یہ
واقعہ ظہور پذیر ہوا اسلئے چیرہ دینے سے ہلاکت کا خطرہ پیش نہیں آیا اور رشتہ کا اثر باقی رہا جو واقعات عالم مثال اور عالم شہادت
کی آمیزش سے پیش آیا کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے جب ابوطالب سفر شام میں آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے
تو راہب نے آپ کے اندر نبوت کی علامتیں دیکھکر نبوت کا اقرار کیا جب شباب شروع ہوا تو فرشتوں سے تناسب اور تعلق
ظاہر ہونے لگا کبھی غیبی آواز کے ذریعہ سے کبھی فرشتے بدلی صورت میں ظاہر ہوتے تھے خدا تعالیٰ نے ظاہری حوائج کی
بندش اسطرح فرمادی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے ساتھ ہمدردی کا خیال پیدا ہو گیا یہ قریش کی عورتوں میں سے باثروت
تھیں جب خدا کسی کو دوست رکھتا ہے تو اپنے بندوں ہی میں سے کسی کو اسکا کارساز بنا دیتا ہے جب دوسروں کے
ساتھ تعمیر میں شریک تھے اور عادات عرب کے موافق اپنے ازار کو دوش مبارک پر ڈال لیا تھا اس سے آپ بے ستر
ہو گئے اور بے ستر ہوتے ہی بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور غشی کی حالت میں ہی منع فرمایا کہ کہیں ستر مکشوف نہ ہو
جائے یہ نبوت کی ایک حالت تھی نفس کے مواخذہ کرنے کی یہ بھی ایک قسم ہے ۔

اس کے بعد آپ خلوت کو پسند فرمانے لگے ۔ مقام حرا میں چند راتوں تک خلوت گزیں رہتے پھر دولت خانہ کو
تشریف لا کر ویسے ہی چند روز کی غذا ہمراہ لیتے اور وہیں قیام فرماتے ۔ غلبہ روحانیت نے دنیا سے آپ کی توجہ کو ہٹا دیا
تھا اور ہمہ تن یکرخ اس فطرت کی جانب پھیر دیا تھا جس پر خدا تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ۔ اول آغاز رویائے صادقہ
سے ہوا آپ کوئی خواب نہ دیکھتے مگر اسکا ایسا ظہور ہوتا جیسے صبح کا سپیدہ یہ بھی نبوت کی حالت کا ظہور تھا اس کے بعد
مقام حرا میں صداقت یعنی حضرت جبرائیل اور وحی کا نزول شروع ہوا ۔ دور غلبہ ملکیت کے وقت طبیعت کا قانون ہے کہ
اسمیں حیرت اور پریشانی پیدا ہوتی ہے اس لئے اسوقت آپ میں بھی گھبراہٹ پیدا ہو گئی اسواسطے حضرت خدیجہ آپ کو

ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور یہ حالت بیان کی۔ انہوں نے کہا ھوالناموس الذی نزل علی موسیٰ۔ یہ وہی
فرشتہ ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد چند روز تک وحی منقطع ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انسان میں دو
مختلف طاقتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک بشری دوسری ملکی جب تاریکیوں سے نور کی جانب خروج ہوتا ہے تو مختلف مراتب
درمیان پیش آتے ہیں یہاں تک کہ جو خدا کی مرضی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے آپ فرشتہ کو کبھی آسمان و زمین میں چھایا
ہوا دیکھتے تھے کبھی حرم میں کھڑے ہوئے کہ اس کے ازار بندھنے کی جگہ کعب تک ممتد ہوتی تھی۔ ونحو ذلک۔ اس کا
راز یہ ہے کہ جن نفوس میں نبوت کی استعداد ہوتی ہے تو ملکیت اُن کی روح کے سامنے مستحضر ہو جاتی ہے بدنی مشاغل
سے آزادی ہوتی ہے اُسکے سامنے ملکی تجلی درخشان ہو جاتی ہے جیسا وقت کا اقتضا ہوتا ہے ویسے ہی یہ حالت پیدا
ہوتی ہے جیسے عوام لوگوں کو آزادی کی حالت میں خواب کے ذریعہ سے بعض امور کا انکشاف ہوتا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ
علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ پر نزول وحی کس طرح ہوتا ہے آپ نے فرمایا کبھی گھنٹہ کی جھنکار کی طرح جسکی مجھ پر زیادہ گرانی ہوتی
ہے میں فارغ ہونے کے بعد ہوتے ہی میں اس کی بات کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی کبھی فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے وہ کہتا جاتا
ہے میں یاد کرتا جاتا ہوں جیسا میں کہتا ہوں اس آواز کی حقیقت یہ تھی کہ جب کوئی پرزور تاثیر حواس سے ٹکراتی ہے
تو ان میں ایک تشویش اور شورش پیدا ہو جایا کرتی ہے بینائی میں تشویش سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ مختلف رنگ کی
چیزیں سرخ زرد سبز وغیرہ نظر آتی ہیں اور شنوائی میں اس طرح اس کا ظہور ہوتا ہے کہ بے معنی آوازیں جیسے بھنبھناہٹ
جھنکار وغیرہ محسوس ہوتی ہیں جب یہ اثر ختم ہو جاتے ہیں تو علم حاصل ہو جایا کرتا ہے اور فرشتہ کا صورت میں نظر آنا
ایسے موقع پر ہوا کرتا ہے جہاں عالم مثال اور عالم شہود دونوں کے احکام اور آثار یکجا جمع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
فرشتوں کو بعض لوگ دیکھتے تھے بعض نہیں دیکھتے تھے۔

ان حالات کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ دعوت اسلام کریں اور مخفی طور پر آپ نے اسلام
کی تعلیم شروع کی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت خدیجہ اور حضرت ابو بکر صدیق وغیرہما رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔

پھر ارشاد ہوا فاصدع بما تؤمر جو حکم تم کو دیا جاتا ہے اس کی آشکارا تعمیل کرو اور فرمایا گیا وانذر عشیرتک الاقربین
اپنے قریب رشتہ داروں کو ڈراؤ اب آپ نے علانیہ دعوت اور شرک کی رسموں کو باطل کرنا شروع کر دیا اس وجہ
سے تمام لوگ بگڑ گئے نہایت سختی سے پیش آنے لگے۔ زبان اور ہاتھ سے برابر تکلیفیں دینے لگے مذبوحہ جانوروں کی
اوجھڑی آپ پر ڈالتے تھے آپ کا گلا گھونٹ دیتے تھے لیکن آنحضرت صلعم نہایت استقلال کے ساتھ ان شدتوں
کو جھیلتے تھے اور برابر مسلمانوں کو فتح کا مژدہ دیتے تھے اور کافروں کو شکست اور بربادی کا خوف دلاتے رہتے
جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے جند ما ہنالک مھزوم من الاحزاب یہاں کے لوگ جماعتوں سے بھاگ جائیں گے۔
اب دشمنوں نے اور بھی زیادہ تنگ کرنا شروع کیا۔ اور قسمیں کھا کھا کر باہم معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کو اور ہاشمی اور
مطلبیوں کو جو مسلمانوں کے ہمدرد ہیں خوب تہ تیغ کریں اس وقت مسلمانوں کو رہبری ہوئی کہ حبشہ کی جانب ہجرت
کر جائیں اس سے دعوت اسلام نے پہلے سے کسی قدر وسعت اور کشادگی ہو گئی جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

اور ابوطالب آپ کے چچا کا انتقال ہو گیا اور ہاشمیوں کی جماعت اور قوت منتشر ہو گئی تو اس کی وجہ سے آپ کو بے اطمینانی پیش آئی اور یہ امر اجمالی طور پر آپ کے قلب میں القا کیا گیا تھا کہ ہجرت سے کامیابی حاصل ہو گی اس لئے اپنے خیال و فکر سے ہجرت کا آپ نے قصد فرمایا۔ اول طائف۔ ہجر۔ یمامہ کی جانب توجہ اور میلان ہوا۔ مختلف طریقے سوچے لیکن مجاہدت کر کے طائف تشریف لیگئے وہاں آپ کو نہایت سخت تکلیف ہوئی اس کے بعد بنی کنانہ کی طرف تشریف فرما ہوئے یہاں بھی کوئی نہ کوئی مشکل امر پیش آیا اسلئے زمعہ کے زمانے میں یکو مہ جنت کی اور آیت نازل ہوئی وما ارسلنا من رسول الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ جب ہم نے کوئی رسول بھیجا ہے تو اسکی یہ حالت ہوئی کہ جب اس نے کسی امر کی تمنا کی تو شیطان نے اسکی آرزو میں کوئی شے ملا دی ہے آپ کی تمنا یہ تھی کہ جن امور کو اپنے دل میں غور کرتے تھے ان سے خدا کے وعدوں کے پورے ہونے کی خواہش رکھتے تھے اور شیطان کا اس میں ملا دینا یہ ہوا کہ ارادہ الٰہی کے خلاف امور پیش آئے اور اصلی حالت پر ایک نقاب حائل ہو گیا۔ اسی اثنا میں مسجد اقصے کی سیر کرائی گئی اور وہاں سے سدرۃ المنتہے اور جو جو خدا کی مرضی تھی وہاں تک سیر واقع ہوئی یہ تمام امور بدن کے ذریعہ سے ہوئے بیداری کی حالت میں لیکن ایسے موقع میں جو عالم مثال و شہود میں برزخ کی طرح واقع ہے سب کے احکام اس میں جمع تھے۔ بدن پر تمام روح کے احکام طاری ہوئے روح اور روحانی امور بدنوں کی صورت میں پیش آئے۔ اسواسطے ان واقعات میں ہر ایک واقع کی ایک تعبیر ہے حضرت حزقیل اور حضرت موسے وغیرہ انبیا علیہم السلام کو بھی ایسے ہی واقعات پیش رہے تھے۔ اولیائے امت کو ایسے امور پیش آتے ہیں تاکہ ان کے بہتر مقامات کی لت الٰہی ہو جیسے خواب میں دوسروں کے حالات ہوا کرتے ہیں واللہ اعلم۔ شق صدر اور ایمان سے اس کے بھر دینے کے معنی یہ ہیں کہ ملکی طاقت کے انوار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر غالب ہو گئے اور طبیعت کی آگ فرو ہو گئی اور طبیعت اس قابل ہو گئی کہ جن علوم کا حظیرۃ القدس سے افاضہ کیا جائے ان کو طبیعت اخذ کر لے اور براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نسمہ پر جس میں کمال حیوانی ہوتا ہے نفس ناطقہ کا استیلا اور غلبہ ہو گیا براق پر مضبوط ہو کر سوار ہونے یعنی بہیمیت پر نفس ناطقہ کے احکام مسلط ہو گئے اور مسجد اقصے کی طرف سیر کرنا اسطرح ہوا کہ وہ مسجد شعائر الٰہیہ کے ظاہر ہونے کا موقع ہے۔ ملاء اعلے کی ہمتیں اس سے متعلق رہتی ہیں۔ انبیا علیہم السلام کی توجہ کا وہ آماجگاہ ہے یا وہ ملکوت کے لئے ایک روشندان ہے ۔

انبیا علیہم السلام سے ملاقات کرنا اور ان سے مفاخرت کرنا اسکی حقیقت یہ ہے کہ حظیرۃ القدس کے ارتباط اور تعلق سے سب کا اجتماع ہوا اور ان سب میں کمالات نبوت کے اوصاف میں آپ کی خصوصیت اور فضیلت ظاہر ہوئی ۔

اور آسمان پر ترتیب یکے بعد دیگرے دوسرے پر صعود کرنیکے معنی یہ ہیں کہ خاص قرارگاہ و جلالت اور ربوبیت تک منزل بمنزل آپ نے ترقی کی۔ ملائکہ سے تعارف ہو جو وہاں مقرر ہیں ان بزرگ روحانیوں سے ملاقات ہوا۔ جو آدمیوں میں سے فرشتوں میں منسلک ہوتے ہیں ان تدبیر کا آپ کو علم حاصل ہوا۔ جب کی وہاں تک دکھنی اس حقیقت

کو دریافت کیجو ان منازل میں حاصل ہوتی ہے اور حضرت موسٰے علیہ السلام کا اقا کرنا بدن سے نہ تھا بلکہ وہ اس حالت کی مثال تھی جو دعوت عامہ کے جاتے رہنے سے ان کو پیش آئی اور جس کمال کے وہ خواستگار تھے اس کے پورا ہونے میں ایک حصہ کی کمی رہ گئی ۔

سدرۃ المنتہٰے سے وجود کا درخت مراد ہے جس کے حصوں میں ترتیب ہوتی ہے اور اس کی تمام طاقتیں ایک ہی تدبیر میں جمع ہوتی ہیں جیسے قوتِ غاذیہ نامیہ وغیرہا کی سب قوتیں صورت شجری میں جمع ہوا کرتی ہیں اس حالت کو جس میں مجموعی اور اجمالی تدبیر کیطرف اشارہ ہو اور اس کے تمام افراد میں عموم اور کلیت ہو زیادہ تر مشابہت درخت سے ہے نہ حیوان سے ۔ حیوان میں تفصیلی طاقتیں ہوتی ہیں اور ارادہ حیوانی طبیعت کے قوانین کو مسخ اور ظاہر حالت میں کردیا کرتا ہے ۔ اس درخت کی جڑ میں نہروں سے مراد وہ عالم ملکوت کی رحمت ہے جسکا وہاں سے فیضان مسلسل رہتا ہے ۔ عالم شہادت کی جانب وہ جاری اور ساری رہتی ہے اسکا اثر ہے زندہ رکھنا اور زندگی کو بالیدہ کرنا ہے ۔ اسی لئے وہاں بعض نافع امور کی تعیین کی گئی جیسے نیل و فرات ۔ اور جو انوار اس درخت کو تغشیہ کئے ہوئے ہیں ۔ وہ الٰہی انتظامات اور رحمانی تدبیریں ہیں جنکی عالم شہادت میں ہر شے کی استعداد کے موافق جھلک دکھائی دیتی ہے ۔ اور بیت المعمور تجلی الٰہی کا نام ہے اسی کی جانب آدمیوں کے سجدہ اور سجدے کی عاجزانہ حالتیں متوجہ رہتی ہیں ۔ اسکی تشبیہ بیت کے ساتھ کعبہ اور بیت المقدس کی مثال پر دی گئی ہے ۔

ان امور کے بعد معراج میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ظرف دودھ کا اور ایک شراب کا پیش کیا گیا ۔ آپ نے دودھ والا پسند فرمایا تب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ فطرت کی جانب رہنما کئے گئے ۔ اگر شراب کا پسند کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی ۔ اسلئے کہ دودھ میں اشارہ تھا کہ آپ کی امت فطرت کو پسند کریگی اور شراب میں اشارہ تھا کہ دنیوی لذتوں کو پسند کرے گی اور معراج ہی میں پنجگانہ نمازیں فرض کی گئیں اور ثواب کے لحاظ سے وہ پچاس ہیں ۔ آہستہ آہستہ خداوند کریم نے اس پچاس کی تعداد کو ظاہر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ نعمت بھی کامل ہو گئی اور تنگی بھی رفع ہو گئی ۔ اور اس معنی کو حضرت موسٰے کی جانب اسواسطے منسوب کیا کہ تمام انبیا میں وہ امت کی اصلاح اور سیاست سے زیادہ واقف تھے معراج کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم قبائل عرب سے تقویت اور امداد طلب کرتے رہے لیکن انصار کو خدا نے اسلام کی توفیق دی اور انہوں نے دوبار بیعت کی ۔ ایک عقبۂ اولٰے میں دوسری عقبۂ ثانیہ میں ۔ اور اس کے بعد اسلام مدینہ شریف کے ہر ایک گھر میں داخل ہو گیا اور خدا تعالےٰ نے اپنے نبی پر صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ دین کی ترقی جب ہی ہو گی کہ مدینہ کیطرف ہجرت کی جائے ۔ سلئے ہجرت کا پورا قصد فرمالیا ۔ اب قریش میں غصہ کی آگ اور زیادہ جوشزن ہوئی اور مختلف منصوبے کرنے لگے کہ آپکو قتل کر دیں یا قید کر کے رکھیں یا کہیں کو نکال دیں لیکن آپ خدا کے محبوب برکت والے تھے خدا نے آپکے غالب ہونیکا فیصلہ کر دیا تھا اس لئے چند معجزات کا ظہور ہوا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹا اور آنحضرت نے برکت کی دعا کی اور فوراً انکو آرام ہو گیا کفار جب غار کے منہ پر کھڑے ہوئے

و نیز اتفاقات نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور ان کے خیالات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہٹا لیا۔ جب
سراقہ بن مالک نے دونوں حضرات کا تعاقب کیا تو آپ نے اس پر بددعا کی جس کے اثر سے اس کا گھوڑا شکم تک سخت زمین
زمین میں دھنس گیا زمین خدا کی قدرت سے پھٹ گئی سراقہ نے اس پر کفارات کی کہ میں آپ دونوں کو دشمن سے روکتا
رہونگا اس کے بعد وہ رہا ہو گیا۔ جب آپ مسجد گئے۔ پر آپ کا گذر ہوا تو ام معبد کی بکری نے دودھ دیا جس کا تھن بالکل
خشک تھا اور وہ دودھ کے قابل نہ تھی جب مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تو عبداللہ بن سلام نے آکر تین سوال دریافت
کئے جس کا جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔ اول یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی دوسری جنت کا پہلا
کھانا کیا ہوگا تیسری کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اول
علامت قیامت کی آگ ہے جو مشرق سے مغرب تک لوگوں پر پھیل جائیگی دوسرا کھانا اہل جنت کا مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہوگا
اور جب مرد کا نطفہ رحم میں پہلے پہنچتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر ماں کا نطفہ پہلے پہنچتا ہے تو ماں کے مشابہ ہوتا
ہے۔ اس پر عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کر لیا اور تمام علمائے یہود میں خاموشی پیدا ہو گئی اس کے بعد آپ نے یہودیوں
سے صلح کر لی اور ان کے شر سے نجات مل گئی مسجد کی تعمیر شروع کی اور لوگوں کو نماز اور اوقات نماز کی تعلیم دینے لگے اور
اس میں مشورہ کیا کہ نماز کی اطلاع کس چیز سے دیجائے۔ عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان کے کلمات سیکھے اور شخص
قیف ابن عیسی کا انتظار آنحضرت صلعم کو تھا۔ عبداللہ سفیر اور واسطہ ہو گئے۔ لوگوں کو جماعت جمعہ۔ روزہ پڑھانا اور زکوۃ کا حکم
دیا اور زکوۃ کے حدود کی تعلیم دی۔ لوگوں کو علانیہ دعوت اسلام دینی شروع کی اور ان کو راغب کیا کہ اپنے اپنے وطنوں
سے ہجرت کریں اسلئے کہ ان کے وطن دار الکفر تھے۔ وہاں حدود اسلام کا قائم کرنا ممکن نہ تھا اور تمام مسلمانوں کی
جمعیت کو مواخاۃ سے نہایت مستحکم کر دیا۔ اس مواخات نے مسلمانوں میں حصلہ و مصارف میں ایک دوسرے کی امداد
اور باہم ایک دوسرے کا وارث ہونا لازم کر دیا تا کہ اس سے ان میں وحدت پیدا ہو جائے اور اس قابل ہو جائیں
کہ مجموعی طاقت سے جہاد کر سکیں اور اپنے دشمنوں کے حملوں کو روک سکیں۔ پہلے اہل عرب میں دستور تھا کہ ایک خاندان
دوسرے خاندان سے مدد لیا کرتے تھے جب خدا نے دیکھا کہ مسلمانوں میں وحدت اور قوت جمع ہو گئی ہے تو اپنے نبی
کو جہاد کی وحی بھیجی کہ کفار کی خوب ہوشیاری سے دیدبانی کریں۔

جب جنگ بدر واقع ہوئی تو مسلمانوں کے پاس پانی نہ تھا۔ خدا نے وہاں خوب مینہ برسایا۔ لوگوں نے آنحضرت
نے مشورہ کیا کہ قافلہ کا قصد کرتے ہو یا لشکر سے مقابلہ کا تو آنحضرت صلعم کی رائے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رایوں میں مدد
دیگئی اور سب نے مقابلہ کا اہتمام کیا۔ پہلے ایسے مقابلے کا گمان بھی نہ تھا۔ جب آپ نے دشمن کی کثرت کو ملاحظہ کیا تو خدا
کی حضور میں نہایت عاجزی کی۔ اور آپ کو فتح کا مژدہ دیا گیا اور وحی سے ان مواقع کی اطلاع دیگئی جہاں مخالف مقتول
ہو کر گرینگے آپ نے فرمایا فلاں جگہ میں فلاں شخص مرا پڑا ہوگا اور فلاں جگہ میں وہ شخص۔ آپ اپنا ہاتھ رکھ کر فرماتے
جاتے تھے کہ یہاں وہ ہوگا اور یہاں وہ ہوگا۔ پس کوئی ایسا نہ تھا کہ مرنے والا اس جگہ سے ہٹا ہو جو آپ نے اپنے
ہاتھ سے تعیین کر دی تھی فرشتے اس روز لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نظر آتے تھے۔ [illegible]

ہو جائیں۔ اور مشرکوں کے دل تھرا جائیں۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح ہوئی۔ اس جنگ نے اُنکو غنی بنا دیا اور
شرک کی طاقت کو پسپا کر دیا۔ قریش کے منتخب لوگ اور جگر گوشے ہلاک ہو گئے اسی واسطے اس جنگ کا نام فرقان ہے
اور خدا تعالے کی مرضی تھی کہ شرک کی بیخ کنی ہو جائے اور صحابہؓ نے اپنی رائے سے فدیہ لے لینے کی طرف میلان کیا۔
اس سے مورد عتاب ہو گئے لیکن اخیر میں اُن کی معافی دیگئی۔ اس کے بعد یہود کے جلا وطن کرنے کی تقریب
پیش آئی۔ یہودی جب تک مدینہ کے جوار میں رہتے دین الٰہی کے خالص اور مطمئن ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ انہوں
نے عہد شکنی کی اس لئے آنحضرت صلعم نے بنی نضیر اور بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا اور کعب بن اشرف کو قتل کروا دیا۔ اور
اُن کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ انہوں نے اُن لوگوں کی جانب رخ نہ کیا جنہوں نے مدد دینے کے وعدے کئے تھے
اور خوب اُن کے دلوں کو بڑھایا تھا۔ اُن کے مالوں کو خدا نے اپنے نبی کی طرف پھیر دیا اور اول دولت میں فراخی مسلمانوں
کو اسی سے حاصل ہوئی۔ اور ابو رافع حجاز کا تاجر مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچایا کرتا اُس کی طرف آنحضرت صلعم نے عبداللہ
بن عتیک کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے آسانی سے اُسے قتل کر دیا۔ جب عبداللہ اس کے گھر سے باہر آ رہے تھے تو اُنکی
ٹانگ ٹوٹ گئی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلا دو۔ آپ نے اُس پر ہاتھ پھیر دیا وہ ایسا صحیح و سالم ہو گیا گویا کبھی
کوئی شکایت ہی نہ ہوئی تھی ؂

جب اسباب سماوی کا اقتضا ہوا کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست ہو تو اس موقع پر چند طریقوں میں رحمت الٰہی کا
ظہور ہوا کہ اس واقعہ سے بڑی مذہبی بصیرت اور بیداری پیدا ہوئی۔ اس لئے کہ شکست کی وجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے ارشاد کی مخالفت ہوئی۔ آپ نے فرما دیا تھا کہ درہ پر جمے رہیں اور لوگوں کا وہاں سے ہٹنا تھا کہ حملہ آوروں کا کام
چل ہو گیا اور خدا نے اجمالی طور پر اپنے نبی کو شکست پر آگاہ کر دیا تھا۔ آپ کو خواب میں شکستہ تلوار اور ذبح کی ہوئی گائے
دکھائی گئی تھی شکست اور صحابہ کا شہید ہونا اُسی کی تعبیر تھی۔ یہ جنگ سر طالوت کی نظیر ہو گئی جس میں با اخلاص لوگ
غیروں سے تمیز ہو گئے۔ اس میں رہبری ہو گئی کہ حد مناسب سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے اور جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ
اور اُنکے رفقا شہید ہوئے تو بروں نے اُنکو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دشمن اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکے ؂

جب قاری بیر معونہ میں شہید ہو گئے تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نمازیں قاتلوں پر بد دعا کرنے لگے اور اس میں
ایک قسم کی عجلت تھی جو بشریت کے اقتضا سے ہوا کرتی ہے۔ خدا نے اس پر تنبیہ فرما دی کہ رسالت کے تمام امور فی اللہ
اور محض خالصۃً للہ ہونے چاہئیں۔ اُنہیں کوئی لوث بشری نہ ہو ؂

جب عرب کے بڑے قبائل نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا اور خندق کھودی گئی تو بھی مختلف عنوانوں سے رحمت الٰہیہ
کا ظہور ہوا۔ خدا نے کفاروں کے مکروں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور مسلمانوں کو کسی قسم کی مضرت نہ پہنچی اور حضرت جابرؓ
کے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ ایک صاع جو اور ایک بزغالہ سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے خوب سیر ہو گئے کسریٰ
اور قیصر کے ایوانات پتھر کی ضرب سے جو شرارہ اُڑا تھا اُس میں نظر آئے اور اُن کے فتح ہونے کی آپ نے بشارت دی اور
شب تاریک تھی ایسی سخت ہوا کو جنبش ہوئی کہ کفار کے دل مرعوب ہو گئے اور وہ بھاگ نکلے۔ بنی قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور

حضرت سعدؓ کے فیصلے کے موافق وہ اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے تو حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ ان میں سے جو لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں قتل کر دئے جائیں اور انکے بال بچے قید کر لئے جائیں۔ ایسی انکی رائے حق بجانب تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جانب طبعی میلان تھا اور اس میں ایک مذہبی مصلحت تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ لے پالک کی بیوی بیویوں کے لئے درست ہے اس لئے خدا تعالے نے اس کا انجام یوں کیا کہ ان کے خاوند نے انکو طلاق دے دی اور خدا نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کروا دیا۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر کہا یارسول اللہ هلك المال وجع العيال فاستسق۔ اے رسول مویشی ہلاک ہو گئے اور کنبہ بھوکا مرتا ہے آپ بارش کی دعا فرمایئے اس وقت آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ ہاتھ اٹھا کر آپ دعا مانگنے لگے ابھی آپ نے ہاتھوں کو نیچے نہ کیا تھا کہ بادلوں کے دل پر دل پہاڑوں کی طرح گھر گئے اور سات روز تک بارش کی جھڑی لگ گئی۔ اتنا پانی پڑا کہ لوگوں کو نقصان کا اندیشہ ہونے لگا تب آپ نے فرمایا حوالينا ولا علينا۔ ہماری اطراف میں پڑے نہ ہم پر کوئی سمت نہ تھی کہ اسطرف بادل ہٹنے کا اشارہ فرماتے ہوں اور بادل نہ ہٹ جاتا ہو۔

جس شئے میں آپ نے برکت کی خواستگاری فرمائی ہے بارہا اس میں برکت ہوئی۔ جیسے حضرت جابرؓ کا انبار خرما۔ اور ام سلیمؓ کی روٹیاں وغیرہ ذلک۔

بنی مصطلق کی لڑائی میں ملائکہ ظاہرا نمودار ہوئے اور دشمن پر خوف طاری ہو گیا اسی جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی اور خدا کی رحمت سے آپ کی برات ثابت ہوئی۔ اور جس نے ایسی شناعت کو آپ کی جانب سے شائع کیا تھا اس پر حد قذف قائم کی گئی۔ ایک بار سورج گرہن ہوا تو آپ نے اس سے بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز کیا کہ ایسا انقلاب خدا کے نشانات میں سے ایک نشان تھا۔ ایسے وقت میں برگزیدہ لوگوں کے دل میں خوف طاری ہوا کرتا ہے۔ اسی نماز میں آپ نے اپنے اور دیوار قبلہ کے مابین جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا۔ یہ مشاہدہ اسی طرح تھا کہ عالم مثال کے احکام کسی موقع خاص پر ظاہر ہوا کرتے ہیں اور خواب میں جناب الہی نے آپ کو مطلع کیا کہ فتح کے ساتھ مکہ میں حلق اور قصر کے بعد داخل ہونگے بلا خوف و ہراس۔ اس سے لوگوں نے عمرہ کا قصد کیا اور ابھی تک عمرہ کا وقت نہیں آیا تھا اور یہی تقریب صلح کی ہو گئی جو بڑے بڑے فتوحات کا مقدمہ تھی۔ لوگوں کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔

اس موقع پر نبوت کے چند نشانات ظاہر ہو گئے۔ لوگ پیاسے تھے اور پانی صرف ایک برتن میں موجود تھا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ید مبارک اس ظرف میں رکھ دیا اور آپ کی انگلیوں میں سے پانی کی دھار نکلنے لگی۔ حدیبیہ کا تمام پانی صحابہ نے کھینچ لیا تھا اس میں ایک قطرہ باقی نہ رہا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمائی تب تمام لوگ سیراب ہوئے۔

اور مخلصین کے اخلاص کی جانچ کے لئے بیعۃ الرضوان واقع ہوئی۔ اس کے بعد خدا تعالے نے خیبر کو فتح کیا۔ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ملا جس سے جہاد کی طاقت بڑھا سکیں۔ اس سے

خلافت کے منتظم ہونے کی بنیاد پڑ گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زمین پر خلیفۃ اللہ ہو گئے اور یہاں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے آپ کے کھانے میں یہودیوں نے زہر ملا دیا اور خدا تعالےٰ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا اور اسی جنگ میں سلمہ بن اکوع کے چوٹ لگ گئی تھی۔ آپ نے کئی بار اس ضرب پر دم کر دیا پھر کبھی انہوں نے درد کی شکایت نہ کی۔ آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ فرمایا کوئی شے ستر کی نہ تھی اس وقت آپ نے دو درختوں کو بلایا۔ وہ اس اونٹ کی طرح جس کے ناک میں نکیل ہو مطیعانہ کھنچے چلے آئے جب آپ فارغ ہو گئے تو ان کو اپنی جگہ واپس کر دیا۔ جب محاربی نے ارادہ کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر غالب ہو جائے تو خدا نے اس کے دل پر رعب بٹھا دیا آپ نے اس کے ہاتھ باندھ دئے ✽

اور جس امر کا ملاء اعلےٰ میں فیصلہ ہو گیا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس کا القاء ہوا کہ تمام بڑے بڑے سرکش ملعون ہوں ان کی صولت زائل ہو جائے ان کی رسمیں نابود ہو جائیں اس لئے ان میں سعی فرما کر خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کیا۔ قیصر اور کسرےٰ اور تمام معاند سرکشوں کو نامے تحریر فرمائے کسرےٰ نے نامہ سے بے ادبی کی۔ اس لئے آپ نے اس پر بددعا کی اور اس کو خدا نے ریزہ ریزہ کر دیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید اور حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم موتہ مقام ملک شام میں کو روانہ فرمایا اور ان پر وہاں جو حالت گزری وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہو گئی۔ آپ نے اس سے پیشتر کہ کوئی خبر وہاں سے پہنچے سو ان کی وفات کی خبر دی۔ آنحضرت صلعم جب تمام قبائل عرب کے جہاد سے فارغ ہو گئے اور قریش نے عہد شکنی کی اور کورانہ دش اختیار کی تو آپ نے فتح مکہ کا اہتمام فرمایا اور حاطب بن بلتعہ صحابی نے اہل مکہ کو آپ کے ارادہ پر مطلع کرنا چاہا تو خدا نے اپنے رسول کو اس پر آگاہ کر دیا اور آپ نے مکہ کو فتح کیا ولو کرہ الکفرون اہل مکہ میں اس طریقے سے اسلام پھیل گیا کہ اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا ✽

جنگ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور کفار نے جولانی کی تو رسول خدا صلعم اور آپ کے اہل خاندان نے نہایت ہی استقلال ظاہر فرمایا آپ نے ان کی جانب گرد پھینکی یہ اعجاز تھا کہ کوئی شخص نہیں بچا جس کی آنکھ میں وہ گرد نہ پہنچی ہو۔ اسی وجہ سے وہ لوٹ گئے اس کے بعد خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کے دل میں جمعیت اور اطمینان پیدا کیا اور سب نے مل کر نہایت سخت کوشش کی اور فتح کر لیا۔ آپ نے ایک شخص کی نسبت جو مدعی اسلام تھا اور اس نے بہت ہی سخت مقابلہ کیا تھا فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ قریب تھا کہ بعض لوگوں کو آپ کے ارشاد میں شک پیدا ہو لیکن بعد میں ظاہر ہو گیا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے ✽

اور آپ پر جادو کیا گیا آپ نے خدا سے دعا مانگی کہ اصلی حالت ظاہر ہو جائے تو خواب میں دو شخصوں نے آپ کو جادو اور جادو کرنے والے کی کیفیت ظاہر کر دی۔ اور ذوالخویصرہ نے اگر کہا یا رسول اللہ انصاف سے تقسیم فرمایئے اس پر آنحضرت صلعم کو اس شخص کا اور اس کی قوم کا انجام منکشف ہو گیا کہ یہ لوگوں میں سے ایک بہترین فرقہ سے جنگ کرینگے ان کی شناخت آدمی سے کی جائیگی جس کا رنگ سیاہ ہوگا اور اس کا ایک بازو ایسا ہوگا جیسے عورت کا پستان

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مقاتلہ کیا اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ویسے ہی اُن کی صفت آپ نے پائی۔ حضرت ابوہریرہ کے لئے آپ نے دعا فرمائی اور وہ اسی روز ایمان لے آئے۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ جب تک کہ میں اپنی اس تقریر کو ختم کروں جو شخص اپنا کپڑا بچھا کر اپنے سینہ سے لگا لے گا وہ کبھی اپنی بات نہ بھولے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا بچھا کر سینہ سے لگا لیا پھر کبھی ان کو اپنے قول میں نسیان نہ ہوا۔

آنحضرت صلعم نے ایک روز اپنا دست مبارک جریر کے سینہ پر مار کر فرمایا بار خدایا اس کو ثابت رکھ اس کے بعد پھر کبھی وہ گھوڑے سے نہیں گرے اور پہلے وہ گھوڑے پر خوب نہیں جم سکتے تھے۔ ایک شخص مرتد ہو گیا تھا تو اسکو زمین نے قبول نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شاخ پر سہارا دیکر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بن گیا اور اس پر قیام فرمایا تو اس شاخ میں گریہ وگداز پیدا ہو گیا یہانتک کہ آپ نے اس کو پکڑ کر چمٹا لیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلعم ایک سست گھوڑے پر سوار ہو کر فرمانے لگے ہم نے نہایت گھوڑے کو رفتار میں بحر کی طرح پایا اس کے بعد سے کوئی گھوڑا اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

ان امور کے بعد خدا نے اپنے دین کو خوب مستحکم کر دیا اور لوگوں کی پیاپے آمد و رفت شروع ہو گئی اور متواتر فتوحات ہونے لگیں تمام قبائل عرب پر تمام و کمال کا تسلط فرمایا شہروں میں تعلیمی نظر کر دئے گئے اور خلافت کمل حالت میں ہو گئی۔ اس اطمینان کے بعد آپ کے قلب مبارک میں القا کیا گیا کہ مقام تبوک کی طرف نہضت فرمائی جاوے تاکہ رومیوں پر آپ کی شوکت و جلالت ظاہر ہو اور ان اطراف کی ریاستیں مطیع ہو جائیں۔ یہ جنگ نہایت گرمی اور تنگی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے خدا نے خالص و منافق میں تمیز کر دی۔ آنحضرت صلعم ایک عورت کے باغیچہ پر گذرے جو وادی القریٰ میں تھا اس باغیچہ کا اندازہ آپ نے بھی فرمایا اور دیگر صحابہ نے بھی فرمایا لیکن جیسے آپ نے ارشاد کیا تھا اس کے موافق برآمد ہوا جب دیار حجر کے قریب پہونچے تو لوگوں کو اس کے پانیوں سے ممانعت فرما دی تاکہ موقع لعنت سے لوگ متنفر رہیں۔ ایک دفعہ شب کو آپ نے ممانعت فرما دی کہ کوئی شخص باہر نہ جاوے اتفاقاً ایک شخص باہر چلا گیا تو اس کو ہوا نے طے کی پہاڑیوں میں پھینک دیا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کا اونٹ گم ہو گیا تو ایک منافق کہنے لگا کہ اگر نبی ہوتے تو اپنے اونٹ کا حال معلوم کر لیتے کہ کہاں ہے اس پر خداتعالیٰ نے آپ کو اس منافق کے قول اور مقام اونٹ سے آگاہ کر دیا اور بعض مخلصین نے کہ زیادہ غلطی کی وجہ سے رفاقت نبوی سے تخلف کیا تھا لیکن بعد میں زمین ان پر تنگ ہو گئی وہ نہایت ہی نادم ہوئے اس لئے ان کا قصور معاف کر دیا گیا اور شاہ ایلہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قید کر لیا جس کا پہلے سے گمان بھی نہ تھا۔ جب اسلام میں پوری طاقت آگئی اور خدا کے دین میں گروہ کے گروہ داخل ہونے لگے تو خداتعالیٰ نے اپنی وحی سے آپ کو حکم فرمایا کہ مشرکین سے جو معاہدات ہیں ان کو خیرباد کہدینا چاہئے اور سورہ برأت کا نزول ہوا نجران کے عیسائیوں سے آپ نے مباہلہ کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے عاجز ہو کر جزیہ قبول کر لیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے آپ کی معیت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب تھے

منا سک حج انکو بتائے اور زمانہ شرک کی تحریفات کو دور کر دیا جب تمام احکام اسلام کی تکمیل ہو چکی اور وفات کا زمانہ قریب ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آدمی کی شکل میں بھیجا سب لوگ ان کو دیکھتے تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا کہ ایمان و اسلام اور احسان کی حقیقت کیا ہے اور قیامت کا حال دریافت کیا آپ بیان فرماتے رہے اور حضرت جبریل علیہ السلام اسکی تصدیق کرتے گئے گویا دین کا تتمہ و تکملہ تھا۔

جب آپ مریض ہوئے تو برابر رفیق اعلیٰ کو یاد کرتے رہے اور ملاء اعلیٰ کی جانب اظہار شوق اور کشش فرماتے رہے یہاں تک کہ خدا نے آپکو وفات دی اور آپ کی حفاظت دین کا متکفل ہو گیا ایسے لوگوں کو اس نے قائم کیا جو کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے خوف نہیں کرتے تھے انہوں نے مدعیان نبوت اور روم و عجم سے جنگ کی اور فتح یابیاں لیں کہ اس کے علم کی تکمیل ہو گئی اور اس کا وعدہ پورا ہو گیا۔ صلے اللہ علیہ وعلےٰ آلہ وعلےٰ اصحابہ وسلم۔

الفتن فتنوں کے بیان میں

معلوم کرنا چاہئے کہ فتنوں کے مختلف اقسام ہیں (۱) ذاتی فتنہ اس طرح پر کہ آدمی کے دل میں قساوت اور سختی آجائے اسکو طاعت میں کچھ حلاوت اور مناجات میں کوئی لذت محسوس نہ ہو۔ انسانی زندگی کے تین منبع ہیں اول دل وہ تمام حالات انسانی غصہ۔ دلیری۔ حیا۔ بیم و رجا۔ انقباض و انبساط وغیرہ کا مبدا ہے۔ دوسرے عقل جو تمام ان علوم کا منبع ہے جنپر حواس کی انتہا ہوتی ہے مثلاً وہ بدیہی احکام جو تجربہ اور حدس وغیرہ سے معلوم ہوں یا علوم نظری جو دلیل خطابیات وغیرہ سے مستفاد ہوں تیسری طبیعت جو کہ تمام نفسانی رغبتوں کا مبدا ہے خواہ وہ رغبتیں قیام بدن کے لئے خود ضروری ہوں یا انکی جنس کی ضرورت ہو مثلاً وہ خواہشیں جو کھانے پینے خواب ہمبستری کی وجہ سے پیدا ہوا کرتی ہیں جب عقل پر یہ چیزیں غالب ہو جاتی ہیں تو اس کے تمام ارادے انقباض و انبساط کے متعلق ایسے ہی ہونگے جیسے بہائم کے جو طبیعت اور اوہام کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں ایسے دل کو بہیمی کہتے ہیں اور جب دل شیطانیت سے بیداری اور خواب میں شیطانی وسوسوں کو قبول کرنے لگے تو ایسے انسان کو شیطان الانس کہتے ہیں اور جب دل پر فرشتوں کے سے صفات غالب ہوں تو اس کو قلب انسانی کہتے ہیں اس وقت اس کے تمام جذبات خوف و رغبت وغیرہ اعتقادات حقہ کی جانب مائل ہوا کرتے ہیں جنکو اس نے حاصل کیا تھا جب قلب کی حالت نہایت صاف اور اس کی نورانیت اور لمعان کامل ہو جاتی ہے تو قلب سرح ہو جاتا ہے تب اس میں بغیر انقباض کے ہمیشہ انبساط رہتا ہے اور بغیر اضطراب و بے چینی کے اطمینان اور سکون ہوتا ہے تمام ملکی خاصیتیں اس کی عادت اور طبیعت ہو جاتے ہیں اور وہ ایسی نہیں ہوتیں جیسے مکتسب چیزیں ہوتی ہیں اور جب جسمی مادات عقل پر غالب ہوتے ہیں تو وہ سبک ہو جاتا ہے نفسانی جنبشوں میں مبتلا رہتا ہے طبیعت کے دواعی کی طرف اسکی کشش رہتی ہے اگر خواہش نفس کی جنبش پیدا ہوتی ہے تو مجامعت کے خیال میں مبتلا ہے بھوک معلوم ہونے لگے تو کھانے کے خیال میں پڑا رہتا ہے وعلیٰ ہذا اور شیطانی وسوسوں سے جب وہ مغلوب ہوتا ہے تو اعلیٰ قسم کے جو انتظامات ہیں ان کے ابطال اور تنسیخ میں سعی کرتا ہے سچے اعتقادات میں شبہات پیدا کرتا

ہے اور ان بدنما افعال کی بابت اس کو کشش رہتی ہے جس سے نفوس سلیمہ متنفر رہتے ہیں اگر ملکی خصائل کا فی بجا ہی
قوی اثر ہوتا ہے تو عقل کے وارثم سے ہوتا ہے کہ جن علوم کی تصدیق ضروری ہے اُسکی تصدیق کی جاتی ہے جنکا تعلق
تدابیر نافع اور اُن تدابیر سے ہوتا ہے جو درجۂ احسان سے متعلق ہیں انکا ثبوت بدیہی ہو یا نظری طور پر۔

اور جب اس کی نورانیت اور انجلا میں اور ترقی ہوتی ہے تو نفس کی حالت کو سِرّ کہتے ہیں اسوقت میں وہ مختلف
طریقوں سے خواب فراست کشف آواز غیبی وغیرہ کے ذریعہ سے ان علوم کا ادراک کرتا ہے جنکا فیضان عالم غیب سے
ہوتا ہے اور جب اسکا میلان اُن موجودات کی طرف ہوتا ہے جو زمانہ اور مکان سے برتر ہیں تو نفس کو خفی کہتے ہیں۔

اور نفس کی کشش جب طبعی عادت میں محصور ہو جاتی ہے تو اُسوقت اسکا نفس امارہ نام ہوتا ہے اور قوت بہیمی اور ملکی
میں جب اُسکی مذبذب حالت ہو اور میلانوں کا فیصلہ کبھی اس جانب ہو کبھی اُس جانب تو اسکو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

اور جب نفس شریعت کا پورا پابند ہو اُسکی حکومت سے بغاوت نہ کرے اسکی ہر ایک جنبش شریعت کے موافق ہی ہو
اسکو نفس مطمئنہ کہتے ہیں هذا ما عندي من معرفة لطائف الانسان والله اعلم۔

ایک انسانی فتنہ وہ ہے جس کا تعلق اُس کے اہل سے ہوتا ہے یعنی تدابیر منزل کا ابتر ہو جانا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے یہانتک کہ آپ نے فرمایا کہ ایک شیطان آ کے
پاس آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو نہیں چھوڑا جبتک کہ اس میں اور اُسکی بیوی میں جدائی نکردی اس شیطان کو ابلیس اپنے
نزدیک بلا کر کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے۔

اور ایک فتنہ وہ ہے جو دریا کے امواج کیطرف موجزن اور متلاطم ہوتا ہے وہ تمدن کی تدابیر کا برباد ہونا ہے اور لوگوں کا
خلاف حق خلافت میں طمع کرنا آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ شیطان مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش
کریں لیکن وہ اُن میں فساد ڈالتا رہیگا ایک فتنہ مذہبی ہے کہ صحابہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں سے حواری فنا ہو جائیں
اور نااہل لوگ مذہب کے معتمد علیہ بنیں علما اور درویش مذہبی امور میں زیادہ تعمق کریں اور سلاطین وجاہل دین میں تہاون
اور کسل ظاہر کریں کوئی نیکی کا رہنما اور بدی سے روکنے والا نرہے اور زمانہ جاہلیت کے زمانہ کے ہمرنگ ہو جائے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر نبی کیلئے حواری ہوتے رہے ہیں الی آخر الحدیث۔

اور ایک فتنہ وہ ہے جو آفاق میں پھیل جاتا ہے کہ لوگ انسانیت کے اصل نظام اور مقتضیات انسانی سے بالکل ٹل
جائیں سب میں ازکی اور اعلے درجے کے زاہد تو طبیعت کے جذبات کو بالکل ترک کردیں۔ انکی اصلاح اور تنظیم کرنے کی پروا
نکریں۔ اپنے آپ کو مجردات کے مشابہ کسی نکسی طرح سے کرلیں اور عوام خالص بہیمیت میں جذب ہو جائیں کچھ لوگ دونوں
کے درمیانی حالت میں ہوں۔ لا الی هٰؤلاء ولا الی هٰؤلاء۔

اور ایک فتنہ واقعات جو سے متعلق ہے جنمیں عام تباہی اور بربادی کی تہدید اور تخویف ہوا کرتی ہے مثلاً ہولناک
قانون کا ظاہر ہونا وبا کا پھیلنا زمین کا دھنس جانا دور تک اطراف عالم میں فتنہ وفق کا ہونا مثل ذلک۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں کی تفصیل اور تشریح بیان فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ تم اگلے لوگوں کے

تمام طریقوں میں ایسی ہی پیروی کروگے جیسے بالشت بالشت کے ساتھ اور گز گز کے برابری کرتا ہے حتیٰ کہ انہیں سے اگر کوئی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی اسکی پیروی کروگے اور آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیک لوگ درجہ بدرجہ فوت ہوتے جائینگے اور بقیہ ایسے باقی رہتے جائینگے جیسے جو کی بھوسی خدا تعالیٰ انکی کچھ بھی پروا نہ کریگا میں کہتا ہوں آنحضرت صلعم کو معلوم ہوگیا تھا کہ جب نبوت کا زمانہ منقرض اور ختم ہوجائیگا اور آپ کے صحابہؓ میں حواریوں کے درجہ کے لوگ باقی نہ رہینگے اور نااہل لوگ معتمد علیہ بنائے جائینگے۔ تو ضرور ہے کہ نفسانی اور شیطانی تحریکات اور دواعی کے موافق رسمیں پھیل جائینگی اور وہ الاماشاء اللہ سب میں سرایت کرجائینگے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے اس کے بعد خلافت اور رحمت کا زمانہ آئیگا پھر اس کے بعد گزندہ حکومت ہوگی۔ اس حکومت کے بعد ظلم سرکشی اور زمین پر فساد ہوگا ریشم شرمگاہ اور شراب کو لوگ جائز اور درست سمجھینگے اسی حالت پر انکو رزق دیا جائیگا ان کی مدد کی جائیگی جبتک کہ وہ خدا سے ملیں۔

میں کہتا ہوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نبوت کا اختتام ہوگیا اور وہ خلافت جسمیں باہم مسلمانوں میں تلوار نہ چلی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم ہوئی اور اصل خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت و حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی معزولی سے ختم ہوگئی اور ملک عضوض یعنی گزندہ کا وہ زمانہ ہے جس میں بنی امیہ سے صحابہؓ کی لڑائیاں رہیں اور بنی امیہ سختیاں کرتے رہے یہانتک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہوگئی اور جبر و سرکشی کا زمانہ عباسیوں کا ہے اسلئے کہ انھوں نے کسرے اور قیصر کی رسم و آئین کے موافق خلافت کی بنیاد ڈالی تھی۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنے دلوں پر پیش ہونگے وہ دلوں کو گھیر لینگے جیسے چٹائی کی بناوٹ میں ایک جز دوسری جز میں گتھا ہوا ہوتا ہے جن دلوں میں وہ فتنہ سرایت کرجائینگے ان میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجائیگا اور جو قلوب ان سے بیگانہ رہینگے ان میں سپید نقطہ پیدا ہوگا اس طرح دو قسم کے دل ہوجائینگے ایک سپید چٹان کیطرح صاف و بے داغ اس کو کبھی فتنہ مضرت نہ پہنچا سکیگا جب تک زمین آسمان قائم ہیں دوسرے سیاہ گرد آلود جیسے ٹیڑھا کوزہ نیکی کی شناخت کرتا ہے نہ بدی کی بجز اپنی خواہش کے جو دل میں سرایت کرگئی ہے۔

میں کہتا ہوں جب فتنے برپا ہوتے ہیں تو نفسانی اور شیطانی ولولوں کی دل میں جنبش ہوتی ہے بداعمالیاں دلوں کو گھیر لیتی ہیں کوئی ہادی نہیں ہوتا جو حق پر آمادہ کرے اس واسطے انہیں دلوں کو ان فتنوں سے علحدگی اور بیگانگی ہوا کرتی ہے جو ان کی مخالف اور بدمناسبت سے نا آشنائے محض ہوتے ہیں باقی اور سب دلوں پر ان کا عام اثر ہوا کرتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امانت اصل طبیعت میں پیدا ہوا کرتی ہے پھر اس کا علم قرآن و حدیث کے ذریعہ سے ہوجاتا ہے اور امانت کے جاتے رہنے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا کہ آہستہ آہستہ امانت کا اثر دل سے زائل ہوتا ہے اول اول اوسکا نور زائل ہوکر کسی قدر تیرگی رہجاتی ہے پھر اثر

ظلمت کا دیر پا ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں جب خدا تعالےٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کو غلبہ ہو تو ایک قوم کو اس نے پسند کیا اور اطاعت وجان نثاری کا انکو مرتاض اور مشتاق بنایا حکم الٰہی کے موافق ان کی ہمت اور عزم کو جمع کیا پھر اسی اجمالی فرماں پذیری کی احکام کی قرآن و حدیث میں پوری تفصیل کر دی گئی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ غفلت اور بے پروائی بڑھتی جاتی ہے اس وقت نہایت ہوشمندی اور فراست میں دیکھا جاتا ہے کہ کس کے دل میں دین الٰہی اور لوگوں کے باہمی تعلقات ومعاملات میں اس نے حقہ تدین اور امانت کا نہیں ہوا کرتا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جیسے اسلام سے پیشتر تاریکی پھیل گئی تھی کیا اب کو بھی ہو جائیگی آپ نے فرمایا ہاں ایسی ہی ہو جائیگی میں نے کہا اس سے نجات کیسے حاصل ہوگی آپ نے فرمایا تلوار نجات دے سکیگی میں نے کہا بعد تلوار کے بھی کیا کچھ تاریکی باقی رہیگی آپ نے فرمایا ہاں۔ ناخوشی اور ناگواری سے حکومت قائم ہوگی اور مکر و فساد سے صلح ہوگی میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا گمراہی کی طرف لوگ بلانیوالے اگر اس وقت میں کوئی خلیفہ موجود ہو جو امور باطل پر تیرے پیٹ پر درے لگائے اور تجھ سے مال وصول کرے تو اس کی اطاعت کرنا ورنہ افسوس و غم کی حالت میں مرجانا۔

میں کہتا ہوں وہ زمانہ جس میں نجات تلوار سے حاصل ہوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا جس میں اہل عرب مرتد ہو گئے تھے اور ناخوشی کی حکومت وہ باہمی نزاع تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آئے اور مکر و فساد کی وہ صلح تھی جو حضرت معاویہؓ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے زمانے میں واقع ہوئی اور گمراہی کیطرف بلانا۔ ان میں سے ملک شام میں یزید تھا اور عراق میں مختار وغیرہ لک یہانتک کہ عبدالملک بن مروان کی حکومت مستقل ہو گئی۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنہ احلاس کا ذکر فرمایا آپ سے عرض کیا گیا کہ اسمیں کیا ہوگا آپ نے فرمایا بھاگنا اور جنگ کرنا پھر آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد فتنہ سرا ہوگا اس کا ظہور ایسے شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا جو کہیگا کہ مجھ میں سے ہے حالانکہ مجھ میں سے نہ ہوگا یقینا مجھ میں سے قریب متقی لوگ ہیں اس کے بعد تمام لوگ ایک شخص سے صلح کر لینگے لیکن اس کی حالت کچھ منتظم نہ ہوگی اور اسکے بعد فتنہ دہیما ہوگا کوئی شخص اس امت کا ایسا طمانچے سے محفوظ نہ رہیگا جب لوگ کہینگے کہ اب اسکی انتہا ہو گئی اس میں اور امتداد ہو جائیگا۔ میں کہتا ہوں کہ فتنہ احلاس واللہ اعلم وہ ہوا جس میں اہل شام نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے جنگ کی تھی وہ جب مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آگئے تھے اور فتنہ سرا سے مراد یا تو مختار کا غالب آ کر اس دعوے سے کہ میں اہل بیت کا قصاص لیتا ہوں قتل و غارت کرنا ہے آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ وہ کہیگا کہ مجھ میں ہوگا اسکے ایک یہی معنی ہیں کہ اہل بیت کے ایک گروہ اور انصار میں سے ہوگا اس کے بعد مروان اور اولاد مروان پر صلح ہو گئی تھی یا اس فتنہ سے ابو مسلم خراسانی کا عباسیوں کے مقابلہ کیلئے خروج کرنا مراد ہے اس کا بھی یہی قول تھا کہ میں اہل بیت کی خلافت کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد سفاح پر صلح ہو گئی اور فتنہ دہیما سے چنگیزیوں کا مسلمانوں پر غالب آ جانا مراد ہے انہوں نے ممالک اسلام میں خوب

غارتگری کی۔

اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے علامات بیان فرماتے ہیں۔ ان علامات کی ابتدا بھی انہیں مختلف فتنوں پر ہوتی ہے جنکا اوپر ذکر ہو چکا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے علامات سے ہے کہ علم اٹھ جائیگا جہل کی کثرت ہوگی زنا اور شراب کی زیادتی ہو جائیگی مرد کم ہو جاوینگے عورتیں زیادہ ہو جائینگی پچاس پچاس عورتوں پر ایک شخص کی حکومت ہوگی۔

زبان شریعت میں حشر کے دو معنی ہوتے ہیں ایک لوگوں کا ملک شام میں جمع ہونا قیامت سے پیشتر یہ واقعہ اسوقت ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائیگی تو بعض لوگ مختلف تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ کی وجہ سے وہاں جمع ہونگے دوسری حشر کے معنی ہیں بعد موت کے زندہ ہونا اس سے پیشتر ہم معاد کے سر ار بیان کر چکے ہیں واللہ اعلم

جن بڑے بڑے فتنوں کی رسول خدا صلعم نے خبر دی ہے وہ چار ہیں:۔

اول فتنہ ناگو ر حکومت کا یہ فتنہ اس حالت پر صادق آتا ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہؓ میں شورشیں پیدا ہوئیں یہانتک کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت قائم ہوگئی حضرت علی وقت اسی خلافت کی طرف اشارہ ہے حضرت معاویہؓ کے ہی متعلق ہے یعرف امرہ وینکر کہ ان کے حکم کی تعمیل بھی کی جائیگی اور اس سے انکار بھی کیا جاوے گا اس لئے کہ ان کی سیرت سلاطین کی طرز پر تھی نہ خلفاء کے روش پر۔

دوسرا فتنہ احلاس ہے جسمیں لوگ جہنم کے دروازوں کی طرف بلائینگے یہ اس زمانہ پر صادق ہے کہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد لوگوں میں نفاق ہوا اور خلافت کی تمنا میں انہوں نے جنگ برپا کیں یہانتک کہ عبدالملک کی حکومت ختم ہوئی۔

تیسرا فتنہ سرا ہے جبر و سرکشی کا زمانہ ہے جس میں عباسیوں نے بنی امیہ پر خروج کیا یہانتک کہ خلافت عباسیہ کی بنیاد قائم ہوگئی عباسیوں نے سلاطین عجم کی سی تمدن قائم کی اور زبردستی حاکم بن بیٹھے۔

چوتھے جو عام طور پر سب کو طمانچہ لگائیگا جب کہینگے کہ اب ختم ہو گیا ہے وہ اور ممتد ہو جائیگا اور لوگ دو حصوں میں منقسم ہو جائینگے وہ چنگیزی ترکوں کا بلاخیز حملہ تھا جنہوں نے عباسی خلافت کو پاش پاش کر دیا۔

اور جو حدیثیں فتنوں کے باب میں وارد ہیں۔ ان میں سے دس پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اسلام کی آسیا پینتیس یا چھتیس سال تک گردش کرتی رہیگی پس اگر لوگ ہلاک ہو جائیں تو ان کی ہلاکی ایسی ہی ہوگی جیسی اگلوں کی ہوئی اور اگر انکا دین ثابت اور مستقیم رہا تو ستر برس باقی رہیگا راوی نے کہا یہ مدت ستر سال کی مدت سے ہے یا گذشتہ سالوں کو ملا کر آپ نے فرمایا ان گذشتہ کو ملا کر اس قول کے کہ اسلام کی آسیا گردش کرتی رہیگی معنی یہ ہیں کہ اسلام کی پوری قوت ان سالوں میں ہوگی حدود قائم ہونگے جہاد تمام امت میں ہوگا اور یہ حالت جہاد کی ابتدا اور داخل ہجرت سے جب تک باقی رہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور مدت میں تعدد کے لحاظ سے جو شبہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق اجمالی دی کی گئی ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ اگر سب ہلاک ہو جائیں

اس کے معنی یہ ہیں کہ اسقدر دشواریاں اور دقتیں پیش آئینگی کہ دیکھنے والے کو شک ہوگا کہ مبادا کہ تمام امت تباہ ہو جائے اور تمام اُن کے امور نابود نہ ہو جائیں اور ستر برس سے ابتدائے بعثت سے حضرت معاویہؓ کی انتقال تک کا زمانہ مراد ہے اسکے بعد فتنہ دعاۃ الضلال کا قائم ہوگیا۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے وہ لوگ لڑینگے جنکی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہونگی اُن سے ترک مراد ہیں وہ تم کو تین مرتبہ ہٹائینگے یہانتک کہ جزیرہ عرب سے تم مل جاؤ گے پہلی دفعہ جو بھاگیگا وہ بچ جائیگا دوسری مرتبہ کچھ بچینگے کچھ ہلاک ہونگے تیسری مرتبہ وہ بالکل استیصال کر دینگے اسکے معنے یہ ہیں کہ اہل عرب اُن سے لڑینگے اور غالب آجائینگے اس کی وجہ سے باہم اُن میں عداوتیں اور رنجشیں پیدا ہونگی جنکا انجام یہ ہوگا کہ وہ اپنے شہروں سے عرب کو دور کر دینگے اور اس پر ہی قناعت نہ کرینگے بلکہ خود بلاد عرب کے اندر آجائینگے حتی تلحقوہم بجزیرۃ العرب سے یہی مراد ہے اُن کے اول بار کی جنبش میں بھاگنے والے کو نجات مل جائیگی یعنی جو مقابلہ نہ کریگا وہ بچ جائیگا اور یہ پیشینگوئی چنگیزیوں کے جنگ پر صادق ہوئی جو عباسی بغداد میں تھے ہلاک ہو گئے اور جو مصر کو بھاگ گئے تھے محفوظ رہے۔ دوسری مرتبہ فرمایا گیا کہ بعض بچینگے بعد ہلاک ہونگے یہ امر تیمور کے حملے پر صادق ہے جس نے ملک شام کو پامال کر دیا اور عباسیوں کو تہ و بالا کر دیا اور تیسری بار سب کا استیصال کر دینگے یہ عثمانیہ حکومت پر صادق ہے یہ تمام دائرہ حکومت پر غالب آگئے واللہ اعلم۔

المناقب

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب چند امور پر مبنی ہیں اول یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کی وہ نفسانی نسبت اور حالت معلوم ہوئی جس کی وجہ سے آدمی جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جایا کرتا ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ کو معلوم ہوا کہ اُن میں نمایش نہیں ہے اور انہوں نے اُن اوصاف کو مکمل کر لیا ہے جن کی صورت مثالی جنت کے دروازے ہوتے ہیں تب آپ نے فرمایا مجھ کو امید ہے کہ تو اُن لوگوں میں سے ہے یعنی اُن لوگوں میں سے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلائے جائینگے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کو کبھی راستہ میں چلتا ہوا شیطان نہیں ملا مگر وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے سو ہو لیتا ہے اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت سے اگر کوئی محدث اور ملہم بالغیب ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خواب کے ذریعہ سے کسی کا راسخ فے الدین ہونا آپ کو معلوم ہو جائے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنت اُن کا استقبال کرتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں اُن کا ایک محل ہے اور بڑی لمبی چوڑی قمیض پہنے ہوئے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنے دودھ سے بقیہ عطیہ فرمایا ہے جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ علم و دین سے انکو کافی حصہ ملیگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان سے اپنی محبت ظاہر فرمائیں اُن کی توقیر کریں اُن کے ساتھ مواسات اور ہمدردی کریں اسلام کے پہلے خدمات اور ابتدائی اوصاف اُن میں پائے جاتے ہوں ان سب امور سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور اسی لیے متحقق ہوئے کہ ان کے دل نور ایمانی سے منور تھے ۔

معلوم کرنا چاہئے کہ بعض زمانوں کی بعض پر فضیلت اور فوقیت مشکل الوجوہ نہیں ہو سکتی ہے اسی واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کی صفت بارش کی سی ہے میں نہیں جانتا کہ پہلا بہتر اچھا ہے یا آخر مثل امتی کمثل المطر لا ادری اولہ خیر ام اخرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میرے صحابہ ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئینگے انتم اصحابی واخوانی الذین یاتون بعدی اس کی وجہ یہی ہے کہ مختلف اعتبارات اور مختلف وجہیں ہر زمانہ میں موجود ہوا کرتی ہیں ۔

اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عمدہ اور بزرگ زمانے کے ہر شخص کو دوسرے مفضول زمانہ پر فوقیت و فضیلت ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے جو قرون بالاتفاق عمدہ اور بزرگ تھے اُن میں بعض لوگ فاسق اور منافق بھی تھے انہیں زمانوں میں حجاج ۔ یزید بن معاویہ مختار ہیں اور قریش کے نوجوان جو لوگوں کو ہلاک کرنے والے تھے اور ان کے علاوہ اور جن کی بداعمالیوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ قرن اول کے جمہور لوگ قرن دوم کے جمہور لوگوں سے افضل اور بہتر تھے اور مذہب کا ثبوت اور وجود نقل سے ہوا کرتا ہے کہ ایک دوسرے کا وارث ہوتا چلا جاتا ہے اور توارث جب ہی ممکن ہے کہ اُن لوگوں کی تعظیم و توقیر کی جائے جنہوں نے وحی کے موقعوں کا معائنہ کیا تھا اُن کی تفسیر اور تاویل انکو معلوم تھی ۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو آنکھ سے دیکھا تھا اس میں تعمق اور سستی کو مخلوط نہیں کیا تھا دوسرے مذہب کی آمیزش سے اسکو پاک صاف رکھا تھا ۔

اور تمام اُن لوگوں کا جو امت محمدیہ میں شمار اور اعتبار کے قابل ہیں اس پر اتفاق ہے کہ تمام امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اُن کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلئے کہ نبوت میں دو حصے ہوا کرتے ہیں علوم کو خدا کی جانب سے حاصل کرنا اور لوگوں میں اُن کی اشاعت کرنا پہلے حصہ میں نبی کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں ہوا کرتا اور ان علوم کا شائع کرنا ۔ انتظام ۔ تالیف قلوب سے حاصل ہوا کرتا ہے اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد کوئی شخص اس امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ والسلام میں ایسا نہیں ہے کہ اس حصہ میں شیخین رضی اللہ عنہما سے اسکو سبقت اور فوقیت حاصل ہو واللہ اعلم ۔

ولیکن ھذا اخرما اردنا ایرادہ فی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ والحمد للہ تعالیٰ اولاً واخراً وظاھراً وباطناً وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ۔

تمت